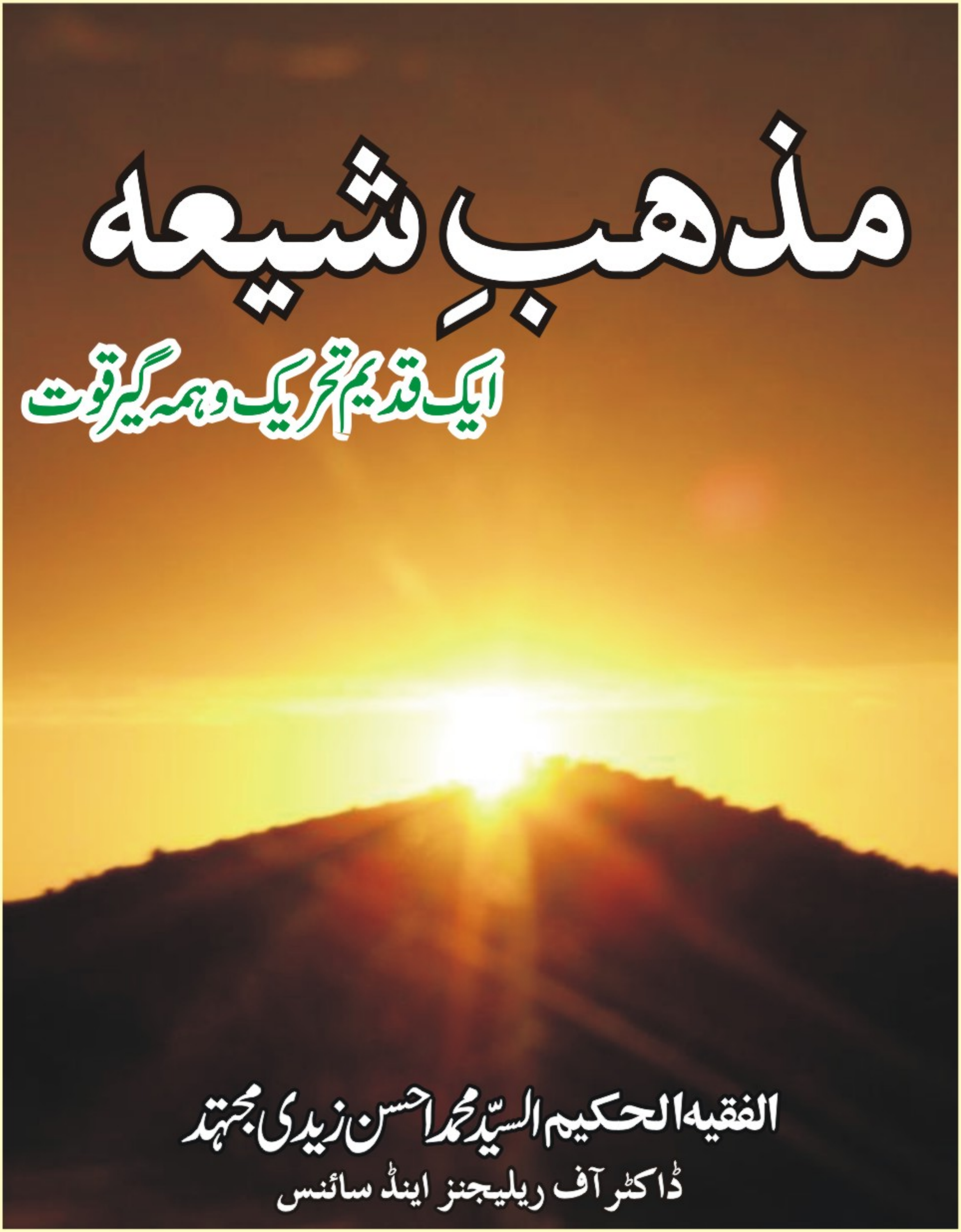

مذہبِ شیعہ

ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت

الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی مجتہد
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

نام کتاب	مذہبِ شیعہ ایک قدیم تحریک وہمہ گیر قوت
مصنف	ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی مجتهد
ناشر	السید ناصر حسین نقوی
طبع سوم	مئی 1998ء
تعداد	500
قیمت	-/300 روپے

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

''پیش لفظ''

کتاب کے مصنف ''ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی'' کی شخصیت برصغیر ہی میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں، مسلم ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں میں بھی تعارف کی محتاج نہیں، علمی وادبی حلقے اس بات پر گواہ ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے اسلام کے متعلق تقریباً ہر پہلو پر قلم اُٹھایا اور اس سلسلے میں قرآن وحدیث اور دین و دیانت کا دامن نہیں چھوڑا۔ ڈاکٹر صاحب کی تصنیفات میں سے چند ایک کی فہرست کتاب کے آخر میں درج ہے۔

ڈاکٹر صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا فرض صرف حقائق کو کاغذ پر منتقل کرنا ہے۔ باقی امامِ عصر علیہ السلام کا اپنا انتظام ہے۔ اللہ اور امام عصر علیہ السلام ہی ہدایت کے ذمہ دار ہیں۔ ہمیں کسی چیز کی جلدی نہیں اور یہ حقائق یقیناً اپنے وقت پر پوری دنیا میں پھیلیں گی۔

کائناتی و آفاقی مذہب ''مذہبِ اسلام'' تاریخ کے جن نازک اور مشکل ادوار سے گزرا، جن اندرونی خلفشار اور تخریب کاریوں کا سامنا کرنا پڑا اور پھر جن تحاریک نے بیش بہا خون سے آبیاری کر کے احیائے اسلام کی، اسلامی تاریخ نے مختلف حکومتوں کے قہری غلبہ اور بد دیانتی کی وجہ سے انصاف نہیں کیا۔ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کو اسلام ہی کے نام پر شہید کیا گیا۔ لاکھوں کتبہائے اسلامی و تواریخ کو عوام الناس تک کے گھروں سے اکٹھا کر کے نذرِ آتش کیا گیا۔ اسی مسخ شدہ گھسی پٹی تاریخ سے اصل حقائق کو سامنے لانا ڈاکٹر صاحب جیسے محقق ہی کا حصہ ہے۔ طرزِ تحقیق ایسا کہ اغیار کیلئے بھی حق قبول کئے بغیر راہِ فرار نہ ہے۔

اسلام کی اوّلین قسط سے لے کر رسوؐل ختمی المرتبت تک شیطان اور شیطانی قوتوں کے خلاف اسلام کی بقا اور خطرناک حالات سے محفوظ رکھنے کے لئے اور خالص مومنوں کو الگ کرنے کے لئے ایک تحریک رنظام قائم کیا گیا تھا اس تحریک نے اپنا کام ہر رسوؐل کے زمانے میں جاری رکھا۔ یہی وہ تحریک ہے جو جان ہتھیلی پر رکھ کر، موت کو زندگی سمجھ کر تطہیر اسلام کرتی رہی اور ایسے ایسے لوگ پیدا کئے جو اسلام کے نام پر اپنی جان، اپنے اموال اور اپنے بچے مسکرا مسکرا کر قربان کرتے رہے۔ یہی قدیم تحریک وہ عالم گیر قوت و مذہب و مسلک ہے جس کا نام ''تحریک تشیّع'' ہے۔

جب مذہبِ اسلام ختمِ نبوتؐ کے بعد امامتؑ کے مضبوط ہاتھوں میں سونپ دیا گیا تو آئمہ اہل بیتؑ نے اسلام کو حقیقی

صورت اور بنیادی اصولوں پر استوار رکھنے کے لئے قیامت تک، قیامت خیز لازوال قربانیوں کا پروگرام طے فرمایا۔تحریک تشیّع اسی پروگرام کا حصہ ہے۔اور سید الشہداءؑ امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام شہدائے کربلا و انصارانِ حسینؑ کے خون سے سینچی ہوئی اور سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، پاک سیدہ اُم المصائب سلام اللہ علیھا اور اسیرانِ کربلاؑ و کوفہ و شام کی دعاؤں کے صدقہ میں یہ تحریک سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اپنی اصل حالت میں موجود چلی آرہی ہے۔اور احیائے اسلام کیلئے تاریخ کے ہر مشکل اور نازک دور میں بھی تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے سرکارِ قائم آلِ محمدؑ کی سرپرستی میں بطریقِ احسن گزر رہی ہے۔

صلوٰۃ اللّٰہ علَی الحسینؑ وعلیؑ ابن الحسینؑ و اولاد الحسینؑ واصحاب الحسینؑ ،

اَللّٰھُم صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٌ

دینِ اسلام میں داخلی تخریب کاری کب سے شروع ہوئی ؟ کس طرح ترقی کرتے ہوئے مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے دورِ حاضر تک پہنچی ؟ مذہبِ اسلام اس سے کب اور کیونکر متاثر ہوا ؟ کس طرح مذہب کی جڑوں کو دیمک کی طرح چاٹ کر مذہبِ اسلام کی روح کو نقصان پہنچایا ؟

ان تمام سوالات کے جوابات، تحریک تشیّع کی تاریخ و تفصیل، ڈاکٹر صاحب نے محققانہ اور سادہ ترین انداز میں سپردِ قلم کئے ہیں۔ یہ کتاب یقیناً ہمارے لئے ایک تاریخی ورثہ ثابت ہوگی۔

خاکپائے حضور قائم آلِ محمدؑ

ڈاکٹر سید ناصر حسین نقوی

مذہب شیعہ ایک ہمہ گیر تحریک وقوت

نمبر شمار☆	عنوانات	صفحہ نمبر
	اک بات میں بھی کہہ دوں؟ گر تو بُرا نہ مانے؟	1
1☆	اسلام کیا ہے؟	3
2☆	انبیاء علیہم السلام	4
3☆	ابلیس اور اجتہاد	4
4☆	ابلیس کا جانشین	6
5☆	خاتم النبیینؐ اور خاتم المجتہدین	6
6☆	قرآن کریم اور رسولؐ کریم کو بے دخل کر دیا گیا	8
7☆	قیامت سے پہلے پہلے ابلیسی مذہب ترک کر دیں	11
8☆	اسلامی ابلیس کو مشخص کر دیا گیا	11
9☆	اللہ نے رسولؐ اللہ کی شکایت پر کیا جواب دیا؟	12
10☆	یہ حادثہ تمام انبیاؑء کے ساتھ پیش آتا رہا ہے	13
11☆	اللہ کے اس جواب میں بہت سے راز و رموز	13
12☆	قرآن قوم کے ایمان کا محتاج نہیں ہے	14
13☆	قرآن پورا موجود تھا یہ بھی ایک راز تھا	15
14☆	ہر نبیؑ اور ہر رسولؐ کے ساتھ اس کی کتاب اترتی ہے	17
15☆	مجتہدانہ طرز حکومت اور اقتدار کی جھلک	17
16☆	آخر تصوراتی حکومت برسرِ شھود آگئی	18
17☆	قوتِ قاہری اور ظلم ستم کی یلغار	19
18☆	خانہ ساز اسلام کی تصویر	20
19☆	علامہ پرویز کی تلخ نوائی	20
20☆	چوری اور سینہ زوری	21
21☆	مدینے میں مسلمانوں نے مسلمانوں سے کیا کیا؟	21
22☆	مدینہ والے مسلمانوں کے قتل عام پر ذراسی وضاحت	22
23☆	امت کی بہتری کے لئے بے گناہ مسلمانوں کا قتل جائز ہے؟	23

نمبرشمار☆	عنوانات	صفحہ نمبر
24☆	مسلمانوں کے قتلِ عام کے مذہبی اسباب	23
25☆	مسلمانوں کے قتلِ عام پر یادرکھنے کی باتیں	25
25(الف)☆	مسلمانوں کا کافر قرار دے کر اسلام کی طرف دعوت کا طریقہ	27
26☆	خلفائے اسلام کے احکام کی تعمیل ہوتی رہی	29
27☆	مخالفین کو جلاوطن ہوکر جان بچانے کا حکم	34
28☆	قرآن کریم کی پیشینگوئی لفظ بلفظ پوری ہوگئی	36
29☆	مسلمانوں کا قتل کرنے والی حکومت کا مذہب؟	37
30☆	مجتہدانہ اسلام کے کافرانہ عقائد	37
31☆	اللہ نے مسلمانوں کی تطہیر کب اور کیسے کی؟	41
32☆	حقیقی اسلام کے عقائد جن کو چھپایا گیا	42
33☆	اسلامی تشیّع کی قدامت	45
34☆	تحریک تشیّع کا اعلانیہ محاذ	48
35☆	تحریک کا خفیہ شعبہ اور اس کے تصورات وعمل	49
36☆	تحریک تشیّع کا خفیہ شعبہ محققین کی نظر میں (لفظ صوفی اور تصوف کا مطلب اور استعمال)	54
37☆	تحریک تصوف کی مخالفت وموافقت	64
38☆	صوفیائے کرام کی وہ خطا جس کی بنا پر ان کی مخالفت کی گئی	68
39☆	ایک شیعہ محقق کی نظر میں مجتہدین اور صوفیائے کرام	70
40☆	تصوف کے متعلق بُری سے بُری باتیں اور فقہاء کی اچھی باتیں	74
41☆	عرب سے باہر تحریک تشیّع وتصوّف	77
42☆	عرب سے ہجرت کرنے والے صیغۂ راز میں	78
43☆	ھندوستان میں تحریکِ تشیّع کا ظہور	79
44☆	سندھ میں تحریک تشیّع کے مختلف مساعی	80
45☆	آئمہ اثناعشرؑ کی نازک ترین پوزیشن	81
46☆	حضرت اسماعیل بن جعفر صادقؑ کی اولاد اور مغالطے	84
47☆	ھندوستان میں تحریکِ تشیّع اور اسماعیلی تعاون	85
48☆	اسماعیلی شاخ کی تبلیغ کتنی منظم اور قدیم تھی	88

نمبر شمار☆	عنوانات	صفحہ نمبر
49☆	بوھرہ جماعت کی شیعی تبلیغ	89
50☆	ھندوستان میں شعبہ تصوف کی کارکردگی	92
51☆	ہندوستان میں ''شیعت'' اثناعشری یاظاہری شکل میں	104
52☆	ھندوستان میں عزاداری حسینؑ	137
53☆	تحریک تشیّع پر قربان ہونے والے شہداءؒ	145
54☆	**محمدبن الحنفیہؒ قائد السیاسة کے عقائد**	243
55☆	ملت شیعہ کے حقیقی علماء کرام رضی اللہ عنہم	244
56☆	ھندوستان میں مجتہدانہ ذہنیت	281
57☆	تحریک تشیّع کے خلاف آخری مجتہدانہ محاذ	352
58☆	دلدار اینڈ کمپنی کا طرزِ عمل اور دینی خدمات	387

اِک بات میں بھی کہہ دوں؟ گرتُو برا نہ مانے؟ سنئے!

اس دنیا میں کلمہٗ حق اور سچ بات کہنے پرلوگوں کی زبانیں گُدی سے کھینچی گئیں۔ پھانسیاں دی گئیں جسم کی کھال اتار لی گئی۔ ہاتھی اور گھوڑوں کے پاؤں میں بندھوا کر بازاروں میں گھسیٹا گیا۔خاندان کے خاندان تہہ تیغ کر دیئے گئے۔قتل عام کے بعد لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر پامال کیا گیا۔قبروں سے مردے نکال کر سولی پر لٹکائے گئے۔زندہ اور مردہ لوگوں کو جلا کر خاک کر دیا گیا۔گھر بار، زن وفرزند، عصمتیں اور اموال کی لوٹ مار، قانوناً اور مذھباً جاری رہی۔مہیب ترین وروح فرسا مظالم ہوتے رہے۔ملک واقوام غلام بنائے جاتے رہے۔انسانوں کے ساتھ حیا سوز وجگر دوز جبر وستم ہوتا رہا۔قوتِ اقوام وسلاطین، حق کو مٹانے، دبانے اور خاموش کرنے میں صدیوں مصروف رہیں۔مکر وفریب کا کوئی حربہ اٹھا نہ رکھا۔دادودہش رشوت ستانی، سازشی جوڑتوڑ اور سیاسی بصیرت کا ہر پہلو برسر کار لایا گیا۔لیکن رفتہ رفتہ جان نثارانِ حق نے اپنی بے مثل بصیرت اور قربانیوں سے دیو استبداد کو تھکا دیا۔خونخوار ظالموں کے سامنے اتنی ہڈیاں گوشت اور خون جمع کر دیا کہ اُس آدم خور کو شرم آنے لگی۔رفتہ رفتہ آزادیٗ خیال واعمال کی اجازت ملنے لگی۔اور وہ وقت آ گیا کہ اب جابر سے جابر حکومت بھی اپنے دستور میں آزادیٗ مذہب، آزادیٗ تقریر وتحریر کی دفعہ رکھنے پر مجبور ہو چکی ہے۔ہم نے یہ سب کچھ چند سطروں میں لکھ دیا اور آپ نے چند منٹوں میں پڑھ لیا۔مگر اس نتیجہ کو حاصل کرنے میں ہزاروں سال لگے ہیں۔اس کے لئے اتنا خون دیا گیا ہے کہ بحیرہ عرب خالی ہو گیا ہوتا۔اس مقصد کے لئے معصوم بچوں، عورتوں اور مردوں کی اتنی جانیں قربان کی گئیں ہیں کہ ایک بِراعظم آباد ہو جاتا۔اس تک پہنچنے کے لئے خون کے دریا، آگ کی خندقیں، غربت وافلاس کی دلدلیں، مصائب وآلام کے پہاڑ اور ابلیس کی کمین گاہیں پار کرنا پڑی ہیں۔اور یہ سب کر چکنے کے بعد بھی دنیا میں صرف ایک ملک اور لندن میں چند سو گز زمین ایسی ہے جہاں واقعی آزادیٗ تقریر حاصل ہے۔ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔مگر اب اس کا سبب حکومتیں نہیں۔ بلکہ جہالت، تنگدلی، تعصب اور خود ساختہ تصورات ہیں۔لہٰذا اب احترام بنی نوع انسان کو بحال کرنے کے لئے ہمدردان وجان نثارانِ انسانیت کو جہالت وتعصب کے خلاف جنگ کرنا چاہئے۔تاکہ عوام میں شعور وبصیرت پیدا ہو اور وہ حق بات سننے کے قابل ہو جائیں۔یہ جنگ عقل وبصیرت، تحمل وصبر اور مجاہدین میں وسعت قلب سے جیتی جا سکتی ہے۔اور ہم پر لازم ہے کہ ہم بات کرنے سے پہلے اور ہر اقدام کرنے سے قبل نتائج پر غور کریں اور کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ نکالیں، کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں، جس کا نتیجہ کسی حیثیت سے بھی مضر اور نقصان دینے والا ہو، اس طرز فکر کو تقویٰ کہتے ہیں۔اس طرز فکر کے ساتھ ساتھ اگر آپ کا مطلوبہ نتیجہ معروف طریقوں سے نہیں نکلتا تو دینی بصیرت اور پیش پا افتادہ صورت حال میں ایسی راہ نکال لینا جو مطلوبہ نتیجے کی ذمہ داری لے لے، اس طرز عمل کو تقیہ

کہتے ہیں۔ چنانچہ تقویٰ اور تقیہ ہر حال میں مومن کے وہ ہتھیار ہیں جن کے مقدر میں کامیابی ہی کامیابی لکھی ہے۔ اور جو اِن میں سے کسی ایک کو نظر انداز کردے اس کے لئے کسی نہ کسی منزل پر ناکامی مقدر ہے۔ پلٹ کر دیکھئے کہ آپ کی ناکامی تقیہ کے وہ ٹکڑے لئے کھڑی ہے جو آپ نے لاپرواہی اور تکبر سے توڑ دیئے تھے۔

<u>ابتدائی مصرعہ میں شاعر نے یہ کہنے کے لئے اجازت طلب کی ہے کہ:۔</u>

؎ تیرے صنم کدے کے بت ہو گئے پرانے

اجازت مانگ کر بات کہنا تقویٰ پر عمل تھا کہ سننے والا بتوں کی مذمت سے خفا نہ ہو جائے۔ مگر قائل نے گر یہ کہا ہوتا کہ میں ایسی ترکیب بتائے دیتا ہوں۔ جس سے وہ مقاصد حاصل ہو جائیں۔ جن کے لئے تم ان مجسموں کی عبادت کرتے ہو تو وہ شخص گوش برآواز یا ہمہ تن گوش بن جاتا۔ اس کے بت خانے میں جا کر اسے بتایا جاتا کہ یہ اور وہ فلاں فلاں بزرگ لوگوں کی یادگار ہیں۔ جنہوں نے قوم و ملک کے لئے اتنی خدمات انجام دیں کہ اُن کو یاد رکھنے اور اُن کی خدمات کی قدر و منزلت کرنے کے لئے اُن کی یادگاریں بنائی گئیں اور انہیں گھر گھر پہنچایا گیا۔ اب اگر تم کامیابیاں اور کامرانیاں چاہتے ہو تو اپنی محنت و سرمایہ اُن قومی خدمات پر لگاؤ جن کی وجہ سے وہ حضرات قوم و ملت میں معزز ہوئے تھے۔ یہ طرز عمل تقیہ اور تقویٰ دونوں کا مرکب ہوتا اور نتائج کا مفید نکلنا لازم ہوتا۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوّلین چالیس سالہ زندگی اسی قانون کے ماتحت گذری۔ اور اعلان نبوت کے بعد آپؐ نے تقیہ پر مفصل قوانین اور بیان دیئے۔ زیر نظر مثال کیلئے بنیادی قانون یہ ہے۔ ''خدا نے قانونی جبر سے لوگوں کو مومن بنانا پسند کیا ہوتا تو یہ لوگ ہرگز کسی کو خدا کا شریک نہ بناتے۔ چنانچہ آپ کو بھی ٹھیکہ نہیں دیا گیا ہے کہ اگر یہ مومن نہ بنیں تو تم سے بطور وکیل مواخذہ کیا جائے۔'' (6/107) اسی اصول کو عام کر کے تمام مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ:۔

۔''جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ انہیں دُشنامی کا نشانہ نہ بناؤ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی لاعلمی اور تمہاری پیدا کردہ دشمنی کی بنا پر اللہ پر دشنام طرازی کر بیٹھیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہم نے ہر مسلک کے لوگوں کے دلوں میں اُن کے مسلک کو زیبائش عطا کی ہے۔ جب یہ ہماری طرف رجوع کریں گے تو ہم اُن کو حقیقتِ حال سے باخبر کردیں گے۔'' (6/108)

مطلب یہ ہے کہ انہیں نہایت پیار سے، مدارات و دلیل کے ساتھ، اس طرح سمجھاؤ کہ وہ تمہیں اپنا مخالف نہ سمجھیں بلکہ اپنے عملدرآمد سے ہمدردی اور غم خواری کا ثبوت دو۔ نفرت انگیز فتوے نہ دو اپنی مومنیت اور حق پروری کی غپیں اور ڈینگیں مار کر احساس برتری کا پردہ نہ ڈالو۔ یہ تمام طرز عمل تقویٰ اور تقیہ پر مبنی ہے۔ لہٰذا بلاتصادم اور کامیاب تبلیغ یہ ہے۔ سوال ہوگا کہ آنحضرتؐ کے ساتھ تصادم کیوں ہوا؟ جواب آخری آیت میں ہے۔ یعنی دشمنوں کے ماہرینِ سیاسیات اسلام کی تیز رفتاری

اور کامیابی سے گھبرا کر مسلمانوں میں آ ملے تھے اور اسلام کے پرچار میں جارحیت کا ہتھیار استعمال کرتے تھے۔ اُن ہی کو منع کیا گیا کہ تم مشرکوں کو گالیاں نہ دیا کرو۔ اس قسم کے مبلغین اور منفی کردار کے لوگوں کو ہم مجتہدین کے شاندار لقب سے یاد کیا کرتے ہیں اور یہاں بھی ہم اُن کا اعزاز کریں گے۔

ہم نے اس پہلو پر اس لئے زور دیا ہے کہ ہم وہ تمام باتیں لکھیں گے جن کے کہنے پر مندرجہ بالا مظالم کئے گئے۔ لیکن وہ سب کچھ ایسے انداز سے کہیں گے کہ نہ کسی کا دل دُکھے، نہ حق ہاتھ سے چھوٹنے پائے، نہ بات میں خوشامد اور خوف کا شائبہ ہو اور نہ عالمانہ زبان ہو کہ صرف علماء ہی سمجھیں اور عوام محروم رہ جائیں۔ اس مشکل صورتِ حال میں ہم قارئین کرام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہمارا بیان پڑھتے ہوئے پوری توجہ دے کر ہماری مدد کریں۔ <u>تاکہ کہیں تقیہ میں کہی ہوئی بات گم ہو کر نہ رہ جائے۔</u> اسلئے عرض کیا تھا۔ <u>**کہ اک بات میں بھی کہہ دوں**</u>؟ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے قارئین میری بات سے خفا ہو جائیں۔ یہ بھی سُن لیں کہ ہم آپ کو بہت سے کتابوں کے حوالے دے کر پریشان نہ کریں گے۔ البتہ جو کچھ عرض کریں گے اس کی پشت پر مسلّمہ ثبوت ہوگا۔ کسی پر کوئی اتہام نہ لگائیں گے۔ الغرض ہر وہ کام نہ کریں گے جو تقویٰ اور تقیہ کی حدود سے باہر نکل جائے۔ البتہ تمام اقوام و مذاہب کی مُسلّمہ برائیوں کو بیان کرنے میں واشگاف الفاظ اور زبان استعمال کریں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

<u>1۔ اسلام کیا ہے؟</u>

قرآن کریم کی رُو سے اسلام اُس ضابطے کا نام ہے جو اس پوری کائنات میں نافذ العمل ہے۔ یہاں کی ہر چیز مُسلِم ہے۔ انسان صاحب عقل و ارادہ مخلوق ہونے کی بنا پر آزاد ہے۔ خواہ اسلام پر عمل کرے یا اس کے قوانین کی خلاف ورزی کرے۔ صاحب عقل و ارادہ مخلوق کے علاوہ باقی تمام مخلوقات اپنے وجود و اعمال میں صاحب اختیار نہیں۔ لہٰذا وہ اپنے مقصد تخلیق کو انجام دینے پر مامور و مجبور ہیں۔

اُس کائناتی ضابطہ کو بتدریج اور بالاقساط انبیاء علیہم السلام کی معرفت بنی نوع انسان تک پہنچایا گیا۔ اور جسکی مکمل صورت کا نام قرآن رکھا گیا۔ اس قانون کا منشا اور مقصد یہ ہے کہ انسان لامحدود قدرتیں اور لازوال حیات حاصل کرے اور ایسا کرنے میں وہ پوری کائنات سے استفادہ کرے اور اس سلسلے میں ساری کائنات اُس کی تائید کرنے پر ماُمور اور آمادہ ہے۔ اسلام کی اس پوزیشن کا پہلی تین صدیوں میں سختی سے مقابلہ کیا گیا اور آج بھی علماء کی کثرت اسلام کو اپنی علمی حدود میں محدود رکھے بیٹھی ہے۔ مگر اب اُن کی قوت اور آواز دبتی جا رہی ہے۔ نئی نسل اُن سے اسلام کا چارج لیکر انہیں بے دخل کرنے کی فکر میں ہے۔

2۔ انبیاء علیہم السلام

قوانینِ خداوندی اور خالقِ کائنات کی رضامندی کا علم انبیاءؑ کو براہ راست اللہ سے ملتا ہے۔ خدا سے **غلطی، ظلم اور خلافِ حکمت** اقوال وافعال سرزد ہونا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی کسی قسم کی غلطی، ظلم یا خلافِ حکمت فعل نہیں ہوسکتا۔ چونکہ اُن کا ہر قول وفعل اللہ تعالیٰ کا قول وفعل ہوتا ہے اگر اُن سے غلطیاں ہوں تو وہ غلطیاں خدا سے منسوب ہوں گی۔ اس لئے انبیاءؑ پیدائشی طور پر بھی اور اکتسابی حیثیت سے بھی معصوم ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ بھی بڑی قربانیوں کے بعد منوایا گیا ہے۔ عوام تو نبیوںؑ سے غلطیاں سرزد ہونا نہیں مانتے۔ مگر علماء میں چند لوگ چونکہ اللہ اور نبیؐ کی جانشینی کر رہے ہیں اور اُن سے دن رات غلط اقوال و اعمال سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اُن کی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کے الزام سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیں کہ غلطیاں ہونا بُری بات نہیں ہے۔ خود نبیوںؑ سے بھی (معاذ اللہ) غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔ پھر وہ انبیاء علیہم السلام کی غلطیاں اُسی ترکیب سے ثابت کرتے ہیں۔ جس ترکیب سے لوگ نئی نبوت اور نئی رسالتیں ثابت کرتے اور مانتے ہیں۔ اِن کا زور بھی بتدریج ٹوٹتا جا رہا ہے۔

3۔ ابلیس اور اجتہاد

اللہ نے بنی نوع انسان کی تعلیم کی ابتدا جناب آدمؑ سے کی۔ اُنہیں نبیؑ اور اپنا خلیفہ یعنی جانشین بنایا۔ ضروری تعلیم دی تمام کائنات کی اشیاء کے نام اور فوائد بتائے۔ اور تمام مخلوق میں سب سے زیادہ علم وبصیرت واختیارات کی بِنا پر مُدَبّرات الامور یعنی تمام ملائکہ سے سجدہ کرایا۔ اور بتایا کہ:۔

۔''تمام ملائکہ نے مجموعی حیثیت میں آدمؑ کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے سرکشی کی اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شرکت کو ناپسندیدہ سمجھا۔'' (15/30-31)

> فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ O
> إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبٰى أَنْ يَّكُونَ مَعَ السّٰجِدِينَ O
> (15/30-31)

(1) یہاں دو بنیادی باتیں نوٹ کریں۔ اوّل یہ کہ کوئی فرشتہ ایسا باقی ماننا جو اِس كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ سے باہر رہ جائے، سراسر قرآن کے خلاف عقیدہ ہوگا۔ لہٰذا جبرئیلؑ ہوں یا میکائیلؑ، اسرافیلؑ ہوں یا عزرائیلؑ تمام نے سجدہ کیا تھا۔ اور یہ سب حضرت آدمؑ کے مقابلہ میں کم علم تھے۔ اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم السلام بھی اسی قرآنی اصول وبنیاد کی رُو سے تمام ملائکہ سے افضل اور مسجودِ ملائکہ تھے۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ **اللہ نے آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔** ابلیس نے اس حکم کو اس لئے غلط سمجھا کہ سجدہ تو محض اللہ کے لئے واجب ہے، غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے اور شرک کا حکم اللہ نہیں دے سکتا۔ اسے یہ امید تھی کہ غالبًا یہ امتحان ہے جو اس وقت سجدہ کرلے گا وہ ناکام ہوجائے گا۔ اور میں قابلِ تحسین کام کر رہا ہوں۔ اللہ کے احکام میں

اپنی ذاتی بصیرت سے مفاہیم کا تعین کر لینا اور اپنی دلیل قوی سے احکام کے الفاظ کے خلاف یعنی منطوق کے خلاف مفہوم نکال کر اُسے منشائے خداوندی سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو اس پر عمل کا حکم دینا اجتہاد ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے جس نے دلیل عقلی سے حکم لگایا وہ پہلا قیاس کرنیوالا ابلیس ہے۔ اُس نے نہ صرف اللہ کے حکم کے خلاف کیا۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام، اُن کی اولاد اور تمام انبیاء کے خلاف ایک مجتہدانہ محاذ قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور ایسی صورت حال سامنے رکھ دی جس کا دوسرا سرا قیامت سے جا ملتا تھا۔ اللہ نے عدل وانصاف کا بول بالا رکھنے کے لئے ابلیس کو طویل عمر سے نوازا۔ اُس کے اجتہادی منصوبے کے لئے تمام ضروری سامان اور قدرت واختیار مرحمت فرما کر غنی کر دیا۔ تا کہ اُسے اپنے کاروبارِ تخریب میں کبھی تنگیٔ داماں کا احساس نہ ہو۔ اور وہ اپنے مقام پر مطمئن ہو جائے کہ قدرت واختیار میں وہ انبیاءؑ سے کمزور نہیں ہے۔

(2) ابلیس کی تخلیق کا مقصد حقیقی یہ تھا کہ نوع انسان کی عقل وبصیرت، قدرت واختیار کی انتہائی حدود متعین ہو جائیں۔ یعنی اگر انسانوں سے کسی فکر وعمل میں کوئی گوشہ چھوٹ جائے یا طرزِ عمل واقدام میں کوئی عقلی پہلو نظر انداز ہو جائے تو ابلیس اور اُس کا نظامِ اجتہاد نظر انداز شدہ نکتہ کو بھی سامنے رکھ دے اور ہر اقدام کے لئے ایسے متبادل طریقے سُجھائے جو اُدھر تو منشائے نبوت کے خلاف ہوں اور اِدھر سہل الحصول اور مفید تر معلوم ہوں۔ وقتی تقاضے اور مفادِ عمومی سے ہم آہنگ نظر آئیں جو نبیؑ کی تنہا بصیرت کے مقابلہ میں جمہوری، اندھی تقلید سے پاک اور زیادہ نتیجہ خیز واثر انگیز دکھائی دیں۔

(3) یہ خوشنما اور اُمید افزا مستقبل دیکھنے اور سمجھنے کے بعد بھی جو شخص نبیؑ کی بصیرت کو اس لئے ترجیح دے کہ اللہ سے بہتر نہ کوئی مستقبل کو جان سکتا ہے، نہ اس سے زیادہ کسی کو علم وقدرت ہے اور اُس کی تائیدات نبیؑ کی خالص اتباع سے وابستہ ہیں۔ لٰہذا وہ تمام نظری وفکری افادیت کو نظر انداز کر کے لفظ بلفظ اور قدم بقدم نبیؑ کی اتباع کریں۔ ایسے لوگ حزب اللہ اور دوسرے لوگ شیطانی گروہ کہلائیں۔ یہ تھا ابلیس کی تخلیق کا مقصد۔ تا کہ ہدایت یافتگی اور گمراہی اتفاقی نتائج نہ بن جائیں۔ ابلیس وہ بے خطا آلہ ہے جو حقیقی مومن اور حقیقی کافر کو الگ الگ کرتا چلا آتا ہے۔

(4) رفتہ رفتہ ابلیس نے انسانوں میں بھی اپنی ایک جماعت قائم کر لی جو انبیاء علیہم السلام کے خلاف برسرِ پیکار رہے۔ اُدھر ایمان لانے والوں میں حُریتِ فکر کے نام پر ایک گروہ تیار کرنا شروع کیا اور اُسے معقولیت پسندی کے نام پر ناقدانہ نظریات عطا کئے۔ اُنہیں باور کرایا کہ نبیؑ بہر حال ایک انسان ہی تو ہوتا ہے۔ اور انسان جب تک انسان ہے اپنے جذبات ومیلانات سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ممکن ہے کہ وہ وحی خداوندی کی تفہیم میں انسانی میلانات سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ وہ کھاتا پیتا ہے، صاحبِ اولاد ہوتا ہے، اولاد اور اعزا کی جنبہ داری غالب آ سکتی ہے۔ اُس کے اپنے خیالات ورجحانات وحی میں

نفوذ کر سکتے ہیں، وہ ایک خاص عمر، خاص تجربہ اور محدود عقل کا آدمی ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہو ساری نوع انسان کی اجتماعی عقل کے ہم پلہ ہر گز نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا منشائے خداوندی یہ نہیں ہوسکتی کہ نبیؑ کے احکام کی بلاسوچے سمجھے اطاعت کی جائے۔ اللہ ہر گز مفادِ عمومی کے خلاف وحی نہیں کر سکتا۔ اس لئے لازم ہے کہ نبیؑ ہر نازل ہونے والی وحی کو ماہرین عمرانیات وسیاسیات و مذہبیات کے سامنے رکھ دے اور پھر جماعت کے ایک ممبر کی حیثیت سے اُس وحی کے نفاذ پر غور کرے اور دانشوران قوم کے اجتماعی فیصلہ کو حکم خداوندی سمجھ کر اس پر خود بھی عمل کرے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کا حکم دے۔

(5) یہ معقولیت پسند جماعت وحی سنانے سے لے کر نبیؑ کے ہر قول و فعل میں عقلاً غلطی کا امکان مانتے تھے۔ ایسی جماعت ہر نبیؑ کے عہد میں موجود رہتی چلی آئی ہے۔ اور اپنے عقائد اور اجتہادات و تجربات اگلی اُمتوں تک پہنچاتی رہی ہے۔ (6/112) اس جماعت کی ہدایت وراہنمائی ابلیس کی طرف سے براہ راست یا ابلیس کے نظام وحی سے ہوتی چلی آئی ہے۔ (6/121) ابلیس اور اُس کا یہ گروہ، انبیاءؑ اور اُن کی امتوں پر ہر لحہ نظر رکھتا تھا۔ (7/27) اور جیسے ہی کوئی نبیؑ کسی مقصد کے لئے اپنا منصوبہ پیش کرتا۔ ابلیسی نظام بھی ساتھ کے ساتھ اس منصوبہ پر عمل کا ایک متبادل طریقہ پیش کر کے منصوبے کے مقاصد اور متعلقہ امیدوں اور تمناؤں کا رخ بدل دیتا۔ (22/52) یہ اربابِ بست وکشاد جب موقعہ ملتا اور مناسب ہوتا تو تعلیماتِ خداوندی میں لفظی و معنوی تحریفات اور تبدیلیاں بھی کرتے رہتے تھے۔

4۔ ابلیس کا جانشین یعنی ابلیس ثانی

جس تیز رفتاری اور تسلسل کے ساتھ ساتھ تعلیمات الٰہیہ تکمیل کی منزل کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اُسی طرح ابلیس بھی اپنے نظام اجتہاد کو نقطۂ عروج کیطرف لا رہا تھا۔ اور جس طرح تمام تعلیمات خداوندی سمٹ کر آنحضرتؐ کے بے مثل وجود کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ بالکل اُسی انداز سے ابلیس کا تجربہ اور عمر بھر کی محنت ایک ایسے وجود کی تیاری میں مصروف تھی جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدّ مقابل بن سکے۔ جو ابلیس کا آخری اور ایسا جانشین ہو کہ اُس کا دیکھنا ابلیس کا دیکھنا ہو، اسکی زبان لسان ابلیس سے بات کرے، اسکے تمام اقدامات کی نگہداشت ابلیس کی ذمہ داری ہو، جسے آئندہ شیطان اور طاغوت کے ناموں سے پکارنا کافی ہو، جس کے مخصوص عقائد سن کر یا لفظ فلاں پڑھ کر مومنین کا ذہن خود بخود اسکو مشخص کر لے۔

5۔ خاتم النبیّینؐ اور خاتم المجتہدین

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دن رات کی محنت، فاقہ کشی، صبر و تحمل اور قربانیوں سے لوگ دھڑا دھڑ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ سرزمین عرب کلمہ گو لوگوں سے چھلکتی جا رہی تھی۔ چاروں

طرف سے اللہ کی نعمتیں اور برکتیں اُمڈی چلی آ رہی تھیں۔مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اجتہاد کے پردے کے پیچھے قرآن و رسولؐ کا مخالف ہیرو ایک مُلک ساز اسلام کا میک اپ (Make Up) کر رہا تھا۔مسلمانوں کو اُن خطرات پر متوجہ کیا جا رہا تھا جو رسولؐ کی بشری اور تنہا بصیرت سے پیش آنیوالے تھے۔مسلمانوں کو بتایا جا رہا تھا کہ اللہ پر ایمان لانا، قیامت، جزاوسزا کو تسلیم کرنا، وحی کو ماننا تو صحیح ہے۔مگر رسولؐ کے ذاتی حکم کی پوزیشن اسکے سوا کیا ہے؟ کہ۔''وہ تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہے جو کچھ تم کھاتے پیتے ہو وہی چیزیں وہ کھاتا ہے۔لہٰذا جسطرح تمہارے جذبات ومیلانات ہیں،اسی طرح نبیؐ کیساتھ بھی وہی چیزیں لازم ہیں۔چنانچہ اگر تم اپنے ہی جیسے ایک بشر کی مطلق اطاعت کرنے لگے تو تمہارے خسارہ اور گمراہی کا کیا ٹھکانہ ہوسکتا ہے۔تم لوگ یہ ذراسی بات نہیں سمجھتے۔(23/33-34) کفار کا وہ الزام سامنے رکھا جا رہا تھا کہ تم پر بنی ہاشم کا اقتدار ٹھونسا جا رہا ہے۔ شخصی حکومت اور آمریت میں آزادئ رائے اور تحفظِ قومی کو غیر محفوظ دکھا کر قومی عصبیت کو اسلام کا رنگ دیا جا رہا تھا۔قوم کے مفادِ عمومی کو خطرہ میں دکھایا جا رہا تھا۔اُن کو یہ سکھایا جا رہا تھا کہ خدا کی حقیقی منشا کے مطابق وہی اسلامی فیصلہ ہوسکتا ہے جو ماہرین کی اجتماعی بصیرت کے ماتحت ہو۔لہٰذا مسلمان اپنے مقدمات اسی طاغوت کے سامنے پیش کرنے لگے۔(4/60) رسولؐ کے سامنے قرآن سے فیصلے کرانے میں رکاوٹ بن گئے۔(4/61) اطاعت رسولؐ اطاعتِ مجتہدین قرار پا گئی۔(4/64-65) اصول یہ رکھا گیا کہ مسلمانوں کی کثرت کی رضامندیاں حاصل کرلی جائیں اور اس سلسلے میں جھوٹے حلف اور ساز باز جائز سمجھے جائیں (9/96)۔

(2) رسول اللہؐ نے جس طرح قرآن کو نافذ کرنا چاہا تھا اس سے کافرانہ تہذیب وتمدن ہمیشہ کے لئے مسمار ہو کر رہ جاتا تھا۔اسلاف اور بزرگانِ قوم کی تمام روایات اور یادگاریں فنا ہو جاتی تھیں۔حرام وحلال کے قوانین میں قیامت تک کہیں اور کسی صورت میں لچک نہ تھی۔جو مصلحت اور مفادِ عمومی کے خلاف معلوم ہوتا تھا۔لہٰذا نظام اجتہاد نے بشریت کو آڑ بنا کر رسولؐ کے ذاتی احکام کو دانشورانِ قوم کی صواب دید کے ماتحت کر دیا۔اس صورت میں ہر نافذ ہونے والا حکم ملکی وقومی مصالح کے ماتحت قومی نمائندوں کی بصیرت وفراست پر مبنی ہوگا۔جس میں مصالح عمومی اور تقاضائے وقت کو مجتہدین مدنظر رکھیں۔چنانچہ اب ہر اسلامی فیصلہ عظیم کثرت اور جمہور کا ترجمان ہوگا۔جس میں اختلاف کرنے والا دشمنِ ملک وقوم کہلائے گا۔اس کے ساتھ ساتھ تقدیر کا مسئلہ رُوبہ کار لایا گیا۔جس میں ہر فعل خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔چنانچہ انکار کی روش اختیار نہ کرو، نمازیں پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو اور دشمنانِ ملک وقوم سے قتال وجہاد کرو، نہ قاتل کی مدح کرو نہ مقتول کو گناہ گار ٹھہراؤ۔ایمان اگر ہے تو سب ٹھیک۔رہ گیا جنت وجہنم وہ خدا کے اختیار میں ہے چاہے تو گناہ گاروں کو بخش دے، نہ چاہے تو نمازی پرہیزگاروں کو جہنم واصل کردے۔

(3) یہ تصورات گھر گھر پہنچائے جا رہے تھے۔نزول قرآن کے ساتھ ساتھ مفہومِ قرآن کو ان تصورات پر فٹ کیا جا رہا تھا۔لہٰذا اسلام کی سرسری اور سطحی معلومات رکھنے والی اکثریت بڑی تیزی کے ساتھ نظام اجتہاد کے ماتحت چلی گئی۔اور اُن تمام کلیدی مقامات اور ہر خطرناک موڑ پر رسولؐ کے ایسے ذاتی احکام کے خلاف محاذ بنانے کا فیصلہ ہو گیا، جہاں جہاں قومی و ملکی اقتدار کو شخصی آمریت کی بھینٹ چڑھتا دیکھا جائے۔اور ہر ایسے حکم کی تاویل کرنا لازم ہو گیا جو قوم کے اجتماعی مفاد کے خلاف ہو۔اسلئے کہ اللہ مفادِ عامہ کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔لہٰذا اس قسم کے احکام ذاتی میلانات کی شناخت قرار پا گئے۔چنانچہ پوری قوم اس محاذ پر متفق ہو گئی۔

6۔ قرآن کریم اور رسولؐ کریم کو بے دخل کر دیا گیا تھا

(1) قرآن کریم نے مندرجہ بالا صورتِ حال کو نہایت جامع و مانع انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عبرت انگیز بیان میں پیش کیا ہے۔مگر علماء نے عوام کو اس صورت حال سے آج تک ناواقف رکھا۔اور مذکورہ بالا نظام اجتہاد کو اس طرح تہہ در تہہ پردوں میں چھپا دیا کہ عوام کی رسائی ناممکن ہو کر رہ گئی فرمایا گیا ہے کہ:

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا O (25/30)

(2) ***حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔***

(الف)۔''و گفت پیغامبرؐ اے پروردگارِ من ہر آئینہ این قرآن را متروک ساختند''۔(صفحہ 484)

یعنی۔''اور پیغامبرؐ نے کہا کہ اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو ہر حیثیت سے ترک کر دیا ہے''۔

جناب شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم کا ترجمہ جو ساتھ ہی شائع ہوا ہے۔

(ب)۔''اور کہا رسولؐ نے اے رب میرے میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو جھک جھک''۔(صفحہ 484)

اور تیسرا قدیم ترجمہ جناب شاہ رفیع الدین مرحوم کا اس طرح ہے۔

(ج)۔''اور کہا رسولؐ نے اے رب میرے تحقیق قوم میری نے پکڑا ہے۔اس قرآن کو چھوڑا ہوا''۔(صفحہ 408)

ایک اور مقدس ترجمہ جناب شاہ محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی مرحوم کا۔

(د)۔''اور رسولؐ نے عرض کی کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑنے کے قابل ٹھہرا لیا ہے۔''(صفحہ 524)

اور آخر میں جناب اشرف علی تھانوی صاحب مرحوم کا ترجمہ بھی دیکھ لیں تا کہ آپ کو ترجمہ میں قوسین اور بریکٹوں کی بھرمار اور ذاتی تصورات کو شامل کرنا بھی معلوم ہو جائے۔

(ہ)۔ ''اور (اُس دن) رسوؐل کہیں گے۔ کہ اے میرے پروردگار میری (اس) قوم نے اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔'' (صفحہ 408)

(3) اِن پانچ ترجموں کے علاوہ جو اور ترجمے کیئے گئے ہیں وہ بنیادی طور پر ان ہی کی سدھری ہوئی نقل ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اُن میں اپنے ذاتی تصورات کو ذرا زیادہ کھل کر یا دریادلی سے بریکٹوں میں بند کر کے داخل کیا گیا ہے۔ مگر انتہائی مفہوم میں وہ سب کے سب ان پانچوں ترجموں سے متفق ہیں۔ اب آپ ہمارے ساتھ ساتھ ان تراجم پر ایک فیصلہ کُن نظر ڈالیں۔

(4) پہلا ترجمہ بتاتا ہے کہ رسول اللہؐ کی قوم نے قرآن کریم کو ترک کر دیا تھا۔ اس ترجمہ پر یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ اللہ نے آیت میں لفظ متروک نہیں بلکہ مہجور فرمایا ہے اور عربی زبان میں ہرگز دو مختلف المصادر الفاظ کے ایک ہی معنی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ متروک اور مہجور دو مختلف المصادر الفاظ ہیں اور دونوں دو مختلف معنی میں بولے جاتے ہیں۔ متروک میں ترک کرنے والا نہ صرف آزاد ہوتا ہے۔ بلکہ جس چیز کو ترک کر کے متروک قرار دیتا ہے، اُسے ناپسند بھی کرتا ہے۔ مہجور کرنے والا شخص تارک کے خلاف مہاجر کہلاتا ہے۔ وہ کسی ناخوشگوار صورتِ حال میں مجبوری سے ہجرت کرتا ہے۔ اور جس چیز یا مقام سے ہجرت کرتا ہے یا جسے مہجور بناتا ہے اس سے اپنا تعلق قلباً منقطع یا ترک نہیں کرتا ہے۔ اور جو مہجور ہوتا ہے وہ اپنے مہاجر کی ہجرت کو ناپسند کرتا ہے اور اس کی واپسی و خوشحالی چاہتا ہے۔ دوسرا اعتراض اس ترجمہ پر بدیہی ہے۔ یعنی ہر خاص و عام جانتا ہے کہ رسول اللہؐ کی قوم نے کبھی بھی قرآن کو ترک نہیں کیا۔ بلکہ اسے اپنے سینوں میں محفوظ کیا، گلے میں لٹکائے لٹکائے پھرے اور جب موقع ملا تو نیزوں پر بھی سر بلند کیا۔

(5) ان پانچوں تراجم میں جناب رفیع الدین صاحب کا ترجمہ حقیقت سے بالکل قریب ہے۔ اُنہوں نے اُس زمانہ کی اردو ''۔ اتَّخَذُوا '' کا ترجمہ ''۔پکڑا ہے۔'' کر دیا ہے۔ اس کے باوجود اصل منشاء ترجمہ میں موجود ہے۔ یعنی رسوؐل کی قوم نے قرآن کو اس طرح پکڑا ہے کہ وہ چھوڑا ہوا بھی رہے اور پکڑا ہوا بھی معلوم ہو۔ یعنی اسے قطعاً ترک نہیں کیا بلکہ بے تعلقی کے ساتھ تعلق رکھا ہے۔ یہی مطلب ہے جھک جھک بنا دینے کا۔ یعنی رسوؐل کی قوم نے قرآن کی اصل مراد و مفہوم کو اختیار نہیں کیا جو کچھ اختیار کیا، وہ نہ اختیار کرنے جیسا ہے۔ یہی منشاء ہے چھوڑنے کے قابل بنا دینے کا۔ یعنی رسولؐ کی قوم نے قرآن کو جس طرح بگاڑ کر اختیار کیا اس سے بہتر اس کا چھوڑ دینا ہوتا۔ اور یہی کہنا چاہا ہے اشرف علی صاحب نے کہ رسولؐ کی قوم نے قرآن کو اس طرح اختیار کیا کہ اُس کا واجب العمل ہونا ضائع ہو گیا۔ اور یہ سب کچھ بلاشک و شبہ رسول اللہؐ کی پوری قوم نے کیا تھا۔ اس حقیقت پر تمام مذکورہ مترجمین متفق ہیں اور یہی ابلیس کا کارنامہ تھا۔ اب ہم اس آیت کا ترجمہ مصدری معنی کے

ماتحت لکھے دیتے ہیں۔ تاکہ اللہ و رسولؐ کا حقیقی منشاء سامنے آجائے جو ایک لفظ کا ترجمہ نہ کرنے سے ظاہر ہوگا۔ یعنی بعض الفاظ کا ترجمہ کر دینے سے مقصد فوت ہو جاتا ہے سنئے! :۔

’’۔اور رسولؐ نے کہا کہ اے میرے رب یقیناً میری قوم نے قرآن کو اپنے اخذ (اور استنباط) (اتَّخَذُوْا) سے مہجور کر دیا ہے۔‘‘ یعنی مہجور کرنے کا آلہ وہ طریقہ اخذ معانی و مفاہیم ہے جو مجتہد نے بتایا ہے۔ آج کل کے ایک بیباک اور متعصب علامہ کے قلم سے بھی استفادہ کرلیں فرماتے ہیں’’۔مَھْجُوْرٌ : (25/30) قرآن کریم میں ہے:۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُورًا O (25/30)

اور رسولؐ، خدا کے حضور میں کہے گا کہ اے میرے نشو و نما دینے والے! میری قوم نے اس قرآن کریم کو مہجور بنا دیا تھا اس کا عام مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تھا لیکن مَھْجُوْرٌ کے معنی اس سے کہیں گہرے ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو گائے یا بھینس دوڑ جاتی ہو اس کے پاؤں کے ساتھ ایک رسی باندھ دیتے ہیں اور رسی کا دوسرا سرا اس کے سینگ کے ساتھ (یا گلے میں) باندھ دیتے ہیں لیکن رسی اتنی چھوٹی رکھتے ہیں کہ جانور کا سر بہت جھکا رہتا ہے۔ وہ اس طرح یوں جکڑا جاتا ہے کہ آزادی سے ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ عرب گھوڑوں اور اونٹوں کو اسی طرح جکڑ کر باندھ دیتے تھے۔ اس طرح بندھے ہوئے جانور کو مَھْجُوْرٌ کہا جاتا تھا۔ اَلْھِجَارُ اُس رسی کو کہتے تھے جس سے اُنہیں جکڑا جاتا تھا۔ رسولؐ اللہ خدا سے فریاد کریں گے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ اعتقادات، خیالات، رسومات، روایات، قوانین، تفاسیر وغیرہ کی رسیوں سے جکڑ کر مہجور بنا رکھا تھا جس سے وہ ایک قدم بھی آزادی سے نہیں اٹھا سکتا تھا۔ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑا نہیں تھا۔ سینوں سے لگا رکھا تھا۔ لیکن اس کی ساری آزادیاں سلب کر رکھی تھیں اور اسے اتنا ہی چلنے کی اجازت دے دی جاتی تھی جتنی اُن کے خود ساختہ’’۔مذہب و شریعت۔‘‘ کی رسی مناسب سمجھتی تھی۔ یعنی یہ قرآن کے تابع نہیں تھے۔ قرآن کریم ان کے تابع تھا۔ یہ ہے مطلب قرآن کریم کو مَھْجُوْر بنا دینے کا‘‘۔(لغات القرآن مصنفہ علامہ پرویز جلد 4 صفحہ 1754)

(6) اب چند جملے مہجور کے لئے اور سُن لیں۔ آپ لفظ مہاجر اور ہجرت سے واقف ہیں اور آپ نے بھی ہندوستان سے ہجرت کی تھی۔ اور شاید آپ کبھی ہجر جان میں بھی مبتلا رہے ہوں۔ جب کسی جگہ انسان کو اپنا حال اور مستقبل دونوں محفوظ معلوم نہیں ہوتے۔ تو بدرجہ مجبوری وہاں سے ہجرت کی جاتی ہے۔ اور ہجرت سے پہلے وہ مقام تجویز کیا جاتا ہے۔ جہاں حال و مستقبل کو سازگار بنانے کے مواقع مل سکیں۔ جس مقام کو آپ نے چھوڑا وہ مہجور ہے۔ اُسے آپ کے ہجر کی تکلیف ہے، چلے جانے کا دکھ ہے اور آپ کے پلٹ آنے کی تمنا ہے۔ یہ ہے وہ دکھ جو رسولؐ کی قوم نے قرآن اور رسولؐ کو دیا ہے۔ اور شکایت

میں دوسری بات یہ ہے کہ قرآن اور رسوؐل کو من وعن اختیار کرنے میں اُن کی قوم کو اپنا حال اور مستقبل تاریک نظر آئے اور ماہرین سیاسیات و مذہبیات کی صوابدید کو قرآن اور رسولؐ پر حاکم بنانے میں حال و مستقبل کو روشن و تابناک سمجھا گیا۔ لہٰذا قوم نے قرآن و رسوؐل کو مہجور کیا اور طاغوت کو اپنا مستقر بنالیا۔ یہ تھا وہ نتیجہ جو جانشینِ ابلیس نے مرتب کرایا اور اُسے عینِ اسلام سمجھا گیا اور یہ بھی راز قرآن نے واشگاف الفاظ میں فاش کر دیا۔

7۔ قیامت سے پہلے پہلے ابلیسی مذہب ترک کر دیں

پانچواں ترجمہ اس لئے اہم ہے کہ اس میں یہ سمجھا گیا ہے کہ رسولؐ اللہ مندرجہ بالا شکایت قیامت کے روز اللہ کے حضور میں پیش کریں گے۔ اور اس طرح سابقہ بیانات پر اس قدر اضافہ اور کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم کو مہجور کرنے کا جرم نہ صرف رسوؐل کی اُس قوم نے کیا تھا جو حضورؐ کے زمانہ میں موجود تھی۔ بلکہ رسوؐل کی قوم نے تا قیامِ قیامت قرآن کو مہجور رکھا۔ بعض علمائے کرام نے قیامت کا تعین اس لئے کیا ہے کہ اس آیت کو وَاؤ سے شروع کیا گیا ہے (وقال الرسوؐل) اور یہ وَاؤ آیت کو سابقہ آیات سے وابستہ کرتا ہے۔ جہاں قیامت میں مواخذہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا جائز ہوا کہ یہ بھی سمجھا جائے کہ صرف دنیا ہی میں مسلمانوں کو متنبہ کرنے کا اہتمام نہ تھا بلکہ اصل شکایت قیامت میں بھی ہوگی۔ جہاں قرآن و رسوؐل کو مہجور کرنے والوں کو جہنم واصل کیا جائے گا۔ آیئے اِن آیات کو دیکھیں جہاں جانشین ابلیس کا ایک بہت قریبی دوست اور شریک کار ایک ایسا سر بستہ راز کھول رہا ہے جو قیامت کے قائم ہونے سے پہلے اس پر بھی پوشیدہ تھا۔ یعنی وہ ابلیس کے مجتہدانہ نظام کو حقیقی اسلام سمجھ کر اس پر عمل کرتا اور دوسروں سے عمل کراتا رہا۔

8۔ اسلامی ابلیس کو مشخص کر دیا گیا

(1) سورہ فرقان کی اکیسویں آیت کو سامنے لائیں اور پڑھتے چلیں۔ آپ دیکھیں گے کہ نبوتوںؑ کے مدّ مقابل محاذ کے بڑے بڑے سرغنوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ قیامت کا نظارہ سامنے ہے۔ دو (2) ایسے اشخاص پیش کئے جا رہے ہیں جو آپس میں زندگی بھر گہرے دوست رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک دوست اپنا بیان دے رہا ہے۔ وہ حیرانی اور پشیمانی کی شدت میں اُن ہاتھوں کو چبا رہا ہے جو رسولؐ اللہ کے خلاف منصوبہ کو چلانے میں مصروف رہے۔ جن سے وہ عہد و بیعت ہوئی جو قرآن کریم اور رسوؐل کریم کو مہجور کرنے کا اعلان تھی۔ وہ شخص ہائے افسوس اور وائے کاش کہتا ہوا عذر پیش کر رہا ہے کہ اُسے اس کے دوست نے گمراہ کیا تھا۔ گمراہی کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب قرآن اور رسولؐ (الذکر) اسکے پاس پہنچے تھے۔ اَے کاش میں نے رسولؐ اللہ کا مسلک اختیار کر لیا ہوتا، افسوس کہ میں نے رسوؐل و قرآن (الذکر) کو چھوڑ کر اپنے اُس دوست کی دوستی اور مسلک اختیار نہ

کیا ہوتا۔ وہ اپنے دوست کو شیطانِ مجسم قرار دے کر کہتا ہے کہ اس کا تو کام ہی لوگوں کو بے وفائی اور غدّاری پر آمادہ کرنا ہے۔ (25/21-29)

(2) اس دوست کے بیان سے واضح ہوجاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی تعلیمات کے خلاف جو منصوبہ بنایا گیا تھا۔ وہ حقیقی تعلیمات سے اس قدر مشابہ تھا کہ اُس منصوبہ ساز کے شرکائے کار اُسے اسلام ہی سمجھتے رہے۔ لہٰذا اسلام کی حقیقی تعلیم کو اُس خانہ ساز اسلام کے تصورات سے الگ کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ حق و باطل کو اس منصوبے میں دوستوں نے اُس سیاسی بصیرت سے ملایا ہے کہ جس کا جواب نہیں ہے۔ بہرحال نہایت آسان ترکیب یہ ہے کہ:۔

1۔ آپ ایسا کوئی مسئلہ یا حکم نہ مانیں جس میں رسولؐ اللہ کی بشریت کی آڑ لی گئی ہو۔

2۔ کوئی ایسی بات تسلیم نہ کریں جس میں سرکارؐ دوعالم سے غلطی کا امکان بتایا جائے۔

3۔ ہرگز یہ بات قبول نہ کریں کہ کوئی ایسی چیز یا حکم یا بیان بھی ممکن ہے جو قرآن میں تفصیل سے بیان نہ کردیا گیا ہو، جس کی بِنا پر اب کوئی نبیؑ یا رسولؐ یا کتاب ضروری ہو۔

اور آخری بات یہ کہ ہر اس کام میں تعاون نہ کریں جس سے مسلمانوں کے کسی فرقے کو جانی، مالی یا روحانی نقصان ہوتا ہو۔ اگر آپ نے اِن پر عمل کیا تو اللہ آپ کو مندرجہ بالا منصوبہ سازوں کے ساتھ محشور نہ کرے گا۔ ورنہ قیامت میں آپ کو نہ صرف ہاتھ ملنا ہوں گے، بلکہ سروسینہ بھی پیٹنا ہوگا اور ساری عمر کی نیکیاں ضائع ہوجائیں گی۔ اور جو حضرات صاحبانِ علم ہیں، جنہیں دنیا کے جھمیلوں کے باوجود وقت ملے، اُن کو چاہئے کہ وہ قرآن کریم کے بیانات پر غور کریں اور ہر لفظ کو اس کے مصدری معنی کے ماتحت رکھیں۔

9۔ اللہ نے رسوؐل اللہ کی شکایت پر کیا جواب دیا؟

قرآن کے الفاظ کا تقاضہ ہے کہ اس شکایت کا زمانہ وہ ہو جو قرآن کی تکمیل کا وقت تھا۔ یعنی سارا قرآن رسوؐل کی قوم تک پہنچ چکا ہو۔ ورنہ قرآن کو مہجور کردینے کی جگہ قرآن کے بعض اجزاء کو مہجور کرنے کی شکایت ہونا چاہئے تھی۔ حالانکہ آیت میں ''ھٰذا القرآن''۔ پورے قرآن کی طرف اسم اشارہ قریب کہہ کر دباؤ ڈالا گیا ہے۔ (25/30) یعنی یہ قرآن جو مکمل صورت میں سامنے موجود ہے اِسے رسوؐل کی قوم نے مہجور کردیا ہے۔ پھر یہ شکایت اگر دنیاوی زندگی ختم ہوجانے اور قیامت واقع ہوجانے کے وقت کی گئی ہوتی تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ:۔

۔''اے میرے پیارے اور مظلوم رسولؐ میں ابھی اس قوم کو جہنم واصل کئے دیتا ہوں''۔

اس لئے کہ قیامت اعمال کی جزا و سزا کا دن ہے۔ اس کے بعد نہ اُس قوم کو ہدایت کرنے کا سوال نہ موقع ملنے کی گنجائش۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ، قرآن کو مہجور ہوچکنے کے بعد رسوؐل کو ہدایت آفرین جواب دے رہا ہے سنئے! ارشاد ہے کہ:۔

10۔ یہ حادثہ تمام انبیاءؑ کے ساتھ پیش آتا رہا ہے

(1) کتب الٰہیّہ کے ساتھ یہ نئی بات نہیں ہوئی ہے‘‘۔ہم نے تو ہر نبیؐ کے مقابلہ پر جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک ایک دشمن ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔’’اس انتظام کے باوجود۔’’تیرا پالنے والا قرآن کو مہجور ہو جانے سے بچانے کیلئے تیری مدد اور ہدایت کیلئے کافی ہے۔اُن ناشکروں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ (تمؐ پر) اُسؐ پر یہ قرآن سارا کا سارا ایک دم کیوں نہ اتار دیا گیا؟ لیکن ہم نے برابر اُن کو ناکام کرنا مدنظر رکھا تاکہ تمہارا قلبی رجحان ثابت کردیا جائے ۔ اس لئے تنزیل کو ایسا مرتب کیا جس سے بہتر انتظام ہو ہی نہ سکتا تھا۔‘‘

> وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًاO وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًاO (25/31-32)

(2) اس جواب میں رسولؐ اللہ کے شکوہ کا حل یہ بتایا گیا کہ:۔

نمبر1۔قرآن کی ترتیل ایسی ہے کہ یہ لوگ قرآن کو مہجور کر چکنے کے بعد بھی ناکام ہو جائیں گے۔اور

نمبر2۔قرآن کے مکمل ہو چکنے کے بعد بھی اللہ حسبِ سابق تیری نصرت وہدایت کا اس حد تک ذمہ دار ہے کہ قرآن اپنی صحیح صورت میں نافذ ہو جائے۔لہٰذا قرآن کے نفاذ پر توجہ مرکوز کردو اور ہماری ہدایات کو جاری کرتے رہو نصرت تمہارے ساتھ رہے گی۔

11۔ اللہ کے اِس جواب میں بہت سے راز ورموز ہیں

(1) آپ جانتے ہیں کہ راز ورموز کسی خطرہ سے بچنے یا بچانے کے لئے ہوتے ہیں ۔ یہ راز ہی تو ہے کہ اُن دونوں دوستوں کے نام نہ بتائے گئے۔وہ راز ہی تو تھا کہ شناخت ہو جانے پر بھی جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ ایک خاص مدت تک ایک خاص گروہ سے یہ راز فاش نہ کریں۔اسی راز کو محفوظ رکھنے کی بنا پر وہ امین کہلائے۔بار بار اِصرار و دباؤ پڑنے کے باوجود اُنہوں نے سائل کو نہ بتایا۔معراج میں بھی کچھ راز تھا فرمایا گیا کہ:۔

فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهٖ مَآ أَوْحٰىO (53/10) چنانچہ۔’’وحی کی ہم نے اپنے بندے کی طرف جو بھی وحی کی‘‘۔

یہ۔’’جو بھی‘‘۔ایک ایسا راز ہے کہ صاحبانِ قرآن کے علاوہ کسی کی اس تک رسائی نہیں ہے۔قارئین کسی بھی بڑے سے بڑے عالم زید بکر عمر سے دریافت کریں کہ وحی کیا تھی؟ جواب نفی میں ملے گا۔قرآن کو مہجور کرنے والوں میں صرف ایک ہی خامی تھی کہ وہ قرآن کے رموز واسرار سے واقف نہ تھے اور عقل واجتہاد سے اس خامی کو دور نہ کر سکتے تھے۔اس لئے قوتِ قاہرہ

اور حکومتوں کا تعاون حاصل ہوجانے کے بعد بھی اُن کی گوٹیں ہر چال پر پٹتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ آیاتِ زیر بحث کے مطابق قرآن کو مہجور رکھنے کا منصوبہ تحریک تشیّع کی گردِ کاروان بن کر اڑ گیا۔(فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا O 25/23) یہ غبار بھی عنقریب چھٹ جائے گا اور یہ قرآن کریم اپنی صحیح صورت میں جلوہ فرما ہوگا۔ یہ بات لاشعوری طور پر بڑے اونچے مقام سے گوش گزار ہوچکی ہے۔

(2) جس تحریک کو آپکے سامنے رکھنا ہے۔ اُسکے معصومؑ راہنماؤں نے رموز واسرار پر اتنا زور دیا ہے کہ راز فاش کرنے اور کوئی ایسا اقدام کرنے کی، جس سے راز فاش ہوجائے، سزا دین سے خارج ہوجانا بتایا ہے۔ رازوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ دینی حقائق کو نافذ کرنے کیلئے توریّہ، تقیہ اور تقویٰ کو اصل دین فرمایا ہے۔ یہی وہ ہتھیار تھے جن کو دانشورانِ تحریک نے اسطرح استعمال کیا کہ باطل کو راہِ فرار تو ملتی رہی مگر اس فرار میں اسکے اوزار گرتے چلے گئے۔ اور آج وہ خالی ہاتھ بھاگا چلا جارہا ہے۔ باطل قوتوں کی یہ روز افزوں شکست اور پناہ کی تلاش میں مسلسل فرار، اس حقیقت کا عملی ثبوت ہے کہ رسوؐل کی قوم کے مجتہد دانشور قرآن کریم کی اس انوکھی تنزیل وترتیل کے اَسرار ورموز سے قطعاً ناواقف رہ گئے۔ اور آج تک شانِ نزول کے چکروں میں پابہ جولان ہیں۔ اور اُدھر صاحبانِ قرآن علیہم السلام نے اُن اسرار ورموز کی قوت سے نظام باطل کے تمکّن اور اقتدار کو بتدریج پاش پاش کردیا۔ اُنہیں نزول وقرأتِ قرآن سے کہیں پہلے ہی قرآن اور اُسکی تنزیل وترتیل کا مکمل علم دیا جاچکا تھا۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں اپنی اس اسکیم کا بڑے شدّ ومد اور تفصیل سے ذکر کیا ہے اور رسوؐل کی قوم کو چیلنج کردیا ہے۔

12۔ قرآن قوم کے ایمان کا محتاج نہیں ہے

مجتہدین کیلئے قرآن کے الفاظ وآیات کو تبدیل کردینا نہایت آسان ہوجاتا اگر کہیں قرآن بھی توریت وغیرہ کے انداز میں ایک دم پورا نازل کردیا جاتا۔ لکھنے والے ماہرین جو چاہتے لکھتے اور بعد میں کثرت کا دباؤ ڈالا جاتا اور صورتحال مشکوک وباطل ہوکر رہ جاتی مگر اللہ نے قرآن کو اس قوم تک پہنچانے کا اپنا طریقہ بالکل بدل دیا۔ اگرچہ اُس قوم نے آنحضرؐت پر قرآن کی حیران کن ایجاد کا الزام لگایا۔ لیکن اللہ نے یہ کہہ کر

> وَإِذَا بَدَّلْنَا ايَةً مَّكَانَ ايَةٍ وَّاللهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَيَعْلَمُونَ O (16/101)

اُس قوم کو جاہل رہنے دیا کہ۔ ''آنحضرؐت قرآن کے موجد نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ جانتا ہے کہ وہ کس طرح اور کیا نازل کر رہا ہے۔ مگر اس قوم کی اکثریت کو اس کا علم نہیں ہے''۔ یہی جہالت تھی جو اس قوم کے بے پناہ اجتہادی منصوبے کی تباہی کا سبب بنتی چلی آئی ہے۔ اسی ترتیل وتنزیل کے سلسلے میں یہ بھی فرمایا جاچکا تھا کہ:۔

(1)۔ ’’ہم نے اس قرآن کو تنہا نہیں بلکہ حق کے ساتھ اتارا ہے اور یہ واقعی حق کی معیّت میں اُترا بھی ہے اور تمہیں رسولؐ بنانے کا مقصد اس کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں کہ آپؐ ہر حال میں نہایت

وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا O وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنزِيلًا O(17/105-106)

اطمینان سے لوگوں کو بُرے نتائج پر متنبہ کرتے اور اچھے نتائج پر خوش خبریاں دیتے رہیں۔ رہ گیا یہ قرآن تو اِس کو ہم نے جس بے مثل طریقے پر نازل کیا ہے۔ اُس میں اور سابقہ ترسیل میں فرق پیدا کر دیا ہے۔ تا کہ تم لوگوں کو ساتھ کے ساتھ مناسب ترین مقدار میں ذہن نشین کراتے چلے جاؤ‘‘۔ یعنی اس طرح نظامِ اجتہاد کے ماہرین قرآن کے الفاظ و آیات اور عبارتوں کو لوگوں کے حافظے سے مٹا نہ سکیں گے۔ چنانچہ لفظی تحریف کی نفی ہوگئی دوسری بات یہ کہ:۔

(2) آپؐ اِس قوم کو بتا دو کہ تم اس اندازِ تنزیل کو مانو یا نہ مانو۔ تمہارے ایمان کی اس لئے پرواہ نہیں ہے کہ یقیناً کچھ ایسے لوگ موجود ہیں۔ جن کو قرآن کے اس اسلوبِ نزول سے پہلے ہی مکمل (العلم) علم دیا جا چکا تھا۔ چنانچہ

قُلْ اٰمِنُوا بِهٖ اَوْلَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا o وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا o وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًاo (17/107-109)

جب اُن کے رُوبرو قرآن کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ منہ کے بل سجدہ میں گر کر کہتے ہیں کہ ہمارا پالنے والا وعدہ خلافی سے پاک ہے۔ ہمارے پروردگار کا ہم سے وعدہ پورا ہو کر رہنا ہی تھا۔ اس کے بعد وہ پھر منہ کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور وہ وعدہ سامنے آتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں اور وہ اُن کے دلوں کو اور بھی نرم کرتا رہتا ہے‘‘۔ (اَےُ کاش کہ میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا اور مجھے بھی اس مقامِ بلند پر فائز ہو جانے کا موقعہ ملتا۔ احسن) (17/107-109)

13۔ قرآن پورا موجود تھا۔ یہ بھی ایک راز تھا

(1) قرآن کا نزول جس جس طرح مشہور ہوا یا مشہور کیا گیا۔ آنحضرتؐ کو شروع سے آخیر تک پورے قرآن سے لاعلم ماننا لازم ہے جو خود قرآن کے بیانات کے خلاف ہے۔ بات یہ ہے کہ مذہب کی مخالف جماعت کے حربوں سے بچنے کے لئے لازم تھا کہ قرآن اُس طرح سنایا جائے جس طرح عملاً اس کی ضرورت پیش آتی جائے ورنہ مندرجہ بالا تحریف کا خطرہ مول لینا پڑتا۔ دوسری وجہ یہ بھی قرآن کریم نے خود بتا دی ہے سنئے !:۔

۔’’اور تم اس سے پہلے نہ تو کتاب میں سے کچھ پڑھا کرتے تھے اور نہ ہی اس میں سے کچھ اپنے دہنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ اس لئے کہ اہل باطل لوگوں کو تشویش ناک اندیشے پھیلانے کا موقع مل جاتا بلکہ قرآن تو واضح آیات کی

صورت میں اُن لوگوں کے دلوں میں موجود ہے جن کو پورا علم (العلم) دیا جاچکا ہے۔ اور اُن لوگوں کے سینوں میں آیات کی موجودگی کا انکار تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ کے خالص احکام نافذ کرنے کے منکر ہیں"۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ o بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِي صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَo (29/48-49)

اُن ہی لوگوں کے لئے یہ بھی فرمایا کہ۔ "وہ مخصوص لوگ جن کو ہم نے کتاب (قرآن) مکمل عطا کی ہے اُس کی تلاوت کا صحیح حق ادا کرتے ہیں اور وہ قرآن (الکتٰب) پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ الکتاب کی اس تلاوت کا کفر کرتے ہیں یا آئندہ کفر کریں گے وہ نقصان ہی نقصان اُٹھائیں گے"۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَO (2/121)

(2) بقول علامہ مودودی۔ "مسلمانوں میں بعض اہل کتاب"۔ قرآن میں اِنَّما کو اِنَّ مَا پڑھ کر رسول اللہ کی بشریت کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہمیں علامہ کی زبان میں قارئین سے عرض کرنا ہے کہ مسلمانوں میں کے بعض اہل کتاب مندرجہ بالا آیت سے یہود و نصاریٰ مراد لیتے ہیں۔ اُن سے کہیں کہ اِس سے پہلی آیت خاص طور پر پڑھ لیں تاکہ اُنہیں مایوسی ہو جائے، اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ:۔ آپؐ سے یہود و نصاریٰ اس وقت تک ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک آپؐ اُن کے دین کی پیروی اختیار نہ کرلیں۔ لہٰذا اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے یہود و نصاریٰ ہی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اُس تلاوت کا انکار کر کے جس کا دل چاہے خسارہ میں رہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (2/120)

لیکن کسی کے انکار سے پورے قرآن کے موجود رہنے اور مسلسل اُس کی تلاوت کرنے والوں کا موجود رہنا مٹایا نہیں جا سکتا۔ جو چیز باعثِ اختلاف بنالی گئی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسب موقعہ تلاوتِ قرآن ہے جس کو یہ سمجھا گیا کہ یہ آیت نازل بھی ابھی ابھی ہوئی ہے۔ حالانکہ رسولؐ ضرورت کے مطابق پوری کتاب میں سے وہ حکم یا بیان سنا دیا کرتے تھے جو اُس موقعہ کے مناسب ہوتا تھا۔ یہ ہے اُن آیات کا مطلب جو تھوڑا تھوڑا کر کے (عَلٰى مُكْثٍ) پڑھنے کا تذکرہ کرتی ہیں۔ اس کو غلطی سے اُسی وقت لوح محفوظ سے اُترنا سمجھا گیا ہے اور ایسا سمجھنے والوں کو اس لئے نہ روکا گیا کہ دشمنانِ اسلام مخالفت کا موقعہ نہ پا سکیں۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں جہاں بھی نازل ہونے کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں ہر جگہ پورے قرآن یا پوری کتاب کے نازل ہونے کا ثبوت موجود ہے۔ جیسے (اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ) ہم نے اس کو اتارا (انزلنا علیک الکتاب) تم پر کتاب اتاری گئی (نزل به روح الامین) اُس کے ساتھ ہی روح الامین بھی اُتار دیا گیا۔ اور یہ اصول واضح کر دیا کہ نبیؐ یا رسولؐ سے کتاب جُدا نہیں ہوتی۔

14۔ ہر رسولؑ اور ہر نبیؑ کے ساتھ اُس کی کتاب اُترتی ہے

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (57/25)
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (2/213)
قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا O (19/30)

قرآن کریم سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ تمام انبیاء اور تمام رسول علیہم السلام صاحب کتاب ہوتے ہیں۔ اور اُن سب کے ساتھ ہی اُن کی کتاب بھی اتاری جاتی ہے۔ لہٰذا یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک نبیؑ یا رسولؐ پیدا ہوتے ہی اپنی نبوت یا رسالت کے اعلان کی ضرورت محسوس کرے اور لوگوں کو بتا دے کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دے کر نبی بنا دیا ہے۔ یہ بھی حالات پر منحصر ہے کہ نبوت یا رسالت کا اعلان حالات کے سازگار ہونے تک ملتوی رکھا جائے۔ لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں کہ نبیؑ موجود ہو اور اُس کے پاس اُس کی کتاب موجود نہ ہو۔ کسی شخص کو نہ حکیم کہا جاسکتا ہے، نہ فلاسفر، نہ ڈاکٹر کہہ سکتے ہیں، نہ انجینئر، اگر وہ متعلقہ علم سے کماحقہ جاہل ہو۔ لہٰذا نبیؑ بلا کتاب یا نبیؑ بلا علومِ نبوت بے معنی چیز ہے۔ یہی وہ تعلیم تھی جس کا انکار کئے بغیر نہ نبوت کا دروازہ کھلتا ہے نہ کوئی اور رسالت پاؤں چلتی ہے۔ اور نہ اسلام میں کوئی نقیب نقب لگا سکتا ہے۔ ماہرینِ سیاسیات و مذہبیات نے یہی تو کمال کیا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں اپنے اجتہاد سے وہ تمام گنجائشیں پیدا کردیں۔ جن سے ہر باطل کو اسلام کا سہارا مل سکا۔ اور حکومت و اقتدار مل جانے کے بعد یہی سہارے اسلام کا قانون بن کر نافذ ہوگئے۔ اور بعد والوں نے قرآن کریم کو نچوڑ نچوڑ کر اُن سہاروں کا جواز نکال لیا۔ باطل کے اس حملے اور یلغار کو توڑنے اور ناکام کرنے والی جماعت روز ازل سے ابلیسی نظام کے ساتھ نبرد آزما رہتی چلی آئی ہے۔ اور اس جماعت کی قوت اور کامیابی کا راز قرآن کریم کی تنزیل و ترتیب و ترتیل اور انداز قرأت و تلاوت میں مضمر چلا آتا ہے۔ جماعتِ مجتہدین کو ابلیس کی طویل مہلت دی گئی۔ اُنہیں آزاد چھوڑ دیا گیا کہ وہ اپنے منصوبوں کو اپنی اجتماعی بصیرت اور اجتہاد سے آزما دیکھیں اور ناکامی کے باوجود اجتہاد پر مُصر رہنے والوں کو نہایت اطمینان سے واصل جہنم کیا جا سکے۔ یہ عقلی و اسلامی آزادی ہی تو تھی کہ نظام اجتہاد کا سربراہ، آنحضرتؐ سے بالکل بے تکلف ہوگیا تھا کہ اپنی اسکیم اس خوش اسلوبی سے سناتا تھا کہ رسول اللہؐ بھی بظاہر خوش نظر آنے لگتے تھے۔ تاکہ وہ بے حجابانہ اظہارِ خیال کرسکے۔ قرآن کریم کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں۔

15۔ مجتہدانہ طرزِ حکومت و اقتدار کی جھلک

قرآن کریم نے جس طرح سربراہِ نظامِ اجتہاد کا تذکرہ فُلاں کہہ کر کیا تھا۔ اُسی طرح یہاں بھی اُس کا نام نہیں لیا گیا ہے۔ بلکہ اُس کا تعارف یہ کہہ کر کرایا گیا ہے کہ:۔

لوگوں میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جس کی اسکیم آنحضرؐت کو متعجب کردیتی ہے۔ آیت سے معلوم ہوتا

> وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَافِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ o (2/204)

ہے کہ یہ اسکیم دنیا میں ایسی طرزِ حکومت سے متعلق ہے۔ جس سے وہ شخص آنحضرؐت کے دین کو ساری دنیا میں نافذ کردینے کا ذِمہ لیتا ہے۔ اوراُس طرزِ حکومت کو عین منشائے خداوندی کے مطابق ہونے پرخوداللہ کو بطورشہادت پیش کرتا ہے۔ تاکہ اللہ کے رسوؐل کا اطمینان ہوجائے۔ اوروہ جنؐاب اُس طرزِ حکومت اور تنفیذِ دین کو اختیار کرلیں اور نیتجتاً اُس ماہرعمرانیات وسیاسیات اور مذہبیات کوآئندہ کے لئے سربراہی سونپ دیں۔ اللہ نے بتایا ہے کہ یہ شخص رسولؐ اللہ کا سب سے بڑا مدّ مقابل حریف ہے (الخصام) اورکامیاب مزاحمت کا مجسمہ (اَلَدُّ) ہے۔ یادوسرے الفاظ میں یہ شخص اُس قوم کی پوری اجتماعی مزاحمت کا نمائندہ ہے جورسولؐ اللہ کی مزاحمت کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اورجس کی خصوصی تنذیر کے لئے یہ قرآن آیا تھا۔ اورجس قوم نے اس قرآن کومہجور کرنے میں زیر بحث شخص کو اپنا لیڈر بنالیا تھا۔ یہ تمام تفصیل اللہ نے اگلی آیت میں اُس لیڈر کی طرزِ حکومت کے نتائج بیان کرکے واضح کردی ہے۔ چنانچہ اُس کی تصوراتی حکمرانی میں اس دُنیا کو گھوڑوں کی دوڑ کا ایک میدان بتایا گیا۔ اعلائے کلمہ حق کی آڑ میں ساری دنیا میں فساد پھیلادینا قراردیا گیا۔ اُس کی تبلیغ دین کوفوج کشی

> وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّاo (19/97) وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ o وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ O(2/205-206)

کی یلغار سے نسل انسانی کی تباہی وقتل وغارت لوٹ مار اور فصلوں اور کھیتوں کے اُجڑنے کا سبب بتایا گیا۔ اوررسوؐل کو بتایا گیا کہ اللہ اس طرزِ حکومت کومبنی برفساد ہونے کی بناپر ناپسند کرتا ہے۔ پھر یہ بھی بتادیا کہ جب اُسے اس قسم کے تصورات پر اللہ سے تقویٰ کی اپیل کی جاتی ہے تو اُس کی وہ عزت آڑے آجاتی ہے جواس نے رسوؐل کی مزاحمت کے گناہ سے حاصل کرلی ہے۔ یعنی وہ اب قرآن کومہجور کرنے والی قوم کی نظروں سے گرجانا کسی طرح پسند نہیں کرتا۔ اوراپنے منصوبۂ حکومت پر قائم رہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس حساب سے وہ جہنمی ہے اور بُری تمہید قائم کررہا ہے۔

16۔ آخر تصوراتی حکومت برسرِ شہود آ گئی

مندرجہ بالا آیت کے مفہوم پراُدھر آیت کے الفاظ گواہ ہیں اِدھر تاریخ پکار کر تصدیق کررہی ہے۔ چشمِ بینا اُن تمام خونین اورروح فرسا نظاروں کو دیکھ سکتی ہے جوفضاؤں اور مُصوّرانِ نامۂ اعمال نے اپنے دفتروں میں محفوظ رکھے ہیں۔ گوشِ شنوا تلواروں کی جھنکاروں، تیروں کی لرزش، گھوڑوں کی ٹاپوں، مرنے والوں کی چیخوں کوسُن رہے ہیں۔ آہ وزاری ونالہ وفریاد

اور بے کسوں کا واویلا آسمانوں میں گونج رہا ہے۔ دنیا فساد سے لبریز کردی گئی ہے۔خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔قافلے پناہ کی تلاش میں بھوکے پیاسے سرگرمِ سفر ہیں۔لوگ جلاوطنی اختیار کررہے ہیں۔گرفتاریوں اور عقوبتوں سے بچنے کیلئے پھٹے پرانے کپڑے پہنے جارہے ہیں۔ بہروپ بدلے جارہے ہیں۔مسلمانوں کی تلوار سے بچنے کیلئے غیر مسلموں کی پناہ لینے کیلئے ہزار ہزار میل کا سفر طے کیا جارہا ہے۔ بچے ماں باپ کو ڈھونڈھ رہے ہیں شوہر کو زوجہ کا پتہ نہیں ہے۔اِس دار و گیر کے عالم میں لوگوں نے اپنا وطن چھوڑا اور جس کا جس ملک کی طرف جانا ممکن تھا چلا گیا۔اور اس ظلم وستم نے اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودی۔یعنی ظالموں نے اپنے مخالف مظلوموں کو مجبور کیا کہ وہ ساری دُنیا میں پھیل جائیں۔اور اُن مظالم کی کہانی غیر اقوام اور غیر مسلموں میں سُنا سُنا کر، رحم وانصاف کی اپیل کیساتھ اپنے مسلک و مذہب کی تبلیغ کریں، ظالموں کے خلاف محاذ بنائیں، اسلام کی وہ تعبیرات وتعلیمات پیش کریں، جن کی بِنا پر اُن کیلئے عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تھا۔عرب کے اُن جدید بتوں کا کھل کرنام لے کر حال بیان کریں جن کی عزت وعظمت کو محفوظ رکھنے کیلئے خاندانِ رسولؐ کو تہہ تیغ کیا گیا۔ ہر بولنے والی زبان کھینچ لی گئی، ہر بلند سر قلم کر کے نیزوں پر چڑھا دیا گیا، محلے کے محلے اور آبادیاں جلادی گئیں۔لوگوں کو اپنا دین و مذہب محفوظ رکھنے کیلئے پوشیدہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا گیا۔دفتروں اور محکموں سے ملازمتوں اور بازاروں سے تجارت اور روزگاروں سے بے دخل اور محروم ہوجانے کے بعد اُن لوگوں کو تنہائیوں میں سوچنے پر مجبور ہونا پڑا۔چھپ چھپا کر نظر بچا کر اپنے باقی ماندہ راہنماؤںؑ سے اپنی مشکلات کا حل تجویز کرانا پڑا۔ یوں ملک میں محصور رہ جانیوالے لوگوں نے اس ظلم واستبداد سے نپٹنے کی راہیں نکالیں۔ اور یوں فطری طور پر اندرون ملک اور دنیا کے دوسرے ممالک میں تحریک تشیّع نے معصومؑ راہنمائی پر عمل شروع کیا اور چاردانگ عالم میں اُنکی کامیاب جدوجہد پھیلتی چلی گئی۔ یہ شہرہ تھا جس سے گھبرا کر حسب موقعہ وگنجائش اُن تمام ممالک پر دھاوابولا گیا۔ جہاں جہاں یہ تحریک برسرکار تھی اور اُسے کچلنے کے جنون میں نہ صرف قوت ودولت استعمال کی گئی بلکہ دین فروشی، دغابازی، بدعہدی، وعدہ خلافی، غداری، فریب سازی، دروغ بافی، تہمت والزام تراشی، نفرت انگیزی کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑا۔اور ایسی ایسی کمینہ الزام تراشیاں کیں کہ آج اس روشن دور میں بھی بعض جُہلا کے مُنہ سے سُنی جاتی ہیں۔

17۔ قوتِ قاہرہ اور ظلم وستم کی یلغار۔اور مسٹر پرویز

جناب علامہ مسٹر پرویز صاحب نے بادل نخواستہ اور خجالت کو چھپانے کے لئے جنگ وجدل اور تخریب اقوام کو جائز قرار دینے کے سلسلے میں وہ تصویر پیش کی ہے۔ جو اقوام عالم پر حملوں کے دوران آسمان کی آنکھوں نے دیکھی تھی اور جس کا ایک ایک لفظ صحیح اور اٹل ہے۔ سنئے اور عبرت حاصل کیجئے لکھتے ہیں کہ:۔

18۔ خانہ سازاسلام کی تصویر (مجتہد کا شاہکار)

۔’’آج دنیائے تہذیب وتمدن میں جہاں کہیں (خانہ ساز) اسلام کا نام آتا ہے۔قتل وغارت گری، بربادی وتباہی، ہلاکت وخونریزی، جوروظلم، ستم واستبداد کے خونین مناظر ایک ایک کرکے آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔جن میں نظر آتا ہے کہ وحشی اورخونخوار جنگلی انسانوں کے غول کے غول نیزوں اورتلواروں کی جھنکار میں سیل حوادث کی طرح بڑھے چلے آرہے ہیں۔جن کے جُلو میں سَبعیّت وبربریّت کے مجسمے۔ ہولناک جِنّات وعفاریت کی شکل میں آگ اورخون کی ہولی کھیلتے۔اللہ اکبر کے نعروں میں (قرآن گلے میں لٹکائے) اُمنڈے آرہے ہیں۔اوراس قہرِ خداوندی۔اس سیلاب بلا کے سامنے تہذیب وتمدن، علم وعمرانیت، عدل وانصاف، عِفّت وعصمت، مذاہب ومسالک (عبادت خانے اورفلاح عامہ کے ادارے) ایک ایک کرکے جڑ سے اکھڑتے چلے جاتے ہیں۔اورانسان کی ہزارہا سال کی محنت وکاوش نے جوکچھ متاع علم وہنر اکٹھی کی تھی۔وہ سب خس وخاشاک کی طرح بہے چلی جاتی ہے۔مظلوموں کی فریاد۔یتیموں کی آہ وبکا، بیواؤں کا نالہ وفغاں آسمان تک جاتا اورواپس آجاتا ہے۔کہ گویا (معاذ اللہ) اس خونخوارقوم کے خدا کا دروازہ ان سب کے لئے بند ہے۔ جہاں جہاں سے یہ قیامت صغریٰ گذرتی ہے۔آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔بستیاں اُجڑ جاتی ہیں۔کتب خانے جل کر راکھ کا ڈھیر رہ جاتے ہیں۔تہذیب وتمدن کے آئینہ دار ایوانات وقصور کھنڈرات میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔کہیں ٹوٹی ہوئی صلیبوں کے انبار نظر آتے ہیں۔کسی جگہ زنار (جنیئو) کا ڈھیر نظر آتا ہے۔منادر ویران ہیں۔گرجے مسمار ہیں۔نہ برہمن کو کہیں امان ہے۔نہ کلیسا کے راہب کے لئے عافیت۔نہ عورتیں محفوظ ہیں، نہ بچے مصئون ہیں۔کچھ قتل کردیئے گئے۔جو باقی بچ گئے وہ ناک میں نکیل ڈلوائے۔وحشی سرداروں کے کوڑے کھاتے نخّاس کی طرف گھسٹتے چلے جارہے ہیں کہ وہاں احترام انسانیت کو دوٹکوں میں فروخت کیا جائے‘‘۔ (دوسرے پیرے میں مسلسل ارشاد ہے کہ)

۔’’غرضیکہ یہ ہے وہ تصویر جو اسلام کے نام کے ساتھ ہی آنکھوں کے سامنے آکر پتلیوں میں سکتہ پیدا کردیتی ہے۔ دیکھنے والے کا خون کھولنے لگتا ہے۔حقارت ونفرت وانتقام ومواخذہ کے بخارات قلب سے اُٹھ کر دماغ پر چھاجاتے ہیں۔ اوراُسے اِس عالم سوز تہذیب اورننگِ انسانیت تمدن اوراس بہیمانہ مذہب کو امن وسلامتی کی اس دنیا سے مٹادینے کی مختلف تدابیر وخیالات کی جولانگاہ بنادیتے ہیں۔

19۔ علامہ پرویز کی تلخ نوائی

علامہ پرویز نے یہ تصویر پروپیگنڈا کہہ کر پیش کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ:۔’’دَوَل یوروپ نے اسلام سے اپنی شکست کا انتقام لینے کے لئے اس سحر سامری (یعنی پروپیگنڈے) سے کام لیا اوراُس کے خلاف ایک خاموش مگر منظّم پروپیگنڈا کیا کہ

اُسے دنیا کی نگاہوں میں کچھ سے کچھ بنا کر رکھ دیا اور زبان وقلم کے زور سے اُس کی ایسی بھیانک اور خوف ناک تصویر کھینچی کہ غیر تو غیر خود اپنے بھی جب اُس کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھیں تو کانپ کر رہ جائیں''۔(صفحہ 394 معارف القرآن جلد نمبر 4)

20۔ چوری اور سینہ زوری

پرویز ہی نہیں بلکہ ہر زمانہ میں ایک گروہ ایسے محققین کا موجود رہتا چلا آیا ہے۔جس نے دن کی روشنی میں لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور تاریخی حقائق کو اپنے تعصب کے گرد وغبار میں چھپانے کی کوشش جاری رکھی۔ پرویز صاحب کے شیوخ پر جب اعتراض ہوتا ہے تو وہ جھٹ اسلام کی آڑ میں چھپ جاتے ہیں۔اسلام میں ظلم وستم، جبر واستبداد کو حرام قرار دیا گیا ہے۔لہٰذا اسلام کے خلاف کسی نے کوئی پروپیگنڈا کیا نہ کسی غیر مسلم نے اسلام کو بدنام کیا۔جن لوگوں کی مذمت کی جاتی ہے وہ ظالم ہیں اُن کا نام اسلام نہیں ہے۔ظلم کرنیوالے مسلمانوں کا ذکر کرنا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔اس میں مذہب اسلام کی بدنامی نہیں ہے۔یہ تو اُن لوگوں کی مذمت ہے جو اسلام کے نام پر مظالم کرتے تھے۔پرویز صاحب اور اُسی قسم کے لوگوں کو چاہیئے کہ یا تو وہ یہ ثابت کریں کہ اسلام میں کسی مسلم یا غیر مسلم کو اسلئے قتل کر دینا جائز ہے کہ وہ قاتل والا اسلام کیوں اختیار نہیں کرتا۔یا پھر وہ یہ ثابت کریں کہ مسلمانوں میں سے کسی نے کبھی ظلم وستم کیا ہی نہیں تھا۔یہ دونوں باتیں ثابت کرنا فریب سازی کے باوجود آج تک ممکن نہیں ہوسکا۔اسکے برعکس انتہائی متعصب قسم کے مورخین بھی اِن مظالم پر اپنی حیرانی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔

21۔ مدینے میں مسلمانوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا؟

یوں تو مسلمانوں کی ہر تاریخ حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے لکھی گئی۔اور ہر بعد والا مورخ سابقہ تواریخ کا اس لئے خلاصہ لکھتا چلا آیا تاکہ رفتہ رفتہ مسلمانوں کو ہر ظلم وگناہ سے پاک کرکے ایک فرشتوں کا گروہ بنادے۔لیکن جناب مولانا اسلم جیراج پوری نے اپنی کتاب تاریخِ امت میں سابقہ تمام مورخین کو مات کر دیا۔یہ مولانا جناب علامہ پرویز کے اُستاد ہیں۔ اور حقائق سے کھل کر انکار کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔اس کے باوجود وہ حیران رہ گئے اور کوئی ایسا بہانہ اُن کو نہ ملا کہ وہ مدینہ کے مظالم پر پردہ ڈال سکتے۔چنانچہ اُن کا پرتکلف بیان علامہ پرویز کو سنادیں فرماتے ہیں:۔

۔''بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔کہ اہل مدینہ نے خود جنگ میں عجلت کی۔ یہاں تک کہ اپنی حفاظت کے لئے جو خندق اُنہوں نے کھودی تھی۔اس کو بھی چھوڑ کر آگے بڑھ گئے اور لڑنا شروع کر دیا۔لیکن پھر بھی یہ الزام مسلم پر رہ جاتا ہے۔کہ فتح کرنے کے بعد قتل عام کرنے کے کیا معنی؟ اور شامی مسلمانوں کی غیرت نے کیوں کر گوارا کیا کہ مدینہ میں بلاضرورت خونریزی اور غارت گری کریں''۔(تاریخ الامت صفحہ 57,58 حصہ سوم خلافت بنی امیہ)

پرویز صاحب تو غیر مسلموں کے قتل عام کا بھی انکار کر دینا چاہتے ہیں لیکن اُنہی کے ادارہ کی شائع کردہ اور اُن ہی کے

استاد کی یہ تاریخ مدینے میں صحابہ اور صحابیات ۔ جوانوں، بچوں اور عورتوں کے قتل عام کی داستان سُنا رہی ہے۔ علامہ اسلم نے جو کچھ لکھا آئندہ کی تاریخ میں یہ بھی غائب کرلیا جائے گا۔ یہی سبب ہے کہ تحریک تشیع برابر اُن مظالم اور منصوبوں کو پبلک کے سامنے رکھتی اور شائع کرتی چلی آرہی ہے۔ جنہیں دشمنانِ اسلام، اسلام کے نام پر برسرِ کار لاتے اور چُھپاتے آرہے ہیں۔

22۔ مدینہ والے مسلمانوں کے قتل عام پر ذرا سی وضاحت

(1) ناظرین صرف قتل عام اور مظالم ہی کو نہ دیکھیں بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ مدینے میں رسولؐ اللہ کے صحابہ رہتے ہیں۔ یہاں تہجد اور جماعت کی نمازیں ہوتی ہیں۔ یہاں عابد و زاہد و حاجی اور حافظان قرآن رہتے ہیں۔ یہاں معصوم بچے اور عورتیں بھی ہیں۔ اُدھر اُن پر حملہ کرنے والے بھی عابد و زاہد و تہجد گذار و قاریانِ قرآن ہیں۔ **قتلِ عام صرف اس بات پر جائز ہے کہ اہلِ مدینہ، اہلِ شام والا اسلام نہیں رکھتے** جو کچھ اہلِ شام اسلام کی رُو سے جائز قرار دیتے ہیں اہل مدینہ اُس سے اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کا قتل عام، اُن کو لوٹنا، غلام و کنیز بنالینا صرف اس لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مخالف کی طرزِ فکر کو اختیار نہیں کرتے۔ یعنی جو کچھ ہم سمجھیں، جو کچھ ہم کہیں، اُس کو تسلیم نہ کرنے والا واجب القتل ہے۔ کیا یہ اسلام کی تعلیم ہے؟ جو شخص اس کو اسلام کی تعلیم قرار دے وہ اسلام کی رو سے لعنتی ہے۔ سنئے بات سنئے!۔

(2) 63ھ میں یزید کو خبر پہنچی کہ اہل مدینہ اُس پر خروج کیا چاہتے ہیں۔ اور اُس کی بیعت سے انکار کرتے ہیں۔ یہ سُن کر اُس نے ایک بہت بڑا لشکر اُن کی طرف روانہ کیا اور مدینہ والوں سے اعلانِ جنگ کر دیا۔ پھر مکہ معظّمہ میں حضرت ابن زبیر پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ لشکر یہاں پہنچا اور واقعہ حرّہ باب طیبہ پر واقع ہوا اور واقعہ حرّہ جانتے ہو کیا تھا؟ اُس کی کیفیت حَسن اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں رہا تھا جو اس لشکر سے پناہ میں رہا ہو۔ ہزار ہا صحابہ شہید ہوئے مدینہ شریف لوٹ لیا گیا۔ ہزار ہا لڑکیوں کی کم بخت لشکریوں نے بکارت (کنوارپن) زائل کی''۔

اناللہ وانا الیہ رٰجعون''۔ (بیان الامراء۔ تاریخ الخلفاء علامہ جلاالدین سیوطی صفحہ 225)

(3) اس تاریخ میں علامہ جلال الدین نے صرف اُن خلفاء اور خلافتوں کا ذکر کیا ہے جو حق بجانب اور اُن کے اسلام کے عین مطابق تھیں۔ یعنی مندرجہ بالا تمام قتل عام، لوٹ مار اور کنواری لڑکیوں سے مجامعت بالکل جائز ہے۔ پرویز صاحب بتائیں کہ اُنہیں یہ سب منظور ہے یا نہیں۔ پھر بتائیں کہ دَوَل یوروپ یا کسی اور نے یہ سب کچھ علامہ اسلم اور جلال الدین کو رشوت دے کر لکھوایا ہے؟ سرکار یہ پروپیگنڈا نہیں ہے یہ تو مسلمانوں کے خلفا رضی اللہ عنہم کے وہ مظالم ہیں جو اُنہوں نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کی اصلاح اور اُمت کی بہتری کے لئے کئے تھے۔ یہی تو سبب ہے کہ آپ اور آپ کے سلف صالحین اُن مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ سنئے ایک اصول سُنئے! جس کو آپ کے استادِ مکرم لکھتے ہیں۔

23۔ اُمت کی بہتری کے لئے بے گناہ مسلمانوں کا قتل جائز ہے

(1) ۔''ایک رات ایک بدُّو ملا۔ جو شہر کے کسی گوشے میں اپنی بکریاں لے کر ٹھہر گیا۔ عبداللہ (بصرہ کا کوتوال) نے اُس کو پکڑ لیا اور زیاد کے پاس لائے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تجھ کو امیر کا یہ حکم معلوم نہیں۔ کہ رات کو جو شخص شہر میں سڑک پر ملے گا۔ قتل کر دیا جائے گا۔ اُس نے کہا مجھے مطلق علم نہیں۔ میں تو رات زیادہ گذر جانے کی وجہ سے مجبوراً یہاں رہ گیا۔ زیاد نے کہا۔ اگرچہ تیرا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تیرے قتل میں اُمت کی مصلحت ہے۔ آخر اُس کو قتل کرا دیا''۔ (تاریخ الامت جلد نمبر 3 صفحہ 18 خلافت بنی امیہ) یہی واقعہ علامہ طبری کے قلم سے سنئے !:۔

(2) ۔''ایک رات کا ذکر ہے کہ کسی اعرابی کو زیاد کے پاس پکڑ لائے۔ اس سے زیاد نے پوچھا کہ جو حکم پکارا گیا تھا۔ تُو نے سُنا تھا؟ اُس نے کہا بخدا میں نے نہیں سنا۔ میں اپنی دودھ دیتی اُونٹنی کو لئے ہوئے آ رہا تھا۔ کہ رات ہو گئی اور مجبور ہو کر ایک مقام پر ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ مجھے مطلق علم نہیں۔ کہ امیر نے کیا حکم دیا تھا۔ زیاد نے جواب دیا۔ واللہ مجھے بھی گمان ہے۔ کہ تو سچ کہتا ہے۔ لیکن تیرے قتل کرنے ہی میں اِس اُمت کی بہتری ہے۔ حکم دیا اور اُسکی گردن ماردی گئی''۔ (طبری جلد نمبر 4 صفحہ 80)

(3) قارئین یہ سمجھ لیں کہ جس طرح آج کل مفاد عامہ اور اتحاد ملت کسی کام کے جواز کے لئے سب سے بڑا جواز ہے۔ بالکل اسی طرح اُمت کی بہتری، اُمت کی مصلحت، اُمت کی یک جہتی و اتفاق وہ عظیم ترین مقاصد تھے۔ جس کو سامنے رکھ کر ہر وہ چیز جائز کر لی گئی جو قرآن و حدیث اور عرفِ عام و عقل کی رُو سے حرام و مذموم ہے۔ اس سلسلے میں نہ یہ سوچا گیا کہ اللہ کا حکم کیا ہے؟ نہ اِس کی فکر کی گئی کہ رسولؐ کا حکم کیا ہے؟ اور یہ کہ آنحضرتؐ نے ایسے مواقع پر کیا فیصلہ کیا تھا۔ نہ صحابہ کے مشورہ کو ملحوظ رکھا گیا اور نہ قرآن و رسولؐ کے واضح احکام کی خلاف ورزی کو اپنی راہ میں رکاوٹ بننے دیا۔ حاکمِ وقت نے اپنے ذاتی اور شخصی حکم سے سرتابی کی سزا قتل و غارت مقرر کی۔ حکم سے سرتابی کرنے والے خواہ غیر مسلم ہوں یا نمازی پرہیز گار مسلمان ہوں دونوں کا قتل و غارت جائز رکھا گیا۔

24۔ مسلمانوں کے قتلِ عام کے مذہبی اسباب

(1) جس اصول اور جواز کے ماتحت محمد بن قاسم سے ملک سندھ پر حملہ کرایا گیا تھا وہ اصول اور حملے کا جواز بڑا اقدیم ہے۔ مدینہ والوں نے نہ صرف حکومت وقت کے خلاف بغاوت کی ہے بلکہ تمام بنی امیہ کو محاصرہ میں لے لیا ہے۔ اُن پر پانی بند کر دیا ہے۔ اُن کا قاصد ابن کرہ خلیفہ وقت یزید کے پاس مدد کی درخواست لایا ہے۔ (63ھ) مروان بن الحکم اور عمر بن عثمان اور تمام بنی امیہ کی جانوں کو خطرہ میں بتایا ہے یزید نے کہا کہ:۔

۔''ان لوگوں کے بعد زندگی کا کیا لطف اے مسلم بن عقبہ اُٹھ لوگوں کو لے کر روانہ ہو۔اعلان ہوگیا۔لوگوں کو اُن کے وظائف اور تنخواہیں تقسیم ہوئیں اور سوسو دینار بطور اعانت ہر شخص کو دیئے گئے بارہ ہزار کی فوج حجاز کے مسلمانوں پر حملے کے لئے روانہ ہوگئی۔خلیفہ وقت نے اپنے اشعار میں عبداللہ بن زبیر کو ملحد قرار دیا۔اس پر بزرگوں کو بُرا کہنے کا الزام عائد کیا۔اُسے دین میں مکاری کرنے والا بتایا۔یہ لشکر مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔خلیفہ نے اُسے حکم دیا کہ:۔

(2) **خلیفہ کا حکم:۔** ''۔تم پر کچھ بن جائے تو لشکر کا رئیس حصین بن نمیر کو بنانا۔اور لوگوں کو (یعنی مدینہ اور مکہ کے مسلمانوں کو) تین دن تک مہلت دینا۔مان جائیں تو مان جائیں ورنہ اُن سے قتال کرنا۔جب تم کو غلبہ ہوجائے۔تو تین دن تک مدینہ (کے مسلمانوں کو) لُوٹنا وہاں (مسلمانوں) کا مال اور روپیہ اور ہتھیار اور غلّہ یہ سب لشکر والوں کا ہے تین دن کے بعد (مسلمانوں کو) لوٹنا موقوف کرنا۔اور علی بن حسین (علیہما السلام) سے رعایت کرنا۔اُن کے ساتھ نیکی کرنا۔اُن کو اپنے قریب بٹھانا۔(مسلمان) لوگوں نے جو مجھ سے مخالفت کی وہ اُس میں شریک نہ تھے۔میرے پاس اُن کا خط آیا تھا''۔(طبری جلد نمبر 4) (صفحہ 324 سے 327 تک)

(3) علی بن الحسینؑ کے یہاں مروان کی زوجہ یعنی جناب عثمانؓ کی بیٹی معہ مروان کے اعزا و سامان کے پناہ گزین تھی۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے مروان کو منع کر دیا لیکن جناب زین العابدین علیہ السلام نے مروان کے بال بچوں کو پناہ دی۔ (طبری جلد نمبر 4 صفحہ 327)

(4) **خلیفہ کا حکم مسلم کی زبانی:۔** مسلم بن عقبہ نے مدینہ کے تمام اشراف و صحابہ کو بلا کر کہا کہ:۔

۔''اے اہل مدینہ حضرت امیر المومنین یزید کا یہ خیال ہے کہ تم لوگ اصل (جڑ) ہو تمہارا خون بہانا مجھے گوارا نہیں ہے۔تمہارے لئے تین دن کی مدت میں مقرر کرتا ہوں جو کوئی تم میں سے باز آجائے گا۔اور حق کی طرف رجوع کرے گا۔ہم اس کا عُذر قبول کرلیں گے۔اور یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔اور اُس ملحد کی طرف جو مکہ میں (ابن زبیرؓ) ہے۔متوجہ ہوں گے۔اور اگر تم لوگ نہ مانو گے۔تو یہ سمجھ لو کہ ہم حجت تمام کر چکے۔تین دن ہوگئے تو مسلم نے کہا اے اہل مدینہ تین دن ہوگئے۔کہو اب تم کو کیا منظور ہے؟ ملاپ کرتے ہو یا لڑنا چاہتے ہو۔اہل مدینہ نے کہا کہ ہم لڑیں گے۔مسلم بن عقبہ نے کہا ہرگز ایسا نہ کرو۔بلکہ تم سب طاعت گذاری اختیار کرو۔ہم تم مل کر اپنا زور اس (عبداللہ ابن زبیرؓ) ملحد پر ڈالیں۔جس نے بے دینوں کو فاسقوں کو چار جانب سے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے''۔(طبری جلد 4 صفحہ 329)

(5) **اہل مدینہ و مکہ کا جواب اور عقیدہ:۔**

قارئین نے دیکھ لیا کہ خلیفۃ المسلمین امیر المومنین یزید اور اس کے سپہ سالار امیر کے نزدیک تمام اہل مدینہ و اہل

مکہ اور خصوصاً عبداللہ ابن زبیر فاسق وفاجر وملحد اور بے دین لوگ ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ ایک قائم شدہ اور کثرت کی نمائندہ حکومت وخلافت کے منکر ہیں۔ لیکن اہل مدینہ حکومت وقت کے خلاف بغاوت کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کے مخالف دشمن خدا ہیں چنانچہ کہا کہ:۔

۔''او دشمنِ خدا واللہ اگر تم لوگ وہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو ہم تم کو بے قتال کئے نہ چھوڑیں گے۔ کیا ہم تمہیں اس لئے بے لڑے چھوڑ دیں کہ تم خانہ کعبہ پر حملہ کرو۔ وہاں کے رہنے والوں کو خوف وہراس میں ڈالو۔ وہاں ملحدوں جیسی حرکتیں کرو۔ بیت اللہ کی بے حرمتی کرو۔ نہیں نہیں۔ واللہ ہم سے یہ نہ ہوگا''۔ (طبری جلد چہارم صفحہ 329)

25۔ مسلمانوں کے قتل عام پر یاد رکھنے کی باتیں

(1) قارئین حضرات اُن احکامات وبیانات میں مُسلم حکومت اور اہل مدینہ کے وہ الزامات نوٹ کرلیں جن کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے کا قتل وغارت جائز سمجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو مسلمانوں کا لوٹنا، اُن کی عورتوں اور بچوں مردوں کو قتل کرنا، غلام وکنیزیں بنانا، اُن کی عورتوں سے زبردستی اور بلا نکاح جنسی تعلق قائم کرلینا اُن دونوں کے نزدیک اسلام میں جائز ہے۔

(2) **اہل مدینہ اور خلافت کے نزدیک دونوں کی پوزیشن**

(الف) دونوں طرف کے مسلمان ملحد ہیں۔ (ب) دشمن خدا ہیں۔ (ج) فاسق وفاجر ہیں۔ (د) بے دین یعنی مرتد ہیں۔

(ہ) خلافت وخلیفہ وقت کے باغی ہیں۔ (و) بیت اللہ کی بے حُرمتی کی پرواہ نہیں کرتے۔ (ز) مسلمانوں کو خوف وہراس میں مبتلا کرتے ہیں۔

(3) **دونوں طرف صحابہؓ اور صحابہؓ زادے ہیں**

مندرجہ بالا سات فتوے جن بزرگوں پر لگائے گئے ہیں اور جنہوں نے یہ فتوے لگائے ہیں۔ اُن میں جناب عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن میں جناب عبداللہ بن غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ جناب عثمانؓ کے دو صاحب زادے عمرو بن عثمانؓ اور عمر بن عثمانؓ اور جناب فضل بن عباسؓ ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ الغرض دونوں طرف ایسے حضرات موجود تھے۔ جن کے ساتھ تمام مسلمان رضی اللہ عنہم لکھتے چلے آتے ہیں۔ اُن میں خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین بھی شامل ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اُن دونوں مسلمان گروہوں میں جھوٹا کون ہے؟ اور سچا کون ہے۔؟

(4) **ہمیشہ کام آنے والی صحیح بات**

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ مرتد ہیں نہ ملحد ہیں نہ کافر ہیں۔ بلکہ جس قسم کا ایمان یہ دونوں مسلمان گروہ لائے تھے اور جو اسلام اُنہوں نے اختیار کیا تھا۔ یہ سب اُس کے پابند تھے۔ نمازی، پرہیزگار، تہجد گذار وروزہ دار وحافظان قرآن وحدیث تھے۔ اُن سب کا مُتفقہ اور مُسلّمہ عقیدہ یہ تھا کہ مُدعی خلافت کی مخالفت حرام ہے۔ مسلمان جس کی خلافت کا اعلان کردیں اُس

کی اطاعت واجب ہے۔ اوراُس کے خلاف جو کوئی بھی ہواُس کا قتل کرنا، اُس کے اہل وعیال اورطرفداروں کولوٹنا قتل کرنا، غلام وکنیز بنالینا جائز ہے۔ خلافت کے مخالف پر یہ دونوں گروہ مشرک ،ملحد، مرتد، کافر، فاسق، بدعتی، فتنہ ساز وتفرقہ انداز وغیرہ قسم کے الزامات لگایا کرتے تھے۔ تاکہ عوام الناس جوش وخروش واسلامی عقیدتمندی کے ولولوں کے ساتھ خلیفہ کے دشمنوں کو بے دریغ قتل کریں، لوٹیں اوراُن کی ازواج کو حلال سمجھیں، اُن کے بچوں کو غلام بنانے میں تکلف نہ کریں۔ حالانکہ اُن کا مخالف بھی نمازی وپرہیز گار تہجد گذار ومتقی ہوتا تھا۔ چنانچہ کربلا کے واقعات اور مدینہ میں قتلِ عام اس حقیقت کے سوفی صد صحیح ہونے پر گواہ ہیں۔ <u>تاریخ طبری ہو یا تاریخ الخلفا ہو، تاریخ کامل یا ابن خلدون</u>، سب اس پر متفق ہیں۔

(5) <u>خلیفۃ المسلمین کا سپہ سالار دوران جہاد</u>

اہل مدینہ کی فوج بڑی جوان مردی سے لڑرہی ہے۔ خلیفہ کی افواج بار بار پسپا ہورہی ہیں۔ آخر سپہ سالار مُسلم بن عقبہ نے اپنے فوج کے اسلامی جذبہ کو للکارا اوراُنہیں مدینہ کے صحابہ کے مقابلہ میں دینی غیرت دلائی اُس نے کہا کہ:۔

(6) <u>دین اورامام کی نصرت میں جہاد</u>

۔''اے اہلِ شام کیا اپنے دین کی حمایت میں اسی طرح قتال کرتے ہیں۔ کیا اپنے امام کی نصرت میں اسی طرح جہاد کرتے ہیں۔ اے اہل شام تم حسب ونسب میں اُن سے بڑھ کر نہیں ہو۔ شمار میں اُن سے زیادہ نہیں ہو۔ تمہارے بلاد اتنے وسیع نہیں ہیں۔ پھر بھی خدا نے تم کو یہ خاص مرتبہ عنایت کیا کہ دشمن کے مقابلے میں خاص مدد کی۔ تمہارے اماموں کے دل میں تمہاری منزلت پیدا کی۔ اسکا سبب محض یہی ہے کہ تم لوگ طاعت گذار ہواوراپنے دین پر قائم ہو۔ اوراس قوم نے اور جو اُنکے مثل ہیں۔ اُن سب نے دین کو بدل ڈالا۔ خدا نے بھی اُنکی حالت کو بدل دیا۔ جس طاعت پر تم قائم ہواُسے خوبی کے ساتھ پورا کردو کہ خدا بھی جونصرت وغلبہ تم کو دے رہا ہے اُسے پورا کردے۔'' (صفحہ 332-331 طبری جلد چہارم خلافت بنی امیہ)

(7) <u>خلیفۃ المسلمین کی فوج کا عقیدہ پختہ ہوگیا</u>

سپہ سالار کے اِس بیان کے مطابق جب خلیفۃ المسلمین کی فوج اِس جہاد اور نصرتِ امام میں کامیاب ہوگئی تو کس قدر عقیدتمندی بڑھی ہوگی۔ اور کتنے یقین واطمینان سے مدینہ کے صحابہؓ اور صحابیاتؓ اور دیگر مسلمانوں کو قتل کیا ہوگا۔ اللہ اکبر کے کتنے نعرے بلند ہوئے ہوں گے۔ ہر گردن بِسمِ اللّٰہِ وبِاللّٰہِ ولا اِلٰہ الا اللّٰہ کہہ کر کاٹی جارہی ہوگی۔ واقعی یہ یقین ہوگیا ہوگا کہ اہل مدینہ نے اپنا دین اسلام بدل ڈالا تھا۔ ذرا غور کریں اور سر جھکا کر سوچیں اوراگر کہیں پرویز صاحب بھی ہوں تو انہیں بھی شامل کرلیں۔ بارہ ہزار شامی مسلمانوں کی فوج تین دن اور تین راتیں مدینہ میں قتل وغارت لوٹ مار اور عصمت دری کرتی ہے۔ سوچو کون بچا ہوگا؟ کس کو اور کیوں چھوڑا ہوگا؟ کیا کیا نہ کیا ہوگا۔ اس کے بعد نسل کا کیا حال ہوا ہوگا۔ یہ سب کچھ

مسلمان کررہے ہیں، مسلمانوں کے ساتھ کررہے ہیں، نمازیں پڑھ پڑھ کررہے ہیں۔ پرویز اینڈ کمپنی نہیں چاہتی کہ دنیائے تہذیب وتمدن اُن نظاروں کو یاد کرے۔ وہ سینے چاک کر کے اُن دلوں کو نکال کر چبا جانا چاہتے ہیں جو اُن واقعات کے محافظ ہوں۔ وہ اُن آنکھوں کو کھود کر نکال ڈالنا چاہتے ہیں جنھوں نے اُن بزرگوں کا یہ حال دیکھا ہو۔ اِن واقعات پر پردہ ڈالنے کے لئے ہی وہ مظالم ہوئے۔ جن کے ذکر سے ہم نے افتتاح کیا۔ جن کی تصویر سے پرویز کانپ اٹھتے ہیں۔

(25/الف) مسلمانوں کو کافر قرار دے کر اسلام کی طرف دعوت کا طریقہ

آپ یہ دیکھ چکے کہ مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے لئے خلیفہ وقت کی مخالفت کافی سمجھی گئی اور بے دریغ مظالم کئے گئے۔ اب یہ دیکھیں کہ اپنی خلافت کو منوانے کے لئے کس طرح اسلام کو آڑ بنایا جاتا رہا ہے۔ اور کن الفاظ میں خلافت کے مخالفوں کو دعوت اسلام دی جاتی تھی۔

(1) خلیفہ وقت عبدالملک بن مروان اور دعوت اسلام

(1) عبدالملک نے ابراہیم بن مالک بن الاشتر کو خط لکھا تاکہ وہ عبداللہ ابن زبیرؓ کے خلاف عبدالملک کی خلافت کی جڑیں مضبوط کریں لکھا کہ:۔

۔''حمد وصلوٰت کے بعد تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ آل زبیرؓ نے آئمۂِ ھادیین (یعنی یزید، مروان اور خود عبدالملک) کے خلاف بغاوت برپا کی اور مستحقینِ حکومت سے اقتدار سلب کرلیا۔ کعبۃ اللہ میں خلاف شرع کاروائیاں کیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر قابو پا کر سخت ذلت وعذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔ میں تمہیں اللہ اور اُس کے رسوؐل کی سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر میری دعوت تم نے منظور کرلی تو جب تک میں اور تم زندہ ہیں۔ عراق کی عنانِ حکومت تمہارے سپرد کردی جائے گی۔ تمہیں یہ حق ہوگا کہ مجھ سے یہ وعدہ بطور اپنے حق کے ایفا کراؤ۔ میں اللہ کے سامنے بھی یہی عہد کرتا ہوں''۔ (طبری جلد نمبر 5 صفحہ 69)

(2) خلیفہ وقت عبداللہ ابن زبیرؓ

عبدالملک بن مروان نے خدا اور رسولؐ اور کتاب وسنت پر دعوت دے کر عبداللہ ابن زبیر کے خلاف بلایا تھا۔ تو عبداللہ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب ابن زبیرؓ نے بھی ابراہیم بن مالک بن الاشتر کو خط لکھا کہ:۔

۔''اب میں تمہیں اللہ کی کتاب اور اُس کے نبیؐ کی سُنّت اور امیر المومنین عبداللہ ابن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اس دعوت کو قبول کرو تو میرے پاس آجاؤ۔ ملک جزیرہ اور تمام مغرب الاقصیٰ جب تک تم زندہ ہو اور حکومت خاندانِ زبیرؓ میں ہے۔ تمہارے ہی زیرنگین کردیئے جائیں گے۔ اس وعدے کی ایفا کے لئے ہم خدا سے عہد کرتے ہیں۔ یہ عہد اُن معاہدات سے، جو خدا نے نبیوں سے لیا تھا زیادہ موثر ہے۔ والسلام''۔ (ایضاً صفحہ 68)

(3) خدا اور رسولؐ اور سنتِ رسولؐ کی طرف دعوت

یہاں تک یہ سمجھ میں آ جانا چاہئے کہ خدا اور رسولؐ کی سُنّت کی طرف جنہیں دعوت دی جا رہی ہے وہ نہ خدا کے منکر ہیں نہ انہیں سنتِ رسولؐ سے اختلاف ہے۔ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں، صحبت رسولؐ کے فیض یافتہ ہیں، تمام مشہور ارکانِ اسلام کے پابند ہیں۔ یہ دعوت دراصل اسلام کے نام پر اس لئے دی جا رہی ہے کہ جو اُن کی حکومت اور حکومت کی اطاعت سے انکار کرے اس کو خارج از اسلام قرار دے کر عوام کی طاقت کو اُن کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ چنانچہ اسی قسم کے مخالفانِ اسلام کی ایک دعوت اور سن لیں۔

(4) مخالفین اگر دعوت اسلام قبول نہ کریں تو اُن سے سلوک

۔''(الف) جو اس پیام کو رد کر دے۔ اس کے متعلق میں نے حکم دیا ہے کہ محض اُس انکار کی وجہ سے اُس سے جنگ کی جائے اور پھر جس پر قابو چلے۔ اُس کے ساتھ ذرا بھی رحم نہ کیا جائے اور بری طرح قتل کر دیا جائے۔ اُن کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔

(ب) اگر وہ اسلام سے انکار کریں فوراً اُن سے جنگ شروع کر دی جائے اور اگر وہ اسلام کا اقرار کر لیں اُن کے بیان کو قبول کر کے اُن پر اسلام کی خدمت عائد کی جائے۔

(ج) جو اعلانیہ طور پر اللہ کی دعوت کو رد کر دے۔ اُسے جہاں اور جس طرح ہو سکے ذلّت سے قتل کر دیا جائے اور اسلام لانے کے سوا کوئی دوسری شرط اُس کی قبول نہ کی جائے۔

(د) جو اسلام لانے سے انکار کرے اُس سے جنگ کی جائے۔ اگر اللہ فتح دے تو مرتدین کو تلوار اور آگ سے بُری طرح ہلاک کر دیا جائے اور جو مال غنیمت حاصل ہو اُس میں سے پانچواں حصہ الگ کر کے باقی کو شرکائے جہاد میں تقسیم کر دیا جائے اور پانچواں حصہ ہمیں بھیج دیا جائے''۔

(5) سپہ سالارانِ لشکر کا قابلِ فہم عذر

۔''میں امیر (سالار لشکر) ہوں۔ اور جب تک مجھے اُن (خلیفہ) کا کوئی صریح حکم اس کے خلاف نہ ملے اور میں دشمن کے زیر کرنے کا کوئی موقع پاؤں تو کیا اس کے لئے میں اُن (خلیفہ) کو اطلاع دے کر حکم حاصل کروں اور اس طرح وہ موقعہ ہاتھ سے جاتا رہے۔ میں تو ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ بلکہ جو موقعہ ہمدست ہو اُس سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اسی طرح اگر ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔ جس کے متعلق انہوں نے اپنے فرمان تقرر میں کوئی تصریح نہ کی ہو۔ تو اُس موقعہ پر ہم کیا کریں گے؟ ہم جو بہتر صورت دیکھیں گے اس پر فوراً عمل کریں گے''۔

(6) اذان سنائی نہ دے تو غارتگری جائز ہے

۔''جب تم کسی بستی میں جاؤ اور وہاں نماز کے لئے اذان سنو خاموش رہنا اور پھر اُن سے دریافت کرنا کہ انہوں نے کیوں سرکشی اختیار کی ہے؟ اور اگر اذان سنائی نہ دے تو فوراً غارت گری کر کے وہاں کے باشندوں کو قتل کر دینا اور فوراً جلا دینا''۔

(7) بنی حنیفہ کے قتل عام کا حکم

۔''اگر اللہ عزّ وجلّ تم کو فتح دے تو تم بنی حنیفہ کے اُن تمام مردوں کو جن کی داڑھی نکل آئی ہے قتل کر دینا۔''

(یہ تمام احکام طبری جلد نمبر 2 میں ہیں)

26۔ خُلفائے اسلام کے احکام کی تعمیل ہوتی رہی

قارئین حضرات نے مندرجہ بالا احکام اور فیصلے سُن لئے تو یہ بھی سُن لیں کہ یہ تمام وہ احکامات ہیں جن کا اسلام سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ چند اشخاص کی ذاتی رائے ہے جس پر دل بھر کر اور بڑھ چڑھ کر صدیوں عمل ہوتا رہا۔ اسلام ہرگز کسی غیر مسلم کو بھی اسلام نہ لانے پر قتل کا حکم نہیں دیتا۔ مشہور ہے کہ دین میں زبردستی نہیں کی جاسکتی۔(لاا کراہ فی الدین) اور جناب پرویز صاحب تو مرتد کے قتل کئے جانے کے بھی خلاف ہیں اب ذرا جلدی جلدی اُن احکام کی تعمیل میں چند قطرے خون رولیں اور دل تھام کر سُنیں:۔

(1) ۔''مصعب ابن زبیرؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کو سلام کیا اور کہا کہ میں آپ کا بھتیجا ہوں۔عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ جی ہاں آپ ہی نے سات ہزار مسلمانوں کو ایک دن میں قتل کیا ہے۔ جب تک جیتے ہو جیو۔ مصعب ابن زبیرؓ نے کہا کہ وہ سب کافر ہو گئے تھے''۔(طبری جلد 5 صفحہ 70)

(2) سمرہ جو عبداللہ ابن زیاد کا نائب رہتا تھا اور بصرہ کا حاکم تھا۔اس کے متعلق اَنس بن سیرین نے کہا کہ جتنے مسلمانوں کو سمرہ نے قتل کیا ہے۔اُن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ (طبری جلد 4 صفحہ 88)

(3) ۔''سمرہ کو نائب مقرر کر کے ابن زیاد چندروز کے لئے کوفہ گیا۔ واپس آیا تو اس عرصے میں سمرہ آٹھ ہزار مسلمانوں کو قتل کر چکا تھا۔ ابن زیاد نے دریافت کیا کہ تمہارے خیال میں کوئی شخص بے خطا تو نہیں قتل ہوا۔ کہا کہ اگر میں اتنے ہی اور قتل کرتا۔ تب بھی اُن میں کوئی بے خطا نہ ہوتا''۔(ایضاً صفحہ 89-88)

(4) قتل ہونے والوں کی خطا

۔''سمرہ شہر سے باہر جا رہے ہیں۔ بنی اسد کے محلے تک جب سواری پہنچی تو گلی سے ایک شخص نکل آیا اور اُدھر سے سمرہ کے آگے چلنے والے سوار آ پڑے ایک سوار نے بڑھ کر اُسے برچھی ماردی۔ سوار جب نکل گئے۔ اور سمرہ اس مقام تک پہنچا تو

اُس آدمی کو خاک وخون میں لوٹتے دیکھا۔ پوچھا یہ کیا ماجرا ہے۔ کسی نے کہا آپ کے باڈی گارڈ نے یہ کیا۔ سمرہ نے یہ کہا تم لوگ جب سُنا کرو کہ ہم سوار ہوئے ہیں تو ہماری برچھیوں سے حذر کیا کرو''۔(ایضاً جلد 4 صفحہ 89)

(5) ۔''ابوسوار عدوی کا بیان ہے کہ:۔ سمرہ بن جندب نے میری قوم کے لوگوں میں سے فقط ایک صبح کے وقت سینتالیس آدمیوں کو قتل کیا جو سب کے سب جامع (حافظان) قرآن تھے''۔(ایضاً صفحہ 89)

(6) ۔''شیبانی نے بیان کیا ہے کہ:۔ جنگ زادیہ میں حجاج نے گیارہ ہزار آدمیوں کو قتل کرادیا تھا''۔

(طبری جلد نمبر 5 صفحہ 378)

(7) <u>حجاج کا اہل کوفہ سے فریب</u>

جب عراقیوں کو شکست ہوئی تو نقیب نے اعلان کیا کہ فلاں فلاں اشخاص کو امان نہیں ہے اور اُن سر برآوردہ لوگوں کے نام لے دیئے ۔مگر نقیب نے یہ نہیں کہا کہ اور تمام لوگوں کو امان دی جاتی ہے۔مگر قدرتی طور پر عام لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ سوائے چند لوگوں کے باقی سب کو امان دی گئی ہے۔اس لئے یہ سب مسلمان راہِ فرار اختیار کرنے کے بجائے حجاج کے جائے قیام کی طرف پلٹے۔اور جب سب جمع ہو گئے تو انہیں حکم دیا کہ تمام ہتھیار رکھ دو۔اور پھر کہا کہ آج میں تم پر ایسے شخص کو مسلّط کرتا ہوں۔جس سے تمہاری کوئی قرابت نہیں ہے۔غرض کہ حجاج نے انہیں عمارہ تمیم لخمی کے سپرد کر دیا۔عمارہ نے اُنہیں الگ الگ کر کے سب کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ ہشام بن حسان نے یہ بیان کیا ہے کہ جن مسلمانوں کو حجاج نے اس طرح قتل کرایا اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (1,20,000) یا ایک لاکھ تیس ہزار (1,30,000) تھی۔(طبری جلد 5 صفحہ 378)

(8) ۔''حجاج نے ابن الاشعت کے لشکر گاہ پر قبضہ کر کے ہر چیز ضبط کر لی۔اور جو شخص اُسے وہاں ملا اسے قتل کر ڈالا۔اس طرح تقریباً چار ہزار مسلمان اُس نے قتل کر ڈالے''۔(طبری جلد 5 صفحہ 380)

(9) ۔''زیاد نے کوفہ کی مسجد میں خطبہ دیا کہیں سے اُسے کنکریاں ماری گئیں۔حکم دیا کہ مسجد کے تمام دروازے بند کر دو۔ اور ہر شخص اپنے پاس والے آدمی کو پکڑ کر کھڑا ہو جائے۔اس کے بعد اپنے لئے ایک کرسی مسجد کے دروازے پر رکھوائی۔ پھر چار چار شخصوں کو بلوا کر یہ قسم لی کہ ہم میں سے کسی نے کنکریاں نہیں ماریں۔جس نے قسم کھالی اُسے چھوڑ دیا جس نے قسم نہ کھائی اُسے علیحدہ روک لیا۔ یہ سب تیس آدمی تھے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نہیں اَسّی (80) مسلمان تھے۔اُن کے اسی جگہ ہاتھ کاٹ ڈالے گئے''۔(طبری جلد 4 صفحہ 87)

(10) ۔''جنگ یمامہ میں بنی حنیفہ کے اقربا کے میدان میں سات ہزار آدمی کام آئے تھے۔موت والے باغ میں سات ہزار اور تعاقب وتلاش میں بھی اسی قدر لوگ قتل ہوئے''۔(طبری جلد 2 صفحہ 117)

(11) ۔"جنگ اُلیّس میں دشمنوں (ایرانیوں) کے ستّر ہزار آدمی کام آئے جو سب کے سب امغشیا کے تھے"۔

(طبری جلد 2 صفحہ 188)

(12) خون کے دریا بہائے جانے کی نذر مانی گئی

اس آسمان نے وہ نظارہ بھی دیکھا جب ایک مسلمان سپہ سالار نے خدا سے کہا:۔

۔"یاالٰہی اگر تو نے ہم کو اُن پر فتح عنایت فرمائی تو میں تیرے نام کی یہ نذر مانتا ہوں۔ کہ ان میں سے جس کسی پر ہم کو قابو حاصل ہوگا۔ اس کو زندہ نہ رکھوں گا اور اُن کے خون سے ایک نہر جاری کروں گا"۔

۔"فتح حاصل ہو جانے کے بعد اعلان کیا گیا کہ قید کرو قید کرو اسلامی فوجیں قیدیوں کو گرفتار کر کے ہانکتی ہوئی لانے لگیں۔ اور جو لوگ متعین تھے۔ انہوں نے آنے والے قیدیوں کی گردنیں اڑا کر اُن کا خون نہر میں ڈالنا شروع کیا۔ یہ عمل ایک رات اور ایک دن جاری رہا۔ اگلے دن اور اُس کے بعد دوسرے روز نہرین تک اور اُلیّس کے چاروں طرف اتنے ہی فاصلے سے دشمنوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے گئے اور قتل کرتے گئے۔ قعقاؒع اور اُن جیسے اور لوگوں نے کہا اگر روئے زمین کے تمام انسانوں کو بھی قتل کر دیا جائے تو بھی خون کی نہر نہ بہے گی۔ کیوں کہ خون میں زیادہ سیّالیت نہیں ہوتی۔ اسی لئے اس کا بہنا رک جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اس پر پانی بہادیں آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔ چونکہ نہر کا پانی روک دیا گیا تھا۔ جب دوبارہ بہاؤ کھولا گیا تو خالص سرخ خون بہتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس واقعہ کی وجہ سے یہ نہر آج تک خون کی نہر کے نام سے مشہور ہے"۔

(طبری جلد 2 صفحہ 187)

(13) جنگ فراض

۔"معرکہ شروع ہوا۔ بہت دیر تک شدید خون ریزی ہوتی رہی۔ بالآخر اللہ نے اُن کو شکست دے دی۔ سپہ سالار نے مسلمانوں کی فوج کو حکم دیا کہ اُن کا پیچھا کرو اور اُن کو دم نہ لینے دو۔ چنانچہ ایک ایک رسالدار اپنے دستے کے تیروں سے دشمن کے بڑے بڑے گروہ کو گھیرتا تھا۔ اُس کے بعد تلوار کے گھاٹ اتارتا تھا۔ فراض کی لڑائی میں عین میدانِ جنگ اور پھر تعقّب میں ایک لاکھ آدمی کام آئے۔ یعنی تہہ تیغ کئے گئے"۔ (طبری جلد 2 صفحہ 221)

(14) مسلمانوں کا ھطم پر حملہ

۔"مسلمانوں نے فوراً دشمن پر حملہ کر دیا اور خود اس کے پڑاؤ میں گھس کر بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ وہ بے تحاشا اپنی خندق کی طرف بھاگے۔ بہت سے اس میں گر کر ہلاک ہوگئے۔ جو بچے وہ اس قدر خوف زدہ ہوگئے تھے۔ کہ یا تو وہ قتل کر دیئے گئے یا گرفتار کر لئے گئے"۔ (طبری جلد 2 صفحہ 129)

(15) **جنگ جلولا**

۔''مشرکین اب دائیں بائیں بھاگنے لگے تو اُن باڑوں میں پھنس کر ہلاک ہونے لگے جو انہوں نے مسلمانوں کو روکنے کے لئے لگا رکھے تھے۔ان کے گھوڑے زخمی ہونے لگے۔اور اس طرح پا پیادہ واپس جانے پر مجبور ہوئے۔مسلمانوں نے اُن کا تعقب کیا جو واپس آیا وہ نہیں بچ سکا۔اللہ تعالیٰ نے اُس دن اُن کے ایک لاکھ آدمی قتل کردئے اور پورا میدانِ جنگ نیز اس کے سامنے اور پیچھے کا حصہ لاشوں سے پٹا پڑا تھا''۔(طبری جلد 3 صفحہ 40)

(16) ۔''خوارج نے مدائن میں سخت غارتگری کی۔بچوں عورتوں اور مردوں کو قتل کرڈالا اور حاملہ عورتوں کے رحموں کو چیر ڈالا۔(طبری جلد 5 صفحہ 78)

(17) **فتح اھواز**

۔''ہرمزان اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوگئی۔مسلمانوں نے جس قدر چاہا اُن کے افراد قتل کئے اور جس قدر چاہا مال غنیمت حاصل کیا۔ بلکہ وہ اُن کا تعاقب کرتے ہوئے نہر دجیل تک پہنچ گئے اور وہاں تک کے سارے علاقے پر قابض ہوگئے''۔ (طبری جلد 3 صفحہ 90)

(18) ۔''محرم 65ھ میں مروان سے مسلمانوں نے بیعت کرلی اور وہ لشکر لے کر ضحاک سے لڑنے کو روانہ ہوا (ضحاک عبداللہ ابن زبیرؓ کا گورنر تھا) اور سب کو قتل کرڈالا۔قبیلہ قیس کے اتنے لوگ مرج راہط کی لڑائی میں قتل ہوئے کہ کسی معرکہ میں کبھی اس قدر کشت وخون نہیں ہوا''۔ (طبری جلد 4 صفحہ 370)

(19) ۔''جو شخص حجاج کے ہاتھ پر بیعت کرنے آتا تھا۔حجاج اس سے پوچھتا تھا کہ کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ تم کافر ہو؟ جو اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا تو اُس سے بیعت لیتا تھا ورنہ قتل کرادیتا تھا۔قبیلہ خثعم کا ایک شخص جو دونوں حریفانہ جماعتوں سے بالکل الگ تھلگ دریائے فرات کے دوسرے کنارے اس زمانہ میں ٹھہرا رہا تھا۔ بیعت کرنے آیا۔حجاج نے اُسکا حال دریافت کیا۔اُسنے کہا کہ میں تو ہمیشہ سے اس موقعہ سے بالکل علیحدہ واقعات کے آخری نتیجے کا انتظار کررہا تھا۔جب آپ کو فتح حاصل ہوئی تو اب آیا ہوں۔کہ اور لوگوں کے ساتھ میں بھی آپکے ہاتھ پر بیعت کروں۔حجاج نے کہا خوب آپ منتظر تھے۔ اچھا تم اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کرو کہ تم کافر ہو۔اس شخص نے کہا کہ میں بدترین خلائق ہونگا۔اگر اَسّی (80) برس تک خدا کی عبادت کرنے کے بعد بھی اپنی زبان سے اپنے کفر کا اعلان کروں۔حجاج نے کہا کہ اگر ایسا نہ کروگے تو میں تمہیں قتل کرڈالوں گا۔اُسنے جواب دیا کہ اگر آپ مجھے قتل کرڈالیں گے تو مجھے اسکی کچھ پرواہ نہیں۔کیوں کہ عمر ہی اب کتنی باقی ہے۔میں تو خود ہی موت کا صبح وشام منتظر ہوں۔حجاج نے اسکے قتل کا حکم دیا اور اسے قتل کردیا گیا''۔(طبری جلد 5 صفحہ 359-358)

(20) ۔’’حجاج نے حکم دیا کہ فیروز کو سخت سزادی جائے اوراب اُسے اس طرح تکلیفیں دی جانے لگیں۔منجملہ اورتکلیفوں کے ایک یہ بھی تھی کہ فارس کے سرکنڈے چیر چیر کراس کے جسم پر باندھ دیئے جاتے تھے۔پھر اُسے گھسیٹا جاتا تھا۔اور جب اس کا تمام جسم زخمی ہو جاتا تھا۔تو اُس پر سرکہ اور نمک چھڑکا جاتا تھا‘‘۔(طبری جلد5 صفحہ 377)

(21) ۔’’بزاخہ میں ایک ماہ تک چاروں طرف گرفتاریوں کے لئے چھاپے مارے گئے اور گرفتاریاں کرتے رہے۔بعض کو آگ میں جلا دیا۔بعض کو ہاتھ پاؤں باندھ کر کنوؤں میں ڈال دیا۔بعض کو سنگسار کر دیا۔اور بعضوں کو پہاڑوں پر سے گرا کر مار ڈالا‘‘۔(طبری جلد2 صفحہ 82)

(22) <u>صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گردنیں</u>

۔’’حجاج ماہ صفر میں پھر مدینہ واپس آ گیا۔اور اس دفعہ تین ماہ مقیم رہا۔اہل مدینہ کے ساتھ بے عزتی سے پیش آتا تھا۔اُنہیں تکالیف پہنچاتا تھا۔محلّہ بنی مسلمہ میں ایک مسجد بنوائی جو حجاج ہی کے نام سے مشہور ہے۔اور تو اور حجاج کی توہین سے صحابہ رسوؐل بھی نہ بچے اور اُس نے اُن کی گردنوں پر داغ لگوا دیئے۔چنانچہ جابر بن عبداللہ کے ہاتھ پر داغ لگائے۔اور حضرت انس بن مالک کی گردن پر داغ لگائے۔اس سے مقصد اُن کی تذلیل و توہین تھی۔حجاج نے حضرت سہل بن سعد کو بلوایا اور کہا تو نے کیوں امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی مدد نہیں کی۔انہوں نے کہا کہ میں نے ضرور اُن کی مدد کی۔حجاج نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو اور پھر سیسہ گرم کر کے اُن کی گردن پر داغ لگائے‘‘۔(طبری جلد5 صفحہ 150)

(23) <u>حجاج کی پوزیشن</u>

۔’’حجاج نے <u>95ھ</u> میں کوفہ میں وفات پائی اُس کی عمر چون (54) سال کی تھی۔وہ تین سال مکہ کا امیر رہا۔اس کے بعد پورے بیس سال تک عراقین یعنی کوفہ و بصرہ اور کل مشرقی ممالک کا نائب السلطنت رہا۔وہ دنیاوی عروج کا شیدائی جاہ پسند نہایت خون ریز۔اور ظالم امیر تھا۔یہاں تک کہ سفّاکی میں اس کا نام بھی ہلاکو وغیرہ کی طرح ضرب المثل ہے۔وہ خود کہتا تھا کہ میں سخت حاسد اور کینہ پرور آدمی ہوں۔لیکن اس کے ساتھ اس میں خوبیاں بھی تھیں۔

1۔وہ نہایت زبردست مقرر اور زبان آور خطیب تھا۔

2۔قرآن دانی میں سوائے امام حسن بصری کے اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

3۔شجاعت 4۔راست گوئی اور کارگذاری میں ممتاز تھا۔اُس نے عراق میں اپنے قوی بازوؤں سے اَمن وامان قائم کیا۔لیکن اس اصلاح میں جس قدر خون بہایا اس کو دیکھتے ہوئے یہ اس کا کوئی قابل تعریف کارنامہ نہیں کہا جاسکتا‘‘۔

(تاریخ الامت حصہ سوم صفحہ 108 وصفحہ 109 شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام پرویز)

27۔ مخالفین کو جلاوطن ہو کر جان بچانے کا حکم

پہلی صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ہی مسلمانوں نے اپنے مخالف مسلمانوں کے لئے جس طرح عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ اُس کے چند نمونے پیش کئے گئے۔ جن پر تمام تواریخ متفق ہیں۔ یہ بے دریغ اور اسلام کے نام پر مقدس قتلِ عام مسلمانوں کی کمزور جماعتوں کو خود بخود جلاوطنی پر مجبور کر رہا تھا۔ اُسے کافی نہ سمجھ کر مختلف اوقات میں مسلمانوں کو جلاوطنی کے سرکاری احکامات بھی دیئے گئے۔ چنانچہ قتلِ عام کرنے والے سب سے بڑے اور علامہ اسلم کے پسندیدہ قرآن کے عالم ہیرو حجاج کا حکم ملاحظہ فرمائیں:۔

(1) حجاج خطبہ کے لئے منبر پر کھڑا ہوا۔ حمد وثنا کے بعد یوں گویا ہوا۔ ''اے کوفے والو جس نے تمہیں عزت دینا چاہی اللہ نے اُسے عزت نہیں دی۔ جس نے کوشش کی کہ تمہیں فتح حاصل ہو اللہ نے اُسے فتح نہیں دی۔ مجھ سے دُور ہو جاؤ۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہو۔ جاؤ حیرہ چلے جاؤ۔ اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ جا کر آباد ہو جاؤ''۔
(طبری جلد 5 صفحہ 244)

(2) دیس نکالا عزت اور جان کا خطرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o

۔''یہ خط خالد بن عبداللہ کی طرف سے ہر اس مسلمان اور مومن کے نام ہے۔ جس تک یہ خط پہنچے۔ آپ سب پر اللہ کی سلامتی ہو۔ میں اس معبود کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ بعد ازیں آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ جو شخص جہاد کرتا ہے۔ اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا۔ اور جو شخص نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اُس کی ضرورت ہی نہیں۔ اور جو شخص مسلمانوں کے اعلیٰ عہدے دار اور سربراہ کاروں کی نافرمانی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُس سے ناخوش ہوگا۔ اور وہ سزا کا بھی مستحق ہوگا۔ اُس کا جسم۔ اس کی عزتِ نفس۔ اُس کا مال۔ اُس کی تنخواہ سب ہی متاثر ہوں گے۔ اور وہ دُور دراز تکلیف دہ علاقوں میں خارج البلد کر دیا جائے گا۔ اے مسلمانو تمہیں خبر بھی ہے کہ تم نے کس کے خلاف یہ جرأت کی ہے؟ اور کس کی نافرمانی کی ہے۔ وہ امیر المومنین عبدالملک بن مروان ہے۔ جس کی یہ عادت نہیں کہ مجرم سے چشم پوشی کرلے اور نہ وہ نافرمانوں کو معافی دیتا ہے.................... میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ۔ اس خط کے بعد جس نافرمان پر میں نے قابو پایا۔ میں اُسے فوراً قتل کر ڈالوں گا۔ اگر خدا نے چاہا۔ والسلام''۔ (طبری جلد 5 صفحہ 154-153)

(3) حجاج بن یوسف کا ایک اور خطبہ

۔''بخدا میں شر کو اُس کے کجاوے میں لاد دیتا ہوں۔ اور اُس کے ایسے ہی نعل لگاتا ہوں اور جو جیسا کرتا ہے۔ ویسے

ہی اس کا بدلہ دیتا ہوں۔ میں بہت سے سروں کو دیکھ رہا ہوں۔ کہ وہ پھلوں کی طرح پک گئے ہیں اور اُن کو توڑنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور میں عماموں اور داڑھیوں کو خون سے زعفرانی دیکھ رہا ہوں۔ اے عراق کے لوگو جان لو کہ میں الخبیر کی طرح دبایا نہیں جا سکتا۔ عرصہ دراز سے فتنہ وفساد تمہارا شیوہ ہو گیا ہے۔ اور بغاوت تمہارا دستور العمل بن گیا ہے۔ مگر اب سمجھ لو کہ میں تمہاری اس طرح کھال اُدھیڑ دوں گا جس طرح درخت کی چھال اتاری جاتی ہے۔ اور اس طرح تمہیں قطع کر ڈالوں گا جس طرح ببول کے خاردار درخت کاٹ ڈالے جاتے ہیں۔ الخ''۔ (طبری جلد 5 صفحہ 159)

(4) جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ کے لئے چھپنا

عدی بن حاتم طائی کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ عبداللہ بن خلیفہ طائی کو جلاوطن کر دیں۔ چنانچہ زیاد نے کہا کہ میں تمہیں اس شرط پر رہا کرتا ہوں کہ تم عبداللہ کو شہر سے نکال دینے کا وعدہ کرو اور اُسے پہاڑوں کی طرف روانہ کر دو۔ عدی بن حاتم نے قبول کیا اور عبداللہ بن خلیفہ کو کہلا بھیجا کہ تم پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ (طبری جلد 4 صفحہ 112)

(5) مسلمان چھپتے پھرتے تھے

۔''عمرو بن حَمق اور رفاعہ بن شداد کوفے سے نکلے۔ مدائن میں پہنچے پھر وہاں سے بھی چلے سرزمین موصل میں آئے۔ یہاں ایک پہاڑ میں یہ دونوں چھپ گئے''۔ (طبری جلد 4 صفحہ 109)

(6) مفروروں کو گرفتار کرنے کا طریقہ

۔''زیاد نے محمد بن اشعث کو بلا کر کہا تو حجر بن عدی بن حاتم کو تلاش کر کے میرے سامنے حاضر کر ورنہ میں تیرا ایک ایک درخت خرما کٹوا دوں گا۔ اور تیرا ہر مکان کھود ڈالوں گا۔ اور اس کے بعد بھی تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا۔ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کروں گا۔ اُس نے وعدہ کیا اس کے باوجود قید خانے میں بھیج دیا۔ حتیٰ کہ حجر بن یزید کندی نے ضمانت میں اپنی جان پیش کی تو تین روز میں حاضر کرنے کی شرط پر رہا کر دیا''۔ (طبری جلد 4 صفحہ 108-107)

(7) بستیاں اور قبیلے جلاوطن ہوتے رہے

قتل عام اور مسلمانوں کی جلاء وطنی کا آغاز 11ھ سے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ جب خلافت کے منکرین پر طرفدارانِ خلافت نے حملے شروع کئے تو اکثر لوگ جو مسلمانوں کی اس جنگ میں حصہ نہ لینا چاہتے تھے۔ اپنے گھر بار اور املاک کو چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور کئے گئے۔ جیسا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ کے ساتھ ہوا۔ جب خلافت کے منکر مسلمان قبائل بنی ذبیان نے ابرق کے علاقہ پر مال غنیمت کی حیثیت سے قبضہ کیا تو وہاں کے باشندوں قبیلہ بنی ثعلبہ کو **خارج البلد** کر دیا اور تمام بستیوں اور املاک پر قابض ہو گئے۔ جب طرفداران خلافت نے ابرق میں بنی ذبیان کو شکست دی تو وہ اُن علاقوں پر قابض ہو گئے۔ جب امن

چین ہو گیا تو ابرق کے قدیم باشندے مسلمانوں کے پاس آئے اور اپنی بستیوں میں آباد ہونا چاہا تو انہیں اجازت نہ ملی۔ وہ دربار خلافت تک اپنی درخواست لے کر پہنچے وہاں سے بھی انہیں اپنے گھروں میں آباد ہونے کی اجازت نہ ملی۔اس کے بعد وہ تمام علاقہ مسلمانوں کے گھوڑوں کی چراگاہ بنا دیا گیا۔قبیلہ بنی ثعلبہ کہاں گیا۔کوئی نہیں جانتا۔(طبری جلد2 صفحہ 64-63)

28 ۔ قرآن کریم کی پیشینگوئی لفظ بلفظ پوری ہوگئی

یہ تھی وہ طرزِ حکومت جس پر حکومتِ الہیٰہ کا لیبل لگا کر پیش کیا جاتا تھا۔ جسے سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی متعجب ہوا کرتے تھے۔جس کے قیام کے بعد بنی نوع انسان کی نسلیں اور فصلیں تباہ و برباد ہوتی تھیں۔تمام روئے زمین خونی فساد سے سرخ ہو جاتا تھی۔جس میں خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں اور لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ و رسولؐ اور اسلام کے نام پر ہوتا تھا۔ اس طرزِ فکر سے اختلاف کرنیوالوں مسلمانوں کو مرتد وملحد و کافر و مشرک قرار دیا جانا قدرتی تھا۔چنانچہ سارے عرب کو کافر کہا گیا۔

(1) ۔'' عُروہ اپنے باپ کی روایت بیان کرتے ہیں۔کہ رسولؐ اللہ کی وفات اور اسامہؓ کی روانگی کے بعد تمام عرب عام اور خاص مرتد ہو گئے''۔ (طبری جلد2 صفحہ 58)

(2) ۔'' ھوازن کے قبیلے مترددتھے۔اُنہوں نے بھی زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا''۔ (ایضاً)

(3) ۔''اشجع اور غطفان کے بعض خاندانوں کے خاص لوگوں کے علاوہ قبیلہ غطفان تمام مرتد ہو گیا تھا''۔ (ایضاً)

(4) قبیلہ بنی سلیم کے خواص مرتد ہو گئے۔یہی حال تمام قبائل عرب کا تھا۔ (صفحہ 59-58)

(5) تھوڑی ہی مدت میں رسولؐ اللہ کے زمانہ سے مقرر شدہ اُمرانے بلا استثناء اپنے اپنے علاقوں سے یہ اطلاع دی کہ ہر جگہ فتنہ ارتداد برپا ہو گیا ہے۔کوئی قبیلہ ایسا نہیں جو کہ کُل کا کُل یا اسکے کچھ لوگ مرتد ہو کر باغی نہ ہو گئے ہوں۔ (صفحہ 59)

(6) ودیعۃ الکلبی اپنے قبیلہ کلب کے متبعین کے ساتھ مرتد ہو گیا۔زمیل بن قطبۃ القینی اپنے قبیلہ بنی قین کے متبعین کیساتھ مرتد ہو گیا۔

(7) ۔''قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد خاص لوگوں کے علاوہ تمام قبائل اسد۔غطفان اور قبیلہ طےطلیحہ کے ساتھ ہو گئے۔بنی فزارہ بنی کنانہ بنی مُرّہ قبائل لیث مُدلج سب مخالف ہو گئے''۔ (صفحہ 60)

(8) صجالد بن سعید سے مروی ہے کہ اسامہؓ کے مدینے سے روانہ ہو جانے کے بعد تمام عرب کافر اور سرکش ہو گئے۔ قریش اور قبیلہ ثقیف کے علاوہ کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا۔کہ وہ کُل یا اس کے کچھ لوگ مرتد نہ ہو گئے ہوں''۔(طبری جلد2 صفحہ 58)

(8۔الف) **مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر مجبور کیا گیا:۔** ۔''اسامہؓ نے بنو قضاعہ کے وسط میں پہنچ کر اپنے رسالے اُن میں پھیلا دیئے۔اور حکم دیا کہ جو لوگ اسلام (یعنی طرفداری) پر قائم ہیں۔اُن کو مرتدین سے مقابلہ کے لئے آمادہ کر کے برآمد کرو۔مگر تمام بنی قضاعہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے''۔ (طبری جلد2 صفحہ 60-59)

(9) بنی طے نے بیعت سے انکار کر دیا۔عدی بن حاتم نے ڈرایا کہ فوجیں تمہارے گھر بار لوٹ لیں گی اور تمہیں برباد کر دیں گی۔ (صفحہ 70)

(10) ۔''عرب کے باغیوں کے مقابلے میں حضرت عمرؓ کو حضرات عثمانؓ ۔علیؓ ۔طلحہؓ۔ زبیرؓ۔عبدالرحمٰنؓ اور سعدؓ سے زیادہ اندیشہ تھا''۔ (طبری جلد 2 صفحہ 77)

(11) ۔''جب اور عربوں کو رسول اللہ صلعم کی وفات کی خبر ہوئی تو یمن اور تمام علاقوں میں ایک عام بغاوت برپا ہوگئی''۔(صفحہ 141 ایضاً)

(12) بحرین۔عمان اور یمن کا مرتد ہونا (صفحہ 122) تمام قبیلہ بنی ربیعہ مرتد ہو گیا۔

اِن تمام مخالفین کا تذکرہ ہر تاریخ نے اسی طرح کیا ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مہاجرین بھی من حیث الکل اِس طرزِ حکومت سے متفق نہیں تھے۔

29۔ مسلمانوں کا قتل کرنے والی حکومتوں کا مذہب؟

یوں تو اُن تمام حکومتوں کا مذہب اسلام ہی تھا۔اور آپ نے بھی دیکھ لیا کہ قتلِ عام کرنے والے تمام حاکم اسلام ہی کا اعلان کرتے تھے۔اور اپنے والے اسلام سے اختلاف کرنے والوں سے اسلام ہی کے نام پر جہاد کرتے تھے۔ ہر قتل میں اس لئے ثواب اور اجر سمجھتے تھے کہ وہ اسلام اور اُمتِ مُسلِمہ کی بھلائی اور اصلاح کے لئے کیا جا رہا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے جو اسلام اختیار کیا وہ اپنے اجتہاد کی چھلنی میں چھان کر کیا تھا۔اُن کے اسلام کی رُو سے جتنے مسلمانوں یا کافروں کو انہوں نے قتل کیا تھا وہ دراصل اُن کے خدا نے قتل کیا تھا۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جنگ جلولا میں کہا گیا کہ:۔

۔''اللہ تعالیٰ نے اس دن اُنکے ایک لاکھ آدمی قتل کر دیئے''۔(ہمارا پیرا نمبر 26 کا (15) (طبری جلد 3 صفحہ 40)

یعنی وہ ایسے اسلام پر ایمان لائے تھے جس میں ہر انسان کا ہر فعل خدا کا فعل ہوتا ہے۔اس عقیدہ کو علامہ شبلی نعمانی کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں۔وہ اپنی کتاب علم الکلام میں اس عقیدہ کو اسلام کے مقدس ترین اور سلیم الطبع مسلمان بزرگوں کا عقیدہ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

30۔ مجتہدانہ اسلام کے کافرانہ عقائد

۔''ایک سادہ دل سلیم الطبع مقدس شخص جب خدا کا تصور دل میں لاتا ہے۔تو اُسکے ذہن میں خدا کی یہ تصویر آتی ہے۔ وہ مالک الملک ہے۔اور تمام شاہوں کا شہنشاہ ہے۔اُس پر کوئی شخص حکم نہیں چلا سکتا۔کوئی چیز اُس پر واجب اور ضروری نہیں۔ کسی کو اُسکے احکام میں چُون وچرا کی مجال نہیں۔اُس کو اختیار ہے کہ گناہ گاروں کو بخش دے اور نیکوں کو سزا دے............

اپنی قدرت کاملہ کاظہور دکھائے تو سنگ ریزہ پہاڑ بن جائے۔رات دن ہو جائے آ گ کی گرمی سردی سے بدل جائے۔پانی کی روانی رُک جائے ہر چیز کی وہ آپ عِلّت ہے۔جن چیزوں کو ہم اسباب اور علت سے تعبیر کرتے ہیں۔سب ہیچ ہیں۔انسان اپنے افعال کا آپ مختار نہیں۔بلکہ جو کچھ کرتا ہے۔خدا ہی کراتا ہے۔یہی خیالات عقاید کا پیرایہ اختیار کر کے (مذہب) اشاعرہ کے مسلّمات بن گئے''۔(علم الکلام صفحہ 22-21)

(1) زمانۂ نزول قرآن میں اِس عقیدے کو عام کیا گیا اور مسلسل تبلیغ اوراشاعت سے اِس عقیدے کو دلوں کے اندراُتار دیا گیا۔اور آج تک مسلمانوں کی کثرت مقدّر اور تقدیر،نصیب اور خدا کے لکھے کا رونا روتی رہتی ہے۔

۔''کیا کریں بھائی تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا''۔

۔''صبر کرو بھائی اللہ کو جو کچھ منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے''۔ شاعروں نے بھی اس پر برابر طبع آزمائی کی ہے۔

ے لاکھ گھٹنے گھسو لاکھ رکھو سر بسجود پیش آنی ہے وہی جو کہ پیشانی میں ہے

(2) جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے

یہی وہ عقیدہ تھا جس کے سہارے مذکورہ مسلمانوں نے قتل عام کئے اور ہر قتل کو خدا کے ذمہ لگایا۔دنیا کی تاریخ میں جس قتل عام کو ہر قوم،ہر مذہب اور ہر ملک وملت نے سب سے بھیانک قتل عام سمجھا،جس کے غم میں آنسوؤں کے دریا بہے، جس کے صدمے سے لوگوں نے اپنا گوشت اور خون چھڑکا،وہ کربلا کا قتل عام تھا۔اُسے سب نے ناجائز قرار دیا۔مگر جس حکومت کے حکم سے اور جس خلافت کے تحفظ میں وہ قتلِ عام کیا گیا تھا۔اُس نے یہ قتل عام سابقہ مسلمان حکومتوں کی سنت اور حکم خدا اور رسوؐل سمجھ کر کیا تھا۔چنانچہ جب خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ علیھم کے بقیة السیف افراد خلیفۂ وقت کے حضور میں رسن بستہ قیدیوں اور باغیوں کی طرح پیش کئے گئے تو خلیفہ نے قرآن کریم سے اپنے حق بجانب ہونے پر ایک آیت پڑھی اور یہی عقیدہ سامنے رکھ دیا۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ O (3/26)

۔''کہو خدایا ملک کے مالک تو جسے چاہے۔حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے''۔(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 243 علامہ مودودی)

(3) خلیفة المسلمین و امیر المومنین (بقول محمود) رضی اللہ عنہ نے خاندان رسوؐل کو اس آیت کی سند سے یہ بتایا کہ بنی ہاشم نے اپنا اقتدار و حکومت قائم کرنا چاہا۔لیکن خدا نے اُن کو حکومت سے محروم کر کے ذلیل وخوار کیا۔اور حکومت کو

میرے خاندان تک پہنچا کر مجھے عزت عطا کی۔اور دیکھ لو کہ آج تم لوگ مع اپنے فضائل و دعاوی کے میرے سامنے میرے رحم وکرم کے محتاج کھڑے ہو۔

(4) اسی عقیدے کی طاقت سے لاکھوں مومنین قتل ہوئے اور اسی کی مدد سے دین اسلام کو الٹ کر ایک خودساختہ اسلام جاری کیا گیا۔

(5) مجتہدین کا ایک اور حربہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ عرب پر جو اخلاقی پابندیاں لگائی تھیں۔ وہ کافرانہ تہذیب وتمدن کو مسمار کردیتی تھیں۔حرام وحلال کے ایسے قوانین بیان کردیئے تھے جو قیامت تک اپنی جگہ سے ہلنے اور ٹلنے والے نہ تھے۔بشریت کی آڑ لینے میں یہ فائدہ تھا کہ اس صورت میں قرآن کا ہرحکم اور ہر فیصلہ ماہرین سیاسیات اور مذہبیات کی صوابدید کے ماتحت آجاتا تھا۔اور مجتہدین کی یہ جماعت مفادِعامہ،قومی وملکی مصلحت اور تقاضائے وقت کو اپنے اجتہاد میں مدِّنظر رکھے گی۔لہٰذا اس طرح ہر فیصلہ عظیم کثرت یا جمہور کا ترجمان ہوگا۔اور رسولؐ اللہ کی بشریت اور ذاتی بصیرت کی (معاذ اللہ) غلطیوں سے محفوظ ہوجائے گا۔چنانچہ ایک نا قابل توجہ قِلّت یا اَقلیت کا اختلاف یا مخالفت اثر انداز نہ ہوگی۔اور اُمت کی کثرت کا تعاون حاصل رہے گا۔اُدھر مسئلہ تقدیر سے ہر کام کا ذمہ دار خود خدا ہوگا۔نماز پڑھنا،روزہ رکھنا،زکوٰۃ دینا،حج کرنا اور کثرت کی مخالفت کرنے والوں سے جہاد کرنا اور اللہ کے رحم وکرم کا امیدوار رہنا۔نہ قاتل کو برا کہنا نہ مقتول کو گناہ گار ٹھہرانا۔دونوں کے لئے خدا کے رضامند ہوجانے کی امید رکھنا۔سب کو بزرگ سمجھنا اور مغفرت کی دعائیں کرنا یہ نیک اور متقی مسلمانوں کی شناخت ہے۔یہ ایمان اگر راسخ اور سلامت ہے تو کوئی گناہ حقیقتاً نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

(6) یہ عقائد نزولِ قرآن کے ساتھ ساتھ قوم میں پھیلائے اور جس جس شخص نے اِن تصورات کو ایک دفعہ سُن لیا وہ پھر اُن عقائد سے ایسا وابستہ ہوا کہ قرآن، رسولؐ اور مومنین نے لاکھ سمجھایا۔مگر رفتہ رفتہ کثرت اور قوت،مجتہدین کے گروہ کے ساتھ ملحق ہوتی چلی گئی۔اور کثرت ایک اسلامی حقیقت بن گئی،کثرت کے ساتھ رہنا لازم وواجب ہوگیا،کثرت جس کے ساتھ ہو یا جو کثرت کے ساتھ ہو وہ اللہ کے نزدیک حق پر سمجھا گیا۔اُس کے مخالف لوگ تمام گمراہ اور اہلِ باطل کہلائے۔یہی اور صرف یہ ایک ہی سبب تھا کہ کربلا میں گنتی کے چند مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آیا اور اس قلیل جماعت کو باغی اور واجب القتل سمجھا گیا۔جمہور نے قتل وغارت،لوٹ مار کے بعد بڑے اہتمام اور خشوع وخضوع سے بارگاہ رب العزت میں نماز وشکرانہ پیش کیا۔یہ بڑے پختہ نمازی تھے،تہجد گذار تھے،حافظانِ قرآن تھے،حاجی اور نمازی تھے،پابندی سے زکوٰۃ ادا کرتے تھے۔اپنے امام

اور امیر المومنین کے وفا شعار و اطاعت گذار تھے۔ اور آخر اس صدی میں یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ قتل عام خدا نے اپنی تلوار سے کئے تھے۔ یہ اللہ کی رحمت تھی، اُس تلوار نے شہادت کے مراتب عطا کئے، جسم انسانیت کی تطہیر کی۔ چنانچہ مومنین کی ایک جماعت ظہور پذیر ہوگئی ہے جو اُن قتل عام کرنے والوں پر درود اور سلام بھیجتی ہے، اُن کے نام پر رے ضاد اور عین صاد لکھتی ہے اور کیوں نہ لکھے؟ کیوں اُن کے نام پر سر نہ جھکائے؟ جب کہ وہ بے خطا ہیں۔ جب کہ ہر فعل کا ذمہ دار خدائے قادر ہے۔ جب کہ اللہ کے حکم کے بغیر قتل تو قتل ہے ذرہ اور پتہ تک ہل نہیں سکتا۔ ایک سچے مومن کا اور کام ہی کیا ہے؟ اس کے سوا حقیقی مسلمان کی اور شناخت ہی کیا ہے؟؛

1۔ کہ وہ ساری عمر میں ایک دفعہ حج کر لے بشرطیکہ حج کی تمام شرائط پوری ہو چکیں۔

2۔ ہر سال، سال میں ایک دفعہ روزے رکھ لے یا رمضان کا احترام کر لے۔

3۔ اور سرمایہ دار ہو تو سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ نکال دے۔

4۔ اور روزانہ نماز پڑھتا رہے۔

یہ آخری چیز ہی دراصل وہ چیز ہے جس کی پُرسش ہوگی۔ اذان اور نماز ہی درحقیقت مسلمان کی پہچان ہیں۔ باقی تمام چیزیں تو مشروط ہیں۔ دل کا حال خدا جانے۔ دیکھنے اور دکھانے کی اسلامی چیزیں تو نماز اور مخالفین سے مسلسل جہاد ہیں۔ لہٰذا نماز اور تلوار جاری رہے۔ اُن میں جتنی شدّت ہو، جتنی گرمی ہو، جتنی تیزی ہو، جتنا شغف ہو، اُتنا ہی ایمان دار ہے۔ دل میں کیا ہے؟ تمہیں اس سے کیا؟ باقی اعمال کیا ہیں؟ کیسے ہیں؟ یہ وہی ہیں جو اللہ کے حکم سے کرتا ہے۔ تمہیں اللہ کے حکم میں دخل دینے کا حق نہیں تم تو ایمان دیکھو۔ یعنی نماز کی پابندی پر نظر رکھو۔ جمعہ جماعت میں پابندی سے شمولیت ایمان کی اسلام کی شناخت ہے۔ ایمان سلامت ہے تو گناہ نقصان نہیں دیتا۔ اور جب جنت وجہنم خدا کے اختیار میں ہے۔ جب نیک اعمال سے خدا جنت میں بھیجنے پر مجبور نہیں۔ جب بداعمالی اُسے جنت عطا کرنے سے نہیں روک سکتی تو ایصال ثواب، فاتحہ درود، نذر و نیاز، پیری مریدی، شفاعتِ رسولؐ یا سفارش بزرگان، مرقد و مزار، عرس و تہوار کب اور کس کام آئیں گے۔ اللہ کو ان چیزوں سے مجبور کرنا شرک ہے، بدعت ہے، کرنے کا کام یہ ہے کہ نماز پڑھو اور جماعت کے ساتھ رہو۔ جو اس نمازی جماعت کے خلاف اُٹھے اسے بٹھانے، مٹانے اور اس کی نسل کو ختم کرنے کا حتی الامکان انتظام کرو، یہ کام کرنے میں اللہ کی تلوار اور نماز تمہاری مددگار ہیں۔ لہٰذا سیف اللہ اور صلاۃ اللہ ہی اسلام کی اور مسلمانوں کی شناخت ہیں۔

31۔ اللہ نے مسلمانوں کی تطہیر کب اور کیسے کی؟

قرآن کریم اور تاریخ دونوں گواہ ہیں کہ نزول قرآن سے لے کر وفات رسوؐل تک مسلمانوں میں منافق برابر موجود رہتے چلے گئے۔ پھر مسلمانوں میں وہ لوگ بھی تھے جن کو مومن کہہ کر بتایا گیا کہ اُن مومنین میں کوئی ایسا نہ تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو، جو رسوؐل کو مانتا ہو، جو قرآن اور سابقہ الہامی کتابوں پر ایمان لایا ہو۔ اُن کو تاکید کی گئی کہ اے مومنین اللہ و رسولؐ اور کتب الٰہیّہ پر ایمان لاؤ۔ (4/136) مسلمانوں میں وہ جماعت بھی آخر تک رہی جن کی خصوصیت یہ بتائی کہ وہ ایسے مومنین ہیں کہ اللہ اور رسولؐ میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ اور ایک درمیانی مذہب نکال رہے ہیں۔ (4/150) جنہیں رسوؐل کی بات من وعن غیر مشروط طور پر قبول نہیں ہے۔ قرآن نے ایسے مومنین کا وجود بھی بتایا جو اللہ و رسولؐ سے خیانت کرتے تھے۔ (8/27) یعنی احکام خدا اور رسوؐل کو جُوں کا تُوں امانت داری کے بجائے اُن احکام میں کتر بیونت اور ذاتی اصلاح سے خیانت کر کے عمل کرتے تھے۔ وہ لوگ بھی مسلمانوں میں تھے جن کو سود لینے سے بار بار روکا گیا اور آخر خدا اور رسولؐ سے جنگ کرنے پر چیلنج کیا گیا۔ (2/278-279) وہ مومن بھی تھے جو رسولؐ کے ساتھ اقتدار و حکومت میں برابر کا حصہ اور شرکت چاہتے تھے۔ (3/154) وہ مومنین بھی تھے جو اپنے تنازعات کے فیصلے رسولؐ اللہ سے کرانے کے بجائے کسی طاغوت کے پاس لے جایا کرتے تھے۔ (4/60) اس صورت کو دیکھ کر اللہ نے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ بدترین صورتِ حال ہے جو اللہ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا اللہ پر لازم ہو گیا ہے کہ:۔

> مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌO (3/179)

(1) مسلمانوں کو اس حالت پر نہ چھوڑ دے جس پر وہ اُس وقت مخلوط چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ ناپاک قسم کے مومنین کو پاک قسم کے مومنین کے ساتھ مِلا جُلا اور مخلوط الحال نہ چھوڑے گا۔ دونوں جماعتوں کو الگ الگ کرے گا۔ ساتھ ہی تمہیں اپنے پوشیدہ علم اور طریقِ کار پر مطلع کرنا بھی اللہ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ اِس کام کے لئے وہ اپنے رسولوںؑ میں سے بھی بعض کو منتخب کرتا ہے۔ اور اُنہیں اپنے علمِ غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ لہٰذا تم اس پر ایمان لاؤ کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی اس خفیہ تطہیر کا انتظام کریں گے اور حق و باطل جدا جدا ہو کر مشخص ہو جائیں گے۔ اگر تم نے ایمان اور تقویٰ اختیار کر کے رسولؐ اللہ کی تطہیر قومی میں مدد کی تو تمہیں اجر عظیم ملے گا۔ (3/179)

(2) اب سوال یہ ہے کہ <u>ناپاک مسلمانوں سے پاک مسلمانوں کو الگ کرنے کا وعدہ کس طرح پورا کیا گیا؟ پورا کیا بھی گیا</u>

یا نہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ کوئی ایسا واقعہ، طریق کار یا عملدر آمد کہیں نہیں ملتا۔ جس کو جواب میں پیش کر دیا جائے۔ یہ تو ملتا ہے کہ منافق موجود تھے۔ لیکن اُن کو عوام سے روشناس نہ کرانا ثابت ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں راز موجود تھے۔ جن سے مخصوصین کے علاوہ کوئی واقف نہ تھا۔ قرآن کریم میں حروفِ مقطعات ۔الٓمّٓ۔الٓرٰ۔ نٓ۔ طٰہٰ ۔کٓھٰیٰعٓصٓ۔ وغیرہ سربستہ راز ہیں۔ قرآن کی تنزیل وترتیل وتلاوت وغیرہ کو پوشیدہ رکھنا جس غرض سے ضروری تھا وہ یہ تھی کہ قرآن میں لفظی تحریف نہ ہوسکے۔ بالکل اسی طرح مسلمانوں کی تطہیر بھی صیغہ راز میں اور علم غیب کے پردوں میں اس لئے رکھی گئی کہ مجتہدین حفظ ماتقدم نہ کرسکیں اور رفتہ رفتہ اُن کا خود ساختہ مذہب پٹ کر رہ جائے۔ اُن کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے نقاب خود اپنے ہاتھ سے اُلٹ دیں۔ دشمنانِ اسلام اپنی دوستی کا پردہ ہٹا کر سامنے آجائیں اور پکار کر کہہ دیں کہ ہم اور ہمارے بزرگ دشمنانِ اسلام تھے۔

چنانچہ جس مومن جماعت کا ہم نے تذکرہ کیا ہے وہ اس لئے قابل تعریف ہے کہ اُس نے صاف گوئی کی جرأت کی ہے۔ اور جن لوگوں کے نام تک سے اظہار بےزاری کیا جاتا تھا اُنہوں نے اُن کو اور اُن کے مسلک کو عین اسلام قرار دیا ہے اور اُن کو اپنا بزرگ تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ خالص مومنوں کو الگ کرنے کے لئے جو نظام قائم کیا گیا تھا اُس نے اپنا کام ہر رسولؐ کے زمانہ میں جاری رکھا۔ **اُسی کا نام تحریک تشیّع ہے، وہی عالم گیر قوت ہے۔ اور وہی وہ مسلک و مذہب ہے جس نے ہتھیلی پر سر رکھ کر، موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، موت کو زندگی سمجھ کر اُس تطہیر اسلام کا ذمہ لیا۔ اور اُسی انبار و ہجوم واژدھام میں سے ایسے لوگ انتخاب کیئے جنہوں نے اسلام کے نام پر اپنی جان، اپنے اموال، اپنے بچے مسکرا مسکرا کر قربان کیئے۔** اور مذکورہ قسم کے خود ساختہ مذہب کے خلاف اعلانیہ اور پوشیدہ محاذ بنائے۔ ہر ایک محاذ آگے بڑھا، بڑھتا ہی گیا۔ جان پر کھیل کھیل کر سیاسی راہنماؤں کا بنایا ہوا سارا کھیل بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور اُن تمام اسلامی عقائد وتصورات کو رفتہ رفتہ بتدریج شائع کر کے پبلک میں پھیلا دیا۔ جن کو سیاسی ماہرین اپنے اجتہادی اسلام میں غائب کر لینا چاہتے تھے۔

32۔ حقیقی اسلام کے عقائد جن کو چھپایا گیا

مجتہدانہ اسلام کے دائرہ سے وہ تمام عقائد واصول نکال دیئے گئے تھے جو کسی حیثیت سے یا کسی مقدار میں بھی کافرانہ تہذیب وتمدن پر اثر انداز ہوتے تھے۔ اس قسم کی تمام کوشش قرآن کریم کے الفاظ میں آج تک محفوظ ہے۔ (2/159) جسے ہم نے اپنی دیگر تصنیفات میں آیات کے ساتھ لکھا ہے۔ اختصار کی غرض سے یہاں چند بنیادی عقائد کی فہرست دی جاتی ہے تاکہ ہر مسلمان اپنے اپنے عقائد پر نظر ڈال سکے۔

اول۔ خدا عادل ہے

یعنی اللہ کا ہر حکم اور ہر فعل عدل وانصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اسکے قول وفعل سے ہرگز مضر اور خلافِ عقل نتیجہ نہیں نکلتا۔ قادر

مطلق کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے ایسا ایک اور خدا پیدا کرسکتا ہے یا آدمی بن سکتا ہے۔ تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہر چیز اور عمل کے نتائج مقرر کردیئے ہیں اور اُن نتائج تک پہنچنے کے مستقل قوانین مقرر کردیئے ہیں۔ جس قانون پر عمل کیا جائے ہمیشہ اُسکا وہی نتیجہ نکلے گا جو اللہ نے تقدیر یا قانون میں مقرر کردیا ہے۔ زہر کھانے سے صحت کو نقصان ہوگا پھل کھانے سے فائدہ۔ یہ قانون یا تقدیر ہے۔ آپ کیا کھائیں؟ کتنا کھائیں؟ کیوں کھائیں؟ اس میں انسان آزاد ہے۔ یہ آزادی بھی قانون یا تقدیر ہے۔ آپ زہر کھائیں اور چاہیں کہ نقصان نہ ہو۔ آپ پھل کھا کر چاہیں کہ فائدہ نہ ہو۔ یہ آپکے اختیار میں نہیں یہ بھی قانون یا تقدیر ہے۔ تمام قوانین اللہ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانی اور کتب میں بیان کردیئے ہیں۔ انسان آزاد ہے اور اچھا اور مفید کام کرے مفید نتیجہ نکلے گا بُرا کام کرے تو بُرا نتیجہ نکلے گا۔ قتل کرنا چاہے تو چھری، تلوار، ریوالور اپنا کام کریں گے۔ ہاتھ پیر کہنا مانیں گے زمین چلنے سے نہ روکے گی۔ تلوار گردن پر لگے تو گردن کٹے گی یہ سب تقدیریں ہیں۔ مگر وہ مختار ہے تلوار پھینک دے تو وہ زبردستی کرکے اس کے ہاتھ سے چمٹی نہ رہے گی۔ ٹانگیں واپس آنے سے نہ روکیں گی۔ اِس لئے قتل کرنے اور نہ کرنے کا ذمہ دار وہ خود قاتل ہے۔ قتل یا قتلِ عام اگر منع ہے تو قاتل جہنمی ہے۔ یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ قتل کرنے میں فلاں قانون کی رُو سے حق بجانب ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ قتل خدا نے کیا ہے یا ہر اچھا برا کام اللہ ہی کراتا ہے مجتہدین و سیاسئین کا فریب ہے۔ یہ فریب اس لئے دیا گیا کہ سابق الذکر قتلِ عام جائز کہلاسکیں۔ اس باطل عقیدے کو ماننے سے نہ صرف یہ دنیا جہنم بن جاتی ہے بلکہ تمام بدکاریاں اللہ کے ذمہ لگ جاتی ہیں۔ غرضِ تخلیق کائنات، رسولوںؑ کا بھیجنا، قیامت کا حساب اور مواخذہ، نیک اعمال و عبادات سب باطل اور فضول ہوجاتے ہیں۔ یعنی یہ ایک ہی عقیدہ ایسا ہے جس سے اسلام کفر میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اسلام کو اسلام رکھنے کے لئے خدا کے عادل ہونے کو تسلیم کرانے کے لئے وہ تمام قربانیاں دی گئی تھیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔

دوم۔ <u>رسولؐ اللہ کی پوزیشن</u>

یوں تو ہر نبیؑ معصوم ہوتا ہی ہے مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم عصمت ہیں۔ یعنی جس کو اس قابل دیکھیں معصوم بناسکتے ہیں۔ اُن کے صفات و فضائل (دیکھو! عظمتِ رسولؐ قرآن سے) ہی سے تمام انبیاء علیہم السلام کو حصہ ملا ہے۔ وہ نبوت و رسالتِ مطلقہ پر فائز ہیں۔ باقی انبیاءؑ ان کی نبوت و رسالت کی تمہید ہیں۔ وہ سرکارؐ جو کچھ ہو چکا تھا (ما کان) اور جو کچھ ہو رہا تھا (مایکون) اور کائنات میں جو کچھ ہونے والا تھا (ماھُوَ کَائِنٌ) سب کے عالم تھے۔ اُن کی منشا منشائے خدا تھی۔ اُنؐ کا ہر فعل اور ہر عمل اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مطابق تھا۔ اُنؐ سے غلطی اور غلط کاری کا امکان بھی نہ تھا۔ تمام کائنات پر اُنؐ کے حکم کی اطاعت لازم تھی۔ اُنؐ کے قول و فعل میں غلطی کا امکان مان کر اُنؐ کے قول و فعل کی اتباع نہ کرنے والا کافر و جہنمی ہے۔

یقیناً آپؐ بشر تھے۔اس کے معنی یہ کب ہوئے کہ تمام بشر عقل وبصیرت میں برابر ہوتے ہیں۔آج ایسے بھی بشر ہیں جو لاکھوں میل کی بلندی پر فضا کائنات میں چہل قدمی کر کے قرآن کی تصدیق کر رہے ہیں۔اور جیسے اپنے مکان کی چھت پر چلتے ہیں اسی طرح وہ بشر اس چھت پر بالکل محفوظ چہل قدمی کر رہے ہیں۔اور تمام اُن بشروں کا منہ چڑا رہے ہیں'' جو اللہ کی آسمانی چھت اور متعلقہ آیات پر معارضہ اور غلط بحثیں کر وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا وَّهُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهَا مُعۡرِضُوۡنَO(21/32) کے انکار کر دیا کرتے تھے۔کیا واقعی ہر بشر برابر ہے؟ یوں تو ہر بشر مٹی سے بنا ہے۔مگر کیا بشری صورت میں اُسے مٹی کہہ ڈالنا حماقت نہیں۔سونا، چاندی، لوہا سب مٹی ہیں۔مگر آپ کے جوتے سے جھڑنے والی مٹی میں اور سونے میں بڑا فرق ہے۔ایسا فرق جسے مجتہد تو سمجھ بھی نہیں سکتا۔تو سنئے! آنحضرتؐ ایسے بشر تھے کہ باعثِ تخلیق ملائکہ اور کائنات۔ایسے بشر تھے کہ جن کے فضلے (پیشاب اور پیخانے) کی تعریف میں محدثین کے لب مبارک چٹخارے لے کر کتب صحاح ستہ میں ذکر کرتے ہیں۔جو جدھر سے گذر جائیں محض خوشبو سے لوگ پہچان لیں کہ سرکارؐ ادھر سے گذرے ہیں۔کائنات جس بشرؐ کے سامنے اپنے کف دست کی طرح واضح، جسؐ کے روبرو کائنات کی ہر چیز مسخر، جو قرآن کریم کا ایسا عالمؐ کہ کائنات اور تمام مخلوق کی تفصیل مستحضر۔ جسؐ کے شاگردوںؑ کی علمی منزلت یہ کہ وہ کسی چیز سے لاعلم وناواقف نہ رہے۔(2/151) اور جن کی منشا عین منشائے خداوندی بن گئی تھی۔(76/30) ایسے بشر صلوٰۃ اللہ علیہ کہ جن کو ملائکہ سجدہ کریں، ملائکہ جن کے بچوں کے خادم بنیں۔

سوم۔ **امامت ونیابت**

جس رسالت ونبوت کی وسعتیں پوری کائنات پر حاوی ہوں۔جس سے تمام جن وانس ہدایت حاصل کریں، جو انسانوں کو تسخیر کائنات اور علوم قرآن پہنچانے کی ذمہ دار ہو۔اُس کی نیابت نہ جہالت کر سکتی ہے نہ یہ صرف انسانی علم پر منحصر ہو سکتی ہے۔اُس کے لئے پہلی ضرورت یہ ہے کہ نائب وجانشینِ رسولؐ قرآن کریم کا کماحقہ عالم ہو۔جس کے رُوبرو رسولؐ کی طرح پوری کائنات مسخر ہو۔جو قیامت تک آنے والے ہر دور کے انسانوں کو اُن کی احتیاج وضروریات کے لئے قرآن کریم سے ہدایات دے سکیں، جو رسولؐ کی طرح علمی قوت وعین الیقین کی بنا پر معصوم ہوں۔جن کی راہنمائی میں غلطی وخطا کا امکان نہ ہو، تاکہ وہ مجتہدین کی طرح دانشورانِ عالم کے سامنے جاہل ثابت نہ ہوں، تاکہ وہ قرآن کریم کے ہر دعویٰ کی تصدیق میں کائناتی علوم سے ہر فلاسفر، ہر انجنیئر، ہر ڈاکٹر، ہر سائنسدان الغرض تمام علوم وفنون کے علماء کی مسلسل راہنمائی کر سکیں۔تاکہ وہ آج کی طرح کے جانشینانِ رسولؐ کی طرح دو رکعت نماز پڑھ کر ارتقائی ترقی سے شرمائے ہوئے اپنے حجروں میں نہ پڑے رہیں۔تاکہ اسلام کی امامت اقوامِ عالم پر ایک احسان ثابت ہو سکے۔تاکہ اسلامی نماز واقعی مومنین کو معراج کرا سکے۔کائنات

کے تمام چاند، سورج اور ستارے وسیارے مسلمانوں کا انتظار واستقبال کریں اور مسلمان اپنی ہر چیز کے لئے اُن اقوام کی محتاج نہ رہیں جنہیں وہ غیر مسلم کہتے ہیں۔ تاکہ دنیا کی تمام اقوام، اسلام اور علومِ قرآن سے محبت کریں، اُنہیں سیکھیں، اسلام لائیں اور کائنات سے استفادہ کریں۔ تاکہ گرجوں (World Church) کی دی ہوئی خیرات وامداد سے وقارِ اسلام مجروح نہ ہو۔ **یہ موجودہ شرمناک صورتِ حال قرآن سے لاعلم قیادت کا نتیجہ ہے**۔ اسی نتیجہ تک لانے کے لئے سیاسی مجتہدین نے منصوبہ بنایا تھا۔ آج اہلِ نظر دیکھ رہے ہیں کہ یہ خود ساختہ اسلام اور اس کے دعوے دار کفر کے سامنے سر جھکائے بھیک کا ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں۔ **اس شرمناک صورت کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ اپنی محدود عقل وبصیرت کو قرآن کریم کے ماتحت رکھ کر قرآنی امامت نافذ کی جائے**۔ اُن تمام تصورات اور عقائد ورسوم کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ جو کسی حیثیت سے بھی قرآن کے خلاف ہوں۔ قرآن اور صاحبِ قرآن کو اپنا امام بنایا جائے۔ ورنہ یہ سمجھ لیا جائے کہ مسلمانوں کی مجموعی بصیرت اور اجتماعی قوت اور اتحاد بھی ناکام ہو کر رہ جائے گا۔ قرآن کو امام نہ بنانے کی صورت میں وہ صرف ایک قوم ہیں۔ اور اقوامِ عالم کے مقابلہ میں اُن کی بصیرت واتحاد اور قوت کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور اسی بنا پر برابر زوال وتباہی کی طرف دھکیلے جاتے رہے ہیں۔ قرآن کریم کو مہجور اور بے اثر کر دینے کے بعد رفتہ رفتہ وہ قوت ضائع ہوتی چلی گئی جو قرآن اور صاحبِ قرآن نے نزولِ قرآن کے دوران عطا کی تھی۔ اُس کے بعد ملنے والا ہر اقتدار اور تمکّن عارضی تھا۔ اور ہر اقتدار میں وہ عناصر پوشیدہ تھے جو اُس طرزِ حکومت کو ہر آنے والے قدم پر تباہی کی طرف بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اغیار کی طرزِ حکومت کو اختیار کرتے اور اسلام سے عملاً بعید تر ہوتے چلے گئے۔ اور اب کمیونزم اور سوشلزم سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ وہ صورت حال ہے جو قہری طور پر خانہ ساز اسلام کے تمام عقائد وتصورات کو مٹا دے گی اور پھر بڑی مشکل سے اسلامی تصورات کی گنجائش نکلے گی۔ اس لئے کہ دانش ورانِ قوم مارکس، لینن اور ماوزے تنگ کے سوشلزم کے اختلافات میں الجھے بغیر نہ رہیں گے۔ اسی لئے ہم نے اپنوں کو غیروں سے شناخت کرنے کے لئے مسلمان سوشلسٹوں کے ساتھ تشیّع کا لیبل لگا دیا ہے اور شیوعی کہتے ہی اپنوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔ بہر حال ہمارا محاذ اس صورتِ حال کے لئے بھی کام کر رہا ہے۔

33۔ اسلامی تشیّع کی قدامت

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام کو خطرناک حالات سے محفوظ رکھنے کے لئے مجتہدین کے خلاف ایک ایسا محاذ قائم کرنا ضروری ہوتا ہے جس کے اقدام مجتہدین سے پوشیدہ رہیں۔ لہٰذا مجتہدین کو غافل رکھنے کے لئے قرآن کریم نے تحریکِ تشیّع کی تفصیلات کو منجمد صورت میں رکھا ہے۔ اس کے باوجود تحریک کا نام اور بنیادی مقاصد کے ساتھ ساتھ اولین اور وسطی سربراہِ

اسلام کو شیعہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اُن کی اُمت کے لیڈروں نے مجبور و بے بس کر دیا تھا۔ اور اُنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے اللہ سے براہ راست دخل دینے کی دعا کی تھی۔ یہی وہ دن تھا جس روز تحریک تشیّع کا اہتمام کیا گیا اور ناپاک نسلوں کو تباہ کر کے پاک نسلوں کی ابتدا کا انتظام ہوا۔ اور اللہ نے مومنین کو ناپاک مومنین سے الگ کیا (3/179) یہاں سے مومنین کی تطہیر کی ابتدا ہوئی۔ اور جب جناب ابراہیم علیہ السلام پر ایسا ہی زمانہ آیا کہ ایک طرف نمرود کی قوتِ قاہرہ اور دوسری طرف یکہ وتنہا اللہ کا رسولؑ اس حالت سے کامیاب گذرے اور اسلام کو محفوظ رکھ کر آگے بڑھانے کی وجہ سے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو جناب نوح علیہ السلام کی اتباع کرنے والا اور اُن کے مشن کی اشاعت کرنے والا یعنی شیعہ قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ:۔

سَلٰمٌ عَلٰى نُوحٍ فِي الْعٰلَمِينَ O اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ O اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ O ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِينَ O وَاِنَّ مِنْ شِيعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيمَ O اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ O(37/79-84)

۔''اِس کائنات میں نوحؑ کے مشن پر سلام وسلامتی جاری رہے۔ حُسنِ انتظام پر ہم اُسی طرح پُریقین جزا دیا کرتے ہیں۔ یقیناً نوحؑ ہمارے مخصوص مومن بندوں میں سے ہے۔ ہم نے اُس کے مدِّ مقابل دوسرے گروہ کو ڈبو دیا تھا۔ اور جناب ابراہیمؑ اُس وقت سے حضرت نوحؑ کے یقینی اور ضروری شیعوں میں تھے۔ جس وقت ابراہیمؑ نے اپنے پروردگار کی طرف قلب سلیم سے رجوع کیا تھا۔ (37/79-84) اور اپنی پوری قوم اور قوم کے راہنما اپنے والد کو اُن کے ایجاد کردہ اللہ اور رب العالمین پر چیلنج کر دیا تھا۔ (37/85-87)

قارئین کرام یاد کریں کہ جس طرح قوم نوحؑ وقومِ ابراہیمؑ نے بغاوت کی تھی۔ بالکل اسی طرح بلکہ زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ منظّم بغاوت آنحضرتؐ کی قوم نے قرآن کو مہجور کر کے کی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت ابراہیمؑ کی پیروی میں حضرت نوحؑ کے شیعہ ہوں اور قوم کے بالمقابل ایک ایسا محاذ بنا دیں جس کا راہنمایانِ قوم کو پتہ نہ چلے اور وہ اپنی لاعلمی کی تلوار سے اپنے گلے کاٹ لیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایک ایسا نازک وقت آنیوالا تھا۔ جس سے محفوظ رہنا اور پھر آزادیِ بنی اسرائیل کا انتظام کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ قرآن سے اُنکے نظامِ تشیّع کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اور نازک مواقع پر سربراہِ نظام سے مدد لینے اور اُن کو دشمنانِ دین کے خفیہ منصوبوں سے مطلع کرنے کی تفصیل ملتی ہے۔ چنانچہ سورہ القصص میں یہ بھی قصہ بیان کر دیا گیا ہے جہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوگئے۔ اور اُن کے متعلقات بھی مساوی ہوگئے تو ہم نے انہیں

حکومت اور علم عطا کر دیا۔ اُسی طرح جس طرح ہم حُسنِ انتظام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔ ایک روز موسیٰؑ اس طرح شہر میں داخل ہوئے کہ اہل شہر اُنہیں پہچان لینے سے غافل رہ جائیں۔ اُنہوں نے دو مَردوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کو قتل کر دینے میں کوشاں تھے۔ اُن میں ایک مرد موسیٰؑ کے شیعوں میں تھا اور دوسرا موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا۔ جو موسیٰؑ کے شیعوں میں تھے۔ اُس نے حضرت موسیٰؑ سے اُس مرد کے خلاف مدد طلب کی جو حضرت موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے شیعہ کی مدد میں اُس دشمنِ خدا اور رسولؐ کے ایک گھونسہ (مُکّا) مارا تو اُس نے وہیں دم توڑ دیا۔ یہ خلاف توقع واقعہ دیکھ کر جناب موسیٰؑ نے کہا کہ ہونہ ہو یہ ابلیس کی ایک چال تھی۔ جو نہ صرف انبیاؑ و بنی نوع انسان کا دشمن ہے بلکہ گمراہ کنندہ بھی ہے۔ موسیٰؑ نے کہا اے میرے پالنے والے مجھے ابلیس کی اس چال سے حفاظت کا سامان کر دے۔ چنانچہ ہم نے اُسے محفوظ کر دیا اور یقیناً ہم تو رحیم و غفور ہیں۔ اس پر موسیٰؑ نے کہا کہ اے میرے رب تو نے مجھ پر جو انعامات کئے ہیں۔ اب ایسا کر دے کہ میں مجرموں کا مددگار کبھی نہ بنوں۔ چنانچہ ایک دن صبح ہی صبح موسیٰؑ ڈرتے ڈرتے خفیہ طور پر جانچ کرنے کے لئے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہی شیعہ جس نے کل مدد مانگی تھی پھر موسیٰؑ سے مدد کیلئے بے بسی میں چیخیں مار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے دشمن سے کہا کہ تو یقیناً برابر لوگوں کو مخالفت کے لئے اغوا کر رہا ہے۔ اور ارادہ کیا کہ بڑھ کر اس شیعہ کے اور اپنے دشمن کو گرفت میں لے لیں۔ تو اُس شخص نے کہا کہ اے موسیٰؑ کیا تیرا ارادہ یہ ہے کہ مجھے بھی اسی طرح قتل کر دے جیسا کہ تُو نے کل ایک جان لے لی تھی۔ کیا تیرا مشن ہی یہ ہے کہ تو اس دنیا میں جبر و تشدد پھیلا دے۔ کیا تو نے ایک مصلح بننے کا ارادہ ترک کر دیا ہے؟ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں۔ کہ ایک اور شخص شہر کے پَرے سے دوڑتا ہوا پہنچا اور کہا کہ اے موسیٰؑ تمہارے قتل کے لئے اربابِ حلّ و عقد (مجلس مشاورت) میں رائے شماری ہو رہی ہے۔ میری نصیحت تو یہ ہے کہ

> وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓی اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ O
> وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ
> شِیْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَکَزَهٗ
> مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ O قَالَ رَبِّ
> اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ O قَالَ رَبِّ بِمَآ
> اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ O فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ
> فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ O
> فَلَمَّا اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ یٰمُوْسٰی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ کَمَا
> قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَمَا تُرِیْدُ اَنْ تَکُوْنَ
> مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ O وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی قَالَ یٰمُوْسٰی اِنَّ الْمَلَاَ
> یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ O فَخَرَجَ مِنْهَا
> خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ O **(28/14-21)**

آپ فوراً اس شہر سے نکل جائیں۔ چنانچہ جناب موسیٰ پھر ڈرتے ڈرتے دشمنوں کی جانچ کرتے شہر سے نکل گئے۔ کہتے جاتے تھے کہ اے میرے پروردگار آپ مجھے اس ظالم قوم سے نجات عطا کریں۔

اِس قصے میں چند باتیں نوٹ کرنا ضروری ہیں:۔

اول:۔ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خفیہ مشن کے تحفظ کا انتظام موجود تھا۔ اُس مشن کے ممبران کو شیعہ فرمایا گیا۔ اور اُسی مشن نے جناب موسیٰ کو محفوظ رکھا اور بروقت مطلع کر کے محفوظ نکل جانے کا انتظام کیا۔

دوم:۔ یہ کہ اِس مشن کے مدمقابل لوگوں کو حضرت موسیٰ اور اُن کے مشن کا دشمن قرار دیا گیا۔ اسی بنا پر بعض علماء نے دشمن کے بالمقابل شیعہ کے معنی دوست، طرفدار گروہ اور جماعت وغیرہ کر لئے ہیں جو غلط ہیں۔ <u>شیعہ کے مصدری معنی شائع کرنے والا یا اشاعت کرنے والا ہیں</u>۔ اور اسلامی اصطلاح میں شیعہ کے معنی وہ جو مقاصدِ اسلام کا تحفظ و اشاعت کرے۔

سوم:۔ یہاں قارئین کا اطمینان ہو جانا چاہئے کہ یہ اسلامی تحریک نہایت قدیم ہے۔ اور اس تحریک سے دُشمنی بھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے چلی آ رہی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عملدر آمد سے مکرر ثابت ہے کہ دشمنانِ تحریک کے جواب میں دشمن کو قتل کر دینا صرف اُسی حالت میں جائز ہے جب اپنی جان اِسی طرح بچتی ہو۔ مگر دشمنوں کے یہاں شیعوں کا قتل صرف شیعہ ہونے پر جائز رہتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ واقعات اور عملی جواب حضرت موسیٰؑ کے قصے میں موجود ہے۔

34۔ <u>تحریک تشیّع کا اعلانیہ محاذ</u>

یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ مسلمان حکومتوں نے اپنے کھلے اور سامنے آنے والے مخالفوں کو بے دریغ قتل کیا۔ حسب موقعہ اُن پر کفر وارتداد و الحاد و شرک و بدعت کے فتاویٰ جاری کئے ملک میں اور بیرونِ ملک بھی اُن کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس ہنگامۂ دار و گیر میں کچھ لوگ جلاوطن ہوئے اور اپنے مسلک کو دُور دراز ملکوں میں پھیلانا شروع کیا۔ کچھ لوگ خاموش ہو گئے اور حکومتوں سے تعاون کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کا تحفظ جاری رکھنے کے لئے راہیں نکالیں۔ کچھ لوگ مسلسل تیغ بکف رہے اور سلسلۂ شہادت و قربانی جاری رکھا۔ کچھ لوگوں نے نہایت خاموشی سے اسلامی ریکارڈ کا تحفظ اور اشاعت شروع کی تا کہ تعلیماتِ اسلام جس طرح ہو سکے محفوظ رہیں۔ الغرض شیعانِ اسلام مختلف شعبوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور ہر شیعہ کا اوّلین فرض یہ قرار پایا کہ جس طرح ہو سکے خود ساختہ مذہب اور اُس کی مذکورہ نماز اور تلوار کو توڑا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ان خطرناک اور جان لیوا حالات میں وہی شخص اُن شعبوں میں داخل کیا جا سکتا تھا جسے اسلام کی تنفیذ کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز پیاری نہ ہو۔ ایسے جان فروش لوگوں کی تلاش اور تیاری کے لئے ایک نہایت اہم مخصوص اور موزوں شعبہ کا قیام عمل میں آیا۔ اِس شعبہ کی اوّلین

راہنمائی اور اُس کے فرائض کا تعین کب ہوا؟ کس نے کیا؟ اُس کے اوّلین ممبران کون کون تھے؟ اِن تمام سوالات کے جوابات بعد میں محققین نے حالات وواقعات سے اخذ کئے ہیں جو حق کے بالکل قریب اور بعض بعض سوفی صد حق وصحیح ہیں۔ لیکن اُس زمانہ میں اُس شعبہ کا تذکرہ قطعاً نہ کیا گیا تا کہ ظلم واستبداد کو متوجہ ہونے اور تحفظ وتدارک کا موقعہ نہ ملے۔ یہاں یہ بھی عرض کردیں کہ تحریک تشیّع کا یہ شعبہ بھی قدیم الایام سے چلا آتا ہے اور اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔

35۔ تحریک کا خفیہ شعبہ اور اُس کے تصورات وعمل

(1) اس شعبہ کا مذہب حقیقتِ واقعی تھا۔ اس میں پانی کی طرح ہر رنگ قبول کرنے اور پھر بھی بے رنگ رہنے کی فطرت تھی۔ اُس نے ریاکارانہ عبادتوں کی خاموش مذمّت اپنا شعار بنایا۔ مذہبی تعصب کی بیخ کنی شروع کی۔ سرمایہ داری، دولت طلبِ جاہ وریاست اور دنیاوی لذات کو ترک کرانے اور خوف خدا دلوں میں پیدا کرنے کا اہتمام کیا۔ اُسے ہر مذہب سے اِس لئے محبت تھی کہ تمام سابقہ مذاہب وہ زینہ ہیں جس نے تکمیلِ اسلام تک بلند کیا۔ یہ شعبہ تمام مذاہب کے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لایا تھا۔ یہ تمام سابقہ کتب کو حق سمجھتا تھا۔ اُس کے کان میں یہ آواز گونجتی رہتی تھی کہ:۔

۔''اگر میرے لئے مسندِ حکمرانی بچھائی جائے تو میں مسلمانوں کو قرآن سے، یہودیوں کو تورات سے، اہل انجیل کو انجیل سے اور اہل زبور کو زبور سے احکام دونگا''۔ (حضرت علیؑ)

اُنہوں نے دیکھا تھا کہ قرآن کریم نے سابقہ کتابوں کی تنسیخ نہیں بلکہ تصدیق کی ہے۔ (10/37) وہ پڑھتے تھے کہ اس قرآن میں تمام قائم رہنے والی کتابیں موجود ہیں۔ (98/3) اور اُن کا راہنما تمام صحف مطہرہ کی تلاوت کرتا ہے''۔ (98/2) وہ جانتے تھے کہ اگر توریت وانجیل کے قوانین پر عمل کرلیا جائے تو نعماتِ خداوندی کا نزول ہوگا۔ (5/68)

وہ دین کی آخری منزل میں اُسی طرح تھے جس طرح آج تعلیم کا آخری درجہ ایم اے ہے۔ ایک ایم اے اپنے اندر تمام سابقہ درجوں سے محبت وہمدردی رکھتا ہے نہ کہ نفرت وتعصب۔ وہ تو خود میٹرک بھی ہے، ایف اے بھی ہے، پرائمری پاس بھی ہے اور بی اے بھی ہے۔ وہ پہلی جماعت کے اسباق۔ ''بلی آئی چوہا دوڑا''۔ سُن کر اُنہیں فضول کی بکواس نہیں سمجھتا۔ وہ جانتا ہے کہ پہلی پاس نہ کی ہوتی تو دوسری کی کتاب کیسے پڑھی جاتی۔ یہ سب جماعتیں پاس نہ کی ہوتیں تو وہ ایم اے کا نصاب کیسے پڑھتا؟ اور کس طرح سمجھتا؟ وہ کوئی مولوی صاحب نہیں ہے کہ بلا کسی سابقہ الہامی کتاب کو پڑھے وہ ایک دم قرآن کو پڑھ اور سمجھ لے۔ وہ جہالت سے بہت دُور ہے۔

(2) اُس شعبہ نے لفظ نفرت وتعصب کو قطعاً جھٹک کر نکال دیا۔ غیر مسلم تو بہرحال بامذہب ہیں وہ تو دشمن سے بھی محبت کرنا

چاہتے ہیں۔ وہ اپنے قاتل کو دعا دینا اور اُسے شربت پلانا سامنے رکھتے ہیں۔ وہ ہندو سے پیار کرتے ہیں اسلئے کہ انہیں ہندوؤں میں اسلام پھیلانا ہے، ہندوؤں کے دل جیتنا ہیں۔ وہ زرتشتیوں، بدھوں اور فلسفیوں سے بھی کام لینا چاہتے ہیں۔

(3) اُنہوں نے ظواہر پرستوں کے خلاف کہہ دیا کہ یہ دنیا اور اس دنیا کی نعمتیں، حکومتیں اور عیش و آرام تمہیں مبارک۔ ہم تمہیں بھی سلام کریں گے۔ مگر دل سے اُس کے غلام بنیں گے، اُس کے اشاروں پر چلیں گے، جس نے کسی عمر اور کسی حال میں لذت دنیا کو نہ چکھا۔ جو دنیا کو تین بار اور بار بار طلاق دیتا رہا، جس نے حلال لذات تک کو ترک رکھا، جس نے محنت و مشقت و ریاضت کو دین بنادیا، جس کے طرز عمل نے مخالفوں کو دوست کہلانے کی ہمت دی، جس کے ایثار و قربانی کو محبت اور دوستی کی سند میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارا والی و مولا و مرشد بن سکتا ہے جو فقیری کو حکومت پر ترجیح دے، دنیا بھر کی حکومت کو بھیڑ کی ناک سے نکلی ہوئی گندگی قرار دے، جس کی ایک شکستہ جوتی ساری دنیا کی شاہی اور دولت سے زیادہ قیمتی ہو، جس کے سامنے کوئی مفتی فتویٰ نہ دے۔

(4) اِس شعبے نے اُن تمام لوگوں کو جذب کرلیا جو فقہا اور مفتیوں اور قاضیوں کے ستائے ہوئے تھے۔ اُس نے وہ تمام سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جس کی مدد سے نوجوان طبقہ دین کی طرف قدم قدم بڑھایا جاسکے۔ بادشاہانِ اسلام کے یہاں گانا بجانا جُرم نہ تھا۔ اس لئے بہت سے لوگ اُن کی خلافتوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اس شعبہ نے گانا بجانا عام کردیا۔ مولوی صاحب کا قانون بادشاہوں کے خوف سے چُپ تھا۔ اس خاموشی سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ اس گانے بجانے کے ذریعہ حقائق دین قلوب میں اتار دیئے جاتے تھے۔ الغرض جو کام ڈنڈے اور حکومت کی طاقت سے نہ ہوسکتا تھا یہ شعبہ صرف اشاروں سے کرالیتا تھا۔ لوگ گھر بار اور اولاد و اموال کو چھوڑ چھوڑ کر اُن کے دروازوں کی جُبّہ سائی کرنے لگتے تھے۔ ترکِ دنیا اور ترکِ لذات کے باوجود اُن کے پاس کچھ ایسی لذت تھی اور کوئی ایسی حقیقت تھی کہ اُس کو حاصل کرنے اور مستقلاً لطف اندوز ہونے کے لئے لوگ تمام آرام دہ لباس اُتار دیتے تھے، سرخم کرلیتے تھے، زبان بند کرلیتے تھے، نظروں سے دیکھتے ہوئے معلوم ہوتے۔ مگر وہ نامعلوم کہاں دیکھتے تھے کسی گلی، کسی جنگل یا کسی ویرانے میں جابیٹھتے۔ سردی اور گرمی کی اذیت، بارش کے تھپیڑوں، دیکھنے والے باشرع لوگوں کے طعن وطنز سے بے نیاز، ہر حال میں مگن، کسی سے مدد کے خواہاں نہ کسی سے بات کرنے کی حاجت، کیا وہ اپنے بال بچوں، دل کے ٹکڑوں، فدا کار حسین شریکِ حیات کو بھول گئے ہیں؟ کیا ایسے جگر پاروں اور دل نوازوں کو بھولا جاسکتا ہے؟ دنیا کی تمام لذتیں اور لطف و کرم تمام آرام و آسائشیں یاد ہیں۔ اور بار باران کے سامنے، انکے قلب و ذہن اور کام و دہن پر وارد ہوتے ہیں۔ اُنہیں پلٹ آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ لطف اندوز ہونے کیلئے اُن کی منّتیں کرتے ہیں۔ وہ نہایت استقلال سے تمام قلبی و روحانی تکالیف کے ساتھ برسرپیکار رہتے ہیں۔ بیوی بچوں بہن بھائیوں کی تکالیف ایک ایک کرکے

سامنے سے گذرتی ہیں ۔ دل بیٹھ بیٹھ جاتا ہے، سانس رُک جاتی ہے، روح تڑپ اُٹھتی ہے ۔وہ آہ بھرلے تو بات خراب ہوجائے، آنسو بہہ نکلیں تو شکست ہوجائے، سردی سے کانپنے لگے تو وقارِ صبر جاتا رہے ۔نرم بستر گرم لباس یاد ہے ۔ وہ نزلہ، بخار، نمونیا، موت سب کا انتظار کرتے ہیں ۔لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب تمام مصیبتیں آفتیں خطرات اُن سے ڈرنے لگے ہیں ۔ اُن میں سے کوئی کبھی بھی رنجیدہ یا روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا ۔البتہ کبھی کبھی وہ لوگ مسکراتے ہوئے پائے جاتے ہیں ۔ وہ کیا بات ہوسکتی ہے؟ جو اُنہیں مسکرانے پر رضامند کرتی ہے؟ وہ پاگل نہیں ہیں ۔اُن میں اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ لوگ بھی ملتے ہیں ۔اعلیٰ خاندانوں، رئیسوں اور بادشاہوں تک کو دیکھا جاتا ہے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ معلوم نہیں ۔مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی وہ چاہتے ہیں وہ اُس تمام دنیاوی سامان سے زیادہ قیمتی ہے جس کو اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے ۔ وہ اِن تمام لذتوں سے زیادہ لذیذ، اُن تمام حُسن کے مجسموں سے زیادہ حسین ہونا چاہئے ۔ وہ کوئی ایسی چیز ہونا چاہئے جو اُن تمام تکلیفوں، اذیتوں کا بہترین اجر اور بدلہ بن جائے ۔ ذرا سوچئے کہ اگر اِس قابل رحم، روح فرسا اور دردانگیز زندگی گذارنے کے بعد بھی وہ مقصد حاصل نہ ہو تو یہ کتنا عظیم اور الم انگیز نقصان ہوگا ۔ پھر سوچئے کہ وہ کس بنیاد پر اتنے پُر یقین ہیں کہ اپنی زندگی اور اُسکے تمام متعلقات اور پوری کائنات کو تج دیا ہے؟ پلٹ کر نہ دیکھا اور اطمینان سے چل دیئے ۔ یہ اطمینان کہاں سے ملا ہے؟ کس نے دیا ہے؟ اُنہیں معلوم ہے کہ ترکِ دنیا شرعاً منع ہے ۔اسلام سے خارج ہونے کی دھمکی کانوں میں گونجتی رہی ۔بچوں کا رونا زوجہ کی فریاد دماغ میں ہیجان پیدا کرتی رہی ۔فرائض پکارتے رہے یقیناً کوئی اِن سب سے بڑا فریضہ سامنے ہے ۔کوئی دین و دنیا سے بھی زیادہ قیمتی اور پُر یقین حقیقت بالکل سامنے ہے ۔کوئی ایسا حکم و حاکم سامنے ہے جس نے کہہ دیا ہے کہ:۔

۔"تمہیں سچ مُچ یہ دکھانا ہے کہ مجھے واقعی میرے بچے، میرے ماں باپ، میرے اموال و اسباب، میرے عزیز و اقربا، دین و دنیا آپؐ سے زیادہ پیارے نہیں ہیں ۔ میں حضورؐ کی رضامندی حاصل کرنے کو مال و زروزن و جائیداد و تجارت و اولاد و آبا و اقربا اور اپنی ذات و نجات و بقا سے زیادہ چاہتا ہوں ۔(9/20-24) میں اُس مشن کا ممبر بننا چاہتا ہوں جس میں اپنی پوری نفسیات فروخت کردی جاتی ہیں ۔(2/207) میں رضائے خداوندی کے حصول کے لئے دائرۂ سلامتی میں داخل ہوجانے کی جرأت کررہا ہوں ۔(2/208) میں نے اس دنیا کا کھیل تماشہ ہونا ثابت کردینا طے کرلیا ہے ۔(6/32)، (29/64)، (47/36) اور میں دنیا کے فریب اور دھوکے سے باہر نکل آیا ہوں ۔(57/20) میں حضرت عیسیٰؑ کے متبعین سے بڑھ جانا چاہتا ہوں ۔(متی 37-10/36)(متی 24-19/16) میں ناپاک مومنین میں سے نکل کر پاک اور مطہر نظام کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتا ہوں ۔یوں اِس شعبہ نے اللہ کا کیا ہوا وعدہ (3/179) پورا کرنا شروع کیا"۔

(5) یہ لوگ مندروں میں چلے گئے اور مندر سے متعلق تمام ہندوؤں کو مسلمان کرکے نکلتے ۔اُن سے خوشی خوشی مسجدیں

بنواتے اور رفتہ رفتہ چند کروٹوں کے بعد زمرۂ حق میں بھیج دیتے ۔ یہ حضرات تمام مکاتیبِ فکر میں گھل مل گئے ۔اور قدم قدم جتنا ممکن ہوا حق کی طرف موڑتے رہے ۔ سب سے خطرناک عقائد کو پہلے ڈانواں ڈول کرتے ،صحیح عقیدہ سامنے رکھتے اور چھوڑ دیتے ۔اُنہیں تبلیغ کی جلدی نہ تھی ۔ وہ تمام عوام الناس کو مغالطہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے معذور و بے خطا سمجھتے ۔سب سے ہر حال میں ہمدردی وتعاون کرتے ۔اُس شعبہ نے اہلِ باطل کے نظام کی جڑیں کھوکھلی کردیں ۔رفتہ رفتہ لوگوں کو بات کرنے غور کرنے پر آمادہ کیا۔ بتدریج علمی گفتگو کے نام پر نازک بحثیں اور عقائد واعمال پر تنقید ہونے لگی ۔جن مسائل کے ذکر پر،جن سوالات کو سنتے ہی تلوار اور دُرہ دکھایا جاتا تھا اُن باتوں کو سننے اور نقائص پر غور کرنے کے لئے آمادہ کرنا پہلی منزل تھی جو اُس شعبہ نے آسان کردی۔

(6) اِس شعبہ کی مرکزی راہنمائی ، اُس کی پیش آمدہ مشکلات کا حل کرنا ،غلطیوں کے بُرے نتائج سے بچانا ، افراد اور جماعتوں میں رابطہ کا انتظام مرکز اعلیٰ کی ذمہ داری تھی ۔ ماتحت مراکز صرف اُن لوگوں کو پورے سلسلے کے نام بتاتے تھے جو اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلیں ۔یعنی کسی کو ممبر بنانے سے پہلے یہ یقین کرلیا جائے کہ ہر نیا شخص اپنی ذات اور متعلقات کو مرکز کے ہاتھ میں دے چکا ہے ۔اور مرکزی احکام کی تعمیل میں اُس کے جذبات ،اُس کا سابقہ مذہب وشریعت رکاوٹ نہ بنیں گے ۔ یہ شعبہ اپنے سلوک سے لوگوں کو جانچنے اور اُنہیں سرفروش وفداکار بنانے کے سینکڑوں طریقے جاری کرتا۔ وہ نفاق اور سرکشی کو جانچنے اور دشمن ودوست کو پہچاننے کے بے پناہ اصول برسر کار لاتے تھے ۔اُنہوں نے مسلمانوں میں وہ تمام صفات پیدا کیں جو نظام اجتہاد نے تباہ کی تھیں ۔سیاسی طرز فکر نے رسول اللہ کے احکام کی بھی بے چون وچرا تعمیل نہ ہونے دی ۔ ہر للّو پنجُو تعمیل حکم سے پہلے ہی یہ پوچھتا کہ جناب یہ وحی کا حکم ہے یا آپ کا ذاتی حکم ہے؟ تاکہ ذاتی حکم کو نظر انداز کردے اور وحی کی تعمیل جب کرے جب کہ سیاسی راہنما کی بصیرت متفق ہوجائے ۔اس شعبہ نے اگر مشہور ومعروف غلط حکم بھی دیا تو اس کی تعمیل بے چون وچرا ہوئی ۔مثلاً شراب کی بوتل سامنے رکھی اور کہا کہ شراب پیئو۔ جس نے بے دھڑک تعمیل کی اُسے الگ شمار کیا۔ دوسرے کو الگ رکھا۔ پی لینے والے کو معلوم ہوا کہ وہ محض حکم تھا۔ جانچ تھی شراب نہ تھی شربت تھا۔ اُسے ظاہری لیبل اور بوتل دھوکہ نہ دے سکی کامیاب ہوا۔لیکن آزمائش تطہیر کے ساتھ ساتھ ساری عمر جاری رہے گی یہاں تک کہ وہ تقرّب حاصل کرلے ۔مجتہدین نے علومِ کائنات اور معجزات کا انکار کیا تاویل کی اور آنحضرتؐ کے تمام معجزات کی نفی کردی ۔اور کہہ دیا کہ قرآن کریم ہی اُن کا معجزہ ہے اور قرآن کے متعلق جو کچھ کیا وہ ظاہر ہو چکا۔اُس شعبہ نے معجزات وکرامات وخرقِ عادات پر نہ صرف یقین دلایا بلکہ اپنے متبعین میں معجزاتی بصیرت وقدرت پیدا کی ۔اور تحریک کے سربراہوں نے ضرورت پڑنے پر متبعین کے ہاتھ پر معجزات جاری کئے اور ہر وہ بات منوا کر چھوڑی جو رسول اللہ کے نام سے قبول نہ کی گئی تھی ۔

(7) تحریک کے اس شعبے نے زمانہ کیساتھ ساتھ بڑھنا اور پھیلنا شروع کیا تمام ممالک میں اُسی رنگ میں پہنچے جو وہاں موزوں تھا۔ نئے نام رکھے، نئی اصطلاحات جاری کیں، قرآن اور صاحبانِ قرآن کی تعلیمات جاری کیں، ناموں اور کاموں کو لفظی تعصب سے ملوث نہ ہونے دیا تاکہ لوگ اپنی چیز سمجھ کر اختیار کریں۔ اعلانیہ اور انڈر گراؤنڈ شعبوں کو مربوط رکھا۔

(8) بعض راز وقت آنے پر خود کھلے۔ بعض جوش میں ظاہر ہو گئے۔ اس لئے سرکاری وغیر سرکاری قاضیوں اور مفتیوں نے مخالف محاذ بھی قائم کئے۔ قتل، سُولی جلاوطنی کی سزائیں بھی دیں۔ مذہب کے نام پر بزرگوں کی کھال بھی اتاری گئی۔ اُس شعبے نے بھی دفاعی انتظامات کئے بعض نعرے بدلے بعض نئے طبقات قائم کئے جو ظواہر شریعت کی وجہ سے مخالف معلوم نہ ہوں اور مجتہدین غافل رہیں۔ اس غرض کے لئے بعض دفعہ آپس میں ایک دوسرے کو برا بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ مگر اُن سب کا مقصد ایک تھا مرکز ایک تھا۔ اُس مرکز سے فیض پاتے اور اُس کے واسطے اور وسیلے سے ناممکن کو ممکن بنا کر دکھاتے۔ ہر دَور کے ہر مکتبِ فکر کو متاثر کرتے، اُن کے جمود کو حرکت میں لاتے، اُن کو اُن کے تصورات وعقائد کے پوشیدہ نقائص پر مطلع کرتے اور نئے تصورات کو جنم دیتے قبول کراتے۔ ہر مکتبِ فکر کو دھکیلتے کروٹیں دیتے اور بتدریج موڑ موڑ کر حق سے قریب کرتے۔ اُن کے دانشوروں اور ہونہار لوگوں کو اپنے اندر ضم کرتے چلے جاتے۔ یوں ظواہر پرستوں میں مختلف فرقے بنتے بگڑتے اور اصلاح کی طرف بڑھتے گئے۔ مجتہدین مجبور ہوتے گئے اور اپنے خلاف لکھتے گئے اور اُنہیں تھالی کا بینگن بن کر رہنا پڑا۔

(8۔الف) اِس شعبہ نے حقیقی مرکز کا تعارف وتعین کرانے کے لئے دو دو لفظوں کی جوڑیاں بولنا شروع کیں۔ مثلاً:۔

1۔ حقیقی ومجازی۔ **2**۔ روحانی اور جسمانی۔ **3**۔ باطنی وظاہری۔ اُنہوں نے دین کے لئے بھی اُن ہی دونوں الفاظ کو عام کیا۔ اور کہا کہ ہم ظواہر پرستی اور ریاکارانہ طرزِ عمل کو چھوڑ کر دین کی حقیقت اور دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی طریقت کو اختیار کرتے ہیں۔ روحانیت کو اختیار کرتے ہیں، جسمانیت کو نظر انداز رکھتے ہیں۔ باطنی غرض وغایت کو سامنے رکھتے ہیں، ظاہری صورت حال عوام کے لئے چھوڑتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ نیابت رسول بھی اِن ہی صورتوں پر منقسم ہے۔ حقیقی جانشینی اور مجازی جانشینی یا مادی جانشینی، باطنی امامت اور ظاہری خلافت، جسمانی جانشینی اور روحانی جانشینی۔ اُنہوں نے اعلان کرنا شروع کیا کہ وہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی، باطنی ورُوحانی جانشین کو اپنے تمام سلسلوں کا مرکز مانتے ہیں۔ اور اللہ سے تمام فیوض وبرکات وتعلیمات وکرامات ومعجزات کو اپنے حقیقی امامؑ کے واسطے اور وسیلے سے حاصل کرتے ہیں۔

(9) مرکزی کردار اور راہنمائی کے لئے اولین مرکز نے اپنے متبعین کو محدود ومشروط صورت میں مختار بنا دیا۔ اُنہیں اللہ کے یہاں مستجاب الدعوات رہنے کے طور طریقے بتائے۔ اپنے بعد کے لئے جانشینی اور اِجرائے خلافت کے اصول سمجھائے۔ اپنے

نائب کوخرقہ وخرق عادات سونپنے کا اختیار دیا۔اور گاہے ماہے اعلانیہ شعبے کے سربراہ سے تجدیدِ بیعت اور حصول قوت کی بھی اجازت دی تاکہ رابطہ بھی رہے اور امامِ زمانہؑ دشمنوں سے محفوظ بھی رہیں۔اور راز بھی فاش نہ ہو اور دونوں شعبوں کا مستقل تعلق ظاہر نہ ہو۔ یوں دو لفظوں میں تعصب کا جوالا مکھی بند کر دیا گیا اور اپنا حقیقی منشا مقبول بنا دیا۔ ملک اور بیرون ملک یہ روحانی خلافت پھیل گئی۔خرقہ پوش خلافتوں نے ،خلافت باطلہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ سلسلہ ہر کلیدی مقام تک سائے کی طرح جا پہنچا اور خود حاکمانِ وقت سے اپنے مقاصد کی تائید وتقویت حاصل کی ۔ یہ خلافت ہر ملک میں آج تک جاری ہے ۔خلافتِ باطلہ جڑ سے اکھڑ گئی اور آج اُس کا قصہ بھی پرانا ہو گیا۔لیکن یہ روحانی خلافت باوجود مخالفت کے جاری ہے اور اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک ظہور حقؑ نہ ہو جائے۔

36۔ تحریک تشیّع کا خفیہ شعبہ محققین کی نظر میں

قارئین ایک بات سمجھ لیں کہ روحانی خلافت کو خفیہ طور پر نافذ کرنے والا یہ شعبہ جب مسلسل دو سو سال تک نہایت کامیاب مشن چلا چکا تو مجتہدین کو ہوش آیا۔ ہوش آیا تو اب اس شعبہ کا تذکرہ شروع ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو اسلام کی اوّلین تصنیفات میں ہمارے اس محاذ و مشن کے تفصیلی حالات نہ ملیں تو تعجب کی ضرورت نہیں ہے ۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا یا اب دوسرے محققین کے قلم سے آپ کے سامنے آئے وہ حقیقتاً وقوع میں آیا ہے یا نہیں ۔ چنانچہ ہم آپ کو اِس زیرِ نظر عنوان کے لئے پاکستان کی حکومت کی طرف سے شائع ہونے والے دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد ششم کے مقالہ تصوف اور علامہ غلام رسول مہر کے مترجمہ صراط مستقیم کے مصری مقالات کی طرف بطور تصدیق متوجہ کرتے ہیں۔اور اُن کی تفصیلات سے بنیادی پہلو آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ زیر بحث شعبہ کا نام تصوف تھا۔اُس کے ممبر صوفی کہلاتے تھے ۔اس شعبہ کے سربراہ جناب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں ۔ اُنہوں نے اس شعبہ کو قائم کیا،قوت بخشی، اس کی راہنمائی کی اور یہ کہ اس شعبے کے اوّلین لوگ صحابہ رسولؐ تھے ۔جن میں سے ایک جناب ابوذر غفاریؓ ہیں جنہیں ربذہ میں جلاوطن کیا گیا تھا۔جنہوں نے امارت وحکومت سے سرمایہ داری چھڑانے کے لئے ٹکر لی تھی۔ پھر تابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم اِس شعبہ کو چلاتے اور آگے بڑھاتے رہے اور اس روحانی خلافت کو تمام دنیا میں رواں دواں کر گئے ۔(جزاھم اللہ ُ تعالیٰ)

(الف) لفظ صوفی اور تصوف کا مطلب اور استعمال

مسلمان محققین ومورخین لفظِ تصوف اور صوفی کے سلسلے میں اگر اختلاف کریں تو یہ کوئی قابلِ تعجب امر نہیں ہے۔اسلئے کہ

خشتِ اوّل چون نہد معمار کج   تا ثریّا می رَود دیوار کج

جن لوگوں کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنہیں یہ پتہ نہ چلا کہ اُن کے رسولِ مقدس کس دن اور کس ماہ کی تاریخ کو کس وقت دُنیا سے رخصت ہوئے۔ اُن سے کچھ زیادہ امیدیں رکھنا عقلمندی نہیں بلکہ عقیدتمندی ہے۔ اُن بے چاروں کو دراصل اختلاف وانتشار ہی میں پناہ وتربیت ملی ہے۔ اِس لئے اُن کے اختلاف کو نظرانداز کر کے سنیں:۔

(ب) تصوف اورصوفی کو صُوف سے مشتق سمجھنا چاہئے مصدری معنی ہیں۔

1۔ ''معروف کے علاوہ کسی اورطرف مائل ہونا''۔

2۔ ''تمام پسندیدہ چیزوں سے ہٹا ہوا ہونا''۔

چونکہ عربی زبان میں صُوف اُون یا اُون کے گھریلو بُنے ہوئے کپڑے کو بھی کہتے ہیں۔ اِس لئے بھی اُن لوگوں کو جو مذکورہ شعبے سے تعلق رکھتے تھے صوفی کہا جاتا ہے کہ وہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے خلاف بطورِ احتجاج موٹا جھوٹا اور گھٹیا لباس پہنتے تھے۔ اورمعروف وپسندیدہ لذات ولباس سے ہٹے ہوئے اور سرمایہ داری اورظلم وستم کو مٹادینے پر مائل تھے۔ یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مسلک تصوف ہر زمانے کی اقوام میں رہتا چلا آیا ہے۔ اِس سلسلے میں افلاطون کا نام بھی پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اُس کی مذمت بھی ہوتی رہی ہے۔ اور بقول <u>دائرۃ المعارف</u> تیسری صدی ہجری میں رسولؐ اللہ کے نام سے **لَا رهبـانِية فِي الْإِسْلَام** والی روایت بھی گھڑی گئی ہے جس سے اس کا مسلمانوں سے پہلے موجود ہونا ثابت ہے۔ اُسی خودساختہ روایت کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی آیت (57/27) سے رہبانیت کی ممانعت اخذ کی گئی ہے۔ حالانکہ اس آیت سے رہبانیت کا حق ادا کرنے کی صورت میں جواز ثابت ہے۔ بعد والے مفسرین کا اختلاف لکھا ہے۔

(ج) <u>صحابہؓ میں مَسلک تصوف</u>

مِقالہ نگار تسلیم کرتے ہیں کہ جناب ابوذر اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہما تصوف کے پیشرو صحابہ تھے۔ اُنہوں نے جناب صہیبؓ رومی اور اویسؓ قرنی کے تصوف کو مشکوک سمجھا ہے۔ اورتصوف کو صفّہ سے مشتق مان کر گویا ایک جمّ غفیر کو صوفیہ میں داخل کر دیا ہے۔ یعنی اصحاب صفّہ چار سو (400) تھے اورقرائن واجبہ کا تقاضہ ہے کہ معدودے چند کے علاوہ اُن سب کا مسلک تصوف ہو۔ اس لئے کہ وہ سب جورُو بچوں سے اور دیگر علائق دنیا سے قدرتی طور پر منقطع تھے۔ نہ گھر تھا نہ جائیداد تھی، نہ عزیز واقربا تھے نہ دولت وسرمایہ تھا۔ ایک کھجور کے پتوں کا ٹوٹا پھوٹا چھپّر، ایک مٹّی کا چبوترا اُن کا گھر تھا۔ بارہ(12) تیرہ(13) سال اس پر گذار دینے والے صحابہ رسولؐ رضی اللہ عنہم کا عبادت وعلم کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ اُن کے کھانے اور کپڑے کا انتظام رسولؐ اللہ کے ذمہ تھا۔ انتظام ہو جاتا تو کھا لیتے تھے ورنہ عبادت میں دن رات گذار دیتے تھے۔ بھوک اور کمزوری کی وجہ سے دوران جماعت چکرا کر گر جانا بھی ہوتا رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں سے یا دیگر صاحبانِ استطاعت

کے یہاں سے جو کچھ آتا تھا وہی پہن لیتے تھے۔لوگوں کے گھروں میں جو کچھ پکتا تھا اُس میں سے کوئی کچھ بھیجتا اور کوئی کچھ لاتا تھا۔یعنی اصحاب صفہ کا کھانا اُسی قسم کا ہوتا تھا جیسا کہ صُوفیا اور فقرا کے لنگروں میں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔اجمیر شریف کی وہ دیگ بھی اُسی مقدس لنگر کی یادگار ہے جس میں چاول گوشت گیہوں، چنے دالیں اور جو جس کا دل چاہے ڈالتا جاتا ہے۔ پکتا رہتا ہے، تقسیم ہوتا رہتا ہے۔تاریخ کو تو وہی چیزیں پہنچی ہیں جن میں گرمیِ محفل ہو، ہنگامے اور حادثات ہوں، شوروغوغا ہو۔ اور سب سے اہم شرط یہ کہ مؤرّخ اور حکومت وقت کے مزاج کے خلاف نہ ہو۔تاریخ میں اِسی لئے قارئین کرام کا نام ہے نہ اُن کے والدین کا تذکرہ ہے۔تاریخ تک پہنچنا بڑا ہی مشکل ہے۔راز ورموز، زمین دوز منصوبے اور پالیسیاں تاریخ میں نہیں ہوتیں، خفیہ فائلوں (Files) میں ہوتی ہیں۔بہرنوع وفاتِ رسولؐ کے بعد جہاں اور بہت کچھ تاریخوں سے غائب ہے وہاں چارسو اصحابؓ صفّہ بھی غائب ہو کر رہ گئے ہیں۔واضح ہو کہ رسولؐ اللہ کا وہ انتظام جس میں مسلمانوں کی تطہیر ہونا تھی (3/179) نہایت خاموشی سے برسرِ کار تھا۔ جیسے ہی خلافت کا ہنگامہ کھڑا ہوا اور تمام دانشورانِ قوم اِس ہنگامہ کو سلجھانے میں مصروف ہوئے۔اصحاب صفہ کو نظام تطہیر نے اپنا پروگرام سونپ دیا اور اس طرح چارسو سے زیادہ آزمودہ کار ممبرانِ تطہیر پبلک میں پھیل گئے۔اور اپنے بارہ سالہ علم و تجربے کو ہنگامہ فرو کرنے میں لگا دیا اور مخالف محاذ کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔یہ سبب ہے کہ مؤرخین اور محدثین اصحابِ صفّہ کے معاملے میں حیران ہوتے رہے ہیں۔اُن غریبوں کی کیا خطا ہے؟ اُن کا کام تو یہی تھا کہ جو جس سے سُنیں اور اپنے مسلک کے لئے مفید سمجھیں لکھ دیں۔

قارئین ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر مورّخین اور محدثین ایک ہی مسلک کے لوگ ہوتے تو اُن سب کی پسند وناپسند بھی ایک ہی ہوتی۔اور وہ سب ایک ہی قسم کی باتوں کو تاریخ اور حدیث کی ذیل میں لکھتے۔اور باقی تمام باتوں کو چھوڑ دیتے جو وقوع میں تو آئی تھیں مگر اُن کے مسلک کے خلاف ناپسندیدہ تھیں۔یہ کتنا اچھا ہوا کہ مسلمانوں میں ہزاروں مسلک پیدا ہوئے اور مختلف المسالک مؤرخین ومحدثین نے اپنی اپنی مختلف پسند کے مطابق حالات قلم بند کر دیئے۔یعنی جو بات کسی ایک مسلک کے مؤرّخ کو ناپسند تھی اور مُضِر مسلک سمجھ کر چھوڑ دی گئی تھی وہ دوسرے مسلک کے مؤرخ نے لکھ دی۔اور آج آپ حضرات کے سامنے وہ تمام واقعات وحالات آ سکے جن کو ایک مسلک چھپانا چاہتا تھا۔یہ نظام تطہیر کا احسان ہے کہ اُس نے مخالف مسلک کو توڑ توڑ کر ایک سے دو، دو سے چار اور چار سے چارسو مسالک میں بکھیر دیا اور آج آپ دو اور دو چار کی طرح حقائق کو سمجھنے کے دور میں ہیں۔یہ بات بھی یہیں سوچنے کی ہے کہ وہ نماز جسے رسوؐل اللہ کے ساتھ کم از کم روزانہ پانچ دفعہ پڑھا جاتا تھا۔جماعت کے بعد سنت اور نوافل الگ الگ پڑھے جاتے تھے۔کوئی بیٹھا ہوا تسبیح پڑھ رہا ہے، باقی نمازیوں کو دیکھ رہا ہے، کوئی سجدہ میں ہے، کوئی رکوع میں، کوئی آگے ہے، کوئی برابر میں ہے۔پیچھے والوں کو آگے والے نظر آ رہے ہیں۔یہ کام

روزانہ پانچ دفعہ لگا تار تیرہ سال تو ضرور ہی جاری رہا۔ مگر ہائے افسوس! مسلمانوں کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ رسول ؐ اللہ اور اُن کے صحاؓبہ نماز کے دوران اپنے دونوں ہاتھ کہاں رکھا کرتے تھے؟ وہ اُنہیں باندھ کر کہیں رکھ دیتے تھے یا اپنے ساتھ ہی نہ لاتے تھے؟ جس قوم کا خشوع وخضوع اس حد پر پہنچا ہوا ہو کہ اُسے اور تو اور ہے، خود اپنا پتہ نہ چلے کہ اُس کے ہاتھ پاؤں کہاں ہیں۔ قلب وذہن کس حال میں ہیں۔ اُس کے مورخین ومحدثین ومحققین کیسے بتائیں کہ نماز میں رسول ؐ اللہ کا کیا طریقہ تھا؟ وہ بیچارے لوگوں کے مختلف رٹے ہوئے بیانات کو سُن سُن کر چکراتے اور گھومتے ہوئے سَر سے بے سُری باتیں لکھ دیتے۔ یہی تو وجہ ہے کہ کچھ باتیں بے سروپا معلوم ہوتی ہیں تو کچھ بے دست وپا نظر آتی ہیں۔

(د) <u>خلفائے اربعہ کے زمانے میں تصوف کا اَتا پتا</u>

دائرۃ المعارف الاسلامیہ کی تحقیق یہ ہے کہ:۔

۔’’ خلفائے اربعہ کے زمانے تک تصّوف یعنی تقرّبِ الٰہی کی شدید خواہش اتنی عادی چیز تھی۔ کہ مجموعی طور پر پوری اُمت کے اندر نفوذ کر گئی تھی۔ اور اُس کا اثر اس آسانی اور غیر شعوری۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ طبعی اور اَساسی طور پر محسوس کیا جاسکتا تھا۔ جیسے قلب کا عمل پورے جسم میں جاری وساری ہوتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ روحانی ترفّع میں ابھی سیاسی اقتدار بھی مَضمَر تھا۔ اگر چہ یہ اغلب نہیں۔ کہ اس زمانہ میں جماعتوں اور گروہوں کی کوئی واضح تشکیل موجود تھی۔ تاہم دوسرے قرن کے لوگوں نے خود بخود ہی صحابہ کرام کے حلقوں میں اپنے آپ کو منسلک کرلیا تھا۔ اور روایت کے مطابق <u>اس قسم کے اہم ترین صوفی حلقوں میں جس کی طرف لوگ کھنچتے چلے آتے تھے۔</u> وہ حلقہ تھا۔ جو <u>حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع تھا۔</u> یہاں یہ ذکر کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کے انتقال فرمانے کے بعد بھی مؤرخین نے جس چیز کو شیعیت قرار دیا ہے۔ وہ (ابتدائی) تصوف کے سوا کوئی اور شے نہ تھی۔ اور یہ مُسلّم ہے۔ کہ حضرت حسنؓ (متوفی <u>49ھ</u>) اور حضرت حسینؓ (متوفی <u>61ھ</u>) کو صوفیائے کرام نے ہمیشہ صدر اسلام کے اکابر اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے‘‘۔

(ہ) <u>سربراہ تطہیر وتشیّع وتصوّف امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالبؑ</u>

دائرۃ المعارف کے محققین کا یہ گرد آلود بیان اہل نظر کے لئے تو بالکل کافی ہے۔ مگر سیدھے سادے قارئین کے لئے ضروری ہے کہ ہم وہ دُھول صاف کردیں جو مغالطہ کا باعث بن سکتی ہے۔ محققین نے اُس ہنگامہ کو نظر انداز کردیا ہے جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر اُٹھا۔ اور تمام دانشورانِ قوم ہی کو نہیں بلکہ پورے ملکِ عرب اور تمام مسلمانوں کو ایک سال ایسا مصروف رکھا کہ سرپیر کا ہوش نہ رہا۔ مختلف لوگ دعوائے نبوت کررہے تھے۔ قبائل کے قبائل اسلام کے جدید احیاء کے لئے اُن کا ساتھ دے رہے تھے۔ چاروں طرف سے مسلمانوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا تھا۔ سینکڑوں مسلمان قبائل مرتد ہوگئے

تھے۔ گنے چنے چند قبیلوں اور چند صحابہؓ کے علاوہ کوئی مددگار نہ رہا تھا۔ اس ہنگامۂ دار و گیر وفوج کشی میں دائرۃ المعارف کا جملہ نمبر 1، نمبر 2 فطری وطبعی ہونے کے بجائے غیر فطری اور ضرورت وقت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور خلافت کے طرفدار صحابہ ایک مجاہد و غازی گروہ کی صورت میں اُٹھے اور پورے ملک عرب کو دوبارہ مسلمان کرنے کی مُہم میں مصروف ہوگئے۔ اُن کی دن رات کی فکر فراہمیٔ سامانِ جہاد اور مجاہدین سے باہر نہ نکل سکتی تھی۔ لہٰذا اس مہم کے دوران سفر ہوں گے، نمازیں قصر ہوں گی، کھانے پینے کی دقتیں پیش آئیں گی، رات کو چھاپے مارنا ہوں گے، دشمن کے شب خون سے بچنا ہوگا۔ قیدیوں اور مال غنیمت کی مصروفیات ہوں گی۔ ہزاروں لوگ جو جنگلوں ریگستانوں میں جنگی دوڑ دھوپ کررہے ہوں اُن کے بال بچوں کی دیکھ بھال روٹی کپڑے اور دیگر ضروریات کی فراہمی چین نہ لینے دے گی۔ اِن حالات میں وہ تمام باتیں غلط اور محض عقیدت پر منحصر ہیں جو مقالہ نگار نے فقرہ اول و دوم میں فرض کر لی ہیں۔ اُس ہنگامے میں اگر کچھ لوگ الگ رہے یا بعض لوگوں کو الگ رکھا گیا۔ اُن کے لئے قدرتی فطری وطبعی تھا کہ وہ دن رات اطمینان سے تقرب الٰہی کے لئے تصوف کا طرز عمل اختیار کریں۔ لہٰذا تمام تواریخ متفقہ طور پر بلا تکلف یہ بتاتی ہیں کہ عرب میں نئے سرے سے اسلام پھیلانے کی اس اسکیم میں چند گنے چنے دس بارہ صحابہؓ کے علاوہ باقی تمام جوان ہمت وجوان سال اور جوان بخت نوجوانان قوم تھے۔ اور وہ تمام صحابہؓ جو تعلیماتِ رسولؐ سے لبریز اور رسولؐ اللہ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے تھے، اپنے اپنے گھروں میں اس لئے بٹھا دیئے گئے تھے کہ۔ ''تم نے رسولؐ کے زمانہ میں جہاد کرکے بہت ثواب کما لیا ہے۔ اب دوسروں کو موقعہ دو''۔ لہٰذا دائرۃ المعارف کے مقالہ نگاروں کا یہ کہنا کہ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کچھ صحابہؓ کے گرد صوفی حلقے قائم ہوگئے تھے ایک بے بنیاد قیاس ہے۔ اسی لئے حضرت علیؑ کے حلقہ کا ذکر روایت کی سند سے کیا ہے۔ بہرحال اُن کی نظر میں چونکہ بعد کے ایسے حلقوں کا قیام ہے جنہوں نے تصوف کے مقاصدِ حقیقی کو ضائع کرنے کے لئے ڈھونگ رچایا تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے چاہا کہ اُن کیلئے سند فراہم ہوجائے خواہ وہ سند ایک قیاسِ باطل ہی پر کیوں نہ منحصر ہو۔ مقالہ نگار یہ مانتے ہیں کہ وہ اوّلین صوفی حلقہ جس میں صحابہ کرام کو جذب کرنے کی قابلیت تھی۔ وہ حلقہ جناب علی مرتضیٰؑ کے مشن یا تحریک شیعیت پر مُنتج ہوا۔ یہاں یہ سمجھ لیں کہ اوّلین سربراہِ تصوف اور شیعہ تحریک کون ہے؟ اور <u>61ھ</u> تک تصوف اور شیعہ تحریک براہ راست علیؑ حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کے زیر ہدایت رہی تھی۔ رہ گیا تصوف ہی کو شیعیت کہنا یا سمجھنا؟ یہ وہی مشکل ہے جو مسلمان مورخین ومحدثین اور محققین کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شیعہ تحریک، مجتہدین کے خلاف قدیم الایام سے ثابت ہوچکی ہے۔ شیعہ تحریک کا خفیہ شعبہ بھی قدیم الایام سے برابر کام کرتا چلا آیا ہے اور اُس کا نام شعبۂ تصوف ہے۔ وہ خود شیعیت نہیں ہے۔ اُس کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو مخالف محاذ سے توڑ کر الگ کرے۔ اُن کی تطہیر و آزمائش کرکے مرکزی تحریک تشیع کے حوالے کرتا چلا جائے اور بس۔ اس کے علاوہ تمام باتیں

قیاسات باطلہ ہیں حقیقت نہیں ہیں۔ چنانچہ مقالہ نگار اپنے بیان کی اصلاح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

۔''اس مقالے (تصوف) کے آغاز میں تصوف کے لحاظ سے تشیّع کی ابتدائی نسبت جو کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اُس میں یہ اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ پہلی دو صدیوں میں دونوں فرقوں (شیعہ وتصوف) کے درمیان ہر انفرادی صورت میں فرق وتفاوت قطعاً واضح نہیں ہے۔ مثلاً چھٹے امام جعفر صادق (علیہ السلام) جن کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ اُن سے احادیث کا ایک ایسا مجموعہ مروی ہے۔ جن میں آیاتِ قرآنی کی شرح متصوفانہ انداز میں کی گئی ہے۔ تقریباً یقینی ہے کہ وہ (جعفر صادقؑ) بہ نسبت تشیّع کے تصوف سے قریب تر تھے''۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ)

ناظرین نے دیکھ لیا ہے کہ مورخین ومحققین کو تحریک تشیّع کے ایک دَور (Cycle) کی کامیاب سرگرمیوں کے پورا ہوجانے تک ایک دلچسپ مغالطہ رہا۔ اور مخالف محاذ اسی بنا پر دفاعی کاروائیوں کا خیال تک نہ کرسکا۔ یہ حُسنِ انتظام تھا جو زیر زمین تحریک کی کامیابی اور موجودگی کی دلیل ہے۔ مقالہ نگار نے اس دفعہ یہ بھی مان لیا کہ شعبۂ تصوف کی ہدایت کاری وسربراہی چھٹے امامؑ تک آئمہ معصومینؑ کے ہاتھوں میں تھی اور وہی تصوف کو قرآن کریم سے تقویت وسند بہم پہنچاتے تھے۔

(و) <u>حقیقی تصوف کے تمام سلسلوں کا منبع علیؑ ہیں</u>

یہ معلوم ہوچکا کہ وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے شعبۂ تصوف کو مسلمانوں کی تطہیر (3/179) کے لئے منظّم صورت دے دی۔ اِس شعبہ میں چارسو سے زیادہ اصحاب صفہ اور تمام وہ صحابہؓ شریک ہوئے جو اِس دنیا کی حکومت، ریاست، دولت، خلافت، تخت وتاج عیش وآرام کو بنی نوع انسان کی فلاح کے مقابلہ میں لھو ولعب سمجھتے تھے اور اپنی زندگی، جان ومال واولاد واقربا کو اسلام کے نام وقیام کے لئے اپنے سربراہؑ کے ہاتھ فروخت کرچکے تھے۔ تطہیر (3/179) کے اس پہلے دَور کے بعد آئندہ آنے والے ادوار کے لئے بھی جناب مولا مشکل کشا علیہ السلام نے باقاعدہ انتظام فرمایا تھا۔ اور اپنے بہت سے جانشینوں کو وہ قوت قدسیہ عطا کردی تھی جو مرتضٰی ہونے سے متعلق آنحضرتؐ سے ملی تھی۔ (3/179) یعنی علوم غیب تک رسائی اور معجزات وکرامات کی قوت۔ اس سلسلہ میں جو کچھ مؤرخین ومحدثین ومحققین تک پہنچا ہے وہ اُن کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:۔

(ز) <u>حضرت علیؑ کے بعد سلسلہ تصوف کا قیام</u>

۔''<u>روحانی سلسلہ</u>۔ صوفیوں کا دعویٰ ہے۔ کہ تصوف رسول اللہ صلی اللہ علہ وآلہ وسلم سے اُن تک پہنچا ہے اور تاریخی اعتبار سے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کہ زمانۂ رسالتؐ سے لے کر ہر نسل میں مشائخ تصوف مع اپنی جماعتِ مریدین کے موجود رہے ہیں۔ مزید برآں اکابرِ صوفیا سے بہت سے ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں ایک سے زیادہ شیوخ سے فیض

حاصل کیا۔لہٰذا متعدد و مختلف و مستند سلسلوں کا قیام ممکن ہو گیا''۔

یہاں رُک کر قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ جہاں تک صوفیا کا متعدد شیوخ سے فیض حاصل کرنے کا تعلق ہے وہ تصوف کی مرکزی پالیسی کے اندر داخل اور صحیح ہے۔لیکن جن لوگوں نے اسطرح خود ہی الگ سلسلے قائم کئیے یا آئندہ کریں وہ مرکزی یا علوی پالیسی سے سرتابی ہے اور دائرہ تصوف سے خارج ہو جانے کے لئے کافی ہے۔اور کوئی ایسا خانہ ساز سلسلہ قابل قبول نہیں ہے جو خود کو مرکزِ مرتضیٰؑ سے الگ کرلے۔چنانچہ مستند و مشہور نظام وہی ہے جس کو مقالہ نگار برابر لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

۔''عام طور پر صوفیا جس سلسلے کا پتہ دیتے ہیں۔اُسے اگر تیسری صدی تک لیا جائے تو اس کی صورت یوں ہے:۔

حضرت علیؑ (علیہ السلام) متوفی 40 ہجری............

حسن بصریؒ متوفی 110ھ............حبیب العجمی متوفی 156ھ......داؤد الطائی متوفی 165ھ......

معروف کرخی متوفی 201ھ......سری السقطی متوفی 253ھ............جُنید بغدادی متوفی 297ھ

اس سلسلے کی تاریخی صداقت پر شبہ کرنے کی کوئی صحیح وجہ موجود نہیں ہے۔اس پر ذہبی کی نکتہ چینیاں محض خیالی ہیں''۔مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

''۔ماسینیوں (ESSAI صفحہ 129) کے نزدیک ترجیح اُسے ہے کہ معروف کرخی والے روحانی سلسلے کو بکر بن خنیس۔ثابت ا للبنانی کے واسطے سے حسن بصری تک پہنچایا جائے۔خود حسن بصری کے متعلق اسکی رائے یہ ہے۔(ESSAI صفحہ 179) کہ وہ براہِ راست حضرت علیؑ کے مرید نہ تھے۔جنکے وصال (وفات) کے وقت حسن بصری کی عمر صرف بیس سال تھی۔بلکہ وہ ایک صحابی عمران بن حصین الخزاعی (متوفی 52ھ) سے فیض یاب ہوئے تھے''۔(دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے تمام حوالے صفحہ 135 تا 136 جلد 6 پر ہیں)

(ح) تابعینؒ اور تبع تابعین میں تصوف کا اجرا

حالات کا تقاضا بھی تھا اور مان بھی لیا گیا ہے کہ ابتدا میں صوفیائے کرام کے مراکز یا سلسلوں کا پتہ نہیں چلتا۔لیکن رفتہ رفتہ معلوم ہو گیا کہ کوفہ میں اور بصرہ میں اوّلین مراکز قائم ہوئے تھے۔شہادتِ امام حسینؑ اور اُن کے خاندان کے افراد و صحابہ وانصار علیہم السلام کے قتل عام کے بعد ایک جماعت جو قید و بند یا دیگر مادی جبر کی بنا پر نصرت نہ کرسکی۔توّابین کے نام سے مشہور ہے اُن میں سے بعض لوگوں نے تو جاپانیوں کی طرح ہیرا کیری کر کے قبر مظلومؑ پر اپنا خون بہا دیا۔بعض تیغ بکف کفن بدوش نکلے اور حکومت کی فوجوں سے لڑتے ہوئے قتل ہو گئے۔بعض نے حکومت کے خلاف بغاوت کا انتظام کیا۔اُن ہی میں سے ایک جماعت کا صوفیا میں شامل ہو جانا بتایا گیا ہے۔اُس دَور کے جن صوفیاء کرام کا پتہ لگ سکا اور جنہیں مورخین نے قابل ذکر سمجھا۔ اُن میں سے چند کے نام لکھ دیئے گئے ہیں مثلاً لکھا ہے کہ:۔

۔''دوسرے عہد کے شیوخ تصوف میں جناب حسن بصری رضی اللہ عنہ متوفی 110ھ، مالک بن دینار۔فضل رقاشی۔ریاح

بن عمر وقیسی۔صالح مری۔عبدک۔ابواحد بن زید۔(متوفی 177ھ) جوباداًنکے مشہور طائفہ زھاد کے سلسلے کے مرشد تھے'۔

دوسرے مقام پر تابعین وتبع تابعین کے شیوخ اس طرح لکھے ہیں کہ:۔

۔''جناب حسنؑ اور حسینؑ سیّدا شباب اہل الجنة (سردارانِ جوانان جنت) کے علاوہ بزرگانِ ذیل کا بھی ذکر کرنا چاہئے۔

(1) مجاہد بن زبیر المخزومی المکی (متوفی 104ھ)

(2) عبداللہ بن خشین (متوفی 67ھ) اور سب سے بڑھ کر حسن بصری (متوفی 110ھ) اور اُن کے مریدین

(3) مالک بن دینار (متوفی 128ھ) (4) ثابت اللبنانی (127ھ)

(5) حبیب العجمی (156ھ) (6) رابعہ بصری عدویہ غالباً ابن دینار کے حلقے میں شامل تھیں۔

جن میں سے ہر ایک کے متبعین کا اپنا اپنا حلقہ تھا۔

(ط) کوفہ کی عرب نوآبادی یمنی الاصل تھی۔یہ لوگ طبعاً صلح پسند اور روایت پرست تھے۔عقائد میں شیعہ اور بظاہر مرجئت پسند بتائے گئے ہیں۔اُن کے تصوف کے شیوخ ربیع بن خشین (متوفی 67ہجری) ابواسرائیل علائی سمعانی (متوفی 140ھ) جابر بن حیّان۔کلیب صیداوی منصور عمار۔ابوالعتاحیہ اور عبدک کے نام لکھے ہیں۔اُن میں سے منصور۔ابوالعتاحیہ اور عبدک نے اپنی زندگی کا آخری حصہ دارالخلافہ بغداد میں گذارا تھا۔جو 250ہجری کے زمانہ میں تصوف کا بہت بڑا مرکز بن چکا تھا۔ اُسی زمانہ کو مذہبی مناظروں کے مراکز اور حلقے قائم ہوچکنے والا دَور تسلیم کیا گیا ہے۔مساجد میں باقاعدہ تصوف کی تعلیم دی جاتی تھی۔اُسی دَور میں تصوف کا اثر ونفوذ اور سرکاری مذہب کو تصوف کے خطرات نظر آنا شروع ہوئے۔اور تمام مجتہدین اُن کے خلاف محاذ بنانے کی فکر میں مصروف ہوگئے۔جناب ذوالنون مصری (240ھ) نوری اور ابوحمزہ اور حلاّج پر قاضیوں کے مظالم ہوئے۔مفتیوں نے فتاوے دیئے اور عدالتوں میں مقدمات دائر ہوئے تھے۔اُس دَور سے شعبہ تصوف کے خلاف نظام اجتہاد کا کھلا تصادم شروع ہوا جو برابر آج تک جاری رہتا چلا آیا ہے۔لیکن اس وقت تحریک کا یہ شعبہ اس قدر مضبوط ومنظّم اور کامیاب ہوچکا تھا کہ تلوار اور ریاکارانہ نماز اور قوت قاہرہ اس کو بڑھنے سے نہ روک سکی اور آسمان نے حکومتوں کو اُس سے ٹکرا کر پاش پاش ہوتے ہوئے دیکھا۔

(ی) لفظ الصوفی کا باقاعدہ استعمال

دائرۃ المعارف نے مندرجہ بالاحقائق کے ساتھ یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ۔''الصوفی کو پہلے پہل لقب کے طور پر دوسری صدی ہجری میں کوفے کے ایک عالم گیر شہرت کے مالک کیمیاگر (Chemist) سائنس کے موجد جابر بن حیّان کے نام کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے۔جو زہد وتصوف میں خاص مسلک ومقام رکھتا تھا۔اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں

میں سے تھا۔ نیز ایک نامور صوفی ابو ہاشم کوفی کے ساتھ صیغہ جمع یعنی صوفیا پہلی دفعہ 199 ہجری مطابق 814ء میں اسکندریہ کی ایک سیاسی شورش کے دوران لوگوں کی زبان پر آتا رہا ہے''۔

اس بیان سے یہ حقیقت سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ابو ہاشم اور صوفیا نے مصر میں شیعہ حکومت کے قیام کی داغ بیل ڈالنے کے لئے کام کیا تھا۔ اور یہ کہ کس طرح صوفیائے کرام اپنا اثر ورسوخ ملک عرب سے باہر پھیلا رہے تھے اور عربی حکومت کے خلاف مہم چلا رہے تھے۔

(یا۔11) تصوف ایک شیعی تحریک تھی جس کا مرکز کوفہ تھا

دائرۃ المعارف سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ صوفیا کی اصطلاح جس طرح سب سے پہلے شیعہ جماعت نے استعمال کی اسی طرح وہ مانتے ہیں کہ:۔

۔'' قاہرہ کا بیان کرتے ہوئے جاحظ لکھتا ہے کہ تقریباً 199ھ میں لفظ صوفیا کا استعمال ایک نیم شیعی مسلمان جماعت کیلئے ہوا تھا۔ جو کوفہ میں پیدا ہوئی تھی۔ اور جس کے سلسلے کا آخری معلوم امام عبدک صوفی (مذکورہ بالا) تھا۔ یہ شخص گوشت نہ کھاتا تھا۔ سبزی پر بسر کرتا تھا اور رسولؐ اللہ کی خلافت کا حقدار حضرت علیؓ کو بطور میراث سمجھتا تھا۔ یہ صوفی 210ھ کو بغداد میں فوت ہوا تھا''۔ پھر لکھا ہے کہ:۔

(یب۔12) لفظ صوفی کا تابناک مستقبل

۔''اس سے ظاہر ہے کہ صوفی کا لفظ کوفے ہی تک محدود تھا۔ مگر اس اصطلاح کے نصیبوں میں ایک شاندار مستقبل تھا۔ چنانچہ پچاس سال کے اندر اندر (یعنی 249ھ تک) یہ لفظ خراسان کے ملامتیہ متصوفین کے مقابلہ میں تمام عراقی متصوفین کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اور دو صدی بعد صوفیا کی اصطلاح (400ھ تک) جملہ مسلمان متصوفین کے لئے اُسی طرح استعمال ہونے لگی جس طرح آج کل ہم صوفی اور تصوف کے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور اس درمیانی وقفے میں لفظ صوف اور سفید اُون کا خرقہ بالکل نمایاں طور پر راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نزدیک بھی مقدس لباس بن گیا۔ حالانکہ 100 ہجری تک اُسے عیسائیوں کا اور غیر ملکیوں کا حقیر و قابل نفرت لباس سمجھا جاتا تھا اور جس کے اوّلین استعمال پر جناب حسن بصری رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد فرقد سنجی کو مسلمانوں نے ملامت کی تھی۔ اور آخر یہ بھی مان لیا گیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفید اُونی خرقے کو متدین مسلمانوں کا پسندیدہ لباس فرمایا تھا''۔ (دائرۃ المعارف)

(یج۔13) خرقہ اور سربراہانؐ اسلام

مندرجہ بالا ملامت کِس قدر تعجب انگیز اور سراسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ثابت ہوگی جب

کہ مومنین کو یہ معلوم ہو جائے کہ صوفیائے کرام میں خرقہ کے استعمال اور نشانِ وراثت کو جاری کرنے والے خود آنحضرتؐ اور علی مرتضیٰ صلوٰۃ اللہ علیہما ہیں سنئے:۔

۔''کتاب تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ جب جناب امیر علیہ السلام اور حضرت عمرؓ نے حسب الوصیت جناب رسالت مآب آنحضرتؐ کا اپنا خرقہ جناب اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو سونپا اور حضرت عمرؓ نے جناب اویسؓ کو دیکھا کہ وہ اُونٹوں کے بالوں سے بُنی ہوئی گڈری اوڑھے۔ برہنہ سر اور برہنہ پا ہیں۔ اور دونوں عالم کی تونگری کو اپنی گدڑی میں چھپائے ہوئے ہیں۔ تو اپنی خلافت اُنہیں حقیر معلوم ہوئی''۔

اب قارئین سوچیں کہ کل بیس سال پہلے رسولؐ اللہ کی آنکھ بند ہوئی تھی کہ اُمت یہ بھول گئی کہ آنحضرتؐ خود خرقہ پہنتے تھے۔ اور یہ بھی فراموش کر دیا کہ مسلمانوں کے ایک عظیم الشان حاکم کی موجودگی میں آنحضرتؐ کا خرقہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے جنابِ اویس رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ یہی وہ پہلے دَور کے عظیم الشان صوفی ہیں۔ جو جناب ابوذر رضی اللہ کے بعد حضرت علی علیہ السلام پر قربان ہو گئے۔ جنگ صفین میں ان کے آنے کا منظر یوں لکھا ہے کہ:۔

۔''پس ایک مرد آیا جو صوف کے پرانے کپڑے اوڑھے اور سر منڈائے ہوئے تھا۔ پس اُس نے قتل ہونے کیلئے حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یہ اَویس قرنی ہیں''۔ (مجالس المومنین علامہ شوستری شہید ثالث صفحہ 412)

(ید۔14) اونی لباس آئمہ علیہم السلام کا پسندیدہ لباس تھا

اونی لباس اور خرقہ کی بات ہو رہی ہے تو یہ بھی سُن لیں کہ ہماری کتاب فروع کافی میں خرقہ اور اونی لباس ہمارے آئمہ علیہم السلام کا لباس ہوا کرتا تھا۔ جب کہ اہل خلاف اُس لباس سے کراہت کرتے تھے ملاحظہ ہو:۔

> رَاَیْتُ اباعبداللّٰه علیه السلام وعلیه قمیص غلیظٌ خَشَنٌ تحت ثیابه وفوقها جُبَّةُ صوف وفوقها قمیص غلیظٌ فَمَسَسْتُهَا فَقُلْتُ جَعَلْتُ فداک اِنّ النَّاسَ یَکْرِهُونَ لباس الصوف . فقال کَلّا کان ابی محمد بن علی علیه السلام یَلْبَسُهَا وکان علی بن الحسین علیه السلام یلبسها . وکانوا علیهم السلام یلبسون اَغلظ ثیابهم اذا قاموا الی الصلوة ونحن نفعل ذلک۔
> (فروع کافی جلد 6 صفحہ 4 کتاب الزی والتجمل)

ابن کثیر الخزاز اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ اُن کے والد نے جناب جعفر صادق علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا کہ وہ جناب ایک موٹی قمیض پہنے ہوئے ہیں۔ اور اُس کے اُوپر ایک اُون کا جُبّہ ہے اور جُبّہ کے اُوپر پھر ایک موٹے کپڑے کی قمیض ہے میں نے اُن سب کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا اور کہا کہ میں قربان جاؤں لوگ تو بڑے یقینی طریقہ پر اُون کے لباس کو ناپسند اور مکروہ سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ قسم بخدا ہرگز مکروہ نہیں ہے۔ میرے والد جناب محمد باقر علیہ السلام اُون کا جُبّہ

(یعنی خرقہ) پہنا کرتے تھے۔اور جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی ہمیشہ اُون کا خرقہ پہنا ہے۔اور وہ تمام حضرات جب نماز پڑھتے تو ضرور ہی بہت موٹے چھوٹے اور کھردرے لباس پہنا کرتے تھے۔اور ہم بھی اُسی پر عمل کرتے ہیں''۔

یہاں تک یہ معلوم ہو گیا کہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے مسلمانوں کی تطہیر کیلئے شعبہ تصوّف اور دیگر شعبہ جات کو با قاعدہ منظّم کیا۔اور آئندہ آنیوالے ادوار کے لئے نظام قائم کیا۔اور آئمہ اثناعشر علیہم السلام نے ہمیشہ تحریک تصوف کی تائید وراہنمائی کی ہے۔جس طرح بعض حالات میں بعض بدکردار مسلمانوں اور مومنین کی مذمت کی ہے اُسی طرح بعض غلط کار صوفیوں کی بھی آئمہ علیہم السلام نے مذمت کی ہے۔لیکن پالیسی کی حیثیت سے اُن حضراتؑ نے شعبہ تصوف کو ہمیشہ مضبوط کیا۔اور کیوں نہ کرتے جب کہ یہ تحریک ہی اُنکی طرف سے اُنکے احکام وہدایت کے ماتحت تھی۔البتہ اس انڈرگراؤنڈ تحریک کی مخالفت جب بھی ہوئی اور جس نے بھی کی وہ آئمہ اثناعشر علیہم السلام کا مخالف محاذ تھا خواہ مخالف محاذ کا لیبل (Label) کچھ بھی رہا ہو۔

37۔ تحریکِ تصوف کی مخالفت اور موافقت

یہ امر تاریخ سے ثابت ہے کہ شعبۂ تصوف دوسو پچاس ہجری تک نہایت کامیابی سے کام کرتا رہا۔اور اُس نے مخالف محاذ کے تمام اَوّلین اور اساسی اصولوں کو توڑ کر اُمت کے افراد کو جمود سے نکالا۔فکری آزادی پیدا کی ،عقیدۂ جبر کو پاش پاش کر دیا۔ظالم کو ظالم اور مظلوم کو مظلوم کہنے کی جرأت پیدا کی حکومتوں کے فرضی تقدس کو بے نقاب کیا۔غریب وامیر سرمایہ دار و ناداری کو تقدیر کے پردوں سے باہر نکالا۔حصولِ تقربِ خداوندی کی مثالیں قائم کیں ،بے نتیجہ اور ریاکارانہ عبادتوں کو لوگوں کی نظروں میں واضح اور ذلیل کیا۔یعنی حقیقی اور مصنوعی اسلام کو الگ الگ کر دیا۔نبوت ورسالت وامامت وخلافت وحکومت و ملوکیت کے مقامات واضح کئے۔کثرت کے دلیل حق ہونے کو باطل ثابت کیا۔حق پرستوں کی قِلّت کو قابل فخر بنایا غلط الزامات اور اتہامات کو باطل کیا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے فخریہ انداز میں مخالف محاذ پر طنز کیا اور وہ بات کہہ دی جس کو گالی کے طور پر جاری کیا گیا۔گالی کی طرح سُن کر چپ رہا گیا جو بدعتی ،ملحد، مُرتد، فاسدالعقیدہ قسم کی سینکڑوں گالیوں کا نمائندہ ایک ہی لفظ تھا۔اُس پر امام نے فخر کیا اور فرمایا کہ:۔

''۔ ان کان حب علیؑ رِفُضاً فلیشهد الثقلان اِنّی رافضی۔''

اگر علیؑ کی محبت رفض ہے یعنی رافضی بنانے والی چیز ہے۔تو پھر دونو جہاں سُن لیں اور گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

جہاں جھوٹ موٹ رافضی کہہ دینے پر قتل واجب تھا۔اور جسکے خلاف جھوٹی سچی گواہی گذر جاتی کہ فلاں شخص رافضی ہے تو اُسے قتل کرنا واجبات میں سے تھا۔اُس کے خاندان واموال کو لوٹنا تباہ کر ڈالنا اسلام کی خدمت بن گئی تھی۔وہاں امام شافعی کا یہ اعلان

اس محنت وخدمت کا اعلان بھی ہے جو شعبہ تصوف نے کی تھی۔اور کمال یہ تھا کہ اپنے خلاف کوئی باقاعدہ محاذ وجود میں نہ آنے دیا۔

(الف) دائرہ المعارف کی رُو سے جناب حسن بصری کے زمانہ میں خارجی فرقہ کے لوگوں نے چند زبانی اعتراضات کی صورت میں حسن بصری کی مخالفت کی تھی جو بے توجہی کی بھینٹ چڑھ گئی۔اوراس کے بعد صوفیائے کرام بلامزاحمت اپنے مشن میں کامیاب ہوتے چلے گئے۔

(ب) تیسری صدی میں مخالفت نے سر اُٹھایا

صوفیاء کی تبلیغ واشاعت سے تیسری صدی تک تحریکِ تَشَیُّع کا سطحی محاذ کافی سہولتیں حاصل کر چکا تھا اور مذہب اثنا عشریہ کی مکمل صورت سامنے آچکی تھی۔تمام عقائد واصول رفتہ رفتہ احاطۂ تحریر وتقریر میں آچکے تھے اور مخالف محاذوں کی طرف سے بھی کافی تائید وتصدیق ہو چکی تھی۔اور اُس کا اثر ونفوذ ملک کے اندر اور باہر کے ممالک میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔اور یہ بات کھلنے اور سمجھ میں آنے لگی تھی کہ شعبہ تصوف دراصل تحریک تشیّع ہی کا چھوٹا بھائی یا زیر پردہ ایک شعبہ ہے۔اس لئے مخالف محاذ کے دانشور مجتہدین ومتکلمین ومحدثین ومورخین خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔انہوں نے دیکھا کہ چاروں طرف سے تصوف وتشیّع یلغار کرتا بڑھتا چلا جارہا ہے۔اس لئے لازم ہو گیا کہ دانشوروں کا تبادلہ کیا جائے۔چنانچہ تصوف کا خرقہ،عبا قبا، عمامہ ودستار مخالف دانشوروں کی زد میں آگئے۔چابکدست وماہر افراد لعنت وتبرا کو سہارا بنا کر شعبہ تصوف اور تشیّع میں پناہ گزین ہوئے۔اعتبار واعتماد حاصل کیا،اجازہ وخرقہ لیا اور دونوں شعبوں میں تخریب شروع کی۔یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے تقویٰ اور تقیہ کی تحقیر کی اور عوام الناس کو متنفر کرنے کے لئے ہر اُس فرد پر تبرا اور لعنت شروع کر دی جو عوام میں معزز تھا۔عوامِ شیعہ نے اُن کو شیعہ سمجھا اور سمجھا کہ دراصل وہی شیعیت کی خدمت کرنے والے ہیں۔چنانچہ اُن دوست نما دشمنانِ اسلام نے پبلک میں از سرِ نو تعصب اور نفرت کی آگ سلگا دی اور آج تک وہ لعنت وتبرا کو بطور حربہ استعمال کرتے رہے ہیں۔آئمہ اثنا عشرؑ نے اِس قسم کے لوگوں کو اپنا دشمن قرار دیا ہے۔اُن کی شناخت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام دینی ودنیاوی اعمال واقدامات اور کاروبار میں عملی طور پر اُن ہی کے متبع اور پیروکار ہوتے ہیں۔مگر نفرت پھیلانے اور مقاصد محمدؐ وآل محمدؐ کو تباہ کرنے کے لئے زبانی لعنت وتبرا کر کے ظاہری برأت کا اظہار کر دیتے ہیں۔مثلاً انجمن سازی،پارٹی بازی،ادارہ وکانفرنس نوازی،گورنمنٹ کے خلاف احتجاج کی کنوینشنوں وغیرہ میں طریقہ الیکشن پر عامل لیکن زبانوں پر مدح اہل بیتؑ،شراب نوشی اپنے وقت پر،رشوت خوری اوقاتِ کار میں،بیکار اوقات میں چلتے پھرتے،منبروں پر فضائل محمدؐ وآل محمدؐ،تاکہ روٹی اُنؑ کے نام پر کمائیں اور خرچ ابلیس کے محاذ پر کریں۔نکاح اُنؑ کے نام سے پڑھیں،خطبہ اُنؑ کے نام کا دیں،مگر پوجا وتائید بتوں کی کریں۔اور سنئے کہ شعبہ تصوف کی مخالفت کی ابتداء سے پہلے یعنی 255ھ تک شیعوں میں لفظ مجتہد اور اجتہادی غلطی ایک گالی ایک لعنت اور ایک مردود اصطلاح

تھی ۔لیکن تیسری صدی ہی وہ صدی ہے جس میں اِس مردود وطرید کو ہمارے مذہب میں شیعہ بنا کر، عبا قبا اور عمامہ پہنا کر، لعنت وتبرا کے ہار سے سجا کر اور قیاس واستصحاب واستحسان سے تیار کردہ عصا کے سہارے مسندِ آئمہ معصومین علیہم السلام پر رونق افروز کردیا گیا۔ اِس کے بعد اِس گروہ نے جس قدر ممکن ہوا تصوراتِ محمدؐ وآلِ محمدؐ میں تخریب کی۔ ایک خاطی قیادت نے معصومؑ قیادت پر قبضہ کرلیا۔ اور کسی نے انبیاءؑ وآئمہ علیہم السلام کو خطا ونسیان کا نشانہ بنایا کسی نے اُن کی بیعت وتقیہ کی غلط داستانیں لکھیں، کسی نے ناسخ ومنسوخ کی آڑ میں مقید ومطلق وعام وخاص کے پردوں میں آیات واحادیث کا رخ موڑا۔ یہ اُن ہی حضرات کی کارکردگی ہے کہ مخالفین کو اعتراضات کے لئے مواد ملا۔ آج مذہب پر جس قدر اعتراضات ہوتے ہیں۔ دراصل وہ اعتراضات مذہب پر نہیں بلکہ اُن لوگوں کے مخترعات وعقائد وتحریرات پر ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کے اندر یہ خاطی قیادت اور نظام اجتہاد، لعنت وتبرا کا مستحق ہے۔ جو شخص اُن سے تبرا نہیں کرتا اور اُن کی اتباع وتقلید کرتا ہے وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر محمدؐ وآلِ محمدؐ یا دوازدھم امام علیہم السلام کا شیعہ اثنا عشری نہیں ہوسکتا۔ ہمارے یہاں لعنت وتبرا کے معنی لُغت کے عین مطابق ہیں۔ یعنی تخریبی منصوبہ سازوں کو اُن کے منصوبے کے نتائج سے محروم کرنا لعنت ہے۔ اور تخریب کاروں کے طرزِ عمل سے بیزار رہنا تبرا ہے۔ جو عملاً یہ کام نہیں کرتے اور زبان سے بکواس کرتے ہیں وہ پہلی صدی کے اُن دشمنانِ اسلام کے ساتھ شمار ہوں گے۔ جنہوں نے علیؑ وخاندانِ علی علیہم السلام پر اِسی بکواس کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور آئمہ اہل بیتؑ اور اُن کے شیعوں نے محبت واحترام کے ہتھیاروں سے دشمنوں کے مقاصد کو تباہ کردیا اور آخر تمام اُمت اُن تبرا بازوں سے بیزار ہوگئی۔ بہرحال تیسری صدی میں تصوف وتشیع کے خلاف داخلی اور خارجی دونوں دشمنوں نے اندر وباہر محاذ بنانا شروع کیئے۔

(ج) پالیسی کی حیثیت سے اور بہترین کارکردگی کے لئے ہر زمانہ کا معصوم امامؑ ہر تحریک سے علیحدگی کا اظہار کرنے کو لازم سمجھنے پر مامور تھا۔ نہ وہ تیغ بکف محاذ کی مدح وثنا کھل کر کرسکتا تھا نہ شعبہ تصوف سے باقاعدہ تعارف مفید تھا۔ اس لئے عوام شیعہ وعلماء حقیقت واقعیہ سے لاعلم تھے۔ مخصوص علمائے شیعہ اور اُن کے زمانہ کا امام علیہ السلام تمام شعبوں سے واقف ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ تمام علمائے شیعہ جو تصوف کے حق میں رہے ہیں وہی علماء ہیں جو صاحبانِ کرامات ومعجزات ہیں۔ اور تصوف کی مذمت کرنے والے کم ازکم جاہل ورنہ دشمنانِ مذہب شیعہ ہیں۔ کچھ ایسے علماء بھی ممکن ہیں جو مغالطے میں رہ گئے ہوں۔ بہرحال لاعلمی اور مغالطہ میں رہنے والے شیعہ ہوں یا سنی اللہ کے یہاں معاف ہیں۔ گمراہی کا کھلا حکم صرف علماء پر عائد ہوتا ہے عوام پر نہیں۔ اس لئے کہ علماء اگر خلاف ورزی کرتے ہیں تو علم کے بعد کرتے ہیں اور عوام لاعلمی میں خلاف ورزیاں کرتے ہیں۔ اور اُن کی خلاف ورزی بھی اُن کے علماء کے بہکانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(د) دائرۃ المعارف کی رو سے مخالف محاذ کا تشخّص

مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ حکومتوں کو صوفیاء کی طرف سے کوئی خطرہ نظر نہ آتا تھا۔ اس لئے کہ یہ لوگ حکومت کے غیر عادلانہ رویے کے خلاف کسی کھلے ردِعمل کا اظہار نہ کرتے تھے۔ لیکن فقہا اور متکلمین کو یہ امر ذرا نا گوار گذرتا تھا کہ لوگ آپس میں محاسبۂ نفس کا ذکر و تدارک کریں۔ اور ایک باطنی عدالت میں خود فیصلے صادر کرلیا کریں۔ اُن کے نزدیک شریعت تو محض ظاہری اعمال پر محاسبہ کا حکم دیتی ہے اور یہ لوگ ظاہری خلاف ورزی سے پہلے ہی لوگوں کو سنبھال لیتے ہیں۔ اور فقہا کو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہنا پڑتا ہے۔ اسلام نے تو نفاق اور منافق کے لئے کوئی سزا تجویز نہیں کی۔ مگر یہ لوگ نفاق ہی کو مٹاتے جا رہے ہیں لہٰذا فقہا نے کہا کہ:۔

۔''جس زندگی کی بنیاد صوفیہ کے طریق عمل پر ہو اُس کا انجام بالآخر کجی اور گمراہی پر ہوگا۔ کیوں کہ صوفیا کے نزدیک نیت عمل سے مقدم ہے اور سنت فرض سے مقدم ہے۔ دوسرے الفاظ میں عمل شریعت کی لفظی پابندی سے بہتر ہے اور اطاعت کا جذبہ واطاعت ریا کارانہ عبادت سے بہتر ہے۔

(ہ) پھر لکھا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں فرقہ ہائے امامیہ (زیدیہ۔ غلاۃ اور اثنا عشریہ) نے تصوف کے ہر میلان کی مذمت اس بنا پر کی کہ اُن کے نزدیک تصوف مومنین کے سامنے ایک طرح کی غیر معمولی زندگی کی کیفیات پیش کرتا ہے اور وہ آئمۂ دوازدہ سے توصل جوئی اور تمسک بامامت کے بجائے حالت رضا و تسلیم میں لگ جاتے ہیں''۔

(و) اہل سنت کی ابتدائی صورت حال مخالفت میں

۔''اہل سنت والجماعت نے صوفیہ کے خلاف اپنا طرزِ عمل ظاہر کرنے میں شیعوں کے مقابلے میں آہستگی سے کام لیا ہے۔ علاوہ ازیں تصوف کو مطعون کرنے میں وہ کبھی بھی سب کے سب متفق الرائے نہیں ہونے پائے ہیں۔ سُنیوں کے صرف دو گروہوں نے تصوّف کو ہدفِ ملامت بنایا ہے۔ ایک تو قدامت پسند حشویہ نے امام احمد بن حنبل کو اس وجہ سے موردالزام ٹھہرایا کہ تصوف ظاہری عبادت کے مقابلہ میں مراقبہ پر زور دیتا ہے۔ اور روح کیلئے ذاتِ خداوندی سے براہ راست ذاتی تقرّب یا خلّت کی راہیں نکالتا ہے اور اسکے بعد شرعی پابندی سے آزاد کردیتا ہے۔ احمد بن حنبل کے شاگردِ خاص حشیش اور ابوزرعۃ نے تصوف کو زنادقہ کے کفر والحاد کی ایک شاخ الرُّوحانیت میں شمار کیا ہے۔ مخالفوں کا دوسرا گروہ جو معتزلہ اور ظاہریوں پر مشتمل ہے۔ مگر حقیقت میں اہل سنت والجماعت نے معتدل تصوف کو کبھی اسلام سے خارج نہیں کیا۔ بلکہ وہ ہمیشہ عملی اخلاق اور عبادات کے معاملے میں ابن ابی الدنیا متوفی ۲۸۱ ہجری کے چھوٹے چھوٹے رسائل اور ابوطالب مکّی 386 ہجری کی قوت القلوب اور خاص کر امام غزالی کی احیاء العلوم جیسی شاہکار تصانیف سے راہنمائی اور ہدایت طلب کرتے رہے ہیں''۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ)

یہاں تک یہ تو واضح ہو گیا کہ جن لوگوں نے شعبۂ تصوف کی مخالفت میں استقلال سے اپنے نامہ اعمال سیاہ کئے وہ تیسری صدی سے شروع ہونے والے نظام اجتہاد کے ممبران تھے اور جس محاذ کے خلاف یہ شعبہ قائم ہوا تھا اُس نے خود کو صوفیائے کرام کے ہاتھوں سونپ دیا۔ یہاں تک کہ تصوف کو سُنّی مذہب کا حتمی جز کہا جانے لگا۔ یہ تھی شعبہ تصوف کی انتہائی کامیابی لہٰذا ایک اور بیان ملاحظہ ہو:۔

(ز) ۔''تصوف اصولاً سُنّی اسلام کا لازمی جُز ہے اور بہت سے آئمہ اور فقہا خود بھی تصوف کے مختلف طریقوں سے وابستہ رہے ہیں''۔(دائرۃ المعارف)

(ح) اب اُس گروہ کا تذکرہ بھی ہو جائے جو شیعہ مجتہدین کی طرح شعبہ تصوف کے مستقل مخالف رہے ہیں سنئے:۔

۔''سُنّی عقیدے کے مسلمانوں میں سے جن افراد نے تصوف کی بحیثیت مجموعی مخالفت کی ہے۔وہ اہل حدیث ہیں''۔(دائرۃ المعارف)

38۔ صوفیائے کرام کی وہ خطا جس کی بنا پر اُن کی مخالفت کی گئی

قارئین کرام وہ بنیادی مقاصد اپنے سامنے رکھ لیں۔جن کو حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام نے دنیا کی تمام لذات اور آرام و آسائش کو تج دیا تھا۔اور پھر سوچیں کہ اُن کے مخالف کیسے لوگ ہو سکتے ہیں؟ اور اُن کے دعوائے شیعت کی کس قدر قیمت ہو سکتی ہے۔ہم بتا چکے ہیں کہ صوفیائے کرام نے دین اسلام کے بنیادی عقائد کو از سر نو قائم کیا اور عوام میں پھیلایا۔ ورنہ جس خاندان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے 36 سال بعد ہی لعنت اور تبرا شروع کرا کر مسلمانوں کے دماغ سے اُس خاندان کی عظمت نکال دی گئی تھی اور سطحی محاذ اُس عظمت کو تو کہاں واپس لاتا خود اپنی جان بچانے کے لئے شیعہ تقیہ کی چادر اوڑھے پھرتے تھے۔اور اکثر جان بچانے کے لئے اہل بیت علیہم السلام پر تبرا کر لیتے تھے۔اُن کے علماء اس کے جواز کا فتویٰ دینے پر مجبور تھے۔ اُن کی گلوخلاصی جس محاذ نے کرائی مجتہدین نے اُن ہی محسنوں کے خلاف زبان وقلم کی جولانیاں دکھائیں۔ننانوے سال تک اُن میں سے کوئی بھی اس قابل نہ ہوا کہ لعنت وتبرے کی اُس لعنت کو بند کرنے کا خیال بھی کر سکے۔جن لوگوں کی قربانیوں سے،تبلیغ سے سب کچھ ہوا۔اُن کو برا کہنے والا یقیناً بڑا ہی شقی القلب ہو سکتا ہے۔اس خاندان کی جو عظمت آخر کار تسلیم کرالی گئی وہ جناب محدث شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی زبان وقلم سے ملاحظہ ہو لکھتے ہیں:۔

(الف) ۔''سرور عالم ابتدا میں مخلوقات کی پیدائش کا سبب اور آخر میں لوگوں کے لئے واسطہ ہدایت وراہنمائی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ باطن میں روحوں کے مربیّ اور ظاہر میں اجسام کی بلندی وفراخی پوری کرنے والے......وجود کی انگوٹھی کے نگینہ اور معرفت وشہود کے نگینہ کا منقش کاری۔اعتکاف کرنے والوں کے مقصود افلاک کے مرکز۔سالکوں کے مقصد مطلوب۔ زمین والوں کے کھتّہ اور تہہ خانہ۔مکارم الاخلاق کے پیشوا۔دنیاوی ماہروں وکاملوں کی تکمیل کرنے والے۔وجود وعدم کی

منزلوں کے نگہبان۔ حدوث وقِدم کے سمندروں کی برزخ۔ ممکن وواجب کے جامع۔ طالب ومطلوب میں رابطہ۔ اللہ کی حکومت میں سب سے زیادہ عزیز (غالب) مملکت الہٰیّہ کے شہنشاہ۔ حقیقت فرد کے ظاہر کرنے والے۔ صورت رحمانیت کے مظہر۔ عالم لاہوت کی پوشیدگیوں کے سربستہ راز۔ خزانہ جبروت سے واقف ارواح ملکوت کے لئے پرواز کی قوت اجسامِ ناسوت کو بلندی وفراخی دینے والے۔ ولایت کے بانی۔ نبوت کے خاتم۔ مکمل مظہر رحمت عام۔ عقل وشعورِ اوّل۔ ازل کے ترجمان نوروں کے نور۔ بھیدوں کے بھید۔ ہادی راہ۔ خالص نور۔ حبیب اعلیٰ پاکیزگیوں کے پاکیزہ۔ تمام رسولوںؑ کے سردار رحمتؐ للعالمین حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہیں۔ آپ پر درودوسلام ہو''۔ (اخبارالاخیار صفحہ 20)

(ب) جن فضائل کو قارئین کرام نے محدث صاحب کے قلم سے دیکھا اُن میں سے اکثر کا شیعہ مجتہدین انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو نور خالص نور سمجھنا شرک وبدعت ہے۔ بہرحال یہ تصوف تھا جس نے آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ کو نظام مشاورت کے ایک ممبر اور زیادہ سے زیادہ بڑا بھائی۔ معاذ اللہ غلطیاں کرنیوالا، جذبات بشری سے دوچار وغیرہ وغیرہ بکواس سے نکالا اور لوگوں کو اُن کے صحیح مقام پر مطلع کیا۔ ثابت کیا اور منوا کر چھوڑا ہے۔ یہی سبب ہے کہ کسی زمانہ کا اور کسی مذہب کا مجتہد ہرگز صوفیا سے خوش نہیں ہوسکتا۔ صوفیا نے اُن کے باطل مذہب کے پرخچے اُڑا دیئے اور اب جناب محدث اعلی اللہ مقامہ یہ دکھاتے ہیں کہ وہ تمام صفات اور مراتب جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام میں موجود تھے۔ اور ساری کائنات کو اُن تمام فیوض سے مالامال کرنے کے لئے وہی حضرتؑ وسیلہ اور واسطہ ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

(ج) <u>مرتبہ سربراہِؑ اسلام</u>

۔''حضرت علیؑ جن سے شجرۂ علم ولایت آغاز ہونا مشہور ہے۔ اِس شجرہ سے درختِ طوبیٰ کی مانند بہت زیادہ شاخیں نکلی ہیں۔ جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہیں۔ اور پوری دنیا حضرت علیؑ کے نورِ جمال ولایت سے روشن ہوگئی۔ خاص کر رسولؐ اللہ کی اولاد والامجاد نے بحکم وراثت حقیقی اور مناسبت ذاتی ولایت کا پورا پورا حصہ اور مکمل فیض حاصل کیا۔ اور اپنی معصومیت کی بنا پر ولایت معنوی کا پرچم بلند کرتے ہوئے ظاہری ریاست دوسروں کے لئے چھوڑ دی''۔

نواب نبیؐ بملک ایں ایشانند حکّامِ ولایتِ یقیں ایشانند
ازکشتی نوحؑ و بحر موسیٰؑ گوئی مقصود مراد حق ہمیں ایشانند (اخبار الاخیار صفحہ 21)

قارئین حضرات سمجھ لیں کہ ایک سُنّی المذہب محدث ومحقق جس نتیجہ پر پہنچا ہے۔ وہ منتہائے مذہب حقہ اثناعشریہ ہے۔ یہ وہی علیؑ ہیں جن پر اُن کے خاندان سمیت تبرا ولعنت جاری رہی اور کوئی عالم یا مجتہد اُس کو نہ روک سکا۔ مگر صوفیائے کرام رضی اللہ عنہم نے آخر مقام ولایت کو منوا لیا۔

39۔ ایک شیعہ محقق کی نظر میں مجتہدین اور صوفیائے کرام

جناب اکرام اللہ صاحب نے بھی تصدیق کی ہے اور ہم بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں تحریک تشیع کی تیز رفتاری کو دو خاندانوں نے مناظرانہ تصنیف و تالیف کے ذریعے سے روکا اور رفتہ رفتہ ہمارے زمانہ تک مذہب شیعہ بے حس وحرکت ہو کر رہ گیا۔ یہ دونوں خاندان، اُدھر جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خاندان اور اِدھر جناب مولوی دلدار علی کا خاندان تھے۔ اُنکے متعلق پہلے جناب اکرام اللہ کی تمہید سُن لیں پھر اُنہی کے قلم سے ایک شیعہ محقق کا مندرجہ موعودہ بیان پڑھیں۔

(الف) ۔''مولانا سید دلدار علی اور اُن کے خاندان کی شمالی ہندوستان میں اثنا عشری خیالات کی تنظیم و اشاعت میں قریب قریب وہی حیثیت ہے۔ جو عام مسلمانوں میں شاہ ولی اللہ اور اُن کے خاندان کی ہے۔ لیکن تصوف کی جس طرح مولانا دلدار علی نے مخالفت کی اُس سے کئی شیعہ اہل الرائے متفق نہیں ہیں۔ مثلاً حیات فریاد میں سید علی محمد شاد صفوی بادشاہوں کی اُن کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے جو سیاسی اور دوسری مصلحتوں کی بنا پر اُنہوں نے تصوف کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کیلئے کیں لکھتے ہیں کہ:۔

(ب) ۔''اس شیعہ گروہ علما نے ریاضتِ متصوفین بادین و دیانت کے مٹا ڈالنے اور اُن کی جڑ بنیاد کھود ڈالنے کے لئے ایک زمانہ میں جب کہ شاہ سلطان حسین صفوی بادشاہ ایران تھا۔ اور جناب علامہ مجلسی قاضی القضات تھے۔ بارہ سو فاضل صرف اس امر کی تحقیق میں سرگرم تھے۔ کہ دریافت کریں کہ کون الہیات و ریاضیات میں مشغول ہے۔ تاکہ اُسکی تردید کریں۔ علمائے ظاہر وشریعتِ محض کا نہایت سختی سے برتاؤ تھا۔ طہارتِ جسمانی کے آگے طہارت باطنی کا دھیان اور خیال تک نہ رہا تھا۔ اُن باتوں کی طرف متوجہ تھے۔ کہ یوں ہاتھ کو غوطہ دو اور یوں پاؤں کا مسح کرو اور اس قسم کے بیانوں میں بال کی کھال کھینچی جاتی۔ اصل جڑ طہارتِ باطن و صفائی قلب کے خیال کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ ہندوستان کی شیعہ جماعت تو تابع اور شاگرد علمائے عراق وایران کے ہیں۔ یہی حالت ہندوستان بھر کے شیعوں کی ہو گئی۔ کہ باطنیت کا کہیں نام تک نہیں رہا۔ بقول جناب آقا احمد مجتہد بہبہانی کے شاخ کو پکڑ لیا اور جڑ کھود ڈالی۔ جس زمانہ میں جناب غفران مآب مولانا سید دلدار علی مغفور تحصیل علومِ دینی کے لئے عراق تشریف لے گئے تھے۔ علمائے باطن میں سے ایک بھی عراق وایران میں نہ تھا اور اگر کوئی ہوگا۔ تو بالکل پوشیدہ پہاڑوں میں چھپا ہوگا۔ حضرت غفران مآب جو سبق وہاں سے پڑھ آئے تھے۔ یہاں کے شیعوں نے طوطوں اور میناؤں کی طرح رٹنے شروع کئے۔ پھر انیس مرحوم کے اس مصرعے کو۔ ''**جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے**''۔ خلافِ شریعت کیوں نہ سمجھا جاتا؟ راقم موجودہ شیعوں کے اعتقادات کو ہرگز برا نہیں جانتا۔ جو ظاہر شرع کے مطیع و منقاد ہیں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا۔ کہ تصوف ہر مذہب کی روح اور جان ہے۔ اگر اس کو نکال دیا تو مذہب بے روح ہو کر رہ گیا''۔ (صفحہ 337-336 رود کوثر)

اس بیان میں شیعہ علماء اور اُنکے زیر اثر رہنے والی شیعہ حکومت کا صوفیوں پر تشدد آپ نے دیکھ لیا۔ اب یہ بھی دیکھ لیں کہ

صفوی بادشاہاورصفویہ خاندان خود ایک بزرگ صوفی کی اولاد اور انُہی کے نام سے منسوب ہے۔ چنانچہ دائرۃ المعارف میں لکھا ہے کہ:۔

''۔تیسری صدی تک شیعہ نقطۂ نگاہ نے مُعیّن شکل اختیار کر لی۔اور وہ یہ تھی۔ کہ تصوف قطعی طور پر ناپسندیدہ مذہب ہے۔اسکے برعکس یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گوصفوی طریقے کی بنیاد ایک سُنی بزرگ صفی الدین اسحاق متوفی 735ہجری نے رکھی تھی۔چھٹی پشت میں اُنکی اولاد یعنی صفویوں کی قیادت میں اس طریقے کے زیادہ تر افراد عالمِ اسلام کے زبردست شیعی مجاہدین بن گئے''۔(دائرۃ المعارف 435 جلد 6)

ناظرین سمجھ لیں کہ صفوی صوفیوں نے ایران میں حکومت قائم کرنے کے مواقع فراہم کیئے۔اور جب حکومت پختہ ہوگئی تو صوفیائے کرام کے تمام احسانات کو فراموش کر کے محسن کشی کو اپنا شعار بنالیا گیا۔اور صوفیوں کو ڈھونڈھ کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ بالکل یہی طریقہ اُن تمام بادشاہوں اور علماء نے اختیار کیا جو خود کو شرع اور ظواہرِ مذہب کے پابند اور متقی سمجھتے تھے۔ تصوف کو کچلنے میں شیعہ سُنّی حکومتیں اور شیعہ سُنّی علماء ہمیشہ متفق رہے ہیں۔بس شرط یہ تھی کہ وہ حکومت یا وہ علماء مجتہد ہوں۔یعنی نظام اجتہاد کا مذہب نہ سُنّی ہوتا ہے نہ شیعہ بلکہ اُن کا مذہب یہ ہے کہ وہ صوفیائے کرام کو ولایت محمدیہؐ اور ولایت علویہؑ قائم نہ کرنے دیں۔ چنانچہ جب صوفیائے کرام نے ہندوستان میں روحانی امامت وخلافت کو گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا تو شرع پسند بادشاہ اور علماء نے وہی کچھ کیا جو ایران کی صفوی حکومت نے کیا تھا۔

(ج) سلطان محمد تغلق کے صوفیا پر مظالم

۔''سلطان محمد تغلق نے حضرات صوفیاء کے خلاف جو ظلم وستم کا ہاتھ اُٹھایا اور اُن کا زور توڑنے اور شیرازہ منتشر کرنے کیلئے جو مسلسل کوششیں کیں۔ان سے بھی تصوف کو نقصان پہنچا۔اور حضرت سلطان المشائخ کے زمانے تک تصوف کو جو فروغ دھلی میں حاصل تھا۔اس کا خاتمہ ہوگیا.......................اس دور میں سلطان محمد بن تغلق کی پالیسی۔تیمور کے حملے اور دوسرے سیاسی اثرات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب وروحانیت کی شمعیں دہلی میں گل ہو کر ملک کے دوسرے حصوں میں روشن ہوئیں''۔
(آب کوثر صفحہ 392-391)

(د) اب سلطان محمد بن تغلق کا باشرع ہونا ملاحظہ کریں:۔

۔''سلطان محمد بن تغلق حکمران ہوا۔ یہ بادشاہ مورخین کیلئے ایک معمّہ ہے۔وہ قرآن مجید کا حافظ تھا۔نماز روزے کا بڑا پابند تھا۔عربی فارسی میں بہت اعلیٰ خطوط لکھتا تھا۔اُس کے سیاسی مسلک کے متعلق ڈاکٹر تاراچند لکھتے ہیں۔وہ اپنے مذہب کی پوری پیروی کرتا۔اور اُس کی خانگی زندگی بے عیب تھی۔وہ متعصب ہرگز نہ تھا۔تنگ نظر فقہا کی رائے کو بہت اہمیت نہ دیتا تھا۔ اور ہندوؤں کیساتھ اُس نے رواداری کا سلوک کیا''۔(صفحہ 401)

اور ملاحظہ ہو کہ تاریخ فیروز شاہی کا مصنف ضیاء الدین برنی لکھتا ہے:۔

> شنیدہ بودم کہ ایشاں از روئے سلامت طلبی عام و نیک خواہی دین و دنیا۔ مسلمانان گفتندے کہ در دھلی ہیچ بادشاہ ہے۔ ہمچو سلطان تغلق شاہ پائے بر سر سلطنت تنہادہ است شاید کہ بعد از اوھم ھمچو او بادشاہے بر تخت گاہ دہلی جلوہ نہ کند۔ (صفحہ 440 تاریخ فیروز شاہی)

(ہ) **مطلب یہ ہے کہ دہلی کے تخت پر** نہ اس جیسا دیندار بادشاہ بیٹھا نہ آئندہ ویسا متدین بادشاہ ہندوستان کو نصیب ہوگا۔ یہ تھا وہ متدین پابند صوم وصلاۃ، حافظ قرآن بادشاہ جو صوفیاء کو بیخ و بن سے مٹا ڈالنا چاہتا تھا ذرا اور سنئے !:۔

(و) ۔''سلطان محمد بن غیاث الدین تغلق کا پابندی مذہب کی بنا پر صوفیاء کا اثر کم کرنے اور انہیں اعلانیہ حکومت ظاہری کے تابع لانے کے لئے بڑا اقدم یہ اٹھایا کہ صوفیا کو اپنی نج کی خدمتیں سپرد کیں اور جو کوئی اُن سے گریز کرتا اس سے ہر طرح کی سختی کی جاتی۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ ہوا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مشائخ اور عالموں کو اپنی نج کی خدمتیں سپرد کرتا تھا۔ دلیل یہ لاتا تھا کہ خلفائے راشدین سوائے اہل علم اور اہل صلاح کے کسی کو کوئی خدمت سپرد نہ کرتے تھے۔ سب سے بڑا وار اُس نے سلطان المشائخ کے جانشین حضرت چراغ دہلی پر کیا۔ انہیں اپنی جامہ داری (یعنی بیرے) اور کپڑے پہنانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں جیل خانے میں ڈال دیا۔ فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ:۔

(ز) نقل است کہ بادشاہ محمد تغلق شاہ کہ بواسطہ بسیارے قتل وسیاست اُو را خونی می گفتند با درویشاں سوء مزاج بہم رسانیدہ حکم کرد کہ درویشاں بطریق خدمتگاراں خدمتم نمایند پس یکے مرا تنبول (پان) خوراند۔ دیگرے دستار بندد الغرض بسے مشائخ راخدمتے مقرر کرد۔ شیخ نصیر الدین اودھی المشھور بہ چراغ دہلی را تکلیف جامہ پوشانیدن نمود۔ شیخ قبول نہ کردہ بخشونت کشید چنانچہ شیخ را قضا دادہ محبوس ساخت......ناچار قبول آں خدمت کردہ از بند نجات یافت''۔ (تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ 399)

(ح) **متشرع اور متقی بادشاہوں یا مجتہدین کا اصل منشا کیا تھا؟**

۔''مشائخ کو اپنی نجی خدمات سپرد کرنے میں سلطان محمد تغلق کا ایک مقصد تو صوفیا کا مرتبہ کم کرنا تھا۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ رہیں۔ تا کہ انہیں اپنا نظام قائم کرنے اور اثر ورسوخ بڑھانے کا موقعہ نہ مل سکے۔ اس نگرانی ونظر بندی کے علاوہ سلطان محمد تغلق نے اس امر کی بھی بڑی کوشش کی کہ صوفیاء کو دار السلطنت سے منتشر کر دیا جائے۔ بعضوں کو تو اُس نے معتوب کر کے دہلی سے نکال دیا۔ بعض نے دوسروں کو دلیل و برہان سے دوسری جگہ جانے کی تلقین کی۔ یعنی یہاں بیٹھے کیا کرتے ہو فلاں جگہ جاؤ اور کافروں کو مسلمان کرو (آب کوثر صفحہ 405) پھر لکھا کہ:۔

(ط) **ظلم وتشدد کا نتیجہ**

۔''بادشاہ محمد بن غیاث الدین تغلق کی اس پالیسی اور ظلم وستم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی میں صوفیاء و مشائخ کا زور بہت کم

ہو گیا۔ بعض کو اُس نے ملک کے دور دراز حصوں میں بھیج دیا اور بعض واقعات کا یہ رنگ دیکھ کر خود بخود چلے گئے ۔ اس کے بعد سلطان فیروز تغلق کے عہد حکومت میں حالات کسی قدر بہتر ہو گئے ۔ لیکن فیروز تغلق بھی مشائخ سے زیادہ علما و فقہاء کا قائل تھا۔ اور اس کے زمانے میں تصوف سے زیادہ شریعت کا رواج ہوا۔ چونکہ اُس کے بعد حکومت دہلی بالکل کمزور ہو گئی اور تیمور کے حملے سے رہا سہا دم بھی نکل گیا۔ مشائخ دہلی کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر نہ بندھ سکا''۔ (آب کوثر) مسلسل لکھا ہے کہ:۔

(ی) صوفیا کی مخالفت حکومت کے اقتدار کی بقا کے لئے ہوتی تھی

۔'' سلطان محمد تغلق نے اس حد تک جو صوفیا کی مخالفت کی ہے اسکے اسباب پر بھی روشنی ڈالنا چاہئے ۔ ایک وجہ تو سیاسی ہو گی ۔ یعنی شاہی اقتدار بڑھانے کیلئے صوفیا کا اقتدار گھٹانا تھا۔ لیکن نظامی مورخین کے نزدیک بڑی وجہ بادشاہ کے معتقدات تھے''۔

آگے چل کر بتایا ہے ۔ سلطان محمد تغلق کو ملک سعید الدین نے منطقی بنایا تھا اور مولانا علم الدین نے اس پر فلسفے اور معقولات کا رنگ جما دیا تھا''۔ چنانچہ نتیجہ میں لکھا گیا کہ:۔

(یا۔11) مجتہدانہ مذہب منقولات کے خلاف تھا

۔''اور جو کوئی چیز معقولات کے خلاف ہوتی تھی ۔ وہ اُسے نہ تو سنتا۔ اور نہ ہی قبول کرتا۔ اگر معقولات فلسفہ سلطان محمد تغلق کے دل کو احاطہ نہ کر لیتے اور منقولات آسمانی سے اُسے پورا ذوق وشوق ہوتا۔ تو وہ اپنی گوناگوں خوبیوں اور اوصاف کے باوجود ہرگز ایسا نہ کرتا۔ کہ خدائی ونبوی احکام کے باوجود اور انبیاءؑ وعلما کے ارشاد کے خلاف مسلمانوں کے قتل کا حکم دیتا......اور یہ جو اُس نے اس تعداد میں علما و مشائخ سادات وصوفیا، قلندروں۔ منشیوں اور سپاہیوں کو سزا دی اس کا باعث علم معقولات کے برے اثرات اور علم منقولات کی کمی تھی''۔ (آب کوثر صفحہ 408-407)

(یب۔12) محمد تغلق فقہا کے احکام کی پابندی کرتا تھا

۔''محمد تغلق نے زیادہ تر صوفیا کو آزار پہنچایا اور علما اس کے دست تشدد سے بالعموم محفوظ رہے۔ وہ نماز پڑھنے کی بڑی سختی سے تاکید کرتا تھا۔ اور خود بھی پانچ وقت پابندی سے نماز پڑھا کرتا تھا۔ ابن بطوطہ سلطان کے دربار میں شیخ عبدالعزیز اردبیلی کی آمد اور سلطان محمد تغلق کے تعظیم وتکریم بجالانے کا ذکر کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے'' کہ:۔

(یج۔13) محمد تغلق ابن تیمیہ کی طرح تصوف کو بدعت سمجھ کر ختم کرنا چاہتا تھا

۔'' شیخ عبدالعزیز دمشق میں مشہور قاطع بدعت اور مخالف تصوف بزرگ علامہ ابن تیمیہ کے شاگرد رہ چکے تھے۔ اور عجب نہیں ۔ کہ مشائخ کے خلاف جو کوششیں سلطان محمد تغلق کر رہا تھا انہیں شیخ عبدالعزیز کی آمد سے اور تقویت ملی ہو۔ بلکہ شاید ان کوششوں میں علامہ ابن تیمیہ کی اس اصلاحی تحریک کو کچھ دخل ہو جو انہوں نے اُسی زمانہ میں شام اور مصر میں جاری کر رکھی

تھیں۔اور جن کی خبر مختلف ذرائع (مثلاً مولانا علم الدین جو مکہ، مدینہ مصروشام میں ایک عرصہ تک رہ کر دربار میں لوٹے تھے یا خود شیخ عبدالعزیز) سے معلوم ہوئی ہو"۔(آب کوثر صفحہ 416-410)

(ید۔14) صوفیہ پر ظلم وستم فقہ اور فقہا کی طرف سے ہوا تھا

۔"خلجی اور تغلق خاندانوں کی حکومت کے زمانوں میں علوم وفنون کی کتابیں ہندوستان میں کم تھیں۔اور فقہ اور اصول فقہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی"۔(رودکوثر صفحہ 162)

(یہ۔15) علمائے شریعت کے مظالم شیعوں اور صوفیوں پر شریعت کے مطابق صحیح تھے

۔"جس واقعہ پر شیخ الاسلام صدر الصدور ملا عبدالنبی سے اکبر بادشاہ کا سخت اختلاف ہوا اس میں نوے فی صد بلکہ زیادہ علما ملاجی کے ہم خیال تھے۔مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری میں شخصی کمزوریاں زیادہ تھیں۔لیکن اُن کی جس چیز کی شکایت زیادہ کی جاتی ہے۔یعنی شرعی احتساب کی شدت۔وہ بھی شرعی نقطہ نگاہ سے خوبی ہے برائی نہیں ہے۔(اب دل کی بات لکھتے ہیں) واقعہ یہ ہے کہ مہدویت کی مقبولیت۔شیعیت کی اشاعت۔شطاری اور دوسرے آزاد صوفیانہ طریقوں کی ترویج سے ملک میں جو روحانی انتشار رونما ہوا تھا۔اُس کے سدباب میں ملا عبداللہ سلطانپوری کی شرعی محتسبانہ کوششیں۔شیخ مبارک (شیعی) کی علمیت وآزاد خیالی اور شیخ کی نیک نیتی وپارسائی وخلوص سے زیادہ مفید تھیں"۔(صفحہ 99 رودکوثر)

یعنی مہدوی اور شیعہ وصوفیا کے خلاف شدت احتساب وقتل غارت شریعت کے مطابق بالکل جائز اور پسندیدہ خدمتِ دین تھی۔(خدا لعنت کرے ایسی خانہ ساز شریعت اور اُس کے متبعین پر۔آمین)

40۔ تصوف کے متعلق بُری سے بُری باتیں اور فقہا کی اچھی باتیں

(الف) شیعہ سُنّی فقہا اور مجتہدین کے نزدیک ہر وہ کلمہ گو راندۂ درگاہ ہے جو اُن کی طرح یا اُن کی کھوپڑی سے نہ سوچتا ہو۔ جسے اُن سے ذرہ برابر بھی اختلاف ہو۔

(ب) ہر وہ کلمہ گو جو کسی وجہ سے شراب پیتا ہو، چرس پیتا ہو، بھنگ پیتا ہو، تارک الصلاۃ ہو، زانی ہو، جواری ہو، بدعتی ہو، مشرک ہو، کافر ہو، زکوٰۃ نہ دیتا ہو، آزاد خیال ہو گردن زدنی ہے۔یعنی ایسے ہر آدمی کا قتل اُن برائیوں کا علاج ہے۔

خس کم جہاں پاک۔

(ج) ہر وہ شخص جو پابند صوم وصلاۃ ہو، تہجد گذار ہو، صورت شکل اور لباس شرع کے مطابق رکھتا ہو۔عالم علومِ دینیات ہو، صادق القول ہو، ایفائے وعدہ کرتا ہو۔حقوق اللہ وحقوق عباد ادا کرتا ہو، لیکن علیؑ کو خلیفہ بلافصل مانتا ہو۔خواہ روحانی طور پر یا

جسمانی طور پر یا دونوں طرح۔ وہ زندیق ہے، ملحد ہے، بدعتی ہے اور واجب القتل ہے۔

ہمارے اِس الف، ب اور ج پر ہزاروں فتاویٰ اور مثالیں موجود ہیں۔ اس کے برعکس صوفیاء کرام کا عملدرآمد یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تشدد سے ہرگز اصلاح نہیں ہوسکتی۔ نفرت اور تعصب کا اظہار اور اعلان؛ قلوبِ بنی نوع انسان میں نفرت، ضد اور سرتابی وسرکشی کے علاوہ کچھ اور پیدا نہیں کرتا۔ اپنی پاکیزگی و پارسائی کا ڈھنڈورا لوگوں کے کانوں اور دماغوں میں زہر گھول دیتا ہے۔ وہ دین میں زبردستی کو حرام اور مضر سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انسان پیدائشی مجرم اور گناہ گار نہیں ہے۔ اُسے اُس کا ماحول بلکہ یوں کہو کہ پارسا لوگ اور دین کے ٹھیکیدار مجرم بناتے ہیں۔ اُس کے فطری حقوق پر ڈاکہ ڈال کر اُسے بُرے طریقے اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ ہر انسان سے ہمدردی ومحبت کا برتاؤ غیر مشروط طور پر کرتے ہیں۔ وہ شرابیوں، چرسیوں، زانیوں، جواریوں سے بھاگتے نہیں۔ بلکہ وہ اُن برسوں پُرانی عادتوں کو نہایت حسین طریقے پر بتدریج چھڑا دینا چاہتے ہیں۔ وہ زانی کے لئے جائز جنسی تعلق فراہم کرنے میں کوشاں ہوتے ہیں۔ وہ بیس سال پُرانے عادی شرابیوں اور حرام خوروں کو ایسا نسخہ دیتے ہیں کہ رفتہ رفتہ بُری عادتیں چھوٹ جائیں۔ چندروز شراب پینے دیتے ہیں، جوا کھیلنے دیتے ہیں۔ اگر یہ بات انہیں یاد نہ ہوتی کہ اُن کا محبوب رسولؐ چالیس سال ایک اور تیرہ سال ایک کیسے معاشرہ میں رہا، کس طرح رہا۔ کب حرام وحلال کے مسائل بیان کئے۔ کب نماز کا حکم دیا تو وہ بھی فقہا کی طرح ایک دم آسمان سے وحی بن کر نازل ہوتے اور مخلوق خدا کو بجلی کی طرح جلا کر خاک سیاہ کر ڈالتے۔ یہی سبب ہے کہ مورخین ومحدثین تک پہلے دَور کے لوگوں نے آنحضرتؐ کے تمام اُن حالات کو نہ پہنچایا جو تعمیر وتخلیق قلوب سے متعلق تھا۔ جس میں **رحمۃ للعالمین** خالص رحمت تھے۔ جس دور میں سرکارؐ دوعالم شرابیوں، جواریوں اور زانیوں کے مجمعوں اور جلسوں میں بیٹھتے اور اپنے اخلاق حمیدہ وپسندیدہ سے قلوب میں محبت اور اذہان میں عزت وامانت ودیانت کا بیج بو رہے تھے۔ اگر وہ اِن مقدس فقہا کی طرح ہوتے تو بو یا بدبو سے بھاگتے۔ منہ میں رومال رکھ کر دق کے مریض کی طرح ملتے۔ ناک بھوں چڑھا کر اُبکائیاں لیتے ہوئے لعن طعن کرتے۔ اور آج جس نفرت انگیز کردار کی بنا پر فقہا ومجتہدین قوم واقوام میں گالی بن کر رہ گئے۔ جس طرح اِن سے ہر دردمند دل متنفر ہے وہ حضورؐ بھی اپنے خلاف جذبہ نفرت پیدا کر لیتے مگر وہ نہ فقیہ تھے نہ مجتہد تھے۔ وہ تمام نوع انسانی کے رحمدل شفقت سے بھرپور والد تھے۔ آپؐ کو اُن کافروں، ملحدوں، زندیقوں اور سرکشوں کو رقتِ قلب عطا کرنا تھی۔ اُنہیں زمین سے اُٹھا کر آسمان تک بلند کرنا تھا۔ اُن کو ایسا بنانا تھا کہ حضورؐ کی جوتیوں کے لئے اپنی کھال پیش کریں۔ اپنی اولاد قربان کریں اور خوش ہوں جو کثرتِ فقہا وریاکارانِ اُمت کے مقابلے میں اَنا الحق (میں مجسمہ حق ہوں) کہنا نہ چھوڑیں۔ اور حق کے تحفظ میں دار ورسن سے نہ ڈریں۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم ایسی جماعت تیار نہ کرتے تو ہر منافق مومن کہلاتا رہتا۔ ہر ریاکار سربراہِ مومنین بنتا چلا جاتا۔ ہر نماز پڑھنے والا مقدس اور پارسا بنا رہتا اور اسلام کو قطعاً ختم کر دیا جاتا۔

(ب) یہ طرزِ عمل، یہ پیارا ماحول اور یہ رواداری اور عاقبت اندیشی کا ماحول تھا جو تمام قسم کے لوگوں کو جذب کر رہا تھا۔ اِس ماحول اور اِس کی کارکردگی کو تباہ کرنے کے لئے شرع اور خود ساختہ تصورات کی آڑ لی گئی اور کہا گیا کہ:۔

(1) صوفیا کے آس پاس شرابیوں چرسیوں اور بدکاروں کا مجمع رہتا ہے۔

(2) صوفیا کے یہاں گانے بجانے اور ناچنے اور دیگر لہو ولعب کی عام اجازت ہے۔

(3) یہ لوگ نہ نماز کی پابندی کرتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں، نہ حج کرتے ہیں نہ زکاۃ دیتے ہیں، ڈاڑھی بھی نہیں رکھتے۔ لباس میں شرع کا لحاظ نہیں کرتے۔

(ج) ہم بلاخوف وخطر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تمام الزامات واتہامات بالکل اور سو فیصد صحیح ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا بدکاروں کا انبوہ صوفیائے کرام نے کہیں آسمان سے اُتار لیا تھا؟ کیا اُنہوں نے چھومنتر سے بدکردار انسان تخلیق کر لئے تھے؟ حضور یہ تو پہلے سے دُنیا میں موجود تھے، موجود رہتے چلے آئے اور موجود رہتے چلے جائیں گے۔ آج بھی اُن ہی کی کثرت ہے۔ نزول قرآن کے دور میں اور بعد کے ادوار میں بھی وہی زیادہ تھے۔ اور کیا آپ کے نظامِ اجتہاد نے اُن کو ختم کر دیا ہے؟ کیا صدیوں تک کروڑوں انسانوں کو بے دریغ قتل کرتے رہنے کے بعد بھی آپ انہیں ختم کر سکے؟ پھر آپ کو کیا خطرہ تھا؟ جب وہ موجود ہیں ہی، خواہ صوفیا کے حلقوں میں ہوں، یا بادشاہوں کے درباروں میں ہوں۔ اِس سے کیا فرق پیدا ہوا یا ہو سکتا تھا؟ آپ اگر عوام کو دیکھ کر لاحول نہ پڑھتے، پیار ومحبت سے پیش آتے تو وہ آپ سے نہ بھاگتے۔ بداخلاق اور شقی القلب (فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ 3/159) آپ خود ہیں شکوہ اور عتاب صوفیائے کرام پر ہے۔ تم اسلامی تاریخ میں اپنے گروہ کا ایک مشہور فقیہ ایسا پیش نہیں کر سکتے جو تصوف کا دشمن اور اسلام پر فدا ہو گیا ہو۔ اور تم فقہاء کے ذریعہ سے تیار کردہ ایک ایسا شخص نہیں بتا سکتے جو تمہارے نظام پر قربان ہو گیا ہو یا جس نے اُمت محمدیہ اور بنی نوع انسان کے لئے قربانی جان ومال دی ہو۔

قارئین کرام یہ چیلنج قطعاً معمولی سا ہے۔ یعنی ایک خالص فقیہ اور ایک خالص فقہا کی تقلید کرنے والے کا نام پیش کر دینا نہایت آسان ہے۔ مگر افسوس! کہ اس طویل ووسیع تاریخ میں جس تاریخ کو خود ان ہی کی سرپرستی حاصل ہے، اس تاریخ میں اگر ایک نام بھی فداکاری کے لئے نہ ملے تو کیا یہ نظامِ فقاہت واجتہاد وخانہ ساز شریعت کے رہنماؤں کے لئے ڈوب مرنے کی بات نہیں ہے؟ پھر ہم اسی کتاب میں وہ فقہا ومجتہد پیش کریں گے جو خود شراب پیتے تھے، رشوتیں لیتے تھے، زکوٰۃ

نہ دیتے تھے۔ ذرا سے خطرۂ جان پر معافیاں مانگتے تھے، زروجواہر کے انبار جمع کرر کھے تھے، جھوٹی قبریں بنا کر اُن میں سونا چاندی دفن کرر کھا تھا اور واجب وفرض ہوتے ہوئے حج نہ کرتے تھے۔ یعنی بدکاری اور بدکاروں کا علاج و تدارک تو کیا کرتے خود بدکردار و دشمنانِ اسلام تھے۔ اب سوچئے کہ ایسی صورت میں صوفیائے کرام نے اُن ہی بدکاروں اور فقہا کی درگاہوں سے راندہ و خارج شدہ لوگوں میں کیسے کیسے فداکار اور دین کے جان نثار پیدا کئے۔ اُن سب کا پہلا کام یہ تھا کہ وہ بدکاروں کو سہارا دیں، شفاعتِ محمدؐ وآل محمدؐ کا یقین دلائیں۔ اللہ و رسول وآل رسول علیہم السلام کی محبت اُن کی قربانیوں اور جانفروشیوں کا احترام پیدا کریں۔ یہ محبت اور احترام رفتہ رفتہ دلوں میں بدکاری سے نفرت پیدا کرتا تھا۔ یہ محبت محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے دشمنوں کے خلاف جذبہ نفرت و بغاوت پیدا کرتی تھی۔ اور یہ خطرہ تھا فقہا اور مجتہد کے نظامِ حکومت کو۔ اس سے بچنے کا جو علاج کیا گیا وہ شریعت کے نام پر بے تحاشا قتل عام تھا۔ اور یہ خطرہ جہاں شیعہ مجتہدین کے لئے موجود تھا وہیں سُنّی مجتہدین بھی محفوظ نہ تھے۔ اس لئے دونوں نے جب اور جہاں اور جس طرح ہوسکا صوفیائے کرام کو تباہ کرنے میں کوئی کمی نہ کی۔ شیعہ مجتہدین جانتے تھے کہ صوفیاء خالصتاً محمدؐ وآل محمدؐ کا پرچار کرتے ہیں اور اہلبیتؑ کے لئے قلوب واذہان کو تیار کرتے ہیں۔ مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ صوفیائے کرام کے ایک اشارہ پر اُن کا نظام حکومت اور خاطی قیادت نیست و نابود ہوسکتی ہے لہٰذا ہر مجتہد تصوف کا دشمن ہوتا ہے۔

41۔ عرب سے باہر تحریک تشیّع و تصوف

(الف) قارئین کرام دیکھ چکے ہیں کہ تحریک تشیّع اور شعبۂ تصّوف بلا مزاحمت اڑھائی سو سال تک کامیابی سے آگے بڑھتے رہے۔ تیسری صدی کے اختتام کے قریب شیعہ اثنا عشری عوام پر نظام اجتہاد کا حملہ شروع ہوا۔ اور یہیں سے شیعہ مجتہدین نے تصوف کے خلاف محاذ آرائی شروع کی جو برابر جاری رہی۔

(ب) 11ھ ہجری سے لے کر حجاج بن یوسف کے دَور تک وہ تمام حالات سامنے آچکے ہیں جس میں حکومت کے مخالف محاذ کو ملک میں کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ لوگ حالات کے ماتحت خود بھی جلاوطن ہورہے تھے اور حکومتیں بھی لوگوں کو دُور ونزدیک کے علاقوں اور ملکوں میں جلاوطن کررہی تھیں۔ اُدھر یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دعویٔ نبوت سے کہیں بہت پہلے ہی سے عرب تاجر دُنیا بھر کے ممالک میں تجارت کرتے تھے۔ اور اُن میں سے اکثر لوگ دوسرے ممالک میں مستقلاً قیام پذیر تھے تاکہ تاجروں سے تعاون جاری رہے۔ ہم ہندوستان کے متعلق جانتے ہیں کہ یہاں سواحل ہند کیساتھ ساتھ عرب نوآبادیاں تھیں یا دو دو چار چار خاندان رہتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ تمام مخالف افراد نے جب دوسرے ممالک کا رُخ کیا تو بہت سے مسلمان ہندوستان بھی پہنچے۔ 11ھ سے جلاوطنی کا سلسلہ شروع ہوا۔ فرداً فرداً گروہ درگروہ مجبوراً اور عمداً مسلمان عرب

سے نکلنے لگے۔اور جہاں جس کیلئے موزوں ہوا سکونت اختیار کرتے گئے۔اور جو جہاں گیا اُس نے وہاں اپنا مسلک کھل کر یا جس طرح مناسب ہوا جاری کیا۔اور یوں حکومت کا مخالف محاذ دنیا میں پھیلنا شروع ہوا۔اور اسلام کے صحیح عقائد کا پُر اَمن اِجرا ہوا۔اور اسلام کے نام پر ظلم وستم اور قتل عام اور جبراً اشاعت اسلام کی مذمت اور ظالموں سے نفرت اور مظلوموں سے تعارف ومحبت کا آغاز ہوا اور ساری دنیا میں پھیل گیا۔اس پھیلاؤ کو روکنے کیلئے عرب سے باہر کے ممالک پر حملے شروع ہوئے۔

42۔ عرب سے ہجرت کرنے والے صیغہ راز میں

عرب کے وہ تمام حالات آگے بڑھنے سے روک دیئے گئے تھے جو حکومتوں اور مجتہدوں کی پالیسی کے لئے مضر تھے۔ جہاں اُنہوں نے اپنے رسولؐ کے چالیس سال کے حالات منظر عام پر آنے سے روک دیئے وہاں یہ کیسے ممکن تھا کہ اپنے مخالفوں کے حالات کو آگے بڑھنے دیتے۔یہ تو محض تحریک تشیّع کا احسان اور انتظام ہے کہ کچھ نہ کچھ ہم تک آ پہنچا۔جب کہ عرب سے قبائل کے قبائل غائب ہوگئے پتہ نہ چلنے دیا تو افراد کی خبر کہاں ملتی۔بہرحال قبیلہ بنی ثعلبہ پورا کا پورا غائب ہوکر رہ گیا۔تیرہویں سن ہجری میں رسولؐ اللہ کے ایک عظیم الشان صحابی اور قبیلہ بنی خزرج کے سردار؛ مدینہ کے اوّلین مسلمان اور ناصرِ اسلام جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا مدینہ سے ہجرت کر کے شام آنا معلوم ہے۔اس کے بعد کیا ہوا؟ وہ کہاں گئے؟ کہاں اور کیسے وفات پائی؟ تاریخیں حیرانی سے منہ کھولے محققین کا منہ تکتی ہیں۔اور بہت سے ایسے حالات وواقعات ہیں جن کا ابھی منظر عام پر لانا مفید نہیں ہے۔وہ ریکارڈ جو زمین دوز مکانوں، گرجوں اور راھبانہ خانقاہوں میں مرتب ہوئے جن کی حکومتوں اور مخالفوں کو ہوا تک نہ لگی۔اور جو اس حکومت زدہ تاریخ سے لاکھ درجہ مستند ہیں اور وقت آنے پر سامنے آئے گا۔جن لوگوں کو چاروں طرف سے مجبور کر کے اُن کے گھر کی چار دیواریوں میں محصور کر دیا گیا، جن کو عمر بھر جیلوں میں رکھا گیا۔اگر وہ لوگ جاہل ہوتے تب بھی ضرورت ایجاد کی ماں ہے، کا اصول برسر کار آتا۔لیکن وہ حضرات تو وارثانِ اسلام، عالمانِ قرآن، محافظان دین ودنیا تھے۔کیا وہ اپنی طویل عمریں یوں ضائع کر دیتے اور مخالف محاذ کے تباہ وبرباد کرنے کا کوئی انتظام نہ کرتے؟ وہ تمام اہل قلم وصاحبان قرآن تھے، وہ وہ تھے کہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں خود بخود اُتر جاتی تھیں، جیل خانے کے قُفل اور دروازے کھل جاتے تھے، شاہانِ وقت اُن کے خوف سے اپنی محفوظ خوابگاہوں میں آرام سے سو نہ سکتے تھے۔اُنہوں نے پلان بنائے، منصوبے تیار کئے، منٹ منٹ کا اور تاریخ وار ریکارڈ تیار کرنے کا انتظام قائم کیا۔اور وہ تمام ریکارڈ آج بھی ایسے محفوظ ہاتھوں میں ہے(بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ O کِرَامٍ بَرَرَۃٍO 80/15-16) جہاں کسی مخالف کی رسائی ناممکن ہے۔بہرحال مشہور ومعلوم ریکارڈ بھی ہماری تائید میں کافی ہے۔

43۔ ھندوستان میں تحریکِ تشیع کا ظہور

(الف) ہندوستان میں جلاوطنی اختیار کرنے والے لوگوں نے بہت جلد جناب علی المرتضٰی علیہ السلام سے رابطہ قائم کرلیا تھا اور مرکزی ہدایات پر عملدرآمد نہایت خاموشی سے جاری تھا اور نہ معلوم کب تک صیغۂ راز میں رہتا۔ بات اِس لئے تاریخ تک پہنچ گئی کہ عربوں نے گوناگوں مصلحتوں اور پالیسیوں کے ماتحت علیؑ کو عارضی طور پر حاکم بنالیا۔اب چند حقائق کھلے اور لوگوں کو پتہ چلا کہ سندھ میں شیعوں کی آبادیاں بڑھتی جارہی ہیں اور وہ علاقے خود کو مسلمان حکومت کے تحفظ میں دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا سندھ کی شنشبی نسل سے رابطہ منظرِعام پر آیا اور معلوم ہوا کہ عرصہ دراز پہلے اس نسل کا مورث اعلیٰ اور سردار شنشب مدینہ جاکر آپؑ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔اور اپنے علاقہ کی فرمانروائی کا پروانہ لے کر پلٹا اور مذہب اہل بیت علیہم السلام کو گردونواح میں پھیلانا شروع کیا۔اور بلاذری کے مطابق 39ھ میں حارث بن مرّۃ العبدی سپہ سالار نے بحکمِ علی مرتضیٰؑ سندھ کو اسلامی قلمرو میں شامل کرلیا تھا۔ یہی وہ شیعی حکومت تھی جس نے اُموی حکومت کے ماتحت آجانے کے بعد بھی اپنی مساجد میں خاندان علیؑ پر تبرا جاری کرنے سے انکار کردیا تھا جو بڑا شاق گذرا اور آئندہ سندھ پر حملوں کا ایک سبب بنا تھا۔اور بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ محمدؒ بن قاسم جو عرصہ دراز بعد سندھ پر حملے کیلئے بھیجا گیا وہ بھی دل کی گہرائی میں علیؑ و اولادِ علیؑ اور تحریکِ تشیع کا حامی تھا۔اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اُسے یاد تھا کہ اُس کے دادا محمدؒ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا قاتل اور لاش کو آگ میں جلانے والا معاویہؓ تھا۔ چنانچہ اُس نے سندھ میں شیعہ تحریک کی اپنے امکان بھر مدد کی۔اُن کے استحکام اور منصوبوں کی وسعت کیلئے کام کیا جو اُس کی معزولی اور قتل کا سبب بنا۔تحریکِ تشیع کو پروان چڑھانے کیلئے یہاں جان و مال و اولاد بے حقیقت بن کر رہ گئے تھے۔لوگ قتل ہوجانے کا بہانہ ڈھونڈھتے تھے آگ میں کود پڑنے کو تیار رہتے تھے۔

(ب) سندھ سے اہلِ بیتؑ کا نسبی رشتہ

جناب زید شہید علیہ السلام کی والدہ ماجدہ ملک سندھ کی باشندہ تھیں۔ یہ تفصیلات تاریخ تک نہیں پہنچیں کہ وہ معظّمہ کب اور کیسے سندھ سے آئیں۔ حضرت زیدؑ کے ہمراہ شہید ہونے والے مجاہدین میں ہندوستانی مجاہد بھی تھے۔جن میں سے ایک کا نام زیاد ہندی ہے۔ یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ یہ حضرات کب ہندوستان سے عرب پہنچے۔ لیکن یہ حقیقت معلوم ہے کہ عراق میں جاٹ قوم کی ایک نوآبادی تھی جسے عرب زط قوم کہا کرتے ہیں۔ یہ سب نہایت جوشیلے شیعہ تھے۔اہل بیتؑ کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔تبرّے کے جواب میں تبرّا کرڈالتے تھے۔ چنانچہ جناب علیؑ مرتضٰی نے انہیں سخت تنبیہات کی تھیں۔ جنگ جمل کے بعد حضورؑ نے زط قوم کے جوانوں ہی کو خزانے کے تحفظ پر تعینات کیا تھا۔لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں آنے

جانیوالے جاٹوں اور راجپوتوں ہی کے وسیلے سے اہل بیت تک پہنچتے تھے اور یہی ہمدردی تھی جس نے ان اقوام پر فوج کشی کرائی۔

(ج) **سندھ میں اولادِ علیؑ کی آمد اوران پر مظالم**

جناب امام حسن بن علی علیہما السلام کے پوتے حضرت عبداللہ اشتر بن عبداللہ بن الحسن مثنیٰ بن امام حسن بن علی علیہم السلام اپنے والد نفسؑ ذکیہ کی شہادت کے بعد عیسیٰ بن عبداللہ بن مسعدہ شیعی کے ہمرکاب سندھ تشریف لائے۔ اور منصور دوانیقی کے حکم سے دریائے سندھ کے کنارے قتل کئے گئے۔ لاش دریائے سندھ میں بہادی گئی۔ اُنکے آٹھ سالہ فرزند محمد کو ایک ہندو راجہ نے تحفظ دیا تو معلوم ہو جانے کے بعد منصور نے اسُوقت کے گورنر سندھ ہشام بن عمر تغلبی کو لکھا کہ اس راجہ کو قتل کر کے اُس کی حکومت اور مقبوضات چھین لو۔ اس حکم کی تعمیل با قاعدہ کی گئی۔ منصور کے عہد حکومت میں سادات اور اُن کے شیعوں کو تلاش کر کر کے قتل کیا جارہا تھا۔ تو جناب قاسم بن ابراہیم بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم العمر بن الحسن المثنیٰ بن امام حسن بن علی علیہم السلام اپنی جان بچانے کیلئے سندھ آئے اور ایک موضع میں جو خان کہلاتا تھا اور ملتان کے قرب وجوار میں تھا سکونت اختیار کی۔ اور اُسی عہد میں جعفر بن محمد بن عبداللہ بن عمر الاطراف بن علی علیہم السلام حجاز سے جلاوطن ہو کر سندھ پہنچے اور ملتان میں مع اپنی بارہ تیرہ اولاد اور خاندان کے اقامت گزین ہوئے۔ ملتان کی حکومت کو سنبھالا گردونواح میں مذہبِ حق پھیلایا۔ مقامی زبان کو نوازا اور سب سے پہلی شکل جو اُردو زبان نے اختیار کی وہ ملتان ہی سے شروع ہوئی۔ ملتان اور دیگر مقامات سے شیعہ افراد آئمہ اہل بیتؑ سے استفادہ علوم کیلئے گروہ در گروہ جانے لگے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے حلقہ درس میں پہنچ کر تعلیم حاصل کرنیوالوں میں مشہور افراد فرج سندھی، خلاد سندھی، بزاز ابان سندھی ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے علوم واحادیثِ معصومین کو محفوظ کیا اور امت میں پھیلایا۔ یوں سلسلہ تعلیماتِ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم ہندوستان میں بڑی تیز رفتاری سے پھیلتا گیا۔

44۔ سندھ میں تحریک تشیع کی مختلف مساعی

(الف) یہاں سے ہم جناب شیخ اکرام اللہ صاحب کی چند تحقیقات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اگر قارئین کرام کہیں کوئی بات نہ سمجھیں تو حیران نہ ہوں اس لئے کہ محققین بعض معاملات میں معذور ہوتے ہیں اُسی پر قناعت وشکر کریں جو سمجھ میں آجائے۔

(ب) **حجاج بن یوسف کا قتل عام تحریکِ تشیع کا مددگار بن گیا**

"محمدؒ بن قاسمؒ کی مہم جس نے سندھ کی (اموی) فتح کا سامان کر دیا۔ حجاج بن یوسف کے انتقامی جوش کا نتیجہ تھی۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے۔ کہ جنوبی ہندوستان کے ساحلوں پر عرب مسلمانوں کی سب سے قدیم نو آبادیاں بھی حجاج کی بدولت وجود میں آئیں (یہ بات تاریخ کے خلاف ہے۔ احسن) اگر چہ اس میں حجاج کی کوشش بلکہ خواہش کو بھی دخل نہ تھا۔ حجاج

امویوں کا ملازم تھا۔(ملازم تو اور بھی تھے جناب)اور ہاشمیوں کا بدترین دشمن ۔مشہور ہے کہ اُس نے پچاس ہزار افراد کو جو فریق مخالف (ہاشمیوں یا تحریک تشیع) کے طرفدار تھے۔تیغ ظلم وستم کا شکار بنایا تھا۔چنانچہ جہاں کہیں وہ جا تا بنی ہاشم کے طرفدار ترکِ وطن پر مجبور ہو جاتے ۔جب وہ عراق کا گورنر ہوا۔تو ہاشمیوں کی ایک بڑی جماعت یہ علاقہ (عراق) چھوڑ کر ہندوستان آ گئی ۔ اُن میں سے جو لوگ مغربی ساحل بالخصوص کونکن پر آباد ہوئے ۔اُن کی اولاد کو نوائط (نو وارد)اور جو لوگ راس کماری کے مشرق میں آباد ہوئے اور یہاں کی تامل عورتوں سے شادی کر کے ایک مخلوط قوم کے بانی ہوئے انہیں لبّی (Labbi) کہتے ہیں''۔

(آب کوثر صفحہ 41)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ تحریک تشیع نے چاروں طرف سے ہند میں اپنا منصوبہ شروع کیا تھا۔

(ج) <u>**مصر کی شیعہ حکومت اور سندھ تیسری صدی تک**</u>

ہم عرض کر چکے ہیں کہ شعبۂ تصوف ملک مصر میں اسکندریہ پر اپنا اقتدار قائم کر رہا تھا۔جس کے نتیجے میں وہاں فاطمی یعنی شیعہ حکومت قائم ہوئی۔اس سلسلہ میں تاریخ سندھ سے چند باتیں سنئے !:۔

۔''خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں مصر کی فاطمی حکومت کی بنیاد پڑی ۔ جو (سنّی) مرکز سے بالکل آزاد تھی ۔ بلکہ اُس کی مدمقابل تھی ۔اور ایک (شیعہ) فرقے کی مذہبی مقتدا تھی ۔اس حکومت کے بانی عبداللہ المھدی کے باپ محمد الحبیب تھے۔جو سلمیہ علاقہ حمص میں رہتے تھے۔اور حضرت امام جعفر صادقؒ کے بیٹے اسماعیل کی اولاد سے تھے۔یہ امام جعفر صادقؒ کے بعد اُن کے بیٹے اسماعیل کی امامت کے قائل تھے۔اُنہوں نے سب سے پہلے لوگوں کو اس خیال کی طرف متوجہ کیا کہ عنقریب امام مہدیؑ کا ظہور ہونے والا ہے ۔اور وہ علوی فاطمی ہوں گے ۔ فاطمی صورت اختیار کرنے سے پہلے یہ ایک تحریک (تشیع)تھی ۔ جو داعیوں کے ذریعہ سے یمن ۔حجاز ۔بحرین اور خراسان وغیرہ میں پھیلائی گئی۔جس نے آگے چل کر حکومت کی صورت اختیار کر لی ۔ <u>297</u>ھ مطابق 910-<u>909</u>ء میں محمد الحبیب کے بیٹے عبداللہ کے ہاتھ پر <u>رقادہ</u> میں عام بیعت ہوئی ۔انہوں نے امیر المومنین مھدی کا لقب اختیار کیا۔اس سے قبل سوائے عباسی خلفا کے کسی فرمانروا کے لئے امیر المومنین کا لقب استعمال نہ ہوتا تھا۔یہ گویا اس بات کا اعلان تھا۔کہ فاطمی حکومت دینی اعتبار سے بھی عباسی (سُنّی) حکومت کی حریف ہے۔اور بجائے خود فاطمی حکومت ایک مذہبی دینی حکومت کا قیام تھا۔جو اسماعیلیوں کی حکومت تھی''۔(تاریخ سندھ صفحہ 288-287)

<u>45۔آئمہ اثناعشرؑ کی نازک ترین پوزیشن</u>

تحریک تشیع کیلئے سب سے بڑا خطرہ حکومتوں کا استبداد رہتا چلا آیا ہے۔خصوصاً وہ ابتدائی حکومتیں جو ہر قیمت پر علیؑ

واولادعلیؑ کوصفحہ ہستی سے مٹاڈالنے میں اپنا تحفظ اور بقا کا دارومدار سمجھتی تھیں۔اورآئمہؑ اثناعشر کے لئے سب سے اہم ترین فریضہ اُن حکومتوں سے محفوظ رہ کرتحریکِ تشیع کودوسوساٹھ سال تک بلامزاحمت جاری رکھنا تھا۔اسی پالیسی کوسمجھنے اور مستقبل میں خاندانِ علیؑ کے اقدامات کااندازہ کرنے کے لئے اچانک اور بلاتوقع علیؑ مرتضٰی کے لئے مسندِ خلافت خالی کرادی گئی۔اورایسی صورتِ حال پیدا کی گئی جس میں بجائے اس کے کہ علیؑ مسند خلافت پربیٹھیں۔خودمسند خلافت اُن حضرت پرسوار ہوجائے۔اس صورت حال سے کس طرح عہدہ برآ ہوا گیا؟ ہماری دیگر تصنیفات میں دیکھیں۔یہاں فراست عرب دیکھیں کہ یہ تو پتہ لگ ہی گیا کہ واقعی علیؑ کے نزدیک خلافتِ رسولؐ موروثی ہے۔یعنی جن لوگوں کونظر میں رکھنا اورمٹانا ہوگا۔وہ علیؑ کی فاطمی اولاد میں ہوں گے اور غالباً ہردفعہ بڑا بیٹا جانشینی کیا کرے گا۔اس یقین کومتزلزل کرکے بے یقینی میں تبدیل کردینا نہایت اہم اور پیچیدہ مسئلہ تھا۔حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام کی جانشینی مندرجہ بالا یقین فراہم کرتی تھی۔مگر یہ یقین شک وشبہ کا شکار بنادیا گیا۔جب کہ جناب محمد بن حنفیہ نے اپنی جانشینی کی خبریں پھیلادیں۔اورامام حسن علیہ السلام نے مشروط طور پر حکومت سے علیحدگی اختیار کرکے مومنین تک کوحیران کردیا اورمخالف محاذ کے دانشور انگشت بدنداں رہ گئے۔یعنی خلافت سونپنا ایک عظیم الشان نقصان اور ہزاروں رکاوٹوں کا پیش خیمہ بن کررہ گیا۔کربلا میں جوکچھ ہوا وہ مسلمانوں کے قلوب کوجھنجھوڑنے اوراُن کے جمود کوتوڑنے۔شدتِ احساس سے اپنا اوردشمنوں کا سر پھوڑنے کے لئے مستقل ابدی سامان بن گیا۔بنائے لاالٰہ الاالـلّٰہ دوبارہ رکھی گئی اوراب پھرمعلوم ہوا کہ امامت کی جانشینی خاندان اہلبیتؑ کی عورتیں بھی کرسکتی ہیں۔اوراس سے اصل امامِ زمانہ علیہ السلام کی امامت پرحرف نہیں آتا۔اس کے بعد جناب زید علیہ السلام آگے بڑھے اورامامؑ وقت کی سپربن کر حکومت وقت کواپنی طرف متوجہ کرلیا۔اورکہا کہ میں صاحب سیف اورجانشین ہوں۔امیرمختارعلیہ السلام نے بتایا کہ مختلف مقاصد کے حصول میں جزئی جانشینی بھی ہوسکتی ہے۔اوریہ محض اہل بیتؑ ہی نہیں بلکہ عوام بھی انجام دے سکتے ہیں۔حضرت اسماعیل علیہ السلام اگرچہ جناب امام ششم حضرت جعفرصادق علیہ السلام کی امامت کے زمانہ ہی میں وفات پاگئے تھے۔پھربھی اُن کی اولادامام موسیٰؑ کاظم کی ڈھال بن گئی۔اورنہ صرف حکومت وقت کومغالطہ میں رکھا بلکہ عملاً ثابت کرکے چھوڑا کہ صاحب السیف امیرالمومنین ہم میں ہے۔چنانچہ حقیقی امامت کی طرف بڑھنے والے تمام حربوں کواپنی طرف متوجہ کرلیا۔ملک سے باہر اورملک کے اندرشعبہ تصوف کے سہارے حکومت کی جڑیں کھوکھلی کردیں۔اس تمام داستان کویوں سمیٹ لیں کہ حضرات آئمہ اثناعشرروزازل سے منصوص من اللہ ومن الرسولؐ تھے۔آنحضرتؐ نے نام بنام بارہ آئمہؑ کا تعارف،صفات حُلیے اورنشانیاں بیان فرمادی تھیں۔مگر بہت عرصہ تک احادیث بیان کرنے پر پابندیاں عائدرہیں پھرمخصوص خودتراشیدہ روایات گھڑنے اورپھیلانے کا کاروبار ہوتارہا۔دانشورانِ قوم جب ازسرنوعرب کواپنی پسند کا مسلمان بنا کر فارغ ہوئے تو دوسری مصروفیتوں

اور خانہ جنگیوں اور فوج کشیوں میں اُلجھ گئے ۔ بہر حال آ ئمہ اہل بیتؑ نے حکومت کی توجہ ہٹانے کے لئے غلط جانشینوں کا اعلان کیا۔ وراثت غلط افراد میں تقسیم کی ۔ غلط نام سے وصیتیں جاری کیں اور اس کی بالکل پرواہ نہ کی کہ سطح پر جو ظاہر پرست شیعہ ہیں ۔اُن میں امامت پر اختلاف پھیل جائے گا۔ اس لئے کہ حقائق سامنے آتے ہی اختلاف رفع ہو جائے گا۔ اور آخر رفع ہو گیا۔ لیکن جس چیز کی ہمیشہ پرواہ کی جس کے لئے کبھی غافل نہ ہوئے ۔ وہ اپنا اپنے علوم اور اپنے منصوبوں کا تحفظ تھا وہ ضائع ہو جاتا تو پھر نہ شیعہ ہوتے ۔ نہ قرآن ہوتا، نہ اسلام کا نام ہوتا، تو اتحاد کیا کرتا اور کس کام آتا؟ ہم نے بڑی بے تکلفی سے تین جگہ غلط غلط اور غلط لکھ دیا ہے ۔معصومؑ کا کوئی کام غلط معلوم ہوسکتا ہے لیکن غلط ہوتا نہیں ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مندرجہ بالا مقاصد کے حصول میں ہم کسی اور کو جانشین مشہور کر سکتے ہیں ۔ وراثت لوگوں کے سامنے کسی اور کو تقسیم کر سکتے ہیں ۔ وصیت اس انداز اور اس نہج سے لکھ سکتے ہیں کہ وصیت ہو کسی اور کے نام اور عام لوگ سمجھیں کسی اور کے نام ۔ اس کا صحیح لطف اٹھانے کے لئے آپ حضرت علی علیہ السلام کے خطبے للّٰـہ بلاد فلان کا ہمارا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ۔ نہج البلاغہُ اُن تمام اصولوں کا دائرۃ المعارف ہے ۔ جو تقیہ و توریہ کے لئے درکار ہیں ۔ بہر طور ہم مندرجہ بالا چند سطروں میں اُن نازک مسائل سے بآسانی گذر آئے جن میں قوم کا مجتہد برابر اُلجھتا ہی چلا جا رہا ہے ۔ یہ بات تصوف کا ایک لفظ حل کر دیتا ہے ۔ یعنی آئمہ اثنا عشر علیہم السلام نے اپنی جسمانی یا مادی یا مجازی یا دنیاوی نیابت یا جانشینی اپنے خاندان کے دوسرے افراد کو دے کر حکومت کے استبداد کا رُخ اُن کی طرف موڑا ۔ خود محفوظ رہ کر علوم اسلامیہ کا ذخیرہ مرتب کرایا۔ منصوبے اور پالیسیاں بنائیں ۔ اور تحریک تشیع کے گوناگوں شعبوں کی راہنمائی روحانی جانشینی ہاتھ میں رکھ کر جاری رکھی ۔ گویا درحقیقت دوازدہ امام علیہم السلام حقیقی اور مجازی دونوں معنی میں خلیفہ و جانشین رسولؐ تھے ۔ کسی کو کام کی اجازت دینا یا نائب مقرر کر دینا اصل اختیار سلب نہیں کرتا ۔ یہ تو بڑا خطرناک ہے کہ لوگ عارضی نیابت کیلئے فرضی میراث و وصیت کے لئے اپنی جان و مال و اولاد کو حکومت کے تیروں ،تلواروں اور لشکروں کا نشانہ بنا دیں ۔ قابل ہزار تحسین وسلام تھے وہ حضرات جنہوں نے خوشی خوشی خود کو قربانیوں کے لئے پیش کیا۔ جن کی اولادیں تک حکومت سے بچنے کے لئے جنگلوں ویرانوں ، پہاڑوں اور غیر ملکوں میں چھپتی پھرتی رہیں ۔ بڑا دردناک ہے اس داستان کا دوسرا رخ ۔ فرصت ملی تو شاید سُنا سکوں ۔ جس کو صرف سننے سے دل پھٹ کر رہ جائیں ۔ بہر حال اب پھر اولادِ جناب اسماعیل علیہ السلام کا حال تاریخ سے سنئے !:۔

46۔ حضرت اسماعیلؑ بن جعفرؑ صادق کی اولاد اور مُغالطے

(الف) ۔''حضرت امام جعفرؑ صادق علیہ السلام کے بعد شیعوں میں دو فرقے ہوگئے تھے۔ایک نے امام جعفرؑ صادق کے صاحب زادے حضرت موسیٰؑ کاظم کو امام اور اُن کا جانشین تسلیم کیا۔دوسرے فرقے نے حضرت امام جعفرؑ صادق کے صاحب زادے حضرت اسماعیل کو اُن کا جانشین و امام مانا۔حضرت اسماعیل کے انتقال کے بعد اُن کے صاحب زادے حضرت امام محمد امام قرار پائے۔پھر حضرت احمد وفی اُن کے جانشین ہوئے۔اُن کے قائم مقام حضرت تقی الحبیب ہوئے۔اُن کے جانشین حسین الرضی ہوئے۔اُن کے خلیفہ عبداللہ المھدی ہوئے۔جنھوں نے (پہلے) افریقہ میں حکومتِ فاطمیہ کی بنیاد رکھی۔اس فرقے کو اسماعیلیہ کہتے ہیں''۔(صفحہ 289-288)

(ب) تاریخ اور ریکارڈ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ شیعوں میں نظام اجتہاد قائم ہونے سے پہلے یعنی تیسری صدی کے اختتام سے پہلے لوگ حسب معمول افراد و قائدین سے منسوب ضرور کئے جانے لگے تھے۔یعنی اپنی فکر کے خلاف جسے سمجھا اُس پر نفرت کے اظہار کے لئے ایک لیبل (Label) جڑ دیا۔مگر حقیقتاً باقاعدگی کے ساتھ مجتہدین نے جہاں قرآن کی آیات اور رسولؐ کی احادیث کو سینکڑوں اقسام میں بانٹ دیا۔وہاں زبردستی فتاویٰ کے زور سے شیعوں کے اندر بھی تفرقہ پردازی کی۔اور یہ کام کہیں چھٹی ساتویں صدی ہجری تک جا کر مکمل ہوا۔جس کسی نے اُن کے اجتہاد سے ذرا بھی سرتابی کی یا اُن کے کسی حکم پر دلیل طلب کی فوراً اس کو مذہب سے خارج کرنے کی مہم شروع کر دی۔حتیٰ کہ جو علمائے شیعہ محض قرآن اور حدیث کو دین سمجھتے تھے اور آیت اور حدیث کے بغیر مجتہد کا حکم بکواس سمجھتے تھے۔اُن علمائے شیعہ کا نام اُن مجتہدین نے فرقۂ اخباریہ رکھ دیا۔اور پھر اُن کو مٹانے اور دین سے خارج کرنے کے لئے بڑی بڑی خلافِ دین و دیانت و قابل شرم کوششیں اور سازشیں کیں (تفصیل کے لئے دیکھئے اسلام اور علمائے اسلام) حتیٰ کہ مخالفین اور مخالف حکومت سے ساز باز کر کے جسے موقعہ ملا صوفیائے کرام کی طرح قتل کرا دیا۔مصر کی فاطمی یا اسماعیلی حکومت نے شیعہ قوم، شیعہ علماء، اور خود شیعہ مجتہدین پر بڑے بڑے احسانات کئے۔اُن کے دشمنوں کا زور توڑا مخالف حکومتوں کے مقابلہ میں ایرانی و دَیلمی حکومتیں بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔علومِ محمد وآلِ محمد علیہم السلام کو ساری دنیا میں پھیلایا۔جامعہ از ہر قائم کر کے یوروپ اور دیگر غیر مسلم ممالک میں علوم کی بہتات کر دی مگر مجتہد نے کبھی اُس حکومت کا کوئی احسان ماننا تو کجا ہمیشہ اُس کی مخالفت کی اپنے سوا سب پر کفر و الحاد کے فتاویٰ لگائے۔

(ج) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نے ایران و عراق و سیستان و ترکستان و روس و ہند اور سندھ الغرض ساری دُنیا میں مذہب شیعہ کو روشناس کرا یا اور یہ سب کچھ تیسری صدی ہجری کے خاتمہ سے پہلے پہلے ظہور میں آ گیا تھا۔

47۔ ہندوستان میں تحریک تشیع اور اسماعیلی تعاون

تاریخ سندھ لکھنے والا مورخ چاہتا رہا ہے کہ کسی طرح اور جس طرح ہو سکے شیعہ تحریک کی قدامت کو مجروح کرے۔لیکن اُس کے بیانات کو اگر بحیثیت مجموعی سامنے رکھ لیا جائے تو اُس کی خیانت واضح اور تحریک تشیع کی قدامت خود اُس کے قلم سے ثابت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک بیان پہلے پڑھئے اور دیکھئے کہ اسماعیلیوں نے سندھ میں تحریک کب شروع کی تھی:۔

(الف) ۔''ھباری حکومت کے ضمن میں گذر چکا ہے کہ اسماعیلیوں کے داعی سندھ میں ابوعبداللہ مہدی ہی کے زمانے سے آنا شروع ہو گئے تھے۔اگرچہ منصورہ میں (مورخ کے نزدیک) اُنہیں کامیابی نہ ہو سکی۔لیکن ملتان کے لوگ اُن کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ اسماعیلی امام العزیز باللہ (372ھ تا 386ھ) کے بعد جلم بن شیبان فوجی دستے کے ساتھ سندھ پہنچا۔لیکن اس نے ملتان پر کوئی بیرونی حملہ نہیں کیا۔ بلکہ اسماعیلی داعیوں نے اپنی تبلیغ سے جو راہیں ہموار کی تھیں۔اُس سے فائدہ اُٹھا کر اندرونِ شہر بغاوت کرا کر اُسے ہوا دیتا رہا۔ یہاں تک کہ بنوسامہ کا خاندان جو ملتان میں برسرِ حکومت تھا۔تابِ مقاوَمت نہ لا کر تباہ ہو گیا اور جلم بن شیبان ملتان پر قابض ہو گیا''۔(تاریخ سندھ صفحہ 304)

(ب) یہاں رُک کر سوچیں کہ بلا حملہ کئے، بلا قتل و غارت، بلا مار پیٹ کے بنوسامہ کے خاندان کا تباہ ہو جانا ، محض کیچڑ اچھالنا نہیں تو اور کیا ہے؟ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ فاطمی تحریک امام موسیٰ کاظم ہی کے زمانہ سے یمن حجاز عراق وغیرہ میں پھیل چکی تھی۔ یقیناً یہ تحریک ساتھ کے ساتھ سندھ و ہند میں جاری تھی۔اور یہ بھی آپ نے پڑھ لیا ہے کہ سادات اہل بیتؑ برابر ملتان میں پناہ لے رہے تھے۔جلم بن شیبان کا حال پھر سنئے اور ملتان پر اُس کے اقتدار قائم ہونے کا سال نوٹ کیجئے۔

(ج) **ملتان میں شیعہ سکّہ (کرنسی) اور شیعہ خطبہ جامع مسجد**

۔''جلم بن شیبان نے 373ھ میں ملتان پر قبضہ کر کے فاطمی خلفا کا سکّہ اور خطبہ جاری کیا۔ ملتان کے اُس قدیم مندر کو توڑ دیا (خدا جھوٹوں پر لعنت کرے) جو فتح ملتان سے اُس وقت تک صحیح و سالم چلا آ رہا تھا۔مندر کی جگہ ایک جامع مسجد بنوائی اور محمد بن قاسم کے زمانہ کی جامع مسجد کو بنوامیہ کی یادگار سمجھ کر بند کرا دیا۔ اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے کافی جدوجہد کی۔ چونکہ اُسے اپنے آس پاس کی اسلامی سلطنتوں سے جو عباسی خلفا کے ماتحت تھیں، کسی امداد اور تعاون کی توقع نہ تھی۔ اس لئے اُس نے مقامی ہندو راجاؤں سے معاہدے کر کے اپنی سلطنت کو مضبوط کیا۔جلم بن شیبان نے 376ھ (87-986ء) اور 380ھ (91-990ء) کے درمیان انتقال کیا۔(یعنی چار پانچ سال کا اِدھر اُدھر ہو جانا تاریخ میں صحیح ہوتا ہے) خیال ہے کہ شیخ حمید اسماعیلی جلم بن شیبان کا بیٹا تھا۔ کیوں کہ اسماعیلیوں کا عام طریقہ یہ تھا۔ کہ داعی کی جگہ اُس کا بیٹا اور والی (حاکم)

کی جگہ اُس کا بیٹا جانشین ہوتا تھا۔ یہ (یعنی حمید) ملتان کا حاکم تھا اور امیر سبکتگین کا ہم عصر تھا۔ 366ھ (977-971ء) میں سبکتگین تخت نشین ہوا تھا۔ (ایضاً صفحہ 305)

(د) قارئین غور فرمائیں کہ حمید 366ھ میں ملتان کا حاکم تھا اور سبکتگین کا ہم عصر تھا اور حمید کا باپ جلم بن شیبان اپنے بیٹے کے بعد 373ھ میں ملتان پر قابض ہوا تھا۔ یعنی ابھی باپ نے نہ ملتان پر قبضہ کیا نہ وہاں کا حاکم بنا۔ لیکن بیٹا ملتان میں سات سال پہلے ہی باپ کا جانشین اور حاکم ہے۔ یہ تاریخ پاکستان میں رگڑی گئی ہے۔ تاریخوں کے ساتھ جو خیانتیں کی جارہی ہیں۔ اُن کا بیان کرنا ایک مستقل کتاب چاہتا ہے۔ ممکن ہے کوئی رفیق کار اس پر قلم اٹھائے۔

(ہ) **ملتان حکومت کی وسعت اور مختاری**

۔''تیسری صدی ہجری کے وسط میں ملتان سندھ کی حکومت سے علیحدہ ہوکر خود مختار سلطنت بن گیا (یہ بات صحیح ہے) جس کی وسعت پچھّم (مغرب) سے مکران تک اور دکھن (جنوب) میں منصورہ تک تھی۔ اُس زمانے کے اعداد و شمار کے لحاظ سے ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں اس سلطنت میں تھے''۔ (ایضاً صفحہ 299) اور ملاحظہ ہو۔

(و) **ملتان میں شیعہ اذان اور شیعہ خطبہ اور نماز جماعت**

۔''377 ہجری میں جب بشاری مقدسی ملتان پہنچتا ہے تو اس کا بیان ہے کہ ملتان کے لوگ شیعہ ہیں۔ اذان میں حی علی خیر العمل کہتے ہیں (خلیفتہ بلافصل تو مورخ اپنے منہ کہنا پسند نہ کرے گا خواہ سنا بھی ہو۔ احسن) اور اقامت میں دو دفعہ تکبیر کہتے ہیں (بھلا چار مرتبہ کون کہتا ہے؟) ملتان میں خطبے میں مصر کے فاطمی خلیفہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اور اُسی کے حکم سے یہاں کے انتظامات ہوتے ہیں۔ یہاں سے برابر تحفے تحائف مصر کو بھیجے جاتے ہیں۔ ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیاس چاہتا ہے۔ کہ ملتان میں اسماعیلیوں کی حکومت 367ھ ہجری اور 375ھ ہجری (977ء اور 985ء) کے دوران کسی زمانہ میں قائم ہوئی''۔ (تاریخ سندھ مسلسل صفحہ 302)

(ز) یہاں بھی مورخ صاحب صرف آٹھ سال کا اِدھر اُدھر کرکے شیعہ حکومت کی قدامت کو مجروح کردینا جائز سمجھتے ہیں۔ بات واضح ہے کہ اس قسم کے مورخوں کا کوئی اعتبار کرنا خالص حماقت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کسی حقیقت اور یقین تک پہنچنے کے لئے تمام متعلقہ تواریخ و ریکارڈ میں سے گذرا جائے اور لوگوں کے رُجحانات کو الگ کرکے واقعات کو پرکھا جائے۔ اسی لئے ہم آپ کے رُوبرو واقعات کو مختلف انداز میں رکھتے جارہے ہیں تاکہ آپ کا ذہن مرکزی تصور کو تقویت دیتا چلا جائے۔ اور مرکزی تصور تحریک تشیع، اس کی قدامت اور ہمہ گیر قوت ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ وہ کب سے ہے؟ اُس نے کیا کیا؟ اور جو کچھ کیا کس

طرح کیا؟ اُس کے ہیرو کون کون ہیں؟ اُس کے مخالف کون کون ہیں؟ مخالفت کی وجہ کیا ہے؟ مخالفت میں کیا کچھ کیا گیا؟ اور آخر مخالفت کا نتیجہ کیا نکلا؟۔

(ح) مورخین خود شبہات اور بے بسی کا اعلان کرتے ہیں

۔''حقیقت یہ ہے۔ کہ تین فرقوں کے نام اس طرح گڑ بڑ ہو گئے ہیں۔ (گڑ بڑ کر دیئے کیوں نہیں کہتے ؟) کہ یہ گتّھی اُلجھی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ تینوں فرقے قرامطہ اسماعیلیہ اور ملاحدہ ہیں۔ (کوئی بھی خود کو ملاحدہ نہ کہے گا) اگر چہ یہ تینوں اسماعیلی شیعت ہی کی قسمیں ہیں۔ (شیعہ مجتہد کا کارنامہ) لیکن اُن میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ اور ان تینوں فرقوں کی پیدائش کی تاریخ بھی الگ الگ ہے۔ سب سے پہلے قرمطی تیسری صدی ہجری کے آخر میں بحرین۔ خلیج فارس اور عراق میں ظاہر ہوئے۔

فرقہ اسماعیلیہ 356ھ میں پیدا ہوا اور 356 ہجری میں یہ مصر آئے۔ ملاحدہ جن کو باطنیہ بھی کہتے ہیں جس کا سر گروہ حسن بن صباح تھا۔ 483 ہجری (91-1090ء) کے بعد خراسان میں ظاہر ہوا۔ اِن تینوں فرقوں میں سے جو فرقہ ملتان میں برسر اقتدار آیا وہ اسماعیلی شیعی تھے۔ رہا یہ امر کہ بعض مورخین نے اُن کو قرامطہ اور بعض نے ملاحدہ لکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں اسماعیلی شیعت کی شاخیں ہیں اور ایک دوسرے سے متشابہ ہیں۔ اس اشتباہ کی وجہ سے کسی نے انہیں قرامطہ اور کسی نے ملاحدہ لکھ دیا''۔ (تاریخ سندھ صفحہ 303-304)

(ط) مورخ کا مغالطہ اور تعصب

قارئین کرام معلوم کریں کہ جن لوگوں کو شیعہ مجتہدین نے قرامطہ اور باطنیہ قرار دیا ہے۔ وہ دونو اسماعیلی تحریک کی خفیہ سیاسی جماعتیں تھیں۔ ایسی خفیہ کے اُن کے دشمنوں کو بھی اُنہیں باطنیہ کا لقب دینا پڑا۔ اور چونکہ ان دونو جماعتوں کے نزدیک شیعہ مجتہد کا قتل واجب تھا۔ اور یہ لوگ اُن مجتہدین کو اُن کی ریاکارانہ عبادت وزہد کے باوجود فریب ساز و دھوکہ باز سمجھتے تھے۔ اور اُن کو اسلامی رعایت نہ دیتے تھے۔ اس لئے انتقاماً اُن کو ملاحدہ قرار دیا گیا تھا۔ یہ وہ مغالطہ ہے جو تمام علماء اور مورخین کا دامن الجھاتا رہا۔ درحقیقت یہ سب لوگ شیعہ مجاہدین تھے۔ البتہ سیاسی فروگذاشتیں اُن سے بھی ہوتی رہی ہیں۔ اگر محمد بن تغلق اورنگزیب اور حجاج لاکھوں مومنین کو قتل کر کے بھی پکے راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ اور صفوی بادشاہوں کا علماء کو قتل کرنا اُنہیں اسلام سے خارج نہیں کرتا تو قرمطی ہوں یا باطنی اسماعیلی ہوں یا دوسرے گروہ اُن کو ملاحدہ اور بدعتی کیوں کہا جائے۔

اگر قارئین کرام ہمارا عنوان نمبر 44 اور نمبر 46 دوبارہ دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ یہی مورخ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام (متوفی 148ھ) کے انتقال کے بعد اسماعیلی فرقہ کا وجود اور اُن کے داعیوں کی تبلیغ یمن حجاز وعراق وغیرہ میں موجود

مانتا ہے۔اور حد ہوگئی کہ اس مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسماعیلی فاطمی حکومت مصر میں 297 ہجری میں قائم ہوگئی تھی اور یہ بھی اُسی نے لکھ دیا کہ اسماعیلی فرقہ 356 ہجری میں پیدا ہوا۔ یہ وہی بات ہے کہ ماروں گھٹنے پر اور پھوٹ جائے آنکھ۔ بہر طور اس مورخ نے تحریک تشیع کی مصری فاطمی شاخ کو دوسوآٹھ سال پیچھے ہٹانے کی ناکام اور متعصّبانہ کوشش کی ہے۔

48۔ اسماعیلی شاخ کی تبلیغ کتنی منظّم اور قدیم تھی

(الف) یہاں ہم جناب اکرام اللہ صاحب کی عظیم الشان تحقیق آپ کے رُوبرو پیش کریں گے۔ وہ جناب اپنی زبان میں یوں بات شروع فرماتے ہیں کہ:۔

۔''اس کے بعد سندھ اسماعیلی اور قرمطی مبلغوں کا بازگاہ بنا رہا۔اور مسعودی کے زمانہ سفر میں ہی یہ لوگ ملتان اور مکران پر چھائے ہوئے تھے۔اُس زمانہ میں تبلیغ کے لئے سب سے زیادہ منظّم اور باقاعدہ کوششیں اُن ہی لوگوں نے کیں (چندسطروں بعد لکھا کہ)موجودہ سندھ (بلکہ ہندوپاکستان) میں عہد اسلامی کی سب سے قدیم زیارت گاہ شیخ ابوتراب کا مزار ہے۔تحفۃ الکرام کے مصنف کا بیان ہے۔ کہ شیخ ایک بزرگ تبع تابعی تھے۔اور عباسی خلفا کے عہد حکومت (یعنی خلیفہ منصور کے عہد) میں ضلع ساکورہ اور اس علاقے کے مضبوط تھر رہ شہر بکار(بھکّر)اور مغربی سندھ کے بعض مواضعات پر قابض تھے۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خاص وعام ہے اور اس کے گنبد پر تاریخ بنا ۱۷۱ ہجری درج ہے۔(تحفۃ الکرام جلد 3 صفحہ 26)

(ب) <u>شیخ ابوتراب شیعی بزرگ تھے</u>

۔''مولوی ابوظفر ندوی کا خیال ہے کہ شیخ ابوتراب غالباً والئی سندھ کی طرف سے قلعہ دار ہوں گے(بطور کمشنر)''۔

۔''سندھ گزیٹئر میں لکھا ہے کہ شیخ ابوتراب نے بھکر کا قلعہ فتح کیا اور بہادری کے دوسرے کارہائے نمایاں دکھائے۔آپکا مزار ٹھٹھہ سے کوئی دس میل کے فاصلہ پر تحصیل میرپور ساکرو میں موضع گجّو کے قریب ہے۔اس پر ایک سو اکھتر ہجری (یعنی 788ء) کی تاریخ درج ہے (صفحہ 91) آپ کے مزار پر ہر مہینے چھوٹا سا میلہ لگتا ہے۔اور عوام الناس نے آپ کو ایک باکرامت پیر بنا دیا ہے۔مقامی روایت ہے۔کہ اس علاقے میں تھارنہ نام کا ایک ہندو راجہ تھا۔شیخ نے اپنی کرامت سے اُسے اور اُس کی فوج کو ایک پہاڑی کی صورت میں منتقل کردیا۔یہ پہاڑی بھی زائرین کو دکھائی جاتی ہے''۔(آبِ کوثر صفحہ 40-39)

(ج) قارئین یہ اصول سمجھ لیں کہ جس بزرگ کی بزرگی اور کرامات ہندو مسلم دونو تسلیم کرتے ہوں وہ یقیناً صوفیا کرام میں سے ہوتا ہے۔خواہ علماء اور مورخین مانیں یا نہ مانیں۔کوئی شخص نہ بنانے سے بزرگ بنتا ہے نہ صاحب کرامات ہوجاتا ہے۔ یہ تو متعصبین کے طنز ہیں جو ضد اور حسد کی بنا پر لازم ہیں اور مخالف گروہ کی ایک واضح اور مشہور شناخت کے لئے کافی ہیں۔

49۔ بوھرہ جماعت کی شیعی تبلیغ

(الف) ۔''بوھروں کی روایت ہے کہ اُن کے مذہب کی اشاعت پہلے پہل عبداللہ یمنی اورسیدی احمد نے کی جو مصر کے خلیفہ مستنصر کے ایما پر 1067ء (427ہجری) میں کھنبائت آئے اور جنہوں نے گجرات کے راجپوت راجہ سُدراج جے سنگھ اور اس کے وزیر کو مسلمان کیا''۔(آب کوثر صفحہ 353)

(ب) بوھرہ جماعت شیعہ تھی۔شیعہ عقائد کا تذکرہ

۔''بوھرہ مبلّغوں کی پُرامن تبلیغی کوششیں صدیوں تک جاری رہیں۔اکثر راسخ العقیدہ بوھرے داڑھی رکھتے ہیں۔ اُن کا لباس عام لوگوں سے جدا ہوتا ہے۔ہندوؤں کے ہاتھ کی مٹھائی (کوئی بھی چیز) نہیں کھاتے۔نہ ہندو دھوبیوں سے کپڑے دھلواتے ہیں اور اگر دھلواتے ہیں۔تو اُنہیں پھر(خود) پاک کرلیتے ہیں۔عموماً نماز روزے کی پابندی کرتے ہیں۔مسکّرات بلکہ تمباکو سے(بھی) مجتنب رہتے ہیں۔زکاۃ باقاعدہ دیتے ہیں۔(آب کوثر صفحہ 354)

(ج) یہاں نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ سنّی العقیدہ عوام یا خواص یا علماء نے کبھی بھی ہندوؤں سے کھانے پینے وغیرہ کا پرہیز نہیں کیا ہے۔اورشیعوں نے کبھی بھی اُن کو ناپاک سمجھنا بند نہیں کیا۔اسکے باوجود ہندوؤں میں شیعوں کی قدرومنزلت ہمیشہ قابل داد رہتی رہی۔نذرونیاز شیعوں کی تقلید میں حضراتِ اہلبیتؑ کے حضور گذرانتے رہے۔اور لطف یہ ہے کہ جو شیرینی یا طعام نذرونیاز میں تیار کراتے تھے۔اُس کا انتظام مسلمانوں کے ہاتھوں میں رکھتے۔خود قریب نہ پھٹکتے تاکہ نذر پاک رہے اورضرور قبول کی جائے۔یہی وجہ ہے کہ جن بزرگوں کے عرس میں میلوں میں یا مزاروں پر ہندوؤں کو دیکھا جائے وہ ضرور مولائی حضرات ہوتے ہیں۔ہندوؤں نے بھی سُنّی حضرات کو ناپاک سمجھنے میں تکلف نہیں کیا اور آج تک اسی پر اُن کا عمل ہے۔اسکے باوجود اُنہوں نے اُنکے ہاتھ کا پکا ہوا ہمیشہ کھایا۔مسلمان حلوائی اور دوکاندار اسی لئے ناکام رہتے تھے کہ مسلمانوں کی کثرت ہندوؤں سے تعلق رکھتی تھی۔

(د) بوھروں کی نمازیں اور مساجد سُنّیوں سے الگ چند سنی بادشاہوں نے بوھروں کو سنی بنایا

۔''کئی بوھرے شاہانِ احمد آباد کے زمانہ میں سنی ہوگئے تھے۔وہ اکثر زراعت پیشہ ہیں۔شیعہ بوھرے زیادہ تر تجارت کرتے ہیں۔اُن میں داؤدی بوہروں کی تعداد زیادہ ہے اور اُنکا ایک خاص نظام ہے۔جماعت کے سرگروہ جنہیں داعیِ مطلق کہتے ہیں۔سورت کے مُلّاجی صاحب ہیں۔اُنہیں جماعت کے متعلق کل اختیارات حاصل ہیں۔یہ لوگ عام (سنی) مسلمانوں کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتے۔اُنکے عبادت خانے علیحدہ ہوتے ہیں۔قبرستان بھی جدا ہیں۔عیدین اور دوسرے تہوار

بھی عام (سُنّی) مسلمانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ جمع (بین) الصلوٰۃ کے قائل ہیں اور عام طور پر فقط تین وقت نماز پڑھتے ہیں۔ یعنی صبح (دو رکعت) اور ظہر (ظہر وعصر ملا کر) اور شام (مغرب وعشا ملا کر) کے وقت اور جمعہ کی نماز با جماعت نہیں پڑھتے''۔(صفحہ 355-354 آب کوثر)

(ہ) نماز جمعہ کا فرض یا واجب ہونا نزاعی مسئلہ ہے

واضح رہے کہ حقیقی شیعوں کے یہاں نماز جمعہ جماعت سے اُس وقت واجب ہوتی ہے۔ جب امام معصوم علیہ السلام کے ہاتھ میں ملک کا نظم ونسق ہو۔ ورنہ نماز جمعہ نہ واجب ہے اور نہ ظہر کی چار رکعات کا ترک کر دینا جائز ہے۔ بلکہ اگر نماز جمعہ مجتہد کے حکم سے پڑھی جائے اور ظہر کو ترک کر دیا جائے تو یہ فعل حرام ہے۔ جن لوگوں نے نماز جمعہ کو مندرجہ بالا شرط کے پورا نہ ہونے کی صورت میں واجب قرار دیا اور امام معصوم علیہ السلام کے مقام کو غصب کیا وہ ہرگز شیعہ نہیں تھے۔ خواہ اُن کے ساتھ لوگوں نے القاب **حجة الله** اور آیت **الله** ہی کیوں نہ لگا رکھے ہوں۔ (دیکھو ہماری کتاب **الجمعة الواجبه**)

(و) گجرات اور سندھ تعلیمات شیعہ کے مراکز درجہ اجتہاد تک تعلیم

۔''سندھ اور گجرات اُن دنوں اسماعیلی اور بوہرہ شیعوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے مرکز تھے۔ اور یوں بھی سیہون (شریف) کے گرد ونواح میں لعل شہباز (عثمان قلندر) کے معتقدین آباد تھے۔ جن کی اکثریت تفضیلی عقیدہ رکھتی تھی۔ شیخ مبارک کے آباواجداد مدت تک اس شیعہ ماحول میں رہے۔ شیخ مبارک کا والد شیخ خصر رَیل کی سکونت ترک کر کے ناگور میں جا بسے اور وہیں 911 ہجری میں مبارک پیدا ہوا''۔(دین الٰہی اور اس کا پس منظر صفحہ 91)

چند سطروں کے بعد پھر شیعہ مرکز کا ذکر کرتا ہے کہ:۔

۔''احمد آباد مدتوں سے اسماعیلی اور بوہرہ مبلّغوں کی سرگرمیوں کا مرکز چلا آرہا تھا۔ اور وہاں ایک سے ایک بڑھ کر شیعہ عالم درس وتدریس میں مشغول تھا''۔(ایضاً صفحہ 91)

(ز)۔ احمد آباد میں اسلام کے تمام فرقوں کی تعلیم درجۂ اجتہاد تک

(شیخ مبارک) اُس نے مالکی شافعی حنفی حنبلی اور امامیہ فقہ کا بغور مطالعہ کیا اور اُن کے اصول وفروع پر بھی خوب توجہ دی اور بڑی محنت اور مشقت کے بعد مجتہد کا درجہ حاصل کیا''۔(آئین اکبری جلد 3 صفحہ 329)۔ اِس اقتباس کو نقل کر کے مصنف کہتا ہے کہ:۔

> ۔''آئین مالک وشافعی وابوحنیفہ وحنبل وامامیہ گوناگوں دریافت اصولاً وفروعاً بہم آوردہ وبتگاپوئے سخت پایۂ اجتہاد رُونمود''۔ (آئین اکبری جلد 3 صفحہ 329)

۔''شیخ مبارک کا فقہ جعفری کا مطالعہ کر کے خود کو مجتہد کے درجے تک پہنچانا ہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ شیعہ تھا۔(صفحہ 92)

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ احمد آباد اور سندھ میں 911ھ تک شیعہ علوم وفنون مکمل طور پر پڑھائے جارہے تھے اور یہ تمام درس وتدریس ایرانی وعراقی علماء کی زیرنگرانی اور نصاب کے مطابق ہوتی تھی۔یعنی اِس کے بعد عراق وایران جانے کی غرض صرف حصول علم نہ ہوا کرتی تھی۔ بلکہ مرکز سے رابطہ رکھا جاتا تھا اور زیارات اہلبیتؑ سے فوائد روحانی کا اکتساب مدنظر رہتا تھا۔

(ح) **شیعہ داعی کشمیر میں اشاعت اسلام**

کشمیر میں صوفیائے کرام نے بڑی محنت وکوشش سے اسلام پھیلایا۔اسلامی حکومت قائم کی (جس کی تفصیل صوفیا کی ذیل میں آئے گی) لیکن رفتہ رفتہ وہاں ہندوؤں کے ساتھ تشدد اور مظالم شروع کردیئے گئے اور شریعت کے نام پر حسب دستور مجتہد؛ مندر مسمار ہوئے ہندوؤں کا قتل عام ہوا اور یہ حکومت کمزور ہوگئی۔اس کے بعد سلطان زین العابدین نے روادارانہ پالیسی اختیار کی سابقہ تمام شرعی قوانین کو معطل کیا اور ایک دفعہ پھر اسلام اور مسلمانوں کو فروغ حاصل ہوا۔لیکن 826ھ ہجری میں سلطان کے انتقال کے بعد پھر کھلبلی مچ گئی۔

۔''اسی زمانہ میں عراق سے میر نور بخش کا مرید شمس الدین کشمیر میں آیا اور اِس ملک میں نوربخشی عقائد کی اشاعت شروع کی''۔ اسماعیلی خوجوں کی تاریخ نورالمبین میں نوربخشیوں کو اسماعیلی بتایا گیا ہے''۔(صفحہ 382 آب کوثر)

(ط) **شمس الدین کی مقبولیت اور شیعت کی اشاعت**

شمس الدین نے جس انداز سے تبلیغ مذہبِ شیعہ شروع کی اُس کا نہایت دل نشین اثر ہوا۔لوگوں نے اُن کی خدمت میں اپنی جائیدادیں وقف کیں خانقاہیں بنائیں اور اُن کے ساتھ جو تعاون کیا وہ غیر کے قلم سے ملاحظہ ہو:۔

۔''تھوڑے ہی عرصے میں چک قوم نے، جو بعد میں کشمیر کے حکمران ہوئے، یہ مذہب اختیار کرلیا۔اور کشمیر میں اُس شیعہ سُنّی مسئلہ (تنازع) کا آغاز ہوا۔جس نے بعض اوقات بڑی تلخ صورت اختیار کرلی۔آخر میں اس ملک میں شیعوں کی ایک کثیر تعداد ہوگئی۔لیکن شیعوں نے فقط سُنی مسلمانوں ہی میں اپنے خیالات کی تلقین نہیں کی بلکہ ہندوؤں میں بھی بڑے جوش سے اپنے عقائد پھیلائے۔میر شمس الدین کی نسبت مشہور ہے کہ اُنہوں نے ایک ایک دن میں بیس بیس ہزار ہندوؤں کو (بلاتلوار تفنگ) مسلمان کیا۔اور بہت سے ہندو شیعہ مُبلّغین اور حکام کی بدولت پہلے پہل مسلمان ہوئے''۔(آب کوثر صفحہ 382)

50۔ ہندوستان میں شعبہ تصوف کی کارکردگی

(1) یہ بات سمجھ کر آگے بڑھیں کہ حضرات صوفیائے کرام کا بنیادی اصول یہ تھا کہ وہ خود کو سُنّی المذہب ظاہر کریں۔ تاکہ مجتہدین اُن کے خلاف عوام کی طاقت استعمال نہ کر سکیں۔ لہٰذا تاریخ میں صوفیوں کا شیعہ ہونا بہت کم تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ تو یہ سمجھ لیں کہ صوفی ہرگز ہرگز سُنّی نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو خود کو شیعہ ظاہر کر رہا ہو حقیقتاً سُنّی ہو۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص صوفی بھی ہو اور شیعہ نہ ہو۔ خواہ وہ نماز ہاتھ کھول کر پڑھے یا باندھ کر یا بالکل نہ پڑھے۔ اور یہ بھی یہیں سمجھ لیں کہ صوفیا میں ظاہری شریعت پر عملدرآمد اسی لئے کم سے کم کیا جاتا ہے کہ ظاہری عبادات سے شیعہ سُنّی ہونے کا پتہ چل سکتا ہے۔ لہٰذا جن لوگوں کو صوفی کہا جاتا ہے اور جنہوں نے ظاہری شریعت کی پابندی کی اور دوسروں کو پابندی کا حکم دیا وہ حقیقتاً صوفیوں کے لباس میں مولوی یا مجتہد تھے۔ اور نظامِ تصوف میں اختلاف وابتری پھیلانے کے لئے اُنہوں نے خرقہ پہنا تھا۔ لیکن حقیقی صوفیائے کرام دنیا کی ہر چیز کو نظر انداز کر سکتے تھے۔ مگر یہ راز فاش کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوسکتے تھے کہ وہ تحریک تشیع کے ممبر ہیں۔ البتہ مخالف محاذ کے دانشور رفتہ رفتہ اس راز پر مطلع ہوگئے۔ اور بعض اعمال ونتائج سے یہ فیصلہ کرلیا کہ صوفی اگر شیعہ نہ بھی ہوں تو بھی شیعوں کے چھوٹے بھائی یا مددگار رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں جناب محمد ایوب صاحب (بقول خود) قادری ایم اے مولف کتاب فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ کا ایک بیان ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔

(2) <u>ہندوستان میں صوفیا نے مذہب شیعہ کو پھیلایا</u>

۔''ہندوستان میں جن حضرات نے تصوف کے پردے میں تبلیغ دین فرمائی۔ اُن کو تمام تر سُنّی المذہب قرار دینا غلط ہے۔ اس لئے کہ اثناعشری اور اسماعیلی شیعہ بھی تصوف کے بھیس میں ایران سے ہندوستان آتے رہے ہیں۔ اور اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ نزاری اور مستعلی اسماعیلیوں کی تبلیغ تمام تر تصوف کے پردہ میں ہوئی ہے۔ چنانچہ نزاریوں کے پیر صدرالدین اور حسن کبیرالدین کا کام اس سلسلے میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ اثناعشری علمائے مبلغین بھی تصوف کے پردے میں ہندوستان میں تبلیغ کرتے رہے۔ جن کا ایک واضح اشارہ ابوفضل نے بھی آئین اکبری میں کیا ہے''۔

(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ صفحہ 18)(ماخوذ از اردو مرثیہ اور شاہی سرپرستی از ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی)

(3) اب ہمارے ناظرین کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ سلطان محمد بن غیاث الدین تغلق اور دوسرے شرع کے پابند بادشاہوں اور علماء نے کیوں صوفیا کرام کا زور توڑنا اور اُنہیں قتل کرانا ضروری سمجھا۔ وہ اس راز سے واقف ہوگئے تھے یا کم ازکم اتنا تو ضرور سمجھ گئے تھے کہ تصوف اور صوفیا اُن کے خانہ ساز مذہب اور شریعت کو تباہ کرڈالنا چاہتے ہیں۔ اور اُن سے اُن کے مذہب کو کسی طرح کا فائدہ تو ہرگز نہیں پہنچتا ہے۔ چونکہ صوفیا بظاہر سُنّی المذہب ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن پر شیعہ ہونے کا جرم تو عائد نہ ہوسکتا

تھا۔لہٰذا اُنہیں مجرم بنانے کے لئے کوئی اور ہی پہلو اختیار کیا جاتا تھا۔مثلاً صوفیا سماع (قوالی سُننے) پر زور دیتے ہیں۔جیسا کہ نظام الدین اولیا کے خلاف کہا گیا کہ:۔

(4) صوفیا مذہب امام اعظم ابوحنیفہ کے خلاف گانا سنتے ہیں

۔''اس کے بعد بعض لوگوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ شیخ نظام الدین (اولیا) سماع کے سوا کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں لیتے اور سرود (راگ گانا) جو مذہب حنفیہّ میں حرام ہے۔سُنتے ہیں۔ بادشاہ کو واجب ہے کہ علماء کا ایک محضر (کورٹ مارشل)منعقد کرے''۔(صفحہ 398 آب کوثر)

یہ تو ظاہر ہے کہ شکایت کرنے والے ہرگز عوام نہیں ہو سکتے۔کیوں کہ وہ تو ہر زمانہ میں گانا پسند کرتے رہے ہیں۔البتہ قاضی صاحب اور کوتوال صاحب اور اسی قسم کے ملازمین نے یہ تجویز پیش کی یا کرائی ہوگی۔اُدھر نظام الدین اولیا علیہ الرحمہ کا عوام پر جو اثر تھا۔اُس کو خراب کرنے کے لئے بھی ضروری تھا کہ نظام الدین اولیا کو زبردستی صوفی سے حنفی بنایا جائے۔حنفی کہنا بھی غلط ہے اس لئے کہ حنفی علماء ہرگز متشدد نہیں ہوتے۔یہ تو صوفی کو خانہ ساز مسلمان بنانے کی اسکیم تھی۔چنانچہ علماء نے حضرت سلطان الاولیا کے خلاف فیصلہ کرنا پسند نہیں کیا۔کورٹ مارشل کا حال ملاحظہ ہو۔

(5) صوفی کو زبردستی مسلمان کرنے کی کوشش

۔''چنانچہ بادشاہ غیاث الدین تغلق نے سربرآوردہ علما کو بلایا۔اور سماع کے مسئلہ پر بحث ہوئی۔اس محضر (کورٹ مارشل) نے سماع کے خلاف فتویٰ نہ دیا اور جب (بقول فرشتہ) حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا نے سماع کے جواز میں ایک حدیث (جو فی الواقع حدیث بھی نہ تھی اکرام اللہ) پڑھی تو بادشاہ قائل ہوگیا۔بلکہ نظامی تذکرہ نگار لکھتے ہیں۔کہ بادشاہ نے قاضی شہر کو جو حضرت شیخ کے مخالفین میں پیش پیش تھا معزول کر دیا''۔(صفحہ 398 آب کوثر)

(6) صوفیا کی قوالی میں منقبت اہلبیتؑ

۔''فرخ سیر کے دور میں خان دوران خان بخشی کا بھائی خواجہ محمد جعفر ایک متصوف تھے۔اُن کے حالات میں یہ تحریر ہے۔کہ اُن کے گھر میں آئمہؑ طاہرین کی منقبت میں قوالیاں گائی جاتی تھیں۔بعض مریدین ومعتقدین سلام کے بجائے (اہلبیتؑ کو) زمین بوس آداب کرتے تھے۔اور آئمہ اثناعشریہ کی منقبت گاتے تھے''۔(فضائل صحابہ صفحہ 13)

(7) ایک متعصب مُلاّ نے اس قوالی کو منع کیا

مندرجہ بالا عملدرآمد کو روکنے کیلئے ایک مولوی صاحب کا وعظ سنئے!:۔

۔''ملتان کے ایک واعظ شیخ عبداللہ دارالسلطنت دہلی پہنچے تو انہوں نے اس رُجحان پر گرفت کی اور کہا کہ سجدہ سوائے

معبود برحق کے کسی اور کو سزاوار نہیں ہے۔ اور سرود کا سننا بھی شریعت کے طریقہ کے خلاف ہے۔ فقط حمد و منقبت اہلبیتؑ کا سننا اور اصحاب کبار کے اسم اور ذکر کا نہ ہونا۔ اسلام کے آئین اور طریقے سے دور ہے''۔ (صفحہ 14-13)

ناظرین نوٹ کریں کہ صوفیا حضرات مولوی کے اسلام اور اُس کی شریعت کے خلاف عمل کرتے تھے۔ مگر تحریک تشیع اور حقیقی اسلام کے عین مطابق تھا۔ جب تک یہ لوگ یہ ثابت نہ کردیں کہ ابلیس کا آدمؑ کو سجدہ نہ کرنا اسلام میں صحیح ہے۔ اُس وقت تک انبیاءؑ و آئمہ معصومین گوز مین بوس سلام کرنا جاری رہے گا۔

(8) ملّا شیخ عبداللہ ملتانی کا شر انگیز وعظ جاری ہے

مندرجہ بالا۔ ''شیخ عبداللہ ملتانی نے مسجد جامع میں جمعہ کے دن وعظ کہا کہ حضرت علیؑ داخل اہل عبؑا نہیں ہیں۔ اور علوی کو سید نہیں کہہ سکتے۔ اور جن پنجتن کو پاک کہتے ہیں۔ اہلسنت کے عقیدے کے خلاف ہے۔ کیا اور اصحاب کرام پاک نہ تھے؟''۔
(تاریخ ہندوستان صفحہ 121 جلد 9 شمس العلما مولوی ذکاء اللہ)

(9) وعظ کا نتیجہ بھی ملاحظہ ہو

مسلسل لکھا:۔ ''انجام یہ ہوا کہ جمعہ کے روز کچھ مغل زادے اوباش وضع کربلا کی تسبیحیں گردن اور بازو میں ڈالے وعظ کے وقت پہنچے۔ اس پر گمان ہوا کہ وہ شیخ عبداللہ کے قتل کرنے کو آئے ہیں۔ شیخ عبداللہ کے ہوا خواہوں نے فرخ سیئر سے استغاثہ کیا۔ جس کا فیصلہ یہ ہوا کہ عبداللہ واعظ (واپس) ملتان جائے اور خواجہ جعفر (صوفی اور بھائی) شہر سے باہر نکلے''۔
(تاریخ ہندوستان جلد نہم صفحہ 122 فضائل صحابہ و اہلبیت صفحہ 14)

مطلب واضح ہے کہ چند متعصب لوگوں نے مذہب اہلسنت کی آڑ میں فساد پھیلانے کے لئے مُلّا جی کو ملتان سے بلایا اور اُس سے ایسے عقائد کا اعلان کرایا جو بزرگان اہلسنت کے خلاف اور صوفی و شیعہ کے لئے اشتعال انگیز تھے۔ ہم مسلسل کتاب فضائل صحابہ کے مقدمہ سے اقتباسات دے رہے ہیں۔ اس کے مولف نے جو اقتباسات کے حوالے دیئے ہیں وہ صحیح ہیں۔ اس لئے ہم اُن حوالوں کے صفحات کا نقل کرنا فضول اور ناظرین کی گرانی طبع کا باعث خیال کرتے ہیں۔

(10) مولف کے نزدیک قدم شریف جعلی اور فریب ہے

۔ ''دہلی میں عزاداری اور مرثیہ خوانی بڑے زوروں سے ہوتی تھی۔ نواب درگاہ قلی خان نے اِس سلسلے میں خاصی تفصیل دی ہے۔ جس طرح دہلی میں قدم شریف کے نام سے مجاوروں نے ایک فرضی زیارت گاہ قائم کر رکھی تھی۔ اور مشہور کردیا کہ یہ نقش قدم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اُسی طرح امامیہ حضرات نے دہلی میں شاہ مرداں اور پنجہ شریف کی زیارات قائم کیں اور مشہور کردیا کہ یہ حضرت علیؑ کا نقش قدم ہے۔ اس کی یہ کیفیت تھی کہ۔'' بروز شنبہ زائرین

اورحاجتمندوں کابڑاہجوم ہوتا۔اور۱۲محرم کو(بروز زیارت خامس اہل عبا)خصوصیت سے اہل عزابرسم پرسہ داری گریاں ونالاں حاضرہوکرمراسم تعزیت بجالاتے تھے۔اس روزکوئی متنفس ایسانہ ہوتا تھا۔کہ زیارت سےمحروم رہے''۔(صفحہ 15)

(11) قدم شریف اکبر کے زمانہ میں قابل احترام تھا

مولف چونکہ ماڈرن مسلمان ہیں اس لئے قدم شریف کو بلاتکلف جعلی لکھ دیا۔چاہئے یہ تھا کہ اپنے تمام علماء اور بادشاہوں کی مذمت بھی کردیتے جنہوں نے قدم شریف کوصحیح اورقابل احترام سمجھا۔مولف کویاددلائیں کہ:۔

۔''سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکبرکی محبت کااندازہ اس بات سے بخوبی لگایاجاسکتاہے۔کہ جس سال شاہ ابوتراب حج سے واپس آیاتووہ اپنے ساتھ ایک ایساپتھرلیتاآیاجس پرحضورؐ کے۔''پائے مبارک''۔کانشان تھا۔جب وہ آگرہ کےقریب پہنچاتواکبراپنے امراوعلماسمیت اُسکے استقبال کیلئے چارکوس تک گیا''۔(منتخب التواریخ صفحہ 310 جلد2)

(12) تصوف کےذریعہ تمام شعبہ ہائے حیات پرتشیّع کاقبضہ جاری تھا

جناب محمدایوب(مولف فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ)قدم شریف اوردیگرصوفی اداروں کی تبلیغی سرگرمیوں سے پریشان ہوکرکہتے ہیں:۔

۔''مندرجہ بالااقتباسات سےہم اُس دَورکی عام مذہبی زندگی کااندازہ لگاسکتے ہیں۔کہ امرا و وُزرا کی سرپرستی میں شیعت اورتفضیلیت کوکس قدرفروغ ہورہاتھا۔کہ ہرشخص اسی رنگ میں رنگاہواتھا۔مذہب اورادب ہرشعبۂ حیات میں اِس کی جھلک نظرآتی ہے۔اُردو شاعری کے اساطین شعرا میر (1810ء/1225ھ)۔افغان 1772ء/ 1186ھ۔سودا 1781ء/1195ھ۔سوز 1798ء/ 1212ھ۔ میرحسن 1776ء/ 1201ھ۔انشا 1817ء/ 1233ھ۔ سلیمان شکوہ سلیمان 1837ء۔نظیر 1830ء/ 1246ھ۔آتش 1847ء/1263ھ۔ ناسخ 1838ء/ 1254ھ۔ یہ سب اُسی جماعت کےارکان ہیں۔اوراُسی فکرونظر کےمبلّغ وَمنّادشعرااورمتصوفین کےذریعے یہ افکاروخیالات خوب اشاعت پذیرہوئے اورتفضیلی مشائخ شاہ فخرالدین دہلوی 1784ء/ 1199ھ۔ وغیرہ نے تواِس لَے (سُر۔ طرزِادا)کواورآگے بڑھایا۔جس کی تفصیل حسبِ موقعہ پیش کی جائےگی''۔(صفحہ 18-17 فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ)

(13) ممکن ہے کہ بعض ناظرین تفضیلیت اورتفضیلی عقیدہ کونہ سمجھتے ہوں۔اس لئے یہ عرض کرناضروری ہے کہ جب وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعدمسلمانوں میں خلافت کاجھگڑااُٹھا۔تواُس وقت سے اب تک مسلمان دومکاتب فکرمیں تقسیم رہے ہیں۔ایک یہ کہ آنخضرتؐ کےبعداُمت میں سب سے افضل جناب علی مرتضٰی علیہ السلام ہیں۔اوردوسرایہ کہ ابوبکرؓ افضل ہیں۔لہٰذاتفضیلی اُن حضرات کوکہاجاتاہے جوحضرت علیؑ کوتمام صحابہ اورپوری اُمت سے افضل مانتے ہیں۔صحابہ رسولؐ میں اِن لوگوں کی کثرت تھی۔اورخودحضرت ابوبکرؓ اورحضرت عمرؓ کےاقوال اورفرمانات میں بھی حضرت علیؑ کی افضلیت کوتسلیم کیاگیا

ہے۔حضرت علیؑ کو افضل ماننے والوں میں ایک قلیل گروہ ایسا بھی رہتا چلا آیا ہے جو بعض انتظامی مصلحتوں کے ماتحت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ بھی مانتا رہا ہے۔اور خلافت کے لئے کسی فضیلت یا بزرگی کا قائل نہیں ہے۔صوفیوں اور شیعوں میں اوّلین فرق یہ ہے کہ شیعہ حضرت علی وآئمہ اہلبیت علیہم السلام کو رسوؐل کا ظاہری و باطنی،جسمانی و روحانی جانشین خلیفہ و امام مانتے ہیں۔صوفی مصلحت یہ ہے کہ جسمانی یا ظاہری خلافت کے جھگڑے اور نزاعی و اختلافی معاملہ پر پردہ ڈال کر علیؑ وآئمہؑ معصومین کی روحانی اور حقیقی خلافت منوالی جائے۔چنانچہ وہ پہلے درجہ میں لوگوں کو تفضیل کی طرف لاتے ہیں اور رفتہ رفتہ روحانی خلافتِ بلافصل کی نعمتوں سے مالا مال کرتے ہیں۔اور پھر جسم وروح دونوں کو محمدؐ وآلِ محمدؐ سے وابستہ کر کے دین و دنیا دونوں میں سُرخرو کردیتے ہیں۔بات واضح ہوگئی کہ تحریک تشیّع کی طرف پہلا قدم تفضیل ہے۔دوسرا قدم بلافصل روحانی خلافت وامامت ہے۔تیسرا قدم جذبۂ فداکاری ومحبت ہے۔اس کے بعد خود بخود اعمال صالحہ اور دیگر حقیقی مسائل کا علم ونفاذ ہے۔لہٰذا مخالف گروہ کے دانشوروں کے نزدیک تفضیلی ہونا درحقیقت شیعہ ہوجانے کا پیش خیمہ اور اُن کے مذہب کے لئے خطرے کا سگنل یا اعلان ہوتا ہے۔چنانچہ مولف مذکوراب سندھ میں صوفیائے کرام کی تبلیغی سرگرمیوں کا رونا اِس طرح روتے ہیں۔

14۔ سندھ میں تصوف نے شیعت کی دھوم مچادی

۔’’سندھ میں امیرانِ سندھ کا بھی یہی (تصوف) مسلک تھا۔تاریخ وادب وشعر وشاعری سب میں اِن ہی افکار وخیالات کی صدا گونجتی نظر آرہی ہے۔سندھی ادبی بورڈ نے اُس دور کا جو فارسی لٹریچر شائع کیا ہے۔اس میں بھرپور تفصیل ملتی ہے۔یہاں صرف ایک مثال ملا محمد معین سندھی (8-1747ء۔1167ھ) مصنف دراسات اللبیب کی پیش کی جاتی ہے۔کہ ایک طرف تو وہ غیر مقلدیت کے مبلغ ہیں۔تو دوسری طرف رِفض (صحابہ سے انکار) وشیعت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔اور یہ اُس دَور کے متصوفین،شعرا اور امرا کا عام رجحان تھا۔امیرانِ سندھ کے اقتدار کی آخری نشانی ریاست خیرپور تھی۔کہ جس نے اس معاملہ میں اپنی ذمہ داری (شیعت پھیلانے) کو پوری مستعدی سے پورا کیا۔سندھ کے دوسرے امیروں اور متصوفین کا بھی یہی حال تھا۔تاریخ اوچ کے مولف مولوی حفیظ الرحمٰن بہاولپوری 1959ء۔1379ھ ’’۔**اوچ میں شیعت کا آغاز**‘‘۔ کی سُرخی کے تحت رقمطراز ہیں۔

۔’’جندوڈھ شاہ نے بالغ ہوکر ایک طوائف گوہر خاتون سے نکاح کرلیا اور میر سہراب خان تالپور کے اثر تربیت اور صحبت سے مذہب شیعہ اختیار کرلیا اور 1224ھ میں اپنے مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ اوچ میں وارد ہوا اور مخدوم ناصرالدین سادس (چھٹا) کے لقب سے سجادہ نشین خانقاہ حضرت جلال بخاری مخدوم جہانیان جہاں گشت بن گیا۔جندوڈھ شاہ پہلا سجادہ نشین اوچ بخاری ہے۔جس نے سندھ سے مسلک شیعہ لاکر اوچ اور ریاست بہاولپور میں مروج کیا‘‘۔

عہد فیروزی کے مشہور سہروردی بزرگ مخدوم جہانیان جہاں گشت (1384ء ۔ 785ھ) کی خانقاہ کا یہ حال ہے اوراس کے سجادہ نشین اَب اہلِ تشیّع ہیں''۔(صفحہ 20 فضائل صحابہؓ واہلبیتؓ)

15۔ مارھروی پیرزادوں صوفیا مشائخ کا شیعت پھیلانا

مؤلفِ فضائلِ صحابہ مارھرہ کے صوفیا کی شیعہ تبلیغ کا تذکرہ کرتے ہیں:۔

۔''مارھرہ ضلع ایٹہ کا مشہور قصبہ ہے۔ یہاں پیرزادوں کا ایک مشہور قدیم خاندان ہے۔جس میں نامی گرامی مشائخ گذرے ہیں۔اُن کا تعلق بلگرام کے سادات سے ہے۔(یعنی وہ سید خاندان تھا) اُن میں اثنا عشری مسلک کی ترویج کے سلسلہ میں اُسی خاندان کے ایک مورخ مولوی سید محمدؒ میاں مارھروی لکھتے ہیں:۔

۔''ہمارے اسلاف کرام اوراُن کے اَخلاف فخّام سب بحمد اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے دینِ اسلام مذہبِ مہذّب اہلسنت والجماعت سے آراستہ وپیراستہ چلے آئے تھے۔اوراپنے اس دین متین اور مذہب مہذب (یہ ریا کارانہ انداز بیان ہے) میں تعصب وتغلّب کومقبول ومحمود جانتے (سبحان اللہ) اور مانتے اور بتاتے رہتے اوراگرچہ اَودھ کے رافضی (یہ مذہب مہذب کی زبان تھی) سلطنت کے قرب اوراثر سے بلگرام اوراس کے نواح کے مقامات میں رہنے والے بعض ہماری نسل کے منتسبین (جواُن کی نسل سے منسوب تھے یعنی اُن ہی کی نسل تھے) میں شیعت کا دخل ایک عرصہ کثیر ودراز سے ہوگیا تھا۔جو بامتدادِ زمانہ بڑھتا (اور مذہب مہذب کو گھٹاتا رہا) مگر بحمدہ تعالیٰ ہمارے اجداد کرام کے علم وعمل ظاہری وباطنی (یہ باطنی ہی تو تشیّع ہے جناب) اوران کی پختگی، دین ومذہب اور حفاظت شریعت نے ہمارے مارھرہ کی نسل میں اس ضلالت (گمراہی) کوداخل نہ ہونے دیا۔(مگر) جہاں تک معلوم ہوتا ہے۔اَوّل جُمّا میاں صاحب لکھنو اور یوروپ کی صحبتوں سے اس طرف مائل ہوئے (جُمّا میاں کا نام آلِ امام بن آل برکات ہے 1194ھ میں پیدا ہوئے۔8 رمضان 1248ھ میں فوت ہوئے۔(حاشیہ صفحہ 42) میاں جی یہ تو نام رکھنے والا بھی دل سے شیعہ معلوم ہوتا ہے۔باپ کوالزام دیجئے۔احسن) اوراب اُن کی باغ پختہ کی نسل کی جو حالت ہے۔وہ میں اُوپر بتا چکا ہوں۔اورحضرت سید شاہ آل حسین سچے میاں صاحب قدس سرّہ کے بعد اُن کے دوسرے بیٹے سید محمد تقی خان صاحب سے اُن کی نسل میں بھی کچھ کچھ شیعت کی داغ بیل پڑنا شروع ہوئی اوراب فقیر کے علم میں (ہائے مذہب مہذب کی شکست) اِس نسل کا کوئی بھی ایسا نہیں جو (میاں جی کے علاوہ) شیعہ بتفاوت مراتب نہ ہو۔(یعنی کوئی اعلیٰ درجے کا اور کوئی ادنیٰ درجہ کا شیعہ) اور ہمارے حضرات کی صاحب زادیوں کی بھی جونسل مارھرہ سے باہر کوات، بلگرام، باڑی اور سانڈھی وغیرہ میں ہے۔اُن میں بھی ایک عرصے سے شیعت گھس گئی ہے۔''(صفحہ 42-41 فضائل)

(16) چونکہ اس بیان میں تعصّب اور تغلّب پر فخر کیا گیا ہے۔اس لئے ہمیں جگہ جگہ ناظرین کومتوجہ کرنا پڑا ہے۔بہرحال اگر

ہندوستان کے شیعوں پر نظام اجتہاد قابض نہ ہوگیا ہوتا تو آج کوئی شخص شاید ڈھونڈھے سے غیر شیعہ ملتا۔ مخالفین نے شیعہ علماء کو خریدا اُن سے لعنت وتبرا کے ذریعہ نفرت وتعصب وتغلب کا بیج بوایا۔ اورتحریک تشیع کے معلومہ محاذوں کو بڑھنے سے روک دیا۔ آج نظام اجتہاد اور خاطی قیادت کی بنا پر ملک ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں چاروں طرف شیعہ ہر میدان میں پس ماندہ اور شکست خوردہ ہیں۔ چاروں طرف سے گھرے ہوئے مجبور ومقہور وناتوان اور مُردہ ہیں۔

(17) صوفیا کرام نے عزاداری اور شیعوں کی تمام رسومات جاری کیں

مولف کو بڑا قلق ہے کہ صوفیائے کرام نے انکے ہم مذہبوں میں وہ تمام رسومات وعقائد پھیلا دیئے جو لوگوں کو شیعہ بنا لیتے ہیں سنئے !:۔

۔''اُس زمانہ میں شیعت کو فروغ کے ساتھ ساتھ تفضیلیّت کا بھی با قاعدہ پر چار رہوا۔ بلکہ شیعت کا پہلا زینہ تفضیلیت ہی ہے۔ یہ لوگ حضرت علیؑ کو شیخین السیّدین حضرات صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما پر من حیث الوجوہ فضیلت دیتے ہیں۔ پنجتن پاک اور چہاردہ معصومین (علیہم لسلام) کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ آئمہ طاہرؑین کا دم بھرتے ہیں اور محرم میں عزاداری کرتے ہیں۔ متصوّفین کے ذریعہ سے تفضیلیت کی تبلیغ واشاعت ہوئی ہے۔ اکبر کے زمانہ کے مشہور صوفی شیخ میر عبدالواحد بلگرامی (1608ء۔ 1017ھ) نے اپنی معرکۃ الارا تصنیف سبع سَنابل کا پہلا سنبلہ (باب) تفضیلی عقائد اور مفضلہ سادات ہی کے رد میں لکھا ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے زمانہ میں تفضیلی عقائد کی نشر واشاعت میں حضرت شاہ فخر الدین دہلوی (1784ء۔1199ھ) نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ وہ باقاعدہ شیعہ حضرات کو بیعت کرتے تھے۔ (یعنی اپنے مریدوں میں شیعہ سُنّی کی تفریق نہ کرتے تھے)۔ ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز نے شیعوں کے بیعت کرنے پر اعتراض کیا۔ تو اُنہوں نے جواب دیا کہ شیعہ اسطرح بیعت کرنے سے سبّ وشتم اور تبرا سے باز آجاتے ہیں۔ اگرچہ یہ بات کسی حد تک درست ہو لیکن شیعوں کے دوسرے معتقدات کی اشاعت بھی عام سُنّیوں میں اِسی اختلاط کیوجہ سے ہوئی۔ اور عوام اہلسنت میں پنجتن پاک آئمہ معصومین (علیہم السلام) چہاردہ معصومین (علیہم السلام) بارہ امام (علیہم السلام۔ اِسی ناصبی نے یہ سب کچھ لکھا اور کہیں علیہ السلام یا رضی اللہ نہ لکھا) امام ضامن۔ بی بی کی صحنک اور دوسرے شیعہ معتقدات ومعمولات نے جڑ پکڑی۔ اور پھر اس کا نقطۂ عروج مراسمِ محرم اور تعزیہ داری کی شکل میں ظاہر ہوا۔ (فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ صفحہ 58-57)

18۔ کتاب تحفہ اثنا عشریہ سے خواجہؒ بے نیاز کی نفرت

آنے والے اقتباس سے معلوم ہوگا کہ مجتہدین حضرات عوام مسلمانوں میں شیعہ سنی منافرت پھیلانے کے لئے کتابیں لکھ رہے تھے۔ اور صوفیائے کرام نفرت پھیلانے والی کتابوں کو بے اثر بنا رہے تھے۔ مولفِ فضائل کی زبان سے سنئے !:۔

۔''حضرت شاہ فخر الدین دہلوی (مذکورہ وموصوفہ بالا) کے خلیفہ شاہ نیاز احمد بریلویؒ (1854ء۔ 1250ھ)

روہیل کھنڈ میں تفضیلی عقائد کے سب سے بڑے مبلغ ہیں۔اُن کے افکار سمجھنے کیلئے صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔(صفحہ 58)

۔''حضرت نیاز بے نیاز کا معمول تھا کہ دوپہر کو اندر مکان کے قیلولہ فرما کر قبل نمازِ ظہر خانقاہ میں برآمد ہوتے تھے۔ لیکن ایک روز ایسا ہوا کہ آپ وقت معین پر خانقاہ میں تشریف نہیں لائے۔ظہر کا وقت گذر گیا۔اور عصر کا وقت قریب آ گیا۔اُس وقت خادمان وغلامان موجودِ خانقاہ اِس خلافِ معمول امر سے سخت پریشان ہوئے۔اور زنانہ مکان کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوکر سبب عدم تشریف آوری کا دریافت کرنے گئے۔آپ نے فرمایا کہ میرے خانقاہ نہ آنے کا یہ باعث ہے۔کہ تم خانقاہ میں ایسی کتاب لائے ہو۔جس میں مولاعلی (علیہ السلام) مولف مولاعلیؑ کا دشمن ہے اسلئے نہ ؓ لکھا نہ عین بنایا) کی شان میں طریق گستاخانہ استعمال کیا ہے۔اِس کتاب کو ہماری خانقاہ سے باہر کرو۔جب خانقاہ میں آئیں گے۔یہ سُن کر حاضرین میں سے ایک صاحب نے معذرت کی کہ فی الحقیقت یہ خطا مجھ سے ہوئی ہے۔آج دوپہر کو میں ایک دوست سے کتاب تحفہ اثناعشریہ پڑھنے کے لئے خانقاہ میں لے آیا تھا۔اب فوراً کتاب واپس کرتا ہوں۔غرض جب کتاب خانقاہ سے چلی گئی۔تب حضرت خانقاہ میں تشریف لائے۔کتاب تحفہ اثناعشریہ درحقیقت تصنیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ہے۔اگرچہ اُنہوں نے اُس کو اپنے ایک شاگرد کے نام سے شائع کیا۔''(راز ونیاز حصہ اول حالات وملفوظات شاہ نیاز احمد بریلوی صفحہ 69)(فضائل صفحہ 58-57)

(19) <u>صوفیا کرام کے متبعین کا کتاب تحفہ پر ردِعمل</u>

یہ اقتباس نقل کرنے کے بعد مسلسل مولف فضائل لکھتا ہے کہ:۔''اس کے بعد مولفِ راز ونیاز نصیرالدین صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کی مزید تخفیف (بے عزتی) تنقیص (عیب بیان کرنا) بلکہ تبرا کیا ہے''۔ (صفحہ 70-69 راز ونیاز)(صفحہ 58 فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ)

(20) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی دہلی میں اور سید دلدار علی لکھنؤ میں اپنے اپنے قلم کی نوک سے مسلمانوں کے اتحاد وارتباط کی رگِ حیات کوُکر یدر ہے تھے۔اور اِسطرح وہ مسلمانوں کے خون سے اپنی اپنی تصنیفات میں نفرت وانتشار کے نقوش اُبھار کر صدیوں کی دبی ہوئی آگ دوبارہ روشن کر گئے اور خادم دین وملت کہلائے۔اِسکے برعکس آپ نے دیکھا کہ خواجہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ؛ نہ یہ کہتے ہیں کہ تحفہ اثناعشریہ کو نہ پڑھنا، نہ محدث صاحب کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔بس یہ کہ وہ خود پسند نہیں کرتے اور صرف خانقاہ میں ایسی کتاب کا آنا اور رہنا اُنہیں منظور نہیں۔گھر جا کر پڑھیں ممانعت نہ کی۔تحقیقِ حق نہ کریں اور اندھے مرید بنے رہیں یہ منشا نہیں۔بس یہ کہ وہ جو کچھ تحفہ اثناعشریہ میں ہے اُس سب کو، اُس ساری بحث کو، اپنے مولاعلی مرتضٰی علیہ السلام کے حضور گستاخی سمجھتے ہیں۔یہ تھا وہ خاموش اور مہذب اور پُراثر دِفاع جو آئمہ معصومین علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کے عین مطابق ہے۔لیکن جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ اپنے سوا باقی مذاہب کے بزرگوں کی تنقیص ومذمت وعیب جوئی

اور سَبّ وشتم اور لعن وطعن وتبرّا کے ذریعہ خدمتِ اسلام کر رہے ہیں۔ وہ دراصل اسلام سے شعوری یا لاشعوری دُشمنی کرتے اور اُمت کو دوھرا نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ ہم مفادِ اُمت اور آئمہ علیہم السلام کے مقابلہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اُمت میں انتشار وافتراق پھیلائے اُس کو قتل کردو خواہ وہ میرا عمامہ ہی کیوں نہ پہن کر آئے۔ (نہج البلاغہ)

(21) صوفی شاعر نے میلادِ علیؑ اور ایک سہرا منظّم کیا

۔" اُسی کے قریب زمانے میں حضرت شاہ دلدار علی (شاعر) مذاق (تخلص) بدایونی رحمۃ اللہ علیہ (1894ء۔ 1312ھ) مشہور تفضیلی بزرگ گذرے ہیں۔ اُنہوں نے روہیل کھنڈ میں سب سے پہلے علی کرم اللّٰہ وجھہ (جزاک اللہ) کا میلادشریف۔" ومیلاد مصطفوی ومرتضوی"۔ لکھا اور مروّج کیا۔ اُسی طرح حضرت علیؑ کا ایک سہرا لکھا۔ جو اکثر شادی کے موقع پر گایا جاتا ہے۔ اس سہرے کا پہلا شعر ہے :۔

؎ علیؑ نوشاہ بنا سہرا بندھا مشکل کشائی کا ملا خِلعت نبیؐ سے خلق کی حاجت روائی کا۔ (فضائل صفحہ 60-59)

(22) قلندری مشائخ نے کہاں کہاں شیعت کی تبلیغ کی

۔" اَوَدھ میں تفضیلیت کی اشاعت تکیہ کاکوروی کے مشہور قلندریہ مشائخ کے ذریعہ ہوئی۔ اُنہوں نے یہ صُور اتنی بلند آہنگی سے پھونکا کہ جس کی صدائے بازگشت آج تک سُنائی دیتی ہے۔ اضلاع سہارنپور۔ مظفر نگر۔ میرٹھ اور بلند شہر میں بھی تفضیلی عقائد بڑی تیزی سے پھیلے۔ اُن میں بعض تو شیعہ ہوگئے تھے۔ دیوبند میں تو تمام شیخ عثمانی تفضیلی تھے۔ نانوتے کے صدیقی شیخ زادگان میں شیخ تفضیل حسینؒ بن شیخ علی محمد شیعہ ہوگئے تھے۔ شیعہ اور سُنّی حضرات میں آپس میں شادی بیاہ ہوتے تھے۔ (فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ صفحہ 60)

(23) تصوف نے عثمانی مشائخ کو شیعہ مصنف بنادیا

۔" دیوبند کے ایک عثمانی شیخ زادے شیخ احمد بن مولوی محمد وجیہ الدین عثمانی نے تفضیلیّت کے بعد مسلک شیعہ اختیار کیا۔ اور اُس کی تبلیغ کے لئے ایک کتاب انوار الھدٰی لکھی۔ اس کتاب کے آغاز میں وہ خود لکھتے ہیں کہ:۔

۔" خاکسار ذرۂ بے مقدار شیخ احمد بن جناب مولانا مولوی وجیہ الدین صاحب عثمانی ساکن دیوبند ضلع سہارنپور مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہاں آباد خدمتِ اربابِ تحقیق میں عرض کرتا ہے۔ کہ سنِ شعور سے ازروئے عقیدہ آبائی یہ عاجز متمسکِ طریقہ اہلسنت والجماعت کا تھا۔ اور اُس مذہب کے حق ہونے پر نہایت درجہ غلو رکھتا تھا۔ اور فرقۂ شیعہ سے بالخصوص ایک قسم کی نفرت تھی۔ مگر خارج از مذہب ایک یہ عقیدہ کہ جناب علیؑ مرتضیٰ جمیع صحابہ سے افضل ہیں۔ درحقیقت ورثۂ پدری میں پہنچا تھا۔ اور

اگر متمسکانِ طریقہ امامیہ سے ایک کاوش تھی۔لیکن اس عقیدہ پر نہایت مستقل طور سے قائم تھا۔'' (فضائل۔صفحہ 61-60)

یہاں تک لکھ کر اب مولف فضائل یہ ثابت کرنے کے لئے کہ صوفیا لوگوں کو تفضیلی عقیدہ سے شیعہ مذہب کا ایک زینہ چڑھا دیتے ہیں۔لکھتے ہیں کہ:۔

(24) تفضیلی سے شیعہ بن جانا لازم ہے

۔''اس عقیدے کا نتیجہ کیا نکلا وہ ملاحظہ ہو''۔(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ صفحہ 61)

۔''اب بالکل یقین اس بات کا ہو گیا۔کہ مذہب اہلسنت والجماعت کسی طرح مذہب حق نہیں ہے۔بلکہ مذہب امامیہ اثنا عشریہ برحق ہے۔اور معلوم ہوا کہ میاں جعفر زٹلی کا یہ قول صحیح ہے کہ:۔

۔''اَلسُّنی متمسک مذهب ناحق بزور مجادله''۔(فضائل اہلبیتؑ صفحہ 61)

(25) صوفیا نے پیری مریدی کو شیعہ بنانے کے لئے جاری کیا تھا

پیری مُریدی کے خلاف لکھتے ہیں کہ:۔

۔''ہم نے حضرت فخر الدینؒ دہلوی اور شاہ نیازؒ بریلوی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔یہاں ہم ایک واقعہ مجالس رنگین سے نقل کرتے ہیں۔جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ پیری مُریدی کے ذریعہ سے بھی اثنا عشری مسلک کس خوبی سے پروان چڑھا۔ سعادت یار خان رنگین لکھتے ہیں کہ:۔

۔''سہارنپور کے قریب ایک اشرافوں کا شہر ہے۔اُس کو منہاروں کا رامپور کہتے ہیں۔اُس میں ایک جدّی آدھے سُنّی آدھے شیعہ آباد ہیں۔مگر ہمیشہ اُن سب میں باعث دین کے نزع رہتی ہے۔پر ہر ایک اپنے مذہب سے دلشاد ہیں۔ہر گاہ فرقہ سُنیوں کا کچھ لکھنؤ میں زیادتی شیعوں کی سُنیوں پر سنتے ہیں تو باہم نہایت غم کرتے ہیں۔اور آزردہ ہوتے ہیں۔اور جب فرقہ شیعوں کا کچھ رامپور جو افغانوں کا ہے۔اُس میں کچھ زیادتی سُنّیوں کی شیعوں پر سنتے ہیں۔تو باہم مل کر ماتم کر کے روتے ہیں۔ قصہ کوتاہ۔اب کی سال جو فرقہ شیعوں نے سنا کہ میاں صابر بخش پیرزادے نے امامباڑہ بنا کر تعزیہ داری اختیار کی اور پیر محمدی صاحب کو جو بڑے مشائخ سنیوں کے تھے۔اُنہوں نے محرم میں سر بازار بُھس اُڑا کر اور سینہ زنی اور ماتم کر کرا اپنی ماتم داری اظہار کی تو اُنہوں نے کمال اس بات کی شادی کی کہ سبحان اللہ ایسے دو مشائخ زبردست گروہ سنیوں میں سے اِس مذہب کو اچھا جان کر داخل ہو کر ظاہر ہوئے اور فرقہ سُنّی یہ سمجھ کر نہایت خوش ہوئے کہ الحمد لِلّٰہ کہ جو چور ہم میں چھپے ہوئے لوگوں کو مُرید کر کر کے گمراہ کرتے تھے۔ہم اُن سے باہر ہوئے۔'' (اخبار رنگین صفحہ 18-17) (فضائل صفحہ 63-62)

یہاں پہنچ کر جناب ایوب صاحب مندرجہ بالا پیروں کا مزید تعارف کراتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:۔

۔’’شاہ میر محمدی (جن کو پہلے پیر محمدی لکھا ہے)(1820ء ۔ 1210ھ) حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کے خلیفہ ہیں اور صابر بخش (1847ء ۔ 1237ھ) چشتی صابری سلسلہ کے دہلی کے مشہور بزرگ ہیں‘‘۔(فضائل۔صفحہ 63)

یعنی وہ بزرگ پیر صاحبان جنہوں نے عزاداری اور ماتم کیا اور شیعہ ہوگئے وہ معمولی لوگ نہ تھے بلکہ جدّی اور پشتینی صوفیا تھے۔

(26) شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کا خاندان تصوف اور شیعت کی زد میں

۔’’حضرت شاہ فخر الدین دہلوی کے ایک مُرید اور خلیفہ اور مشہور شاعر مرزا قمر الدین سَنت (1792ء 1208ھ) تھے۔انہوں نے کھلّم کُھلاّ شیعہ مسلک اختیار کرلیا۔قمر الدین سَنت کے متعلق مولوی عبدالقادر رامپوری لکھتے ہیں کہ:۔

۔’’میر قمر الدین سنت شاہ عبدالعزیز صاحب کے عزیزوں میں سے ہیں۔اور یگانہءِ آفاق جناب مولوی فخر الدین اورنگ آبادی مولداُو دہلوی مرقداُطاب ثراہ کے مرید ہوئے۔اور ایک عالَم (ہزاروں مسلمانوں) کے مرشد ہوگئے۔قمر الدین سنت نے کچھ عرصے کے بعد لکھنؤ میں نواب حسن رضا خان (وزیر آصف الدولہ) اور حیدر بیگ خان کا تقرّب حاصل کرلیا۔ اپنے کو اثنا عشری ظاہر کیا۔اور اِس راہ (مذہب اہلسنت) سے پھر گیا۔حیدر بیگ خان کی رفاقت میں کلکتہ آیا اور مرگیا‘‘۔

(اب مولف لکھتا ہے کہ)

۔’’قمر الدین سنت شاہ ولی اللہ کے پرورش یافتہ تھے۔اور شاہ عبدالعزیز کے عزیز (رشتہ دار) اور شاگرد تھے۔ شاہ صاحب نے اصول حدیث کی مشہور کتاب عجالہ نافعہ اُن ہی کے لئے قلم بند فرمائی‘‘۔(فضائل صحابہؓ صفحہ 64-63)

مولف نے حاشیہ لکھا ہے کہ:۔

۔’’قمر الدین سنت کے شیعہ ہوجانے کا اشارہ ملفوظات عزیزی میں بھی ملتا ہے۔ملاحظہ ہو ملفوظات شاہ عبدالعزیز دہلوی صفحہ 92 ۔‘‘

(27) صوفی درویشوں نے تعزیہ داری گھر گھر پھیلادی

تعزیہ داری اور مرثیہ خوانی پھیلانے کا شکوہ سنئے !:۔

۔’’تعزیہ داری اور مرثیہ خوانی کے زور شور کو دیکھ کر شاہ غلام علی مجددی (1844ء۔1240ھ) اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں‘‘۔

ترجمہ۔اس شہر کے درویش لوگوں کو اپنا مطیع بنانے کے لئے کچھ ناموں کا ورد کرتے ہیں اور تعویذ لکھتے ہیں۔تینوں خلیفوں سے علیؓ مرتضٰی کو افضل منواتے ہیں۔اور تعزیہ بناتے اور مرثیہ پڑھتے ہیں اور لوگوں کو تعزیہ بنانے اور مرثیہ سننے کا حکم دیتے ہیں۔طنبور اور سارنگی سننا اور بدعتیں بھی کرتے ہیں‘‘۔

۔’’درویشان ایں شہر اَسماء می خوانند، وتعویذ ھا می نویسند برائے تسخیر ورجوع خلق وتفضیلِ جناب امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ بر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم می نمایند وتعزیہ ہا می سازند ومرثیہ ہا می شنوند وامری کنند بہ ایں دوکار۔ وشنیدنِ طنبور وسارنگی وبدعتہا طریقہ دارند‘‘۔(صفحہ 65-64)

۔''ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں کہ:'' ۔''تعزیہ بنا نا اورمرثیہ پڑھنا اپنے سامنے تصویر رکھنا۔ پیغمبرؐ خدا کا خودتراشیدہ قدم رکھ کر لوگوں کو پتھر پوجاری بنانا۔ ڈاڑھی چھوٹی کرنا۔نماز میں سے قومہ وقعدہ اوراطمینان بخش صورت کا ضائع کرنا مرغ لڑاکرتفریح کرنا ۔ جوگیوں کے اعمال اختیار کرنا۔ نغمے اورطنبور سننااورایسے افکار جو بزرگوں نے بیان نہیں کئے اُن پرعمل کرنا صحابہ کا طریقہ نہیں ہے۔

۔''ایک اورخط میں لکھتے ہیں کہ باجا سننا،تعزیہ اورمرثیہ وغیرہ اورتصویروں کا رکھنا معاذ اللہ چشتی اور قادری بزرگوں نے اس قسم کی بدعتوں کیلئے مریدوں کونہیں فرمایا تھا۔

''۔تعزیہ ساختن ومرثیہ خواندن وتصویر پیشِ خود داشتن وتراشیدہ نامِ قدم پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم برآں نہادہ خلق راسنگ پرست ساختن وقصرِ ریش کردن ونماز بترک قومہ وجلسہ وطمانیت ضائع نمودن ولہو بامرغ جنگانیدن ۔ ونغمہء تارطنبور واعمال جوگیاں وانواع افکار کہ از قدما مروی نیست معمول داشتن طریقۂ صحابہ نیست''۔(صفحہ 65)
۔''شنیدن تارونغمہ وتعزیہ ہاومرثیہ ہاوصور تصاویر معاذ اللہ اکابر چشتیہ وقادریہ رحمۃ اللہ علیہم بامریدان را بایں بدعتہا نفرمودہ اند''۔ (صفحہ 65)

(28) <u>جو چیز دراصل دلوں میں کھٹکتی تھی وہ وہی ہے جس کوخود بھی پہلا نمبر دیا ہے۔یعنی تعزیہ مرثیہ اورواقعات کربلا کا بیان۔ جس سے صدیوں کی پوشیدہ تاریخ خون میں نہا کر سامنے کھڑی ہوجاتی ہے۔</u>اورعوام کواُن ریش دراز حافظانِ قرآن وحدیث سے روشناس کراتی ہے ۔جنہوں نے آل رسولؐ پر بے دریغ اورحیاسوز مظالم کئے۔وہ تو تمام جوگیوں ،تمام قوالوں ،تمام سازندوں اورتمام نقارخانوں اورڈھول بجانے والوں کوجمع کرنا چاہتے تھے۔تاکہ یہ صدائےغم لوگوں کوبستروں میں سونے نہ دے۔تاکہ ہروہ شخص سُن سکے جواپنے کانوں میں اپنی خودساختہ شریعت کی ڈاٹ لگائے بیٹھا ہو۔وہ تمام بدمعاشوں کو،ڈاکوؤں کو،شرابیوں کو، مذہب وقوم وملک کے باغیوں کوگلوکاری ونغمہ نوازی کے دلفریب ودلنواز پیغام سے مدعو کریں گے۔اُن کی حیا کو اُن کی ضمیر کوجھنجھوڑیں گے۔اُن کی قوتوں کومجتمع کریں گے۔اُنکے رُوبرو ونثر میں،نظم میں، گاکر، بجاکر جس طرح ممکن ہووہ قربانیاں پیش کریں گے جواہلبیتؑ نے بخششِ اُمت کے لئے دی تھیں ۔وہ اُنکے دِلوں کومحمدؐ وآل محمدؐ کی محبت سے لبریز کریں گے۔پھراپنے گناہوں اورتقصیروں پرمتوجہ کرکے رُلائیں گے۔یقین دلائیں گے کہ خدا رحیم وغفور ہے،توبہ کے دروازے کھلے ہیں،محمدؐ وآل محمدؐ کی شفاعت یقینی ہے۔الغرض دل ودماغ کو پگھلاکر ہرخرابی کوآنسوؤں کے ساتھ نکال دیں گے۔

یہی لوگ ہوتے ہیں جوزنجیرزنی کرتے ہیں۔قمہ کا،چھری کا،تلوار کا ماتم کرتے ہیں۔اپنی بوٹیاں اُچھال کربکھیر دیتے ہیں۔سڑکوں پرخون سے نہائے گذرتے ہیں۔آگ پر بے دھڑک چلتے ہیں۔مولوی کوکبھی زنجیر کا ماتم کرتے دیکھا ہے؟ مجتہد سُنّی ہو یا شیعہ دونوں کے یہاں یہ ماتم حرام ہے۔اوریہی وجہ ہے کہ ہم علماء کونہ سُنّی سمجھتے ہیں نہ شیعہ، وہ تو کچھ اورہی ہوتے

ہیں۔ اُنکا کام ہے اُمت کا طرح طرح سے استحصال واستیصال کرنا۔ کبھی شیعہ کہہ کر، کبھی سُنّی کہہ کر، اور کبھی صوفیت کا فتویٰ لگا کر۔ اِن ہی کیلئے کہا تھا۔ دینِ مُلّا فی سبیل اللہ فساد۔ اُن کا مذہب بنی نوع انسان کو اختلاف وانتشار میں اُلجھائے رکھنا اور اُن کا خون چوسنا ہے۔ اُن سے کہو کہ یہ موٹریں، یہ جہاز، یہ ریڈیو، یہ ٹیلی فون، یہ لاؤڈ سپیکر، یہ پان، یہ پراٹھے یہ گلاب جامنیں، یہ گاجروں کا حلوہ وغیرہ چھوڑ دیں۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں نہ تھا۔ جو کی روٹی کھاؤ، پیٹ پر پتھر باندھو، ننگے پیر رہو، ننگے سَر رہو، صرف ایک لمبا کرتہ پہنو، ملے تو کھاؤ ورنہ نماز پڑھو۔ چند ہی روز میں تمہارا اِبلیس بھاگ جائے گا اور ایمان واپس آ جائے گا۔ لوگوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی گھر بیٹھے بلا محنت کھانا، پیٹ کو جانوروں کا مرغیوں کا قبرستان بنانا، پچاس ساٹھ روپے گز کپڑا پہننا جب تک نہ چھوڑو گے تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا تھے؟ یہ سنی سنائی باتیں، یہ گھڑی گھڑائی گھریلو کہانیاں صحابہ نہیں ہیں۔ وہ وہ تھے جن پر زمین وآسمان سلام کرتے ہیں۔ اُن کا تو تمہیں پتہ ہی نہیں ہے۔ وہ آج بھی زندہ ہیں۔ وہ تمام انسانوں کے حاجت روا اور مشکلکشا ہیں۔ تم تو خود مصیبت ہو وہ تم سے خفا ہیں۔ اس لئے تم دنیا میں ذلیل وخوار ہو، بھیک پر پلتے ہو، مسلمانوں کو بھکاری بنا رہے ہو۔ اس عالم میں بھی صوفیائے کرام پر طعن کرتے ہو۔ یاد رکھو تم جلد تباہ ہونے والے ہو تمہیں چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا گیا ہے۔ تم پر بجلیاں دانت پیس رہی ہیں۔ ہوشیار باش!

51۔ ہندوستان میں ''شیعت'' اثناعشری یا ظاہری شکل میں

(1) قارئین حضرات نے دیکھا کہ متعصب ترین قلم مجبور کر دیئے گئے کہ حقائق کو اُگلیں۔ اور خود قبول کریں کہ صوفیائے کرام رضی اللہ عنہم تحریک تشیّع کا وہ زیر زمین شعبہ تھا۔ جس نے صفّہ سے اُٹھنے کے بعد نہایت خاموشی سے اپنا کام شروع کیا اور رفتہ رفتہ دھوم مچا دی۔ تمام مخالف محاذوں کو چکنا چور کر دیا۔ پیروں سے زنجیریں نکلوا دیں بندھے ہوئے ہاتھ کھلوا دیئے۔ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیہم کی دشمنی کو محبت بنا کر دلوں میں بسا دیا۔ خود ساختہ مذہب کی چولیں ہلائیں پھر جوڑ وبند الگ کئے۔ روح وضمیر کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ ہر کام کا ذمہ دار ہر انسان کو بنایا۔ توحید وعدل، نبوت وامامت وقیامت کے عقائد کو از سرِنو دلوں میں اُتارا۔ ولایتِ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے روشناس کرایا۔ خادمانِ دین کو معجزات وکراماتِ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے نوازا۔ اُدھر لوگوں کو کُھل کر اعلانِ تشیّع کی طاقت بخشی۔ اُن کی راہ سے جب ظلم وستم اور جبر وتشدد، قید وبند ہٹ گئے تو انہوں نے کھلم کھلا نمازیں پڑھنا شروع کیں۔ محمدؐ وآلِ محمدؐ کی تعلیمات کو پھیلانا شروع کیا، مسجدیں بنائیں، ارکانِ دین وشریعتِ حقہ کو عام کیا۔ صوفی محاذ کے تیار کردہ افراد کو مسائل دین کی تفصیلات بتائیں۔ مخالف محاذ کے علماء سے مناظرے کئے اور پبلک کا رُخ اپنی طرف موڑ لیا۔ جس طرح صوفی محاذ سے گھبرا کر جناب ایوب صاحب نے دامنِ صبر چھوڑ دیا اور وہ سب کچھ لکھ دیا جو اُن کے لئے مفید نہ تھا۔ اُسی طرح

چند باتیں اُن ہی کے قلم سے ہمارے بالائے زمین محاذ کے کارناموں پر ملاحظہ ہوں۔ وہ پہلے یہ بتاتے ہیں کہ شیعہ وتصوف کے محاذوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ خدمات جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے انجام دیں۔یعنی خود شاہ صاحب بھی شیعت کی یلغار سے بہت پریشان تھے۔

(2) شیعہ عنصر کا درباروں اور سرکاروں پر غلبہ

ایوب صاحب رقمطراز ہیں کہ :

۔''مغل متاخرین کے زمانہ میں شاہی دربار میں ایرانی اورتوٗرانی (شیعہ وسنی) دو مستقل پارٹیاں تھیں۔ سیاسی اثر واقتدار کے لئے اُن دونوں پارٹیوں میں مسابقت ہوتی تھی۔ایرانی پارٹی اگرچہ اقلیتی پارٹی تھی۔مگر اثر واقتدار کے اعتبار سے بہت مضبوط اور مستقل تھی۔ وہ بہت تدبر اور تنظیم (اسکیم کے تحت) سے کام کرتی تھی۔اور اکثر کامیاب ہوتی تھی۔اُس کا اثر دربار سے لیکر بازار تک تھا۔ یوں تو اس تنظیم اور فکر کی بنیاد دکن کی شیعہ حکومتوں نے قائم کی مگر شمالی ہند میں ہمایوں کے دوبارہ ہندوستان آنے پر اُس جماعت کو فروغ حاصل ہوا۔اکبر کی پالیسی مذہبی معاملہ میں بڑی آزادانہ تھی۔اُس کا فائدہ بھی بلاواسطہ اُسی (شیعہ) جماعت کو ہوا۔اُس کے زمانہ میں نوراللہ شوشتری (ف 1610ء۔ 1019ھ) دارالسلطنت لاہور کے قاضی مقرر ہوئے اُنکی کتاب مجالس المومنین مشہور معروف ہے۔جس میں اُنہوں نے اہلسنت کے اکابر مشائخ وعلما کو زمرہ مومنین (یعنی شیعہ) دکھایا ہے۔ جہانگیر کے زمانہ میں زمام حکومت نور جہاں کے ہاتھ میں تھی۔شاہ جہاں کے زمانہ میں نور جہاں کے بھائی۔ آصف خان اور اُس کے خاندان کو اقتدار حاصل رہا۔ کیونکہ آصف خان کی کوششوں سے شاہجہان تختِ شاہی پر متمکن ہوا تھا۔اور اُس کی بیٹی ممتاز محل شاہجہان کی چہیتی بیگم تھی۔اورنگزیب عالمگیر یوں تو متعصب سنی مشہور ہے۔مگر اُس کے امراو مصاحبین میں اہل تشیع کی ممتاز تعداد نظر آتی ہے۔اورنگزیب کا فرزند بہادر شاہ اوّل جب تخت نشین ہوا۔تو اُس نے شیعہ مسلک اختیار کرلیا (یہ فتح تھی محاذ شیعہ کی) مولف سیر المتاخرین لکھتے ہیں کہ۔''چوں بہ تحقیقِ خود مذہب شیعہ امامیہ راحق می دانست ہمیں مسلک اختیار نمودہ۔''اور اس کی تبلیغ واشاعت میں کوشاں ہوا۔در ترویج وتقویتِ مذہب شیعہ می کوشید''۔

(سیر المتاخرین جلد دوم صفحہ 381) (پھر لکھتے ہیں)

۔''اُس نے اپنے نام میں سید کا اضافہ کیا اور چوتھے سال جلوس (1709ء۔1121ھ) میں اپنے شیعہ وزیر منعم خان کے مشورے سے حکم دیا۔کہ جمعہ کے خطبے میں خلفائے راشدین کے ذکر میں حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ علیاً ولی اللہ وصی رسول ؐ اللہ داخل کیا جائے۔''

(3) اس حکم سے جمہور اہلسنت میں بددلی۔ خطبہ میں علیاً ولی اللہ کے خلاف ردعمل

۔''اس حکم سے جمہور اہلسنت میں بد دلی پیدا ہوئی۔اوراس پرعمل پیرا ہونے کی وجہ سے احمد آباد (گجرات) میں ایک خطیب (جس نے شہادت علویہ پڑھی) مارا گیا۔'' (فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ ۔صفحہ 12۔11)

اسکے بعد مولف لاہور کے متعصب محاذ کی مخالفت اوراُس حکم کی واپسی کا تذکرہ کرتا ہے۔ہم یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں۔کہ بہادر شاہ مرحوم کا یہ حکم تقیہ اورتقویٰ کے خلاف قبل از وقت عاجلانہ تھا۔علیؑ ولی اللہ ہو یا محمدؐ رسول اللہ ہو۔زبردستی ٹھونسنا تعلیماتِ محمدؐ وآلِ محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم کے منافی اورمُضر ہے۔یہی تو پہلا اوراصولی فرق ہے جوتنفیذِ اسلام کے حق اور باطل طریقوں کوالگ الگ کرتا ہے۔چونکہ مدِّ مقابل محاذ ہمیشہ سے جبری تبلیغ کا قائل اور جبر وتشدد پرفخر کرتا رہا ہے۔اِس لئے اِدھر کے لوگوں میں بھی کبھی کبھی یہ رجحان پیدا ہوجاتا تھا۔لیکن اسلام اس عذر کوقبول نہیں کرتا۔اپنے مخالفوں اوردشمنوں کے ساتھ بھی انصاف لازم ہے(المائدہ۔5/8) اوراس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ توڈبل تقویٰ وتقیہ کرنا لازم ہے۔ بہرحال اس سلسلے کا قتل اورفساد اللہ کے یہاں بادشاہ اوراُس کے مشیروں کی گردن پر ہے۔

(4) مجالسِ عزا کی باقاعدگی اور دو (2) کنگ میکرز (King Makers)

مولّف کا تجزیہ برابر جاری ہے فرماتے ہیں کہ:۔

۔''اس کے بعد سید برادران، قطب الملک عبداللہ خان (1722ء۔1135ھ) اورامیر الامرا حُسین علی خان (1720ء۔1132ھ) کا دَورِ وزارت آیا۔اوراُن دونوں بھائیوں نے اس قدر غلبہ اوراقتدار حاصل کیا کہ ''بادشاہ گر'' مشہور ہوئے۔وہ ملکی سیاست پر ہرطرح چھاگئے۔اُن کے (شیعہ) عقائد ونظریات کی خوب اشاعت ہوئی (تشیُّع کے معنی اشاعت ہی ہیں) اورانہیں قبولِ عام حاصل ہوا۔امیر الامُرا حسین علی خان ہر مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخ کومجلس (عزا) منعقد کرتے تھے۔صمصام الدولہ شاہنواز خان لکھتے ہیں کہ:۔ ۔''(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ صفحہ 13)

احداثِ مجلس یازدھم ودوازدھم ہر ماہ در بلادِ عظیمہ دکن نمودہ کہ تاحال ۱۱۶۰ھ است۔(فضائل صفحہ 13)

ہر ماہ کی گیارہ وبارہ تاریخوں میں مجلس عزا دکن کی عظیم مملکت میں شروع ہوئیں اورآج 1160ھ تک جاری ہیں۔

(5) عشرہ محرم اور تین عدد عظیم الشان مرثیہ خوان

عزاداریٔ امام مظلوم علیہ السلام کے اہتمام اوراُس کی اثرانگیزی کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ:۔

۔''مرثیہ خوانی کا بڑا زور ہوتا تھا۔جنابِ درگاہ قلی خان ایک مرثیہ خوان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔''

مرثیہ کی بُنیاد عجیب سوز وگداز پر رکھتا ہے ۔ وہ مرثیہ خوان غم کا ذخیرہ ہے حُزن وملال کی کان (Mine) اور مصیبتوں کا ایک خزانہ ہے۔ اور وہ گنجینۂ غم جنابِ جاوید خان کے امام باڑہ اور عزاداری کا انچارج ہے۔ زیارت کرنے والوں اور باقی عزاداروں کے ساتھ متعلقہ رعایات کرتا ہے۔ ''دوسرے (مرثیہ خواں) کی کیفیت ملاحظہ ہو۔''

۔''بنائے مرثیہ برعجب سوز وگدادمی گذارَد۔ معدنِ اندوہ اَست وکانِ اَلم ومخزنِ مصیبت اَست وگنجینۂ غم، امیر اِہتمامِ عاشورخانہ جاوید خان اَست۔ وبمراعات زائراں وتعزیہ داران می پردازد۔ (فضائل صفحہ 16-15)

جنابِ اباعبداللہ امام حسین علیہ السلام کے تعزیہ داروں میں سے ایک میر عبداللہ بھی ہیں۔ جو ندیؔم اور حزیؔن کے لکھے ہوئے مرثیوں کو مختلف قسم کے غم انگیز طرز سے اِس طرح پڑھتے ہیں کہ سننے والوں کی فطرت تڑپ اٹھتی ہے۔ چیخوں کا شور بلند ہوجاتا ہے نوحہ اور فریاد آہ وبکا سے آسمان کے کان بہرے ہوجاتے ہیں۔ محرم کے مہینے کی آمد اور استقبال ہر جگہ واجب الاحترام ہے۔ ہر عزاخانے اور امامباڑے میں نوبت بجتی اور مطلع کرتی رہتی ہے۔ عزاداری جن جن مکانوں میں ہوتی ہے۔ وہاں لوگ ہجوم در ہجوم ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ (فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ۔ صفحہ 16)

۔'' میر عبداللہ از تعزیہ دارانِ جناب حضرت اباعبدِ اللہ الحسین علیہ السلام است۔ مرثیہ ہائے ندیؔم وحزیؔن راقسمے باہنگ حزیں می خواند کہ بے اختیار شور از نہاد سامعان بر می خیزد۔ از کثرت نوحہ وفریاد گوشِ فلک کرّ (بہرے) می گردَد...... در ماہ محرم مقدمش ہمہ جا واجب الاحترام، بنوبت در تعزیہ خانہائے مردم عمدہ داری شود وبتقدیم مراسم عزاداری پرداز دخلائق دراماکنِ موعودہ بریکدگر سبقت جستہ ہجوم می نمایند۔''

۔''ایک اور تعزیہ دار اور مرثیہ خوان کا ذکر ملاحظہ ہو''۔

میر درویش حسین صاحب ایک عزادار امام حسین ہیں۔ وہ رسوماتِ گریہ وزاری کی بے نظیر وبے مثال تقدیم کرتے ہیں اُن کا طرز بیان واقعی برجستہ ہوتا ہے جس میں تکلف وبناوٹ کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔ انکے مراثی کا انتخاب اپنی درستی وصحت میں تسلیم شدہ ہے۔ (فضائل صفحہ 16)

میر درویش حسین از تعزیہ دارانِ جنابِ خامس آل عبا است۔ ودر تقدیمِ مراسم شیوَن بے ھمتا' آہنگ ہائے برجستہ انتخابش پیشِ ہمہ کس مُسلّم الثبوت است۔ واِیرادرادخلے نیست۔ (ایضاً صفحہ 16)

(6) <u>ہماری تبلیغ کی نَوبتیں اور نقّارے اجتہاد نے خاموش کردیئے</u>

ہندوستان میں شیعہ اجتہاد کے جنم لینے سے پہلے ملک کے ہر گوشے میں عزداری، سینہ زنی، مرثیہ خوانی، علَم وتعزیہ داری کے ساتھ نوبتوں اور نقاروں کا بجایا جانا ہر جگہ ملتا ہے۔ یہ اجتہاد کی شریعت میں حرام تھا۔ چنانچہ اب آپ کی کوئی نوبت نہیں کوئی نیابت نہیں۔ مخالف محاذ سے شرما کر، عزاداری کو دبا دبا کر، گھیر گھیر کر آبادی سے الگ پارکوں میں لے آئے ہیں۔

اور ایک ایسی مجلس تک محدود کر دیا ہے جس کے لئے لوگ دماغی عیاشی کا صحیح طعنہ دیتے ہیں۔اب یہ قوم نقارخانہ میں ایک بے سُری طوطی ہے۔چونکہ عزاداری کی رسوم اور عزاداری کا تمام سامان مخالف محاذ کو تباہ کرتا چلا آ رہا تھا۔اس لئے ضروری ہوا کہ کوئی شیعوں میں سے اُٹھے اور اُن کی مدد کرے۔اور ملت شیعہ یہ دیکھ کر ایک جدّی سید، عالمِ عمامہ پوش، صاحبِ ریش وفش خلافِ شریعت چیزوں کو منع کر رہا ہے، تعمیلِ حکم کرے۔مندرجہ بالا مرثیہ خانوں کا تلاطم انگیز طرزِ بیان حرام ہوا۔سینہ زنی کے حرام ہونے پر اپنے پرانے بزرگوں کے فتاوی شائع کئے۔اور اب یہ چاہتے ہیں کہ ایک مجتہد کے سوا منبر پر کوئی نہ بیٹھے۔تعزیہ، علَم، ذوالجناح، مہندی کا جلوس سب حرام وناجائز۔بس مجتہد، اُس کا ڈنڈا اور اُس کا وعظ، یہ رہ گئی ہے شیعت، مجتہد کے تصور میں۔ مگر ہم ایسے بے شرع لوگ جب تک موجود ہیں۔اُن کا ارادہ ہرگز پورا نہ ہوگا۔

(7) دہلی میں تعزیہ داری پر مفتی صاحب کا بیان

۔''دہلی میں تعزیہ داری دکن سے آئی تھی۔دہلی کے ریذیڈنٹ چارلس مٹکاف کے زمانہ (1825ء تا 1827ء) میں تعزیہ داری کے موقعہ پر جھگڑا ہو گیا۔تو اُس (ریذیڈنٹ) نے مفتی اکرام الدین صدر الصدور دہلی (1260ھ) سے اُس کے آغاز وابتداء کے متعلق استفسار کیا۔تو مفتی صاحب نے بتایا کہ۔'' (یہ محتاط بیان سنئے!)

''۔ماہِ محرّم از قدیم است مگر تعزیہ داری نہ بود۔ ہرگاہ اورنگزیب عالمگیر بادشاہ در دکن رفتند۔لشکریانِ شاہی از عبداللہ پیرزادۂ دکن کہ درآنجا تعزیہ داری می کرد۔ایں رسم آموختند از آں در شاہجہاں آباد نیز رسم تعزیہ داری جاری گردید۔'' (فضائل صحابہؓ واہل بیتؑ صفحہ 17)

محرم کا مہینہ تو قدیم سے چلا آتا ہے۔مگر تعزیہ داری قدیم سے نہیں ہے۔ جب اورنگزیب عالمگیر بادشاہ دکن گیا تو اُس کے فوجیوں نے وہاں پر دکن کے ایک پیرزادے عبداللہ سے وہ رسوم تعزیہ داری سیکھ لیں جو وہ دکن میں بجالاتا تھا۔اُس زمانہ سے شاہ جہاں آباد میں بھی تعزیہ داری کی رسومات جاری ہوگئیں۔یہ سب کچھ لکھنے کے بعد مولف ریمارک دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ:۔

۔''مندرجہ بالا اقتباسات سے ہم اُس دَور کی عام مذہبی زندگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔کہ اُمراء اور وزرا کی سرپرستی میں شیعت اور تفضیلیّت کو کس قدر فروغ ہو رہا تھا۔کہ ہر شخص اُسی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔مذہب اور ادب ہر شعبۂ حیات میں اُس کی چھاپ نظر آتی ہے''۔(صفحہ 17 فضائل صحابہؓ واہل بیتؑ)

(8) ملک دکن شیعت وعزاداری کا گہوارہ تھا

فضائل صحابہ کے مولّف نے دہلی کی عزاداری کو صرف اُس حد تک بیان کیا ہے جو اُن کے مقصد تالیف پر اثر انداز ہوتی تھی۔ورنہ دہلی کی عزاداری کا حال بیان کرنے کیلئے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔وہ خود اپنے بیانات کو نامکمل قرار دیتے

ہوئے رقمطراز ہیں کہ:۔

۔''یہ تو خاص مرکزِ دہلی کے حالات کا ایک ہلکا سا نامکمل جائزہ ہے۔دکن،سندھ اور بنگال کا بھی یہی حال تھا۔دکن میں یہ پودا سب سے پہلے بارآور ہوا۔اور دکن کی شیعہ حکومتوں نے اُس کو خوب پروان چڑھایا۔اُس دَور میں ایران سے اُمرا وعلما (اعلی اللہ مقامھم) آئے۔اوردکن میں قیام پذیر ہوکر اپنے ادارے قائم کرکے امامیہ مذہب کی (کھلی) تبلیغ واشاعت میں مصروف ہوگئے۔آخر میں آصف جاہ نظام الملک نے حیدرآباد دکن میں جو ریاست قائم کی اُسمیں شیعہ امیروں، رئیسوں، زمین داروں اور جاگیرداروں کے غلبۂ اقتدار کی وجہ سے یہ افکارونظریات خوب پھیلے۔''(صفحہ 19-18 فضائل)

مولف کو یہ خیال آنا چاہئے تھا کہ اگر حکومتوں کی سرپرستی اور رئیسوں،امیروں کے اقتدار پر مذہب کے پھیلنے کا دارومدار ہے تو مولف کے یہاں تو مسلسل حکومت واقتدار وریاست وقوت وغلبہ رہتا چلا آیا ہے۔ایسا ہوتا تو ساری دنیا آج تک مولف کے مذہب کی پیروہوتی ۔ اِس کے برعکس مذہبِ حقہ اثنا عشریہ تلواروں اورقوتِ قاہرہ کے مقابلہ میں پھیلا اور ہر ملک میں مخالف محاذ سے ہتھیار رکھوالئے اور اَمن کا پیغام دیا۔

(9) حقیقی علمائے شیعہ اور بنگال میں اصول کافی کی تعلیم گاہ

قارئین یہ سمجھ لیں کہ مذہب شیعہ کی تعلیمات شیعوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں پہلی صدی کے اوائل ہی سے جاری تھیں۔اس سلسلہ میں ملتان وگجرات کی درسگاہوں کا تذکرہ ہوچکا ہے۔دکن میں تعلیمات کے ادارے بھی قدیم الایام سے جاری تھے۔اب بنگال کا حال سُنئے۔اور دیکھئے کہ مولف کیلئے یہ مشکل ہوگیا ہے کہ کہاں کی تبلیغ کو اوّل درجہ دے لکھتے ہیں کہ:۔

۔''بنگال اس معاملہ میں سب سے آگے تھا۔نظامت مرشدآباد کے بانی نواب مرشدقلی خان ایک شیعہ امیر تھے۔ اُس کے بعد جب مسندِ مرشدآباد پر علی وردی خان کی بالادستی قائم ہوئی۔تو مرشدآباد اور عظیم آباد اِس تحریک (تشیع) کے دوخاص مرکز قائم ہوگئے۔علی وردی خان نے اُن (شیعہ) رجحانات کی اشاعت میں خاصا حصہ لیا۔اُن کے زمانہ میں فضلائے ایران (اعلی اللہ مقامھم) جوق در جوق بنگال وبہار میں پہنچے اور حکومت کی سرپرستی میں اپنے عقائدوافکار کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہوئے۔نواب علی وردی خان مہابت جنگ خود بھی روزانہ بعدعصر اُن ایرانی فاضل واکابر کے ساتھ مجلس مذاکرہ منعقد کرتے۔اُس مجلس میں سیدالافاضل میرؒ محمد علی،فاضل تقی قلی خانؒ، حکیمؒ ہادی خان۔میرزا محمد حسینؒ صفوی (نوّراللہ مرقدھم) وغیرہ شریک ہوتے کتاب کافی مصنفہ (احمق ہے) شیخ محمد بن یعقوبؒ کلینی سے دواحادیث روزانہ پڑھی جاتیں۔ اور (جناب) میرمحمد علیؒ فاضل اُنکی شرح (بیان) کرتے تھے۔غلام حسین طباطبائی نے سیرالمتاخرین کی ایک فصل (باب) میں اُن افاضل ایران کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے (صفحہ 110-109) جو علیؒ وردی خان کے زمانہ میں وارد بنگال وبہار ہوئے۔

(10) شیعت آئمہء اہلبیتؑ کے معجزات سے پھیلائی گئی تھی

مولف نے ہر جگہ کوشش کی ہے کہ شیعت کے پھیلنے اور پھیلانے کو اپنے بزرگوں کی طرح جبر و اقتدار کے زور پر ثابت کرے۔ اور اُسے اور اُس کے ہم مسلک لوگوں کو شکست پر شکست کھاتے رہنے کے بعد بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ حق کو قبول کریں۔ چنانچہ اب ایک ایسا واقعہ لکھتا ہے جس کو پڑھنے والا بھی بلامتاثر ہوئے نہیں رہ سکتا۔ کسی مایوس العلاج مریض کو پہلے سے یہ کہہ دینا کہ تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ اگر اللہ سے وعدہ کرو کہ میں مذہب شیعہ اختیار کرلوں گا۔ اور وہ مریض دیکھتے ہی دیکھتے تندرست ہو جائے۔ اس واقعہ کو صاحبانِ ایمان تو معجزہ اور مذہب شیعہ کے حق ہونے کی دلیل یقینی و قطعی سمجھیں گے۔ مگر دلوں میں جب پہلے ہی سے ایمان نہ ہو تو طرح طرح کے بہانے اور عذرات پیش کئے بغیر چارہ ہی نہ ہوگا۔ اب جناب مولف صاحب کا بیان اور اندازِ بیان ملاحظہ ہو۔ ہر لفظ سے نفرت و بدبو محسوس کی جاسکتی ہے۔ ارشاد یوں شروع ہوتا ہے کہ:۔

۔''اُن حضرات کی تبلیغ کا انداز بھی خوب تھا۔ غلام حسین طباطبائی مولفِ سیرالمتاخرین کی نانی کے حقیقی چچا شاہ حیدری کربلائی حائری تھے۔ <u>وہ اپنے معتقدات میں بہت پختہ تھے۔ درتشیّع نہایت بے باک و درکمال استغنا بود۔''</u>

۔''شاہ حیدری بھاگل پور (بہار) میں مقیم تھے۔ وہاں کے ایک رئیس محمد غوث خان بیمار ہوئے۔ تو اُن شاہ صاحب نے کس طرح اپنے معتقدات کی تبلیغ کی ملاحظہ ہو''۔ (حوالہ لکھتے ہیں کہ:۔)

۔''محمد غوث خان اتفاق سے بیمار ہوگئے۔ اور اُنکی بیماری نے انتہائی شدت اختیار کرلی۔ اور اُن کی زندگی کی طرف سے مایوسی ہوگئی۔ یا جینے کی کوئی امید نہ رہی۔ اُس حالت میں شاہ حیدری وقت آخر محمد غوث کی پالین پر پہنچے۔ حالانکہ وہ مذہبی اختلاف کی بنا پر نفرت مگر اُسکی شجاعت سے راضی اور مسرور تھے اُنہوں نے اس شرط پر اُس کی شفایابی کی ضمانت دے دی کہ وہ مذہب شیعہ قبول کرلے گا۔ اُس نے یہ شرط منظور کرلی اور شفایاب ہوگیا۔ اور مع اپنی اولاد کے شاہ حیدری کا مطیع و فرماں بردار ہوگیا''۔ (سیر المتاخرین صفحہ 609 صفحہ 610، 615، 613، 620 پر یہ حوالے لکھے ہیں۔)

> ''۔محمد غوث خان اتفاقاً بیمار شد۔ و بیماریش اشتداد یافتہ از حیاتش اُمیدے نہ ماند۔ درآں وقت شاہ حیدری کہ از مباینت مذہبش نفوز امّا از شجاعتش راضی و مسرور بود بسر وقتش رسیدہ بشرط قبول مذہبِ تشیّع ضامنِ شفائے اُوشد۔ واُو قبول کمود۔ وشفا یافت۔ وارادتِ کامل بادشاہِ حیدری بہم رسانیدہ مع اولاد مطیع ومنقادش بود''۔

(11) تمام اہل مذاھب سے دریافت کرلیں کہ کیا وہ ہم سے اِس معاملہ میں مقابلہ کریں گے؟ کیا آج دُنیا میں ایسے مریض نہیں ہیں جن کو ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہو؟ کیا یہ نہایت آسان؛ بےضرر اور مفید ترین طریقہ نہیں ہے؟ کہ انسان اپنے مذہب کی

حقانیت کو خدا سے دعا کر کے ثابت کر دے۔ قارئین کرام سُن لیں کہ زندہ اور مذہبِ حق وہ ہے جسکے مطیع و مُنقاد ماننے والوں کی دعا بلا خطا مستجاب ہوتی ہو۔ ہمارے شعبۂ تصوف نے اس حقیقت کو روزِ اوّل سے ثابت کیا اور آج بھی ثابت کرتے ہیں۔

(12) اودھ میں تحریک تشیع کا جائزہ اور مولف کا تعصب

ـ’’اب ہم اودھ کی حکومت کا جائزہ لیتے ہیں۔ اِس کا مُدتِ قیام بھی زیادہ رہا اور اِسکے (شیعہ) حکمرانوں نے اپنے عقائد وافکار کی اشاعت میں بہت سرگرمی دکھائی۔ اِس حکومت کے بانی برہان الملک سعادت خان (1729ء 1151ھ) ہیں۔ جن کو پہلے مرشد قلی خان' ناظم مرشد آباد کی سرپرستی حاصل رہی۔ (1720ء ـ 1132ھ) میں وہ اودھ کے مستقل صوبیدار ہوئے۔ برھان الملک (سعادت خان) کی پیشانی پر سب سے بڑا داغ یہ ہے۔ کہ اُنہوں نے نادرشاہ کے ہاتھوں دہلی کو تباہ وبرباد کرایا‘‘۔ (صفحہ 22 فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ)

(مولف نے بے دریغ جناب برہان الملک پر جرم عائد کر دیا۔ اور یہ نہ دیکھا کہ آپ کی حکومتیں ہندوؤں اور سکھوں کی معیت میں شیعہ حکومتوں کو تباہ وبرباد کرتی رہیں۔ حکومت تو حکومت ہے۔ بغداد میں ایک لاکھ عورتوں بچوں اور بے قصور مردوں کا قتلِ عام اور چاروں طرف سے فوجی نرغے میں لے کر سب کو جلا کر خاک کر دینا فراموش کر دیا گیا۔ بہرحال سعادت خان اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ غلط کام غلط ہے خواہ کوئی بھی کرے۔ لیکن جو پہلو سعادت خان کی طرفداری کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بادشاہ وقت نے جان بوجھ کر سعادت خان کے حق کو مارا اور از راہِ تعصب اپنے ہم مسلک آدمی کو دے دیا۔ سنئے! نجم الغنی خان کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

> ـ’’روز دیگر فردوسِ آرام گاہ خلعت میر بخشی گری بہ نظام الملک فتح جنگ مرحمت فرمودند۔ سعادت خان برہان الملک کہ امیدوار بہ ایں خدمت بود از حد کبیدہ خاطر گشت و نادرشاہ را بر فتن دار الخلافۂ شاہجہان آباد ترغیب نمود و دادِ نمک حرامی ادا کرد و خزائن دفائن آنجا گوش زد کرد۔‘‘ (صفحہ 22 فضائل صحابہؓ)

’’مرحوم بادشاہ جو فردوس بریں میں آرام فرما ہیں نے میر بخشی گری کے عہدہ پر نظام الملک فتح کو ترقی دیدی حالانکہ جناب سعادت خان اس عہدہ کے حقدار وامیدوار تھے۔ بادشاہ کے اس کردار سے سعادت خان حد سے زیادہ کبیدہ خاطر ہوئے اور نادرشاہ کو دہلی جانے اور وہاں کے خزانوں پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی۔ اُس نے نمک حرامی کی داد دی‘‘۔

قارئین اس مورخ کے مسلک، تعصب اور اپنے ہم مسلک بادشاہ کی طرف داری کو نکال کر اس بیان سے یقین کر سکتے ہیں کہ بادشاہ نے ایسے وفادار اور زبردست صوبیدار کا حق مارا تھا۔ لیکن سعادت خان کو شک کا فائدہ پہنچتا ہے۔ یعنی ممکن ہے کہ نادرشاہ کو خود ہی دہلی جانے کا خیال آیا ہو یا کسی اور نے بتایا ہو۔ پھر جب کہ بادشاہِ دہلی کی افواج سے کرنال کے میدان میں

نادرشاہ کی جنگ جاری ہے۔ اُن فوجوں کو شکست دینے کے بعد بالکل قدرتی بات ہے کہ نادرشاہ دہلی آئے اور بادشاہِ دہلی کو جنگ کرنے کی سزادے۔ یہ لوگ حقائق کو ہمیشہ چھپاتے چلے آئے ہیں۔ دہلی پر حملہ اور لوٹ مار کا سبب یہ ہوا تھا کہ بادشاہِ دہلی نے نادرشاہ سے صلح کرلی۔ اور رات کو نادرشاہ کی فوج پر شب خون مارا تھا۔ بادشاہِ دہلی سے نادرشاہ کی دوستی نہ تھی کرنال کے میدان میں برابر جنگ جاری ہونے کا اقبال بھی مولف نے تاریخ مفتاح الفتوح کی زبان میں کیا ہے دیکھئے:۔

۔''از گفتن اُو (سعادت خان) نادرشاہ از میدان قتال کرنال بہ بہانہ ضیافت در قلعہ شاہجہاں آباد داخل شدہ والّا ارادۂ نادرشاہ چناں نہ بود''۔(صفحہ 22 فضائل)

سوچئے کہ میدان قتال سے فتح کے بعد دارالخلافہ جانا ضروری ہے۔ یا نہیں؟ جہاں سے فوج پر فوج آرہی تھی۔ شب خون مارا گیا تھا۔ اُس جگہ اور اُس کے بادشاہ سے کوئی تعارض اور باز پرس نہ کرنا فاتحانِ عالم کا کام نہیں ہوتا۔ اور جبکہ دہلی کرنال سے دو تین دن کی پیدل راہ پر ہو۔ پھر سعادت خان یہاں کہاں ہے؟ اور کس طرح یہ یقین ہوا ہے؟ کہ اُس نے بادشاہ کو خواہ مخواہ دہلی پر حملہ آور ہونے کو کہا تھا۔ یہ تمام قیاس آرائیاں محض شدتِ تعصب اور حسد کا پتہ دیتی ہیں۔ اور اُن سے حقائق پر پردہ نہیں پڑتا۔ اِن الزامات کے بعد مولف سعادت خان کی قائم کردہ حکومت اودھ کا تذکرہ پھر شروع کرتے ہیں۔

(13) ایک اور متعصّبانہ بیان اور مذہب تشیّع کا غلبہ اور شان

۔''برہان الملک سعادت خان کے بعد اُن کے جانشین اُن کے داماد ابوالمنصور خان صفدر جنگ (1753ء۔1167ھ) ہوئے۔ جنہوں نے دہلی کی مرکزی حکومت میں وزارت کا منصب حاصل کیا۔ صوبۂ اودھ سے ملی ہوئی فرخ آباد اور روہیل کھنڈ کی ریاستیں تھیں۔ جنکے حکمران بنگش اور روہیلہ پٹھان تھے۔ مذھباً یہ لوگ سُنّی تھے۔ اختلافِ مذہب کی بنا پر ان دونوں ریاستوں کا وجود صفدر جنگ کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ (ایسا ہوتا تو نادرشاہ سے اُن کو تباہ کرا ڈالتا) اور انہوں نے ان دونوں (بقولے خود) مسلم ریاستوں کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اُن کی اِس آرزو کی تکمیل اُن کے بیٹے شجاع الدولہ اور پوتے آصف الدولہ کے ہاتھوں ہوئی (آخر ہو تو گئی) برہان الملک سعادت خان اور ابوالمنصور صفدر جنگ کے زمانے میں بہت سے ایرانی (مدبرین اور علماء) اودھ میں آئے اور حکومت کے نظم و نسق میں ہاتھ بٹایا۔

(صفحہ 23 فضائل صحابہؓ و اہلبیتؑ)

اودھ کے حکمرانوں کا تعصب سے پاک اور منصف ہونا مناسب موقعہ پر پیش کیا جائے گا۔ یہاں یہ دیکھ لیں کہ اودھ کی افواج میں سُنّی المذہب افغان بھی کثیر تعداد میں ملازم تھے۔ حکیم عبدالغنی خان لکھتے ہیں کہ:۔

۔''اُن (ابوالمنصور صفدر جنگ، سعادت خان کے داماد) کی سرکار میں سوارانِ مغلیہ بیس ہزار تھے۔ لیکن اکثر ہندوستانی

بھی صفدر جنگ کا ادھر میلان پا کر اُن (افغانوں) کا سالباس پہن کر بات چیت کرتے تھے۔اور تنخواہ پاتے تھے''۔

یہ حوالہ لکھنے کے بعد مولف ایسا زہر اگلتے ہیں۔جس سے خود اُن کے ہم مذہب بادشاہ اور بزرگوں کی موت واقع ہوتی ہے۔ سُنئے اور خود فیصلہ کیجئے۔

۔''صاف ظاہر ہے کہ فوج کی ملازمت کے لئے ایرانی لباس وزبان ضروری تھے۔تو **اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِم** (لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں) کے مصداق معلوم نہیں کتنوں نے آبائی عقائد کو خیر باد کہا ہوگا (یعنی لالچ میں شیعہ مذہب اختیار کرلیا ہوگا) اختلاف مذہب کی وجہ سے ان حکمرانوں کے زمانے میں سنی علما ومشائخ کی بہت سی جائیدادیں ضبط ہوگئیں''۔(صفحہ 23 فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ)

ذرا کہیں ملیں تو ایوب صاحب کو بتانا کہ ہندوستان میں تمام مسلمان بادشاہوں کی زبان فارسی یعنی ایرانی رہی اورافواج کی وردی بھی ایرانی ہی تھی۔تم نے دل کے پھپھولوں سے اپنے مذہب کا خون بھی خارج کردیا۔شرم وغیرت اگر پڑوس میں بھی ہوتی تو ایسی غلطی کرنے سے روک لیتی۔ذرا پیچھے پلٹ کر ۱۳۹۰ سال کا تاریخی حال دیکھواوراس طرح سر جھکاؤ کہ پھر کبھی بلند نہ ہو۔اس کے بعد مولف اپنی قوم کی خود ساختہ تاریخ بیان کرتے ہوئے زمینوں جائیدادوں کے ضبط کرنے پر حوالے لکھتے ہیں تا کہ وہ عوام میں شیعہ حکمرانوں کے خلاف نفرت پھیلائیں۔اور ہم اُن حوالوں کو اس لئے نقل کررہے ہیں کہ تحریک تشیع کا غلبہ اور مخالف محاذ کی بے کسی و بے بسی معلوم ہو۔اور عوام کو پتہ لگے کہ جبر وظلم وتشدد سے قائم کیا ہوا اقتدار کس طرح مجبور کردیا گیا تھا۔سنئے بیچارے کی فریاد کا لب ولہجہ دیکھئے:۔

(14) آخر ظالم وجابر اقتدار کی کلائی مروڑ کر عدل قائم کیا گیا

۔''تاحدود 1130 ہجری ہنگامہ علم وعلما دریں گل زمین گرمی داشت تا آنکہ برہان الملک سعادت خان نیشاپوری درآغاز جلوس محمد شاہ بادشاہ حاکم اودھ شد۔واکثر بلاد عمدہ صوبہ الہ آباد..............نیز دارالخیور جونپور وبنارس وغازی پور وکڑہ ومانکپورہ وکوڑہ جہاں آباد وغیرہا ضمیمۂ حکومت گردید۔ووظائف وسُیُور غالات خانوادھائے قدیم وجدید یک قلم ضبط شد۔وکارِ شرفا ونُجَبَا بہ پریشانی کشید۔واضطرار مردم آنجا از کسب علم باز داشتہ ورواج تدریس وتحصیل بآن درجہ نماند۔ومدارسے کہ از عہد قدیم معدن علم وفضل بود یک قلم خراب افتاد انجمن ہائے ارباب کمال برہم خورد۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعُون۔بعد از تحال برہان الملک نوبت حکومت بخواہر زادہ اُوابوالمنصور خان صفدر جنگ رسید وظائف واقطاعات بدستور زیر ضبط ماند۔ دور اواخر عہد محمد شاہ 1159 ہجری صوبہ داری الہ آباد نیز صفدر جنگ مقرر شد۔وتتمہ وظائف آں صوبہ کہ تاحال از آفتِ ضبط محفوظ ماندہ بود بضبط درآمد۔ودر عہد جہاں دار شاہ، صفدر جنگ بہ پایہ وزارت صعود نمود ونائب صوبہ کار برابر باب وظائف

تنگ تر گرفت وتا حین تحریر کتاب ایں دیار پامال حوادث روزگار است ۔(صفحہ 24 فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ)

(15) یہ اقتباس اس لئے لایا گیا ہے کہ شیعہ حاکموں کا تشدد معلوم ہو یعنی سعادت خان کے حاکم اودھ بننے کے بعد مندرجہ بالا شہر اور علاقے اودھ میں شامل کر لئے گئے اور وہ تمام خاندان جو مفت میں گھر بیٹھے عیاشی کر رہے تھے۔اور حکومت پر دھونس ودھاندلی سے بار بنے ہوئے تھے۔اور ہزاروں قطعاتِ زمین دبائے ہوئے تھے۔ پارٹیاں اور بدمعاشوں کی ٹولیاں بنا کر حکومتوں کو اپنا باج گذار بنا رکھا تھا۔اس قسم کے تمام لوگوں سے۔سعادت خان،ابوالمنصو راور اُن کے بعد والوں نے۔تمام ناجائز مقبوضات واپس لئے۔اسی بنا پر مرکزی حکومت نے اُن کو ترقیاں دیں۔اگر اُنہوں نے ایک انچ زمین یا کسی ایک آدمی کا وظیفہ ناجائز ضبط کرلیا ہوتا تو وہ آدمی ہی نہیں بلکہ پورا علاقہ، اسلام خطرے میں ہے، رافضیوں نے شر وفساد مچادیا ہے، کے نعرے مارتے ہوئے دہلی دربار میں جا پہنچتے۔رہ گیا مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا بند ہوجانا تو کان کھول کر سُن لیں کہ ہندوستان میں محمد بن قاسم کی آمد کے بعد سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک شریعت پرست مسلمانوں کی کوئی درسگاہ نہ تھی۔نہ قرآن کا ترجمہ ہوا تھا۔البتہ صوفیائے کرام کی درسگاہیں برابر کام کرتی رہیں۔اور اُن کو اگر نقصان پہنچایا تو وہ شیعوں نے نہیں بلکہ مخالف حکومتوں نے صوفیائے کرام کو تباہ کرنے کی ہمیشہ کوشش کی۔ بہرحال اِس قسم کے تمام بیانات محض تعصبِ مذہب کی پیداوار ہیں۔ہم دکھائیں گے کہ شیعوں کی حکومتیں اور عوام مقابلتاً زیادہ صلح پسند۔منصف مزاج اور فلاح عامہ کے طرفدار تھے جو جماعت دانتوں کے بیچ میں زبان کی طرح گھری ہوئی ہو۔جس کو بات بات میں قتل کردینا جائز سمجھا اور کیا جاتا ہو۔اُس کے متعلق کسی جبر وزیادتی کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا۔جس طرح انگریزوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے ہندوستان کے بادشاہوں کے متعلق جھوٹے سچے الزام تراشے۔ بالکل اُسی طرح بعض معاندین اور دشمنانِ قوم نے شیعہ حکومتوں اور عوام کو بدنام کرنے کیلئے مستقل پروپیگنڈا کیا، کتابیں لکھی گئیں اور یہ کام مسلسل جاری ہے۔لیکن اوچھے ہتھیاروں سے کامیابی کی امید کرنا حماقت ہے۔ہم ہرحال میں بڑھتے رہے ہیں، بڑھتے رہیں گے، ہمارے بڑھنے کے طریقے لاکھوں ہیں، جو ظاہر ہوجاتے ہیں، ہم اُنہیں چھوڑ کر جدید طریقے اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔بہرحال شیعہ حکومتوں نے لوگوں کی معاشی حالت درست کی اور غنڈوں کو دبا کر رکھا۔

(16) <u>اتہامات برابر جاری ہیں۔دل کو تسلی دی جارہی ہے</u>

جائیداداور املاک کی واگذاری کیلئے بہت سے قدیم خاندانوں نے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہہ دیا۔اس سلسلے میں معاصر الکرام کے مقدمہ میں بابائے اُردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں۔کہ ایک بات تاریخی حیثیت سے اس تذکرے میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔کہ اُن علما وفضلائے بلگرام میں سے جن کا اس میں ذکر ہے۔ایک بھی اہل تشیع میں سے نہیں (یعنی ذکر کیا ہی

نہیں)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبِ شیعہ نے وہاں بعد کے زمانہ میں رواج پایا۔(اس طرح آپ کو ذرا سکون ملا)۔
(صفحہ 25-24 فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ)اب مولف کے ریمارکس سنئے:۔

۔''حقیقت یہ ہے کہ ساداتِ بلگرام نے معاشی ومعاشرتی مجبوریوں سے پہلے تفضیلیت اور پھر شیعت اختیار کی (یہ ہے سنی مذہب کی مضبوطی)اور آخرزمانہ میں تو یہ رنگ بہت پختہ ہوگیا''۔(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ صفحہ 25)

یہ سب کچھ مولف اوراسکے بابائے اُردو ایسے لوگوں کی افترا پردازی ہے۔ بہرحال ہمیں منظور ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی اوراپنے عقائد کی شکست بھی مان لیں۔

(17) بلگرام کے صرف ایک محلے کی تعزیہ داری

۔''یہاں تعزیہ داری نے دُور ونزدیک شہرت پائی۔ بلگرام کے صرف ایک محلے میدان پورہ کی تعزیہ داری کا حال ملاحظہ ہو:۔

۔''دس محرم کو گیارہ بجے تک کل محلّہ میدان پورہ کے تعزیے جن کی فہرست درج ذیل مع بنانے والوں کے ہے۔ جو تعداد میں چوبیس پچیس کے ہوتے۔اور ہمراہ سفید تعزیے کے گشت میں شامل رہ کر کربلا جاتے۔مشہور تعزیوں میں بیٹوں کا تعزیہ۔کُنجڑوں کا تعزیہ۔کرم میاں پیرزادے کا تعزیہ۔رسول بخش کا تعزیہ۔حیدر پنجہ بند کے تعزیے تھے۔اوراس کے بعدُ بز قصابوں۔گاؤ قصابوں۔خیاطوں۔معمران۔جوگیان۔نوربا خان۔گاذران کے تعزیے امام باڑے میں آکر شریکِ گشت ہوتے تھے۔اہلِ ھنود کے یہ لوگ تعزیہ بناتے تھے۔اور شریکِ عزاداری ہوتے تھے۔ایشری شاہ بقال۔ ہیرالال بھورجی۔سوہن بقال۔گوکل تنبولی۔کچھمن بقال۔سوھن نجار۔قریب پانچ بجے دن کے جبکہ تعزیہ متصل مکان مولوی محمد عالم صاحب پہنچتا۔تو شیخ مظہر حسین مذکور مرثیہ۔ **قتل جب رن میں ہوا سبط رسول ثقلین** ۔ خاص اپنے چیدہ بازوؤں کے ساتھ بہت شان سے پڑھتے۔اس مرثیے میں ہندی کے الفاظ کی ٹیپیں ہیں۔جو بہت دردآمیز اور بھلی معلوم ہوتی ہیں۔اس مرثیے کے سننے کے واسطے تمام بلگرام کے معززین اہل ہنود اور حکامانِ تحصیل وتھانہ آتے تھے۔مجمعہ نہایت کثیر اور پُررونق ہوتا تھا۔ہجوم مردمان کی وجہ سے مرثیہ خوان بمشکل ایک دو ہاتھ سے زیادہ نہیں بڑھ سکتے تھے۔<u>اس مرثیہ کا جواب بھی اہل ہنود ہی پڑھا کرتے تھے</u>۔ بعدہ واپسی تعزیہ از کربلا تمام بزرگوار واہالیان محلّہ امامباڑہ میں موجود ہو کر غم امام حسین علیہ السلام میں شریک ہوتے۔اور مجلس شربت کی ہوتی۔ اور یہی مجلس سوم اور چہلم کو کربلا میں ہوا کرتی تھی''۔(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ صفحہ 26-25)

اب قارئین سوچیں کہ کیا یہ تمام اقوام کے لوگ جبر وتشدد سے شیعہ بنائے ہوئے ہو سکتے ہیں۔

(18) اودھ اور روھیل کھنڈ میں عزاداری

۔''اودھ اور روھیل کھنڈ میں تعزیہ داری کا یہ رنگ نوابان اور شاہانِ اودھ کی ترغیب وتحریص اور اُن کی سرپرستی کی وجہ

سے پیدا ہوا۔ بلگرام کی تعزیہ داری کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے۔ نام و مقام کو چھوڑ کر کم و بیش روہیل کھنڈ کے شہر وقصبات میں بھی تعزیہ داری کا یہی انداز تھا۔ تقسیم ہندوستان سے قبل آنولہ، بدایوں، اوجھیانی، بریلی، پیلی بھیت، رامپور اور امروھہ وغیرہ میں اُسی زور شور سے تعزیہ داری ہوتی تھی۔ آج کراچی میں تقسیم کے بعد سے تعزیہ داری کا رنگ اُس سے بھی چوکھا ہو گیا ہے۔
(فضائل صحابہؓ واہلبیتؓ۔ صفحہ 27-26)

(19) جائدادوں کی حفاظت میں مذہب چھوڑنے والے

مولف دوبارہ جائیداد ضبطی کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۔''بات ذرا آگے بڑھ گئی ذکر تھا۔ صفدر جنگ کے جائیدادوں کے ضبط کرانے کا۔'' سادات موضع بتّی پرگنہ سھوہ وفتح پور خاص میں مقیم ہوئے۔ مدت تک اولاد اُن کی بمذہب ابائی (اہلسنت) قائم رہی۔ لیکن بعہد ریاست ابوالمنصور خاں صفدر جنگ مذہب امامیہ اختیار کرتے گئے۔ (سید غلام حسین ثانی ساکن بہرائچ مولف) کے دو پسر غلام محمود۔ غلام رسول ثانی ہوئے۔ یہ معاصر تھے نواب شجاع الدولہ بہادر کے بعد شکست بکسر کے جب صلح نامہ گورنمنٹ انگلشیہ سے ہوا۔ نواب ممدوح الذکر نے حکم ضبطی کل معافیات صوبہ اودھ کا صادر کیا (یعنی صرف اُس نے سنی معافی ضبط نہیں کی) یہ دونو بھائی بطمع بحالی معافی بتبدیلی مذہب آبائی (اہلسنت) پابند مذہب امامیہ ہو گئے'' (صفحہ 27) یہ تھا وہ مذہب جس سے جائیداد بہرحال اچھی ہوتی ہے۔

(20) بنگش نوابوں کا تشیع اختیار کرنا

۔''صفدر جنگ کے بعد شجاع الدولہ (ف 1188ھ) سریر آرائے حکومت ہوئے۔ وہ اپنی مذہبی پالیسی میں اپنے والد بزرگوار کے سختی سے پابند رہے۔ بلکہ اُن کے زمانہ میں یہ (شیعت کا) پودا اور بھی برگ و بار لایا۔ انہوں نے فرخ آباد کے بنگش اور روہیل کھنڈ کے روھیلہ حکمرانوں کا پورے طور سے استیصال کیا۔ احمد خان بنگش کے صاحب زادے نواب دلیر ہمت خان نے مظفر جنگ (ف 1211ھ) کے زمانے میں 1772-1773ء میں ریاست فرخ آباد شجاع الدولہ کے ماتحت ہو گئی اور 1773ء میں نواب مظفر جنگ نے باقاعدہ شیعہ مسلک اختیار کیا۔'' (فضائل صحابہؓ واہلبیتؓ صفحہ 28)

(21) تعزیہ داری جنگلوں میں بھی ہوتی تھی

۔''کول (علی گڑھ) کی راہ میں ایک قصبہ جلالی ہے۔ کہ سید اُس میں رہتے ہیں۔ وہاں محرم کا چاند دکھائی دیا۔ تب نواب شجاع الدولہ نے وہیں قیام کیا۔ اور تعزیہ داری وہیں کی۔ امامباڑہ کپڑے کا کھڑا کیا گیا اور چاندی کے تعزیے رکھے گئے۔ جو امیروں کے ہمراہ سفر میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ نواب مظفر جنگ اس مقام پر شیعہ ہوئے''۔

(کیا یہ جبراً شیعہ کیا گیا تھا؟) پھر مولف صاحب دبا ہوا طعن کرتے ہیں۔

۔’’ شجاع الدولہ نے ایک صاحب حکیم خیرات علی کے اماباڑے کے لئے چار گاؤں مال پور۔کمال پور۔نورتھ اورنزولی معاف کئے ۔ 1771ء میں شجاع الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے روہیلوں پر چڑھائی کردی ۔ روہیلہ سردار حافظ الملک حافظ رحمت اللہ خان میراں پورکٹرہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔تمام ریاست روہیل کھنڈ پر شجاع الدولہ کا قبضہ ہوگیا۔ اوراُس کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہوگئی (یہ آرزوتو بقول آپ کے سعادت خان کی تھی) اہل روہیل کھنڈ کوسخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔شہرو قصبات بُری طرح تاراج کئے گئے ۔اُمراء وروؤسا اورعلما مشائخ کوسخت کھیکڑیں اٹھانی پڑیں‘‘ ۔ (صفحہ 29 فضائل)

(22) مخالف مؤلفین نے ہمیشہ شرانگیزی کومقدم رکھا ہے

ہم بار بار اعلان کرتے چلے آرہے ہیں۔کہ غلط اور ناجائز افعال خواہ انفرادی طور پر سرزد ہوں یا اجتماعی حیثیت سے کئے جائیں۔یہ شیعوں کی طرف سے ہوں یا سُنّیوں کیطرف سے ہوں ہم مذمت کریں گےاور ہرگز کسی حیثیت سےطرف داری نہ کریں گے ۔ ہماراتو مذہب ہی یہ ہے کہ غلط اور ناجائز عمل کرنے والوں کے خلاف محاذ بنایا جائے۔خواہ وہ علماء ہوں،صحابہ ہوں،محدثین ہوں،شیعہ ہوں یا سنی ہوں۔ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ حکومتوں سے اکثر وبیشتر ظلم وزیادتیاں سرزد ہوتی ہیں۔ اس میں شیعہ سُنّی دونوں حکومتیں برابر ہیں۔البتہ یہ ظلم وزیادتی اوربھی شدید ہوجاتی ہے جب حکومت خودکوشرعی حکومت کے لیبل سے مرصع کرلیتی ہے۔یعنی جب مُلّوں کا زور ہوتا ہےخواہ وہ اِدھر ہو یا اُدھر ہوتو پھر یہ دونوں شیعہ سُنّی حکومتیں ظلم وزیادتی،قتل عام،لوٹ مار،عصمت دری وغیرہ کواسلام کی آڑ میں کرتی ہیں۔دوسرے الفاظ میں مجتہدراج اِدھر ہو یا اُدھر ہوہم اُسکی مذمت کرتے ہیں۔اور بے دریغ بُرے کو بُرا اور ظلم وظالم کولعنتی سمجھتے ہیں۔اوراُن تمام مورخین ومحدثین ومحققین ومولفین کی مذمت کرتے ہیں جوتعصبِ مذہبی کی بناپر اپنے مخالف سے بےانصافی کرے تہمت لگائے، یا اپنے ہم مسلک فرد یا گروہ کی ناجائز طرفداری کرے۔مولف کتاب فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ جناب ایوب صاحب نے اپنے تمام بیانات وحوالجات میں پہلا نمبر ناجائز طرفداری کو دیاہے۔اورشاہانِ اودھ اور دیگر شیعوں پر اندھادھند الزامات لگائے ہیں۔حوالوں کواسطرح ترتیب دیا ہے کہ اگر دوسرے حوالے کو پہلے نمبر پر لکھ دیا جائے تو وہ تمام تاثر اورنتیجہ بےاثر ہوجاتا ہے۔جسکوحاصل کرنے کیلئے مولف نے نمبروں کی ترتیب کوالٹ دیا ہے۔یعنی اگر یہ کہیں زید نے بکر کوتلوار سے قیمہ کردیا۔اُس کے گھر کولوٹ لیاوغیرہ یہ واقعہ سننے یا پڑھنے کے بعد ہرشریف آدمی کے دل میں ظلم،ظالم،مظلوم،ہمدردی ونفرت کے جذبات اُٹھیں گے۔اورظالم سےنفرت مظلوم سے ہمدردی طے ہوجائے گی۔لیکن اگر پہلے یہ کہا جائے کہ بکر نے زید کا گھر تباہ وبرباد کردیا اس کے بچوں کوقتل کیا عورتوں کی عصمت لوٹ لی تھی اور پھر زید کا انتقامی واقعہ لکھیں۔تو اب صورت حال بدل جائے گی۔حالانکہ زیدوبکر دونوغلط کار ہیں۔

دونو کی طرف داری غلط ہے ۔ یہ ہے وہ طریقہ جسے مولف عموماً اختیار کرتے ہیں ۔ وہ یہ چھپاجاتے ہیں کہ اُن کی ہم مسلک حکومت یا افراد نے کیا کیا تھا؟ جس کے بدلے یا انتقام میں شجاع الدولہ یا کسی اور حاکم یا شیعہ نے یہ یہ مظالم کئے ۔ بہر حال ہمارا موقف یہ ہے کہ جن مساجد میں محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم پر تبرا کیا جائے وہ ہرگز مساجد نہیں ہوتیں ۔ اور اُن میں عبادت کرنے والے قطعاً مسلمان نہیں ہوتے ۔ لیکن ظلم اُن کے ساتھ بھی جائز نہیں ہے ۔ بدلہ کی حد تک اجازت ہے لیکن اس اجازت پر عمل لازم نہیں ہے ۔

(23) روھیل کھنڈ میں عزاداری اور شیعہ مذہب کی بالا دستی

سید الطاف علی بریلوی کے قلم سے لکھتے ہیں کہ :۔

۔'' سرزمین روھیل کھنڈ میں موجودہ زمانہ کی سی دھوم دھام کی محرم داری جس میں باجے ، تاشے ، نوبت ، علَم ، تخت ، تعزیوں وغیرہ کے جلوس نکالے جاتے ہیں ۔ اس روھیلوں کے دَورِ حکومت میں یا اس کے قبل کے زمانے میں جہاں تک تحقیق کی گئی (دیدہءِ نیم باز کو) وجود نہیں ملتا ۔ اس قسم کی تعزیہ داری کا سلسلہ بعد شہادت (یعنی قتل) حافظ الملک والیان اودھ کے بست و ہفت (ستائیس) سالہ عہدِ سلطنت میں شروع ہوا ۔ کالا امامباڑہ تعمیر کردہ نواب آصف الدولہ اور بریلی میں شیعہ حضرات کی دوسری عمارتیں بھی اُسی زمانہ کی یادگار ہیں ۔'' (فضائل صحابہؓ و اہلبیتؑ صفحہ 24) اس کے بعد مولف خود لکھتے ہیں کہ :۔

۔''بسولی میں نواب ہندے خاں کا تعمیر کردہ شیش محل تھا ۔ اُس کی ایک پرُانی محل سرا میں میر مشرف علی (اعلی اللہ مقامہ) کو مقیم کیا ۔ جو شجاع الدولہ کے زمانہ میں ایران سے وارِدِ لکھنؤ ہوئے تھے ۔ اُنکی اولاد تقسیم ملک تک اُس محل سرا میں رہتی تھی اور یہ حصہ حویلی سادات کہلاتا تھا ۔ اس خاندان کے آخری نمائندے سید محمود علی تھے ۔ قیامِ پاکستان کے بعد وہ بسولی میں فوت ہوئے ۔ اسی طرح اوجھیانی کا قلعہ جو نواب عبداللہ ولد نواب علی محمد خان کا تعمیر کردہ تھا ۔ وہ بھی شیعہ سادات کو ملا ۔ اس خاندان کے آخری آدمی سید شیدا علی بن سید حمزہ علی تھے ۔ آصف الدولہ کے زمانہ میں اوجھیانی میں (محلّہ ساھورکارہ) ایک وسیع اور عالی شان امامباڑہ بھی بنا تھا ۔ نواب آصف الدولہ نے خادم حسین خان متولی امام باڑہ کو چھ (6) گاؤں امامباڑہ کیلئے وقف کئے تھے ۔ اُس امامباڑہ کی تمام عمارت (اجتہادی زمانہ میں) ختم ہوگئی ۔ صرف صدر دروازہ باقی ہے ۔ اس خاندان کے آخری آدمی مرزا صفدر حسین تھے ۔ جو کراچی میں اندھے ہوکر مرے ۔ اُنہوں نے امامباڑہ کی تمام موقوفہ جائیداد موضع بَنا کھیڑہ اور پیر پورہ ضلع بدایوں بیچ کر خورد برد کر دی تھی '' ۔ (فضائل صحابہؓ و اہلبیتؑ ۔ صفحہ 35-34)

سید الطاف حسین صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ :۔

۔'' شاہانِ اودھ کے عہد حکومت میں اہل تشیع حضرات کی مہذّب و ذی علم آبادی کا کافی اضافہ ہوا ۔ روہیل کھنڈ کے ہر ایک

ضلع میں ہمارے اُن بھائیوں کے خاندان آ کر سکونت پذیر ہو گئے ۔اور حکومت کی جانب سے اُن کو معقول زمینداریاں ۔اور جاگیریں عطا کی گئیں ۔ بریلی میں حسینی باغ گزری کی مسجد اور آصف الدولہ کا کالا امام باڑہ وغیرہ اُسی عہد کی مشہور یادگاریں ہیں''۔(صفحہ 34)

یعنی شیعہ علماء ومہذب خاندان اُن تمام علاقوں میں حکماً آباد کیئے گئے ۔ جہاں کے ہندو ہینڈز اَپ کر کے برائے نام مسلمان اور ہندو تہذیب پر عامل تھے ۔گذرِ اوقات کے لئے اُن کو زمین ومکان ملنا کوئی خاص رعایت نہیں ۔ جو اپنا پہلا ماحول قربان کر کے غیر مہذب آبادیوں میں لائے گئے تھے۔

(24) جبر ہٹا تو تقیہ والے سیدوں اور شیعوں کے ہاتھ کھل گئے، جو بہت کھلتا رہا ہے

۔''غرض کہ آصف الدولہ کے دَور میں روہیل کھنڈ میں اثنا عشری مسلک کی خوب نشر واشاعت ہوئی ۔حکومت کی طرف سے ترغیب وتحریص اور تنبیہ وتخویف کے حربے بھی استعمال کئے گئے ۔گزٹیر مُراد آباد کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو۔

۔''اکبر کے عہد سے نوابانِ اودھ کے تسلط وحکومت کے ابتدائی دَور تک امروھہ کے تمام سید موخر الذکر مذہب (اہلسنت والجماعت) کے پابند تھے ۔نوابان اودھ چونکہ بذاتِ خود غالی شیعہ تھے ۔اس لئے امروھے کے بہت سے سیدوں نے اپنا قدیم مذہب (شیعیت) پھر اختیار کر لیا۔اور اس طرح تبدیل مذہب کرنے سے بہت سے دُنیوی فوائد بھی صحرائی، سکنائی جائیداد واملاک کے حصول کی صورت میں حاصل ہو گئے''۔(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ ۔صفحہ 36-35)

گزٹ کا بیان نہ صرف مولفِ کتاب ایوب صاحب کی دروغ بافی اور بے رحمانہ بد دیانتی اور شیعوں سے اُن کی قلبی دشمنی کا ثبوت فراہم کرتا ہے ۔ بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ایوب اینڈ کمپنی نے اُن غریبوں کو زبردستی ہاتھ باندھنے پر مجبور کیا تھا۔ایوب صاحب سے دریافت طلب ہے کہ وہ ترغیب وتحریص، تنبیہ اور تخویف اس گزٹ کے بیان میں تو ہے نہیں ۔البتہ آپکے سر میں یہ سب کچھ مذہب کے پردوں میں لپٹا ہوا موجود ہے ۔گزٹیر کا بیان اپنی شہادت میں لائے اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ:۔

''۔گزیٹر کا یہ بیان درست نہیں کہ اُن کا قدیم مذہب شیعہ تھا''۔(حاشیہ صفحہ 35)

کیا ایوب صاحب پر وحی نازل ہوتی ہے؟ یہ گزیٹر تو پکا سنی ہے ۔اس لئے کہ وہ نوابانِ اودھ (اعلی اللہ مقامھم) کی مذمت میں اُنہیں غالی شیعہ لکھتا ہے ۔مطلب یہ ہے ہر وہ بیان غلط ہے جو ایوب صاحب کے باطل مفروضات کے خلاف یا شیعوں کی طرف داری میں ہو۔الغرض ان صفحات میں ایوب صاحب نے وہ تمام ٹیکنیک استعمال کی ہے جو باطل کو حق بنا کر دکھانے کے لئے ضروری اور ممکن تھی ۔مگر ہر بیان میں ایک دو الفاظ ایسے آتے گئے کہ اُن کا گھروندا بکھرتا گیا۔ بہر حال یہ ایک معلوم ومشہور حقیقت ہے کہ لاکھوں شیعہ خوف وفساد کے دباؤ سے ہاتھ باندھے رہتے اور سُنّی کہلاتے تھے اور آزاد ہو جانے کی مسلسل کوششیں کرتے رہتے تھے۔

(25) شیعہ حکام جو عزاداری کے لئے ہر سال اپنا سب کچھ فروخت کردیتے تھے

۔''خواجہ آفتاب حسین کے بعد مسلمان عاملوں میں خواجہ عین الدین مہدی علی خاں ،الماس علی خان اور حسین علی خان آئے ۔اِن شیعہ حکام کے قیام کی غرض سے اُس گلی سے خاص طور سے تعزیہ داری کے جلوس گذرنے شروع ہوئے ۔اور اُن کے قیام کی وجہ ہی سے اس گلی کا نام حسینیؑ گلی پڑ گیا۔خواجہ عین الدین اس مسلک میں بڑے غالی تھے ۔وہ آئمہ اؑطہار سے بے حد محبت رکھتا تھا ۔یہ روایت مشہور ہے ۔کہ عشرۂ محرم میں معمول تھا کہ عاشورے کو تمام مال ومتاع ونقد وجنس اور عمارات وزن ومرد بلکہ اپنی ذات سمیت جناب سیدؑالشہداء کے نام خیرات کردیتا تھا۔اور پھر قرض ادھار سے زرِنقد پہنچا کر مول لیتا تھا۔جس جگہ تھوڑے دنوں کے لئے جاتا تو امام باڑہ اور مسجد کی پہلے نیوڈالتا''۔(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ ۔صفحہ 38-37)

(26) صدیقی اور عثمانی مفتی ومولوی ترویج تشیع میں منہمک تھے

۔''بدایوں میں اس (شیعہ) مسلک کی اشاعت وترویج کے متعلق مولوی محمد سلیمان بدایونی اپنے ایک مقالہ ۔''بدایوں کے اہلِ تشیع''۔ میں لکھتے ہیں کہ۔''صورت سنگھ نے بدایوں کا چارج لیکر اندازہ کیا کہ عوام کی تالیف قلوب عطیات سے کی جاوے۔اور علما میں سے بھی انتخاب کرکے مخالفت کی آواز کو بالکل نہ اٹھنے دیا جاوے۔چنانچہ اس کی نظر انتخاب مفتی محمد علی صدیقی حمیدی اور مولوی محمد علی عثمانی پر پڑی ۔مولوی صاحب محمد علی عثمانی نے موضع شادی پور تحصیل داتا گنج میں معافی کی اراضی لیکر سکونت اختیار کرلی۔مفتی صاحب نے علاوہ ہدایا وعطایا کے حکومت کا مذہب بھی اختیار کرلیا اور اُنکی اولاد اسوقت (1963ء) تک شیعت پر قائم ہیں ۔مفتی جی کی ترویج شیعت سے اُنکے اکثر عم زادوں (چچازاد بھائیوں) نے شیعت اختیار کی مفتی جی کے بیٹے مفتی مظفرعلی نے ۔''عروج الشیعہ فی بدایوں'' لکھی ۔ایک امام باڑہ تعمیر کرایا جو بڑا امام باڑہ کہلاتا ہے ۔یہ میرے مکان کی شمالی حد تھا۔اس امام باڑے کے نام موضع خیر پور تحصیل بدایوں میں معافی عطیہ نواب آصف الدولہ ہے''۔

(صفحہ 40-39)

(27) صدیقی علماو شعراء حصول تشیع کے لئے ایران بھی گئے

۔''اُسی زمانہ میں بدایوں کے مشہور شاعر ظہور اللہ خان نوؔا (1826ء ۔ 1246ھ) ولد مولوی علی دلیل اللہ صدیقی حمیدی نے بھی مسلک اثناعشری اختیا کرلیا تھا۔نواؔ مدتوں لکھنؤ ۔حیدر آباد اور ایران کے درباروں میں رہے ۔اُن ہی درباروں کے اثر سے یہ مسلک اختیار کیا ہوگا ۔بدایوں میں ایک اور امام باڑہ 1806ء ۔ 1221ھ میں تعمیر ہوا۔ضلع بدایوں کے قصبے اسلام نگر میں بھی شیعہ سادات عہد آصفی کی یادگار ہیں ۔اسلام نگر میں ایک امام باڑہ بھی تھا''۔(صفحہ 40 فضائل صحابہ واہلبیتؑ)

(28) نوا بانِ رامپورکس طرح مذہب شیعہ کے فدائی بنے تھے

۔''نواب فیض اللہ خان کے انتقال کے بعداُن کے فرزندنواب محمدعلی خان مسند نشینِ ریاست رامپور ہوئے۔چونکہ وہ نواب آصف الدولہ کے دربار لکھنؤ میں رہے تھے(کیاز بردستی)اِس لئے نواب کی ترغیب سے انہوں نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا تھا۔اُنہوں نے سریرآرائے حکومت ہونے کے بعد لکھنؤ کے آئین وقوانین روھیلہ پٹھانوں پر جاری کئے۔اُنہوں نے غلام محمدخان کوشریک بنا کرمحمدعلی کوختم کردیا(یہاں لفظ شہید کہنا پسندنہیں)بس پھر کیا تھا۔انگریزوں کوساتھ لے کرآصف الدولہ نے فوج کشی کی اورمقتول کے صاحب زادے احمدعلی خان کومسندنشین کیا(خود قبضہ کیوں نہ کیا؟)اُسی زمانے سے رامپور میں شیعت کا زورہوا۔اورنواب کلب علی خاں(جوسنی المذہب رہااورآصف الدولہ نے کوئی زبردستی نہ کی)کوچھوڑکررامپور کے تمام نواب اثناعشری ہوئے۔نواب محمدسعیدخاں کے زمانہ میں شانداراامباڑہ تیارہوا''۔(صفحہ 41 فضائل صحابہ واہلبیتؑ)

قارئین یہاں یہ بات نوٹ کریں کہ جناب آصف الدولہ کے دربار میں نہ صرف رامپور کے نواب محمدعلی خاں نے اکتساب علم کیا بلکہ مرکزی حکومت دہلی کے شہزادے شاہ عالم ثانی کے بیٹے بھی اکتساب کیلئے آتے جاتے رہتے تھے۔(صفحہ 43)

(29) درگاہ حضرت عباسؑ علمدار پراعتراض اورشعائراللہ سے جہالت

۔''آصف الدولہ نے لکھنؤ میں دس لاکھ روپے کی لاگت سے ایک بڑاامامباڑہ تیارکرایا۔اورنجف اشرف میں دریائے فرات سے ایک نہرنکلوائی جس سے زوّار(زائرین)کوپانی کی سہولت ہوگئی۔آصفی دَورکی سب سے اہم دریافت درگاہِ حضرت عباسؑ کا قیام ہے۔(مولف کا پارہ چڑھا ہوا ہے)ایک شخص فقیرانامی نے ایک علم(مولف کے مشورے سے)دریائے گومتی کے کنارے پوشیدہ دفن کردیا۔اورمشہوریہ کیا کہ مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ۔''حضرت عباسؑ کے ہاتھ میں جو علم معرکۂ کربلا میں تھاوہ فلاں مقام پردفن ہے تو اُس کونکال لے''۔چنانچہ اس کے بعدوہ چندآدمیوں کے ساتھ(مع ایوب صاحب)وہاں پہنچا تو علم نکلا۔رفتہ رفتہ اس بات کی شہرت ہوئی ضعیف الاعتقادعوام(یعنی غیر مقلدین شیعہ)عوام مَنّت و مُرادیں مانگنے لگے۔اتفاق سے ایک روزنواب آصف الدولہ اپنے کسی خدمتگار سے خفا ہوگیا۔اورکہا کہ کل تیری ناک کٹوادوں گا۔وہ بھی بھاگا ہوادرگاہ عباسؑ پرمنت ماننگنے پہنچ گیا۔آصف الدولہ کودوسرے دن یادبھی نہ رہا(مولف نے معلوم کرلیا تھا)کچھ دنوں کے بعد وہ مہربان ہوگیا۔ایک روز خادم نے باتوں باتوں میں نواب کو ناراضی کا واقعہ یاددلاتے ہوئے کہا۔''بعناعتِ خداوبتصدیق علم جناب عباس علیہ السلام وتفضّلاتِ حضور ناک غلام کی بچ گئی''۔نواب آصف الدولہ نے تفصیل علم کی پوچھی نواب آصف الدولہ نے فقیرکوبلاکرایک ہزارروپیہ دیا۔نجم الغنی خاں لکھتے ہیں کہ۔''نواب آصف الدولہ ہزارجان ودل سے شہدائے کربلا کے جان نثار تھے۔اُس علم کی زیارت کے لئے آنے لگے۔اورایک گنبد اینٹوں کا وہاں

تعمیر کرادیا۔ یہ گنبداور بھی موجب ترقی ہوا''۔ (صفحہ 47-46 فضائل صحابہ واہلبیتؑ)

(30) درگاہ عباس علیہ السلام کا تاریخی معجزہ مولف کے قلم سے

۔''نواب آصف الدولہ کے سریر آرائے حکومت ہونے کے بعد اُن کے بھائی سعادت علی خان (ف 1814ء 1229ھ) روھیل کھنڈ کی صوبے داری سے معزول ہوکر بنارس پہنچے۔سعادت علی خان نے یہ نیت (منت مانی) کی کہ اگر آصف الدولہ کے بعد لکھنؤ کی حکومت مجھے مل گئی تو میں علم جناب عباس کی درگاہ کو رونق دونگا۔چنانچہ آصف کے متبنّٰی وزیر علی خان کے علیحدہ ہونے کے بعد سعادت علی خان اودھ کے نواب (بادشاہ) بنے اور اُن کی دلی مراد برآئی (مولف صاحب ڈوب مریں) نواب سعادت علی خان نے درگاہِ علمِ عباسؑ کے گنبدِ خشتی (اینٹوں کے) کو طلائی (سونے کا) کیا۔اور درگاہ کو وسعت دی۔اُس میں دودرجے زنانے اور مردانے قائم کئے۔اور وہاں کی رونق بہت بڑھ گئی۔اُس کے بعد غازی الدین حیدر نے بلند نقارخانہ بنوایا۔نوبت اور گھڑیال رکھے گئے۔اندرون درگاہ دروازہ اور منبر چاندی کے بنوائے گئے۔اور آرائش کا سامان رکھا گیا۔نصیرالدین حیدر کے وقت میں ملکۂ زمانیہ نے درگاہ کا باورچی خانہ تعمیر کرایا۔غرض اس قسم کی درگاہیں قائم کرکے عوام کے لئے عقیدت کے آستانے فراہم کئے گئے''۔(فضائل صحابہؓ واہلبیتؑ۔صفحہ 48-47)

ایوب صاحب! آستانہ بنادینا تو مشکل نہیں ہے۔مگراُن آستانوں پر تم ایسے لوگ سجدہ کریں اور معجزات ظاہر ہوں یہ مشکل ہے۔اور ہمارے یہاں یہ بالکل آسان ہے۔اہلبیتؑ کا نام لے دینا ہی کافی ہے۔معجزات برسنے لگتے ہیں۔مگراپنی کہو؟ ہے کوئی شریعت پسندوں میں صاحب کرامات؟ کسی صوفی کا نام نہ لینا۔وہ ہمارے گروہ کے لوگ ہیں۔

(31) شاہانِ اودھ کے متعلق چند اور ریمارکس

۔''ہم نے اودھ کے پہلے چار حکمرانوں کے دور کا جائزہ لیا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ اُنہوں نے اثنا عشری مسلک کی اشاعت میں بھرپور کوشش کی۔آصف الدولہ کے زمانہ میں اس مسلک کی سب سے زیادہ اشاعت ہوئی۔اس کے زمانے میں نظامِ حکومت تو بالکل ڈھیلا پڑ گیا۔انگریزوں کی گرفت سخت سے سخت تر ہوگئی۔مگر اثنا عشری مسلک کی تنظیم کی بنیادیں خوب مضبوط ہوگئیں۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں کہ۔''نواب وزیر اوراُن کے خاص محل کے ذاتی اثر نے اِس عقیدے (امامیہ مسلک) کو لکھنوی تمدّن کا ایک نمایاں عنصر بنادیا''۔(49-48 فضائل صحابہ واہلبیتؑ)

(32) تشیع نے ہندو و مسلم سب کو اپنا بنالیا

۔''اس دَور میں جو غیر مسلم داخل اسلام ہوتے تھے۔وہ اثنا عشری مسلک کے مُتَّبع نظر آتے ہیں۔اس سلسلے میں محمد حسین قتیل فرید آبادی (ف 1818ء۔ 1233ھ) اور سکندر رام فدوی لاہور کی مثالیں موجود ہیں کہ یہ دونوں نومسلم

عقیدتاً شیعہ تھے۔اوراس مسلک کا اس قدر غلبہ تھا۔کہ ہندو مصنفین بھی حمد ونعت کے بعد منقبت علیؑ یا آئمہ اطہار لکھنی ضروری سمجھتے تھے۔وقائع عالم شاہی کا مولف کنور پریم فراقی لکھتا ہے:۔

۔''صلوٰۃ بےغایات ونیاز بےنہایات برابن عمِ ووصی اعظم اُوکہ مظہر العجائب واسداللہ الغالب وصاحب ذوالفقار وقسیم الجنۃ والنار است''۔

۔''دیاشنکر نسیمؔ مثنوی گلزارنسیم میں لکھتے ہیں۔''پانچ انگلیوں میں یہ حرفِ زن ہے۔ یعنی کہ مطیع پنجتن ہے''۔

۔''راجہ رتن سنگھ زخمی (ف 1267ھ) ایک قصیدہ ہفت بند حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شان میں 1828ء 1254ھ میں لکھا ہے۔اُس کے آخری بند کے تین شعر درج ذیل ہیں۔

تاب درد و غم ندارد پیش ازیں زخمی دگر
زود رحمے کن بحالش اے شہؑ والامقام
تابہ کے ایں دردغربت تابہ کے ایں رنج سفر
در بریلی باز کہ بینم دلے خودرابہ کام
برتوشاھاً صد سلام وبرتو شاھاً صد درود
زخمیِ غم دیدہ را بہرخدا در یاب زود

(33) ہندوستان پرایرانیوں کے مذہب کا دباؤ ہمایوں سے

تحریک تشیع کے کھلے محاذ کو یہاں تک لاکر ہم پھر ہمایوں کے دَور تک واپس جاتے ہیں۔

۔''جب ہمایوں سفرایران کے بعد ہندوستان واپس آیا تو اُس کے ساتھ بےشمار ایرانی سپاہی امراوعلما تھے۔اوراس وقت سے ایران اور ہندوستان کے زیادہ قریبی تعلقات کا آغاز ہوا۔جن کی وجہ سے اسلامی تہذیب میں ایرانی اثرات تُورانی اورعرب اثرات سے بھی زیادہ نمایاں ہوگئے۔اس سے پہلے بھی غزنویہ خاندان کے وقت سے ہندوستانی مسلمانوں کی ادبی اوردرباری زبان فارسی تھی۔اورایران سے قابل اور بہادر قسمت آزمالوگ ہندوستان آتے رہتے تھے۔لیکن ہمایوں کے بعد یہ سلسلہ بہت وسیع ہوگیا۔ایران کے بڑے بڑے شاعرعرفی نظیری مشہور مصور مثلاً خواجہ عبدالصمد۔میرعلی فرّخ اورقابل مدبّر مثلاً علی مردان۔آصف خان وغیرہ۔ہمایوں کے جانشینوں کے عہد میں ہندوستان آئے اورعلوم وفنون کی اشاعت اوراسلامی تہذیب وتمدن کی تشکیل میں بہت مفید ثابت ہوئے''۔(صفحہ 33 رودکوثر)

(34) شیعہ بصیرت نے ہندوستانی حکومتوں کو دولت علم عطا کی

مآثر رحیمی کا مصنف ایران کو دبستانِ ہند کہتا ہے۔ مغلیہ حکومت کے استحکام اور قرار میں بھی ایرانی ذہانت اور تدبر کو بڑا دخل تھا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ ہمایوں ایران جا کر شیعہ ہو گیا تھا۔ اور اُسے شاہ ایران سے مدد اس وعدہ پر ملی تھی۔ کہ وہ اپنی مملکت میں شیعہ عقائد کی ترویج کرے گا۔ یہ تو غالباً غلط ہے۔ (اکرام اللہ صاحب بھی شیعت کو پسند نہیں کرتے) لیکن اتنا قرین قیاس ہے۔ کہ ہمایوں نے حضرت علیؑ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہوگا۔ اور ذیل کی رباعی اُس سے منسوب کی جاتی ہے۔

میں اولادِ علیؑ کا جان و دل سے بندہ ہوں	ھستیم زجان بندۂ اولاد علیؑ
میں علیؑ کی یاد سے ہمیشہ اپنا دل شاد کام رکھتا ہوں	ھستیم ہمیشہ شادِ بایاد علیؑ
چونکہ ولایت کا راز جناب علیؑ سے ظاہر ہوا ہے	چُوں سرِ ولایت زعلیؑ ظاہر شدہ
اس لئے میں نے نادعلیؑ کا ورد اختیار کر رکھا ہے۔	کردیم ھمیشہ وردِ خود نادعلیؑ

(صفحہ 34-33 رود کوثر)

(35) شیعوں کے احسانات ہمیشہ فراموش کئے گئے

تاریخ اس پر گواہ ہے کہ حکومت عباسیہ اہلبیتؑ کے نام پر اور شیعوں کے ہاتھوں قائم ہوئی۔ یہی ہمایوں جان بچا کر یک بنی دو گوش شیعہ حکومت کے دربار میں مدد کی بھیک مانگنے گیا۔ حکومت نے ایک عظیم الشان ایسی فوج مرحمت کی اور ایسا سامان جنگ فراہم کیا کہ تمام ہندوستان و دیگر ممالک مل کر اُسے شکست نہ دے سکتے تھے۔ لیکن مورخ چونکہ مورخ ہیں اسلئے وہ ہمیشہ ہر بات کو بدل کر مروڑ کر پردہ ڈال کر لکھتے ہیں۔ ایک رباعی حضرت علیؑ کی شان میں پڑھنے کا انعام سوا اشرفی ہو سکتی تھی۔ دو وقت کا کھانا کھلانا کافی تھا بلا وجہ اس قدر ہمدردی کیسے ہوگئی کہ اپنے مخصوص وفادار وُزرا و اُمرا و مدبّرین کو ہمراہ کر دیا۔ اور ہر ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ یقیناً ہمایوں نے شیعت کا اعلان کیا تھا۔ ہاتھ کھول کر نمازیں پڑھی تھیں۔ اور عہد کیا تھا کہ وہ محمدؐ و آل محمدؐ کے دین کو پھیلائے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جناب ہمایوں عباسیوں کی طرح احسانات فراموش کر دیں یا اہل خلاف کی کثرت سے دب کر مصلحت و تدریج و تحصیل اختیار کر لیں۔ یہ بات جناب اکرام اللہ صاحب کی طرح سہولت سے کہہ ڈالنے کی نہیں تھی۔

(36) ہمایوں نے اپنا وعدہ پورا کرنا شروع کر دیا تھا

۔"جب وہ ہندوستان واپس آیا تو شیعہ عُمّال کا زیادہ عمل دخل ہو گیا۔ اور اُنہیں اپنے مذہبی معاملات میں زیادہ آزادی مل گئی۔ ہمایوں کا وزیر باتدبیر بیرم خان خود شیعہ تھا۔ اور شیخ گدائی (رحمۃ اللہ علیہ) جنہیں عہد اکبری میں سب سے پہلے شیخ الاسلام کا عہدہ ملا شیعہ عقائد کے تھے۔ حضرت علیؑ کی تعریف میں بیرم خان کا ایک پُر جوش قصیدہ مآثر رحیمی میں نقل ہوا ہے جس کا مطلع ہے۔ **شہے کہ بگذرد از نہہ سپہر افسر اُو اگر غلامے علیؑ نیست خاک بر سر اُو**

وہ بادشاہ کہ جس کا افسر نو عدد آسمانوں سے بھی بلند تر ہو　　　اگر وہ علیؑ کا غلام نہیں تو خاک اس کے سر چہرہ پر

(37) شیعوں پر تعصب کا اتہام لگانے والے سنئیں!

بیرم خان وزیر اعظم اور تمام ملک کے مذہبی امور کے کرتا دھرتا شیخ الاسلام شیخ گدائی کے عدل و انصاف پر نظر ڈالنے والے ہرگز شیعوں پر مذہبی تعصب کا الزام نہیں لگا سکتے۔ سنئے اور مذہبی تعصب کا پتہ لگائیے کہ وہ کن دماغوں میں رہتا ہے۔

۔''عام طور پر ملکی معاشرتی اور مذہبی معاملات میں بیرم خان اس قدر محتاط اور مرنجان مرنج تھا۔ کہ اگرچہ شیخ گدائی کی تعیناتی کو کئی تورانی (یعنی تعصب کے ذخیروں نے) اُمرانے ناپسند کیا۔ لیکن مذہبی حلقوں میں اُس کے خلاف شکایت کا ایک حرف نہیں ملتا۔ (کہیں ایوب صاحب ہوں تو اُن کو بھی بتا دیں) ملا عبدالقادر بدایونی جیسا بزرگ اس کی تعریف میں رطب للسان ہے۔ اور شیخ عبدالحق محدث اُس کی نسبت لکھتے ہیں۔

۔''محمد بیرم خان تصور میں نہ سما سکنے والے جاہ وجلال کے باوجود فقیروں سے محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ اُن کے طریقہ کو پسند کرتے تھے۔ سخاوت اور اللہ کے احکامات کو ملحوظ رکھتے تھے مخلوق خدا پر شفقت کرتے تھے۔ مکمل اوصاف اور توفیقاتِ خداوندی کے حامل تھے۔ مختصراً وہ اس قول کے سو فیصد مصداق تھے کہ سعادتمندانہ زندگی بسر کی اور موت کی جگہ شہادت پر فائز ہوئے''۔

خانخانانِ خان محمد بیرم خان کہ باوجود عُلوِ منصب وجاہ وجلال زیادہ از ہر چہ تصور توان نمود بسلوکِ طریقہ درویشان واعتقاد محبت ایشان جُود و تواضع ورعایت طریقہ التعظیم الامر اللہ وشفقت علیٰ خلقِ اللہ اتّصافِ کامل وتوفیق شامل داشت ومصدوق عاش سعیداً ومات شہیداً بود۔'' (صفحہ 34 رود کوثر)

(37) اہلسنت والجماعت کے متعصب حضرات سُنیں!

۔''ہمایوں کے بعد شیعہ حضرات کی ایک کثیر تعداد ایران سے اُس زمانہ میں آئی۔ جب وہاں 1576ء۔ 903ھ میں شاہ اسماعیل ثانی نے اہلسنت والجماعت کا طریقہ (مذہب) اختیار کیا اور سُنّی عقائد کے عارضی فروغ کے دوران میں برگزیدہ شیعہ علما اور اکابر پر سختی شروع ہوئی (ایوب صاحب زندہ باد) شیعہ حضرات کی آمد کا سلسلہ اور وسیع ہو گیا اور شمالی ہند میں بھی شیعوں کی معقول تعداد ہو گئی''۔ (صفحہ 34 رود کوثر)

(38) شیعہ مفادِ ملّی کے سب سے زیادہ نگہبان رہے ہیں

۔''ایک انگریز اہل قلم کے اندازے کے مطابق اورنگزیب کے اُمرا میں اکثریت شیعوں کی تھی۔ ایرانی النسل افراد کے علاوہ سادات بارہ شیعہ تھے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں اودھ، مرشد آباد وغیرہ میں شیعہ ریاستوں کا قیام بعض اوقات سیاسی اور مذہبی پیچیدگیوں کا (ملانوں کی وجہ سے) باعث ہوا ہے۔ لیکن عام طور پر شیعوں نے ملّی مفاد کو مدّنظر رکھا اور اپنی

ذہانت، بلندنظری اورقابلیت سے ہماری تمدنی اورادبی تاریخ میں کئی رنگین باب اضافہ کئے اور(حقیقی)اہلسنت نے بھی بالعموم اُن (شیعوں) سے دوستی اوررواداری کا سلوک کیا ہے ۔اورغالب کو اُردوکا بہترین شاعر ۔آزادکو اُردوکا بہترین نثر نگاراوررائٹ آنریبل سیدامیرعلی کواسلام کا بلادِمغرب میں بہترین ترجمان سمجھتے وقت کسی کوایک لمحہ کیلئے خیال نہیں آتا کہ وہ شیعہ تھے یاسنی''۔ (صفحہ 35-34 رودکوثر)

(39) علامہ شوشتری رضی اللہ عنہ کی عدل گستری

۔''یہ روایت کہ قاضی صاحب کوعہداکبری میں سُنّی سمجھا جاتا تھا(نجوم السما میں)صحیح نہیں ہے۔جاننے والے اُن کے عقیدے سے بے خبر نہ تھے۔لیکن ایک تو اکبر کے سامنے شیعہ سُنّی اختلافات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔دوسرے قاضی صاحب کی علمیت،منصف مزاجی اورمستعدی اس اعلیٰ درجہ کی تھی۔کہ مخالفین بھی اُن کا احترام کرتے ہیں۔بدایونی جس نے بعض شیعہ علما کی وفات کاذکرکرتے ہوئے۔اس طرح گندگی اچھالی ہے۔کہ تہذیب ومتانت کوبھی نظرانداز کردیا۔قاضی صاحب کا بڑامداح تھا۔وہ یہ جانتے ہوئے کہ قاضی صاحب شیعہ مذہب کے تھے۔اُن کی نسبت لکھتا ہے کہ:۔

(40) شیعہ علماء کاکردارہمیشہ قابل مدح و ستائش رہاہے

ترجمہ۔''قاضی نوراللہ شوشتری اگرچہ مذہب شیعہ کے عالم تھے۔مگر وہ بہت ہی نیک نفس،پارسا،باحیا،متقی اورتمام اُن صفات سے آراستہ تھے۔جوشرافت کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔اس کے ساتھ ہی وہ عدل پرور اورنہایت ہی منصف مزاج تھے ۔ مزید برآں علم اوربُردباری۔زودفہمی،محققانہ نکتہ سنجی،قلب وذہن کی صفائی اورتمام اوّل درجہ کی صفات میں مشہور عالم تھے۔نہایت قابل قدر کتابوں کے مصنف تھے۔آنجناب نے ابوالفضل وفیضی کی بے نقطہ والی تفسیر پرجوریولکھا اُسکی تعریف اورکمال بیان کرنا حدودامکان سے باہر ہے۔شعروشاعری میں لاجواب موزوں طبیعت پائی تھی۔شیعہ عالم علامہ حکیم ابوالفتح کے توسط سے دربارِاکبری میں ملازمت حاصل کی تھی۔جس زمانہ میں بادشاہ اکبرمع اپنے اراکین سلطنت لاہور تشریف لے گئے اورلاہور کے قاضی شیخ معین الدین بادشاہ سے

''۔قاضی نوراللہ شوشتری اگرچہ شیعی مذہب است اِمّا بسیار بہ صفت نصفت وعدالت ونیک نفسی وحیا وتقویٰ وعفاف واوصافِ اشراف موصوف است وبعلم وحِلم وجودتِ فہم وجدّت طبع وصفائے قریحہ وزکامشہوراست صاحب تصنیف لائقہ است۔توقیع برتفسیر مہمل شیخ فیضی نوشتہ کہ ازحیّز تعریف وتوصیف بیرون است۔وطبع نظم واشعاردل نشین می گوید۔بوسیلۂ حکیم ابوالفتح بم لازمت شاہی پیوست درزمانیکہ موکب منصور بہ لاہور رسید وشیخ معین قاضی لاہوررادروقتِ ملازمت ازضعفپیری وفطورِقویٰ سقط دردربارواقع شدہ رحم برضعف اُوآوردہ فرمودندکہ شیخ ازکارماندہ بنابرآن قاضی نوراللہ بآن عہدہ منصوب گردید۔الحق کہ مفتیان ماجن ومحتسبانِ

ملاقات کے لئے حاضر دربار ہوئے۔ تو ضعف پیری سے بے ہوش ہوکر گر پڑے اور گفتگو میں بھی ربط نہ رکھ سکے۔ تو بادشاہ کو ان کی ضعیفی پر رحم آیا۔ فرمایا کہ اب شیخ بہت ناتوان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اُنہیں ملازمت سے سبکدوش کر کے پنشن مقرر کردی اور اُن کی جگہ صوبہ لاہور کا قاضی القضاۃ جناب علامہ شوستری کو مقرر فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ لاہور کا محکمہ عدالت اور تمام متعلقہ قاضی اور پولیس کے	بدنفس لاہور کہ بمعلم الملکوت سبق می دہند خوش بہ ضبط درآوردہ وراہے رشوت را بر ایشاں لبستہ ودر پوستِ پستہ گنجانیدہ۔ چنانچہ فوق آن متصوّر نیست ومی توان گفت کہ قائل بایں بیت اُورا منظور داشتہ وگفتہ۔ توئی آنکس کہ نہ کردی بہمہ عمر قبول درقضا ہیچ زکس غیرِ شہادت زگواہ (رود کوثر صفحہ 402-401)

افسران نہایت مطلق العنان بے لگام و بدنہاد اور ایسے مکار تھے۔ کہ شیطان کو بھی مکر وفریب کی تعلیم دیتے تھے اور دن رات حرام خوری ورشوت ستانی میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن علامہ شوشتری نے ایسا انتظام کیا کہ اُن کے ہاتھ پیر باندھ کرر کھ دیئے۔ اُن کے منہ میں لگام دیدی۔ اُن کے تمام کس اور بل نکال دیئے۔ گز کی طرح انہیں سیدھا کر دیا۔ حق وانصاف کی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ عدالتیں انصاف کے خلاف سوچ بھی نہ سکتی تھیں۔ الغرض ایسا انتظام وعدل وانصاف قائم کیا اور اس طرح اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کیں کہ اُس سے زیادہ کا تصور تک کرنا ممکن نہیں تھا۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اُس شاعر کے سامنے قاضی نور اللہ شوشتری ہی کا کردار تھا۔ جسے ملحوظ رکھ کر اُس نے یہ شعر کہا تھا کہ:۔

؎ تو ہی وہ شخص ہے جس نے ساری عمر میں بھی ۔۔۔ کسی گواہ سے گواہی کے علاوہ کوئی اور شئے قبول نہ کی

(41) شیعہ سُنّی ذہنیت کا تاریخی فرق

اورنگزیب عالمگیر کی مذہبی تنگ نظری نے کس طرح مغل حکومت کو تباہی کی طرف دھکیلا؟ یہ بات فی الحال قبل از وقت ہے۔ یہاں تو یہ دیکھئے کہ اورنگزیب کے اسٹاف میں کون سے مسلک کے لوگ غدار تھے۔ سنئے! سب سے بڑی وجہ جو تباہی کا باعث ہوئی:۔

۔''لیکن سب سے اہم وجہ (جس میں اسلامی حکومت کے زوال کا راز پنہاں ہے) مغل اُمرا اور مُغل لشکریوں کی عسکری کمزوری تھی۔ بادشاہ کی بیدار مغزی۔ ہمت، محنت اور استقلال میں کلام نہیں۔ لیکن اس کے سپہ سالاروں اور سپاہیوں میں آرام طلبی۔ غداری فرض ناشناسی اور خودغرضی جیسی قبیح خصلتیں گھر کر چکی تھیں۔ اور اخلاقی حالت میں وہ اپنے مرہٹے مخالفوں سے پست درجہ پر تھے۔ (لاحول ولاقوۃ) مرہٹوں میں ابھی ابھی پنہر پور کی مذہبی تحریک نے نئی روح پھونک دی تھی۔ وہ اب ایک زندہ قوم بن رہے تھے۔ اس نئی تحریک کے زیر اثر اُن کی شخصی اور خاندانی نزاعیں بڑی حد تک دب گئی تھیں۔ اور اُن کا ہر فرد مغلوں کے مقابلہ میں قدمے درمے سخنے جس طرح بھی ہوسکتا تھا۔ برسر کار تھا۔ دوسری طرف وہ مغل اُمرا اور لشکری تھے۔

جنہیں عہدِ جہاں گیری اور عہد شاہجہانی کے عیش وعشرت نے بگاڑ رکھا تھا۔ اُن کے لئے اتنی مدّت تک شمالی ہندوستان سے دُور دکن کی لڑائیوں میں مبتلا رہنا ہی ایک ایسی مصیبت عظمٰی تھی۔ کہ شاید وہ مرہٹوں کے ہاتھ شکست کھانے کو بھی اس پر ترجیح دیتے اُن کے دل پر اس وقت جو گذر رہا تھا۔ اُس کی ترجمانی نعمت خان عالی (شیعہ مدبّر وشاعر) کرتا ہے کہ:-

> سخن را بود در تقارب قبول۔ فعولُن فعولن فعولن فعول۔
> الہ است اللہ و رحمان خدا مگر اُو کند رحم بر فوجِ شاہ رحیم
> است و غفّار و آمرزگار ندانم چہ شد حصہ ٔ ایں سپاہ

تقارب شاعری اُس لئے کو کہتے ہیں جس میں فعولن فعولن فعولن اور فعول کا وزن ہوتا ہے۔ اللہ معبود ہے خدا رحمان ہے مگر شاید وہ بادشاہ کی فوج کو قابل رحم سمجھ لے۔ یُوں تو وہ رحیم بھی ہے غفار بھی اور گناہوں کو معاف کرنیوالا بھی ہے۔ مگر میں یہ نہیں جانتا کہ اورنگزیب کی اس فوج کے حصہ میں رحم ومغفرت اور معافی کیوں نہ آئی۔ لیکن مغل فوج میں صرف آرام طلبی اور محنت سے جی چرانے کا مرض ہی نہ تھا بلکہ ان میں غدار ونمک حرام بہت تھے۔ جس کثرت سے مغل سپہ سالار مرہٹوں سے مل جاتے تھے۔ اُس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ اورتو اور مغل شہزادے اور (خود) اورنگزیب کے بیٹے اس (غداری) سے بالاتر نہ تھے۔ جنجی کے محاصرہ کے وقت شہزادہ کام بخش نے جو ذوالفقار خان کے ساتھ فوج کا سپہ سالار تھا۔ راجہ رام کے ساتھ اپنے باپ کے خلاف ساز باز کرنا شروع کیا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ مرہٹوں سے ملنے والا ہی تھا۔ کہ ذوالفقار خاں اور اُس کے باپ اسد خان کو پتہ لگ گیا۔ اورانہوں نے اُسے گرفتار کرکے۔ زیر حراست اورنگزیب کے پاس بھیج دیا۔ ستارہ میں مرہٹوں نے شہزادہ محمد اعظم کو رشوتیں دے کر یہ طے کرلیا تھا۔ کہ وہ اُن کی رسدرسانی میں مخل نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ قلعہ جس میں محاصرہ کے وقت فقط دو ماہ کی رسد تھی۔ چھ ماہ تک فتح نہ ہوا۔ جو کیفیت سپہ سالاروں کی تھی۔ وہی حالت قلعہ داروں۔ منصب داروں۔ محاسبوں اور معمولی سپاہیوں اور امیروں وزیروں کی تھی۔ اور جن قلعوں کی فتح میں مہینے لگے تھے۔ وہ اُن کی نالائقی اور نمک حرامی سے دنوں میں دشمن کو بغیر کسی شکست وخون کے واپس مل جاتے۔ جب 1704ء میں اورنگزیب جنوبی دکن کو چھوڑ کر واکن کھیڑہ کی طرف متوجہ ہوا تو تھوڑے ہی عرصے میں اس طرح ستارہ، پرنالہ اور پاؤ گڑھ کے قلعے مغلوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ دشمنوں سے ساز باز کرنے اور اپنی غفلت شعاری سے اُن کا ہاتھ بٹانے کے علاوہ مغلوں نے اب ایک نئی بات یہ سیکھی تھی کہ لڑنے سے جی چراتے۔ اور اگر کہیں انہیں خطرات کا سامنا کرنا پڑتا تو بجائے اُن کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے راہِ فرار اختیار کرتے اور لطف یہ کہ اس'' فنِ کثیف'' میں بادشاہ کے بھائی بندتورانی''۔ بدمذہب۔'' ایرانیوں سے بڑھے ہوئے تھے''۔(صفحہ 530-529)

(41۔الف) اورنگزیب کی نظر میں اُس کے ہم مذہب اور شیعوں کا فرق

مندرجہ بالا کم ہمتی، غداری اور میدانِ جنگ سے فرار کے باوجود اورنگزیب کے ہم مذہب سپہ سالاروں کو شیعہ بہادر

اور وفادار سپہ سالاروں سے حسد وتعصب تھا ملاحظہ ہو:۔

۔''ایک دفعہ اورنگزیب سے ایک تورانی (یعنی سُنّی) امیر میر محمد امین نے شکایت کی کہ فوج کے اعلیٰ عہدے ۔''بدمذہب اور دیوسیرت''۔ ایرانیوں (یعنی شیعوں) کو مل رہے ہیں۔تو بادشاہ نے لکھا کہ:۔

''جماعتِ تورانیان کہ برادرانِ ہمشہریٔ بزرگان مانند...... بہ مضمون لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۔یعنی میندازید خود را بدستہائے خود در ہلاکت درعینِ گیرودار مراجعت رامعیوب نمی دانند۔اگر درآوردن کسے ایں حالت رُودھد چندان مضائقہ نہ دارد۔لیکن درعینِ کارزار سخت مشکل است اگر عیاذاً باللہ از ہمراھیانِ حضور ایں صورت واقع شود در یک لحظہ مقدمہ تمام حکایت بانجام رسد۔اگر دریں امر مجرّب وآزمودہ انکارے داشتہ باشد۔مفصل معروض دارد۔ و جماعت ایرانیان، خواہ ولایت را خواہ ہندوستان راکہ بجہل مرکب مشہور اند۔ بصد مرحلہ ازیں حرکت دوراند۔انصاف بدہ کہ جہل مردمِ زِشت بہتر زہزار عقل روباہ سرشت''۔(صفحہ 531-530 رودکوثر)

اورنگزیب کے اس بیان کا صرف ترجمہ وہ مفہوم نہ پہنچا سکے گا جو بادشاہ نے آیت کا ایک درمیانی ٹکڑا لکھ کر پہنچانا چاہا ہے۔ وہ بتانا چاہتا ہے کہ میں اورتم اور سب تورانی الاصل اور سُنّی شرع کے پابند لوگ چونکہ مسائل سے واقف ہیں۔اس لئے جہاں جان کا خطرہ ہوتا ہے۔شریعت کو فوراً آڑ بنا لیتے ہیں اور میدان جنگ سے اس لئے فرار کرتے ہیں۔کہ شریعت کے نزدیک اس وقت کا بھاگ جانا ہی دین اسلام کی صحیح خدمت ہے۔ذرا سوچو کہ اگر یہ صورت حال میرے چاروں طرف محافظ لوگوں کو پیش آجائے اور وہ سب بھاگ جائیں۔ تو اللہ پناہ میں رکھے تو اس کہانی کا خاتمہ ہی ہوجائے جو میں نے شروع کر رکھی ہے۔اب اگر تمہیں اس آزمودہ اور تجربہ شدہ حقیقت کا انکار ہے کہ تورانی میدان جنگ سے بھاگنے میں قرآن کی اس آیت پر بے دریغ عمل کرتے ہیں۔اور جان بچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔تو دوبارہ دلیل کے ساتھ مجھے جواب دو۔رہ گئی ایرانی جماعت خواہ وہ ایران کے پیدا شدہ ہوں یا ہندوستان میں رہتے ہوں۔وہ جن کو ہم شرع پسندوں نے جہل مرکب میں مبتلا مشہور کر رکھا ہے۔اُس آیت کے اس خودساختہ معنی پر عمل کرنا اور خطرات میں جان بچا کر بھاگ جانا ہرگز پسند نہیں کرتے اور جس بدترین مقام پر ہم تم ہیں۔وہ اُس سے سو منزل دور ہیں۔ذرا انصاف سے کام لے کر بتاؤ کہ لومڑی کی طرح چالاک اور مکار عقل سے بہتر وہ لوگ نہیں ہیں جو خواہ برے ہوں مگر بہادر وغیور وجان نثار ہوں''۔(صفحہ 530 ۔531)

یہاں قارئین کے سوچنے کی یہ بات ہے کہ اُن لوگوں نے شیعوں کو دیوسیرت، بدمذہب، زِشت رُو و زِشت خو مشہور کر رکھا تھا اور بادشاہ بھی وہی الفاظ دہراتا ہے۔ پاس مذہب اس قدر ہے کہ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اُن کو گلے لگائے

ہوئے ہے۔ضرورت تو اس امر کی تھی کہ تمام غدّ اروں ، بھگوڑوں اور بد دیانت لوگوں کو تہہ تیغ کرتا۔اور وفاداروں ، بہادروں ، غیور و دیانت دار لوگوں کو باگ ڈور سپرد کرتا۔مگر اُدھر بیٹے یعنی لخت جگر اور ورثہ داران مذہب و ملک تھے، بھائی تھے،اعزا و اقربا و احباب تھے۔اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے ہم مذہب تھے۔قتل عام تو بد مذہبوں ،بِدعتیوں یعنی شیعوں کا ہونا چاہئے ۔ یہ ہے وہ کردار جو شیعت کا بہاؤ روکنے چلا تھا اور خود بہاؤ کی دھار پر بہتا چلا جا رہا ہے۔اور رفتہ رفتہ یہ تمام نظام باطل تباہ اور منتشر ہو گیا اکرام اللہ لکھتے ہیں:۔

(42) اورنگزیب آخر شیعہ بیٹے کو حکومت سونپ گیا

۔’’اٹھارویں صدی میں شمالی ہندوستان میں شیعہ مذہب نے بڑا فروغ حاصل کیا۔مغربی مستشرقین (ہالسٹر کا اندازہ ہے کہ)اورنگزیب کے اُمرا کی اکثریت اس (شیعہ) فرقے سے تعلق رکھتی تھی۔اگر چہ اپنے عقائد پر بعضوں نے احتیاط و مصلحت کوشی کا پردہ ڈال رکھا تھا۔جب عالم گیر کی آنکھیں بند ہوئیں۔تو اس احتیاط کی بھی ضرورت نہ رہی۔نئی روش میں پہل اورنگزیب کے بیٹے اور جانشین نے کی۔جس نے حکم دیا کہ خطبہ جمعہ میں علیاًولی اللہ وصی رسولؐ اللہ کے الفاظ اضافہ کئے جائیں‘‘۔ (صفحہ 617-616)

(43) بہادر شاہ کے ناکام ہو جانے پر شیعہ حکومتوں کا جال پھیل گیا

۔’’ اہل لاہور کے اُس کامیاب مظاہرے کے بعد کسی مغل بادشاہ نے شیعہ عقائد کی پشت پناہی نہیں کی ۔لیکن اٹھارویں صدی عیسوی میں جو نئی ریاستیں اور حکومتیں قائم ہوئیں ۔اُن میں بھاری اکثریت شیعہ حکام کی تھی ۔اُن میں پہلی ریاست مرشد آباد کی تھی۔جس کی بنیاد اورنگزیب عالمگیر کے معتمد و محبوب دیوان بنگالہ مرشد قلی خان نے رکھی۔اس وسیع حکومت کے بڑے تہذیبی مرکز مرشد آباد،عظیم آباد اور جہانگیر نگر (ڈھاکہ) تھے۔شاہان اودھ کے مورثِ اعلیٰ (برہان الملک سعادت خان ۔میر محمد امین نیشا پوری) کے خاندان کی پشت پناہی نظامت مرشد آباد نے کی ۔ برہان الملک کے بھائی میر محمد باقر کو نظامت سے وظیفہ ملتا تھا۔اِس بھائی اور اپنے والد سے ملنے کے لئے ۔میر محمد امین نیشا پور سے بنگالہ میں آئے اور پھر محمد شاہی دربار سے بڑا مرتبہ حاصل کر کے حکومت لکھنوٗ کے بانی ہوئے ۔ بالآخر لکھنوٗ شیعہ حکومت اور خیالات کا بڑا مرکز ہو گیا۔ نوابانِ رامپور میں بھی اکثریت اہل تشیع کی تھی ۔سندھ میں ریاست خیر پور کے بانی اور روٗسا ان ہی خیالات کے تھے۔ان حکومتوں کے علاوہ عام عہدوں اور جاگیروں میں بھی شیعہ حضرات کا بڑا اثر ورسوخ تھا۔آخری مغل بادشاہوں کے کئی وزیران ہی عقائد کے تھے۔مثلاً بہادر شاہ کا وزیر اعظم منعم خان،جس کے مشورے پر بادشاہ نے خطبے کے الفاظ بدلنا چاہے شیعہ تھا۔خود اورنگزیب کے وزیر اعظم اسد خان اور سپہ سالار ذوالفقار خاں (شیعہ تھے) کے عقائد کے متعلق شبہ ہے ۔سادات بارہ جن میں بادشاہ گر سید برادران (قطب الملک سید عبداللہ خان اور امیر الامرا سید حسین علی خان) نے ایک زمانہ میں بڑا اقتدار حاصل

کرلیا تھا۔ وزیرالمما لک صفدر جنگ امیرالامرا نجف خاں تو یقیناً شیعہ خیالات کے تھے ۔ عام عہد یداروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں‘‘۔(رودکوثر صفحہ 618-617)

(44) اہل شیعہ ہندوستان کی علمی دنیا کے شمس و قمر تھے

۔’’علمی وادبی معاملات میں حضرات شیعہ کا مرتبہ اس (حکومت) سے بھی بلند تھا۔خوداورنگزیب نے اپنی بیٹی زیب النسا کی تعلیم ایک ممتاز شیعہ فاضل ملامحمد سعید اشرف ماژندرانی کے سپرد کر رکھی تھی ۔(بھلا کیوں) وہ مشہور شیعہ عالم مولانا محمد تقی مجلسی اصفہانی کے نواسے تھے۔شیعہ علما کی مستند تاریخ نجوم السماء میں ان کا اپنا علیحدہ تذکرہ ہے شہزادی کی بارگاہ میں انہیں جو خصوصیت حاصل تھی ۔اُس کا کچھ اندازہ اُس قصیدے سے ہوسکتا ہے ۔ جو ایران واپس جانے کے وقت پر انھوں نے شہزادی سے رخصت لینے کے لئے پیش کیا:۔

یک بار از وطن نتوان بر گرفت دل درغربتم اگر چہ فزوں
است اعتبار پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کنند گو خدمتِ
حضور نباشد مرا شعار نسبت بہ باطن است چہ دہلی چہ
اصفہان دل پیشِ تست تن چہ بہ کابل چہ قندھار

حالانکہ یہاں پردیس میں مجھ پر بڑا اعتبار کیا جاتا ہے مگر اس کے باوجود دل نے وطن سے ایک بار بھی تو بے رُخی نہ برتی ۔تمہارے پاس نزدیکی اوردوری میں فرق محسوس نہیں ہوتا ۔حالانکہ میں ہر لمحہ خدمت میں نہ رہتا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ دلی تعلق کے بعد دہلی اور اصفہان میں کوئی فاصلہ نہیں ہے دل آپ کے پاس رہے تو جسم کابل میں ہوتو کیا قندھار میں ہوتو کیا؟۔

وطن میں قیام کے بعد وہ پھر ہندوستان واپس آئے ۔اس وقت عالم گیر کی وفات ہو چکی تھی ۔لیکن اس کے پوتے شہزادہ عظیم الشان (شیعہ پرست) نے اُن کی بڑی قدر کی ۔اور وہ بالآ خر مونگیر میں فوت ہوئے ۔اورنگزیب کے دربار کا سب سے کامیاب نثرنگار اور شاعر نعمت خان عالی تھا۔اور اس زمانے کے متعدد ممتاز شعرا کا یہی مذہب تھا۔فارسی شعروادب میں ایک ایسے فرقہ (شیعہ) کا امتیاز جس میں کثرت سے ایرانی الاصل اہل قلم شامل ہوں ۔عجیب نہیں ۔لیکن مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں علم تاریخ کے میدان میں بھی (شیعہ) یہ فرقہ پیش پیش تھا‘‘۔(صفحہ 618 تا صفحہ 619 رودکوثر)

(45) شیعہ اہل قلم ہمیشہ سب پر غالب رہے ہیں

جناب اکرام اللہ صاحب علامہ شبلی نعمانی کے تعصب آمیز اعتراض کا جواب یوں شروع کرتے ہیں کہ:۔

۔’’علامہ شبلی نے مضامین عالمگیر میں بڑے شکایت آمیز لہجے میں اس امر کا اظہار کیا ہے ۔کہ عہد عالمگیری کے سب سے برگزیدہ مورخ شیعہ تھے۔اوراُنہوں نے اس زمانے کے واقعات جس انداز سے لکھے ہیں ۔اُن کی بنا پر عالمگیر سے انصاف نہیں کیا جاسکتا ۔علامہ مرحوم کا یہ اظہار کئی لحاظ سے افسوسناک ہے ۔ایک تو یہ خیال (مستثنیات کو چھوڑ کر) کہ عہد

عالمگیری کے ذمہ دار شیعہ مورخین نے واقعات جانبداری سے اور اصول فن کو نظر انداز کر کے لکھے ہیں۔ غلط ہے۔ دوسرے اہلسنت اہلِ علم کے لئے بھی کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ تاریخ کے فن میں عالمگیر کے طویل عہد میں اُن کا ایک نامور تاریخ نگار نہ ہوا۔ اُردو ادب کی ابتدا اور ترقی میں شیعہ اہل قلم کا بڑا ہاتھ تھا۔ اور واقعہ یہ ہے۔ کہ ہماری علمی اور ادبی زندگی میں شیعہ حضرات کا حصہ تناسبِ تعداد سے کہیں زیادہ ہے''۔ (صفحہ 619 رودکوثر)

(46) شیعوں کا راہنما شیعوں کی عالی نسبی و علم و فضل کا ذمہ دار ہے

شیعہ اثنا عشری مسلک کا علوم وفنون میں اعلیٰ درجہ ہونے کا سبب یوں بیان کیا ہے کہ:۔

۔''اس کی ایک وجہ تو اس فرقہ میں کثرت سے ایسے (سادات یا ایرانی النسل) اعلیٰ خاندانوں کی شمولیت ہے۔ جنہوں نے ہر میدان میں ایک بلند معیار پیشِ نظر رکھا ہے۔ دوسرے چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے شیعہ حضرات کی عقیدت و محبت کی ایک اہم بنیاد اُن کا باب مدینۃ العلم ہونا ہے۔ اس لئے اس فرقے میں علم کی محبت ایک مذہبی فریضے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور اہل علم کا خاص احترام ہوتا ہے۔ اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں (مثلاً میر غلام علی آزاد اور دوسرے سادات بلگرام کی کوششوں میں) اس خصوصیت کے بڑے کامیاب مظاہرے نظر آتے ہیں''۔ (صفحہ 620 رودکوثر)

(47) مذہب شیعہ نے مسلمانوں کے ہر طبقہ کو متاثر کیا

۔''ہندوستان کے مسلمان بیشتر سنی ہیں۔ لیکن اُن پر شیعہ اثرات بھی کثرت سے کارفرما ہیں۔ اسلامی ہندوستان کی دفتری اور ادبی زبان فارسی رہی ہے۔ اور ایران میں شیعہ مذہب اختیار ہونے کے بعد وہاں سے متعدد شیعہ علما۔ شعرا۔ فلسفی ہندوستان آتے رہے۔ اور بعد میں خود ہندوستان میں پیدا ہوئے جن کا اثر اُن کی تعداد کے تناسب سے بہت زیادہ ہے۔ اب اگر شیعہ سنی مسئلہ میں کوئی عالم اُسی طرح غلو کرے جس طرح نجد یا ماوراء النہر میں کیا جاتا ہے اور دوسرے فریق (شیعہ) کا نقطہ سمجھے بغیر ایک فریق کے خیالات پر شدت سے مُصر ہو تو وہ قوم میں اختلافات بڑھائے گا۔ اور ہندوستان میں اسلام کی نشوونما تاریخی (تحریک تشیع کہئے) اتفاقات کی وجہ سے جن اصولوں پر ہوئی ہے۔ اُنکے سمجھنے سے قاصر رہیگا''۔ (صفحہ 575 رودکوثر)

(48) ہندوستان میں ہندی اور ایرانی شیعہ علماء کی کثرت رہی ہے

''۔شمالی ہندوستان میں شیعہ اقتدار کے مرکز قائم ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں نامور شیعہ علماء ایران سے آنے شروع ہوئے۔ یا مقامی باشندوں میں ہی فروغ پانے لگے۔ اس سے پہلے (قاضی نور اللہ شوشتری اور ملا محمد یزدی کو چھوڑ کر) شیعہ علماء کے نام دکن کی شیعہ سلطنتوں کے ضمن میں آتے ہیں۔ مثلاً میر محمد مومن استر آبادی۔ جو شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں بڑا رتبہ رکھتے تھے۔ اور ایک شہزادہ اقتدار کی کشمکش میں ناکام رہا۔ تو انہیں بھی اُس سے قریبی تعلقات کی بنا پر ایران چھوڑنا

پڑا۔ وہ شمالی ہندوستان کے راستے سے دکن چلے گئے۔اور سلطان محمد قلی قطب شاہ والی گول کنڈہ کی ملازمت اختیار کی۔اور رفتہ رفتہ وکیل السلطنت ہوگئے۔اور کوئی پچیس سال اس عہدے پر فائز رہے۔نجوم السما کے مطابق 1025 ہجری میں وہ زندہ تھے۔اسی طرح میر نظام الدین احمد بن محمد معصوم الحسینی شیرازی تھے۔اُن کے والد شاہ عباس ثانی صفوی کے یہاں بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔جب بادشاہ کی ہمشیرہ حج کے لئے گئیں۔تو اُنہیں مناسک حج کی تعلیم کے لئے ساتھ بھیجا گیا۔کچھ اتفاقات ایسے پیش آئے کہ اس سفر میں ہی اُن کی شادی اپنی شاگرد سے ہوگئی۔اب بادشاہ کے ڈر سے دونو ایران تو واپس نہ جاسکتے تھے۔اس لئے مکہ معظّمہ میں اقامت اختیار کی وہیں میر نظام الدین احمد پیدا ہوئے اور تعلیم پائی۔جب اُن کے کمالات کا شہرہ ہوا تو میر جُملہ نے جو اُن دنوں والی حیدرآباد عبداللہ قطب شاہ کا وزیر تھا۔انہیں اور نجف اشرف کے سید سلطان کو بلا بھیجا۔تا کہ اُن اعلیٰ خاندان سیدوں سے اپنی دو بیٹیاں بیاہ دے۔اتفاق سے عبداللہ قطب شاہ کی بھی دو بیٹیاں تھیں۔وہ بھی چاہتا تھا۔کہ اُن عالی النسب سیدوں سے اُن کی شادی ہو۔اس پر میر جملہ برافروختہ ہوکر حیدرآباد سے چلا گیا۔اور اورنگزیب سے جو اُن دنوں دکن میں گورنر تھا۔جاملا۔عبداللہ شاہ کی ایک بیٹی کی شادی میر نظام الدین سے ہوئی۔لیکن اُنہوں نے اپنی سالی کی سید سلطان سے شادی کی مخالفت کی۔اور بالاخر اس لڑکی کی شادی ابوالحسن تانا شاہ سے ہوئی۔جو گول کنڈہ کا آخری بادشاہ تھا۔میر نظام الدین ایک شاعر اور عالم اور شاعروں کے قدردان تھے۔اُن کی وفات 1667 یا 1668 عیسوی میں بمقام حیدرآباد ہوئی۔دکن میں آنے سے پہلے اُن کی حجاز میں شادی ہو چکی تھی۔اور اُس سے ان کے یہاں ایک بیٹا مولانا صدرالدین علی المعروف سید علی خان مدنی مدینہ میں پیدا ہوا تھا۔جو علم و فضل میں اپنے باپ سے بھی بازی لے گیا۔وہ 1052 ہجری میں پیدا ہوئے اور حصول تعلیم کے بعد والد سے ملنے حیدرآباد چلے گئے۔لیکن اس کے جلد ہی بعد عبداللہ قطب شاہ چل بسا اور اس کے ایک سال بعد اُن کے والد بھی وفات پا گئے۔اب ابوالحسن تانا شاہ تخت نشین تھا۔اُس نے میر نظام الدین کے متعلقین کو دق کرنا شروع کیا۔سید علی حیدرآباد چھوڑ کر برہان پور میں اورنگزیب سے جاملے۔جواب بادشاہ تھا۔اور معاملات دکن کو سلجھانے کے لئے یہاں پہنچا تھا۔انہیں ایک اعلیٰ منصب ملا۔اور ایک زمانہ میں یہ برہان پور کے دیوان بھی مقرر ہوئے۔لیکن بالاخر انہوں نے اورنگزیب سے اجازت لی اور وطن کا رخ کیا۔پہلے اصفہان میں سلطان حسین صفوی کے پاس پہنچے۔لیکن جب اُس نے کماحقہ قدر نہ کی تو اپنے وطن شیراز کا رخ کیا۔اور وہاں مدرسہ منصوریہ میں تعلیم و تدریس میں زندگی کے باقی دن گذار دیئے۔اور وہیں اپنے بزرگوں یعنی امیر صدرالدین محمد اور امیر غیاث الدین منصور کے پہلو میں دفن ہوئے۔مشہور شاعر حزین جس نے اُن سے اصفہان میں ملاقات کی۔اُنکی بڑی تعریف کرتا ہے۔وہ عربی اور فارسی کے بڑے شاعر تھے۔اور نثر میں دوسری تصانیف کے علاوہ انہوں نے اپنے زمانے کے ادیبوں کا ایک بیش قیمت تذکرہ سلافۃ العصر فی محاسن اعیان العصر کے نام سے عربی میں لکھا۔" (صفحہ 624- 623 رود کوثر)

(49) شیعہ حکمرانوں نے ٹکسالیں اور ثقافتی مراکز قائم کیئے تھے

''۔شمالی ہندوستان میں پہلا اہم شیعہ ثقافتی مرکز مرشدآباد تھا۔شروع میں اس کا نام مخصوص آباد تھا۔لیکن جب مرشد قلی خان دیوان بنگالہ نے 1704 عیسوی میں شہزادہ عظیم الشان ناظم بنگالہ سے چپقلش کی بنا پر صوبائی دارلحکومت ڈھاکہ کو خیرباد کہا اور نئے مقام میں ٹکسال اور دفاتر قائم کرکے دیوانی کا صدر مقام بنایا تو اس کا نام بھی اپنے نام پر مرشدآباد رکھا۔ بعد میں وہ ناظم بنگالہ بھی ہوگیا۔اور بہار واڑیسہ بھی اس کے تحت دے دیا گیا۔اور اس طرح یہ شہر (مرشدآباد) بنگال، بہار، اڑیسہ کی نیم مختار حکومت کا دارالسلطنت ہوگیا۔ڈھاکہ، عظیم آباد اور ھگلی اُس کے تابع تھے''۔(صفحہ 625-624 رودکوثر) پھر لکھتے ہیں کہ:۔

۔''ہماری تہذیبی تاریخ میں مرشدآباد کا ایک خاص مقام ہے۔لیکن شیعت کی تاریخ میں مرشدآباد (اور اُس کے ثقافتی جانشین) عظیم آباد کی اہمیت اس سے بھی زیادہ ہے''۔(صفحہ 625)

(50) شیعہ علماء کی علمی جدوجہد اور علوم کا اجراء

۔''بعض علما باہر سے آئے تھے۔اور بعض نے یہاں (مرشدآباد) سے ایران جا کر تعلیم حاصل کی۔مثلاً شیخ محمد حسن جو (مشہور شاعر حزین کی طرح) ایران پر افغانوں کے غلبہ کے بعد ہندوستان آئے۔میر قاسم ناظم بنگالہ نے انہیں عظیم آباد میں زمین عطا کی جہاں اُن کا مزار ہے۔سب سے بزرگ وبااثر علامہ سید محمد علی تھے۔جن کی پیدائش دکن میں ہوئی۔لیکن تعلیم ایران کے علمائے کبار سے حاصل کی۔حج کے لئے مکہ معظّمہ جارہے تھے۔کہ جہاز طوفان میں تباہ ہوگیا۔اور یہ سندھ کے کنارے پر پہنچے۔وہاں سے احمدآباد سورت اورنگ آباد ہگلی لکھنؤ عظیم آباد ہوتے ہوئے پھر حج کو گئے۔اور حج وزیارتوں کے بعد مرشدآباد پہنچے سراج الدولہ نے اُن کی قدر نہ کی بلکہ مکان سے نکال دیا۔لیکن علی وردی خان اُن کا بڑا مداح ومعتقد تھا۔اس کے چچا حاجی احمد کا بیٹا سراج الدولہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے برہنہ پا اُن کی خدمت میں پہنچا اور دریا کے کنارے ایک مکان اُن کی نذر کیا۔سید محمد علی نے یہاں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا۔انہوں نے عربی اور فارسی میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔مقفی عربی میں قدیم محققین وعرفا کے طریقے پر حضرت پنجتن پاک کے حالات لکھے۔اور ملا محسن کاشی کی علم فقہ کی دو کتابوں کی عربی وفارسی شرح لکھی۔علم نحو میں بھی ایک نامکمل فارسی رسالہ لکھا۔اور اخوان الصفا کے کئی نسخے جمع کر کے تحقیق ومقابلے کے بعد ایک صحیح نسخہ مرتب کیا۔سیر المتاخرین کا مصنف 1780ء میں عظیم آباد سے کلکتہ جاتے ہوئے مرشدآباد ٹھہرا اور اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔وہ لکھتا ہے۔کہ مرشدآباد کے بیشتر اکابر سید محمد علی کی خدمت میں حاضر ہوکر مستفید ہوتے تھے۔جن مقامی علما نے ایران میں تعلیم حاصل کر کے امتیاز حاصل کیا۔اُن میں شیخ پورہ (بہار) کے مولوی نصیر اور ان کے صاحب زادے تھے۔جس زمانے میں امیر الامرا شائستہ خان حاکم بنگالہ تھے اس وقت یہاں ایران سے اخوند ملا شاہ محمد شیرازی

تشریف لائے لیکن جلد واپس چلے گئے۔ مولوی نصیر تحصیل علم کے لئے ان کے ساتھ ایران روانہ ہوئے۔ اور اُن کی سواری کے ساتھ پا پیادہ چل کر ہر روز سبق حاصل کرتے۔ ایران میں وہ چوٹی کے علما کی خدمت میں پہنچے۔ اور فقہ واحادیث اور علوم دینوی بالخصوص ہیئت۔ ہندسہ اور حساب میں امتیاز حاصل کیا۔ ایران میں اُن کی بڑی عزت تھی۔ لیکن وہ ہندوستان واپس آئے اور عظیم آباد میں مقیم ہوگئے۔ اُن کے بیٹے داؤد علی خان اُن سے تعلیم حاصل کرکے اُن کے جانشین ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد زیارتوں کے لئے گئے اور اس میں اتنا شغف حاصل کیا کہ اُن کا لقب ہی زائر حسین خان ہوگیا۔ اُن کے صاحب زادے محمد حسن خان ہوئے۔ مرشد آباد میں ایک قابل ذکر ہستی قاضی غلام مظفر کی تھی۔ جنہیں علی وردی خان نے اپنا داروغہ عدالت مقرر کیا تھا۔ مرد خوش تقریر با کثر فنون علمی ماہر در نظم ونثر سلیقہ لائق داشت''۔ (رود کوثر صفحہ 627-622)

(51) علمائے شیعہ کا شاہانہ احترام واستقبال اور استفادہ علمی

یہ مقام ہم فضائل سے دکھا چکے ہیں۔ لیکن وہ مولف از راہ تعصب بہت سی اہم چیزوں کو اس لئے چھوڑ جاتا ہے کہ شیعوں کے متعلق اچھا تاثر قائم نہ ہو۔ لیکن شیخ اکرام اللہ صاحب اگر سُنّی بھی ہیں اور تعصب بھی اُن کے لئے لازمی ہے۔ مگر نسبتاً بہت کم کتر بیونت کرتے ہیں اُن کے قلم سے دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

۔''علی وردی خان کے مصروف نظام الاوقات میں علمی مجالس کے لئے بھی وقت تھا۔ جب وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوتا تو علمی اور دینی مجلس برپا ہوتی۔ افاضل وابرار مثل سید الافاضل میر محمد علی فاضل ادام اللہ عزہ وتقی قلی خان وحکیم ھادی خان ومرزا محمد حسین صفوی فاضل ملتانی ودیگر (جس کا نام مولف سیر المتاخرین کو یاد نہیں رہا) دیوان خانے میں تشریف لاتے۔ سید محمد علی کا اس محل میں جو احترام ہوتا وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ دیوان خانہ میں ناظم کی مسند کے بالمقابل اُن کے لئے مستقل مسند رکھی تھی۔ جس پر ایک بڑا تکیہ پڑا رہتا۔ جب وہ باہر کے دروازے میں داخل ہوتے۔ اور چبوترے پر قدم رکھتے۔ علی وردی خان اپنی مسند پر کھڑا ہو جاتا اور جب وہ چبوترے اور صحن کا فاصلہ طے کرکے وسیع ایوانِ عمارت میں داخل ہوتے۔ تو بُعد وفاصلے کے باوجود علی وردی خان مسند سے اتر کر بادب اُن کو سلام کرتا۔ وہ جواب دیتے اور اپنی مسندِ معینہ پر جا بیٹھتے۔ اُس وقت علی وردی خان اپنے پہلو سے ایک تکیہ کو چک اُن کی خدمت میں پیش کرتا۔ پھر علما کے لئے حقے لائے جاتے اور قہوے کا دَور شروع ہوتا۔ علی وردی خان حقہ نہیں پیتا تھا۔ لیکن قہوہ میں شریک ہوتا۔ ابتدائی مراسم ختم ہو جاتے۔ تو فاضل ملتانی کے سامنے تکیہ دھرا جاتا۔ جس پر امامیہ مذہب کی ایک نہایت اہم کتاب رکھی جاتی۔ وہ اُس میں سے چند اجزا پڑھتے۔ جن کی تشریح وتفہیم سید محمد علی کرتے۔ پھر علمی اور دینی مسائل پر گفتگو ہوتی۔ دو گھنٹے تک یہ مجلس قائم رہتی۔ پھر سید محمد علی رخصت ہوتے۔ اور اسی احترام ومراسم کے ساتھ جن سے اُن کا خیر مقدم ہوا تھا۔ علی وردی خان انہیں خیر باد کہتا۔ آہستہ آہستہ دوسرے علما تشریف لے جاتے

اور یہ مجلس ختم ہوتی''۔(صفحہ 628-627 رودکوثر)

اِس مقام کو قارئین یادرکھیں تا کہ جب ہم ہندوستان کے اورشیعت کی ترقی کوروکنے والے مجتہد کا ذکر کریں تو یہ تعظیم وتکریم یادآ جائے جولکھنؤ کی حکومت کوجنم دینے والا ایک حقیقی شیعہ عالم کی کرتا تھا۔

(52) ہندوستان میں شیعوں کاایک عظیم الشان مورخ

۔''مرشدآباد کے تمدن میں فقط خوبیاں اورنیکیاں ہی نہ تھیں۔جو باتیں دورِزوال کی قائم شدہ اکثر شخصی ریاستوں میں عام تھیں۔مرشدآباد ان سے مستثنیٰ نہ تھا۔لیکن مرشد قلی خان جو 1727ء تک برسراقتدار رہا۔اورعلی وردی خان جو 1740ء سے 1756ء تک ناظم تھا۔دو بڑے قابل اور منتظم حاکم تھے۔اورانہوں نے مرشدآباد کوایک اہم سیاسی اور ثقافتی مرکز بنادیا تھا۔مرشدآباد کے ساتھ ساتھ عظیم آباد کا ذکر بھی واجب ہے۔جو 1731ء میں مرشدآباد کے تابع آ گیا۔لیکن اپنے محل وقوع (اورمرشدآباد کے تیز سیاسی زوال) کی وجہ سے زیادہ اہم اور پائیدار ثقافتی مرکز ثابت ہوا''۔(صفحہ 629-628 رودکوثر)

چندسطور کے بعد پھر لکھتے ہیں کہ:۔

۔''عظیم آباد کی ثقافتی تاریخ لکھنا یہاں ممکن نہیں۔صرف چند اہم ناموں کوگنایا جاسکتا ہے۔شاید اُن میں سرفہرست سیدالمتاخرین کے مصنف غلام حسین خان طباطبائی کا نام ہے۔اُنکے والد علی وردی خان کے قرابت دار تھے۔اور کچھ دنوں عظیم آباد میں صوبیدار رہے۔لیکن بیٹے کا اصل طرّہ افتخار سیر المتاخرین کی تصنیف ہے۔اُس میں کئی فنی نقص ہیں۔مصنف کا تعصب مذہبی توصاف ظاہر ہے۔لیکن مغلوں کے عہدوزوال کی اس سے زیادہ مکمل تاریخ کوئی نہیں۔مصنف کی معلومات وسیع تھیں۔اورنگہ غائر اورنئی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاموں اور اصولوں پراُنہوں نے جس جرأت اور معاملہ فہمی سے تبصرہ کیا ہے۔وہ اسلامی ہندوستان کے سیاسی ادب میں (سرسید کے اسبابِ غدر کی طرح) ایک معرکہ کی چیز ہے۔انہوں نے اپنے دادا شاہ علیم اللہ دہلوی کے حالات میں ایک مثنوی بشارۃ الامت اور مثنوی مولانا روم کی ایک شرح بھی لکھی۔جومرتبہ غلام حسین خان طباطبائی کا سیاسی تاریخ نگاری میں ہے۔قریب قریب وہی رتبہ نواب علی ابراہیم خان کا ادبی تاریخ میں ہے۔اُنکے ادبی اور سیاسی کارناموں کا ابھی صحیح جائزہ نہیں لیا گیا۔لیکن وہ ایک غیر معمولی شخصیت اور مستعدی کے انسان تھے''۔(630-629 رودکوثر)

52۔ ہندوستان میں عزاداریٔ امام حسین علیہ السلام

ہندوستان میں تحریکِ تشیع کا اعلانیہ محاذ اپنے باون عنوانات تک آ کر یہاں اسلیئے رُک گیا کہ باقی ماندہ عنوانات اُس مجتہد کو گھیر لیں جس کا غلط پروپیگنڈا ہوتا رہا ہے۔اور آج ملتِ شیعہ کے عوام کو اس فریب میں مبتلا کیا ہوا ہے کہ گویا ہندوستان میں چاروں طرف صدیوں سے جہالت ومخالفت کا دَوردَورہ تھا جو چند شیعہ اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔وہ اپنے مذہب سے قطعاً ناواقف تھے۔ چرس اور بھنگ پیتے تھے، نماز روزہ نہ جانتے تھے نہ بجالاتے تھے، نہ ہندوستان میں کوئی عالم تھا، نہ شیعوں کا کوئی دینی مدرسہ تھا، چاروں طرف ضلالت وگمراہی کا سنّاٹا تھا۔اِس گمراہی کے انبار میں سے ایک شخص پیدا ہوا ایران وعراق گیا۔، زیورِ علم سے سج کر ہندوستان آیا اور یہاں مذہبِ شیعہ کی داغ بیل ڈالی، نماز روزہ سکھایا، جماعت سے نماز شروع کرائی اور سارے ہندوستان میں شیعیت پھیلادی۔اور یہ جو کچھ آج ہندوستان و پاکستان میں مذہب شیعہ نظر آتا ہے یہ سب اُسی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔(لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم) ہم اس دوسوسالہ فریب کو واضح کریں گے اور صحیح حالات سامنے لائیں گے۔اور اُسکی کارکردگی بھی بلاکم وکاست پیش کریں گے۔انشاءاللہ والامام علیہ السلام۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس میں بہرحال نہ اُس کا ہاتھ ہے اور نہ وہ اُس وقت تک پیدا ہوا تھا۔جس وقت تک کے حالات آپ نے اب تک ملاحظہ کئے ہیں۔اور آپ پڑھ چکے ہیں کہ تحریک تشیع نے ہندوستان میں دھوم مچا رکھی تھی۔ چاروں طرف محمد وآلِ محمد علیہم السلام کے علوم بکھرے ہوئے تھے۔ بے مثل و بے نظیر علماء چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے، درسگاہیں تھیں۔ارکانِ مذہبِ شیعہ نہ صرف شیعوں میں بلکہ اغیار میں بھی معروف ومشہور تھے۔مساجد تھیں خطبات تھے، جماعتیں تھیں عزاداری تھی، شیعیت کا ایک سیلاب تھا جو چاروں طرف سے بڑھتا گھیرتا چلا آ رہا تھا۔اپنے اور پرائے محبت اہل بیتؑ سے سرشار تھے۔دن رات مجالس وماتم ہوتا تھا۔تعزیہ داری مرثیہ خوانی جلوسِ عزا کا احترام وانصرام پابندی اوقات اور پروگراموں کے ماتحت ہوتا تھا۔محمدؐ وآلِ محمدؑ کی شاہی نوبتیں اور نقارے بجتے تھے۔لوگ بلاتفریق مذہب وملت ومدارج جُوق در جُوق ٹوٹے پڑتے تھے۔ہندو مسلمان اور ہرقوم تعزیہ داری کرتی تھی۔شیعوں میں اس سے بڑا جھوٹ کبھی مشہور نہیں جو ایک خاندان کے چند چمچوں نے مشہور کیا ہے اور مومنین نے علم وعلماء کے جذبۂ احترام وعقیدت کی بنا پر بلاغور کئے قبول کرلیا ہے۔

(1) <u>تعزیہ کے معنی اور اُس لفظ کے استعمالات</u>

قارئین کرام دائرۃ المعارف کی سیر کرنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ تعزیہ اور تعزیت کے وضعی یا حقیقی معنی رنجیدہ شخص کو رنج وغم کے بُرے نتائج سے محفوظ کرنا اور پھر بتدریج مسرت بہم پہنچانا ہوتے ہیں۔مقالہ نگار تعزیہ کے رسمی اور مشہور معنی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

۔''فقہ وحدیث میں اس لفظ کا استعمال ابوابِ ذیل میں ملتا ہے۔عبادات، جنائز، آدابِ تلقین صبر وتسلّی ۔فارسی ادب وتاریخ میں لفظ تعزیت'' وارثانِ مَیّت سے اظہار افسوس واظہار ہمدردی کیلئے مستعمل ہوا ہے۔اُردو میں تعزیہ کے معنی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی تربت ضریح ،عمارت روضہ کی شبیہ۔ جسے سونے چاندی ،لکڑی ، بانس ، کپڑے ، کاغذ وغیرہ سے بناتے ہیں ۔ یہ شبیہ غم ،سوگ اور علامتِ محرم کے طور پر کبھی جلوس کی شکل میں لیکر نکلتے ہیں۔کبھی گھروں ،امامباڑوں ،اور کشادہ مخصوص چبوتروں پر رکھتے ہیں۔جنہیں امامؑ صاحب کا چوک کہا جاتا ہے۔

حیدرآباد دکن میں تعزیہ، تابوت اور ماتم وسینہ زنی کو کہتے ہیں ۔تعزیہ کرنا ،مَاتم کرنا ،تعزیہ دار ماتم دار ۔ سینہ زنی کرنیوالا ۔وہ شخص جس کے گھر میں تعزیہ رکھا جاتا ہو۔اور مجلس ہوتی ہو۔مُحبِّ حسینؑ ،شیعہ ،عزادار۔

تعزیہ اپنی ساخت اور بناوٹ کے لحاظ سے صنعت کا اچھا نمونہ ہوتا ہے ۔اور تعزیہ بنانیوالے اسکی شکل وصورت میں علاقائی خصوصیات اور کاریگری کے نمونے پیش کرتے ہیں ۔ چنانچہ بعض تعزیے سال سال دو دو سال تک بنتے رہتے ہیں ۔اُن کے نام بھی الگ الگ ہیں۔

(2) تعزیوں کی اقسام اور معروف نام

(الف) ضریح ۔ممتاز ترین ضریح وہ ہے ۔جو عمارت روضۂ امام حسین علیہ السلام کی ہُو بہُو شبیہ ہو۔ایسی ضَریحیں نظام دکن ، والی رامپور ، راجہ محمود آباد اور کراچی کے بعض عزاخانوں میں ہیں ۔ایک مومی ضریح حسین آباد لکھنؤ میں شاہی زمانہ سے بنتی چلی آتی ہے۔

(ب) بنگلہ ۔ یہ تعزیہ محمل ناقہ یا عماری ٔفیل سے مشابہ ہوتا ہے ۔اور عموماً لکھنؤ یا مضافاتِ لکھنؤ میں بنتا ہے ۔شاید یہ نقشہ اُس محمل یا پالکی یا ڈولی کا ہوتا ہو۔جس میں تبّرکات رکھ کر شاہانِ دہلی لال قلعہ سے شاہی مسجد لے جایا کرتے تھے۔

(ج) مومی تعزیہ ۔ بانس کی تیلیوں پر ضریح یا بنگلہ یا کسی اور شکل کا ڈھانچہ بنا کر اُس پر موم چڑھایا اور کمال فن کا مظاہرہ کیا جاتا ہے

(د) جَو کے تعزیے ۔ ڈھانچے پر مٹی کی ایک ہلکی تہہ جما کر گیہوں یا جَو کے دانے ترتیب سے چپکا دیتے ہیں ۔جن میں (ضرورت کے مطابق) عاشور یا اربعین (چالیسواں) تک اَکھوے (کونپلیں) نکل آتے ہیں ۔ اور سارا تعزیہ ایک رنگ ہو جاتا ہے۔اس تعزیے پر اثنائے جلوس میں مسلسل پانی چھڑکتے جاتے ہیں۔(تاکہ گیہوں یا جو کے پودے مرجھا نہ جائیں) تعزیہ کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں 1۔خطیرہ ۔2۔تربت ۔3۔اور علم (ضریح میں گمزی)

(3) تعزیہ کا احترام اور مذہبی شعار ہونا مسلمات میں سے ہے

پاکستان، کشمیر، ہندوستان، نیپال (تبت۔ بھوٹان، برما، عراق، ایران) افریقہ (وغیرہ) میں عموماً ضریح اور تعزیہ کا بیان کردہ فرق ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ لیکن دونو خصوصی نسبت (امامؑ) کی بنا پر مذہبی اور روایتی نقطہ نظر سے شیعوں، بعض سُنّیوں اور بہت سے ہندوؤں میں بھی یکساں قابل احترام ہیں۔ لکھنؤ وغیرہ میں تخت کے اُوپر اور حظیرے کے درمیان دو تُربتیں یا قبروں کی شبیہیں بھی ہوتی ہیں۔ سبز؛ حضرت امام حسن علیہ السلام اور سُرخ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لئے۔

(4) امامباڑہ میں تعزیہ اور عزاداری کے کوائف

تعزیے عموماً 29 ذی الحجہ سے 9 محرم تک آراستہ کر کے ایک خاص اور معین مقام پر رکھتے ہیں۔ جسے مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مثلاً عزاخانہ۔ تعزیہ خانہ، امامباڑہ، عاشورخانہ، امامؑ خانہ۔ چبوترہ۔ چوک امامؑ صاحب۔ جہاں تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ وہاں مجلس ماتم، سوزخوانی مرثیہ خوانی، روضہ خوانی، واقعہ خوانی، نثّاری اور مجلس وعظ منعقد ہوتی ہے۔ اور واعظ قرآنی حقائق و بیانِ خصوصیاتِ اسلام کے بعد فضائل اہلبیتؑ، مصائب اور واقعاتِ کربلا پر تقریر ختم کرتے ہیں۔ پھر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نوحہ خوانی وسینہ زنی یا ماتم بھی ہوتا ہے۔ اہلسنت شہادت نامہ اور ہندو کربلا کی کتھا یا دوہڑے (دوہے) پڑھتے ہیں۔

(5) عزاداری کی ابتدائی شکلیں اور جواز عمل رسولؐ وصحابہؓ سے

تعزیہ داری کے لئے حسب ذیل واقعات سے اِستناد (واقعاتی سند) کیا جاتا ہے۔

(الف) جنگ اُحد میں جب حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلبؑ اور دوسرے صحابہؓ شہید ہوئے۔ تو رسولؐ اللہ نے شہیدوں پر رونے والوں کی آوازیں سُن کر فرمایا۔ لیکن حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں؟ یہ سُن کر سعد بن معاذؓ واُسید بن حضیرؓ نے بنی عبدالاشہل کی عورتیں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں بھیج دیں۔ جنہوں نے جناب حمزہ پر ماتم کیا (طبری وغیرہ)

(ب) ایسے واقعات سے مثلاً ابن عباسؓ کا حضورؐ کو خواب میں سر برہنہ دیکھنا۔ اس طرح کہ آپؐ کے ہاتھ میں شیشی ہے۔ جس میں خون ہے۔ یا آنحضرتؐ کی وفات کے بعد بُریدۃ بن الخُضیب کا (جو حضرت اسامہؓ والی مہم میں صاحب لواء (علم تھے) لوائے مذکور کو دروازۂ مبارک پر نصب کرنا (کتابوں کے کئی نام)

(ج) شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد مدینہ میں جناب اُمّ البنین مادر جناب عباسؑ بن علیؑ جنت البقیع کے قبرستان میں تشریف لے جاتی تھیں۔ اور اپنے چار بیٹوں کا؛ جو شہدائے کربلا میں شامل تھے؛ ذکر کر کے انتہائی غم وسوز سے رویا کرتی تھیں۔ لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ اور بعض سُن سُن کر روتے رہتے تھے۔

(د) امامؑ زین العابدین، امامؑ محمد باقر، امام جعفرؑ صادق، امام علیؑ رضا اور دوسرے آئمہ علیہم السلام محرم کا چاند دیکھ کر عزاداری وسوگواری کرتے تھے۔ (مستند کتب کے حوالے موجود ہیں)

(ہ) ابوالاسود دُئلی (م۔ 69ھ) سلیمان بن قتّہ، کمیت ابودھبل (الجُمعی) فرزدق اور دعبل وغیرہ نے اجتماعات میں مرثیے پڑھے اور آئمہ اہلبیتؑ نے اُنہیں صلے دیئے۔ اور اُن کے مرثیوں کو سُن کر گریہ فرمایا۔

(6) عزاداری نے ظالم حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا

عزاداری اور اظہارِ غم حسین علیہ السلام پہلی اور دوسری صدی ہجری تک یوں ہی جاری رہے۔ لیکن تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک متعدد موقعوں پر واقعاتِ کربلا عام اجتماعات میں رقّت انگیز وجوش آفرین طریقوں سے بیان ہوئے۔ چنانچہ شیعہ اور غیر شیعہ اس حد تک متاثر ہوئے کہ ساداتِ حسنی کے خروج اور مختار وابو مسلم خراسانی کی بغاوت میں اس تاثر کا (عملی) اظہار کیا۔ 352 ہجری۔ 963ء میں بغداد پر دیلمیوں کا مکمل تسلّط (ہوگیا) تھا۔ اُس سال روز عاشورہ بغداد میں بازار حکماً بند کردیئے گئے۔ اور مردوں سے کہا گیا کہ نوحہ کریں۔ نیز عورتوں کا جلوس عزا نکلوایا گیا۔ غرض سرکاری طور پر غم منایا گیا۔ (ابن اثیر) (کامل ابن کثیر وغیرہ)

(7) مصر میں عزاداری جا پہنچی اور کل تک عزاداری پر ہدایات جاری کی ہیں

366ھ۔ 977ء میں عزیز باللہ فاطمی نے مصر میں یوم حسینؑ منایا۔

(فوجی انقلاب سے پہلے تک مشہد راس الحسینؑ مصر میں اکابر علماء وعوام حتّٰی کہ خود شاہِ فاروق جلوس کیساتھ سبز چادر مزار پر چڑھانے جاتے اور غم مناتے تھے''۔ اک یہ مجتبیٰ حسن وزیری مصر کا محرم)

(8) عزاداری عراق ایران و دیلم و غور کی طرف بڑھی

اُسی عہد کے لگ بھگ غور میں آلِ شَنسَب عقیدتمندانِ اہلبیتؑ میں شامل اور سندھ کے (ہندو) ومسلمان اسماعیلی مذہب سے وابستہ ہوچکے تھے۔ بلکہ بہت سے سادات ہجرت کرکے یہاں آگئے تھے۔ دَیلم وعراق میں شیعہ پھیل گئے تھے۔ اِس لئے اِن علاقوں میں عزاداری ہونے لگی۔ اور یہ مراسم اتنے عام ہوئے کہ ادب میں اس کے استعارات وتشبیہات استعمال ہونے لگے۔ اس شہرت اور عمومیت کے باعث اِن مراسم (عزاداری) میں مقامی خصوصیات اور نسلی وقومی روایات داخل ہوتے گئے''۔ (حوالجات کے انبار لگتے جارہے ہیں)

(8/الف) ہندوستان میں تعزیہ داری آخر گھروں سے باہر نکل آئی

بدایونی (منتخب التواریخ) کے بقول ہمایوں کے عہد میں ایک ایرانی شاعر وارد ِہند نے تعزیت کے مضمون پر مشتمل ۔ ''نقش''۔ بنائے جو بایّام عاشورہ معارک میں پڑھے جاتے ہیں۔ اکبر کے عہد میں بھی یہ سلسلہ باقی رہا۔ چنانچہ آگرے کے قلعے سے اب تک ایک تعزیہ برآمد ہوتا ہے۔ جسے عہد اکبری سے منسوب کرتے اور مُغل تعزیہ کہتے ہیں۔ (کہا جاتا ہے کہ جہاں گیر کے عہد میں سید معین الدین موسوی اجمیری کا عزاخانہ وجود میں آیا۔ چنانچہ یہ عزاخانہ مع وقف تاراگڑھ میں اب تک موجود ہے۔ عالم گیر کے عہد میں تعزیہ اور جلوس تعزیہ کا رواج تھا۔ عالمگیر ہی نے جلوس تعزیہ میں شمشیر زنی کو ممنوع قرار دیا۔ شاید اس کے بعد ان جلوسوں میں بانگ بنوت کا رواج ہوا۔ جو بعض غیر شیعہ تعزیوں کے ساتھ اب بھی ہوتا ہے۔

(یہاں دائرۃ المعارف جلد 6 صفحہ 458-455)

(9) شاہانِ دہلی اور عزائے حسینؑ مظلوم

اِس کے بعد تو شاہانِ دہلی مراسمِ عزاداری میں اِس حد تک اہتمام کرنے لگے کہ ساتویں محرم سے دسویں تک نذریں اور زیارتیں بہشتی، فقیر اور قیدی بننے کی رسمیں ادا ہونے لگی تھیں۔

(10) دکن میں عزاداری کا قیام و فروغ

دکنی ریاستیں عموماً شیعہ تھیں۔ اس لئے یہاں عزاداری نے بہت فروغ پایا۔ مجلس ماتم۔ جلوس تعزیہ۔ امامباڑے قائم ہوئے۔ محرم میں سوگ منایا گیا۔ تیرہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی تک ملک (ہندوستان) میں تعزیہ داری عام ہو چکی تھی۔

(11) اودھ کی تعزیہ داری کا فروغ بعد میں دبانے کی مہم

اودھ میں تعزیہ داری کا فروغ اور تعزیہ کا رواج (بعد کے مجتہدین کی سازش سے) بظاہر عہد آصف الدولہ (م۔ 1212ھ) (1797ء) سے ہوا (جو بکواس ہے) لیکن بہڑائچ میں سید سالا مسعود غازی کے مزار کا تعزیہ سیتاپور میں باون ڈنڈوں کا تعزیہ۔ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری سے (صحیح) منسوب ہے۔ آصف الدولہ نواب وزیر اودھ نے شجاع الدولہ کے بعد لکھنؤ کو دارالحکومت بنایا۔ فیض آباد اور دہلی کے اُمرا اور رؤسا اور شہزادے بھی یہاں آباد ہوگئے۔ ہر ایک فیض آباد اور دہلی میں تعزیہ دار تھا۔ لیکن آصف الدولہ حاکم مملکت ہونے کے باوجود عزاداری میں بہت زیادہ منہمک تھے۔ وہ جہاں تعزیہ دیکھتے سواری سے اُترتے اور تعزیہ دار کو انعام دیتے تھے۔ (1784ء۔ 1199ھ) میں انہوں نے اپنا امام باڑہ بنوایا۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہزادگانِ دہلی اور دوسرے اُمرا نے بھی عزاخانے تیار کئے۔ یوں لکھنؤ تعزیہ داری کا مرکز بن گیا۔ غازی الدین

حیدر ونصیرالدین حیدر کے عہد میں مزید ترقیاں ہوئیں۔ متعدد قیمتی ضریحیں یوروپ سے فرمائش کر کے بنوائی گئیں۔ اور فنی مہارتوں کے اظہار و تکلفات کا آغاز ہوا۔ (عہد آصفی میں سرخ و بلّوری تعزیے پہلی مرتبہ یوروپ سے تیار ہو کر آئے۔ سونے چاندی کی ضریحیں بنیں۔ اُمرا و عوام نے نُدرتیں پیدا کیں اور ہُنر دکھائے۔ جن میں سے شاہ نجف و حسین آباد کے عزاخانوں میں سونے چاندی کی ضریحوں کے علاوہ مومی ضریح دیدنی ہے۔ جو ایک سال سے زیادہ مُدت میں تعمیر ہو کر شاہی جلوس کے ساتھ برآمد ہوتی ہے۔)

(12) ہندو اور ہندو راجوں مہاراجوں کا تعزیہ داری میں حصہ

مسلمانوں کے علاوہ ہندو ریاستوں اور ہندو آبادیوں میں لوگ باقاعدہ تعزیہ داری کرتے تھے۔ سرٹامس براڈٹن نے اپنے خط عدد 7 (سات) میں مرہٹوں اور محمد لطیف نے تاریخ لاہور میں سکھوں کے عہد کی عزاداری اور مہاراجہ شیر سنگھ کے تعزیہ کا ذکر کیا ہے۔ محمد لطیف نے صفحہ 271 پر مہاراجہ شیر سنگھ کے تعزیے اور ذوالجناح کی تصویر بھی دی ہے۔ غیر مسلم ریاستوں میں اِندور؛ دھولپور؛ دَتیَہ کپورتھلہ: کے علاوہ مہاراجہ گوالیار (کی عزاداری) اور مہاراجہ جے پور کے تعزیے مشہور ہیں۔ اِن ریاستوں میں تعزیہ داری کے لئے سرکاری اوقاف موجود ہیں۔

(13) اہلسنت نوابوں کی عزاداری اور تعزیے

شیعہ ریاستیں تو خیر مذہبی فرض سمجھتی تھیں۔ مگر سُنّی نوابین بھی ثواب کی نیت سے تعزیہ رکھتے۔ امامباڑے بنواتے اور (جائیدادیں) وقف کرتے تھے۔ جن میں نظام دکن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اُن کے محل میں اب بھی (عزاداری ہوتی ہے۔) تعزیہ و تعزیہ خانہ موجود ہے۔

(14) مجتہدزدہ علاقوں میں بھی عزاداری ہوتی ہے

ایران میں (مجتہدین کے زور کی وجہ سے) تعزیہ کا رواج نہیں۔ ہاں شبیہ یا تمثیل رائج ہے۔ عراق میں علم اور ذوالجناح برآمد ہوتے ہیں۔ اور اس جلوس کو "موکب" کہتے ہیں۔

(15) کشمیر، نیپال اور افریقہ وغیرہ میں تعزیہ داری

کشمیر، نیپال اور افریقہ میں تعزیہ داری ہوتی ہے۔ اور بڑی حد تک وہی انداز ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ جو پاکستان میں رائج ہے۔ پاک و ہند میں تعزیہ کا عام رواج ہے۔ جلوسِ تعزیہ جس میں تعزیہ داری کی مقامی روایتیں پیشِ نظر رکھی جاتی ہیں۔ مثلاً:۔

(16) جلوس عزاداری اور تعزیہ کا نظارہ

لکھنؤ؛ رامپور، جے پور وغیرہ میں تعزیہ کا جلوس یوں نکلتا ہے۔ جیسے اُن کے گھر سے کسی معزز مرنے والے (بزرگ) کا جنازہ نکلے۔ یعنی جلوس میں ماہی مراتب، ہاتھی اونٹ گھوڑے فوجی باجے۔ ماتمی جھنڈیاں، باوردی سپاہی برقنداز، عصابردار۔ پھر ماتم دار و تعزیہ دار سر (و پا) برہنہ ماتمی لباس پہنے۔ سروں پر خاک پڑی ہوئی۔ سینوں پر ہاتھ اور آنکھوں پر رومال رکھے۔ اشک افشاں آہستہ آہستہ جاتے ہیں۔ ایک نقیب یہ آواز دیتا جاتا ہے۔

سواری ہے ہمارے بادشاہ کی　　　　سواری ہے شہِ کرب و بلا کی

یا اِس مضمون کو قطعے کی شکل میں بلند آواز سے پڑھتا کوچ کا نقارہ بجاتا۔ خود رُوتا اور مجمع کو رُلاتا جاتا ہے۔ بعض جلوسوں میں ماتمی باجے بجتے ہیں۔ ماتمی دستے سینہ زنی، قمع زنی (چھری کا ماتم) اور زنجیر زنی بھی کرتے ہیں۔ ایک دو جلوس بالکل خاموش بھی رہتے ہیں۔ راجہ، نواب، شہزادے عام شرکاء کی طرح ادب سے پاپیادہ شریکِ جلوس ہوتے تھے۔ اُس وقت ملازمین پر سے آداب و رواسم شاہی ساقط ہوتے تھے۔ (دائرۃ المعارف الاسلامیہ صفحہ 459-458)

(17) آپ بیتی۔ نواب رضا علی خان والیٔ رامپور

راقم 1940ء تک اپنی ایک اسکیم کے ماتحت، ریاست رامپور کی فرسٹ رضا انفنٹری میں ملازم تھا۔ ۲۹ ذی الحجہ سے اربعین تک سرکاری امامباڑہ کا انچارج رہتا تھا۔ ایک روز سہ پہر کی مجلس شروع ہونیوالی تھی۔ تمام رؤسا، اُمرء اور معززین شہر آچکے تھے۔ مرحوم سید محمد صاحب بھی موجود تھے۔ سرکار کے آنے کا انتظار تھا۔ میں تمام سپاہیوں کو ڈیوٹی بتانے کے بعد امامباڑے کے چبوترے پر بیٹھا ہوا کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اچانک دیکھا کہ چند قدم پر نواب صاحب موجود ہیں۔ میں تعظیم کیلئے نہیں اُٹھا۔ ایک نظر اُدھر دیکھ کر پھر کتاب پڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ میرے قریب آ گئے اور تحکمانہ انداز سے کہا۔ کہ تُو ہماری تعظیم کیلئے کیوں نہیں اُٹھا؟ اور اب بھی بیٹھا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اِس امام باڑہ کی حدود کے اندر سوائے اہلبیتؑ کے کسی اور کی تعظیم مجھ پر واجب نہیں ہے۔ سُنا۔ مسکرائے اور چلے گئے۔ بعد میں پیشی ہوئی۔ کرنل عزیز حسن خانصاحب بہت گھبرائے ہوئے اور مجھ سے خفا تھے۔ لیکن پیشی پر کرنل صاحب سے میری تعریف کی اور مستقلاً گارڈ کمانڈر بناتے رہنے اور ترقی کا حکم دیا۔ صوبیدار السید انوار حسین صاحب (حال کراچی) پورے واقعہ سے واقف ہیں۔ تمام ہندو مسلم تعزیہ دار ریاستوں میں ۲۹ ذی الحجہ سے شاہی پرچم سرنگوں (HALF MAST) کر دیئے جاتے تھے۔ دروازوں کے گارڈ سلامی دینا بند کر دیتے تھے۔ مہاراجہ گوالیار کو میں نے دیکھا ہے کہ ریلوے اسٹیشن پر محرم کیلئے آنیوالے مہمانوں کو خود لینے آتے اور موقعہ ملتا تو اُن کا بستر

سر پر اُٹھا لیتے۔ ٹاٹ کے یا معمولی کپڑوں کی وجہ سے شناخت نہ ہوتے تھے۔ اکثر لوگ قلی سمجھ کر پیسے دینے لگتے اور معلوم ہو جانے پر چکرا کر گر تے۔ یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ مقالہ نگار نے اب تک ذرہ برابر تعصب سے کام نہیں لیا ہے۔

(18) عوامِ شیعہ یا اہلسنت کے تعزیوں کا جلوس

عام تعزیوں کے اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ تعزیہ دار تعزیہ کو سر یا کاندھوں پر رکھے۔ خاموشی سے کربلا جاتے ہیں۔ یا ماتمی دستے یا سوز خوان بھی ساتھ، تابوت، ذوالجناح یا گہوارہ علیؑ اصغر کی شبیہیں لئے۔ آنسو بہاتے سینہ زنی کرتے جاتے ہیں۔ اور کربلا یا قبرستان پہنچ کر قابلِ دفن تعزیوں کو دفن کر دیتے ہیں ورنہ اُنہیں باقی تبرکات کیساتھ محفوظ کر کے واپس لے آتے ہیں۔

(19) تعزیہ داری کا زمانہ اور مختلف رواج

تعزیہ داری کا سلسلہ 29-28 ذی الحجہ سے آٹھ ربیع الاول تک جاری رہتا ہے۔ پاکستان، کشمیر، نیپال اور افریقہ میں عموماً دس محرّم (روز شہادت امام حسینؑ) کو تعزیے دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ہندوستان کے بعض مقامات پر خصوصاً لکھنؤ میں یہ سلسلہ آٹھ ربیع الاوّل (روز شہادتِ امام حسن عسکری علیہ السلام) کو ختم ہوتا ہے اور چپ تعزیہ (کیوں کہ اس کے جلوس میں مکمل خاموشی رہتی ہے) آخری تعزیہ سمجھا جاتا ہے۔ اب پاکستان کے متعدد مقامات پر اس طرح کے جلوس نکلنے لگے ہیں۔

(20) تعزیہ وغیرہ کے احترام کی حدود پہلے سے متعین ہیں

تعزیہ روضۂ امام حسین علیہ السلام کی نسبت سے اور ایک محترم علامت ہونے کے باعث اہل تشیع کے نزدیک غلافِ خانہ کعبہ اور محمل مصری کی طرح محترم سمجھا جاتا ہے۔ مگر وہ اُسے عقیدت روایت اور تاریخی حیثیت سے بہت اہم سمجھنے کے باوجود مذہباً اُس کی پرستش کو حرام سمجھتے ہیں۔ (دائرۃ المعارف الاسلام صفحہ 460-459)

53 تحریک تشیّع پر قربان ہوجانے والے شہدائؑ

(1) یہ عنوان لکھ دینا تو نہایت آسان تھا۔لیکن مِلّتِ شیعہ کے شہیدوں کے کارناموں کونظر انداز کر کے صرف اُن کے اَسمائے گرامی کی فہرست پیش کرنے کے لئے بھی ایک ہزار صفحات کی ضرورت ہے۔جس قوم کوکامل ایک ہزار سال تک ہر نام نہاد مسلمان حکومت نے اپنا مذہبی اور سیاسی فریضہ سمجھ کر، خدمتِ اسلام کے لئے بے دریغ اور دن رات قتل کیا ہو۔جن کے قتلِ عام کے لئے دُنیا کی سب سے بڑی حکومتیں اپنی پوری قوت اوروسائل استعمال کرتی رہی ہوں۔جن کے نام ونشان وتصورات اورنسل کوصفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے کے لئے دن رات خزانوں کے منہ کھلے رہے ہوں۔جن کوایک ایک دن میں ستر ستر ہزار کی تعداد میں قتل کیا جاتا رہا ہو۔اُس قوم ومذہب وملت کے شُہدا کا شمارتو کراماً کاتبین ہی کرسکتے ہیں۔آپ نے پچھلے صفحات میں جس قتلِ عام اورتباہی وبربادی کے نظارے دیکھے۔اُس میں پچاس فی صد قتل ہونے والے تحریکِ تشیّع کے جان نثارممبر تھے۔ یہ بھی سُن لیں کہ ہمارے یہاں لفظِ شہید اورلفظ جہاد اتنا سستا اور گھٹیا نہیں ہے۔ایسا نہیں کہ حکومت کے خلاف جلاؤ گھیراؤ کرنے نکلے۔غریب مزدوروں کی ٹیکسیاں جلائیں۔دوکانیں لوٹیں اور پولیس کی فائرنگ سے مرے اورشہید کا لقب حاصل کیا۔جس طرح اسلام کے ہر مسئلہ کا مذاق اڑایا گیا ہے اُسی طرح لفظ شہید وجہاد کوبھی بدنام کرلیا گیا ہے۔دوچار مسلح آدمی کسی کا گھر لوٹ لیں تو اس کا نام دفعہ 395 میں ڈاکہ زنی ہے۔اورنہایت سنگین سزا ہے۔لیکن دس بارہ ہزار مسلح آدمی کسی ملک میں قتل وغارتگری اورلوٹ مار مچائیں تو یہ بھی ڈاکہ ہے۔اس کے دوران مرنے والوں کوشہید کہنا اسلام کی توہین ہے۔شہید کا جو مرتبہ قرآن وحدیث میں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔اُس کا حصول صرف اِس صورت میں ممکن ہے۔ کہ پہلے خود انسان بے گناہ ہو۔کوئی ذھنی اشتعال نہ ہو۔اپنے مخالف پر ہر اسلامی حجت پوری کر چکا ہو۔ترکِ وطن کے لئے تیار ہو۔صلح وامن کے تمام مواقع بند ہوچکے ہوں۔کوئی ذاتی،قومی یا ملکی عصبیت درمیان میں نہ ہو۔اب خالص اپنے مذہب کے تحفظ کے لئے معصومؑ راہنما کے حکم سے خود کوقربانی کے لئے پیش کرے۔دفاع میں قتل کرے تو غازی اور مرنے والا یقیناً جہنمی ہونا چاہئے۔قتل ہوجائے تو شہید اوریقینی طور پر جنتی اور زندۂ جاوید۔شہید کا قاتل ہمیشہ جہنمی ہوتا ہے۔شہید کے ہاتھ سے قتل ہونے والا بھی ہمیشہ کے لئے جہنم واصل ہوتا ہے۔

(2) کوفہ اور روسائے کوفہ کی مخالفت اورقتل وغارت کا نشانہ

کوفہ کے متعلق تاریخ اور محققین نے کبھی انصاف نہیں کیا۔کوفہ کوبے وفائی اورغدّاری کے لئے ضرب المثل بنالیا گیا۔ الکوفی لایوفی مشہور کیا گیا۔لیکن تمام بے انصافیوں اور بے جاالزام تراشیوں کے باوجود چند بنیادی حقائق سب کوتسلیم

کرنا پڑے۔اور وہی چند حقائق ایسے ہیں کہ باقی تمام دروغ بافیاں بے اثر اور فریب بن کر رہ جاتی ہیں۔تاریخیں گواہ ہیں کہ شہدائے کربلا میں کوفہ والوں کی کثرت ہے۔کوفہ والوں ہی نے تحریکِ تشیع کے خفیہ محاذ یعنی صیغہ تصوف کی بنیاد رکھی اور اُسے پروان چڑھایا۔کوفہ ہی نے افریقہ،اندلس،ایران اور سندھ میں تحریک تشیع کو تحریک آل محمدؐ کے جذباتی نام سے پھیلایا۔وہ دماغ کوفہ ہی کے تھے جنہوں نے مصر میں اور دُور دراز ممالک میں مستقل حکومتوں کی بنیاد رکھی۔یہ وہی شہر ہے جس نے مسلمانوں کے ایک سب سے بڑے اور صلح پسند حنفی مذہب کی داغ بیل ڈالی۔فقہ کے امام اعظمؒ کے اجزائے ترکیبی کوفہ ہی کی خاک سے وجود میں آئے۔ذرا شہدائے کربلاؑ کی فہرست میں مکہ اور مدینہ کے باشندوں کے نام تو تلاش کرو۔آپ کو حیرت ہوگی مگر حیرت کیوں ہو۔کیا آپ بھول گئے کہ مسلمانوں کا وہ خلیفہؓ جس نے دن رات مکہ و مدینہ والوں پر احسانات کئے جو اُن کی طرفداری میں ماخوذ کیا گیا۔اُس کے ساتھ مکہ مدینہ والوں نے کیا کیا؟ کوئی محاصرہ سے بچانے کے لئے آیا؟ کسی نے بھوکے پیاسے مردوں عورتوں اور بچوں کو غذا اور پانی پہنچایا؟ کسی نے قتل سے بچایا؟ غسل وکفن دیا؟ کس نے تجہیز وتکفین کی؟ کربلا میں وہی لوگ تہہ تیغ کئے گئے جنہوں نے وہ سب کچھ کیا جو مدینہ والوں نے نہ کیا تھا۔اُن ہی کے بچوں کو تین روز پیاسا رکھا گیا۔جنہوں نے خلیفہؓ اور اُن کے بچوں کو پانی پلایا تھا،غذا فراہم کی تھی،زخم کھائے تھے۔وہ مظّلوم؛ کربلا میں بیمار تھا۔جس نے آئندہ چل کر جناب عثمان رضی اللہ عنہ کے بچوں کو اور مروان کے اہل وعیال کو اُس وقت پناہ دی۔جب مدینہ والوں نے اُن کو پھر محاصرہ میں لے رکھا تھا۔بہرحال کوفہ چونکہ مخالف محاذوں اور حکومتوں کے ظلم واستبداد کا نشانہ تھا اور آخر کار کوفہ ہی اُن حکومتوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہوا۔اِس لئے مخالف محاذ کوفے کو جتنا بدنام کرے کم ہے اور جتنے مظالم کوفہ والوں کے ساتھ کرے کم ہیں۔لیکن ہر انسان دوست اور حق پسند انسان کوفہ کو سلام کرتا ہے۔کوفہ سب سے پہلا شہر ہے جہاں عبداللہ ابن زیاد نے مارشل لا نافذ کیا تھا۔چپہ چپہ پر فوج اور پولیس تعینات تھی۔شہر چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا۔تمام رؤسا اور سربرآوردہ لوگ طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے پڑے تھے۔جو دو دو تین تین سال تک قلعہ کے بُرجوں اور جیل خانوں میں اپنا سر پھوڑ پھوڑ کر روتے تھے۔اور آزادی ملنے پر یہ کہتے تھے کہ ہائے افسوس! ہم نے امام حسین علیہ السلام کو یہاں بلایا اور پھر مدد نہ کی۔اُنہیں تہہ تیغ کر دیا گیا۔اُن کے بچوں کو پیاسا بھوکا قتل کیا گیا اور ہم زندہ رہ گئے۔اُن کے ایسے بیانات کو دشمنوں نے اُن کے مجرم ہونے پر دلیل بنایا ہے۔ارے یہ تو وہ بَین اور بیانات تھے جن سے لوگوں کو مرنے کے لئے تیار کرنا تھا،جن سے ملک کی پبلک کو بیدار کرنا تھا اور یہ شدتِ احساسِ انفعال اس لئے نہیں کہ اُنہوں نے آزاد و مختار ہوتے ہوئے یہ جرم کیا تھا۔یہ انفعال اس بات پر ہے کہ اُنہوں نے پہلے سے ایسا انتظام کیوں نہ کیا کہ وہ گرفتار ہونے سے محفوظ رہتے اور یوں بے بس ہو کر نہ رہ گئے ہوتے۔

اُنہوں نے دارالامارہ پر نظر کیوں نہ رکھی، اُنہوں نے اموی سیاست اور بے نظیر سیاسی دماغ کو کیوں حقیر سمجھا، اُنہوں نے کیوں ہر بات کو امام علیہ السلام کے آجانے پر چھوڑ دیا، اُنہوں نے کیوں ایک ذیلی تنظیم نہ بنائی، وہ کیوں ہر بات میں معصومؑ حکم کے منتظر رہے۔ اب وہ سمجھے کہ موجودہ سیاست کا مقابلہ عصمت سے نہیں بلکہ سیاست سے ہونا چاہئے۔ اب معلوم ہوا کہ دشمن کے رُوبرو ایماندارانہ اور صاف صاف بیان کتنا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ وہ تجربہ تھا کہ جس نے کوفہ کی کایا پلٹ دی۔ اس کے بعد اُن کا مافی الضمیر سمجھنا ناممکن ہوگیا۔ وہ زیرزمین محاذ قائم کرنا سیکھ گئے۔ کربلا نے ایسے اسباق دیئے کہ ساری دنیا کے لیڈر اور ریفارمر آج تک راہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔ اُنہوں نے محسوس کیا کہ حسینؑ اپنے بچوں سمیت آئے اور ہم نے وہ انتظام نہ کیا کہ اُن کے اہل وعیال امن سے گھروں میں اُتریں اور محفوظ رہیں۔ ہم نے موقعہ فراہم کر دیا کہ انہیں راستے ہی میں گھیر لیا جائے اور ہمیں گرفتار کر لیا جائے۔ آئندہ وہ ہر بات دس دفعہ سوچیں گے تو ایک دفعہ منہ سے کہیں گے۔ وہ اعلان کچھ اور کریں گے زیرپردہ مقصد کچھ اور ہوگا۔ اِس پر اُنہوں نے اِس سختی سے عمل کیا کہ اُن کی بات کا اعتبار اُٹھ گیا۔ وہ کسی کا اعتبار واعتماد نہیں چاہتے وہ خود پر اور اپنے منصوبوں پر اعتبار واعتماد کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ایک کوفی اس تجربے کے بعد اب سوائے تحریکِ تشیع کے نہ کسی کا مستقل وفادار رہے گا نہ مستقل ساتھی بنے گا۔ وہ صرف اُس وقت تک ہر اُس شخص کا ساتھی اور وفادار رہے گا جس وقت تک وہ شخص تحریک کے لئے مفید ہو۔ جیسے ہی اُسے یہ محسوس ہو کہ اب تحریک کو نقصان ہوگا۔ وہ الگ ہو جائے گا اور دوسرا پہلو اور دوسری چال اختیار کرے گا۔ صرف قومی و رسمی غیرت کے لئے جان نہ دیگا۔ جان وہاں دے گا، خون وہاں بہائے گا، جہاں خوشنودیٔ اہلبیتؑ ہو۔ لوگوں نے بلا سمجھے اِن اعمال کو بُرا سمجھا۔

(3) <u>وہ بانیانِ منصوبہ جو مشہور ومعروف حضرات تھے</u>

جس طرح اوّلین دَور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابتدا کی تھی۔ اُسی طرح احیائے تحریک بھی مقدس صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں شروع ہوئی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت بزرگ وپاک طینت صحابی جناب سلیمان بن صرد خزاعی نے انتقامِ شہدائے کربلا کی اسکیم مرتب کی اور تمام صحابۂ علی علیہ السلام اور ہونہار شیعہ افراد کی تنظیم ورابطہ کے اقدامات کئے۔ قیدیوں کے آزاد کرانے کا انتظام شروع کیا۔ مختلف لوگوں کو مناسب ذمہ داریاں سونپیں۔ زیرپردہ واعلانیہ محاذوں نے کام شروع کیا۔ لوگوں نے اپنے جان واموال پیش کئے۔ سامان حرب وضرب کی فراہمی شروع ہوئی۔ پیش آنے والے تمام ممکنہ حالات پر نظر ڈالی گئی۔ متبادل طرزِ عمل تجویز ہوئے۔ دن کے سنّاٹوں اور رات کے اندھیروں میں۔ گھروں کے تہہ خانوں اور بالا خانوں میں اجتماعات ہونے لگے۔ بات پھیلی اور سیلاب کی طرح بڑھی، جہاں دو آدمی ہوتے، جہاں کوئی مجمع

ہوتا، بازاروں میں گلیوں میں، انتقام انتقام اور صحیح انتقام کی گفتگو ہونے لگی۔ لوگ اپنا اپنا دل ٹٹول رہے تھے۔ خاندان کے افراد اور اپنے اہل وعیال کے قلبی تاثرات محسوس کیئے جا رہے تھے۔ ہر جگہ ہر شخص اپنا وزن تول رہا تھا۔ مقابلہ ایک قوتِ قاہرہ سے تھا۔ ناکامی سے محفوظ رہنے کا انتظام قبل از وقت ضروری تھا۔

(4) رابطہ مہم بیرونِ ملک پہنچی اور نئی قیادت سے تعارف ہوا

ایران وخراسان اور مدائن سے رابطہ قائم کرنے کے لئے جناب سعد بن حذیفہ بن الیمان امینِ رسولؐ رضی اللہ عنہم کے پاس مرکزی خط پہنچا۔ صورت حال اور اقدامات سے اطلاع دی گئی۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ نے سلیمانؓ بن صُرد کی قیادت سے تمام شیعان تحریک کو مطلع ومتعارف کیا۔ متفقہ طور پر یقین دہانی اور ہر تعاون کا وعدہ خط میں لکھا گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ مخالف محاذ کے تمام افراد کو نام بنام جانتے تھے۔ رسولؐ اللہ نے حکم دیا تھا کہ حضورؐ کی زندگی میں اُن منافقوں کے نام صیغۂ راز میں رکھیں۔ لہٰذا جناب سعد بھی آنحضرتؐ کے منصوبہ سے واقف ہیں۔ اور مخالف محاذ کے ہر فرد اور اُن کے تمام اقدامات اور اسکیموں پر مطلع ہیں۔ اُنہوں نے مرکز کو جوابی خط لکھا۔ اور تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ اُدھر سلیمان بن صُردؓ کا خط مثنّٰی بن عبدی کو ملا۔ متعلقین کو سنایا، جواب میں سلیمان بن صُردؓ کو قربانیاں پیش کرنے کے لئے آمادگی کا اظہار کیا اور بتایا کہ ہم وقتِ مُقررہ اور مقام متعینہ پر تم سے **اِس طرح ملیں گے کہ میرا گھوڑا دراز گردن بادلوں کی گرج کی طرح ہِنہِنا رہا ہوگا۔ جس کی پشت طویل۔ جس کے جوڑ وبند حسین وقوی۔ جو غُصّہ سے لگام کے دہانہ کو چبا رہا ہوگا۔ میرے ساتھ ایسے ایسے جوان ہوں گے جن کے دلوں میں خوف کا گذر نہیں ہوتا، جو جنگ کے مصائب سے کبھی اُکتاتے نہیں، جو بھروسے کے لوگ ہیں، تلواریں مارتے ہیں مگر گنہگاری کے لئے نہیں۔ خوشنودی خدا اور رسولؐ وامامؑ کے طالب ہیں۔**

(5) شہادت امامؑ کے فوراً بعد ہی جنگی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں

ہم جس باقاعدہ تحریک کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ وہ اُس وقت کی بات ہے جب سرداران کوفہ جیلوں سے نکلے۔ لیکن طبری کے مطابق 61 ہجری ہی میں تیاری شروع کر دی گئی تھی وہ لکھتے ہیں کہ:۔

۔''شیعانِ اہلبیتؑ کی جنگی تیاریاں''۔ حسینؓ کے قتل ہو جانے کے بعد ہی 61ھ میں ان لوگوں نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ آلاتِ حرب وسامانِ جنگ کے جمع کرنے میں مشغول تھے۔ پوشیدہ طور سے شیعہ اور غیر شیعہ کو بدلہ لینے پر آمادہ کرتے رہتے تھے۔ لوگ اُن سے ملتے جاتے تھے۔ قوم کے بعد قوم ان کی شریک ہوتی جاتی تھی۔ وہ لوگ اسی کام میں مشغول تھے''۔ (جلد چہارم) سلیمان بن صرد کے اصحاب برابر اہل شہر میں شیعہ و غیر شیعہ کو دعوت کرتے رہتے تھے اور بہت لوگ اُنکے تابع ہو چکے تھے۔ یزید کی موت کے بعد اہل شہر ابن صرد کی طرف دوڑنے لگے۔ مرگ یزید کو ابھی چھ ماہ نہ گذرے تھے۔ کہ رمضان کی

پندرہویں تاریخ بروز جمعہ مختارؓ ثقفی کوفہ پہنچے۔مگر سلیمان بن صرد کی جماعت نے اُنکا ساتھ نہ دیا۔اسلئے کہ اُن کے متعلق جناب مسلمؓ بن عقیل کی مددنہ کرنے کی غلط خبر مشہور ہوگئی تھی۔حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ جناب مسلم بن عقیلؑ نے مجبور ہوکر مقررہ دن سے پہلے خروج کر دیا تھا۔جب مختار کو معلوم ہوا اور وہ حملہ کیلئے آیا تو معلوم ہوا کہ مسلمؓ شہید ہو چکے اور ساتھ ہی ابن زیاد کے ہاتھوں پڑ گئے۔اور مدت کے بعد سفارش سے رہا ہوئے۔بہرحال سلیمان بن صردؓ کی جماعت نے پے درپے حملے کرنے کا پروگرام بنایا اور شہید ہوتے رہے۔مختار اور اُنکے ساتھی برابر دعوت دیتے اور ملکی حالات ہموار کرتے رہے۔مختار جہاں جاتے عجیب عجیب پیشگوئیاں کرتے۔جو تمام پوری ہوکر رہیں۔اور لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ انہیں الہام ہوتا ہے۔چنانچہ جب ابن العرق حجاج ثقفی سے ملے تو پوچھا کہ:۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ (مختارؓ) یہ باتیں دل سے بنالیتا تھا۔کچھ اندازے سے کچھ اٹکل سے کہہ دیتا تھا۔یا اُسے الہام ہوتا تھا۔حجاج نے کہا جو بات تم مجھ سے پوچھتے ہو۔واللہ میں خود حیران ہوں کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ لیکن اتنا کہوں گا خدا اسے جزائے خیر دے۔کیسا دیندار و جنگ جو و نبرد آزما وہ شخص تھا''۔(جلد 4 صفحہ 405)

(6) شیعہ تحریک کے صاحبانِ سیف کی ظِلّی قیادت

جس دَور میں کوفہ کی تحریک تشیّع طاقت وتلوار سے دِفاعی منصوبہ بنا رہی تھی۔اُس دَور کے حالات اس قدر پیچیدہ ہیں۔کہ مورخین نے جو واقعات لکھے اُن کے متعلق خود بھی مشکوک و مذبذب حالت میں رہے ہیں۔وجہ اُس کی یہ ہے کہ شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور بقیۃ السیف اہلبیتؑ نے کربلا سے کوفے تک اور پھر کوفے سے دمشق تک کے سفر میں اور پھر دمشق کے قید خانے سے کربلا اور وہاں سے مدینہ تک جو واقعات بیان کئے اور جو کچھ مشاہدہ میں آیا۔اُس سے ملک میں ایسا ہیجان پھیل گیا کہ ہر شخص جوشِ انتقام میں وقتی مصالح کو نظر انداز کر دینے میں معذور تھا۔مختلف افراد اور گروہوں نے اپنے اپنے انداز میں جگہ جگہ حکومت کی مخالفت شروع کر دی۔غم وغصہ اور حکومت کے خلاف بغاوت آگ کی طرح پھیلتی چلی جارہی تھی۔ایسی حالت میں دانشوروں کے لئے یہ مشکل ہوگیا کہ وہ مختلف الاحوال لوگوں کوکسی ایک مرکزی نقطہ پر جلدی سے متفق اور متحد کرلیں۔لہٰذا بعض زیادہ چالاک لیڈر ایک جداگانہ خلافت قائم کرنے کو مرکزی اتحاد کا نقطہ سمجھ کر چپکے چپکے اپنی بیعت لے رہے تھے۔بعض لوگ اِس بہانے سے اپنے مقبوضات میں توسیع کر رہے تھے۔بہت سی ذیلی تنظیمیں اِدھر اُدھر ماری ماری پھر رہی تھیں۔حکومت بوکھلا چکی تھی۔لیکن بڑے عزم وجلال سے پورے ملک میں بغاوت کو دبانے میں مصروف تھی۔بہرحال اس صورت حال میں جناب مختارؓ ثقفیؓ کے ذہن میں وہ مرکزی اتحاد کا صحیح تصور آ گیا۔وہ امام عصر جناب امام علی بن الحسین زین العابدین علیہما السلام سے ملے اور چاہا کہ وہ مختارؓ کو طاقت وتلوار سے دفاع کی اجازت دے کر اُس کی قیادت کو شیعوں کے لئے واجب التعمیل

بنا دیں۔ وہاں سے کیا جواب ملا؟ کوئی نہیں جانتا۔ جو کچھ یقینی اور ظاہر ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپؑ نے اِس دفاعی منصوبے سے الگ رہنا لازم سمجھا۔ اِس کے بعد جناب مختارؓ کا جناب محمدؓ حنفیہ سے ملنا معلوم نہیں ہوسکا۔ مگر اچانک یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پاس محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ کا وہ خط تھا جس میں اُنہوں نے طاقت وتلوار سے مِلّتِ شیعہ کے تحفظ کا اختیار مختارؓ کو سونپ دیا تھا۔ اور اس سلسلے میں خود کو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا جانشین اور ہدایت کار (مہدی) بتایا تھا۔ مورخین نے اس خط کو جعلی قرار دیا ہے۔ لیکن اُن حالات میں مورخین کی کسی بات کو حتمی، قطعی اور سو فیصد صحیح سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ حالات اور پالیسی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس خط کو صحیح سمجھا جائے۔ اس لئے کہ بعد کے واقعات میں کہیں بھی جناب محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ نے مختارؓ کے بیانات وکھلّم کُھلاّ اعلانات کی تردید نہیں کی علاوہ ازیں حکومت نے انہیں اس قیادت کے جرم میں گرفتار کیا۔ اور اُنہوں نے اس موقعہ پر اپنی بے تعلقی کا اعلان نہیں کیا۔ پھر جناب امام فقہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کھل کر مختارؓ کے دفاع کو جہاد ہونے کا نہ صرف فتویٰ دیا بلکہ دامے درمے اور سخنے قدمے ہر قسم کی مدد جاری کرادی۔ اور خود گرفتار بھی ہوئے۔ ادھر جناب ابراہیم بن مالک اشتر رضی اللہ عنہ نے بھرپور اور جان نثارانہ تعاون جاری رکھا۔ اگر یہ خط جعلی ہوتا تو مختارؓ کو یہ ہمہ گیر تعاون ہرگز حاصل نہ ہوتا۔ اور یہ بھی عقلاً ناممکن ہے کہ کسی نے بھی اس خط کے متعلق حقیقتِ حال معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔ دراصل یہ سیاسی چال تھی تاکہ مختارؓ کے خلاف نفرت پھیلے اور اُن کا زور ٹوٹ جائے۔ ایسی تمام افواہیں حکومتِ وقت کی پالیسی کہہ کر ٹھکرا دینا صحیح فیصلہ ہوگا۔ اور امامؑ وقت کا محمدؓ حنفیہ کو ایسی ذیلی، ظلّی اور جُزئی قیادت کا اختیار دیدینا بھی کسی طرح منصبِ امامت کے منافی نہیں ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں اُن علماء کا کوئی فیصلہ قابل قبول نہیں۔ جو مسندِ فتویٰ کے اجزائے ترکیبی تک سے ناواقف، تاریخ سے جاہل، مسائل عمرانی سے کورے ہوں۔ نہ سیاست سے آگاہ نہ ضروریاتِ مذہب پر مطلع۔ وضو، نماز اور روزہ وعبادات سے غافل لوگ ناقابل التفات ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کے ماتحت اُن کے خاندان کے بزرگ افراد قوت وغلبہ کیلئے ذیلی قیادت کے مجاز تھے۔ اور اس سلسلے نے سب سے پہلے جناب مختار رحمۃ اللہ علیہ کو مرکزی حیثیت سے تعینات کیا تھا۔

(7) امیر مختارؓ میدان کارزار میں۔ انتقام شہدائے کربلا علیہم السلام

امیر مختار رضی اللہ عنہ کے حالات میں مستقل کتابیں موجود ہیں۔ ہم صرف تحریکِ تشیع کے صاحبان سیف کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے اُن کا نہایت مختصر ذکر کریں گے۔ اسلم جیراجپوری تاریخ اُمت میں لکھتے ہیں کہ:۔

۔"ربیع الاول 66ھ میں یہ جماعت نکلی۔ پہلے عبداللہ بن مطیع کو جو ابن زبیر کی طرف سے (خواہ مخواہ) کوفہ کے والی (گورنر) تھے۔ کوفہ سے نکال دیا اور شہر پر قبضہ کرلیا۔ پھر وہاں کے لوگوں سے اس بات پر بیعت لینی شروع کی کہ کتاب اور سنت پر عمل کریں گے اور امامؑ کے قاتلوں سے بدلہ لیں گے۔ اہل بصرہ بھی اس بیعت میں شامل ہوگئے۔ کوفہ کے جو لوگ اُس فوج

میں شریک ہوئے تھے۔ جو امام حسین (علیہ السلام) کے مقابلہ کے لئے گئی تھی۔ مثلاً عمر بن سعد بن ابی وقاص وغیرہ۔ مختار نے اُن سب کو قتل کر ڈالا اور اُن کے مکانات کھدوا کر پھینک دیئے۔ ابن زبیر کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اشتباہ میں محمدؓ بن حنفیہ کو قید کر دیا۔ لیکن مختار نے آدمی بھیج کر اُن کو چھڑوالیا''۔

قارئین کرام یہاں رُک جائیں اور علامہ اسلم صاحب کے آخری جملے پر نظر ڈالیں اور ہمیں بتائیں کہ:۔

(الف) ابن زبیر کو محمدؓ حنفیہ کے متعلق کیا اشتباہ ہوا تھا؟

(ب) اشتباہ کی بنیاد پر گرفتار کیوں کیا؟

(ج) مختارؓ نے ابن زبیر کے گورنر کو کوفہ سے نکال دیا تھا۔ اس کے باوجود مختارؓ کے صرف ایک آدمی کے ہاتھ کچھ پیغام ملنے پر محمدؓ حنفیہ کو رہا کیوں کر دیا؟ مختارؓ کی سفارش تو محمدؓ حنفیہ کے ان سے تعلق کا ثبوت تھی۔ اس ثبوت کے بعد کیوں رہا کیا؟

(د) گورنر کے نکالنے پر ابن زبیر نے باز پرس کیوں نہ کی؟ یہ ہے آج مسلمان قوم کا علمی انحطاط جس کی وجہ سے اسلم بھیا بھی مورخ بن جانے کی جرأت کر سکے۔ اگر تاریخ اسی کا نام ہے جو اسلم اور اُن کے ہم خیال لوگوں نے لکھی ہے تو ایسی تاریخ سے ناول زیادہ مستند ہوتے ہیں۔

(8) امیر مختار رضی اللہ عنہ کی فوج کشی

امیر مختارؓ نے اموی حکومت کو چاروں طرف سے گھیرنے کیلئے چہار جانب اپنے سپہ سالاروں کو روانہ کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ بن الحارث جناب مالک اشتر کے بھائی کو پرچم دے کر آرمینیہ بھیجا۔ محمد بن عمر بن عطارد کو آذربیجان روانہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن سعید بن قیس کو موصل اور اسحٰق بن مسعود کو مدائن۔ قدامہ بن ابی عیسیٰ بن ربیعۃ النصری بنی کے حلیف کو بھقبا ذالاعلیٰ، محمد بن کعب بن قرطبہ کو بھقبا ذالاوسط، اور حبیب بن منقد الثوری کو بھقبا ذالاسفل اور سعد بن حذیفہ بن یمان کو حلوان کے علاقوں کی فتح اور کنٹرول کیلئے روانہ کیا۔ یہ افواج جس طرف گئیں فتح و ظفر نے اُنکے قدم چومے اندرون ملک ہر اُس شہر کو فتح کیا۔ جہاں جہاں قاتلانِ حسین علیہ السلام کے موجود ہونے کا علم ہوا۔ ڈھونڈھ کر اُن ملاعین کو قتل کیا اور اُن کے سوا کہیں نہ غارتگری کی نہ کسی علاقہ کو لوٹا۔ چاروں طرف امن وامان پھیلا دیا۔ قاتلانِ شہدائے کربلا میں بہت سے ایسے افراد تھے۔ جن سے مکہ اور مدینہ کے بہت سے افراد وابستہ تھے۔ جنہیں اس انتقام سے بڑی تکلیف ہوئی۔ اُدھر عبداللہ ابن زبیر کو خطرہ لاحق ہوا کہ میری خلافت چاروں طرف سے گھرتی چلی آرہی ہے۔ مختارؓ نے اُسے اطمینان کیلئے عملی وتحریری اقدامات کئے اور چاہا کہ دونوں مل کر بنی امیہ کی حکومت کا مکمل استیصال کر دیں۔ عبداللہ ابن زبیر کو خطوط لکھے جو تواریخ میں محفوظ ہیں۔ خود اُسکے ماتحت ہو کر نظامِ آلِ محمدؐ کے قیام پر آمادہ کرنا چاہا۔ لیکن اُس کو نہ امام حسین علیہ السلام سے کوئی دلچسپی تھی نہ اُسے اُنکی

مظلومانہ شہادت سے کوئی دکھ ہوا تھا۔ نہ اُسے قاتلانِ اہلبیتؑ سے کوئی پرخاش تھی۔ اُسکے سر پر خلافت کا بھوت سوار تھا۔ وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ بلکہ اُسنے اس تحریک کو ختم کردینے کیلئے جناب محمدؒ بن حنفیہ اور تمام بنی ہاشم کو قید کرکے محاصرہ میں گھیر دیا اور اپنی بیعت کا تقاضہ کیا، اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں قتل کرنے اور حرم کے اندر بھی جلا ڈالنے کا اعلان کیا۔ طبری کی زبان سے ملاحظہ ہو:۔

(9) عبداللہ ابن زبیر کا محمدؒ بن حنفیہ اور تمام بنی ہاشمؑ کو قید کردینا

۔''محمدؒ بن الحنفیہ کی اسیری''۔ ابن الزبیر نے محمدؒ بن الحنفیہ کو اُن کے ہمراہیوں اور اہل خاندان کے ساتھ مع کوفے کے سترہ عمائد کے زمزم میں اس وجہ سے قید کردیا کہ چونکہ تمام امت نے ابن الزبیر کی خلافت پر اجتماع نہیں کیا تھا۔ اس لئے اُن لوگوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ یہ لوگ (بنی ہاشم وغیرہ) بھاگ کر حرم میں پناہ گزین ہوئے ابن الزبیر نے یہ دھمکی دی کہ میں خدا کے سامنے عہد کرتا ہوں۔ کہ اگر تم بیعت نہ کروگے تو میں سب کو قتل کرکے جلادوں گا۔ اس کے لئے اُنہوں نے ایک (مدتِ) مہلت مقرر کردی۔ کہ وہ اِس اثنا میں بیعت کرلیں''۔ (طبری جلد 4 صفحہ 534-533)

(10) امیر مختارؒ کی پیش کش ٹھکرانے اور دشمن کو غلط سمجھنے کا نتیجہ

قارئین یہ سمجھ لیں کہ امیر مختارؒ کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ محمدؒ بن الحنفیہ کے، خلافِ مصلحت احکام کی بھی اطاعت کرتے تھے۔ یہ اطاعت ہی آخر اُن کے قتل اور زوالِ حکومت کا سبب بنی تھی۔ یہ خلافِ مصلحت احکام ہی خود جناب محمدؒ بن الحنفیہ کی قید کے ذمہ دار تھے۔ امیر مختارؒ نے عبداللہ ابن زبیر کا قلع قمع کردیا ہوتا اگر کہیں محمدؒ بن الحنفیہ انہیں اجازت دے دیتے۔ چنانچہ امیر مختارؒ کے ہر انتظام کو ناکام کردینے کی ذمہ داری محمدؒ بن حنفیہ کے سر ہے۔ طبری سے ایک خط سُنیئے جس میں امیر مختارؒ اپنے انتظامی اقدامات کا ذکر فرمارہے ہیں۔ اور دبی زبان سے محمدؒ بن الحنفیہ سے اُن کی شکایت کررہے ہیں۔

۔'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ''۔

۔''میں نے ایک فوج آپ کے پاس اس غرض سے بھیجی تھی۔ کہ وہ آپ کے دشمنوں کو ذلیل کرے۔ آپ کے لئے ملکوں کو فتح کرے۔ جب یہ لوگ آپ کے پاس آنے کے لئے مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو ملحد (ابن زبیر) کی ایک فوج اُن سے ملی اور باوجود عہد امان کے دھوکے سے میری افواج پر اچانک حملہ کرکے اُن کو قتل کردیا۔ اب اگر آپ مناسب خیال کریں۔ تو میں اہل مدینہ کی جانب ایک زبردست فوج بھیجتا ہوں۔ اور آپ اُن کے پاس اپنے سفرا بھیج دیں تاکہ اُن کو معلوم ہوجائے کہ میں آپ کا مطیع ہوں۔ اور یہ فوج میں آپ کے حکم سے بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ اس غرض کے لئے اپنے سفیر روانہ فرمادیں

گے۔تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ ملحد ظالم آل زبیر کے مقابلہ میں آپ کے اور اہلبیتؑ نبیؐ کے حق کو زیادہ سمجھنے والے ہیں۔ اور زیادہ نرمی وخُلق سے پیش آنے والے ہیں‘‘۔(طبری جلد چہارم صفحہ 532-533)

قارئین دیکھ لیں کہ نرمی واخلاق کی پابندی کرنے کی سزامخالف کی طرف سے یہ ملی کہ مخالف فوج نے نہایت اطمینان سے غیر مسلح فوج کو قتل وغارت کردیا۔ایسے معاشرے میں جس جرأت وبیدار مغزی اور بے دریغ احکام کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ محمدؓ بن الحنفیہ کے پاس مفقود ہیں۔ایک فوج تباہ ہوگئی۔اب دوسری افواج ارسال کرنے کی اجازت طلب کی جارہی ہے۔ اب امیر مختارؓ کو جو جواب دیا گیا وہ ملاحظہ ہو طبری کہتا ہے کہ:۔

(11) امیر مختارؓ کی پیش کش کا جواب محمدؓ بن الحنفیہ کی طرف سے

۔’’ابن الحنفیہؓ نے اُسے لکھا تھا۔تمہارے خط کو میں نے پڑھا۔اور مجھے معلوم ہوا کہ تم کس قدر میرے حق کو سمجھتے ہو۔اور میری خوشنودی کیلئے تم کیا کرنا چاہتے ہو۔نیز یہ بات بھی مجھے معلوم ہوئی کہ جب تک میں خدا کی اطاعت کرتا رہوں گا۔تمام امور سیاسی کی باگ میرے ہی ہاتھ میں ہوگی۔اسلئے جہاں تک ہوسکے ہر بات میں جسے تم نے اعلانیہ کہا ہے۔یا حصہ لیا ہے۔(یہاں حصہ لیا ہے غلط ہے ہونا یوں چاہئے کہ جسے تم نے اعلانیہ کیا ہے۔یا خفیہ کیا ہے۔احسن) اللہ کی اطاعت کرو۔تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر میں لڑائی کا ارادہ کروں تو میرے بہت سے مددگار فوراً میری حمایت کیلئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔مگر میں سب سے الگ تھلگ ہوں۔اور چپ بیٹھا ہوں۔اب جو اللہ کرے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔‘‘(طبری جلد 4 صفحہ 533)

معلوم ہوگیا کہ محمدؓ بن الحنفیہ کوئی حفظ ماتقدم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔اب بتایئے کہ مختارؓ کیا کرے،انہیں کیسے بتائے کہ عبداللہ ابن زبیر کی چالیں کیا ہیں۔بہرحال امیر مختارؓ سمجھتے تھے کہ آخرکار یہ قیادت ناکام کرکے رہے گی۔لیکن کرتے کیا۔ابھی اطاعت کے معنی کھل کر واضح نہ ہوئے تھے۔ہر چیز اپنی پہلی صورت میں سامنے آرہی تھی۔محمدؓ بن الحنفیہ کا یہ کہنا کہ اُن کے کچھ اور مددگار بھی ہیں جو ضرورت پڑنے پر فوراً مدد کو آجانے والے ہیں۔اُس وقت غلط ثابت ہوگیا جب ابن زبیر نے اُنہیں مع خاندان اور متعلقین کے قید کردیا۔اور چند روز کے بعد قتل اور جلا کر ڈالنے کی دھمکی سنادی تو کوئی مددگار موجود نہ تھا۔اور وہ خود جانتے تھے کہ مختارؓ کے علاوہ اُن کا اور کوئی حمایت کرنے والا ہے بھی نہیں۔سب سے اہم بات محمدؓ بن الحنفیہ کے خط میں یہ ہے کہ مختارؓ اُن کی اطاعت مطلق کا قائل نہیں ہے۔بلکہ جب تک محمدؓ بن الحنفیہ خدا کی اطاعت کرتے رہیں گے وہ مذہبی ذمہ داری کے ماتحت اطاعت کرے گا۔اور جہاں خدا کی اطاعت کے خلاف محمدؓ بن الحنفیہ سے کوئی قول وفعل سرزد ہوگا۔مختارؓ اُن کی اطاعت سے نکل کر مرکز مطلق ومعصوم مطلق کے ماتحت چلے جائیں گے۔اور یہ بھی نوٹ کرلیا جائے کہ جس خط کو جعلی کہا گیا ہے وہ سچ مچ کا خط تھا جس میں امیر مختارؓ کو اختیارات تفویض کئے گئے تھے۔

(12) محمدؒ بن الحنفیہ قید ومحاصرے کے بعد مختارؒ سے مدد مانگتے ہیں

اگر محمدؒ بن الحنفیہ نے امیر مختارؒ کی افواج کو آنے دیا ہوتا تو عبداللہ ابن زبیر ہرگز محمدؒ بن الحنفیہ کو قید کرنے، ستانے اور پورے خاندان بنی ہاشم کو قتل کرڈالنے کی دھمکی نہ دیتا۔اب مجبور ہوکر آخر امیر مختارؒ سے مدد مانگی جارہی ہے۔اور وہ بھی جب، جبکہ اُن کو دوسرے احباب اپنی عقل اُدھار دے رہے ہیں۔یعنی جناب محمدؒ بن الحنفیہ کو اپنے قابو میں اتنی عقل بھی میسر نہیں کہ وہ سارے خاندان کے تحفظ کیلئے مدد حاصل کرنے کی راہ نکالیں طبری سے سُنئے !:۔

۔''ابن الحنفیہؒ کے ساتھیوں میں سے بعضوں نے اُنہیں یہ مشورہ دیا کہ آپ مختارؒ اور کوفیوں کے پاس قاصد بھیجئے۔ تاکہ وہ ہماری حالت اور ابن زبیر کی دھمکیوں سے اُن کو آگاہ کرے۔ابن الحنفیہؒ نے تین کوفیوں کو مختارؒ کے پاس اس غرض سے روانہ کیا۔جب باب زمزم کے پہرے دار سوگئے تو یہ تینوں کوفے روانہ ہوئے۔اُن کے ہاتھ اُنہوں نے مختارؒ اور اہل کوفہ کے نام ایک خط بھیجا جس میں اپنی اور اپنے رفقاء کی حالت اور ابن زبیر کی اُنہیں قتل کرنے اور جلا ڈالنے کی دھمکی سے اُنہیں آگاہ کیا۔اور درخواست کی کہ وہ اس موقعہ پر انہیں اس طرح بے یارومددگار نہ چھوڑ دیں گے۔جس طرح اُنہوں نے حسینؑ اور اُن کے خاندان کو چھوڑ دیا تھا''۔(جلد 4 صفحہ 534)

خط کا آخری جملہ یا تو غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے ورنہ یہ حماقت کی انتہائی نشانی ہے۔ظاہر ہے کہ اگر واقعی اہل کوفہ نے حسینؑ اور اُن کے خاندان کو بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا تو حسینؑ کے سامنے محمدؒ بن الحنفیہ کی کیا حیثیت ہے؟ اُن کو تو دس دفعہ چھوڑا جاسکتا ہے۔پھر اگر کوفہ میں واقعی وہی لوگ ہیں جنھیں یہ طعنہ دیا جارہا ہے تو ہرگز کوفہ سے کسی کو مدد کیلئے نہ آنا چاہئے۔لہٰذا یہ جملہ یا تو خالص حماقت ہے یا خالص عداوتِ کوفہ ہے۔بہر حال خط پہنچا۔اس کے بعد کیا ہوا؟ پھر طبری سے معلوم کیجئے۔

(13) محمدؒ بن الحنفیہ اور بنی ہاشمؑ کی قید پر مختارؒ کا ردعمل

۔''یہ قاصد مختارؒ کے پاس آئے اور وہ خط اُس کے حوالے کیا۔مختارؒ نے دربار عام کے لئے منادی کردی۔جب سب لوگ جمع ہوگئے۔تو اُنہیں وہ خط پڑھ کر سنایا۔اور کہا کہ یہ تمہارے مہدی کا خط ہے۔جو تمہارے اہلبیتؑ نبیؐ کے قائم مقام ہیں۔ غضب خدا انہیں اس طرح باڑہ میں بند کردیا گیا ہے۔جس طرح بھیڑ بکریاں بند کی جاتی ہیں۔اور اب انتظار کررہے ہیں۔کہ رات دن کے کسی وقت میں انہیں قتل کرکے جلا دیا جائے۔میں ابواسحاق نہیں اگر میں اُن کی پوری مدد نہ کروں اور رسالہ کا ایسا سیلاب اس کے مقابلہ پر نہ بھیج دوں جو ابن الکاہلیہ کو برباد اور تباہ کردے''۔(جلد چہارم صفحہ 534)

امیر مختار رحمۃ اللہ علیہ کا محمدؒ بن الحنفیہ اور بنی ہاشمؑ سے تعلق اور تحفظ کا منصب کھل کر سامنے آگیا۔اِس کے بعد مختارؒ کے

متعلق تمام شکوک وشبہات دور ہو جانا چاہئیں۔ اور یہ بات سمجھ میں آ جانا چاہئے کہ بنی ہاشمؑ کے تحفظ اور اُن کے اقتدار کی بحالی کے لئے محمدؒ بن الحنفیہ کو قیادت سونپی گئی تھی۔ اور جناب امام زین العابدینؑ سیاسیات سے الگ رہتے رہے۔ اسی لئے مختارؒ اور محمدؒ بن الحنفیہ میں اطاعتِ خدا کی شرط پر محمدؒ بن الحنفیہ کی سیاسی اطاعت امیر مختارؒ پر لازم ہوئی تھی۔ اور اس طرح حقیقتاً دونوں پر اطاعتِ امام زین العابدین علیہ السلام واجب تھی۔ اور آگے چل کر اسی شعبہ کا نام کیسانیہ مشہور ہونے والا ہے جو بدستور اثناعشری عقائد کی سیاسی برانچ ہوگی۔ جن کے متعلق آئندہ بھی مخالف محاذ طرح طرح کے اتہامات پھیلاتا رہا۔ اور جو بے بصیرت لوگوں کیلئے افتراق واختلاف کا بہانہ بنتے رہے۔

(14) امیر مختارؒ نے مکہ اور مدینہ میں آلِ محمدؐ کے تحفظ کا اقدام کیا

۔''امیر مختارؒ نے محمدؒ بن الحنفیہ کے خط کا جواب عملاً دیا۔ یعنی اُنہوں نے ابوعبداللہ الجدلی کو ستر بہادر شہہ سواروں کے ساتھ مکہ روانہ کیا۔ ظبیان بن عثمان التمیمی کو چار سو آدمیوں کے ساتھ۔ ابوالمعتمر اور ھانی بن قیس کو سو، سو آدمیوں کے ساتھ۔ عمیر بن طارق اور یونس بن عمران کو چالیس چالیس آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ مختارؒ نے طفیل بن عامر اور محمد بن قیس کے ساتھ ابن الحنفیہؒ کو خط بھیجا کہ میں نے آپ کے لئے فوجیں روانہ کر دی ہیں۔ اب یہ سب سردار ایک دوسرے کے پیچھے روانہ ہوئے۔ ابوعبداللہ ستر سواروں سمیت ذاتِ عرق پہنچ گیا۔ پھر عمیر بن طارق بھی چالیس سواروں کے ساتھ اُس کے پاس پہنچ گیا۔ نیز یونس بن عمران بھی چالیس شہہ سواروں کے ساتھ آ گیا۔ اس طرح اب اُن کی تعداد ایک سو پچاس ہوگئی۔ ابوعبداللہ اس جماعت کو لے کر وہاں سے روانہ ہوا اور اب یہ حرم میں داخل ہوئے۔ اُن کے ہمراہ نوبت ونقارہ بھی تھے۔ اور یہ یالثّارات الحسینؑ (حسین کا انتقام لو) پکار رہے تھے۔ اس طرح (نقارہ ونوبت پر انتقام حسینؑ کا زمزمہ بلند کرتے ہوئے) یہ زمزم پہنچے۔ وہاں ابن زبیر نے ابن الحنفیہؒ وغیرہ کو جلانے کے لئے بہت سی لکڑیاں جمع کر رکھی تھیں۔ اور جو مہلت ابن زبیر نے بنی ھاشم کیلئے مقرر کر رکھی تھی۔ اُس میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے''۔ (جلد 4 صفحہ 534 تا 535)

قارئین کرام ذرا سوچیں کہ اہل مکہ اور اُن کا خودساختہ اور حکومتِ وقت کا باغی خلیفہ خاندانِ رسولؐ کو جلا کر ختم کر دینے کے لئے لکڑیوں کا انبار جمع کر چکا ہے۔ دو دن اور گذر جاتے تو یہ خاندان راکھ کا ڈھیر بنا دیا جاتا۔ بتایئے اسی گھر کی سکھائی ہوئی نمازیں پڑھنے والے لوگوں کا مذہب کیا ہوسکتا ہے؟ اسی گھر کے سربراہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے کیا واقعی محمدؐ کو رسول مانتے تھے؟ اُن کو جلانے کا ارادہ اس لئے کیا گیا ہے کہ حرم میں خون بہانا رسولؐ اللہ نے منع کر دیا تھا۔ لہٰذا اُن لوگوں کے خودساختہ مذہب نے یہ ترکیب سُجھا دی کہ آگ سے جلا دو حرم میں خونریزی کا جُرم بھی عائد نہ ہوگا۔ یہ اسلام کو مسلط کرنے

والا خاندان بھی راہ سے ہٹ جائے گا۔ حقیقی مسلمان مدینہ میں بھی خوں ریزی حرام سمجھتے تھے۔ اِس لئے اِس خاندان کو جلانے کے لئے وہاں بھی لکڑیاں جمع کی جا چکی تھیں۔ بہرحال فوج مکہ پہنچی اور بنی ہاشم کو رہا کرا یا گیا۔

(15) ابن الحنفیہؒ نے پھر عبداللہ ابن زبیر کو رعایت دے دی

۔''عراقیوں نے زمزم پہنچتے ہی پہرہ داروں کو (قتل نہیں کیا بلکہ) بھگا دیا۔ اور زمزم کے گرد لکڑیوں کے کٹھر کو توڑ دیا۔ اور ابن الحنفیہؒ کے پاس پہنچ گئے۔ اور اُن سے کہا کہ آپ ہمیں دشمن خدا ابن زبیر سے لڑنے کی اجازت دیجئے ہم ابھی ابھی اُس کا قلع قمع کر دیتے ہیں۔ ابن الحنفیہؒ نے کہا۔ میں حرم میں لڑنے کی اجازت نہیں دوں گا''۔ (جلد 4 صفحہ 535)

ہمارے قارئین یقیناً غصّے میں ہوں گے۔ یہ حالات غیظ وغضب کو بھڑکانے کے لئے بہت کافی ہیں۔ کوئی ابن الحنفیہؒ سے شرعی زبان میں پوچھے کہ جناب چلو آپ بہت امن پسند ہیں۔ آپ کو آپ کے امامؑ کی اجازت نہیں کہ خواہ مخواہ یا حرم میں خوں ریزی ہو۔ مگر یہ تو شرعاً جائز ہے کہ جس قدر زیادتی وہ کر رہے ہیں تم بھی اُسی قدر زیادتی کر سکتے ہو۔ (شوری 42/41) لہٰذا آپ کیوں ابن زبیر کو معہ اُس کے شر پسند ٹولے کے قید کر کے اُس کی آئندہ فساد انگیزی کو نہیں روکتے؟ اُسے قتل نہ کریں، اذیت نہ پہنچائیں، اپنے مذہب پر مجبور نہ کریں، قطعاً آزاد رکھیں۔ لیکن ایسا انتظام تو کریں کہ کل آپ کے خاندان اور امن پسند حمایتیوں کو مصیبتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ **قارئین یہاں آخری مرتبہ سُن لیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؑ کے مذہب میں عقلی اور وقتی تقاضوں سے مرعوب ہو کر اصول دین میں تغیر وتبدل نہیں کیا جا سکتا۔ عقل کی تمام دُور اندیشیوں کو حکم کے سامنے نظر انداز کر دینا ہی تو دین ہے۔** ہمارے ظرف چھوٹے ہیں۔ ہمیں غصہ آتا ہے۔ ہمیں اُن کے عملدرآمد میں بیوقوفی اور حماقت نظر آتی ہے۔ لیکن فلاحِ اُمت۔ احترام دین اور تقویٰ ملحوظ رکھنا۔ جان کو خطروں میں دیکھ کر بھی راستی وتقویٰ سے نہ ہٹنا۔ یہ ہیں وہ صفات جن کی بنا پر تحریک تشیع کا ہر فرد فخر کرتا ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر بے دریغ ،کل کی فکر کئے بغیر جان نثار کر دیتا ہے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو کسی دباؤ، دھمکی، تشدد، بائیکاٹ، قتل وغارت اور نسلی تباہی کے خوف سے اپنا مذہب نہیں بدلتے۔ اِن کے علاوہ لوگوں کا حال آپ نے پچھلے صفحات میں بھی دیکھا اور اگلے صفحات بھی اُن کے مذہب اور اہل مذہب کی کمزوری، بے یقینی اور بطلان کا ثبوت فراہم کریں گے۔ عبداللہ ابن زبیر کو جس شخص کی ضرورت تھی وہ بھی چند روز میں اُس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ اور اُسے خانہ کعبہ کے دروازے میں قتل کر کے اس فتنہ کو فرو کرنے والا ہے۔ ہائے افسوس! عبداللہ ابن زبیر نے محمد بن الحنفیہؒ کے ایسے رحمدلانہ سلوک کا ذرہ برابر خیال نہ کیا۔ آخر معلوم ہوا کہ عبداللہ ابن زبیر کے مذہب والے تمام حمایتی حتیٰ کہ خود اُس کے دو بیٹے حمزہ اور حبیب اپنے مخالف کے ساتھ جا ملے۔ یہ اُس مذہب اور اُن تصوراتِ حیات کے باطل ہونے کا معمولی سا ثبوت ہے۔

اور تحریک تشیع کے راہنما علیہم السلام تو کہاں ؟ اُن کے ادنیٰ غلام نہ صرف اس وقت بلکہ آج تک کسی خوف وطمع کی بنا پر اپنے مذہب سے جدا نہیں کیے جا سکے۔ دشمن اور مخالف محاذ اس پر انگشت بدنداں رہتا اور مانتا چلا آیا ہے۔ اورنگزیب کے بیٹوں، سرداروں اور عوام کو دیکھو۔ اُدھر جو جتنا بڑا شرع پرست گذرا وہ اتنا ہی دین میں کمزور و ناتوان اور ڈانوں ڈول گذرا ہے۔ جینے دیا اور وقت ملا تو اس کی تیرہ سو سالہ سرگذشت پیش کروں گا۔ ماننا پڑے گا کہ جو راہنما محمدؑ بن الحنفیہ کو اُن ضروری و شرعی اقدامات سے بلند رہنے کی ہدایت دے رہا تھا۔ اُس کی دور بین نظریں مستقبل کو دیکھ رہی تھیں۔ امام حسین علیہ السلام جواباً فرما گئے تھے۔ کہ میں تیری طرح کعبہ میں قربانی کا دُنبہ بننا نہیں چاہتا۔ اُن کا بیٹا امامؑ ہے وہ جانتے ہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے۔

(16) <u>عبداللہ ابن زبیر کی ناکام کوشش اور خوفزدگی و مجبوری</u>

بنی ہاشمؑ کو زمزم سے رہا کرا لیا گیا تو عبداللہ ابن زبیر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ:۔

۔''ابن زبیر نے اُن عراقیوں سے کہا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ابن الحنفیہؑ اور دوسرے (بنی ہاشمؑ) لوگوں سے بیعت لئے بغیر اُنہیں چھوڑ دوں گا۔ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ ابو عبداللہ الجدلی نے کہا۔ ہاں ہاں تمہیں ایسا کرنا پڑے گا۔ (یعنی اس بکواس خیال کو دماغ سے نکال دو تمہیں اُن کی بیعت سے محروم رہنا پڑے گا) ورنہ بخدا ہم تم سے اس طرح لڑیں گے جس سے باطل پرستوں کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے۔ ابن زبیر نے کہا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ یہ ایک مٹھی بھر جماعت ہے۔ (دیکھا آپ نے اس لئے الگ الگ گروپ میں فوج آ رہی ہے) اگر میں اپنی فوج کو حکم دے دوں تو وہ ابھی ابھی ان سب کے سر اُتار لے۔ قیس بن مالک نے کہا تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اگر تم نے اس کا ارادہ کیا۔ تو قبل اس کے کہ تم ہمارے ساتھ وہ سلوک کر سکو جو تم چاہتے ہو۔ خود تم پر ایک زبردست فوج آ پڑے گی۔ جناب محمد بن الحنفیہؑ نے (عراقی فوج کے جوانوں) اپنے حامیوں کو روکا اور فتنہ وفساد برپا کرنے سے انہیں ڈرایا۔ اس کے بعد ابوالمعتمر سو سواروں کے ہمراہ۔ ہانی بن قیس سو سواروں کے ساتھ اور ظبیانی بن عمارہ دو سو (200) سوراوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ آخر الذکر کے ہمراہ روپیہ بھی تھا۔ اُنہوں نے مسجد میں داخل ہو کر یا ثارات الحسینؑ کا شور برپا کر دیا۔ ابن الزبیر اُنہیں دیکھ کر ڈر گئے''۔ (جلد 4 صفحہ 535 تا صفحہ 536)

لیجئے! عبداللہ صاحب کی ٹیں ٹیں فش ہوگئی۔ حالانکہ ابھی افواج کا پروگرام کے مطابق تانتا بندھا ہوا ہے۔ جب تک مرکزی ممانعت کا حکم یا فیصلہ نہ ہوگا۔ روزانہ افواج کی روانگی اور آمد بند نہ ہوگی۔ بتایئے اگر امیر مختارؒ آزادانہ اقدام کرتے تو ابن زبیر کی کیا حیثیت رہ جاتی؟ جو صرف 550 سواروں سے خوفزدہ ہو کر رہ گئے۔ مگر ہائے افسوس! اس امن پسندی اور فرض شناسی کے بعد بھی شیعوں پر اتہامات لگائے جاتے ہیں۔

(17) آخر محمدؒ بن الحنفیہ اور بنی ہاشمؑ کو محفوظ کر دیا گیا

پھر طبری لکھتا ہے کہ:۔

۔''محمد بن الحنفیہؒ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ (محاصرہ) زمزم سے نکل کر شعب علیؑ آئے۔عراقی ابن الزبیر کو گالیاں دیتے جاتے تھے۔اور اُن سے لڑنے کی اجازت مانگتے تھے۔مگر اُنہوں نے لڑنے کی اجازت نہیں دی۔اس گھاٹی میں محمد بن علی کے پاس چار ہزار آدمی جمع ہوگئے۔انہوں نے وہ روپیہ جو مختار نے بھیجا تھا۔اُنہی لوگوں میں تقسیم کر دیا''۔(طبری جلد 4 صفحہ 536)

بہر حال وہ محفوظ ہوگئے مگر مذہبِ شیعہ کے اس دینی جبر نے مختارؒ کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور عبداللہ ابن زبیر اور اس کے حمایتی چونکہ کسی مذہبی یا اخلاقی پابندی کے قائل نہ تھے۔برابر مختارؒ اور اس کے مقبوضات کو کمزور کرتے چلے گئے۔ حتٰی کہ یہ اقتدار اور یہ انصار معہ مختار رضی اللہ عنہ تحریک تشیع پر بتدریج قربان ہوگئے۔

(18) امیر مختارؒ نے اپنا حصہ مکمل کر دیا

قارئین کو معلوم ہوگا کہ وہ شخص امیر مختارؒ ہی ہے جس نے خاندانِ اہلبیت علیہم السلام کو مسکرانے اور کبھی کبھی خوش نظر آنے کا موقع فراہم کیا۔جس کے ہر اقدام کی خبر جب مدینہ اور مکہ میں خاندان بنی ہاشمؑ کو پہنچتی ،تو ننھے بچوں تک کے ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھ جاتے۔زبان پر مرحبا جزاک اللہ کے الفاظ جاری ہوتے۔مائیں اپنے بچوں کے صدقے میں تحریک تشیع کے پھلنے پھولنے کے لئے دست بدعا ہو جاتیں۔بہنیں اور بیٹیاں اپنے بھائی اور والد کی یاد کا واسطہ دے کر شیعان اہلبیتؑ کے لئے دامن پھیلا کر اللہ سے مرادیں مانگتیں۔بہر حال مصائب نہیں لکھنا ہیں۔ایک خوشی کا موقع پیش کرنا ہے۔مگر ہمارے یہاں یہ بات سُنّت بن کر رہ گئی ہے کہ ہماری خوشی کے دامن میں آنسو ضرور ہوتے ہیں۔ سنئے کہ مختارؒ پر خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں۔ اُن کے متعلق طبری لکھتا ہے کہ:۔

۔''یزید بن شراجیل الانصاری محمد بن الحنفیہؒ کے پاس آیا السلام علیک کے بعد دونوں میں مختارؒ کے خروج اور اُس کی تحریکِ دعوت کے متعلق جو اہل بیتؑ نبیؐ کے خون کا بدلہ لینے کے بارے میں تھی گفتگو ہونے لگی۔محمد بن الحنفیہؒ نے نہایت ہی (رازدارانہ انداز میں) آہستگی سے کہا کہ مختارؒ دعویٰ تو یہ کرتا ہے۔کہ وہ ہمارے شیعوں میں ہے۔حالانکہ قاتلانِ حسینؑ اُس کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اُس سے باتیں کرتے ہیں۔ یزید نے اس بات کو یاد رکھا اور جب وہ کوفے آیا اور مختارؒ سے ملا تو مختار نے اُس سے دریافت کیا کہ تم مہدی سے ملے تھے؟ اُن سے کیا بات چیت ہوئی؟ یزید نے سارا واقعہ سنا دیا۔ یہ سنتے ہی مختارؒ نے عمر بن سعد بن وقاص (سپہ سالار لشکر یزید کربلا میں) اور اُس کے بیٹے کو قتل کر کے اُن کے سر مسافر بن سعید بن تمران الناعطی اور ظبیان بن عمدۃ التمیمی کے ہاتھ محمدؒ بن الحنفیہ کے پاس بھیج دیئے اور یہ خط انہیں لکھا''۔(جلد 4 صفحہ 520)

(19) امیر مختارؓ کا ایک تاریخی خط

". بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ."

یہ خط مہدی محمدؓ بن علیؑ کے نام مختار بن ابی عبید کی جانب سے بھیجا جاتا ہے۔ السلام علیك اَیُّھَا المھدی خدائے واحد کی حمد کے بعد اللہ نے آپ کے دشمنوں سے بدلہ لینے کے لئے مجھ کو مقرر فرمایا۔ اُن میں سے بہت سے قتل ہوئے بہت سے قید ہوئے۔ بہت سے اپنا گھر بار چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اِس احسان پر خدا کا شکر ہے۔ کہ اُس نے آپ کے قاتلوں کو قتل کرایا۔ اور آپ کے حامیوں کی اعانت کی۔ میں عمر بن سعد اور اُس کے بیٹے کے سروں کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ قاتلانِ حسینؑ اور اُن کے اہلبیت کو ستانے والوں میں سے جس پر ہماری دسترس ہوئی ہم نے اُسے قتل کر دیا ہے۔ جو باقی رہ گئے ہیں۔ وہ بھی اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ اور جب تک صفحہ ارض کو میں اُن سے بالکل پاک نہ کر دوں گا۔ اُن کی تلاش سے باز نہ رہوں گا۔ اب اس معاملہ میں اے مہدی جو آپ کی رائے ہو۔ اُس سے مجھے مطلع فرمائیں۔ تا کہ میں اس پر عمل کروں۔
والسلام علیك ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔(صفحہ 52)

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ جناب امیر مختارؓ کے خلاف جہاں اور بہت سی الزام تراشیاں کی گئی ہیں۔ وہاں یہ بھی مشہور کیا گیا ہے کہ وہ قاتلانِ حسین علیہ السلام کے ساتھ رعایت کرتا تھا۔ مگر افسوس کہ تاریخ میں جناب عدیؓ بن حاتم کا تذکرہ بھی تو ہے۔ کہ برابر قاتلانِ حسینؑ کی طرفداری میں سفارش کرنے اور مختارؓ پر دباؤ ڈالنے میں کوشاں ہوئے ہیں۔ (طبری جلد 4 صفحہ 521) بہر طور مختارؓ نے کسی قاتل کی کوئی رعایت نہیں کی۔ یہ تمام چالیں شیعہ اجتماعیت کو توڑنے کے لئے ضروری تھیں۔ حکومت مخالف کے پاس رہتی رہی۔ قلم اور زبانیں خریدی جاتی رہیں۔ احادیث و روایات گھڑوائی جاتی رہیں۔ اور سر توڑ کوشش کی گئی کہ شیعوں میں اختلاف و انتشار پھیلایا جائے۔ اور تیسری صدی ہجری کے اختتام تک شیعوں میں مذہبی عقائد کا قطعاً اختلاف نہ تھا۔ محض سیاسی طرز عمل اور مختلف سیاسی تحریکوں کے اقدامات میں اختلاف تھا۔ جسے بعد کے لوگوں نے مخالف محاذ کی رضا جوئی اور اجتہادی ہم رنگی نے مذہبی اختلاف کا رنگ دے دیا۔ اور نہایت کوشش و کدّ و کاوش سے سینکڑوں کتابیں لکھیں اور ہر تحریک کو ایک الگ فرقہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ یہ کام ہماری قوم میں اجتہاد کو داخل کرنے والے علماء نے کیا۔ اُن کے متعلق ہماری کتاب "۔ اسلام اور علمائے اسلام"۔ ملاحظہ ہو۔ اگر یہ مجتہدین شیعہ ایسا نہ کرتے تو انہیں بادشاہوں کے یہاں تقرب نہ ملتا۔ گھر بیٹھے وظائف نہ پاتے۔ محنت و مزدوری کر کے حلال روزی کھانا پڑتی جو نظام اجتہاد میں حرام ہے۔

(20) عبداللہ ابن زبیرؓ اور اُن کے بھائی نے شیعوں کا قتل عام کیا

اگر ہم تفصیل میں جائیں تو مختارؓ کے ساتھ پُرامن شیعوں کے شہدا کی تعداد تیس ہزار کے قریب جا پہنچتی ہے۔لیکن بنظر اختصار ہم اس قدر ضرور دکھانا چاہیں گے۔کہ وہی عبداللہ ابن زبیر اور وہی اُن کا بھائی مصعب ابن زبیر جس کو بار بار محمدؓ بن الحنفیہ نے بچایا اور مختارؓ کو اُن پر فوج کشی سے روکا۔وہی حضرات آخر قاتلانِ حسینؑ کی طرفداری میں مختارؓ سے جارحانہ جنگ کرتے رہے۔اور آخر جب امیر مختارؓ میدانِ جنگ میں شہید ہو گئے اور اُن کی فوج نے امان طلب کی۔تو امان تک کو شیعوں کے لئے منع کر دیا تا کہ سب کو بے دریغ تہہ تیغ کر دیا جائے۔طبری سے سنئے !:۔

۔''جب مختارؓ مارا گیا۔تو قصر کے دوسرے محصورین نے مصعب ابن زبیر سے امان طلب کی۔مصعب نے امان دینے سے انکار کیا۔اور کہا کہ بغیر کسی شرط کے اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔جب اُن لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔تو مصعب نے تقریباً سات سو عرب اور بقیہ جس قدر اہل عجم (ایرانی) تھے سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا''۔(طبری جلد پنجم صفحہ 73)

بعض لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ایرانیوں کو عربی حکومتوں سے کیوں بیر تھا۔اُن کو بتا دو کہ تحریک تشیع میں ایرانیوں کا زیادہ حصہ تھا۔اس لئے اُن کو قتل کے سوا دوسری سزا نہ دی جاتی تھی۔اور ایرانی شیعہ اس تحریک میں جس بے رحمی سے قتل کئے گئے وہ بے رحمی کسی اور کے ساتھ استعمال نہیں ہوئی ہے۔اس زیرنظر قتل عام میں بھی عربوں کو رعایت ملنے پر امید کا اظہار کیا گیا ہے مگر ایرانیوں کے ساتھ کبھی رعایت نہیں کی گئی۔سنئے !:۔

(21) عرب شیعوں کو عرب ہونے کی وجہ سے رعایت مل جاتی۔مگر؟

۔''پہلے مصعب کا یہ ارادہ ہوا کہ عربوں کو چھوڑ دے اور صرف عجمیوں (ایرانیوں) کو قتل کر ڈالے۔مگر اُن کے مصاحبین نے اس طرزِ عمل سے روکا اور کہا کہ اگر آپ عربوں کو چھوڑ دیں گے۔اور صرف عجمیوں کو قتل کر ڈالیں گے۔حالانکہ مذہب تو سب کا ایک (شیعہ) ہی ہے۔آپ فتح حاصل نہ کر سکیں گے۔خیر پھر مصعب نے یہی کیا کہ عربوں کو سب سے پہلے قتل کر ڈالا......مصعب نے احنف سے مخاطب ہو کر پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔احنف نے کہا کہ زیاد نے مجھ سے اسی قسم کی خواہش کی تھی۔مگر میں نے نہ مانا۔آپ سب (شیعوں) کو بلا لحاظ قتل کر ڈالئے۔چنانچہ مصعب نے حکم دے دیا کہ تمام قیدی قتل کر ڈالے جائیں۔اس حکم کی تعمیل کی گئی اور چھ ہزار (شیعہ) نفوس اس جوشِ انتقام کی نظر ہو گئے''۔(طبری جلد 5 صفحہ 73,74)

(22) چھ ہزار نہیں بلکہ سات ہزار شیعانِ اہلبیتؑ قتل ہوئے تھے

ہم عرض کر چکے ہیں کہ شیعانِ اہلبیتؑ کے قتل عام کی صحیح تعداد اس لئے بیان نہیں کی گئی کہ فریق مخالف کا قلم اور ضمیر شرماتا رہا اور حقائق کو اس طرح لکھا کہ اُن کے خلاف کم سے کم نفرت پھیلے۔چنانچہ مختار رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی تعداد بیس

ہزار سے زیادہ کوفہ میں موجود تھی ۔ جن میں سے صرف چھ ہزار شیعوں کو قتل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے ۔لیکن جناب عبداللہ بن عمرؓ کے بیان سے یہ تعداد سات ہزار ثابت ہے ۔ چنانچہ طبری لکھتا ہے:۔

۔''مصعب ابن زبیر کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوئی ۔مصعب نے اُنہیں سلام کیا اور کہا کہ میں آپ کا بھتیجا ہوں ۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا جی ہاں ۔آپ ہی نے سات ہزار مسلمانوں کو ایک دن میں قتل کیا ہے ۔جب تک جیتے ہو جیو(**مطلب یہ کہ مرنے کے بعد جہنم ہے**) مصعب کہنے لگے کہ وہ سب کے سب کافر اور جادوگر تھے ۔حضرت عبداللہ بن عمر فرمانے لگے کہ اگر اپنے باپ کی میراث میں سے بھی تم نے اس قدر بھیڑ بکریاں ذبح کی ہوتیں تو یہ بھی اسراف میں داخل تھا'' ۔(طبری جلد 5 صفحہ 70)

(23) شیعوں اور کافروں کا قتل مخالف مذہب میں جائز ہے

قارئین نے دیکھ لیا کہ جناب عبداللہ ابن عمرؓ جو اہلسنت کے حنفی مذہب کے شیوخ میں سے تھے ۔شیعان اہلبیتؑ کو مسلمان سمجھتے تھے ۔اور اسی بنا پر ہم حنفی بزرگوں کی انصاف پسندی کا اعلان کرتے رہے ہیں ۔لیکن عرب میں جو مذہب، اسلام کے نام پر نافذ کرنے کی مسلسل کوشش جاری رہی اور جس کو مٹانے کیلئے تحریک تشیع برسر کار رہی ۔اُس مذہب میں ہر وہ شخص واجب القتل تھا جو اُس مذہب کے خلاف رائے رکھتا ہو وہ خواہ کافر ہوں یا شیعہ ہوں ۔ اسی اصول پر مصعب نے یہ کہا کہ وہ سات ہزار مسلمان جن کو اُس نے ایک دن میں قتل کیا تھا وہ مصعب جیسے مسلمان نہ تھے بلکہ کافر تھے ۔مگر جناب عبداللہ بن عمرؓ نے اس عذر کو بھیڑ بکریوں کا طنز قائم کر کے مسترد کر دیا ۔اور شیعوں کے قتل عام کو جانوروں کے قتل عام کی سطح پر بھی خلافِ اسلام قرار دیا ۔

(24) شیعوں کے خلاف تاریخی سطح پر ہمیشہ جھوٹ بولا گیا

آپ نے یہ دیکھ لیا کہ شیعوں کو قتل کرنے کے لئے اُن کو کافر کہہ کر جواز پیدا کیا گیا ہے ۔اب یہ دیکھیں کہ یہی مصعب ابن زبیر، امیر مختارؓ اور اُن کی زوجہ محترمہ کے متعلق اپنے بھائی عبداللہ کو جھوٹا خط لکھتا ہے واقعہ سنئے !:۔

<u>۔''عمرۃ زوجہ مختار ثقفیؓ کا قتل'' ۔</u>مصعب نے ام ثابت بنت سمرۃ بن جندب اور عمرۃ بنت النعمان بن بشیر الانصاری کو اپنے سامنے بلایا ۔ یہ دونوں مختارؓ کی بیویاں تھیں ۔اُن سے پوچھا کہ مختارؓ کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ۔ام ثابت نے جواب دیا جس معاملے میں ہم سے رائے لی جارہی ہے ۔اُس کے متعلق ہمارے لئے سوائے اسکے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ آپکی رائے کی تائید کریں (یعنی ہم مجبور کر دی گئی ہیں) یہ سن کر مصعب نے اُسے رہائی دے دی ۔مگر عمرۃ نے کہا کہ مختارؓ خدا کے نیک بندوں میں سے تھے ۔اللہ تعالیٰ اپنا رحم و کرم اُنکے شامل حال کرے ۔اس جواب پر مصعب نے اُسے جیل خانے میں بھیج دیا'' ۔
(طبری جلد 5 صفحہ 69)

قارئین اس مظلوم اور مجبور شوہر کے قتل کی غمدیدہ عورت کا جواب نوٹ کریں اور وہ جھوٹ ملاحظہ کریں جو مصعب

ابن زبیر اپنے بھائی اور اپنے خلیفہ عبداللہ ابن زبیر کو دھوکا دینے اور اس مجبور شیعہ عورت کو قتل کرنے کے لئے لکھتا ہے۔ اور خلیفہ صاحب نے بلا تکلف عورت کے قتل کا حکم دیا۔

(25) شیعہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کا قتل جائز کیا گیا

طبری لکھتا ہے کہ عمرۃ کو جیل خانہ بھیجنے کے بعد۔''اُن کے معاملہ میں ابن زبیر کو لکھا کہ:۔

۔''یہ عورت اس بات کی مدعی ہے کہ مختار ایک نبی تھے۔'' حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اس کے جواب میں حکم دیا کہ انہیں جیل خانے سے نکال کر قتل کرڈالو چنانچہ رات گئے اُن کو حیرہ اور کوفے کے درمیان لائے اور مسطر نے تلوار کے تین ہاتھ اُن کو رسید کئے۔ عمرۃ نے اپنے قبیلے۔ عزیزوں اور باپ وغیرہ کو مدد کے لئے حسب دستور عرب پکارا۔ ابان بن نعمان بن بشیر نے یہ فریاد سُنی فوراً مسطر کی طرف جھپٹا اور ایک تھپڑ اس کے رسید کیا اور کہا حرامزادے تو نے اُسے قتل کیا ہے۔ اللہ تعالی تیرے دست راست کو قطع کردے گا۔ مسطر نے ابان کو پکڑ لیا اور اُسے مصعب ابن زبیر کے پاس لایا۔ ابان نے کہا کہ میری ماں مسلمان تھی۔ بنی فضل اس پر شاہد ہیں۔ مگر کسی شخص نے اس کے بیان کی تصدیق نہیں کی۔ مصعب نے حکم دیا کہ اس شخص کو چھوڑ دو کیوں کہ اس نے ایسا واقعہ جاں کاہ دیکھا تھا۔ جسے وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا''۔(طبری جلد 5 صفحہ 70-69)

(26) حضرت امیر مختارؓ کے بعد تحریک برابر جاری رہی

امیر مختارؓ اور اُن کے فوجیوں کی شہادت کے بعد ممالکِ اسلامیہ میں بظاہرِ نظر تحریک تشیع فنا ہوگئی۔ لیکن مختارؓ یا کسی اور فرد پر اس تحریک کا دارومدار نہ تھا۔ یہ خدائی تحریک تھی نہ مختارؓ کے ختم ہونے سے ختم ہوسکتی تھی نہ کسی فرد کے شروع کرنے سے شروع ہوسکتی تھی۔ اس کو اللہ نے شروع کیا وہی اسے جاری رکھتا اور کامیاب کرتا چلا آیا ہے۔ ذرا سوچیں اور بتائیں کہ کوئی ایسی حکومت گذری ہے جس نے تحریک تشیع کو دبانے مٹانے اور تباہ کرنے کے لئے کسی قسم کی کمی کی ہو۔ کوئی ایسا ظلم باقی رہا؟ کوئی تشدد اور مصیبت ایسی تصور میں آتی ہے جو ملت شیعہ پر انفرادی یا اجتماعی طور پر نہ ڈھائی گئی ہو؟ یہ تو ہوا ہے کہ اگر کسی حکومت کی طرف سے ذرا سی رعایت ہوئی تو فوراً کارپردازانِ حکومت خود حاکم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُسے تلوار سے زہر سے جبر وتشدد سے مجبور کیا کہ وہ اس رعایت کو واپس لے اور کوئی بڑا ظلم کرکے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کا ثبوت دے۔ جن بادشاہوں کو شیعوں کا طرفدار کہا جاتا ہے۔ اُن ہی کے ہاتھوں مجتہدین اور شرع پسند علماء نے شیعوں پر ظلم کرائے۔ بہر حال تیرہ سوسالہ جبر وظلم وستم واستبداد و دروغ بافی وتہمت تراشی وفوج کشی وقتل عام سے بھی اس تحریک کو نہ روکا جاسکا تو مان لو کہ یہ تحریک خدا نے شروع کی ہے۔ اور اس کی حد یہ مقرر کی ہے کہ جب تک ناپاک مومنین میں سے پاک مومنین الگ نہ کرلئے جائیں گے اُس وقت تک یہ تحریک جاری رہے گی۔(3/179)

چنانچہ یہ تحریک ختم ہونے والی نہیں ہے۔قبل اس کے کہ ایک داعی کا وقتِ آخر آئے دوسری دعوت کا انتظام ہوتا چلا جاتا رہے گا۔اس تحریک کی ہرلحہ ربوبیت کا ہی تقاضہ تھا کہ اس دَور میں ایک ایسا راہنما موجود رہے کہ فنا اور فنا کرنے والے سامان کی دسترس سے باہر ہو جو ابلیس اور اُس کے نظام کو اس طرح نظر میں رکھے کہ تمام تخریبی عناصر اس کے سامنے متحضر ہوں۔نہ ابلیس اس کی نظر سے اوجھل رہ سکے نہ ملائکہ اُس کی نگاہ سے غائب ہوسکیں۔نہ کوئی انسان نہ انسانوں اور جنات کے اعمال اُس سے پوشیدہ رہ سکیں اور نہ داعیانِ تحریک ہدایات وتائیدات سے محروم رہ سکیں۔وہی راہنما ہر صوفی کا مقصود نظر ہے وہی ذات ہر مومن کا ملجا و ماویٰ ہے۔وہی اس خدائی تحریک کا نگران اور محافظ ہے۔اس تحریک کا دوسرا کنارہ اُسی کے ظہور سے بندھا ہوا ہے۔ایسی تحریک کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے جس کے لئے اللہ نے فرمایا ہو کہ ''اللہ کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ تمہیں اس مخلوط و ناپاک و ناپسندیدہ حالت میں چھوڑ دے اور پاک مومنین کو ناپاک و نام نہاد مومنین میں سے جدا نہ کردے۔'' (3/179) چنانچہ ابھی ابھی آپ نے دونوں قسم کے مومنین کو دیکھا تھا۔ایک وہ جو قتل کئے جارہے تھے دوسرے وہ جو قتل کرنے میں ذرہ برابر تکلف نہ کرتے تھے۔بلکہ جھوٹ، دغا اور فریب کو بھی اُن کے قتل کرنے میں جائز سمجھتے تھے۔ایک وہ مومنین تھے جن کے مومن ہونے پر جناب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ گواہ تھے۔اور ایک وہ مومنین جن کو یہی بزرگوار مومنین کا قاتل قرار دے کر اُن کی عاقبت پر فتویٰ دیتے ہیں۔تحریک تشیع نے مومنین کی دونوں اقسام کو الگ الگ تو مدت ہوئی کرلیا تھا۔لیکن اللہ نے اُس آیت میں صرف الگ الگ کرادینا ہی نہیں فرمایا ہے۔بلکہ تحریک تشیع کا جو آخری کام ہے وہ یہ ہے کہ (وَاِنۡ تُؤۡمِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَلَكُمۡ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ٥ (3/179) مخالف محاذ ایمان لے آئے تقویٰ اختیار کرلے اور اجر عظیم کا حقدار بنادیا جائے۔لہٰذا یہ مخالفت ختم ہوگی۔عظیم اتحاد قائم ہوگا۔اُمتِ مُسلِمہ اپنے عروج کمال پر پہنچے گی۔تحریک مکمل ہوجائے گی۔حق قائم ہوجائے گا باطل فنا ہوجائے گا۔

(27) 67 ہجری کے دوران تحریک تشیع کا طوفان انگیز سکوت

امیر مختارؓ کے شہید ہوجانے کے بعد تحریک تشیع کا منارۂ نور پھیل کر چراغوں کی صورت اختیار کرگیا۔یہ چراغ اِدھر گھر گھر پہنچے اور اُدھر تاریک دلوں میں روشن ہوگئے۔روشنی کی چکا چوندھ نے ٹھنڈی اور دھیمی قابل برداشت صورت اختیار کرلی۔مختارؓ کے خون کا ہر قطرہ ایک حساس دماغ اور ایک تڑپتا ہوا دل بن کے اُبھرا۔مدِّ مقابل حکومتوں کے وہ مسلسل اور پے در پے مظالم جو حرب وضرب کے دوران یا اَمن وخانہ نشینی کے زمانہ میں اس تحریک کے راہنماؤں پر کئے جارہے تھے۔اور جو صلح پسندانہ رویہ علی و اولادِ علی علیہم السلام کی طرف سے پیش کیا جارہا تھا۔اُس کو جوشیلے قلوب برداشت نہ کرسکے اور آپے سے باہر ہوگئے۔وہ شرع کی ظاہری صورت اور دشمن کی کمینہ حربوں کو سامنے رکھتے تو اُن کی سمجھ میں اُس رویہ کی وجہ نہ آتی جو علیؑ

واوالا دعلیؑ نے مستقلاً اختیار کر رکھا تھا۔ وہ دیکھتے تھے کہ معاویہ بن سفیان کی افواج جب حملہ کرتی ہیں۔ تو لوٹ مار قتل وغارت عصمت دری جائز سمجھتی ہیں۔ اور علیؑ اُنہیں نہ لوٹنے کی اجازت دیتے ہیں نہ اُن پر کفر کا کھلا فتویٰ لگاتے ہیں۔ حالانکہ مخالف کے تمام اعمال وافکار کافرانہ ہیں۔ اور تحکیم کا واقعہ تو اُن کے لئے قطعاً نا قابل فہم ہو گیا۔ علیؑ کی فوج نے دشمن کی کمر توڑ دی ہے۔ مخالف چاروں طرف جان بچانے کے لئے بھاگ رہے ہیں۔ امیر معاویہ اپنے چند مدبرین کے نرغہ میں محصور ہیں۔ اچانک نیزوں پر قرآن بلند ہوتے ہیں۔ قرآن کی دُھائی کا شور گونجتا ہے۔ ہر شخص اس کاروائی کو فریب سمجھ رہا ہے۔ علیؑ پر تقاضہ ہو رہا ہے کہ جنگ جاری رکھیں دشمن کے فریب میں نہ آئیں۔ مگر دینی مصلحت نے ایک نہ سُنی۔ آخر وہ طبقہ جوشِ غضب میں حدود فراموش ہو گیا۔ جنہیں وہ اپنی تحقیق و تجربہ سے کافر سمجھتے تھے۔ اُسے کافر سمجھنے کے انتقامی جذبہ میں کافر قرار دے دیا۔ اور ایسا سخت اور کبھی نہ بدلنے والا فیصلہ کیا کہ جس پر دُنیا عش عش کرتی رہی۔ اُنہوں نے علی الاعلان مخالف محاذ اور حکومت پر کفر کا ابدی حکم لگایا۔ اور اُس حکم کے مخالف کو بھی کافر قرار دیا۔ یعنی علیؑ بھی اگر اُنہیں دل سے کافر نہیں سمجھتے تو وہ (معاذ اللہ) حضرت علیؑ کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔ وہ مخالف محاذ کو مٹا دینے میں ذرہ برابر ڈھیل کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے چاہا کہ علیؑ کسی طرح مان جائیں۔ میں ہوتا تو مان جاتا۔ مگر علیؑ علیؑ تھے۔ اُن کا ہر قول وفعل دلیل راہ اور آیت منزل من اللہ تھا۔ اُن کی مصلحتیں نا قابلِ فہم اور عقول انسانی کو ورطہ تحیر میں ڈال دینے والی تھیں۔ اُس طبقہ نے لشکرِ علیؑ سے خارج ہو جانے کا فیصلہ کیا اور خارجی کا اَمِٹ لقب حاصل کر لیا۔ اپنے عزم وارادے کو بلند ترین سطح پر ثابت کرنے کے لئے مخالف حکومت کے خلاف جارحانہ اقدامات کا پروگرام بنانے کے لئے جمع ہوئے۔ علیؑ کے لئے لازم تھا کہ دشمن سے صلح کے زمانہ میں جنگ نہ ہو۔ اس طبقہ کو منع کیا۔ اور آخر اُن سے جنگ ہوئی۔ چند افراد کے سوا کوئی نہ بچا۔ مگر جو باقی بچے اُن سے جنگ کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور کہہ دیا کہ میرے طرف داروں اور فرماں برداروں کو خارجیوں سے جنگ ومخالفت منع ہے۔ یہی بات اسلم صاحب سے سنئے !:۔

(28) خارجی محاذ سے حرب و ضرب ہمیشہ کے لئے منع ہے

۔''خود حضرت علیؑ نے اپنے آخری ایام میں وصیت فرمائی کہ **لاتقاتلوا الخوارج بعدی . فليس من طَلَبَ الحقَّ فاخطاه كَمَنْ طلب الباطل فادركه** ۔''یعنی میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کرنا کیوں کہ جو حق کا طالب ہو اور اس کو حاصل نہ کر سکے اُس سے بہتر ہے جو باطل کا طلب گار ہو اور اُسے حاصل کر لے''۔

پھر اسلم صاحب کہتے ہیں کہ:۔

۔''اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت علی خوارج کو حق کا طالب سمجھتے تھے اور شامیوں کو باطل پرست''۔ (تاریخ امت جلد 8 صفحہ 127)

ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تحریک تشیع کا ایک بہت ضدی وسرکش بچہ خارجی محاذ کی صورت میں اُٹھا۔اور روزِ اوّل سے مخالف حکومتوں سے نبرد آزمارہا۔اور شیعوں کے صاحبانِ سیف سے کہیں زیادہ اُن حکومتوں کے تباہ کرنے میں کوشاں رہا۔تاریخ میں اُنکی بے جگری، شجاعت، حق گوئی اور بے باکی مسلمات میں سے ہے۔اس تحریک نے امیر مختارؓ کی شہادت کے بعد جوزور پکڑا اُس نے حکومت مخالف کو ہمیشہ لرزہ براندام اور بے چین رکھا۔اُن میں سے ہر ایک نے مخالف حکومت اور اُسکے ہم مذہبوں کو کافر سمجھا اور کافر سمجھ کر اُنکے ساتھ وہ سب کچھ کیا جو کچھ جوشیلے شیعوں کا دل چاہتا تھا۔مگر آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے حکم سے مجبور ہوکر نہ کرسکتے تھے۔اُنہوں نے اُنکے روزہ نماز حج اور زکوٰۃ ودیگر عبادات کو وہی مقام دیا جو درحقیقت تھا۔اور لطف یہ ہے کہ مخالف علماء نے شیعوں کے مقابلہ میں اُن کافر سمجھنے والے خارجیوں کو پھر بھی شیعوں سے بہتر سمجھا۔چنانچہ اُنکی کتابوں میں خارجیوں سے روایات قبول کی جاتی تھیں مگر شیعوں پر اعتماد نہ کیا جاتا تھا۔آخری بات یہ کہ خارجیوں نے بھی کبھی ظلم وتشدد سے دب کر اپنا مذہب تبدیل نہ کیا۔اور پورے تین سوسال تک ہر میدان میں اپنے مخالف حکمرانوں کے مذہب کو باطل ثابت کیا۔تیس چالیس آدمیوں نے ہزارہا کو شکست دی۔اُنکے خوف سے مخالف فوجیں لرزتی رہتی تھیں اور موقعہ ملتے ہی بھاگ کھڑی ہوتی تھیں۔

(29) <u>خوارج کے عقائد حکومت مخالف کے متعلق</u>

اسلم صاحب سے وہ عقائد سنئے جو مخالف حکومت سے متعلق ہیں لکھتے ہیں:۔

۔''اُن کے نظریے کی توضیح یہ ہے کہ حضرت علیؑ خلیفہ برحق تھے۔اُن کی بیعت واجب تھی۔جن لوگوں نے اس سے انکار کیا اور مقابلہ کے لئے آئے وہ اللہ ورسولؐ سے باغی ہیں۔جن کے لئے قرآن میں قتل کا حکم ہے(غلط کہا گیا ہے۔احسن) اس لئے معاویہ کی جماعت ازرُوئے قرآن واجب القتل ہے۔لہٰذا اللہ کا حکم موجود ہوتے ہوئے اُن کی جماعت کے ساتھ مصالحت کرنے اور اُن کے معاملے میں اشخاص کو ثالث بنانے کے کیا معنی؟ اور چونکہ حضرت علیؑ اس جرم کے مرتکب ہوئے کہ انہوں نے قرآنی حکم میں اشخاص کو ثالث بنایا۔اسلئے اُن کی خلافت ناجائز ہے''۔(تاریخ امت جلد 8 صفحہ 115 تا 116)

خوارج کے متعلق یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ خوارج نے حضرت علیؑ کے خلاف خروج یا جنگ کرنے والوں کو کافر سمجھا تھا۔اور وہ اُسی عقیدے کے ماتحت جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی طرفداری کررہے تھے۔اور حضرت علیؑ سے مخالفت بھی اسی لئے کی کہ وہ کافروں کے ساتھ رعایات کررہے ہیں۔لہٰذا اصولاً یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر واقعی حضرت علیؑ کے مخالفین کافر تھے تو خارجی بھی مخالفت اور جنگ کرکے کافر ہوگئے۔معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی مخالفت میں جو حکم خارجیوں پر لگایا جائے گا۔بالکل وہی حکم اور اُنہی وجوہات کی بنا پر تمام اُن لوگوں، گروہوں اور جماعتوں پر صادق آئے گا جو حضرت علیؑ کی مخالفت کرتی رہی تھیں۔لہٰذا خارجی اپنے اس عقیدے میں طالب حق تھے کہ علیؑ کے مخالف کافر ہیں اور اُن کا قتل واجب ہے۔

لیکن اسی حق طلبی والے عقیدے کے خلاف علیؑ کی مخالفت کرکے حق طلب کرنے میں ناکام اور خود کافر ہو گئے۔جس کی سزا دنیا میں بھی ملی اور آخرت میں بھی ملے گی۔لیکن حضرت علیؑ کے علاوہ مخالف حکومتوں سے اُن کا برسرِ جنگ رہنا برابر حق طلبی رہے گا۔ اس لئے اپنے بعد کے لئے حضرت علیؑ نے اُن پر سے اپنا فتویٰ ہٹا لیا اور اُن سے جنگ کرنا منع کر دیا تاکہ وہ اطمینان سے علیؑ کے بعد آنے والی ہر حکومت سے مخالفت اور جنگ جاری رکھیں اور اگر ہو سکے تو حق کو پالیں۔جنگِ نہروان میں صرف نو یا دس خارجی حضرت علیؑ کے ہاتھ سے بچے تھے۔جنہوں نے اپنے اس مسلک کو کہ علیؑ کے مقابل قائم ہونے والی حکومتیں کافر و واجب القتل ہیں جس کامیابی سے پھیلایا اور جس جوانمردی سے دوسو ساٹھ سال تک مقابلہ کیا وہ اپنا جواب اور نظیر نہیں رکھتا۔تین سو سال کی تاریخ کا ہر ورق خارجی حملوں سے لرزاں ملتا ہے۔

(30) خوارج اور حکومت الٰہیّہ،خوارج کا مدعا و مقصود تھی

خوارج کے متعلق ہر وہ بات غلط ہے جو اُن کے پیدا ہونے سے بھی پہلے کی ہو اور اُن پر چپکائی جائے۔یہ تصور یا فرقہ محض حضرت علیؑ کے زمانے میں پیدا ہوا۔اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کو خلافتِ الٰہیّہ سمجھ کر اپنا ایک معیار مقرر کیا۔اور اس معیار پر تمام اصول و فروع مقرر کئے۔اور جنگ جمل یا علیؑ کی مخالفت کرنے والوں کو اپنی مخالفت کا نشانہ بنایا اور اس کے بعد بدستور اس مخالفت پر قائم رہے۔جناب اسلم صاحب مانتے ہیں کہ:۔

۔''اس جماعت کی ابتدائی مخالفت مسئلہ خلافت ہی تک محدود تھی۔مگر بعد میں بعض دیگر مسائل کا اضافہ ہوا (ہمیں اضافوں کی فکر نہیں) جن میں جزوی اختلافات کے باعث اس کے بیس فرقے (تمہارے بقول) ہو گئے۔سب سے بڑا فرقہ نافع بن اَزْ رَق کا تھا۔(یہی سچے خارجی تھے) جو اُس کے نام کی نسبت سے ازارقہ مشہور ہوا۔یہ لوگ شرعی اعمال نماز روزہ۔ صدق اور <u>عدل</u> (عدل کو یاد رکھیں) وغیرہ کو بھی ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک کوئی شخص اللہ اور رسولؐ کو دل سے مان کر اور زبان سے اقرار کر لینے پر بھی کافر ہے۔اگر اُن کے احکام پر عمل نہ کرے (چونکہ اس وقت اسی قسم کے مسلمانوں کی کثرت تھی جو مومن تھے مگر عمل مخالف تھا) گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر مطلق سمجھتے تھے (قتل حسینؑ کو مخالفین محض گناہ کبیرہ کہتے ہیں) نیز اپنے سوا تمام مسلمانوں کو جو (علیؑ کی حکومت کے سوا) انسانی حکومت پر راضی ہو گئے تھے کافر قرار دیتے تھے۔(اور) جن کے ساتھ نہ مناکحت جائز تھی۔نہ اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال۔ظالم سلاطین کے مقابلہ میں قوت کا اندازہ کیے بغیر تلوار لے کر اُٹھ جانا فرض سمجھتے تھے۔جو کوئی باوجود قدرت کے ایسا نہ کرے خواہ اُن ہی کی جماعت کا کیوں نہ ہو کافر ہے''۔

اس سے پہلے کہا تھا کہ:۔

۔''اصحاب جمل حضرت طلحہ وزبیر کو اس بنا پر کہ خلیفہ برحق حضرت علیؑ سے لڑے۔ نیز ابوموسیٰ اشعری اور عمر بن العاص کو کافر قرار دیتے تھے۔غرض اُن کا سارا اختلاف حکومت الہٰیہ کے محور پر گھومتا تھا۔اور اس نقطہ پر وہ تمام امت سے (شیعوں کی طرح) الگ ہوگئے تھے''۔(صفحہ 128-126 تاریخ اُمت جلد 8)

(30۔الف) خوارج اور دین کی پابندی

علامہ اسلم صاحب خوارج کی مدح وثنایوں کرتے ہیں کہ:۔

۔''خوارج عقائد و فرائض دونو میں متشدد تھے۔اور عبادت میں سخت انہاک رکھتے تھے..................جھوٹ کو اُن کا ہر فرقہ زنا وشراب سے بھی بدتر جانتا تھا۔اور تقیہ کو بجز اُس خاص صورت کے جس میں قرآن نے اُس کو مُباح کیا ہے حرام سمجھتا تھا.............اُن کے نزدیک مخالفوں سے جہاد کرنا نجات کا بہترین ذریعہ۔اور دین کا اہم فریضہ تھا۔جس میں اُن کی عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔وہ غیر قرآنی حکومت کو مٹانا لازم سمجھتے تھے۔اور اس میں جانی و مالی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ دشمن کے مقابلے میں روگردانی ان کے نزدیک کفر تھی (کیا میں بھاگنے والوں کے ساتھ کافر ہو جاتا علیؑ)...........اُن لوگوں کو انسانیت سے گرا ہوا سمجھتے تھے۔جنہوں نے دنیاوی مال وجاہ کے لئے اپنی حریت ضمیر کو نام نہاد خلفاء کے ہاتھ فروخت کررکھا تھا۔اور انسانی (غیر قرآنی) حکومت پر راضی ہوگئے تھے''۔(تاریخ امت جلد 8 صفحہ 130-129)

(31) خوارج کی شجاعت اور اُن سے خطرہ اسلم صاحب کی زبانی

۔''اُن کی ساری تاریخ شجاعت سے مزین ہے اور اُن کے جنگی کارنامے بےنظیر ہیں۔شبیب خارجی ایک ہزار آدمیوں سے کوفہ کی پچاس ہزار فوج کو شکست دے کر کوفہ شہر میں داخل ہوگیا تھا۔ابن زیاد نے ابوبلال خارجی کے مقابلے کے لئے ابن زرعہ کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا تھا۔مقام آسک میں جنگ ہوئی جس میں چالیس خارجیوں نے اُن دو ہزار کو مار بھگایا۔اس پر ایک خارجی شاعر نے کہا:۔

أ الفا منٍ فی ما زعمتم	یعنی تمہارے گمان کے مطابق وہ دو ہزار مومن تھے
ویھزمھم بِآسکٍ اربعونا	جن کو آسک میں چالیس آدمیوں نے شکست دیدی
کذّبتم لیس ذاک کمازعمتم	دراصل تمہارا گمان ہی غلط (جھوٹ) ہے
و لکن الخوارج مومنونا	خوارج ہی مومن ہیں

اس واقعہ کے بعد ابن زرعہ جب کوفے کے بازاروں یا سڑکوں پر نکلتا۔تو بچے اس کا مذاق اڑانے کیلئے آوازے کستے

کہ وہ تمہارے پیچھے ابو بلال آ رہا ہے۔ خوارج کے دلوں میں خلوص تھا۔ اور زبانوں میں صداقت۔ اسی لئے انکی باتیں صاف بے لاگ اور پراثر ہوتی تھیں۔ اور اُنکے فقرے دلوں تک نفوذ کرتے تھے۔ ابن زیاد نے اُن سے (شیعوں کیطرح) قید خانے بھر رکھے تھے۔ اور کسی کو چھوڑتا نہ تھا۔ کہتا تھا کہ اُنکے خطبے آتشیں شعلوں کی مانند ہیں۔ جو نیستان میں آگ لگا دیتے ہیں''۔ (تاریخ امت جلد 8 صفحہ 132-131)

(32) خوارج کے متعلق ہمارے تاثرات

نہایت مختصر صورت میں یہ سمجھ لیں کہ خوارج کے تمام عقائد اور اعمال نہج البلاغہ کی تعلیم معلوم ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں برسر پیکار ہوئے وہ کافر ہیں تو خوارج بھی یقیناً کافر ہیں۔ ورنہ اگر اُنکی مخالفت اور اُن حضرتؑ سے جنگ کے بعد بھی کسی شخص یا جماعت کو کفر سے بری کیا جائے تو یقیناً خارجیوں کو بھی وہ رعایت ملنا چاہئے۔ لہٰذا کسی رعایت کی کسی کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس بنا پر ہم اُن خوارج کو علیؑ کے سامنے تیغ بکف آنے پر کافر تسلیم کرتے ہیں۔ جو علیؑ کے ہاتھوں سے مارے گئے یا اُن کی فوج نے جن کو قتل کیا وہ جہنمی تھے۔ اسکے بعد خارجیوں کے عقائد سو فیصد صحیح ہیں۔

(الف) چنانچہ وہ توحید کے ساتھ عدل کے قائل ہیں جو ہمارے اصول دین کے مطابق ہے اور اہل خلاف کے مسئلہ جبر کو باطل کرتا ہے۔ جس سے انسان اپنے تمام افعال کا ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ اس عقیدے کو اہل خلاف نے ختم کر دیا تھا۔ اور تمام قتل عام اور اپنے دیگر باطل اعمال کو خدا کے ذمہ لگا دیا تھا اور اس طرح پورے دین کی عمارت کو منہدم کر دیا تھا۔

(ب) وہ قرآن کے مطابق حکومت چاہتے تھے اور علیؑ کی حکومت کو قرآن کے مطابق برحق جانتے تھے۔ ہم علیؑ اور آئمہ اہلبیتؑ کی حکومت کو اس لئے خلافت الٰہیّہ نہیں سمجھتے کہ ہم خدا نہ کرے نسلی حکومت کے قائل ہیں۔ بلکہ اللہ و رسولؐ اور قرآن کے انتظام سے یہ حضراتؑ اس طرح تیار کئے گئے تھے۔ کہ اُن کا ہر قول و فعل عین قرآن تھا۔ اور اُن سے بڑھ کر اُمت میں کوئی اور نہ قرآن کا عالم تھا نہ قرآن پر عامل تھا۔

(ج) وہ حضرت علیؑ کی حکومت کے تمام مخالفین کو جن میں حضرات طلحہ و زبیر و معاویہ وغیرہ رضی اللہ عنہم کو کافر سمجھتے تھے۔ اور ہم بھی انہیں باطل پر قرار دیتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ خوارج نے انہیں صاف صاف کافر قرار دے دیا اور شیعوں میں اُن کے باطل کی حد بندی نہیں کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ ہر کافر جہنمی ہے لہٰذا نتیجے سے دونوں متفق ہیں۔

(د) اعلان ایمان کے ساتھ اور دھڑا دھڑ نمازیں پڑھنے والے تمام لوگ فرسٹ کلاس مومن بنے رہے۔ اور یہ طے ہوا کہ ایمان اگر ہے تو جہنم میں مستقل قیام نہ ہوگا۔ اس حیلہ کو توڑنے کے لئے خوارج نے کہا کہ ہر گناہ کبیرہ کرنے والا کافر ہے۔ یعنی

جہنمی ہے۔اس طرح وہ لوگ کٹ گئے جو یزید اینڈ کمپنی کا ایمان واسلام ثابت کرکے اُس سے گناہ کبیرہ کے سرزد ہوجانے اور معافی مل جانے کے قائل تھے۔اس فتوے سے ہزاروں دعویداران ایمان کا فریب کھل جاتا ہے۔اور مومن ومنافق الگ الگ ہوگئے۔

(ہ) ہمارے یہاں تبلیغ کے مصالح کے تحت اُن سے نکاح وغیرہ کا جواز رکھا گیا۔مگر خوارج نے پاک وناپاک کو الگ الگ کرنے کے لئے ذبیحہ اور نکاح بھی ناجائز کردیا۔تاکہ میدان جنگ سے بھاگ جانے والے،قربانیوں سے بھی جی چرانے والے جراثیم اُدھر سے نہ آئیں۔

(و) میدان جنگ سے بھاگنے والے لوگوں کو کافر کہہ کر اُنہوں نے حضرت علیؑ کے فتوے کی تصدیق اور قرآن کی آیات کی تفسیر کردی اور ہمیں بہت دور تک ایمان وکفر میں تمیز ہوگئی۔

(ز) علاوہ ازیں وہ جہاد کے سختی سے پابند تھے۔اور علی علیہ السلام کے بعد قائم ہونے والی ہر حکومت کو جڑ بنیاد میں باطل اور تباہ کرنے میں کوشاں رہے۔

(ح) وہ زاہد وعابد وشجاع وصدق پرور اور ایفائے وعدہ کے اوصاف سے مزین تھے۔

(33) شیعوں سے دشمنی کیوں؟

سوال یہ ہے کہ خوارج حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا اور طلحہ وزبیر ومعاویہ،اور اُن تمام صحابہ کو جو جنگ جمل اور صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف تھے،کافر کہتے اور سمجھتے تھے۔پھر تمام عوام امت کو بھی کافر کہتے تھے۔یہاں تک کہ اُن سے نکاح حرام سمجھتے تھے۔اُنہیں ناپاک اور اُن کے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا حرام جانتے تھے۔اس کے باوجود اُن کو پسندیدہ سمجھا گیا۔لیکن شیعہ جنہوں نے مندرجہ بالا تمام لوگوں کو نہ کافر کہا،نہ اُن سے نکاح بند کیا نہ اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام کیا۔اُن سے اس قدر دشمنی کیوں کی گئی کہ ختم ہی ہونے میں نہیں آتی؟اس کا سبب دراصل وہی ہے کہ شیعہ اُس اوّلین عربی تصوّرِ حیات کو مٹانے پر کمر بستہ رہے ہیں۔جس کو اسلام کے نام پر نافذ کرنا چاہا تھا اور آج تک چاہتے ہیں۔یعنی جب تک نظام طاغوت واجتہاد موجود ہے۔اُس وقت تک تحریک تشیع اس نظام کو مٹانے سے ہرگز باز نہ آئے گی۔رہ گئی خارجی تحریک لہٰذا وہ جوش میں اُٹھی اور آخرتین صدی کے بعد دب کر رہ گئی اور پھر طاغوتی نظام سے صلح کرلی۔اس طرح بہت سی تحریکیں اُٹھیں اور کسی نہ کسی طرح تحریکِ تشیع کی مدد کی اور فنا ہوگئیں یا مذہبی ہنگاموں میں گم ہو کر رہ گئیں۔

(34) عرب میں تحریک تشیع کے اعلانیہ محاذ کا تسلسل اور تاریخ اُمت

تحریک تشیع کا تسلسل قائم کرنے کے لئے ہم علامہ اسلم جیراجپوری کی تاریخ اُمت سے مدد لے رہے ہیں۔علامہ اس قدر متعصب ہیں کہ علماء میں اُن کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔اُن کا ہر جملہ اور ہر لفظ تین دفعہ یہ سوچ کر لکھا ہوا ہے کہ کہیں اُس سے اُن کے مذہب کے خلاف ثبوت نہ مل جائے۔لیکن کیا کیا جائے کہ باطل کو پاؤں چلانے کے لئے ذرا سا حق ملانا ہی پڑتا ہے۔لہٰذا اُن کی تحریر سے حق کو الگ کرنا چاہتے ہیں تاکہ حقائق سامنے آجائیں اور باطل پیچھے ہٹ جائے۔علامہ اپنی مصلحت سے مجبور ہو کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شیعہ مذہب کے اوّلین پیروکار صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔سنئے!:۔

(35) تحریک تشیع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شمولیت

۔''شیعہ کا اختلاف بھی جمہور اُمت سے خلافت ہی کے مسئلہ میں ہے۔اور یہ فرقہ بھی خوارج کی طرح خالص سیاسی ہے۔جس پر بعد میں دینی رنگ چڑھا دیا گیا۔شیعیت کا پہلا تخم صحابہ میں سے وہ جماعت تھی۔جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علیؓ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتی تھی۔مثلاً حضرت عباسؓ ۲۔ابوذر غفاریؓ ۳۔مقداد بن اسودؓ ۴۔عمار بن یاسرؓ اور سلمان فارسیؓ وغیرہ''۔(تاریخ اُمت جلد 8 صفحہ 139)

اِس بیان میں علامہ نے۔''بعد میں دینی رنگ''۔کا بڑا محتاط جملہ لکھا ہے۔ہمیں اس سے اس لئے تعرض کی ضرورت نہیں ہے۔کہ علامہ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ اُنہوں نے اس تحریک کو خواہ سیاسی ہو یا مذہبی صحابہ کرام کے مقتدر اور عابد و زاہد و مسلمہ حضرات کے ناموں سے شروع کیا۔اور وغیرہ کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ صرف یہی پانچ تن صحابہ میں سے شیعہ نہ تھے بلکہ اور بھی بہت سے تھے۔اس سے زیادہ لکھنا علامہ کے مذہب کے خلاف ہو جاتا۔بہرحال ان حضرات کا احسان ہے جس قدر تسلیم کرلیں اُسی کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔اب یہ دیکھیں کہ وہ اپنی دُھن میں غلط رسہ کشی کرتے کرتے یہ لکھ جاتے ہیں کہ:۔

(36) تحریک تشیع کی مساعی سے خلافت مرتضویؓ قائم ہوگئی

۔''حضرت عثمانؓ خلیفہ ہو جانے کے بعد اپنے خاندان بنی امیہ کے اثر میں آ گئے۔اور بڑی بڑی ولایات کی حکومتیں اُن کو دے دیں۔جس سے حریفوں (تحریک تشیع کے ممبران) کی نگاہوں میں اُن کی خلافت کا انداز اَمَوِی معلوم ہونے لگا۔اس وقت مخفی جمعتیں قائم کی گئیں۔اور عبداللہ بن سبا کی سازش سے، جو صنعا کا یہودی تھا۔عراق سے لے کر مصر تک اُن (عثمان) کے خلاف بغاوت پھیلائی گئی۔اس کا انجام یہ ہوا کہ اُن مقامات کے لوگوں نے مدینہ میں آ کر حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا اور حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی''۔(جلد 8 صفحہ 140)

ہمیں اس بحث سے کوئی تعلق نہیں کہ عبداللہ ابن سبا یہودی تھا یا مسلمان؟ یا کوئی اس نام کا شخص تھا بھی یا اسلم اینڈ کمپنی نے ایک فرضی ہیرو گھڑ لیا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ تیسرے خلیفہ کے قاتل مدینہ کے لوگ نہ تھے۔اور یہ کہ مدینے والوں نے ذرہ برابر خلیفہ کی مدد نہیں کی تھی۔اور یہ کہ تمام ممالک اسلامیہ میں معہ مکہ و مدینہ کے تمام لوگوں نے عبداللہ ابن سبا سے فریب کھایا تھا۔سب کو بے وقوف بنا کر اُس نے تحریک تشیع کو کامیاب کر دیا۔اگر یہ سب کچھ علامہ تسلیم کر لیں تو اُن کے مذہب کی جڑیں ختم ہو جاتی ہیں۔لیکن ہم دکھاتے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا نہیں بلکہ مذکورہ بالا پانچ صحابہ میں سے ایک بلند مرتبہ صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے مندرجہ بالا تحریک اور بغاوت اور معزولی کی مہم چلائی تھی۔چونکہ اس تصورِ حیات میں دُودھ بھی پیارا ہے اور پوت (بیٹا) بھی پیارا ہے۔اس لئے اُس سے جہاں کہیں جھوٹی قسم کھانا ہو تو وہ اُن دونوں میں سے کس کی قسم کھائیں؟ اس لئے ایسی جگہ شیعوں کو آگے کر کے اُن کو جھوٹ کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔لہٰذا اگر یہ لوگ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی پوری سرگذشت لکھ دیں تو خلیفہ سوم رضی اللہ عنہ ہاتھ سے جاتے ہیں۔اور اگر ابوذرؓ کی مذمت کر دیں تو رسولؐ اللہ ناراض ہو جاتے ہیں۔اس لئے شیعہ تحریک میں ایک ہیرو عبداللہ ابن سبا لایا گیا۔مگر ہم اُن علماء کے زمرہ میں نہیں ہیں جو سبائی ھوّے سے ڈر جائیں۔ہم کہتے ہیں کہ جی ہاں اگر واقعی عبداللہ ابن سبا کوئی شخص تھا اور اُس نے خلافت کے شیرازہ کو بکھیرنے کا انتظام کیا تھا تو ہمیں ایک نہیں ایسے لاکھوں عبداللہ چاہئیں۔ہم ایسے کردار پر فخر کرتے ہیں جو جس حکومت کو باطل سمجھے اُسے فنا کر کے رکھ دے اس لئے کہ تحریک تشیع کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔اس کو یہودی پورا کریں تو ہم خوش، ہندو بجالائیں ہمارا خدا خوش اور خود تم اسے تباہ کر دو، تو ہمارے رسولؐ خوش۔اور یہ کچھ بھی نہ ہو تب بھی ہم یہ نئے نئے انداز سے کوشاں اور خوش رہیں گے۔ہم پر مذہبی رنگ میں رنگی ہوئی گیدڑ بھبھکیاں اثر انداز نہیں ہوتیں۔

(37) <u>خلیفہؓ سوم کے خلاف صحابہؓ نے بغاوت کی تھی</u>

عبداللہ ابن سبا بھی تھا یا نہیں مگر مقدس صحابہؓ کے نام خود علامہ نے جھجک کر اور پھیلا کر مختلف مقاصد کے ماتحت لکھے ہیں لہٰذا سنئے !:۔

(الف) <u>ابوذرؓ</u> ۔"امیر معاویہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے پورے شام کے والی ہو گئے تھے۔اور اندرونی طور پر ہر امر میں مختار تھے۔اور بیت المال پر شاہانہ تصرف رکھتے تھے۔ چنانچہ اس معاملہ میں حضرت ابوذرؓ نے اُنسے جھگڑا بھی کیا تھا"۔ (جلد 8 صفحہ 79)

(ب) <u>حجر بن عدیؓ</u> ۔"کوفہ کے کندلی قبیلہ کے نامور رئیس حجر بن عدیؓ اور اُن کے تیرہ ساتھیوں کو وہاں کے والی زیاد نے

اِس جرم میں پکڑ کر معاویہ کے پاس بھیجا کہ یہ اُنکی برائی کرتے ہیں۔اور بغاوت کیلیئے آمادہ ہیں۔ یہ لوگ جب مرج عذراء میں پہنچے تو وہاں امیر معاویہ کے حکم کے مطابق اُن میں سے آٹھ آدمی قتل کردیئے گئے جن میں سے حجر بھی تھے۔حضرت عائشہؓ نے حجر کی گرفتاری کا حال سن کر عبدالرحمٰن بن حارث کو امیر معاویہ کے پاس سفارش کیلیئے بھیجا تھا۔مگر اُن کے پہنچنے سے پہلے وہ قتل کئے جاچکے تھے۔اُم المومنینؓ کو ہمیشہ اس کا افسوس رہا کیوں کہ حجر بہت بزرگ اور عابد آدمی تھے۔'' (جلد 8 صفحہ 82۔81)

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ جس صحابی کو حضرت عائشہؓ بزرگ سمجھتی ہیں۔اس کے نام پر اسلم صاحب (ؓ) رضی اللہ عنہ نہیں لکھتے۔صرف اس لئے کہ یہ تیرہ آدمی حضرت ابوذرؓ کی طرح حکومت وقت کے باغی تھے۔پھر اسلم صاحب نے یہ جھوٹ بولا کہ معاویہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ملک شام کے حاکم بنے تھے۔یا سارے ملک پر قابض ہوئے تھے۔اس علامہ نے معاویہ کو جناب عمرؓ کے زمانے سے حاکم شام مانا ہے۔(جلد دوم صفحہ 146)

(ج) <u>**تمام صحابہؓ کرام حضرت عمرؓ کے زمانہءِ خلافت میں نظر بند تھے**</u>

اسلم صاحب کی ٹیکنیک یہ ہے کہ وہ صحابہؓ کرام کہنے کے بجائے اعیان قریش۔روساءِ قریش وغیرہ الفاظ سے ذکر کرتے ہیں تاکہ صحابہ کو قید و بند میں رکھنے کا جرم واضح نہ ہوجائے۔مگر علامہ مجبور ہیں کہ اُن کے قلم سے حق بات کسی نہ کسی طرح نکل ہی جاتی ہے سنئے! بڑے فخر سے لکھتے ہیں اور اس عملدرآمد پر جناب عمر رضی اللہ عنہ کے تدبر کی مدح سرائی کرتے ہیں:۔

۔''حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں اعیان قریش (یعنی صحابہؓ) کو مدینہ میں روک رکھا تھا۔اُن کو کہیں دوسری جگہ نہ جانے دیتے تھے۔کبھی اُن میں سے اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آجاتی۔تو ایک مدّتِ معینہ کی اجازت لیکر جاتا (جیسے نمبر 10 والوں کے ساتھ پولیس کا طریقہ ہے) اور پھر واپس آجاتا۔اگر کوئی جنگ میں بھی شریک ہونا چاہتا۔تو اسکو اجازت نہ دیتے اور فرماتے کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جن جہادوں میں تم شریک ہوچکے ہو۔اُن کا ثواب تمہارے لئے کافی ہے''۔(جلد 2 صفحہ 161)

اب معلوم ہوا کہ اعیان قریش وہی صحابہؓ ہیں جو رسولؐ اللہ کے ساتھ جہاد کرچکے ہیں۔اب یہ دیکھئے کہ اُن کو قید میں رکھنا کیوں ضروری تھا مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

. ۔''ہر چند کہ یہ لوگ (اب صحابہؓ لوگ ہوگئے) اسکو اپنے حق میں ایک سختی سمجھتے تھے۔اور حضرت عمر کو تنگ کرتے تھے۔لیکن وہ اُن کو مدینے سے نکلنے نہ دیتے تھے۔اور فرماتے تھے کہ سب سے زیادہ اس امت کے لئے جس بات سے میں ڈرتا ہوں (وہ تمہیں آزاد چھوڑ دینا ہے) وہ یہ ہے کہ تم لوگ جب یہاں سے باہر نکلو گے اور شہروں میں متفرق ہوجاؤ گے۔

تو تمہاری رایوں میں اتفاق نہ رہے گا۔(یعنی اب دُرّہ کے زور سے تم چپ ہو)اور پھر تمہارے اختلاف سے ساری امت میں تفرقہ پڑ جائیگا۔حضرت عثمان نے اپنے عہد میں اس رکاوٹ (قید) کو اٹھادیا اور روٴسائے قریش (یعنی صحابہ آزاد ہوکر) جابجا دیار وامصار میں پھیل گئے۔قریش کی حکومت کی وجہ سے یہ لوگ (صحابہؓ) بمنزلہ شاہی خاندان کے ارکان سمجھے جاتے تھے(یعنی اُن کے ماتھوں پر لکھا ہوا تھا)اس وجہ سے جہاں جہاں گئے۔اُن کی عزت اور حرمت ہوئی۔اور ایک سال کا زمانہ بھی نہ گذرنے پایا کہ مختلف شہروں میں اُن کی بڑی بڑی ملکیتیں اور جائیدادیں ہوگئیں (کیا یہ ناجائز تھیں) لوگ اُن کے پاس جمع ہونے لگے اور چونکہ استحقاق خلافت کے (خود ساختہ) شرائط اُن میں مجتمع تھے۔اس لئے اُن کے مصاحبین توقع رکھنے لگے کہ ممکن ہے۔ایک دن یہ خلیفہ ہوجائیں۔یہ تمنائیں دلوں سے زبانوں تک آنے لگیں اور ان کی وجہ سے خیالات وآراء میں اختلاف پیدا ہونا شروع ہوگیا..........اعیان قریش کے متفرق ہوجانے سے اُن کا وہ اتحاد جو (قیدوبند میں) پہلے تھا۔باقی نہ رہ سکا۔علاوہ بریں خلیفہ کی نرم مزاجی کی وجہ سے شورش انگیز لوگوں نے غوغائے عام شروع کیا۔(جلد دوم صفحہ 162-161)

قارئین نے اگر یہ چند سطور غور سے پڑھی ہیں تو اُن کو اس امر میں ذرہ برابر شک نہیں رہ سکتا کہ صحابہؓ کے آزاد ہوتے ہی وہ کام ہوگیا جس کو حضرت عمرؓ نے قیدوبند سے نہ ہونے دیا تھا۔بتایئے جو حکومتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر بند رکھ کر اور اُن کو اُن کی مرضی کے خلاف مجبور کرکے قائم کی گئی ہوں۔اُن کے لئے کسی عبداللہ ابن سبا کے لانے کی کیا ضرورت ہے۔اُس حکومت کو مسمار کرنے کے لئے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کافی تھے۔جو سولہ سال تک مسلسل اپنی مرضی کے خلاف مدینہ میں نظر بند رکھے گئے۔اسلم صاحب نے یہی بڑی وجہ بتائی ہے جو حکومت حضرت عثمانؓ کی تباہی کا باعث ہوئی۔اور صحابہؓ کو آزاد کردینے کو اُن کی سب سے بڑی غلطی قرار دیا ہے۔ہم نہیں سمجھتے کہ اس مسلک کے لوگ کس منہ سے حریتِ فکر، آزادیٔ رائے اور ضمیر کے تقدس کے نعرے مارتے ہیں؟ کیا اجماع صحابہؓ یہی تھا کہ انہیں سولہ سال تک مدینہ میں قید رکھا جائے۔کیا یہ حکومت ان ہی صحابہؓ نے قائم کی تھی۔جن سے اس قدر خطرہ تھا؟ کیا اِن کی عبادتیں اُن کا زہدوتقویٰ اسی قدر کمزور تھا کہ وہ باہر نکلتے ہی عمارتیں، جائیدادیں اور ملکیتیں قبضے میں کرلیں۔کیا جو تعلیم انہوں نے قرآن اور رسولؐ سے پائی تھی۔وہ اتنی مختلف اور متفرق تھی کہ اگر وہ بولنے کی آزادی پالیں تو اُمت میں افتراق وانتشار پھیل جائے؟ وہ حدیث کہاں ہے جس میں ہر صحابی ستاروں کی مانند راہنما ہے۔جس کی بھی پیروی کی جائے ہدایت ہی ملے گی۔گمراہی کا اندیشہ تک نہ ہوگا۔کیا یہی وہ صحابہؓ ہیں؟ جن کے متعلق یہ حدیث ہے کہ وہ سب عادل ہیں۔یعنی اُن سے کوئی غلط کام ہو ہی نہیں سکتا ہے؟ بہرحال یہ حکومت خود اپنے خلاف محاذ بنانے میں نہایت کامیاب رہی۔اور تمام نظر بند رہنے والے صحابہؓ تحریک تشیع میں شعوری یا لاشعوری طور پر ممدومعاون ثابت ہوئے۔صحابہؓ ہی نے اس تحریک کو اُس کے پاؤں پر کھڑا کیا اور انہوں ہی نے صرف سولہ (16) سال کے اندر اس فلک بوس حکومت کو

زمین بوسی پر مجبور کیا۔ لہٰذا ایک نہیں وہاں ہزاروں عبداللہ تھے۔ اور ہم تم بھی عبداللہ (بندہ خدا) ہیں۔ عبداللہ وہی ہے جو اللہ کے خلاف ہر قوت کو توڑ ڈالے ورنہ وہ عبداللہ نہیں بلکہ عبدالطاغوت ہے جو اللہ کے خلاف کھڑا ہو۔

(د) چیدہ چیدہ صحابہؓ جو حکومت عثمانؓ میں شورش کر رہے تھے

پورا پورا حوالہ نقل کرنے کے بجائے ہم چند صحابہؓ کے نام تاریخ اُمت سے پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے خلیفہ اور خلیفہ کے گورنروں کے خلاف شورش کی تھی۔ تفصیل کے لئے صفحات کے نمبر دیئے جارہے ہیں۔

(1) عبداللہ ابن مسعودؓ نے کوفہ کے گورنر سعد بن ابی وقاص سے اپنا قرضہ واپس مانگا۔ دونو میں ٹھن گئی۔ دونوں کے طرف داروں میں رسہ کشی۔ گورنر معزول ہوا ابن مسعود پر بھی عتاب خلافت ہوا۔ (جلد دوم صفحہ 163)

(2) ولید گورنر کوفہ۔ ولید بن عقبہ کی شراب نوشی اور پھر ابن مسعود سے جھگڑا۔ سخت کلامی۔ رپورٹ ولید پر شراب نوشی کی حد جاری ہونا۔ (صفحہ 164-163 جلد دوم)

(3) کوفہ کے تیسرے گورنر سعید بن عاص کو زمین کے معاملہ میں اور کوفہ کے روسا میں جھگڑا۔ دربار میں داخلہ بند ہوا۔ ان لوگوں کو فتنہ پرداز قرار دے کر دربار خلافت عثمانیؓ میں شکایت ہوئی وہاں سے حکم ملا کہ (حجرؓ بن عدی کے تیرہ ساتھیوں کی طرح) ان سب کو امیر معاویہ کے پاس بھیجو تا کہ وہ اُن کو فٹ کردیں۔ (صفحہ 165 جلد 2)

(4) فتنہ پردازوں کے اسمائے گرامی

(1) مالک بن حارث اشتر نخعی (2) ثابت بن قیس نخعی (3) کمیل بن زیاد نخعی (4) زید بن صوحان عبدی (5) جندب بن زہیر غامدی (6) جندب بن کعب ازدی (7) عروہ بن جعد (8) عمرو بن الحمق الخزاعی۔ (جلد 2 صفحہ 165)

ان سب کو معاویہ فٹ نہ کر سکے تو اُن کو وہاں سے بحکم خلیفہ حمص بھیجا گیا۔ وہاں خالد کے بیٹے عبدالرحمٰن نے ان کو گرم کیا واپس کوفہ آئے تو پھر فتنہ پھیلایا۔ اور۔ ''دن بدن اُن کی طاقت اور جماعت بڑھتی جاتی تھی اور حکومت کا نفوذ واثر کم ہوتا جاتا تھا''۔ (صفحہ 166 جلد 2)

بتایئے عبداللہ ابن سبا کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب مقدس لوگ ہیں۔ عابد وزاہد ہیں۔ متقی و پرہیز گار ہیں۔ اور حکومت وقت کے خلاف سب برسر پیکار ہیں۔

(ہ) حضرت ابوذرؓ عثمانؓ کے خلاف بغاوت پھیلاتے تھے

۔''حضرت ابوذرؓ نے ملک شام میں فقرا کو اغنیا کے خلاف ابھارا اور کہا کہ دولت میں سب لوگ شریک ہیں۔ فقرا نے چاہا کہ ہم اغنیاء کو لوٹ لیں''۔ (جلد دوم صفحہ 172)

حسب عادت علامہ نے اس جملہ میں بھی جھوٹ بولا ہے۔مگر ممکن ہے کہ قارئین یقین نہ کریں اس لئے ہم ایک ایسا جملہ لکھتے ہیں۔جس میں کھل کر معلوم ہو کہ اسلم میاں کس قدر افترا پردازی سے کام لیتے ہیں سنئے!:۔

۔''خلیفہ نے دیکھا کہ اشتراکیت کا مضر خیال ان (ابوذرؓ) کے دل میں بیٹھ گیا ہے۔اس لئے اُن کی سکونت آبادی میں مناسب نہیں ہے''۔(جلد2 صفحہ 172)

بتائیے کمیونزم کے تصورات چونکہ میاں اسلم کو معلوم تھے اس لئے حضرت عثمانؓ کی زبان سے یہ افترا کیا کہ جناب ابوذر غفاریؓ کے دل میں مارکس کے خیالات راسخ ہوگئے تھے۔بہرکیف یہ سچ ہو یا جھوٹ آپ تو یہ دیکھ لیں کہ عبداللہ ابن سبا تو بے چارا بعد میں گھڑا جائے گا۔مگر ابوذرؓ ایسے عظیم الشان صحابہ تھے۔جو اس حکومت کا تختہ الٹ دینے میں کوشاں تھے۔اور حکومت کے ہاتھوں نظر بند، قید وقتل وجلاوطن کئے جا رہے تھے۔

(و) <u>حضرت عثمانؓ کے مختلف مخالف صحابہ رضی اللہ عنہم</u>

۔''(1) مصر میں دو شخص (صحابہؓ) حضرت عثمان کے سخت مخالف تھے ایک محمد بن ابی حذیفہؓ دوسرے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ''۔ (جلد2 صفحہ 170)

(2) عمار یاسر کی مخالفت کی وجہ یہ تھی.................۔(جلد2 صفحہ 170)

(3) مدینہ کے لوگوں (صحابہؓ) کے دلوں میں بھی حضرت عثمانؓ اور اُن کے اُمراء کے خلاف ایک غصہ پیدا ہو گیا تھا۔محفلوں میں اس بات کے تذکرے ہوتے تھے۔بعض لوگ (صحابہؓ) خلیفہ کے ساتھ سخت کلامی سے بھی پیش آتے تھے''۔(جلد2 صفحہ 172)

(4) سعید بن عاص نے عثمانؓ سے کہا کہ میری رائے میں جو لوگ (صحابہؓ) اس کی تہہ میں ہوں انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے۔عبداللہ ابن سعد اور امیر معاویہ نے اس گوشمالی کے لئے تائید کی۔

(5) مشورہ دیا گیا کہ حضرت عمرؓ کی طرح صحابہ کو نظر بند کیا جائے تو کہا کہ:۔

۔''میں نے تمہارے مشورے سن لئے۔لیکن جن امور میں شریعت مجھے کسی کے اوپر سختی کرنے کی ہدایت نہیں کرتی۔اُن میں نرمی سے کام لوں گا۔اور اگر اس میں میری جان بھی چلی جائے۔تو اُس کا جانا اپنے لئے مبارک سمجھوں گا۔لوگوں کے حقوق کو میں کسی طرح ہضم نہیں کر سکتا''.۔(جلد2 صفحہ 174)

معلوم ہوا کہ اگر حضرت عمرؓ لوگوں کی شرعی آزادی سلب نہ کرتے تو وہ بھی مارے جاتے۔حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو قید و بند میں رکھنے سے اس لئے انکار کر دیا کہ اب اُن پر قابو پانا پہلے ادوار کی طرح آسان نہ تھا۔معلوم ہوا کہ صرف گورنروں اور چند فوجی عہدیداروں کے سوا کوئی بھی حضرت عثمانؓ کا طرفدار باقی نہ رہا تھا۔

(6) ۔''یہی حال اُس وقت روسائے (صحابہؓ) مدینہ کا تھا۔اُن میں سے بعض (صحابہؓ) دُوبدُو اور بعض (صحابہؓ) پس پشت حضرت عثمانؓ کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرتے تھے۔جن سے اُن کی تحقیر ہوتی تھی۔عام طور پر اُن کو نعثل کا خطاب دے رکھا تھا۔جو ایک (یہودی) مصری شخص کا نام تھا۔جس کی داڑھی بہت لمبی تھی''۔(جلد 2 صفحہ 184)

(7) رؤسا (صحابہؓ) کی ان حقارت آمیز باتوں کا اثر عوام پر بہت بُرا پڑا (عوام اس وقت صرف صحابہ زادے تھے) اُن کے دلوں سے خلیفہ اور اسی کے ساتھ خود خلافت کی ہیبت وعظمت جاتی رہی۔یہاں تک کہ ایک روز ایک شخص نے (نام کیوں معلوم نہ ہوسکا؟) اُٹھ کر اس عصا کو توڑ کر پھینک دیا جس سے حضرت عثمانؓ خطبہ پڑھا کرتے تھے''۔(جلد 2 صفحہ 184)

(ز) صحابہؓ کرام ہی نے عثمانی خلافت کا تختہ اُلٹا تھا

آخر ہیر پھیر کر کے میاں اسلم نے لکھ ہی دیا کہ:۔

۔''روسائے مدینہ جن میں اعیان صحابہؓ اور اُمرائے لشکر موجود تھے۔اُن کے اوپر تاریخ یہ گرفت کرسکتی ہے۔کہ اُنہوں نے خلیفہ کی حمایت اور مدافعت میں پوری کوشش نہیں کی۔ورنہ یہ شورش انگیز آفاقی کبھی اس طرح خلیفہ کو قتل اور خلافت کو ذلیل نہیں کرسکتے تھے''۔(جلد 2 صفحہ 187-186)

(38) مسلمانوں پر صحابہؓ کی مرضی کے خلاف حکومت ٹھونسنا

پچھلے عنوان کے سترہ (17) اجزا میں مختلف طریقوں سے یہ حقیقت پایہ ثبوت تک پہنچ گئی کہ تحریک تشیُّع نے ایک لمحہ کیلئے اُس حکومت کو قبول نہیں کیا جو تمام مُتدّین اور صاحبانِ علم صحابہؓ کی مرضی ومنشا کے خلاف کسی طرح قائم کر لی گئی تھی۔ہم اگر تاریخ طبری یا کسی بھی دوسری تاریخ سے مندرجہ بالا عنوان لکھتے تو نہایت اشتعال انگیز عملدرآمد سامنے آتا۔لیکن ہم نے اس معاملہ میں جناب مولانا اسلم صاحب کو اس لئے اختیار کیا کہ وہ حقائق اور تاریخی واقعات کی کتر بیونت کرنے میں سابقہ تمام مورخین سے بددیانت ہیں۔اوّل نمبر پر وہ نہایت مختصر لکھ کر جس واقعہ کی چاہتے ہیں جان نکال دیتے ہیں۔دوسرے نمبر پر وہ نہ کسی تاریخ کے بیانات کو واوین میں بجنسہ لکھتے ہیں۔نہ کسی تاریخ یا کتاب کا حوالہ ضروری سمجھتے ہیں۔تیسرے نمبر پر وہ نہ صرف شیعوں کے بلکہ آلِ علیؑ کے بھرپور دشمن ہیں۔لہٰذا اُن کی تاریخ اُمت سے ہمیں دو فائدے پہنچتے ہیں۔اوّل یہ کہ مختصر عبارات سے کام چل جائے گا۔دوسرے یہ کہ جو وہ قبول کرلیں گے اس کا انکار ناممکن ہوجائے گا۔اُنہوں نے ہر بات کو بدل بدل کر، رُخ موڑ موڑ کر، پردہ ڈال ڈال کر، خوبصورت بنا بنا کر لکھا۔لیکن پھر بھی یہ ثابت ہوگیا کہ جناب عثمانؓ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے میں علاوہ چند گورنروں اور عہدیداروں کے تمام صحابہؓ شامل تھے۔اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ تمام صحابہ تحریکِ تشیّع میں شامل یا کم ازکم اُس کے مددگار تھے۔اور یہ ثابت ہوجانا اس کتاب کے مقصد کا پورا ہوجانا ہے۔مگر ایک کمی رہ جاتی ہے کہ حکومت کے خلاف

اس محاذ کا بنیادی مقصد کیا تھا؟ کیا صرف حکومت کی یا اُس کے گورنروں کی بدعنوانی کو روکنا مقصود تھا؟ ہمارا دل چاہتا ہے کہ اُس تہہ درتہہ پوشیدہ مقصد کا پتہ چلے اور قارئین سمجھیں کہ اس حکومت کو کیوں ہٹا دینا ضروری تھا۔؟ اس لئے ہم علامہ اسلم اینڈ کمپنی کے ہیرو یعنی عبداللہ ابن سبا کو سامنے لاتے ہیں اور وہ حقائق دکھاتے ہیں جن کو صحابہؓ کی طرف منسوب نہ کرنے کے لئے یہ ہیرو تراشا گیا ہے۔ آج بھی ایسا برابر ہو رہا ہے کہ اصل راہنما معلوم نہیں وہ پردہ راز میں ہے۔ لیکن ایک فرضی یا صحیح شخص کو بظاہر راہنما کے نام سے مشہور کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ تمام آفات سامنے والے شخص پر نازل ہوں اور صحیح واصلی دماغ کام کرنے کے لئے محفوظ رہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح تحفہ کے مصنف نے ایک فرضی نام سے کتاب کو منسوب کیا۔ اسی طرح علمائے اہل خلاف نے صحابہؓ کے احترام کو محفوظ رکھنے اور تحریک تشیع کو مستند بن جانے سے محروم کرنے کے لئے عبداللہ ابن سبا کو وجود بخشا۔ اور اُس کا نام لے لے کر دراصل مخالف صحابہؓ کو کوسا اور یوں ایک تاریخی فریب دنیا بھر کے سامنے رکھ دیا۔ لہٰذا سُنئے! جو بات ہم نہ کہہ سکتے تھے جو چیز اسلم صاحب کے لئے بیان کرنا موزوں نہ تھا۔ آیئے وہ باتیں عبداللہ ابن سبا کے نام پر سُنیں !:۔

(39) عبداللہ ابن سبا کے کاندھوں پر مخالفت کا جنازہ نکلا

نمبر1۔ ہم علامہ کے بیانات میں سے صرف اس قدر لکھیں گے جس سے تحریک تشیع اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی فراست وحکمت عملی ثابت ہو جائے۔ جسے تفصیل کی ضرورت ہو وہ حوالجات کو خود مطالعہ کرلے۔

(الف) عبداللہ ابن سبا محمدؐ وآل محمدؐ کے نام پر بغاوت کی ابتدا کرتا ہے

۔''عبداللہ ابن سبا صنعا کا ایک یہودی تھا۔ جو اسلام ظاہر کر کے مسلمانوں میں شامل ہو گیا تھا''۔ (جلد 2 صفحہ 167)

کوئی دریافت کرے کہ اس کے علاوہ کون سا طریقہ تھا۔ جس سے لوگ مسلمانوں میں داخل ہوتے تھے۔

(ب) ۔''یہ مصر میں آیا اور اپنی تعلیمات کو مخفی طور پر مسلمانوں میں پھیلانے لگا۔ کبھی محمد مصطفیٰ کے دوبارہ دنیا میں آنے کا عقیدہ پھیلاتا اور کبھی۔'' کہتا کہ اے مسلمانوں کس قدر حیرت ناک امر ہے۔ کہ تمہارے درمیان محمد صلعم کی آل موجود ہے۔ اس کو تم خلیفہ نہیں بناتے''۔ (جلد 2 صفحہ 167)

نمبر2 ۔''الغرض اسی قسم کے خیالات پھیلاتا تھا۔ اور چونکہ اُن میں نبی صلعم اور اُن کی آل کی محبت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے عوام اس کو عقیدتمندی کے ساتھ سنتے تھے''۔ (جلد 2 صفحہ 167)

نمبر3 ۔''عبداللہ بن سبا نے مصر آکر مخفی جماعت بنائی اور اُن میں اپنے وہی خیالات پھیلانے لگا۔ لیکن اُن پر اب کچھ اور اضافہ کیا۔ یعنی یہ کہ دنیا میں ایک ہزار نبی گذرے ہیں (علامہ تعداد بھول گئے) ہر نبی کا ایک وصی بھی ہوا کرتا ہے۔ حضرت علیؑ

نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا تھے۔ اُسی طرح حضرت علی خاتم الاوصیاء ہیں۔جن لوگوں نے اپنے نبی کی وصیت پوری نہیں کی اُن سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے۔حضرت عثمان خلافت کے مستحق نہیں ہیں۔جب کہ وصی رسولؐ موجود ہے۔تو اس کے سوا کسی کو خلیفہ ہونے کا کیا حق ہے؟ تم لوگ اُٹھو اس تحریک کو پھیلاؤ اور اُن ظالم امرا کو جو تمہارے اوپر طرح طرح کے ظلم وستم کرتے ہیں۔نکال دو۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہارا فرض ہے۔وغیرہ وغیرہ۔اس خیال پر جو لوگ پختہ ہوجاتے اُن کو جابجا شہروں میں بھیج دیتا۔تاکہ مخفی طور پر اس کی اشاعت کریں۔چنانچہ مختلف مقامات پر اس کی ہم خیال ایک ایک جماعت تیار ہوگئی۔''(جلد 2 صفحہ 169-168)

نمبر 4۔ عمار بن یاسر کے متعلق عبداللہ بن سعد والی مصر نے عثمانؓ کو لکھا کہ وہ یہاں آکر ایک جماعت میں شامل ہو گئے ہیں۔جن کے سرگروہ عبداللہ بن سبا اور خالد بن ملجم ،سوو ان بن حمران اور کنانہ بن بشر ہیں۔(جلد 2 صفحہ 170)

نمبر 5 ۔''جس وقت وہ (عبداللہ ابن سبا) شام گیا تو وہاں حضرت ابوذر صحابی قیام پذیر تھے۔اُن سے کہا کہ معاویہ کی چال تو دیکھئے کہ وہ بیت المال کے خزانے کو جو مسلمانوں کا ہے اللہ کا مال کہتے ہیں۔اس سے اُن کا مطلب یہ ہے۔کہ اسے مسلمانوں کو نہ دیں۔ بلکہ خود اپنے قبضے میں رکھیں۔(جلد 2 صفحہ 171)

نمبر 6 ''۔عبادہ بن ثابت نے عبداللہ ابن سبا کو پکڑ کر معاویہ کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہی وہ شخص ہے۔جس نے ابوذر کو تم سے لڑا دیا تھا''۔(جلد 2 صفحہ 171)

نمبر 7 ۔''سبائی فرقے کے جو خطوط مدینے پہنچے۔اُن کے اثر سے وہاں کے لوگوں (صحابہ) کے دلوں میں بھی حضرت عثمان اور اُن کے اعزا کے خلاف ایک غصہ پیدا ہو گیا تھا۔(صحابہ کی) محفلوں میں اسی بات کے تذکرے ہوتے تھے۔بعض لوگ خلیفہ کے ساتھ سخت کلامی سے بھی پیش آتے تھے''۔(صفحہ 172 جلد دوم)

نمبر 8 ۔''سبائی جماعت نے یہ طے کیا تھا کہ جب امراء اپنے اپنے (صدر) مقامات کو چھوڑ کر حج کے لئے روانہ ہوں۔تو اس وقت ہم لوگ (عام بغاوت کے لئے) اٹھ کھڑے ہوں۔لیکن اس میں رکاوٹیں پڑ گئیں۔اس کے بعد باہمی خط وکتابت سے یہ طے ہوا کہ خلیفہ سے باز پرس کے لئے تمام مقامات سے ایک ایک وفد مدینے جائے اور مواخذہ کرے۔بعض صحابہ نے ان وفود کو قتل کر ڈالنے کا مشورہ بھی دیا۔''(صفحہ 175-174 جلد دوم)

نمبر 9 ''۔ادھر مصر میں سبائی جماعت نے ان (محمد بن ابوبکرؓ) کو سبز باغ دکھائے جس کی وجہ سے باوجود اس عظیم الشان رتبے کے جو اسلام میں اُن کو حاصل تھا۔اس فتنہ پرداز جماعت کے ساتھ مل گئے''(جلد 2 صفحہ 170)

نمبر 10 ''۔عثمان سے مواخذہ پر وہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور۔'' مدینہ سے واپس آ کر پھر باہم مراسلت شروع کی اور آپس میں یہ طے کیا کہ تینوں مقامات (مصر، کوفہ، بصرہ) سے پھر ایک ایک جماعت مدینہ جائے۔لہٰذا مصر سے ایک ہزار کی جماعت جس کا سردار غافقی بن حریب تھا عبداللہ بن سبا بھی ساتھ تھا۔کوفہ سے بھی اسی قدر (ایک ہزار) کی جماعت چلی جس کا سردار عمرو بن اصم تھا۔بصرہ سے بھی ایک ہزاران کا امیر حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔یہ جماعتیں کئی کئی ٹکڑیوں میں نکلیں۔مدینہ جا کر ایک جگہ ہو گئے۔یہ سب قتل عثمان پر متفق تھے۔مگر اس کے بعد کس کو خلیفہ بنائیں اس میں اختلاف تھا۔بصرہ کے چند لوگ حضرت طلحہ کو اور بعض اہل کوفہ زبیر کو۔لیکن بقیہ لوگ اور خاص کر اہل مصر عبداللہ بن سبا کی تعلیم اور محمد بن ابوبکرؓ کے اثر سے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ربیب (پروردہ) تھے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے''۔(جلد دوم صفحہ 179-178)

نمبر 11۔علامہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس جماعت نے حضرت علیؓ اور طلحہؓ وزبیر کو یکے بعد دیگرے خلیفہ بننے اور قیادت کرنے کی پیش کش کی لیکن۔''حضرت علیؓ نے قطعی انکار کر دیا اور طلحہؓ وزبیرؓ نے بھی اسی قسم کے جواب دیئے''۔(جلد دوم صفحہ 180)

۔''یہ لوگ اپنی فرودگاہ پر واپس آئے اور اس کے بعد متفقہ طور پر یہ ساری جماعت مدینہ کے پاس پہنچ گئی اور چاروں طرف سے تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے۔خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔اور اعلان کرا دیا کہ جو شخص اپنی تلوار کو میان میں رکھ لے گا اس کو امان ہے''۔(جلد دوم صفحہ 180)

حضرت علیؓ کی باز پرس پر لاجواب ہو جانے کے بعد انہوں نے کہا کہ:۔

۔''آپ جو چاہیں خیال کریں ہمیں اس خلیفہ کی ضرورت نہیں ہے اس کا خون بہانا حلال ہے۔آپ بھی اس میں شرکت کیجئے۔ انہوں نے کہا میں اس میں کبھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔انہوں نے کہا کہ پھر آپ نے ہمیں لکھا کیوں تھا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی تم کو نہیں لکھا۔یہ سن کر وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔اس سے معلوم ہوتا ہے۔کہ ان مفسدوں نے حضرت علیؓ کی طرف سے جعلی خطوط بھیج کر لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا دیا تھا''(جلد دوم صفحہ 181)

(40) عبداللہ ابن سبا کی خامیاں۔اور علامہ اسلم

یہ تھا وہ تمام ذخیرہ جو جناب علامہ اسلم نے اپنی تاریخ جلد دوم میں جمع کیا۔اس میں رنگ بھرا اور اپنے خیال میں ایک بہت عمدہ پلاٹ تیار کر کے صحابہؓ کے منصوبے کو عبداللہ ابن سبا کا نام دیدیا۔بہر حال اُس تمام چابکدستی اور فسانہ نگاری کے باوجود اُن سے اور اُن کے پیشرو سبائی فسانہ نگاروں سے جو خامیاں رہ گئی ہیں۔انہیں ہم پورا کئے دیتے ہیں۔

(الف) معصومؑ قیادت کا دامن

معصومؑ قیادت کا دامن تاریخ میں بغاوت اور ہر قسم کی سازش سے پاک رہا ہے۔ اور کسی کی مجال نہ ہوسکی کہ وہ دامنِ عصمت پر کوئی دھبہ لگا سکے۔ لیکن اُن کا مقامِ علم اور خلافت الہٰیّہ کی اہلیت وقابلیت اس قدر واضح اور ہر دل میں راسخ تھی۔ کہ تمام صحابہؓ اور پوری اُمت یہ جانتی تھی کہ قرآن وسنت کے مطابق اُمت کی راہنمائی حضرت علیؑ سے بہتر کوئی اور نہیں کرسکتا۔ اس حقیقت پر تمام صحابہؓ کے پاس رسولؐ اللہ کے فرمان اور احادیث تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اُنکے سوا پورے قرآن کا علم کسی کے پاس نہیں ہے نہ کوئی اور اس کا دعویدار رہے۔ ہنگامی حالات میں اسلئے خاموشی اختیار کرلی گئی تھی کہ تلوار سے بہتر نصیحت واصلاح کیلئے زبان سمجھی گئی۔ علیؑ کی عالی ظرفی اور دین سے محبت سب سے بڑا اسہارا تھی۔ مشکلات اور مہمّاتِ امور میں اُن سے صحیح مشورہ کی اُمید تھی۔ جوحسبِ امید پوری ہوگئی۔ لیکن یہ بعد میں آنیوالے حالات تو معلوم نہ تھے۔ یہ تو علم نہ تھا کہ اس جدید منصوبے میں مخصوص فیصلے تمام صحابہؓ کی بصیرت اور مشوروں کے خلاف کرنا ضروری ہوگا۔ یہاں تک کہ ہر وہ زبان خاموش کردی جائے گی جو قرآن وحدیث پر کچھ بول سکتی تھی۔ اور تمام صحابہؓ کو سمیٹ کر مدینہ میں نظر بند ہونا پڑے گا۔ ہم تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ اسلئے علامہ اسلم جیراج پوری کے قلم سے صرف یہ دکھادیں کہ قرآن وحدیث کو بالائے طاق رکھ کر کون کون سے فیصلے خالص ذاتی رائے سے کئے گئے تھے۔

۔''آنخضرتؐ کے بعد صحابہؓ کے سامنے خلافت کا اہم مسئلہ پیش آیا۔ جس کے بارے میں نہ کوئی تصریح کتاب (قرآن) میں تھی۔ نہ سنت میں (یہ خالص اور قرآن کے خلاف جھوٹ ہے۔ احسن) اُس وقت اُنہوں نے ''۔رائے۔'' سے کام لیا اور معاملہ کو اپنی عقل سے سلجھایا۔ سقیفہ بنی ساعدہ (یہ وہ ڈیرہ تھا جہاں قبیلہ بنی ہاشم اور تمام مہاجرین کی عدم اطلاع وعدم موجودگی میں انصار کے چند آدمیوں اور تین عدد مہاجروں نے خلافت کا فیصلہ کیا تھا) اُن کے استعمال رائے کا سب سے پہلا مظہر تھا۔ اس کے بعد (مسلمانوں کا نام مرتد رکھ کر) مرتدین عرب سے جہاد کا فیصلہ رائے ہی سے کیا۔ پھر مہاجرین وانصار کے وظائف کا معاملہ پیش ہوا۔ اس میں بھی (یعنی پہلے دو میں بھی اختلاف ہوا تھا) اختلاف رائے ہوا صدیق اکبرؓ مساوات چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کہتے تھے۔ کہ جن لوگوں نے نبیؐ اور اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑا ان کو زیادہ ملنا چاہئے (تاکہ انصار کو دبا کر رکھا جاسکے) اُنہوں نے فرمایا کہ اُن کا عمل اللہ کے لئے تھا۔ جس کا اجر آخرت میں ملے گا۔ دنیاوی گذارے میں امتیاز قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اُنہوں نے سب کا وظیفہ مساوی رکھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں طبقات کے لحاظ سے تقسیم کی پھر حضرت علیؑ نے خلیفہ ہونے کے بعد اس تفریق کو مٹادیا۔'' (جلد 8 صفحہ 201)

آپ نے دیکھ لیا کہ اُمت کا وہ مسئلہ جس کے اختلاف نے پوری اُمت کو تباہ کر کے رکھ دیا محض ذاتی رائے سے کرلیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کی ذیل میں آنے والے ہر نتیجے کی ذمہ دار وہی رائے ہے۔اب یہاں یہ دیکھ لیں کہ ذاتی رائے تمام صحابہؓ کی بصیرت کے خلاف استعمال کی جاتی رہی ہے۔

۔''انہوں نے (ابوبکرؓ) نے صحابہ کرام کو جمع کر کے مشورہ کیا۔سب نے رائے دی کہ مصلحتِ وقت یہ ہے کہ اُن (نام نہاد مرتدین) کے ساتھ نرمی کی جائے حضرت عمر کا مشورہ بھی یہی تھا۔'' (جلد دوم صفحہ 38)

چنانچہ جناب ابوبکرؓ نے تمام نام نہاد مرتدین یا مخالفین کا قتل عام جائز کردیا۔اس سلسلہ کی بحث کتابوں میں موجود ہے۔ آپ تو یہ دیکھ لیں کہ یہ حکومت ذاتی رائے سے قائم ہوئی۔اس کی پشت پر نہ قرآن تھا نہ حدیث تھی۔ پھر اس حکومت کے استحکام کے لئے فوج کشی اور قتل عام ہوئے۔وہ سب تمام صحابہؓ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کی رائے کے بھی خلاف تھی۔صحابہؓ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔اُن کے اوپر سے حالات گذر رہے تھے وہ نظر بند تھے۔لہٰذا اُن سب کی فطری اور دینی ضرورت یہ تھی کہ ہر اُس تحریک کی پشت پناہی کی جائے جو اس حکومت کو قرآن کی راہنمائی میں لے جائے۔ چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ عبداللہ ابن سبا کا فرضی افسانہ کتنا ضروری تھا تا کہ کسی صحابی کا نام قانون کے شکنجے میں نہ اُلجھ جائے۔عبداللہ ابن سبا کو ایک غیر معروف شخص اور وہ بھی یہودی بتایا گیا ہے۔اس کی اسکیم کا ہر دل عزیز بن جانا اسی صورت میں ممکن ہے کہ یہ اسکیم حقیقتاً وہ صحابہؓ چلا رہے ہوں جو مدینہ سے باہر بھی ہوں اور مدینہ کے اندر بھی پورا اثر ورسوخ رکھتے ہوں۔ پھر اس اسکیم کے داعیوں کو روزی اور اخراجاتِ زندگی سے بے فکر کرنا بھی ضروری ہے۔ورنہ کوئی کیسے اپنے خاندان اور بچوں کو چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں تبلیغ کرتا پھرے گا؟ لہٰذا لازم اور ضروری ہے کہ متعلقہ افراد کی شیرازہ بندی اور تقویت کے لئے کوئی صاحب مال ودولت مرکز ہو۔لہٰذا اس میں تمام مالدار صحابہؓ کو شامل ماننے کی خامی رہتی ہے۔ پھر اس مقدار میں خطوط اور مراسلت کے لئے لازم ہے کہ حکومت کی سطح پر کاغذ اور قاصد موجود ہوں۔اس زمانہ میں کاغذ کہاں بنتا تھا؟ اور کس طرح اور کتنا اور کس کو ملتا تھا۔یہ بات زیرِ غور لانے والے سمجھ سکتے ہیں کہ عبداللہ ابن سبا والی اسکیم کو چلانے کے لئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت ہے۔جس کا اثر باہر کی غیر اسلامی حکومتوں پر بھی ہو۔یا یہ کہ ملک کے گورنر اور عمالِ حکومت اس کے اشاروں پر چلتے ہوں کہ حکومت کے کوٹہ میں سے کافی کاغذ اس منصوبے کے سربراہ کو دیتے رہیں۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے رسولؐ اور آل رسولؐ سے بڑی محبت تھی۔اگر ایسا واقعی تھا تو عبداللہ ابن سبا خفیہ طور پر کیوں محمدؐ وآل محمدؐ کی تبلیغ کرر ہا تھا؟ یہ خامی اس طرح پوری ہوتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ عہدیدارانِ حکومت کے یہاں محمدؐ وآل محمدؐ کے حقوق اور منزلت کا تذکرہ جرم تھا۔لہٰذا سزا سے بچنے اور قانون کی گرفت سے محفوظ رہنے کے

لئے رازداری ضروری تھی۔ پھر عبداللہ ابن سبا وصی رسولؐ اور خلافت علیؑ کا غلط پروپیگنڈا کر رہا ہے تو ابوذر غفاری، محمد بن ابی بکر اور عمار یاسر اور دیگر سینکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم اس جھوٹے پروپیگنڈے کو کیسے حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابہؓ میں رسولؐ اللہ کی وہ احادیث مشہور تھیں جو خلافت معصومینؑ پر دلیل بنتی تھیں۔ اس لئے مکہ ہو یا مدینہ جہاں جہاں عبداللہ ابن سبا کے ٹھپے والا خط پہنچتا ہے بغاوت پھیلتی چلی جاتی ہے۔ کوئی دلیل مسلمانوں کے سامنے آ کر اُس کی وصایت وخلافت کے گھروندے کو نہیں توڑتی بلکہ بنا بنایا قصر خلافت منہدم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ عبداللہ ابن سبا کو امیر معاویہ کے سامنے پیش کیا گیا اور شکایت کی گئی کہ یہ وہی شخص ہے جس نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بہکا کر تمہارے خلاف کھڑا کیا تھا۔ مگر تاریخ اور جناب امیر معاویہ کے لب ودہن پر ہاتھ رکھ دیا جاتا ہے۔ ضرورت تھی کہ امیر معاویہ اُس یہودی کو حجرؓ بن عدی اور دیگر صحابؓہ کی طرح فوراً قتل کرا دیتے۔ پھر یہ بھی کہا گیا کہ وہ مصر سے ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آیا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ مدینہ میں کسی صحابی سے یا کم از کم علیؑ سے ملا ہوتا۔ مگر سبائی مورخین یہاں آ کر چپ سادھ لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تاریخ کو صرف جُہلا پڑھیں گے۔ اور وہ اُن کی اڑائی ہوئی دھول میں اندھوں کی طرح ہر چیز کو برداشت کرلیں گے۔ بہرحال عبداللہ ابن سبا تھا یا نہیں مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تحریک تشیع برابر اپنا انقلابی منصوبہ چلا رہی تھی۔ معصومین علیہم السلام قانون اور اصول پروری کے لئے اس سے الگ تھے۔ البتہ راہنمائی جہاں وہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی کرتے تھے۔ وہاں تحریک تشیع سے بھی دشمنی نہ تھی۔ اسے راہنمائی سے کیوں محروم کیا جاتا۔ اور جب کہ خلافت الٰہیہ قرآنی خاندان سے باہر چلی گئی تو ضروری تھا کہ اس کو واپس لانے کے لئے بھی باہر ہی کے لوگ برسرکار آئیں۔ <u>**اور خاطی قیادت کو خاطی قیادت توڑ پھوڑ کر رکھ دے**</u>۔ وہ صحیح حکم اور مشورہ جو مانگے گا اُسے ضرور دیں گے۔ ورنہ پرواہ نہ کریں گے اور اپنا پروگرام جاری رکھیں گے۔

(41) <u>تحریک تشیع کے باقی جاں نثار</u>

جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ یہ تحریک کسی ایک لمحہ کیلئے میدان سے نہیں ہٹی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس پر قربان ہونے والوں میں بعض نے دُنیا میں بڑے کارنامے انجام دیئے اور ایک دفعہ دُنیا پر چھا گئے۔ بعض نے موقعہ نہ پایا اور خود کو اور اپنے طرفداروں کو قربان کر دیا مگر یہ کارزار ہمیشہ گرم رہا۔ خون بہتا رہا، سر کٹتے رہے، لاشیں دو دو تین تین سال تک سولیوں پر لٹکتی رہیں، ہاتھوں کو کلائیوں سے کاٹا گیا اور پھر مسجد کے دروازے کے دائیں بائیں کیلوں سے فٹ کر دیا گیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ لیکن یہ ترکیب دراصل ایک دھوکا تھا جو اُن کی قسمت میں لکھ دیا گیا تھا۔ یعنی عبرت کے ساتھ ساتھ حساس قلوب میں جوش انتقام ونفرت کے لئے یہ عمل بہت ضروری تھا۔ <u>حضرت زید بن علیؑ بن الحسین علیہ السلام</u> اپنے سینکڑوں

ساتھیوں کے ساتھ قربان ہوئے۔مخالف حکومت نے تلاش کر کے اُن کی لاش قبر سے نکالی اور سولی پر چڑھا دی۔ یہ انہی کے ہاتھ اور لاش کا ذکر تھا جو ابھی گذرا۔اُن کی لاش دو سال تک تحریک کے لئے دعوت دیتی رہی۔حجاج نے اُن کے ہاتھوں کو مسجد کے دروازے سے اتروایا۔120 ہجری میں وہ شہید ہوئے۔اس کے بعد اُن کے بیٹوں اور پوتوں اور احباب نے تحریک کو چار چاند لگائے۔

جناب یحییٰ بن زید، ولید بن عبدالملک کے دور میں قربان ہوئے۔لیکن انہوں نے اپنے مخالف کے ہزاروں سپاہیوں کو میدان میں موت کے گھاٹ اتارا اور اپنے حامیوں سمیت شہید ہوگئے۔یہی وہ بزرگوار ہیں کہ جب ایک دفعہ جیل سے رہا ہوئے تو اُن کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں تبرک کے طور پر ٹکڑوں میں تقسیم کر لی گئیں۔اور قوم نے بیس ہزار روپے دے کر اُس لوہار سے خریدیں جس نے جسم سے اتاری تھیں۔ جناب یحییٰ 125 ہجری میں شہید ہوئے۔اُن کی لاش بھی شہر جوز جان کے دروازے پر لٹکتی رہی یہاں تک کہ بنی امیہ کی حکومت کا تختہ تحریک تشیع کے دوسرے داعی ابو مسلم خراسانی نے الٹ دیا۔یحییٰ کے قاتل کو فی النار کیا گیا۔اور اُن تمام لوگوں کو قتل کیا گیا جو یحییٰ کی فوج سے لڑتے تھے اور مل سکے۔

جناب یحییٰ کے دوسرے بھائی بھی مخالف حکومت سے برسرِ پیکار رہے۔اُن کا نام نامی حسین بن زید ہے۔آپ نے اور آپ کے چند ساتھیوں نے آٹھ دس ہزار کی افواج کو شکست دی کوفہ کے بیت المال کو عوام میں تقسیم کر دیا۔الغرض جناب زید بن امام زین العابدین علیہ السلام کا خاندان اور اس کا ہر بالغ ہوجانے والا بچہ برابر تلواریں مارتے اور کھاتے رہے۔اُن کے اہل و عیال و موالی قیدوں میں بندر ہے۔اُن حضرات نے صرف قربانیاں دیں لیکن مخالف حکومت کو کوئی قابل ذکر نقصان نہیں پہنچایا۔اس کے برعکس نئی قائم ہونے والی حکومت کو بھی بدظن کر دیا۔اُن کے نام پر ایک فرقہ وجود میں آ گیا۔اور طرح طرح کے شکوک و شبہات ملت میں پھیل گئے۔اِن ہی چیزوں کو مدنظر رکھ کر امام زمانہ علیہ السلام اُن سب کو خروج سے باقاعدہ منع کرتے رہے۔لیکن جوش و حمیت نے اُنہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔یہی حال جناب نفس ذکیہ اور اُن کی اولاد کا ہوا۔خاندان بنی ہاشم زیر عتاب آتا اور قید و بند کی مصیبتیں جھیلتا رہا۔اور آئمہ علیہم السلام تک کو خمیازے بھگتنا پڑے۔اس لئے کہ اُن تمام شہدا کا تعلق خاندان اہل بیتؑ سے تھا۔اور ظاہر ہے کہ اس خاندان میں سیاسی چالیں معیوب سمجھی جاتی تھیں۔جن کا ہونا اس تحریک میں لازم تھا۔سیدھے سادے عابد و زاہد لوگ، دنیا اور حکومتوں کے پیچ در پیچ نظام سے ناواقف حضرات کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ اگر میدان سیاست میں نکلیں تو اپنی جان قربان کر دیں اور بس۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ حضرت زید شہید اور اُن کی اولاد کے شہدا پھر جناب امام حسن علیہ السلام کی اولاد کے شہدا کسی

تنظیم اور باقاعدہ اسکیم کے ماتحت نہ تھے ۔ بلکہ اُن کے اقدامات ہنگامی و اتفاقی امور پر مبنی تھے ۔اس لئے کہ اُس زمانہ تک ممالک اسلامیہ کے ہر گوشہ میں انقلابی تصورات پھیل چکے تھے۔شہادت امام حسین علیہ السلام پھر توابین اور امیر مختار رضوان اللہ علیہم کی قربانیوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ خلافت کو خاندان مرتضویؑ میں رہنا چاہئے تھا۔اور اب جس طرح ہو سکے حکومت کو واپس لاکر اس خاندان کو راہنما بنانا واجب ہے۔سوائے چند بد دی اور متعصب دماغوں کے ہر ذہن میں یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ جب تک اُمت کی باگ ڈور اہلبیتؑ رسولؐ کے ہاتھ میں نہ چلی جائے ہم سب مجرم ہیں۔اِن تصورات کی شدت نے جہاں خاندان رسولؐ کے افراد کو میدان میں نکالا وہاں دیگر قبائل کے ہزاروں بہادر شہید ہوئے۔

(42) تحریکِ محمدؒ بن الحنفیہ کی قیادت بنی عباس میں

جناب محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے جناب ابوہاشم تھے ۔ یہ امیر مختارؒ کے ساتھ ساتھ تحریک میں شریک رہے۔ اور سیاسی بصیرت میں امیر مختارؒ کے شاگرد ہونے کی بنا پر کیسانی کہلاتے تھے۔کیسان امیر مختارؒ کا لقب تھا۔لہٰذا محمدؒ بن الحنفیہ کے انتقال کے بعد امیر مختارؒ کی تحریک کے راہنما ابوہاشم قرار پائے ۔اُنہوں نے مکہ کی سکونت ترک کر کے حمیمہ نامی ایک گاؤں میں قیام فرمایا۔ یہ گاؤں مدینہ سے دمشق جاتے ہوئے راستہ میں واقع تھا۔اور معاویہ کی طرف سے محمدؒ بن الحنفیہ کو جاگیر میں ملا ہوا تھا۔آئندہ چل کر یہ گاؤں بنی امیہ کی حکومت کی تباہی کے لئے تاریخی مرکز ثابت ہوا۔الغرض تحریک آل محمدؐ نے امیر مختارؒ کے بعد یہاں سے اپنا کام شروع کیا۔جناب ابوہاشم نے دوبارہ شیعوں کی شیرازہ بندی کی اور پورے ملک میں رابطہ مہم کا آغاز کیا۔ اِن کوششوں کے دوران ابن عباسؓ کے بیٹے علی بن عبداللہ اُن کے مدومعاون تھے۔اور حمیمہ میں ہی قیام پذیر تھے۔ اچانک جناب ابوہاشم کا انتقال ہوا۔ چونکہ اُن کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا۔اس لئے علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے اُن کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔اور چونکہ اُن کی خدمات مشہور تھیں لہٰذا کیسانی تحریک نے انہیں اپنا راہنما تسلیم کر لیا۔اب وہ اور اُن کا بیٹا محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلبؒ تحریک آل محمدؐ کے سربراہ بن گئے اور یہاں سے محمدؒ بن الحنفیہ والی تحریک بنی عباس میں منتقل ہو گئی۔دوسرے الفاظ میں یہیں سے اُس خلافت کی بنیاد پڑی جسے آگے چل کر خلافتِ عباسیہ کہا جائے گا۔

(43) تحریک آل محمدؐ کے نام پر بنی عباس سے تعاون اور قربانیاں

علی بن عبداللہ بن عباسؓ جو ابوہاشم کے پہلے جانشین تھے۔وہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کے ہم عصر تھے اور دونوں حضرات کا انتقال بھی ساتھ ہی ساتھ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہوا تھا۔علی بن عبداللہ کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے اس تحریک کو نہایت وسعت دی۔کوفہ و خراساں میں نہایت مضبوط مراکز قائم کئے اور خود حمیمہ میں بیٹھ

کرمرکزی راہنمائی کرتے رہے۔ محمد بن علی بن عبداللہ خاندان مرتضویؑ کے جوشیلے بہادروں کی مددوحمایت بھی کرتے تھے اورانہیں یہ بھی بتاتے تھے کہ محض جوش وخروش وقربانیوں سے اموی حکومت کی قوتِ قاہرہ کو تباہ کرکے آل محمدؐ کی حکومت قائم کردینا ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اقتصادی اورافرادی قوتوں کومنظّم ومضبوط کرکے انقلاب پیدا کرنا چاہئے۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہوچکے تھے کہ ہرشخص یہ سمجھنے لگا تھا کہ میں حکومت چھین سکتا ہوں۔ اس امید پر چاروں طرف سے دعویداران تحریک آل محمدؐ اُٹھتے اور چندقدم چلنے کے بعدشہید ہوجاتے رہے۔ لیکن محمد بن علی بن عبداللہ نہایت سنجیدگی سے اپنی جماعت کوتیارکرتے رہے۔

(الف) کوفہ اور خراسان میں تحریک آل محمدؐ کے مراکز کیوں قائم ہوئے؟

تاریخ میں خاندان عباسیہ کی کوئی فضیلت واہمیت نہیں ملتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد پہلی تین خلافتوں میں اس خاندان کو کسی قسم کی کوئی ترجیح حاصل نہ تھی۔ اُن کوسب سے پہلے خلافت مرتضویؑ میں چندعہدے ملے تھے۔ لیکن مسلمانوں میں اُن کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ پھر بنی امیہ نے بھی انہیں کوئی مقام نہ دیا۔ اُدھرعبداللہ بن زبیر کے یہاں بھی وہ کسی خاص منزلت پر فائز نہ ہوئے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ عبداللہ بن عباسؓ کا ذہن حضرت علیؑ کا طرفدار تھا۔ اور یہ طرفداری ابتدامیں زیادہ کھل کرسامنے آ چکی تھی۔ کم سنی کی وجہ سے اپنے جذبات کوپوشیدہ نہ رکھ سکتے تھے۔ بہرحال حکومتوں نے اُن کے اوراُن کی اولاد کے ساتھ تقریباً وہی سلوک کیا جو اولادِ علیؑ و طرفداران مرتضویؑ کے ساتھ ضروری تھا۔ یہ سبب تھا کہ یہ خاندان اپنی مصلحتوں کے ساتھ تحریکِ آل محمدؐ میں شرکت کرتا رہا۔ اوراب جب کہ پورے ملک میں علیؑ علیؑ اوراہلبیت رسولؐ کے نعرے بلند تھے۔ محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ بھی مجبور تھے کہ اپنے تمام اقدامات کودوستدارانِ محمدؐ وآل محمدؐ اورشیعان علیؑ کے سہارے چلائیں۔ لہٰذا انہوں نے تحریک آل محمدؐ کے لئے کوفہ کواس لئے مرکز بنایا کہ وہاں شیعان علی علیہ السلام کا زورتھا۔ یہ شہرشیعیت کا گہوارہ تھا اورتحریک تشیّع کے تمام ذیلی مراکز یہیں سے اپنا کام شروع کرتے تھے۔ مرکز تصوف کوفہ ہی میں تھا۔ خراساں کا انتخاب بھی قابل فہم ہے۔ ایران وخراساں مہذب ممالک تھے۔ دنیا کی اعلیٰ درجے کی تہذیبیں وہاں گذری تھیں۔ مسلمان حکومتیں برابراُن ممالک کوناقابل اعتبار سمجھ کراغیار ایسا سلوک کرتی رہی تھیں۔ اُن کے دلوں میں اِن حکومتوں کا کوئی احترام نہ تھا۔ ذلت آمیز سلوک نے اُن کے دلوں میں دشمنی پیدا کردی تھی۔ وہ جس قسم کی اُمیدیں رکھتے تھے۔ اُن پر یہ حکومتیں پوری نہ اترتی تھیں۔ اِدھرایران کے شاہی خاندان سے اولادعلیؑ کا سببی رشتہ تھا۔ جس کی ایرانیوں میں بڑی قدرومنزلت تھی اورعوام سے اس قدر کہہ دینا کافی تھا کہ تمہاری بیٹی اوردامادا ورنواسوں پرظلم کیا جارہاہے یا اُنہیں حکومت سے محروم کردیا گیاہے۔ اس کے بعد وہ ہرظالم وجابرقوت کوتباہ کرنے کے لئے کھڑے ہوجانے میں کوئی تکلف نہ کرتے۔ پھرعجم میں آدمیوں اوروسائل حیات کی کوئی کمی نہ تھی۔ یہ مہذب ترین اقوام تھیں۔ حکومت اورآداب حکومت پرمطلع اورحاکم کی صفات

سے آ گاہ تھیں۔عرب کے عوام میں ایک حاکم کا مقام خانہ بدوشوں کے بَدّ وسردار سے کچھ زیادہ نہ ہوتا تھا۔اس لئے عربوں میں ہر معمر شخص سردار وحاکم بن جانے کی اہلیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔اوراسی وجہ سے وہاں ہر وہ شخص خلیفہ بن جانے کے خواب دیکھنے لگتا تھا جس کے پاس دو چار جاہل اور ضرورت مند لوگ آتے جاتے رہتے ہوں ۔لیکن ایران وخراسان میں جب لفظ شاہ، بادشاہ، سلطان یا شہنشاہ منہ سے نکلتا تھا تو تصور میں وہ تمام شان وشوکت وشرافت نسبی وفضائل حسبی اور ذمہ داریاں پھر جاتی تھیں جواُن الفاظ کے شایان تھیں۔اور جن کے نام تک سے عرب عوام واقف نہ تھے۔وہاں کے محدود ومحصور عوامی دماغوں میں یہ باتیں کہاں سے آتیں۔ جہاں کے فوجی جب اُس دسترخوان پر بیٹھے جہاں ہزاروں نعمتوں کے ساتھ بالکل سفید میدہ کی چپاتیاں بھی تھیں۔جنہوں نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ کیا ایرانی لوگ سفید ریشم کے گول گول پارچہ جات بھی کھایا کرتے تھے؟ آخر پتہ لگا کہ وہ کپڑا نہیں چپاتیاں ہیں ۔ یہ واقعہ ایران پر حملوں کے دوران پیش آیا تھا۔ان حالات کی بنا پر ایران وخراسان کو دعوتِ تحریک آل محمدؐ کے لئے مرکز بنانا بہت مفید ثابت ہوا۔ وہ لوگ فضائل مرتضویؑ کے قدردان تھے۔اور جانتے تھے کہ خلافت محمدؐ یہ کا علیؑ کے سوا کوئی اور اہل نہیں ہوسکتا تھا۔ان حقائق کو مدنظر رکھ کر مندرجہ ذیل ہدایات دی گئی تھیں۔

(ب) <u>محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کی تقریر</u>

محمد بن علی نے داعیان تحریک آل محمدؐ کو خراسان روانہ کرتے وقت جو تقریر کی تھی وہ اسلم صاحب سے سنئے !:۔

۔'' کوفہ اور سوادِ کوفہ کے باشندوں سے حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد کے شیعہ ہیں۔بصرہ اوراس کے اطراف کے لوگ عثمانی ہیں ۔جن کا یہ خیال ہے کہ بندۂ مقتول بَن ، قاتل نہ بَن ۔ اہل جزیرہ دین سے خارج ہیں ۔ نام مسلمانوں کے اخلاق عیسائیوں کے۔شام والے جاہل اور سرکش ہیں اور سوائے بنی امیہ کے کسی کو نہیں جانتے ۔ مکہ اور مدینہ والوں پر ابوبکر اور عمر کی عقیدت غالب ہے۔لہٰذا تم لوگ مشرق کا رخ کرو۔ جدھر سے دُنیا کا چراغ (سورج) نکلتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کے دل سادہ سینے چوڑے بدن فربہ اور سر بڑے ہیں۔اور وہ تعداد میں بھی بہت ہیں''۔(جلد 4 صفحہ 29 تاریخ اُمت)

(ج) <u>خراسانیوں کا مقابلہ عربوں سے</u>

ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کی نظر میں یہ تھا کہ جب انہوں نے محمد بن علی نے اپنے والد کے بعد قیادت سنبھالی۔اور ابومسلم خراسانی کو خراسان کا امیر بنا کر بھیجا تو یہ وصیت کی تھی کہ:۔

۔'' دیکھو تم خاص ہمارے گھر کے آدمی ہو۔ ہماری باتوں کو یاد رکھنا۔اور اُن ہی کے مطابق عمل کرنا۔ وہاں پہنچ کر اہل یمن کی تعظیم وتکریم کر کے اُن کو اپنے ساتھ ملا لینا۔کیوں کہ بلا اُن کے ملائے ہوئے کامیابی نہیں ہوسکتی۔ ربیعہ پر ہرگز اعتماد نہ کرنا اور مضر کو جانی دشمن سمجھنا (یہ دونوں عرب کے متعصب قبیلے تھے۔احسن) اگر تم سے یہ ہوسکے کہ خراسان میں کوئی عربی

بولنے والا نہ چھوڑو تو اس میں دریغ نہ کرنا۔ کسی شخص پر تم کو کسی قسم کا شک ہو۔ یا شبہ پڑ جائے تو اس کو قتل کر دینا''۔

(تاریخ اُمت، جلد 4 صفحہ 39-38)

(د) ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ کی ہدایات عبدالرحمٰن کو

طبری کے مطابق مندرجہ بالا ہدایات ابراہیم بن محمد نے ایک عباسی شخص عبدالرحمٰن کو دی تھیں جو ابومسلم کی نگرانی کے لئے ساتھ ہی ساتھ خراساں بھیجا گیا تھا اُس سے کہا تھا کہ:۔

۔''ابراہیم نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ تم میرے خاندان کے رکن ہو۔ تم میری ہدایات کو اچھی طرح یاد رکھو۔ یمنی قبائل کی عزت کرو۔ اُن ہی کے درمیان جا کر قیام کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ اُن ہی کے ذریعہ ہماری اس تحریک کو کامیاب کرے گا۔ قبیلہ ربیعہ پر نظر رکھو۔ اُن کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے رہو۔ مگر مضری عربوں کو ہمیشہ اپنا قریبی دشمن سمجھنا۔ یہ مارِ آستین ہیں۔ اُن کے طرزِ عمل پر اگر ذرا سا بھی شبہ تمہیں ہو تو تم ہر مشتبہ شخص کو قتل کر دینا۔ اگر ہو سکے تو خراساں میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑنا۔ جو لڑکا پانچ بالشت کا ہو۔ اس پر بھی کوئی نہ کوئی الزام رکھ کر اُسے قتل کر دینا'' (طبری جلد 6 صفحہ 453)

علامہ اسلم صاحب نے عربی بولنے والوں کو قتل کر دینے کی ہدایت سے یہ نتیجہ غلط اخذ کیا ہے۔ کہ یمنی عربوں کو بھی قتل کر دینا۔ اس لئے کہ یمنی وخراسانی تو وہ لوگ ہیں جو آلِ علیؑ اور علیؑ سے غلو کی حد تک عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اور اُن ہی سے اس تحریک کی تکمیل و کامیابی کو ابراہیم نے وابستہ قرار دیا ہے۔ ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے۔ کہ عباسی راہنمایان تحریک مسلسل آلِ علیؑ کے طرفداروں سے اپنی تحریک کو مضبوط کرتے جا رہے ہیں۔

(ہ) عباسی خاندان آلِ علیؑ کے نام پر تحریک چلا رہا تھا

جب ابومسلم کو ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے خراساں کا امیر بنا کر بھیجا۔ تو اسے سلیمان بن کثیر نے کم سنی کی وجہ سے واپس کر دیا۔ جب یہ حادثہ ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے سنا تو تمام زعمائے تحریک سے ایک مدلل اور طویل مواخذہ کیا۔ اس میں سے ہم چند سطریں لکھتے ہیں:۔

۔''ابوداؤد نے کہا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جو علم اللہ نے نازل فرمایا تھا۔ اسے بھی رسولؐ اللہ کے ساتھ اٹھا لیا۔ یا اُسے بعد میں رہنے دیا؟ لوگوں نے کہا بلکہ بعد میں رہنے دیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے۔ کہ وہ اپنے خاندان اور اولاد کے علاوہ اور اُن میں بھی جو بالکل قریب کے عزیز ہیں۔ کسی اور گروہ میں اس علم کو چھوڑا؟ انہوں نے کہا نہیں۔

(طبری جلد 6 صفحہ 471)

یہاں کسی شخص کو یہ شبہ تک نہیں ہو سکتا کہ علیؑ و اولادِ علیؑ کے علاوہ کسی اور کی بات ہو رہی ہے۔ عباسی خاندان ہرگز قریب ترین

اور وارثِ علمِ رسولؐ نہیں مانا گیا۔ معلوم ہوا کہ برابر آل علیؑ کے نام پر تحریک میں جان ڈالی جا رہی ہے۔

(و) خاندان علیؑ سے اس تحریک کو نکالنے کا ارادہ تک جرم تھا

اسی مواخذہ میں اگلا سوال یہ کیا گیا تھا کہ:۔

۔''ابوداؤد نے کہا اچھا کیا تم میں سے کسی کو یہ زیبا ہے۔ کہ وہ اس تحریک کو سرسبز ہوتا اور لوگوں کو اُسے پسند کرتا دیکھے۔ تو اسی تحریک کو خود اپنی ذات کے لئے بنا لے؟ اُنہوں نے کہا خدایا ہرگز نہیں؟ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے؟ ابوداؤد نے کہا کہ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ خود تم نے ایسا کیا۔ بلکہ شیطان نے تمہارے دل میں یہ موہومہ پیدا کر دیا۔ کہ کیا ہوگا۔ اور کیا نہیں ہوگا؟ کیا تم میں کوئی ایسا ہے۔ جسے یہ زیبا ہو۔ کہ وہ اس تحریک کو اہلبیتؑ اور اولا دنبی صلعم سے ہٹا کر اُن کے سوا کسی اور کے لئے کرے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ ابوداؤد نے کہا کیا تمہیں اس میں شک ہے۔ کہ وہ معدنِ علم اور رسولؐ اللہ کی میراث کے مالک ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں''۔ (طبری جلد 6 صفحہ 471)

(ز) تحریک آل محمدؐ اولا د رسولؐ و وارثانِ علم رسولؐ کے لئے تھی

نہایت واضح الفاظ میں ابوداؤد خالد بن ابراہیم نے بیان کر دیا کہ عباسی جس تحریک کی قیادت کر رہے تھے وہ آل علیؑ و اولا د علیؑ کے حقِ خلافت کے نام پر تھی۔ اور جس قدر تائید انہیں حاصل ہوئی اس کا سبب محبتِ اولا دِ علیؑ و اولا دِ رسولؐ تھا یہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آل علیؑ سے خلافت کا نکال لینا یا اس تحریک کے ثمرہ کو کسی اور شخص کی طرف موڑ لینا کسی کو پسند نہ تھا۔ حتٰی کہ خود عباسی خاندان بھی اسی کا اعلان کرتا رہا کہ یہ تحریک اولا د علیؑ کو خلافت دِلانے اور اُن کے دشمنوں سے انتقام لینے کے لئے جاری ہے۔

(ح) امامؑ وقت کا نام نہ لینا وقت کا تقاضہ تھا

قارئین جن حالات میں سے گذرتے رہے ہیں۔ اُن میں نہایت ضروری تھا کہ امام زمانہ علیہ السلام کا نام نہ لیا جائے۔ محمدؒ بن الحنفیہ یا حضرت زید شہید کا اپنا نام لینا بھی اسی بنا پر تھا کہ جناب امام زین العابدین یا امام محمد باقر علیہما السلام پر، حکومت کی طرف سے عتاب نہ ہو اور جو آفت آئے اُسے وہ دونو حضرات اپنی طرف موڑ لیں۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا چونکہ وہ دونو اولا د علی علیہ السلام میں سے تھے اسلئے اُن کی قیادت کا پورے ملک میں تسلیم کر لیا جانا بھی قابل فہم ہے۔ لیکن جب سے جناب ابو ہاشم کے بعد اس تحریک کی قیادت علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئی تھی۔ اُس روز سے یہ بھی ضروری ہوگیا تھا کہ سوائے مخصوصین کے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اس تحریک کو عباسی خاندان کے لوگ چلا رہے ہیں۔ تا کہ انہیں اُمت ٹھکرا نہ دے اور وہ تعاون سے محروم نہ ہو جائیں۔ لہٰذا امام کا نام ظاہر نہ کرنے سے ایک دوسرا فائدہ یہ تھا کہ موقعہ ملنے پر اس تحریک کو خود بنی عباس اپنی طرف موڑ

لیں۔اس میں قباحت اورمشکل یہی تھی کہ بنی عباس نہ آلِ رسولؐ تھے نہ اولادِعلیؑ بن سکتے تھے۔اسلئے دریافت کرنے والوں کو یہ بتایا جاتا تھا کہ کامیابی کے بعد مناسب موقعہ پر آل علیؑ میں سے جوشخص اُس وقت موزوں ترین ہوگا۔اسکی امامت کا اعلان کردیاجائے گا۔گویا عباسی خاندان آل علیؑ کی امامت وحکومت نافذ کرنے کیلئے تحریک کی عارضی قیادت عباسی خاندان کے افرادکررہے ہیں۔اور چونکہ یہ حضرات بات بات میں اور ہراہم موقعہ پر اہلبیت رسولؐ، اولادِرسولؐ اورآلِ علیؑ کےنعرے مارتے اورفرمانات میں لکھتے رہتے تھے۔اسلئے اُنہیں ملک میں اور بیرون ملک پوری قوت کے ساتھ تائید حاصل ہوتی جارہی تھی۔اس سلسلے میں جناب اسلم صاحب سے وہ ابتدائی حکمت عملی سنئے جوتحریک آل محمدؐ کے نام پر ابتدا میں اختیار کی گئی تھی۔

(1) امامِ زمانہؑ کے نام کاتعین منع تھا

۔''محمد بن علیؑ بن عبداللہ بن عباسؓ (ابوہاشم بن محمدؓحنفیہ کی جانشینی کا دوسرامدعی۔احسن) نہایت عقیل اوردانشمند تھے۔ اُنہوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ خلافت اورسلطنت کا ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کرنا (زید شہید کی طرح) فوری جوش کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔اورتاوقتیکہ ایک کثیر تعداد اس مقصد کی حمایت کے لئے تیار نہ کی جائے۔اُس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی۔اس لئے اُنہوں نے اپنے شیعوں میں سے داعیوں کی ایک جماعت منتخب کی جولوگوں میں اہلبیتؑ کی امامت کی تبلیغ کرے اورکسی شخص کا نام نہ لے۔کیوں کہ یہ خوف تھا۔کہ اگرکسی امام کا نام متعین کردیاجائے گا تو جس وقت بنی اُمیہ کو خبرہوگی وہ اُس کوقتل کرڈالیں گے۔'' (صفحہ 28-27 جلد 4 تاریخ اُمت)

یہ دوسری وجہ ہے کہ بنی عباس کے افراد بھی اپنے نام کا اعلان نہیں کرتے تھے تاکہ قتل سے بھی محفوظ رہیں اورتعاون بھی امامؑ غائب کے نام پر ملتا چلاجائے۔

(2) تمام احکامات امامؑ غائب کے نام پر جاری کیئے جاتے تھے

تمام ارکان وعہدیداران تحریک یہ جانتے تھے کہ کوفہ میں جومرکز ہے وہ قائم آل محمدؐ کہلاتا ہے۔یہی حیثیت تقریباً خراسان کے مرکز کی ہےاور یہ دونوں مراکز حمیمہ کے ماتحت ہیں۔تینوں مراکز کے احکامات کوامام کے احکام کہہ کرنافذ کرتے تھےاوران تینوں مراکز میں سے کسی کوبھی اصلی امام نہ سمجھتے۔چونکہ ابھی یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اصل امام کون ہے یا کون ہوگا۔ ابتدا میں کوفہ کا قائم یاوزیر آل محمدؐ میسرہ تھا۔اورخراسان کا انچارج کسی لقب سے اس لئے مشہور نہ تھا کہ وہاں ایک نہیں بلکہ دوآدمی انچارج ہوتے تھے۔ایک وہ جو برسرِعمل رہے۔دوسراوہ جو برسرِعمل جماعت کی نگرانی کرے اورمشکل امور میں مشورہ دے۔چنانچہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابومسلم خراسانی کو جب امیر خراساں مقرر کیا گیا تو اُن کے ساتھ اوراُن پر نگران عبدالرحمٰن کو

خاندان عباسی سے مقرر کیا گیا تھا۔ آپ یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جب ابومسلم خراسانی کو خراسان کے نگران امیر سلیمان بن کثیر نے واپس کر دیا اور ابوداؤد خالد بن ابراہیم بر سر کار امیر کو معلوم ہوا تو اس نے تمام ارا کین پر معہ سلیمان کے مواخذہ کیا تو اس وقت بھی خراسان میں امیروں کی جوڑیاں ہوتی تھیں۔ اور یہ ہی پتہ چلتا تھا کہ خراساں میں آنے والے تمام احکامات نا قابل تنسیخ و ترمیم ہوتے ہیں۔ اُن پر ہر حال میں عمل واجب ہوتا ہے۔

(3) قائم آلِ محمدؑ یا وزیر آل محمدؑ کوفہ میں

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ سب سے پہلا وزیر یا قائم آل محمد میسرہ کو بنایا گیا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد بکیر بن ماہان کو قائم کوفہ بنایا گیا۔ اور جس زمانہ میں بکیر بن ماہان نے انتقال کیا اسی دوران محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ سربراہ تحریک آل محمد کا انتقال ہوا۔ اُدھر محمد بن علی کی جگہ اُن کا بیٹا ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ جانشین ہوا۔ اِدھر قائم کوفہ بکیر کی جگہ اُن کا داماد ابوسلمہ خلال حفص بن سلیمان وزیر آل محمدؑ مقرر ہوا۔ اُسی کے زمانہ میں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا تھا۔

(4) کوفہ کا قائم یا وزیر آل محمدؑ ہی خراسان کا حاکم ہوتا تھا

حقیقت یہ ہے کہ تمام اہم امور میں کوفہ ہی مرکز تھا اور حمیمہ کے تمام عباسی قائد وزیر آل محمدؑ ہی سے اپنی تحریک آل محمدؑ کا تقدس و اعتماد قائم رکھتے تھے۔ چنانچہ محمد بن علی کے انتقال کے بعد جب اُن کا بیٹا ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ جانشین ہوا تو قائم آل محمد ہی نے اُن کی جانشینی کی تصدیق کی۔ طبری نے لکھا ہے کہ:۔

۔''بعض ارباب سیر کے بیان کے مطابق امام ابراہیم بن محمد نے ابوہاشم بکیر بن ماہان کو خراسان بھیجا اور ان کے ساتھ دستور العمل اور احکام بھی ارسال کئے۔ مرو، آکر انہوں نے تمام نقیب اور داعیوں کو جو وہاں تھے۔ اپنے پاس جمع کیا۔ امام محمد بن علی کی وفات کی خبر سنائی اور ابراہیم کے لئے دعوت دی اور اُن کا خط بھی اُن کے سامنے پیش کر دیا۔ اُنہوں نے اُن کے پیام کو قبول کر لیا اور اُنہوں نے جو روپیہ شیعوں سے جمع کیا تھا۔ اُسے اُن کے حوالے کر دیا۔ یہ (قائم آل محمد) اُسے ابراہیم بن محمد کے پاس لے آئے''۔ (طبری جلد 6 صفحہ 404)

گو اہل تاریخ ان حالات میں بہت اُلجھے اُلجھے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس بیان سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خاندان عباس کے یہ لوگ عوام کے روبرو نہ آتے تھے۔ اپنا منہ صرف اوپر کے چند نفوس کو دکھاتے تھے۔ اور تمام کاروبار تحریک وزیر آل محمد اور شیعان و دوستداران علیؑ مرتضیٰ کے بل بوتے پر ہو رہا تھا۔ اور پوری ملت شیعہ دامے درمے سخنے قدمے تحریک آل محمدؑ میں دن رات مصروف تھی۔ اور یہ سمجھ رہی تھی کہ بس عنقریب اولادِ علیؑ پوری مملکت اسلامیہ کا چارج سنبھالنے والی ہے۔ تحریک کے

حسن انتظام اور تہہ در تہہ پردوں کی وجہ سے انہیں وہم وخیال بھی نہ ہوسکتا تھا کہ عین وقت پر پانسہ پلٹ جائے گا۔اور تقریباً تمام اراکین و منتظمین تحریک بے بس ہوکر رہ جائیں گے۔

(5) اراکین و عمائدین تحریک کو امام کی بیعت کا عادی بنادیا گیا تھا

جس طرح عمرابن عاص نے ابوموسیٰ اشعری کی تعظیم وتکریم کی آڑ میں اُسے اپنے اوپر مقدم کرکے عادی بنادیا تھا کہ ہر بات پہلے ابوموسیٰ اشعری کیا کرے۔اوراس ترکیب سے اُس عقلمند آدمی سے امیر معاویہ اور علیؑ کو معزول کرنے کا پہلے اعلان کرالیا تھا۔اور پھر اپنے نمبر پر ابوموسیٰ کے اعلان کی تصدیق کرکے امیر معاویہ کو خلافت پر بحال رہنے کا اعلان کردیا تھا۔ یعنی علیؑ کے نمائندے نے بھی حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے الگ کردیا ہے۔اور عمر بن عاص نے بھی اُن کو معزول کردیا ہے۔لہٰذا قانونی صورت میں عمر بن العاص نے ابوموسیٰ سے علیؑ کی پوزیشن کمزور کرادی تھی۔ بالکل اسی اصول پر عباسی دماغ نے اپنا کام شروع کیا۔یعنی جہاں بھی بیعت کا سوال پیدا ہوتا ہرامیر اور ہر عامل اور ہر رکن اپنے ہاتھ پر یہ کہہ کر بیعت لیتا تھا کہ ہم امام وقت کی بیعت کررہے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کو اور تمام کارپردازانِ مملکت اور منتظمین تحریک اس کے عادی ہوگئے تھے کہ ہر بیعت کو امام غائب اور اولادعلیؑ کے امام کی بیعت سمجھیں۔طبری کی تحقیق ملاحظہ ہو:۔

(6) ابومسلم لفظ خلیفہ وامیر المومنین کو عوام کے لئے بولتے رہے

۔''جب ابومسلم مرو کے سامنے آیا تو عثمان بن جدیع نے رسالہ کی بڑی جمیعت کے ساتھ اُس کا استقبال کیا۔اس کے ساتھ تمام یمنی اشراف اور ربیعہ موجود تھے۔ یہ اُن کی مشایعت میں علی بن الکرمانی اور شیبان بن سلمۃ الحروری اور دوسرے نقیبوں کے قیام گاہ میں آیا۔ پہلے یہ علی بن جدیع کے حجرے کے سامنے آکر ٹھہرا پھر اس کو جاکر خود ملا۔اور کہا کہ آپ کو اختیار ہے جسے چاہیں امیر بنائیں۔آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو امان دی جاتی ہے۔اب یہاں سے یہ دونوں نکل کر شیبان کے حجرے میں آئے۔اُن دنوں اُسی کو خلیفہ کہہ کر سلام کیا جاتا تھا۔ابومسلم نے علی کو شیبان کے پہلو میں بیٹھنے کا حکم دیا اور کہا کہ اب تمہارے لئے اسے امیرالمومنین کہہ کر سلام کرنا جائز نہیں ہے۔اوراب خود ابومسلم نے ارادہ کیا کہ وہ علی کو امیر کہہ کر سلام کرے۔تاکہ شیبان کو معلوم ہوجائے کہ وہ علی کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے۔اس بات کو علی تاڑ گیا۔اور بغیر سلام کئے وہ شیبان کے پہلو میں جابیٹھا۔اوراب ابومسلم اندر آیا۔اوراُس نے علی کو امیر کہہ کر سلام کیا۔'' (طبری جلد 6 صفحہ 492)

اس بیان سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ لفظ خلیفہ اور امیرالمومنین کو کہیں بھی استعمال کرلیا جاتا تھا۔تاکہ اُن کی خصوصیات پر نظر قائم نہ رہے۔

(7) ابومسلم کی امارت سمجھ کر تحفہ میں آنکھ نکال کر پیش کردی

بقول طبری ابومسلم نے قوت حاصل ہوجانے پر لوگوں کو امیر المومنین کہنا بند کر دیا تھا۔

۔''جب تک ابومسلم خندق کی پناہ میں رہا۔ وہ نصر بن سیار کو خطوط میں امیر کے لقب سے یاد کرتا تھا۔ مگر جب بہت سے شیعہ انہیں خندقوں میں اس کے پاس جمع ہوگئے اور اس نے اپنی قوت کا توازن کیا تو اب اُس نے لفظ امیر اپنے لئے لکھنا شروع کردیا۔ ایک خط میں نصر کو لکھا کہ۔'' (اس خط میں قرآن کریم کی آیات تھیں۔ (35/42-43) یعنی:۔

۔''اورانہوں نے اللہ کی بڑی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے گا۔ تو وہ ضرور ہر ایک قوم سے زیادہ راہ راست پر ہوں گے۔ مگر جب ڈرانے والا اُن کے پاس آیا تو۔ اُن کی نفرت اور بڑھ گئی۔ بوجہ برائی اور زمین میں اُن کی بری تدبیر کے۔ اور ہر بری تدبیر کا وبال ہمیشہ اُس تدبیر کے اختیار کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔ پس کیا اب وہ لوگ اگلی قوموں کے دستور کا انتظار کررہے ہیں؟ پس تم اللہ کے دستور میں ہرگز کسی قسم کی تبدیلی نہ پاؤ گے۔ اور ہرگز اس کے دستور میں کوئی فرق نہ پاؤ گے۔ اس خط کو نصر بن سیار نے بڑی اہمیت دی اور اس وجہ سے زیادہ اہم سمجھا کہ اس میں ابومسلم نے خود اپنی امارت کے اظہار سے ابتدا کی ہے۔ نصر نے اپنی ایک آنکھ نکال کر قاصد کو دی کہ یہ اس خط کا جواب ہے''۔

(طبری جلد 6 صفحہ 468-467)

(44) تحریکِ خلافتِ آلِ محمدؐ کا حقیقی مالک تجویز کرنے کی کوشش

اس تحریک کی کامیابی صرف 29 سال کی جدوجہد میں سامنے آگئی۔ اموی خلافت نے آخری ہچکیاں لینا شروع کیں۔ اس وقت تک عبداللہ ابن عباسؓ کا خاندان اس تحریک کی خفیہ قیادت کرتا رہا تھا۔ اور بنی امیہ کو قطعاً یہ علم نہ ہوسکا تھا کہ عباسی خاندان بھی اس تحریک میں گٹھ جوڑ کئے ہوئے ہے۔ وہ حمیمہ میں رہنے والوں کو کیسے مشکوک سمجھتے؟ بہرحال اموی حکومت نے دم توڑتے توڑتے پتہ لگالیا کہ عباسی بھی اس تحریک میں شامل ہیں۔ قصہ علامہ اسلم کی تاریخ سے ملاحظہ ہو:۔

۔''آخر میں امام ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کا ایک خط جوانہوں نے ابومسلم کے نام روانہ کیا تھا۔ اور جس میں یہ لکھا تھا۔ کہ خراسان میں جتنے عرب ہیں اُن سب کو قتل کردو، خلیفہ مروان کے ہاتھ لگا۔ اُس نے اسی وقت اُن کو حمیمہ سے گرفتار کراکے حران میں قید کردیا۔ وہ اسی قید میں مرے۔ گرفتاری کے وقت اپنے بھائی ابوالعباس سفاح کو اپنا وصی مقرر کرکے اپنے متعلقین کو یہ حکم دے دیا کہ اُن کی اطاعت کرنا۔ ابوسلمہ وزیر آلِ محمدؐ نے اُن کے سارے خاندان کو حمیمہ سے کوفہ لاکر ایک مکان میں اتارا اور اُن کا حال اپنی جماعت سے بھی مخفی رکھا اور خود کوفہ سے تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا''۔

(تاریخ امت جلد 4 صفحہ 46-45)

یہ وہ وقت تھا کہ اگر اعیان تحریک آزاد ہوتے اور عباسی جاسوسوں کے جال سے آگاہ ہوتے تو یہ وقت تھا کہ خلافت الٰہیّہ قائم ہوجاتی۔اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام خلیفۃ اللّٰہ و حجۃ اللّٰہ کی حیثیت سے ممالک اسلامیہ کی راہنمائی قبول کر لیتے۔مگر وہ امام ہو ہی نہیں سکتا۔جس کی آنکھ سے کوئی خیال، چال یا اقدام وسیاست پوشیدہ رہ جائے۔چنانچہ پھر اسلم صاحب سے سنئے:۔

(الف) ابوسلمہ وزیر آل محمدؐ کی قیامِ خلافتِ الٰہیّہ کی ناکام کوشش

ابوسلمہ نے عراق کے تمام شہروں کو فتح کرنے کے لئے حسن کو متعین کر رکھا تھا۔جب وہ حکومت اموی کو ختم کر کے واپس آیا تو پھر علامہ سے سنئے!:۔

۔’’حسن نے جب عراق فتح کر کے تمام اختیارات ابوسلمہ کے حوالے کر دیئے۔تو اس کو یہ خواہش ہوئی کہ امامت کو بنی عباس کے بجائے بنی فاطمہؑ میں منتقل کرے۔اُس وقت اُن میں سے تین شخص ممتاز تھے۔امام جعفر صادقؑ۔عبداللہ بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ۔اور عمر اشرف بن زین العابدینؑ۔سب سے پہلے اس نے امام جعفر صادقؑ کو لکھا کہ آپ امامت قبول فرمائیں۔اُن کو قاصد نے جس وقت یہ خط لیجا کر دیا تو اُنہوں نے کہا کہ ابوسلمہ ہمارا شیعہ نہیں ہے۔اس سے ہم کو کیا تعلق؟ قاصد نے کہا خط پڑھ لیجئے۔اُنہوں نے چراغ کو قریب کر کے اُس کی لَو پر خط کو رکھ کر جلا دیا۔اور کہا یہی اس کا جواب ہے‘‘۔(تاریخ اُمت جلد 4 صفحہ 46)

قارئین نوٹ کریں کہ نہ خط پڑھا نہ قاصد سے کچھ دریافت کیا۔نہ یہ خوف کھایا کہ پورے ممالک اسلامیہ کا مختار شخص کل کوئی باز پرس کرے گا کہ میرا خط کیوں جلا دیا تھا۔اب تو ہر شخص کو مان لینا چاہئے تھا کہ ہمارے چھٹے امامؑ وہ سب کچھ جانتے تھے جو مستقبل میں ابوسلمہ اور حکومت کے ساتھ پیش آنے والا تھا۔

(ب) ابوسلمہ مایوس ہوکر دوسرا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں

اسلم صاحب کا بیان:۔

۔’’جب اُن سے مایوسی ہوئی تو عبداللہ (بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ) کو لکھا۔وہ اس خط کو پڑھ کر فوراً مشورہ کے لئے امام جعفرؑ کے پاس آئے اُنہوں نے کہا کہ اہل خراسان تمہارے شیعہ کب تھے؟ کیا تم نے ابوسلمہ کو وہاں بھیجا تھا۔؟ کیا تم ان میں سے کسی کے نام یا صورت سے بھی آشنا ہو؟ ان باطل آرزؤں میں نہ پڑو۔پہلے یہ پیغام میرے پاس بھی آیا تھا۔میں نے اس کو رد کر دیا۔یہ سُن کر وہ بھی خاموش ہو رہے۔اور کچھ جواب نہ دیا۔آخر اُنہوں نے عمر اشرف کو لکھا۔اُنہوں نے کہا کہ میں اس خط کے لکھنے والے کو نہیں جانتا‘‘۔(ایضاً صفحہ 47-46)

اب تو مان لینا چاہئے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو اُس خط کا مضمون معلوم تھا۔ بہر حال خاندانِ اہلبیتؑ نے امام کی تقلید کی اور خاموش ہو گئے۔

(ج) ابوسلمہ نے حالات کا غلط اندازہ کیا اور عباسی حکومت وجود میں آ گئی

جب عباسی خاندان کو جناب ابوسلمہ وزیر آلِ محمدؑ نے کوفہ کے ایک مکان میں چھپا دیا تو انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ کوفہ میں کوئی شخص اس راز کو فاش نہ کرے گا۔ لیکن اُنہوں نے اہلبیتؑ کے سربراہوں سے خط و کتابت کے دوران اس راز کو قطعی طور پر پوشیدہ رکھنے کے لئے کوئی مادی اور یقینی انتظام نہ کیا۔ اموی یا عباسی سیاست کا تقاضہ ایسے مواقع پر پورے خاندان کو قتل کر دینا سب سے یقینی ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ مگر ابوسلمہ نے نہ اُنہیں قتل کرانا پسند کیا۔ نہ اُن کو کسی غیر معروف دیہات میں زیرِ نگرانی رکھا۔ اور نہ کوفہ میں اُن سے ملنے جلنے پر پابندی لگائی۔ ایک گھر میں اُتارا اور اس قدر کافی سمجھا کہ دریافتِ حال کرنے والوں کو اُن کی کوفہ میں موجودگی نہ بتائیں۔ لہٰذا یہ بدانتظامی آخر اُس وقت کھل گئی جب ابوجہم نے ابوسلمہ سے اُس افواہ کی تصدیق چاہی کہ خاندان عباس کوفہ میں مقیم ہے۔

۔''ابوسلمہ نے کہا کہ عباسی خاندان ابھی تک کوفہ میں نہیں پہنچے۔ مگر ابوجہم نے سخت اصرار سے بار بار سوال کیا۔ ابوسلمہ نے کہا کہ ابھی اُن کے خروج کا وقت نہیں آیا ہے۔ اسی اثنا میں ابوالعباس کے ایک خادم سابق الخوارزمی سے ابوحمید کی ملاقات ہوئی۔ ابوحمید نے اُس سے اپنے آقاؤں کا حال سنانے کو کہا۔ اُس نے بتایا کہ وہ سب کوفے میں ہیں۔ مگر ابوسلمہ نے اُن کو پوشیدہ رہنے کی ہدایت کر رکھی ہے۔ ابوحمید اس غلام سابق الخوارزمی کو ابوجہم کے پاس لے آیا۔ اُس نے ابوجہم سے بھی حالات بیان کر دیئے۔ ابوجہم نے ابوحمید کو غلام کے ساتھ قیام گاہ کا پتہ لگانے کے لئے بھیجا۔ وہ واپس آئے تو اُس کے ہمراہ ابراہیم بن مسلمہ اُن کے ہمراہیوں میں سے ایک اور شخص بھی تھا۔ اُن دونوں نے ابوجہم سے آ کر بیان کیا کہ امام ابراہیم محلّہ بنی اود کے فلاں مکان میں فروکش ہیں۔ اور یہاں آنے کے بعد اُنہوں نے ابوسلمہ سے سو دینار مانگ بھیجے تھے۔ مگر اُس نے نہیں دیئے۔ یہ سن کر ابوجہم، ابراہیم اور ابوحمید، موسیٰ بن کعب کے پاس آئے اور اُسے سارا واقعہ سنایا۔ اور اُسی وقت دوسو دینار امام کو بھیج دیئے۔ اس کے بعد ابوجہم ابوسلمہ کے پاس آیا۔ اور پھر امام کو پوچھا۔ اُس نے کہا ابھی اُن کے خروج کا وقت نہیں آیا ہے۔ کیونکہ ابھی تک واسط فتح نہیں ہوا ہے۔ (تاریخ طبری جلد 7 صفحہ 37)

ابوسلمہ وزیر آلِ محمدؑ اس قدر غافل اور اپنی غفلت پر مطمئن تھے کہ اُن کو یہ بھی علم نہ تھا کہ خاندان عباس نے دشمنانِ آلِ محمدؑ میں سے مخصوص لوگوں کو جاسوسی کے لئے تعینات کر کے ایک جال بچھا رکھا ہے۔ اس تحریک میں امام عصر کا نام متعین نہ ہونے کی

وجہ سے یہ گنجائش بھی تھی کہ وقت آنے پر جسے چاہیں خلیفہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور انتظام کی پختگی فوراً تمام مخالف گروپ کی سرکوبی کرسکتی ہے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ابوسلمہ اس قدر لاپرواہ شخص تھا کہ اُس نے ذرہ برابر ادھر توجہ نہ دی اور بنی عباس کو مخلص سمجھ کر اُن پر شک تک نہ کیا۔ اُدھر عباسی خاندان کا ہر سربراہ برابر دوہرا انتظام کرتا چلا آیا تھا۔ بہت ممکن ہے۔ کہ ابوہاشم کے بعد علی بن عبداللہ اور محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس مخلص رہے ہوں۔ لیکن اس خلوص میں یہ دوہرا انتظام شک ڈالتا ہے کہ اُنہوں نے تحریک کے عوام کو چند چہروں کے علاوہ باقی افرادِ تحریک سے ناواقف رکھا۔ اور رفتہ رفتہ اُنہیں عادی بنادیا کہ وہ اُن چند چہروں کے حکم سے ہر قسم کے احکام کی تعمیل کرگذریں۔ پھر اُن چند چہروں پر کئی دوسرے کھلے یا نقاب پوش چہرے متعین رکھے کہ اگر دوران سفر یہ موقعہ مل جائے تو اُس وقت کے اُن چند چہروں کو بے بس کرکے آل علیؑ کی جگہ خود اپنی حکومت قائم کر لی جائے۔ ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کے قتل یا گرفتاری کے بعد نہایت سہولت سے حکومت آل علیؑ قائم کی جاسکتی تھی۔ اس لئے کہ اُس وقت اچانک اس خاندان کا کوفہ میں آجانا اُن کے لئے ایک لاعلاج خطرہ تھا۔ لیکن ابوسلمہ کی حماقت سے نقاب پوش نظام نے محسوس کرلیا۔ اور سمجھ گئے کہ اگر جلد ابوالعباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ سے رابطہ قائم نہ ہوا تو خاندان علیؑ برسر حکومت آجائے گا۔ اور پھر ہم سب کو اُن کا وفادار رہنا پڑے گا۔ اُدھر ابوسلمہ کے بار بار انکار اور رازدارانہ عملدرآمد نے اُس کی پول کھول دی۔ چنانچہ یہ لوگ ہونے والے پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سے خفیہ طور پر ملے تمام حالات سے مطلع کیا۔ ابوالعباس نے ابوسلمہ کی پالیسی سے گھبرا کر فوراً اپنی خلافت کی بیعت کا اعلان کرادیا۔

(45) <u>تحریک آل محمدؐ آخر خلافتِ عباسیہ بن گئی</u>

خلافت عباسیہ کا قیام اسلم صاحب سے سنیں:۔

۔''شیعہ بنی عباس میں سے بعض روساء کو ابوسلمہ کی اس مخفی کاروائی کا علم ہوگیا۔ اس لئے اُنہوں نے عجلت کی اور آکر ابوالعباس سفاح کو خلافت کا سلام کیا۔ ابوسلمہ نے بھی پھر اُن کی تقلید کی۔ لیکن ابوالعباس کے دل میں یہ کینہ بیٹھ گیا۔ اور اس کا جو نتیجہ ہوا وہ آگے بیان ہوگا''۔ (تاریخ اُمت جلد 4 صفحہ 47)

قارئین یہ نوٹ کریں کہ تاریخ میں جہاں جہاں شیعانِ معاویہ استعمال ہوا ہے۔ اُس سے بجاطور پر وہ جماعت مقصود ہے جو آل علیؑ کے مقابلہ میں اموی یا عربی حکومت کی طرفدار تھی۔ یہی بات جناب عثمانؓ کے شیعوں کے لئے صحیح ہے۔ چونکہ یہ جماعتیں شیعانِ اہلبیت علیہم السلام کے مقابلے میں اُٹھی تھیں۔ اس لئے مخالفین نے الفاظ کے دیوالہ کی بنا پر وہی نام اختیار کرلیا۔ مگر عباسی خاندان کی نہ کوئی جماعت طرفدار تھی نہ اُنہیں حکومت کی کوئی امید تھی نہ انہوں نے دعویٰ حکومت کیا تھا۔ وہ ایک

قسم کی مجہول زندگی بسر کرتے چلے جا رہے تھے۔ البتہ ابو ہاشم بن محمدؒ الحنفیہ کے بعد جب اُنہوں نے تحریک آل محمدؐ پر کام شروع کیا تو اُنہیں تحریک آل محمدؐ کی آڑ میں، نہایت چابکدستی کی شرط پر اپنی حکومت کی جھلک نظر آنے لگی۔ اس چابکدستی کے تحت اُن پر لازم تھا کہ وہ چند آزمودہ دشمنانِ اہلبیت کو اپنے ساتھ شامل کریں اور اُنہیں آنے والے موقعہ کی نزاکت اور افادیت سے مطلع کر کے تحریک کے کلیدی مقامات پر محض بطور نگران لگا دیں۔ چنانچہ انہی کو مورخین شیعانِ عباس کہتے ہیں اور ہم نے اُن ہی کو نقاب پوش جماعت قرار دیا ہے۔ دوران تحریک یہ لوگ بالکل بے اختیار معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُن کی پوزیشن محض مشورہ دینے والوں کی معلوم ہوتی رہی ہے۔ <u>اسی لئے ابو مسلم جو امین آل محمدؐ مشہور تھے۔ اور ابو سلمہ وزیر اہلبیتؑ دونوں اُن لوگوں کو ناقابل اعتنا سمجھتے رہے۔ اور آخر دونوں نہایت ذلت وخواری کے ساتھ راستے سے ہٹائے اور تہہ تیغ کر دیئے گئے۔</u> اور نہایت اطمینان کے ساتھ حکومت بنی عباس کے قابو میں چلی گئی۔

(الف) <u>اعلانِ خلافت میں بھی بدستور تحریک آل محمدؐ کو ملحوظ رکھا گیا</u>

اعلانِ خلافت کی تفصیل میں یہ نہیں کہا گیا کہ آج سے ہم ایسے خلیفہ ہیں جو آل علیؑ کو محروم کر کے خود حکومت چلائیں گے۔ بلکہ ہر بیان اور ہر اعلان میں شیعان آل محمدؐ کو پُر امید رکھا جاتا رہا۔ لہٰذا باقاعدگی کے ساتھ وہی عقائد بیان کئے جاتے رہے۔ جو شیعان اہلبیتؐ کے تھے، اور کھل کر سابقہ تمام حکومتوں کی مذمت کی جاتی تھی۔ تاکہ تحریک تشیع کے دماغوں میں باغیانہ خیالات پیدا نہ ہوں اور حکومت کی گرفت مضبوط تر ہوتی چلی جائے۔

(ب) <u>کوفہ کے شیعانِ اہلبیتؐ، کی خدمات کی تحسین کی گئی</u>

۔''ابو العباس (بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلبؑ) نے 12 ربیع الاول 132 ہجری کو جامع مسجد کوفہ میں جمعہ کی نماز پڑھائی خطبہ میں حمد وصلوۃ کے بعد اپنی قرابتِ رسولؐ پر فخر کیا۔ اس کے بعد بنی امیہ کے ظلم وستم کا حال بیان کر کے کہا کہ ہم اہل خیر وصلاح ہیں۔ ہم سے ظلم وفساد کا اندیشہ نہیں ہے۔ اے اہل کوفہ تم ہمیشہ سے ہمارے محب رہے۔ اس راہ میں تم نے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کیں۔ اور سخت سے سخت ظلم سہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ تم کو ہمارا زمانہ مل گیا۔ اور اس دولت کی سعادت حاصل ہوگئی۔ میں تمہاری تنخواہوں میں سو سو درہم کا اضافہ کرتا ہوں۔ اور تمہاری خوش نصیبی پر مسرور ہوں۔ ابو العباس سفاح کو اس وقت شدت کا بخار تھا۔ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔ اُس کا چچا داؤد بن علی (بن عبداللہ بن عباس) جو نہایت زبان آور تھا منبر پر اس کے بازو میں کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ ہے''۔

(جلد 4 صفحہ 48-47 تاریخ اُمت)

(ج) آلِ علیؑ کی حمایت اور سابقہ حکومتوں کی مذمت

۔''ہم نے اس خلافت کی کوشش زر و جواہر جمع کرنے کے لئے نہیں کی ہے۔ نہ ہمارا مقصد یہ ہے۔ کہ عالیشان محلات اور باغات بنوائیں اور اُن میں نہریں جاری کریں۔ بلکہ ہم نے دیکھا کہ ہمارے حقوق ہضم کئے جا رہے تھے۔ ہمارے بنی اعمام (آلِ علیؑ) کی تحقیر کی جاتی تھی۔ رعایا کے اوپر مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ اور اُن کے مال پر دست درازیاں روا رکھی جاتی تھیں۔ ان امور کو ہم برداشت نہیں کر سکے۔.............اس کے بعد کوفیوں کی بہت مدح سرائی کی کہ اُنہوں نے اہلبیتؑ کی حمایت و نصرت میں بہت کچھ قربانیاں کی ہیں۔ پھر اُن کو اُمیدیں دلائیں۔ آخر میں کہا کہ یہ یاد رکھو کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس منبر پر بجز حضرت علیؑ اور اِس ابوالعباس کے کوئی خلیفہ برحق نہیں بیٹھا''۔ (جلد 4 صفحہ 49-48)

۔''اس تقریر کے بعد ابوالعباس منبر سے اُتر کر قصرِ امارت میں چلا گیا اور اس کے بعد ابوالعباس کے بھائی ابوالمنصور نے لوگوں سے ابوالعباس کی بیعت لی۔'' (تاریخ اُمت جلد 4 صفحہ 49)

(د) تحریکِ تشیع نے غصبِ خلافت کا اعلان کرالیا

ساری دُنیا جانتی ہے کہ خلافت بنی عباس مذھباً شیعہ حکومت نہ رہی تھی۔ مگر یہ تحریک تشیع کا دباؤ اور اُس کی کامیابی کا سب سے بڑا کارنامہ تھا کہ اُس نے صرف ایک سواکیس سال میں یہ اعلان کرالیا کہ علیؑ کے علاوہ منبر رسولؐ پر جو خلیفہ بھی بیٹھا وہ برحق خلیفہ نہ تھا۔ گویا خلافتِ عباسی علیؑ کو خلیفتہ بلافصل ماننے کی قوت سے وجود میں آئی تھی۔ اِس ایمان کے بعد کسی کا کافر ہو جانا یا مومن رہنا بہر طور انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اس عظیم الشان اور مذہبِ شیعہ کی جان نتیجے تک پہنچنے کے لئے ہم نے اس تحریک کا تذکرہ کیا ہے۔ دوسرا نتیجہ جو اس تحریک سے برآمد ہوا وہ یہ تھا کہ سابقہ ادوار میں جس قدر دشمنانِ اہلبیت جنابِ امیر مختارؒ کے ہاتھ سے بچ گئے تھے۔ اُن سب کو چن چن کر اِس حکومت نے ٹھکانے لگا دیا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو یہ کہنا پڑا کہ بنی اُمیہ کی نسل دُنیا سے ختم ہوگئی۔ اور اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ o(108/3)

''۔یقیناً آپؐ کے بُرا چاہنے والا منقطع النسل ہو جائے گا''۔ کی قرآنی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

تیسرا نتیجہ سب سے اہم تھا۔ وہ یہ کہ تحریک تشیع نے ایک نہایت سنگین اور مہلک تجربہ کیا۔ اور آئندہ کی تحریکات میں اُن لاپرواہیوں اور غلط اندیشیوں سے محفوظ رہے جو اس تحریک میں ہوئی تھیں۔ اور اس ناکامی سے ملتِ شیعہ میں ایک نیا جوش پیدا ہوا۔ جس سے سینکڑوں جانفروش میدان میں نکلنے پر مجبور ہوئے۔ اور آخر اس عہد میں یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں کارِ تحریر و تشیع کو کھل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ ہزاروں افراد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مختلف علوم و فنون و مذاہب و سیاست پر تعلیم پا کر تمام دُنیا میں پھیل گئے اور عقائدِ مذہب کی تخلیص و تبلیغ پر مامور ہوئے۔

(46) تحریک تشیع پر اسلم صاحب کے تاثرات اور عباسی حکومت

۔''خلافتِ عباسیہ کو شیعہ نے دینی عقیدت کے نام سے قائم کیا۔عوام کے قلوب پر وہ یہ کہہ کر اثر ڈالتے تھے۔کہ امامت آل محمدؐ (آل علیؑ) کا حق ہے۔اُن ہی کو ملنی چاہیئے۔آل مروان (آل مروان ہی نہیں بلکہ تمام سابقہ حکومتوں) نے اس کو غصب کر رکھا ہے۔جو کسی طرح اس کے حق دار نہیں ہیں''۔(جلد 4 صفحہ 50)

اس کے بعد علامہ صاحب بتاتے ہیں کہ سارے عرب میں اُس وقت (132ھ) شیعہ پھیلے ہوئے تھے سنئے:۔

(الف) شیعت عرب و عجم پر چھائی ہوئی تھی

۔''شیعہ اہلبیتؑ کے دو فرقے امامیہ اور زیدیہ عرب و عجم میں کثرت سے پھیلے ہوئے تھے۔اور اُن کی دعوت عام تھی۔ بنی عباس نے اپنی امامت کی تلقین میں اس وجہ سے کسی امام کا نام متعین کرنا مناسب نہیں خیال کیا۔کیوں کہ وہ چاہتے تھے کہ اُس (تحریک تشیع کی) دعوتِ عام سے نفع اُٹھائیں۔چنانچہ اُنہوں نے بھی محض امامتِ اہلبیتؑ کی تبلیغ کی۔اور اس تدبیر سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے''۔(جلد چہارم صفحہ 88 تاریخ اُمت)

قارئین یہ سمجھ لیں کہ علی مرتضٰی علیہ السلام اور اُن کی فاطمی اولاد کے نام میں کس قدر طاقت تھی کہ اُن ناموں کے صدقہ میں بنی عباس نے اپنی حکومت قائم کرلی۔اور یہ کہ اس تحریک نے کتنی ہمہ گیری اختیار کی کہ اس مذہب نے دلوں کو مسخر کیا اور مقابلے میں آنے والی ہر طاقت کو شکست پر شکست دی۔اور ایک دن اِس حکومت عباسیہ کے تار پود بھی بکھیر کر رکھ دیئے۔اسی جعلساز حکومت کو تباہ کرنے کے لئے مصر میں اسماعیلی یا فاطمی حکومت کا قیام ہوا تھا۔

(ب) جعلساز عباسی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مخالفت

۔''بنی فاطمہؑ نے اُن (عباسیوں) کو بھی ویسا ہی ظالم اور غاصب قرار دیا جیسا کہ بنی اُمیہ (وغیرہ) کو وہ سمجھتے تھے۔ کیوں کہ امامت اُن کے نزدیک (اور تحریک آل محمدؐ میں) صرف بنی فاطمہؑ کا حق تھی۔اُن میں سے اس وقت دو شخص ممتاز تھے۔ ایک امام جعفر صادقؑ جو فرقہ امامیہ کے امامِ ششم تھے۔دوسرے محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسنؑ (بن علیؑ) جن کا لقب اُن کے پاکیزہ صفات کی وجہ سے نفسِ زکیہ تھا۔اور اہلبیتؑ کے اکثر لوگ اُن کو (سیاست کے) مہدی مانتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ تقدیر پر صابر و شاکر رہے۔انہوں نے بنی عباس کے خلاف کسی قسم کی (قانونی) کوشش نہیں کی بلکہ معتقدوں کو تاکید کیا کرتے تھے۔کہ خاموش رہیں۔لیکن محمد نفس زکیہ اپنی خلافت کے لئے سخت کوشاں تھے۔بنی اُمیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد بن مروان بن حکم 127ھ ھجری ہی میں اکثر رؤسائے بنی ہاشم نے اُن کی امامت پر بیعت کی تھی اور اُن کو مہدی (سیاست) تسلیم کیا تھا۔اس بیعت میں ابوالعباس سفاح (پہلا عباسی خلیفہ) اور (اس کا بھائی) منصور بھی شامل تھے۔اسی وجہ

سے جب عباسیوں نے (فاطمیوں کو محروم کر کے اپنی) خلافت قائم کی ۔تو محمد نفس زکیہ نے ابوالعباس سفاح کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ۔اور چاہا کہ خود اپنی خلافت (فاطمیہ) کا دعویٰ کریں ۔ابوالعباس سفاح نے اُن کو خط لکھا وہ چونکہ ابوالعباس کے احسان مند تھے ۔اس لئے ابوالعباس کے زمانہ میں مخالفت سے باز رہے ۔محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ کے دوسرے بھائی ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسنؑ تھے ۔اُن کو خراسان کی ایک جماعت امام مانتی تھی ۔اور اُن کی حمایت کے لئے تیار تھی ۔ جب ابوالعباس کا بھائی منصور خلیفہ ہوا۔تو چونکہ اُس کو اُن دونوں بھائیوں کا حال معلوم تھا۔اور وہ (تحریک کے دوران) اُن کا راز دار رہ چکا تھا۔اس لئے اُس کو اُن کی طرف سے ہر وقت خطرہ تھا ۔'' (صفحہ 90-89 جلد چار)

منصور نے دن رات دونوں کی گرفتاری اور قتل کے لئے کوشش کی ۔کئی ایک گورنروں کو معزول کیا، نئے تقرر کئے ۔مدینہ کے گورنر رباح نے بنی حسنؑ کو ماخوذ کیا کہ وہ اُن دونوں بھائیوں کا پتہ بتائیں ۔چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

(ج) <u>نفس زکیہ اور ابراہیم کے لئے بنی حسنؑ کی گرفتاری</u>

۔''رباح نے بنی حسن میں سے تیرہ (چیدہ) اشخاص کو پکڑ کر منصور کے پاس بھیجا۔اُن کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن عمر و بن عثمانؓ بن عفان بھی مقید تھے ۔کیوں کہ وہ ماں کی طرف سے بنی حسنؑ سے رشتہ رکھتے تھے ۔نیز اُن کی بیٹی نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم سے بیاہی تھیں ۔منصور نے ان لوگوں پر اور خاص کر محمد عثمانی پر اس قدر سختیاں کیں جو لکھنے کے قابل نہیں ہیں ۔ یہاں تک کہ اُن میں سے اکثر ہلاک ہو گئے ۔'' (صفحہ 91 جلد 4)

(د) <u>علامہ یزیدیوں کی مدح اور بنی عباس کی مذمت کرتے ہیں</u>

اوپر کے بیان سے مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

۔''یہ وہی بنی عباس ہیں ۔جنہوں نے تمام دنیا میں یہ غلغلہ ڈال رکھا تھا۔کہ ہم قاتلانِ اہلبیتؑ کے انتقام کے لئے اُٹھے ہیں ۔حالانکہ بنی امیہ کے زمانہ میں آئمہ اہلبیتؑ میں سے جو لوگ مقتول ہوئے تھے ۔وہ میدان جنگ میں لڑ کر مقتول ہوئے تھے ۔اُنہوں نے اہلبیتؑ کے کسی ایک فرد کو بھی اس ظالمانہ طریقے سے پکڑ کر ہلاک نہ کیا تھا۔اپنے خاندان پر ان مظالم کو دیکھ کر محمد نفس زکیہ کو تابِ ضبط نہ رہی ۔یکم رجب 145ھ ہجری کو وہ دو سو پچاس آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے ۔وہاں کے باشندوں نے اُن کا ساتھ دیا۔امیر مدینہ رباح نے مقابلہ کرنا چاہا۔مگر اس کو لوگوں نے گرفتار کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔''

(ہ) <u>نفس زکیہ کو منصور نے مغالطہ دیا</u>

مدینہ پر قبضہ کرنے کے بعد محمد نفس زکیہ نے اعلان کر دیا کہ:۔

۔''میں تو یہاں اُس وقت آیا ہوں ۔جب کہ دنیائے اسلام کے ہر مقام کے لوگوں نے میری امامت کی بیعت کر لی ہے۔''

۔’’اہل مدینہ یہ سن کر خوش ہو گئے ۔لیکن حقیقت یہ نہیں تھی ۔ بلکہ منصور نے اپنی طرف سے جا بجا ایسے لوگوں کو متعین کر دیا تھا۔ جو محمد نفس زکیہ کے پاس خطوط بھیجا کرتے تھے ۔ کہ یہاں کے لوگ آپ کی امامت پر راضی ہیں ۔ اس سے اُن کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ ہر مقام کے لوگ میری امامت کو تسلیم کر چکے ہیں ۔ اور حمایت کیلئے آمادہ ہیں‘‘ ۔(تاریخ اُمت جلد نمبر 4 صفحہ 93-92)

آپ نے دیکھا کہ عباسی دماغ کس قدر قابل داد ہے کہ بے چارے سیدھے سادے سید کو رُو پوشی سے نکالنے کے لئے ، حمایت کے ایسے اور اتنے خطوط لکھوا دیئے کہ اُنہوں نے اس فریب پر اتنا یقین کیا کہ میدان میں نکل آئے اور سب کو مغالطہ میں مبتلا کر دیا۔ اور اپنے بزرگوں کے تجربات کے خلاف مدینہ کو اپنا مستقر بنا لیا۔ ایک اور عظیم الشان سیاسی غلطی ملاحظہ ہو کہ :۔

(و) جناب محمد نفس زکیہ نے شیعانِ اہلبیتؑ کی نصرت ٹھکرا دی

۔’’ان سب سے بڑھ کر (غلط اقدام) یہ ہوا کہ انہوں نے مدینہ کو اپنا مرکز بنایا۔ جس کی تمام ضروریات باہر سے پوری ہوتی ہیں ۔ اور جو چار دن بھی محاصرہ کو برداشت نہیں کر سکتا ۔ محمد بن خالد قسری نے اُن سے کہا بھی کہ آپ نے مدینہ کو کیوں منتخب کیا ؟ یہ تو ایسا مقام ہے ۔ کہ یہاں کا پانی ہی اگر کوئی دو دن باہر سے روک دے تو یہاں کے لوگ پیاسے مر جائیں گے ۔ بہتر یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ یمن میں چلیں میں ایک لاکھ جنگ آوروں کے ساتھ آپ کی مدد کروں گا ۔لیکن وہ راضی نہیں ہوئے‘‘ ۔(جلد 4 صفحہ 93)

بتایئے کہ اِس صورتِ حال میں شکست کی زیادہ اُمید ہو سکتی ہے یا کامیابی کی ؟ جب کہ دوسری طرف ایک ایسی مضبوط اور طاقتور اور وسیع حکومت سے مقابلہ کرنا ہے ۔ جس کی مثال اُس وقت تک کی تاریخ میں نہیں ملتی ۔ چنانچہ جب منصور کو محمد نفس زکیہ کے خروج کا علم ہوا تو وہ گھبرانے کے بجائے خوش ہوا۔ سنئے !:۔

۔’’منصور اُس زمانہ میں بغداد کی تعمیر میں مشغول تھا۔ جب اُس کو اطلاع پہنچی تو اُس نے ربیع بن عبداللہ سے کہا کہ محمد نے تو بغاوت کا علم کھڑا کر دیا۔ اُس نے پوچھا کہ کہاں ؟ جواب دیا کہ مدینہ میں ۔ اُس نے کہا وہاں کیا ہے؟ نہ آدمی نہ سامان اپنے آپ کو مفت میں تباہ کر لیا‘‘ ۔(جلد 4 صفحہ 93) یہ تھا مدینہ کا حال ۔

(47) بنی امیہ کا خاتمہ حکومت عباسیہ کے ہاتھوں

علامہ اسلم کو بنی امیہ پر بنی عباس کے ہاتھوں انتقام کی تکلیف ملاحظہ ہو:۔

۔’’جو لوگ عالی خیال اور بلند حوصلہ ہوتے ہیں وہ قدرت پا جانے کے بعد مخالفوں کے دلوں کو معافی اور حُسنِ سلوک سے اپنے قابو میں کر لیتے ہیں ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا قصور معاف کر کے اُن کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اسی طرح ہمارے نبی صلعم نے فتح مکہ کے دن اہل قریش کو جنہوں نے اسلام کی عداوت اور آنحضرتؐ اور مسلمانوں کو

ستانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی ۔ عام معافی دے دی ۔ اور بجز خاص مجرموں کے کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا ۔ مگر بنی عباس نے اپنے خاندانی اور ایک جدّی بھائیوں بنی اُمیہ پر غلبہ پا کر جس طرح اُن کو مٹایا اور اُن کے فنا کرنے میں جس قساوتِ قلبی کا اظہار کیا ۔ اس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ہے ۔ داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ جو ابوالعباس سفاح کا چچا تھا ۔ مکہ مدینہ میں جس قدر بنی اُمیہ تھے ۔ اُن سب کو قتل کرڈالا ۔ اُس کے بھائی سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے بصرہ میں یہی کیا ۔ جن کو قتل کرتا تھا ۔ اُن کے پاؤں پکڑوا کر کھنچوا کر راستوں میں ڈال دیتا تھا ۔ عبداللہ بن علیؑ بن عبداللہ بن عباسؓ نے شام میں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایک ایک بنی اُمیہ کو مارڈالا ۔ یہاں تک کہ اُس نے جوش انتقام میں خلفائے بنی اُمیہ امیر معاویہ، یزید (لعین) اور عبدالملک وغیرہ کی قبریں کُھدواڈالیں ۔ اور اُن کی بوسیدہ ہڈیوں کو بھی نکال کر پھینکوادیا ۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش صحیح وسالم نکلی تھی ۔ صرف ناک گل گئی تھی ۔ اُس کو کوڑوں سے پٹوا کر سولی پر چڑھا دیا ۔ پھر آگ میں جلایا اور راکھ ہوا میں اڑادی ۔ عراق میں خود سفاح نے بھی یہی کام کیا ۔ ایک بار دربار میں وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا ۔ ایک جانب کرسیوں پر بنی ہاشم اور دوسری طرف گدّوں پر بنی اُمیہ تھے ۔ اُسی اثنا میں ایک شاعر نے آ کر بنی اُمیہ کے مظالم میں چند اشعار اُس کو سنائے ۔ سفاح کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا ۔ اُس نے بنی اُمیہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا ۔ کہ کم بختو ہمارے جن عزیزوں کو تم نے قتل کیا وہ تو فنا ہو گئے ۔ اور تم ابھی تک اِس دُنیا میں عیش کرنے اور لذّت اٹھانے کے لئے زندہ ہو ۔ پھر خراسانیوں کو حکم دیا کہ وہ اُن کے اوپر ٹوٹ پڑے اور سب کو قتل کرڈالا ۔ صرف ایک شخص عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز، داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی سفارش سے بچ سکا'' ۔ (جلد 4 صفحہ 76-74 تاریخ اُمت)

(الف) <u>محمدؐ و آلِ محمدؐ پر جو جو مظالم ہوئے اور جس جس انداز سے ہوئے</u>

اُن تمام رسومِ ستم رانی کا انتقام لیا گیا تھا ۔ قارئین نوٹ کریں کہ بنی امیہ نے بنی عباس پر وہ مظالم نہ کئے تھے ۔ جن کا انتقام بنی عباس نے لیا ۔ دراصل وہ انتقام اولادِ علی علیہ السلام اور اُن کے جان نثار شہدا کا انتقام تھا جو بنی عباس نے لیا ۔ بنی امیہ نے قبریں کھدوائی تھیں ۔ لاشوں کو نکلوا کر شہدا کے مردہ جسموں کی توہین کی گئی ۔ آگ سے جلایا گیا ۔ تلوار سے قتل کر کے لاشوں کو دو دو تین تین سال تک سولی پر، درختوں پر، شہر کے دروازوں پر لٹکتا رہنے دیا گیا ۔ گُدّی سے زبانیں کھنچوالی گئیں ۔ ہاتھ پیر کٹوا کر پھینک دیا گیا ۔ کف دست مسجد کے دروازوں میں کیلوں سے ٹھونکے اور برسوں نشانِ عبرت بنے رہے ۔ معصوم بچوں کو، عورتوں کو، ضعیف بڈھوں کو، بے دریغ اور بلا حساب قتل کیا جاتا رہا ۔ دیواروں میں چنوایا گیا ۔ علامہ صاحب نے خود قبول کیا ہے ۔ اور تمام نظارے قارئین کے سامنے سے گذر گئے ہیں ۔ یہ تھا شریف دماغوں اور غیور قلوب میں وہ غیظ وغضب جو برابر سلگتا رہا ۔ یہ تھے وہ مظالم جن کا انتقام بنی عباس اور امیر مختارؓ سے بھی پورا نہ ہوا ۔ ابھی یہ انتقام ایک دفعہ پھر لیا جانے والا ہے ۔

اُس وقت کا سارا زمانہ انتظار کررہا ہے۔ ساری دُنیا منتظر ہے رُوحِ عصر کے ظہور پر، امام دوازدھم حضرت محمد مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خروج پر، وہ تلوار باہر نکلنے والی ہے جو پھر ایک دفعہ مُردوں کو زندہ کرکے اُنہیں بتائے گی کہ کون کون انتقام سے بچ نکلے تھے۔ **ہمارا سلام ہو امام عصرؑ پر۔**

علامہ صاحب نے حضرت یوسف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہما و آل ھما کی مثال دے کر کہہ دیا کہ اسلامی تاریخ میں بنی عباس کے مظالم کی مثال نہیں ملتی۔ یہ دُنیا کے سب سے بڑے جھوٹوں میں سے ایک بڑا جھوٹ ہے۔ اُنہوں نے کوئی مثال آنحضرتؐ کے بعد کی دینا پسند نہ کی اس لئے کہ تاریخ تو بعد میں بھی تھی۔ جس کا ہرورق ہر صفحہ اور ہر سطر بلکہ ہر نقطہ بنی نوع انسان کے ٹھنڈے خون سے رنگین ہے، بے بس و بے کس اور مغلوب و نہتےّ لوگوں کے خون سے لالہ زار ہے، بے قصور و معصوم خون سے چمک رہا ہے، تاریخ ایسے جھوٹوں کو منہ چڑا رہی ہے۔ یہ بھی جھوٹ ہے کہ بنی اُمیہ و بنی عباس ایک ہی جدّ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں۔ ارے اُس ملک میں جدّی اور نسلی، یہ الفاظ احمقانہ تھے۔ وہاں ایک ترقی یافتہ معاشرہ تھا۔ وہاں اولادِ آدم سب بھائی بھائی تھے۔ وہاں رشتوں اور ذات پات کی تمیز کہاں تھی؟ وہاں بیٹیوں سے، بہنوں سے، ماؤں سے نسل جاری کرلی جاتی تھی۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا تھا کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں۔ اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں۔ اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں۔ (سورہ نور آیت نمبر 26) قرآن کریم کی سند کسی کو حاصل ہو تو بات کرے؟ اپنے گھر میں بیٹھ کر یا بھانڈوں کو کچھ لے دے کر شجرے گھڑوائے جاسکتے ہیں۔ لیکن سوال سند کا ہے۔ شجرۂ ملعونہ کا کیا تعلق ہوسکتا ہے بنی ہاشم کے ساتھ؟ قرآن سے عرب کا حال ہماری تصنیفات میں ملاحظہ ہو۔

(48) اگر امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیروی کی جاتی؟

یہ صحیح ہے کہ بنی عباس نے اولادِ علیؑ یا اہلبیت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر تحریک چلائی تھی۔ اور طرح طرح سے اُن ہی عقائد و تصورات کا اعلان کیا تھا جو برابر مذہب اثنا عشری میں رہتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ بنی عباس نے محمدؐ و آل محمدؐ یا آل علیؑ پر نہایت وحشیانہ اور بے دریغ مظالم کئے اور اپنی عاقبت خراب کرلی۔ لیکن انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اُن کی اونتیس سالہ تحریک کے ہر پہلو پر نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ کیا اُنہوں نے بلا کسی اشتعال اور بلا کسی وجہ کے اَمن پسند شیعوں پر مظالم کئے؟ کیا اُن کو آل علیؑ سے کوئی دشمنی تھی؟ کیا اُن کے کسی قول و فعل سے کوئی ایسا تعصب یا مذہبی اختلاف ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ بنی امیہ کے اقوال و اعمال و احکام سے تاریخ میں اُبھرا ہوا ملتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ اُن پر یہ جرم عائد کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے کہ اُنہوں نے آل محمدؐ کا نام لے کر اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس کے سوا اُن پر یک طرفہ کوئی اور جرم عائد نہیں ہوتا۔ مگر سوال یہ بھی تو ہے کہ ابوسلمہ وزیر آل محمدؐ کو وزیر آل محمدؐ خود عباسی خاندان ہی نے تو بنایا تھا۔ اُس نے کیوں اور کس

سند سے خلافت کو خاندان عباس سے نکال کر جناب امام جعفرؑ صادق کو دینا چاہا؟ وہ تو یہ تک نہیں جانتا کہ آل علیؑ میں کون دراصل حقدارِ خلافت ہے۔ ورنہ وہ باری باری تین افرادِ خاندان کو دعوت نہ دیتا وہ تو احمقانہ حرکات بلکہ حرکات مذبوحی کر رہا تھا۔ اُس نے دراصل خاندان علیؑ کو عباسی خاندان کا ہدف بنا دیا۔ پھر یہ سوچئے کہ اگر وہ ابوالعباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے خاندان کو محصور نہ کرتا۔ اور سیدھا سیدھا اُن کی خلافت کا اعلان کرتا۔ جیسا کہ اس حماقت کے بعد کیا تو کیا اس صورت میں بھی عباسی خاندان آل علیؑ پر ظلم کرتا؟ جب آل علیؑ کی طرف سے کوئی بغاوت ہی نہ ہوتی اور کوئی عباسی حکومت کی مخالفت ہی نہ کرتا۔ تو ہم نہیں سمجھتے کہ پھر بھی خلفائے عباسیہ آل علیؑ کو نشانہ بناتے؟ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آل علیؑ میں سے سب سے بزرگ ہستی یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ اُنہوں نے ذرہ برابر قانونی مخالفت نہیں کی۔ لہٰذا اُن سے کوئی قانونی باز پرس بھی نہیں کی گئی۔ بلکہ عباسی دورِ حکومت میں اُن کو جو سہولتیں حاصل ہوئیں۔ وہ سابقہ آئمہؑ کو حاصل نہ ہوئی تھیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ اگر تمام شیعہ محاذ اُن سے برابر تعاون کرتا رہتا تو بھی وہ آل علیؑ کے دشمن رہتے۔ اس کے برخلاف ہم کہتے ہیں کہ وہ خلافت ایک شیعہ حکومت ہوتی جو شخص ابوسلمہ کا زخم کھانے اور اس کی چال سے واقف ہو جانے کے بعد بھی علیؑ کو خلیفہ بلافصل ہونے کا اعلان کر رہا ہو جو سابقہ تمام حکومتوں کو غاصب و باطل قرار دے رہا ہو۔ اُس سے جس قدر اچھی اُمیدیں ممکن ہوں قائم کرنا حق بجانب ہے۔ پھر یہ دیکھئے کہ پہلے عباسی خلیفہ سے محمد نفس زکیہ نے براہ راست مخالفت نہیں کی تو ابوالعباس نے بھی اُن کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ جناب محمد نفس زکیہ نے خلافتِ عباسی کے قیام سے پانچ سال قبل ہی مروان ثانی خلیفہ بنی اُمیہ کے خلاف تحریک شروع کر دی تھی اور اس تحریک میں بنی عباس نے تعاون کیا تھا۔ خصوصاً پہلا عباسی خلیفہ ابوالعباس اور اس کا بھائی منصور جو دوسرا عباسی خلیفہ ہوا اس تحریک میں نفس زکیہ کے ممد و معاون تھے۔ اگر نفس زکیہ پہلے عباسی خلیفہ کے خلاف نہ اُٹھے تو وہ دوسرے کے زمانہ میں بھی خاموش رہ کر حالات کو دیکھ سکتے تھے۔ اور جب تک خلفائے عباسیہ کے عملدرآمد کو تائید میں پاتے خاموش رہتے تو بڑے سے بڑا الزام اُن پر وہی لگتا جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خاموشی پر لگ سکتا تھا۔ یہ کہاں سے امام جعفر صادقؑ سے زیادہ ذمہ داریاں لے آئے تھے؟ کون تھا وہ جو انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیتا تھا۔ پھر اُن کی سیاسی سوجھ بوجھ کا جو حال تھا وہ آپ دیکھ چکے ہیں۔

اس تمام بے مایگی اور سیاسی بے چارگی اور فقدانِ حمایتِ عوام و امام زمانہ علیہ السلام وہ برابر مخالفت کرتے اور بے نتیجہ رُوپوشی میں مارے مارے پھرتے رہے۔ اُن کی وجہ سے بنی حسن پر آفات نازل ہوتی رہیں۔ اُنہیں چاہئے تھا کہ خاندان کو گرفتار کرانے کے بجائے خود گرفتار ہو جاتے۔ خاندان کو اذیتوں کے ساتھ قتل کرانے کے بجائے خود حاضر ہو کر قتل ہو جاتے۔ یا کہیں سڑ کر مر جاتے اور خاندان کو بچا لیتے۔ بنی حسنؑ پر جتنی سختیاں اور مصائب گذرے وہ سب جناب نفس زکیہ اور اُن کے

بھائی ابراہیم کی ذمہ داری ہے۔

(الف) خاندان حسنؑ بن علیؑ کی مخالف شاخ

جناب محمد (نفس زکیہ) بن عبداللہ بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ اور اُن کے حقیقی بھائی ہی کی وجہ سے بنی حسنؑ کی ایک شاخ نے ہمیشہ کے لئے حکومت کا ساتھ دینے اور ہر حال میں آئمہ معصومین علیہم السلام کے خلاف رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔اور جب منصور اپنی خلافت کے پہلے حج کے لئے آیا۔اور اُن دونوں بھائیوں کے حالات وخیالات کا پتہ چلانے کے لئے تفتیش شروع کی تو مکہ کے گورنر نے اور تمام خاندان بنی ہاشم نے حقیقت کو اس لئے چھپایا کہ منصور اُن دونو مفرور بھائیوں کے خلاف کوئی سخت قدم نہ اُٹھائے۔مگر جناب حسن بن زید بن حسنؑ بن علیؑ نے محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کے تمام خیالات اور ارادے من وعن بتادیئے۔ اور آئندہ کے لئے تمام آفات سے محفوظ ہوگئے۔اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ مخالفت نہ کرنے کا یقین ہوجانے کے بعد کسی پر کوئی ظلم وزیادتی نہ کرتی تھی۔اب یہ دوسری بات ہے کہ حکومت سے مال بٹورنے اور دیگر مراعات حاصل کرنے کے لئے کوئی شخص یا کوئی خاندان اپنا ضمیر ومذہب بھی فروخت کردے۔یہ کام جناب امام حسن علیہ السلام کی بعض اولاد اور خود آئمہ معصومین علیہم السلام کے بعض برادران حقیقی وبنی اعمام برابر کرتے رہے۔اور بعض حالات تو اس قدر شرمناک ہیں کہ امام معصوم علیہ السلام کا گلا پکڑ کر بھائی ذلیل کررہے ہیں اور امامؑ دعائیں دے رہے ہیں۔بالکل اسی طرح جناب زید بن زین العابدین اور محمد نفس زکیہ کے والد عبداللہ بن حسن بن حسنؑ بن علیؑ میں جو شرمناک مقدمہ بازی رہی اور جس طرح اُن دونوں نے ایک دوسرے کو ھشام اور اُس کے گورنروں کے درباروں میں ذلیل ورسوا کیا، وہ تاریخ کے کئی صفحات پر بکھرا ہوا ہے۔یہ حضرات ایک دوسرے کی ماں تک کو بھرے دربار میں برا کہہ ڈالتے تھے۔دراصل اُن لوگوں نے حکومت اور عوام کے سامنے اپنی اور اپنے خاندان کی عظمت کو خاک میں ملادیا تھا۔(تفصیل کے لئے طبری جلد 6 صفحہ 270-267)

ان لوگوں کی غیر معیاری حرکات نے بزرگانِ خاندان کی سخت توہین کرائی تھی۔لوگ احمق وجاہل کہہ کر پکارنے لگے تھے۔لیکن تحریک آل محمدؐ اور بنی عباس نے اُن کو دوبارہ پوری قوم سے بلند کیا اور چاہا کہ وہ چین سے اپنے ملک میں رہیں اور فلاح قوم وملت میں ہاتھ بٹائیں۔

(ب) خلیفہ منصور نے محمد نفس زکیہ کو سب کچھ دینا چاہا۔ایک تاریخی خط

جیسا کہ عرض کیا جاچکا کہ بنی عباس کے اوّلین خلفا نے حضرت علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا اعلان کیا۔دشمنانِ آل علیؑ سے بھرپور انتقام لیا۔اور محمد نفس زکیہ کو منانے اور مخالفت سے باز رکھنے کے لئے جو کچھ وہ کرسکتا تھا منصور نے کیا۔اس کے ایک خط کا وہ اقتباس سنئے! جو محمد نفس زکیہ سے متعلق ہے۔اسلم صاحب کی تاریخ میں یوں ہے:۔

''۔میں اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا واسطہ دلا کر عہد و پیمان کرتا ہوں کہ اگر اس سے پہلے کہ میں تمہارے اوپر قابو پالوں تم توبہ کروگے ۔تو میں تمہاری اور تمہارے بھائیوں ۔ساتھیوں ۔معتقدوں کی جو اس بغاوت میں شریک ہیں ۔جان بخشی کروں گا۔ نیز دس لاکھ درہم تم کو عطا کروں گا ۔کہ جہاں چاہو وہاں رہو۔اور تمہاری جو ضروریات ہوں گی ۔اُن کو پورا کرتا رہوں گا ۔تمہارے اہلبیت اور شیعہ میں سے جو لوگ میرے قید خانوں میں ہیں ۔ان کو چھوڑ دوں گا اور کسی قسم کی تکلیف نہ دوں گا۔اگر تم اس پر راضی ہو تو اپنے کسی معتمد کو بھیج دو وہ آ کر مجھ سے عہد نامہ لکھوالے''۔

(تاریخ اُمت جلد 4 صفحہ 95-94)

اِس خط کے ملنے کے بعد بھی جناب محمد نفس زکیہ کی سمجھ میں نہ آیا کہ چاروں طرف سے مایوسیاں ،تباہیاں اور ناکامیاں اُنہیں گھیرے ہوئے ہیں ۔اور یہ بھی اُن کے ہوش وحواس سے بالاتر رہا کہ اُن کی اس ضد سے آئندہ اُن کے خاندان کا اعتبار وخلوص ،دانشمندی دُنیا سے رخصت ہو جائے گا ۔یہ کہا جاسکتا ہے اور ناممکن بھی نہیں ہے کہ ابوجعفر منصور کا خط ایک فریب تھا۔ مان لیا۔ بہر حال اس پر عمل کرنے میں زیادہ سے زیادہ قتل کر دیئے جاتے ۔یہ قتل اُس سے ہزار درجے بہتر ہوتا جو بعد کے عواقب میں پوشیدہ تھے ۔مگر محمد نفس زکیہ کو اپنی جان اس قدر عزیز تھی کہ جب جنگل میں ایک غلام ابن سیوطی نے آگھیرا تو اپنی زوجہ اور شیر خوار بچہ کو دشمن کے سامنے بے بس چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔(طبری جلد ہفتم صفحہ 163)اور عقلمندی وبصیرت کا یہ معیار کہ روپوشی کے عالم میں بھی زوجہ کو ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہیں۔

(ج) <u>ابوجعفر منصور کی قلبی کیفیات ۔سپہ سالار کو ہدایات</u>

منصور کے جواب میں محمد نفس زکیہ نے جو کچھ لکھا وہ نہایت ناعاقبت اندیشی اور سیاسی عدم بصیرتی کا ثبوت تھا۔کل دوسو پچاس آدمیوں کی فوج اُن کے پاس ہے۔اور منصور کو اُلٹا امان نامہ اور آ کر بیعت کرنے کا پیغام دیا ہے۔اور حضرت علی علیہ السلام کے طرز پر خاندانی مفاخر بیان کئے ۔مگر محض طرز تو کافی نہیں ہوتی ،دلائل سے خالی مفاخر کا ایسا منہ توڑ جواب آیا کہ پھر برسوں خاندان کو خفت کا سامنا رہا۔ بہر حال منصور نے اپنے ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ کو مدینہ پر فوج کشی کا حکم دیا اور چلتے وقت اُسے حسب ذیل ہدایت کی۔

۔''عیسیٰ بن موسیٰ کو رخصت کرتے وقت منصور نے اپنے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں تم کو اُس کی طرف بھیج رہا ہوں جو میرے اِن دونوں پہلوؤں کے درمیان (قلب) ہے ۔اگر تم محمد کو زندہ پکڑ لو تو اپنی تلوار نیام میں کرنا۔ اور امان دے دینا۔ اگر وہ روپوش ہو جائے تو اہل مدینہ کو اس کی حاضری کا ضامن بنانا۔ کیوں کہ وہ اُس کی آمد ورفت سے واقف ہیں۔''(طبری جلد 7 صفحہ 211)

اس ہدایت سے یقین ہو جاتا ہے کہ منصور محض رفع مخالفت چاہتا تھا۔ اور دل سے محمد نفس زکیہ کو پرامن زندگی بسر کرانے کا خواہاں تھا۔

(د) عیسیٰ بن موسیٰ نے جناب قاسم بن حسن بن زید کو سمجھانے اور سفارش کرنے کے لئے محمد نفس زکیہ کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ اپنے خاندان کے معزز شخص ہی پر اعتبار کرلیں۔ اور کہا اُن کو یقین دلا دو کہ ابوجعفر منصور نے تمہیں اور تمہارے تمام متعلقین کو امان دیدی ہے لیکن محمد نفس زکیہ نے معلوم ہے جناب قاسم سے کیا کہا سنئے!:۔

۔''اگر سفراء کو قتل کردینا منع نہ ہوتا تو میں تجھے ضرور قتل کردیتا۔ میں بچپن سے تجھے دیکھتا چلا آیا ہوں کہ جب دوفریق ایک صاحب خیر اور ایک صاحب شر ہوتا ہے۔ تو ہمیشہ خیر کے مقابلہ میں شر کا ساتھ دیتا ہے''۔(طبری جلد 7 صفحہ 217)

قارئین شیعہ ہوں یا سُنّی دونوں سوچیں کہ اُن دونوں میں سے کس کو جھوٹا کہیں؟ بہرحال امام زمانہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا نا قابل معافی ہے۔ وہ خود معاف فرمادیں مختار ہیں۔ لیکن بظاہر نظر ایک تو ضرور ہی مجرم ہے۔ قاسم بن حسن بن زید اپنا سامنہ لے کر واپس چلے آئے۔ ادھر محمد نفس زکیہ نے خود عیسیٰ بن موسیٰ منصور کے سپہ سالار کو بیعت کرنے کا خط لکھا اور خود ثابت کردیا کہ نفس زکیہ صاحب اپنا دماغی توازن کھو چکے تھے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے محمد کے قاصد سے کہلوادیا کہ اپنے صاحب سے کہنا کہ اب ہم میں جنگ کے سوا کوئی بات باقی نہیں رہی ہے۔ آخر مدینہ کی ناکہ بندی کردی اور تین دن کی مہلت دی گئی اور خود مخاطب کر کے اہل مدینہ سے کہا کہ ہم دونوں کا خون اللہ نے ایک دوسرے پر حرام کیا ہے۔ لہٰذا میں آپ لوگوں کو امان دیتا ہوں۔ جو ہمارے علم کے نیچے آجائے اُسے امان ہے۔ جو اپنے گھر میں رہے اسے امان ہے۔ جو اسلحہ رکھ دے اُسے امان ہے۔ جو مسجد نبوی میں رہے اسے امان ہے۔ جو مدینہ سے نکل جائے مامون ہے۔ مدینہ والوں نے اسے گالیاں دیں۔ اس نے یہ اعلان دوروز کیا۔ تیسرے روز فوج جرار سے آواز کی حد تک آیا پھر امان کا اعلان کیا۔ اور پھر واپس اپنی فرودگاہ چلا گیا۔ چوتھے روز مدینہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور پھر عیسیٰ بن موسیٰ سپہ سالار لشکر نے بذات خود مخاطب کر کے محمد نفس زکیہ سے کہا کہ:۔

۔''اے محمد امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ جب تک میں خود تمہیں امان کی دعوت نہ دے دوں تمہارے خلاف تلوار نہ اٹھاؤں۔ لہٰذا تم کو تمہارے خاندان کو تمہاری اولاد کو تمہارے تمام ساتھیوں کو میں امان پیش کرتا ہوں۔ تم کو اس قدر رقم دی جائے گی۔ تمہارا قرضہ ہم ادا کریں گے۔ اور دوسرے اور مراعات تمہارے ساتھ کی جائیں گی''۔

(طبری جلد 7 صفحہ 220-219) سنئے کہ محمد نے کیا جواب دیا۔

(ہ) محمد نفس زکیہ نے عیسیٰ بن موسیٰ ہی کو نہیں بلکہ آل علیؑ کو ٹھکرادیا

''۔محمد نے کہا اس گفتگو کو ختم کرو۔اگر تم کو معلوم ہوتا کہ کسی اندیشہ کی وجہ سے میں تمہارے مقابلے میں منہ موڑوں گا اور نہ کسی طمع میں تمہارے پاس آؤں گا۔تو تم کبھی ایسی خواہش نہ کرتے۔''(صفحہ 220)اور سنئے!:۔

۔''آل ابی طالب کی سفارت۔'' محمد بن زید راوی ہے کہ دوشنبہ کے دن عیسیٰ کوہ زیاب پر کھڑا ہوگیا۔اس نے عبداللہ بن معاویہ کے ایک مولیٰ کو جو اس کے ہمراہ زرہ پوش دستے کا سردار تھا بلایا اور کہا کہ اپنے دس زرہ پوش سپاہی لے کر آؤ۔وہ اُن کو لے آیا۔ پھر عیسیٰ نے ہم کو یعنی آل ابی طالب کو یہ حکم دیا کہ تم میں سے دس آدمی اُٹھ کھڑے ہوں۔چنانچہ ہمارے دس آدمی اس کے ساتھ جا کر کھڑے ہوئے۔ہمارے ساتھ محمد بن عمر بن علی زین العابدین کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عمر تھے۔محمد بن عبداللہ بن عقیل اور قاسم بن حسن بن زید بن حسن بن علی علیہ السلام اور عبداللہ بن اسماعیل بن عبداللہ بن جعفر تھے۔عیسیٰ نے اس جماعت کو حکم دیا کہ وہ دشمن کے پاس جا کر اُسے لڑائی سے باز رہنے کی دعوت دے اور امان دے۔چنانچہ ہم اس مقصد کے لئے روانہ ہوئے۔اور سوق الحطابین آئے اور ہم نے اُن کو دعوت دی۔انہوں نے ہم کو گالیاں دیں اور ہم پر تیر چلائے۔کہنے لگے کہ یہ رسولؐ اللہ کے فرزند ہمارے ساتھ ہیں۔اور ہم اُن کے ساتھ ہیں۔ہم تمہاری دعوت کی پرواہ نہیں کرتے۔قاسم بن الحسن بن زید نے اُن سے کہا کہ میں خود رسولؐ اللہ کا فرزند ہوں اور جو لوگ تمہارے سامنے موجود ہیں۔اُن میں سے بیشتر رسول اللہ صلعم کے پوتے ہیں۔ہم تم کو کتاب اللہ۔سنت رسولؐ اللہ کی دعوت دیتے ہیں۔نیز وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارا جان و مال محفوظ رہے گا۔اس پر انہوں نے پھر ہمیں گالیاں دیں اور تیر چلائے۔قاسم نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ یہ تیر اٹھاؤ اس نے اٹھا کر قاسم کو دیا۔قاسم اُسے اٹھائے ہوئے عیسیٰ کے پاس آیا۔اور اُس سے کہا کہ اب کیا انتظار ہے؟ یہ دیکھو اُنہوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟۔(طبری جلد 7 صفحہ 220)

یہاں تک یہ معلوم ہوگیا کہ خلفائے بنی عباس کی مخالفت عقلی و مذہبی اور سیاسی حیثیات کے سراسر خلاف تھی۔

(و) نفس زکیہ اور حضرت زید شہید کے پس ماندگان کا مخلوط محاذ

حضرت زید کی شہادت کے بعد اُن کی تحریک ایک مشکوک دَور میں داخل ہوگئی تھی۔چونکہ اُموی حکومت نے اس تحریک کو کچل دیا تھا اور خاندان کے افراد کھل کر رابطہ قائم رکھنے سے معذور اور رُوپوش رہنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔اور چونکہ اس تحریک میں صلح پسند اہلسنت والجماعت بھی مخلوط ہوگئے تھے اس لئے اس تحریک نے چند قدم چل کر فرقہ زیدیہ کی صورت اختیار کرلی۔جس میں فضیلت بدستور جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی باقی رہی۔لیکن دیگر عقائد بالکل تبدیل ہوگئے۔اور یہ پتہ چلنا مشکل ہوگیا کہ یہ آل محمدؐ کی تحریک ہے یا اس کا رخ کس طرف ہے۔اُدھر جب بنی عباس نے اُموی حکومت کو تباہ کردیا اور بنی

اُمیہ پر عرصۂ حیات تنگ ہوگیا تو وہ بھی زیدیہ تحریک اور نفس زکیہ کے ساتھ مل گئے ۔ اِن تحریکوں کا ایک اور اُبھار اُس وقت معلوم ہوتا ہے ۔ جب تیسرا عباسی خلیفہ مہدی ملک میں سہولتوں اور رعایتوں کے ذریعہ سے اَمن وامان اور خوشحالی قائم کرنے کی کوشش کرر ہا تھا ۔ اور چاہتا تھا کہ نفس زکیہ اور زیدیہ تحریک کے سرغنوں کو بھی تعاون وطرفداری پر رضامند کرلے ۔ چنانچہ اُس نے یعقوب بن داؤد کو اس کام کے لئے انتخاب کیا ۔

۔ ''یعقوب بن داؤد کو جو بنی سلیم کے موالی میں سے تھا ۔ وزارت کا قلمدان بخشا ۔ داؤد خراسان میں عہد بنی اُمیہ میں امیر نصر بن سیار (جس نے ابومسلم کے خط کے جواب میں اپنی آنکھ نکال کر بھیجی تھی) کا کاتب تھا ۔ اُس کے دو بیٹے یعقوب اور علی تھے ۔ علم وادب میں یکتائے روزگار تھے ۔ بنی عباس کے زمانہ میں جب اُنہوں نے دیکھا کہ ہماری کوئی توقیر نہیں ہے تو زیدیہ جماعت میں داخل ہوگئے (یعنی اس جماعت میں قسمت آزماقسم کے لوگ اس جماعت کو بدھو سمجھ کر داخل ہوتے اور نکلتے رہتے تھے) اور امام محمد نفس زکیہ اور اُن کے بھائی امام ابراہیم کی امامت کی تبلیغ کرنے لگے ۔ امام ابراہیم جب مقتول ہوئے تو یعقوب اُن کے ساتھ تھا ۔ منصور نے گرفتار کر کے اس کو قید کیا ۔ مہدی نے جس وقت سیاسی قیدیوں کو رہا کیا اس وقت یہ بھی چھوٹا ۔ مہدی کو زیدیہ کی طرف سے بہت خطرہ تھا ۔ اس لئے وہ چاہتا تھا ۔ کہ اگر کوئی ایسا شخص مجھ کو مل جائے جو اس فرقہ کے لوگوں پر اثر رکھتا ہو تو میں اُسے وزیر بنالوں ۔ تاکہ وہ اس جماعت کو قابو میں رکھے ۔ لوگوں نے یعقوب کا نام لیا ۔ اُس نے بلا کر گفتگو کی اور عیسیٰ بن زید امیرِ زیدیہ کی نسبت سے دریافت کیا ۔ یعقوب نے کہا میں اس بات کا ذمہ لیتا ہوں کہ اُن کی طرف سے کوئی شورش نہیں ہوگی ۔ مہدی نے اس کو اپنے مقصد کے مطابق پا کر تمام ملکی کاروبار اس کے سپرد کردیا ۔ اس نے مشرق سے لے کر مغرب تک کل بڑے بڑے عہدوں پر کبرائے زیدیہ (یعنی زیدی فرقے کے بڑے بڑے لوگوں کو) مقرر کردیا ۔ جس سے سلطنت کے کل مہمّات ان کے (زیدیوں کے) ہاتھ میں آگئے ۔ لیکن باوجود اس کے علوی اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھے ۔ کیوں کہ وہ سمجھتے تھے ۔ کہ ہماری نگرانی کے لئے اس کو وزارت ملی ہے ۔ اُدھر بنی عباس نے یہ خیال کیا کہ یہ زیدیوں کو تقویت دے کر خلافت کو اُن کے ہاتھ میں دینا چاہتا ہے ۔ (یعنی علوی ہمیشہ اُلٹا سوچنے میں ماہر تھے اور عباسی صحیح بات کو سمجھنے میں قاصر نہ رہتے تھے) چنانچہ انہوں نے مہدی سے کہا کہ یعقوب رئیس زیدیہ اسحاق بن فضل کو بغاوت کے لئے اُبھار رہا ہے ۔ اور وہ عنقریب اپنی جماعت کو لے کر ایک تاریخ مقرر کر کے بنی عباس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوگا ۔ یہ سُن کر مہدی کے دل میں ترّدد پیدا ہوگیا ۔ اتفاق یہ کہ اُسی اثنا میں یعقوب نے مہدی سے اسحاق کے لئے مصر کی ولایت کی سفارش کی ۔ اس سے اُس کا شبہ اور قوی ہوگیا ۔ اُس نے یعقوب کو ایک کنیز عطا کی ۔ جس کو یہ سکھلا دیا کہ اُس کے تمام افعال اور اقوال سے مطلع کرتی رہے ۔ پھر ایک علوی کو گرفتار کر کے اس کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اس کو لے جا کر قتل کرادو ۔ یعقوب نے اس کو لاکر مخفی طور پر

چھوڑ دیا۔ اور کنیز نے یہ کیفیت مہدی کو لکھ بھیجی۔ اُس نے سوار بھیج کر پھر گرفتار کرالیا اور دوسرے دن یعقوب سے اُس کی نسبت دریافت کیا۔ یعقوب نے کہا کہ میں نے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔ مہدی نے علوی کو طلب کر کے اس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ (یعنی زیدیہ اسکیم کی حماقت زیدیہ سیاسین کے سامنے کھڑی کانپ رہی تھی) یعقوب خوف زدہ ہو کر مہدی کے قدموں پر گر پڑا (یعنی زیدیہ سیاست نے عباسی سیاست کے سامنے سجدہ کیا) محمد مہدی خلیفہ نے مال و متاع ضبط کر کے اس کو مع اس کے گھر والوں کے قید کر دیا اور اس کے (مقرر کردہ) اُمرا کی معزولی کا فرمان لکھا۔'' (تاریخ اُمت جلد چہارم صفحہ 128-126)

(ز) عقیدتمند دوستوں سے معذرت اور شیعہ اصولِ سیاست

یہ کتاب چونکہ تحریکِ تشیّع کی بصیرت اور عباسی کامیابیوں کی تفصیل سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا یہاں عابدوں زاہدوں کی عبادت اور زہد معیار نہیں ہے۔ بلکہ جو عابد و زاہد عقل و بصیرت سے عاری ہو اُس کی مذمت ضروری ہے۔ اس لئے کہ شیعہ ہونے کی پہلی شرط آئمہ معصومین علیہم السلام کے یہاں عقلمند ہونا ہے۔ اور اُن حضرات کے نزدیک ہر وہ عبادت مذموم و مردود ہے جو تفکر سے خالی ہو۔ لہٰذا ہمارے یہاں ہر عابد و زاہد کو صاحبِ عقل و بصیرت و مفکّر ہونا لازم ہے۔ اس اصول پر ہم اپنے بے وقوفوں کی حماقتوں کو حماقت ضرور کہیں گے تاکہ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ایک کامیاب سیاسی ذہن تیار ہو۔ اور آئندہ تحریک تشیّع میں ممد و معاون بن سکے۔ چنانچہ جو حضرات محض عابد اور عبادت کو پسند کرتے ہیں۔ ہم اُن سے معذرت خواہ ہیں۔ اور اس لئے شکر گذار بھی ہیں کہ وہ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور کتاب پڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور چونکہ ہم خود فاطمی ہیں اس لئے لفظ علوی سے یا زیدی سے مرعوب نہیں ہوتے۔ البتہ عقلمند خواہ جولاہا ہو، غلام ہو، سُنّی ہو، شیعہ ہو، اُس کی ضرور قدر کرتے ہیں۔ اور ہر عقلمند کو تھوڑا بہت شیعہ سمجھتے ہیں۔ جاہل کو کہیں شمار نہیں کرتے سوائے درسگاہ کے اُس کا کوئی اور مقام نہیں ہے۔ آپ حضرات اس کتاب کے ہیرو حضرات کی ہر چال ہر ترکیب اور ہر کامیابی و ناکامی نوٹ کریں اور سبق سیکھیں۔ ورنہ یہ کتاب آپ کے لئے فضول ہے۔

(ح) زیدیہ اور زکیہ تحریکیں خاطی قیادت کے زیرِ اثر تھیں

جناب اسلم کی زبانی۔ زید اور محمد بن عبداللہ (بن حسن بن حسنؑ بن علی علیہ السلام) نفس زکیہ اپنی تحریک کی راہنمائی میں مخلوط قواعد استعمال کر رہے تھے اور نفس زکیہ خود بھی زیدیہ تحریک ہی کو آگے بڑھا رہے تھے۔

۔'' مورخین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے مدینہ میں نفس زکیہ کی حمایت کا فتویٰ دیا تھا۔ عباسیوں نے اُن کو کوڑوں سے پٹوایا تھا۔ اور عراق میں امام ابوحنیفہ ابراہیم (اور اس سے پہلے زید شہید) کے طرفدار تھے۔ منصور نے اُن کو بغداد میں قید کر دیا تھا۔ اُسی قید میں 150ھ میں انہوں نے وفات پائی۔''

یہاں تک لکھ کر علامہ گھبرا گئے کہ کہیں مذہب شیعہ کی حقانیت قلوب میں نہ اُتر جائے۔ اِس لئے اِس کے وزن کو ہلکا کرنے کے لئے مسلسل لکھتے ہیں کہ :۔

۔''اِن دونوں (ابوحنیفہ اور مالک) اماموں کی یہ نصرت وحمایت جہاں تک سمجھ میں آتا ہے۔صرف اس وجہ سے تھی۔کہ عباسیوں کے استبداد سے مسلمانوں کو کسی طرح نجات مل جائے۔چنانچہ پہلے جب بنی امیہ کی شخصی حکومت اوراُن کے مظالم سے لوگ تنگ آ گئے تھے۔اس وقت بھی 122ھ میں ھشام بن عبدالملک کے مقابلہ میں امام زید کی ابوحنیفہ نے مدد کی تھی۔ اور چار ہزار درہم اُن کے پاس بھیجے تھے''۔(تاریخ اُمت جلد 4 صفحہ 106)

دنیا جانتی ہے کہ جناب امام مالک اوراُن کا فرقہ مالکیہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔اور چونکہ یہ مدینہ کے امام فقہ تھے اور تمام صحابہؓ اور صحابہ زادوں کی طرزِ حیات سے براہِ راست واقف تھے۔اپنی فقہ، عملدرآمد اور تصنیفات کی سند مدینہ کے صحابہؓ سے لیتے تھے۔اس لئے ماننا پڑا ہے کہ مدینہ کے تمام صحابہؓ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ جو فقہ اور مذہب جناب امام اعظم ابوحنیفہ نے پیش کیا تھا وہ بعد کے مجتہدین نے اسی طرح تبدیل کرلیا تھا جس طرح مالکی مذہب میں ضرورت کے مطابق اور شیعوں کے خلاف ترمیمات ہوتی چلی آئی ہیں۔اوراس کے باوجود یہ دونوں (حنفی ومالکی) مذاہب شیعہ تصورحیات سے زیادہ قریب ہیں۔اور حنبلی وشافعی مذاہب کے مقابلہ میں شیعوں سے زیادہ رواداری سے پیش آتے رہے ہیں۔اوراسی قربت کی بنا پر زیدشہید اورنفس زکیہ کے نام پر زیدیہ فرقہ وجود میں آیا اور آج تک باقی ہے۔یعنی یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس فرقہ میں جس قدر شیعہ مذہب یا تصورات سے قربت تھی اُسے اُسی قدر بقا حاصل ہوئی اور باقی فرقے ناپید ہوتے گئے۔اور جو باقی ہیں وہ اسی تناسب سے کمزور ہوتے اور مٹتے یا شیعوں میں ملتے چلے جارہے ہیں۔پلٹ کر تاریخ پر نظر ڈالنے والے اس حقیقت کی تصدیق تاریخ سے کرسکتے ہیں اور یہ بھی تحریک تشیّع کی بے پناہ کامیابی ہے۔

(49) بے بنیاد تحریکوں نے عباسی حکومت کو آخر سُنّی حکومت بنادیا

ہم دل کے اطمینان کے ساتھ یہ الزام زیدیہ اور زکیہ کی بے بنیاد اور غیر دانشمندانہ تحریک پر قائم کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی مجتہدانہ پالیسی سے حکومتِ عباسیہ کو مجبور کردیا کہ وہ بھی کثرت کے عقائد کی آڑ لے کر زیدیہ وزکیہ تحریک کی طرح استفادہ کرے۔اوراُن کو کثرت کے مقابلہ میں لاکر فنا کرادے۔چنانچہ تیسرے عباسی خلیفہ مہدی نے چند اصلاحات کے ساتھ انہی عقائد کو اختیار کرنا شروع کیا جس کی طرف زیدیہ وزکیہ جارہے تھے۔یعنی وہ حکومت جو علیؑ کے علاوہ تمام خلفا کی خلافتوں کو ناجائز اور لاالہ الا اللہ محمدرسول اللہ علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل کہتی ہوئی اُٹھی تھی۔ اُسے مجتہدانہ اندازِ فکر نے سُنّی بنا کر بٹھادیا۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)اور پھر شکوہ یہ ہے کہ عباسی حکومت نے شیعوں کے

ساتھ ظلم و جبر کا سلوک کیا۔ ظلم و جبر کیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن چونکہ شیعہ لفظ کی آڑ میں اُن سب لوگوں کو رکھ دیا گیا۔ اور اُن سب کی زیادتیوں، غلط اندیشیوں اور مظالم پر پردہ ڈال دیا گیا جو حضرت امام جعفرؑ صادق اور اُن کے بعد والے آئمہ علیہم السلام کے مصالح اور احکام کے خلاف حکومت عباسیہ سے اور خود آئمہ معصومینؑ سے برسرِ پیکار رہے تھے۔ ہم چونکہ ایسے شیعہ ہیں کہ آئمہ معصومینؑ کے خلاف رہنے والے ہر محاذ کی مذمت کرتے ہیں اس لئے ہم ہرگز اپنے اور پرائے کی تفریق نہ کریں گے۔ لیبل سے ہم متاثر نہیں ہوتے ہم عمل دیکھتے ہیں۔ جس طرح ہم ہر اُس شخص کو شیعہ اور جنتی سمجھتے ہیں جسے محمدؐ و آلِ محمدؐ اور آئمہ معصومینؑ سے محبت اور اُن کے بُرا چاہنے والوں سے عداوت ہو۔ اسی طرح ہم ہر شخص کو غیر شیعہ اور جہنمی سمجھتے ہیں جو اُن سے دشمنی اور اُن کے دشمنوں سے دوستی رکھتا ہو۔ خواہ وہ شیعت کے نعرے مارے، لیبل لگائے یا تبرہ بازیاں کرے ہم اُن کا اعتبار نہیں کرتے۔ بلکہ رسمی تبرّہ بازوں کو تو بخطِّ صراط المستقیم گمراہ اور دشمنانِ اہلبیتؑ سمجھتے ہیں۔ اب تیسرے عباسی خلیفہ کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس سے تبدیلی عقائد کی تمہید معلوم ہو جائے گی۔

(الف) مہدی خلیفہ کے سامنے ایک شیعہ کے لاجواب عقائد اور اسلم صاحب

۔"ایک بار اُس (مہدی) کا غلام ابوعون زیادہ بیمار ہوا۔ خلیفہ مہدی اُس کی عیادت کو گیا۔ اور اُس سے کہا کہ تمہاری کوئی خواہش ہو تو مجھے وصیت کر جاؤ۔ میں پوری کروں گا۔ اُس نے کہا کہ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں۔ کیوں کہ ایک مدت سے میں آپ کو ناراض دیکھتا ہوں۔ مہدی نے کہا کہ تم شیخین کو برا کہتے ہو اس لئے میں تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرلو۔ اُس نے کہا کہ"۔ امیر المومنین ہم یہ دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ کہ خلافت اہلبیتؑ کا حق ہے۔ جن لوگوں نے اس کو اُن سے چھین لیا۔ وہ ظالم اور غاصب ہیں۔ اِس عقیدے کی ہم کو تلقین کی گئی تھی۔ اور اسی کی ہم تبلیغ کرتے تھے۔ اب اگر کوئی نئی بات پیدا ہوگئی ہے۔ تو وہ فرمایئے ہم اُسی کے مطابق چلیں گے۔"

یہ تھا شیعت کا وہ بے پناہ اور خدا دوست عقیدہ جس نے دُنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ جس سے ٹکرا کر سابقہ حکومتیں پاش پاش اور تباہ ہوگئی تھیں اور جو عباسی خاندان کے ہر فرد کا مختار اور محبوب عقیدہ تھا کہ غلام و کنیزیں تک اس پر دل و جان سے فدا تھے۔ اور اس کے مقابلہ میں اپنے آقا مہدی کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور اس کے باوجود بادشاہ عیادت کو اور وصیت کو بجالانا فرض سمجھتا تھا۔ اور جس کی دلیل پر خاموشی ہی بہترین مُقر تھا۔ اب علامہ صاحب کا بیان مسلسل پڑھیے آپ اپنا خیال لکھتے ہیں جس سے ہم بھی مشروط طور پر متفق ہیں۔

۔"اصلیّت یہ ہے کہ بنی عباس کی دعوتِ امامت میں ابتداءً رفض موجود تھا۔ لیکن آلِ علیؑ کی طرف سے جو خطرات اُن کے سامنے آئے اُن کی بنا پر انہوں نے اس خیال کو چھوڑ دیا۔" (تاریخ اُمت جلد 4 صفحہ 132)

قارئین یہاں نوٹ کرلیں کہ شیعوں کے مذہب کوجس قدر نقصان خودنام نہادشیعہ علماءاور مجتہدین نے پہنچایا ہے اُس کا حساب ناممکن ہے۔ مذہب شیعہ کے دشمن ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔ بلکہ خودتباہ ہوگئے یا شیعت کواپنالیا۔مگر ہمارے علماء نے جب بھی اجتہادی مسلک کواپنا راہنما بنایا ہمارے مذہب کو بے حدوحساب نقصان پہنچایا۔انہوں نے مخالفت کرکے اپنے فتاویٰ یا بکواس سے عباسیوں کوجدا کیا،اسماعیلیوں کوکافرکیا،باطنیوں کوملحدقراردیا،زیدیوں کوالگ کیا،کیسانیہ کوزبردستی مذہبی فرقہ بنادیا۔الغرض اُن لوگوں نے وہ توڑ پھوڑ اورافراتفری مچائی کہ مذہب شیعہ کی ترقی ووسعت کونہ صرف روک دیا بلکہ اسلام کے سارے مکاتیب فکرکوشیعت سے متنفرکرکے ایک ایسا محاذ بنادیا کہ جس سے اُن کومستقل آمدنی ہوتی رہے۔اور مسلمانوں میں جوتا پیزار چلتی رہے۔ہم اُن کے دشمن ہیں ہمارے نزدیک وہ دشمنانِ اہلبیتؑ ہیں۔اُن کا سب سے بڑا ہتھیار یہ ہے کہ وہ عوام کواشتعال دِلاکراورکفرکا فتویٰ لگا کر ہرمدّ مقابل کو مذہب سے خارج کرکے ناکام کردیں۔لیکن یہ ہتھیار اب کُھٹّل ہوچکا ہے۔وہ پبلک کی نظرمیں ملعون ہوچکے ہیں۔اوراُن میں کے اچھے لوگ اب علیحدہ شناخت ہوسکتے ہیں۔حقیقی علمائے شیعہ اورشیعوں کے نام نہادمجتہدین کی تفصیلات ہماری کتاب''۔اسلام اورعلمائے اسلام۔''میں موجود ہیں۔

(50) <u>وہ ممالک جوتحریک آل محمدؐ کے نام پرعباسی خاندان کو ملے</u>

علامہ اسلم جیراجپوری کا ایک بڑاقیمتی اورآبِ زرسے لکھنے کا جُملہ پڑھنے کے لئے آپ کوذراسی سیراورمحنت کرناپڑےگی۔علامہ نے چوتھی جلد کے صفحہ ۵۳ پرجلی قلم سے ایک عنوان''۔**<u>ممالک اسلامیہ</u>**۔''قائم کیااورسولہ صفحات میں تمام ممالک اورہرملک میں شامل ولایات اوردیگرتفصیلات پھیلاکرپھروہ جملہ لکھا ہے۔لہٰذا چاہیے۔وہ سولہ صفحات پڑھنے کی زحمت فرمائیں۔یاہماری چندسطور پڑھنے کی محنت کریں تب آپ کواس جملے کے پڑھنے کاحق حاصل ہوگا۔اورپھرآپ کووہ جملہ ساری عمریادبھی رہےگا۔

<u>ممالک کے نام اورولایات</u>

1۔جزیرۃ العرب (1)حجاز(2)یمن(3)عمان(4)ہجر۔

اب عمان اورہجرمیں خوارج اوریمن میں زیدی شیعہ آبادہیں۔

2۔عراق عراق کوقدیم تاریخ میں بابل کہاجاتاہے(صفحہ 55-54)

(1)کوفہ(2)بصرہ(3)واسِط(4)مدائن(5)حلوان(6)سامرہ

3۔اقلیم جزیرہ قدیم تاریخ میں عاقوریاآشورنام تھا۔(صفحہ 55)(1)دیارربیعہ(2)دیارمضر(3)دیاربحر

(1) قنسرین کا صدر مقام حلب تھا۔

پھرانطاکیہ۔باس۔سمیساط اور بنج میرعش۔اسکندونہ اور معرہ النعمان اس کے تابع تھے۔

4۔ اقلیم شام

(2) حمص:۔ مشہور شہر سلیمیہ۔تدمر۔لاذقیہ اور انطرسوس تھے۔

(3) دمشق:۔ بانباس۔صیدا۔بیروت وغیرہ اس کے ماتحت تھے۔

(4) اردن:۔ صدر مقام طبریہ تھا۔صور۔عکا۔بیسان۔طرابلس۔اذرعات

(5) فلسطین:۔مرکز رملہ تھا۔بیت المقدس۔عسقلان۔یافہ۔اوسوف۔قیساریہ

(6) شراۃ:۔مرکز صغر تھا۔مآب عمان۔تبوک اور اذرج۔(صفحہ 57-55)

5۔مصر

(1) جفار:۔مرکز فرما تھا۔بقارہ۔واردہ۔عریش شامل تھے۔

(2) حوف:۔صدر مقام بلبیس تھا۔مشتول۔قاتوش اس کے ماتحت تھے۔

(3) ریف:۔اس کا مرکز عباسیہ تھا۔منہور۔سنھور۔سطنوف۔بنج۔کبیرہ وقہلہ

(4) اسکندریہ رشید:۔مربوط۔برلس۔ذات الکمام اس کے ماتحت تھے۔

(5) مقدونیہ:۔مرکز فسطاط تھا۔عزیزیہ۔جیزہ۔عین الشمس۔

(6) صعید:۔صدر مقام اسوان تھا۔قوص۔اخمیم۔بلونا۔الینوم ماتحت تھے۔

6۔اقلیم مغرب

(1) برقہ۔رُمادہ۔طرابلس

(2) افریقہ:۔صدر مقام قیروان۔سفاقس۔سوسہ۔تونس۔بود۔منیتر۔جزیرہ بنی زغنا۔

(3) تاہرت۔مطمافہ۔دہران۔(4) مجلماسہ ورعہ۔امصلی۔نازرد۔

(5) فاس بصرہ۔ورغہ۔سوس ادنی وغیرہ۔(6) سوس اقصیٰ مرکز طرقانہ۔اغماط۔ماسہ۔

(7) اندلس کا صدر مقام قرطبہ تھا۔

7۔ماوراالنہر

(1) فرغانہ۔نصرآباد۔اذرکند۔مرغیناں۔(2) اسبجاب۔فاراب۔نزار۔طراز۔بلاسکون۔

(3) شاس:۔صدر مقام نبکث۔(4) اشروسنہ:۔صدر مقام پنجکث تھا۔

(5) صغد:۔سمرقند کا نام (6) بخارا۔بیکند

8۔خراسان

(1) بلخ طخارستان۔لوانخ۔طالقان۔(2) غزنین:۔کابل اس کے تابع تھا۔

(3) بست۔یا بلتستان۔(4) بجستان:۔یعنی سیستان صدر مقام زرنج۔

(5) ہرات۔ باوغیس۔(6) جوز جان:۔صدر مقام یہودیہ تھا۔

(7) مروشاہجہان۔(8) نیشاپور:۔بیہق۔طوس۔لسنا۔ابیورد۔

(9) قہستان:۔صدر مقام قائن

9۔اقلیم دیلم

(1) قومس:۔مرکز داعفان۔سمنام اور بسطام وغیرہ اس کے تابع تھے۔

(2) جرحان:۔صدر مقام شہرستان تھا۔استرآباد اور آبسگون اس کے ماتحت تھے۔

(3) طبرستان:۔صدر مقام آمل تھا۔سالوس اور ساریہ اسی میں شامل تھے۔

(4) دیلمان:۔ مرکز بردان تھا۔(5) حزر: کا صدر مقام دوسرا آمل تھا۔

10۔رحاب

(1) اران:۔صدر مقام بردعہ۔تفلیس۔شروان۔ملاذکرد اور باب الابواب ماتحت تھے۔

(2) آرمینیہ:۔مرکز دبیل تھا۔بدلیس۔خلاط۔سوئے۔سلملالا۔اردمیر۔مراغہ۔مرند۔قالیقلا

(3) آذربیجان:۔صدر مقام اردبیل۔تبریز۔

11۔اقلیم الجبال

(1) رے۔آدہ۔سادہ۔قزوین۔ابہراس (2) ہمدان۔(3) اصفہان۔

12۔خوزستان

(1) سوس:۔عراق اور کوہستان کی سرحد پر ہے۔(2) تستر (شوستر)

(3) جندیساپور۔(4) عکرمکرم۔(5) اھواز۔ (6) دروق۔(7) رام مرمز۔

13۔فارس

(1) ارجات (2) خرّہ اردشیر۔صدر مقام سیراف تھا۔

(3) دارالجرد۔(4) شیراز۔ بیضا اور فسا ماتحت تھے۔

(5) سابور۔شہرستان۔گازرون۔اورنونیدجان۔اورتوداس تابع تھے۔(6) اصطخر (استخر)

14۔کرمان

(1) بردسیر۔ماہان۔گرگان۔زرند (2) نرماسیر (3) سیرجان (4) بم (5) جیروت

15۔سندھ

(1) مکران۔صدر مقام بنجپور تھا (2) طوران۔صدر مقام قصدارس۔

(3) خاص سندھ۔اس کا صدر مقام منصورہ تھا۔(4) دیہند۔

اِن پندرہ ممالک میں سے چھ کی زبان عربی تھی۔

''<u>**۔یہ طویل وعریض سلطنت خراسانی شیعہ کی امداد سے بنی عباس کو ملی تھی۔**</u>'' (جلد 4 صفحہ 53 تا 65)

زندہ باد تحریک تشیّع

(الف) بنی حسنؑ کے صاحبانِ بصیرت۔ افریقہ میں قیامِ حکومتِ شیعہ

بنی عباس کے چوتھے خلیفہ کے زمانہ میں جناب حسین بن علی بن حسن المثلث نے بھی دعویٰ امامت کیا اور اپنے چند ساتھیوں سمیت میدانِ کارزار میں شہید ہوئے۔ مگر پے در پے ناکامیاں آخر اُس خاندان (بنی حسنؑ) کو یہ سوچنے پر مجبور کر سکیں کہ آپ اندرونِ ملک کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا جناب ادریس بن عبداللہ اور یحییٰ بن عبداللہ جو محمد نفس ذکیہ کے برادران حقیقی تھے۔ 168ھ یا 169ھ میں ملک سے نکلے۔ جناب یحییٰ نے بلاد دیلم میں کاروائی شروع کی اور ہارون رشید کے عہد میں فضل بن یحییٰ کی وساطت سے واپس آئے نہایت عزت وتکریم سے ملک میں رہنے لگے۔ جناب ادریس بن عبداللہ پہلے مصر گئے۔ وہاں سے افریقہ جاکر 172ھ میں اپنی امامت کی بیعت لی اور شہر دلیلی میں پہلی شیعہ ادریسی حکومت قائم کر لی۔ ہارون رشید وہاں حملہ تو نہ کر سکا۔ لیکن غلام بھیج کر جناب ادریس کے منجن میں زہر ملوا دیا اور یوں 177ھ میں اُن کا انتقال ہوا۔ لیکن اُن کے ایک نوزائیدہ بچہ تھا۔ افریقیوں نے اُس کا نام بھی ادریس ثانی رکھا اور شیر خواری ہی کے زمانہ میں اس کی بیعت کی اور اب اُس کی حکومت شروع ہو گئی۔

(ب) بنی عباس نے دامنِ اہلبیتؑ چھوڑ کر فطرتُ اللہ کی مخالفت مول لے لی

آپ نے دیکھا کہ بنی عباس نے آلِ علیؑ کے نام پر خلافت وحکومت حاصل کی اور آخری مراحل میں اُسے غصب کر کے خود بادشاہ بن گئے۔ یہاں تک قدرت کے لئے قابل برداشت ہوتا۔ لیکن اِس غصب کے بعد اُنہوں نے اُن تمام کارپردازان وجان نثارانِ تحریک پر شکوک وشبہات کرنا شروع کر دیئے۔ جنہوں نے ہتھیلی پر سر رکھ کر انتیس سال تک خدمات کی تھیں۔ اور ایک ایک کر کے اُن سب کو تہہ تیغ کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے اور سب سے اوّلین خلیفہ نے ابو مسلم خراسانی کی مدد سے وزیر آلِ محمدؐ ابوسلمہ کو قتل کرایا۔ پھر دوسرے خلیفہ نے امین آلِ محمدؐ یعنی ابو مسلم سے دوسری خیانت کرائی اور اپنے چچا عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کو قتل کرایا۔ اور پھر اُس خائن نے امین آلِ محمدؐ کو دھوکے سے اپنے پاس بلا کر چار مسلح فوجیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا جب کہ ابو مسلم خالی ہاتھ تھا اور امان طلب کر رہا تھا۔ یہ تین قتل اس حکومت کا اعتماد ضائع کر دینے کے لئے کافی ہو گئے۔ اسی لئے محمد نفس ذکیہ اور دیگر مخالفوں نے اکثر اُن کا اعتبار نہ کیا۔ طاقت اور افواج کے بل بوتے پر یہ خلفا برابر اپنے مخالفوں پر اور خصوصاً آلِ علیؑ پر مظالم کرتے رہے۔ اور آخر ایک وقت وہ آیا کہ ہارون رشید نے خاندان برامکہ کو تہہ تیغ کر دیا۔ اور اب خاندان بنی عباس کے عقلی توازن کو خدا نے چھین لیا۔ کیوں کہ دوسرے خلیفہ نے محمد نفس ذکیہ کے غیر دانشمندانہ خط کے جواب میں خود کو اپنے مخاطب تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اہلبیت علیہم السلام پر ناجائز اور غلط اور توہین آمیز اتہام

لگائے۔تیسرے خلیفہ نے اہلبیتؑ کے مذہب کوترک کردیا۔اس لئے حکومت کے بام ودر میں خاموش زلزلہ نے آہستہ آہستہ لرزش شروع کردی۔قدرت نے اُن کے دماغوں سے سیاسی تدبر سلب کرنا شروع کردیا۔خاندان بنی عباس میں اختلاف اورہوس حکومت پھیل گئی۔مناسب اورمہلک وقتوں پراُن سے سیاسی لغزشیں ہونے لگیں۔افسران وعہدیداران واُمرااورو ُزرا میں پھوٹ پڑنے لگی۔ہروزیروامیرخلفا کی نظر میں طرفدار آل علیؑ معلوم ہونے لگا۔سوتے جاگتے چاروں طرف علیؑ وآل علیؑ نظر آنے لگے۔یعنی وہ نام جس کوورد زبان رکھنے والے سابقہ حکومتوں کوتباہ کرتے رہے تھے۔اب وہی نام خاندان عباس کے سروں پر بھوت بن کرسوار ہوگیا۔لہٰذا ہارون رشید نے ایک صلح کل اورسنجیدہ بادشاہ ہوتے ہوئے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کوبھی نظربند کردیا۔یہاں تک کہ اُن کی شہادت بھی جیل خانے میں ہوئی۔اوراب حکومت بنی عباس کی تباہی کی پیشگوئی آسان ہوگئی۔یہ وہ حرکت تھی جسے نہ مسلمان معاف کرسکتے تھے نہ اللہ نظرانداز کرسکتا تھا۔چنانچہ ممالک میں چاروں طرف بغاوتیں پھیل گئیں اورفوجیں اُدھر سے اُدھر اور اِدھر سے اُدھر ماری ماری پھرنے لگیں۔

(ج) بنی حسنؑ پھرمیدان میں آگئے

جناب محمد بن ابراہیم بن الحسن بن الحسنؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ جوطباطبا کے لقب سے مشہور تھے کوفہ میں سیاسی امامت کے دعوے کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔اوراُن کی حمایت کے لئے ایک نہایت بہادروسربرآوردہ شخص ابوالسرایا بن منصورشیبانی آمادہ ہوگیا۔کوفہ کے عامل کونکال کرقبضہ کرلیا۔زہیر بن مسیّب کی دس ہزارفوج کوابوالسرایانے ماربھگایااورتمام سازوسامان لوٹ کر اپنی فوج کودے دیا۔دوسرے دن یکم رجب 199ھ کوابن طباطبااچانک انتقال کرگئے تواُن کے جانشین محمد بن محمد بن زید بن علی زین العابدینؑ بن حسینؑ بنائے گئے۔اُن کی کم سنی کی وجہ سے ابوالسرایانے نیابت اورعملی کام خودسنبھالا۔پھرمرکز کی طرف سے حسن بن سہل نے عبدوس کی ماتحتی میں چار ہزارفوج بھیجی۔جس میں سے ابوالسرایانے ایک آدمی کوبھی زندہ بچ کر بھاگنے نہ دیا۔اب چاروں طرف سے علویوں کا قبضہ ہوگیااورجومقابلہ پرآیا شکست کھاکرگیا۔اورتقریباً ایک سال تک عباسی حکومت کو متزلزل رکھا۔جس سے ملک میں دوسرے مخالف گروہ بھی بغاوت کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔آخر کارابوالسرایا کو ہرثمہ سے شکست ہوئی اوراُنہیں حسب معمول قتل کیا گیا۔اورجسم کوسولی پرلٹکا کرمزید ڈراؤنے خواب دیکھنے کا انتظام کرلیا۔اب اُن گورنروں کوشکست دینے کا سوال سامنے آیا جن کوابوالسرایانے اپنی عملداری میں تعینات کیا تھا۔بصرہ میں جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک بیٹے زیدصاحب بصرہ کے عامل تھے جوگرفتار ہوئے مگرجان بخشی ہوگئی۔مکہ کے عامل جناب حسین بن حسن بن علیؑ زین العابدین بن حسینؑ تھے۔کوفہ اوربصرہ سے آنے والے علوی حضرات نے امام جعفرؑ صادق کے بیٹے محمد کوامام بنالیا۔لیکن اختیارات اُن کے بیٹے علی اورحسین عامل مکہ کے ہاتھ میں رکھے گئے۔آخرکار یہاں بھی شکست ہوئی۔اور جناب

امام جعفرؑ صادق کی سفارش سے سب کو امان ملی مگر تین دن کے اندر اندر مکہ سے نکل جانے کی اجازت مل گئی۔

یمن میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ایک دوسرے بیٹے ابراہیم نے اپنا تسلط قائم کرلیا تھا۔انہیں بھی 200ھ میں ناکام ہوجانا پڑا۔لیکن وہ خبیث جس نے سال گذشتہ میں علویوں کا ہر جگہ زور توڑا تھا۔ پنجہ عذاب میں مبتلا ہوگیا۔ چنانچہ مامون رشید کو فضل بن سہل نے ہرثمہ سے برگشتہ کردیا۔اور چند روز بعد نہایت بے دردی سے جیل خانہ میں قتل کرادیا گیا۔یعنی عباسی حکومت نے خود اپنے ہاتھ سے اپنا ایک بازو کاٹ ڈالا۔اور بغداد کی افواج نے بھی بغاوت شروع کردی۔اور منصور بن مہدی کو اپنا راہنما مقرر کرکے خاندانی اختلاف کو پبلک میں اچھال دیا۔شر پسند مذہبی پارٹیاں بغداد میں فضل بن سہیل کو مجوسی بن مجوسی کہہ کر نعرے لگانے لگیں۔دارالخلافہ ہنگاموں کا گڑھ بن گیا۔اسی دوران مامون رشید کے ذہن میں عباسی حکومت کی غلطیاں،علویوں پر مظالم اور آلِ علی علیہ السلام سے غداری وغصبِ حکومت ہجوم کئے ہوئے تھے۔اور وہ اُنکا تدارک سوچ رہا تھا۔آخر اُس نے جناب امام ہشتم موسیٰ رضا علیہ السلام کو ولی عہد حکومت بنانے اور آئندہ حکومت کو اسکے صحیح حقدار کو سونپ دینے کا فیصلہ کرہی لیا۔

(د) تحریک تشیع نے پھر حکومت واپس کئے جانے کا انتظام کردیا

تیسری صدی کے شروع ہوتے ہی حکومتِ عباسیہ کی سمجھ میں یہ حقیقت آنے لگی تھی کہ ہمیں اس حکومت کو امام عصر علیہ السلام کے رُوبرو پیش کردینا چاہیے۔اور ملک میں اُن کی حکومت برقرار رکھنے میں بطور مشیر ومعاون خدمات انجام دینا چاہئیں۔ چنانچہ مامون رشید نے تمام مملکت اسلامیہ میں عباسی شعار حکومت یعنی سیاہ علم ولباس کے بجائے آل علیؑ کا شعار سبز علم اور سبز لباس استعمال کرنے اور جناب امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے احکامات نافذ کردیئے۔لیکن یہ زمانہ بالکل بدلا ہوا تھا۔تیسرے عباسی خلیفہ کے بعد سے آج تک مخالف محاذ کے علماء اقتدار حاصل کرچکے تھے۔اور مذہب شیعہ کے خلاف ایک مذہبی محاذ باقاعدہ برسر کار آچکا تھا۔ چاروں طرف مُلّا ذہنیت نے خطرہ محسوس کیا۔اور 202ھ یکم محرم کو ماموں رشید کے چچا ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ بنا کر مامون رشید کی بیعت کو منسوخ کردیا۔ جابجا گورنروں کو چارج سنبھالنے کے لئے بھیجا گیا۔ اور مامون رشید پر فوج کشی شروع کردی۔جس روز ابراہیم کی خلافت کا فیصلہ ہوا اُسی روز جناب امام رضا علیہ السلام نے مامون رشید کو ہونے والی کاروائی اور اعلان کا حال بتادیا۔حالانکہ سرکاری ذرائع سے غلط اطلاع دی گئی تھی۔اور جناب امامؑ نے فضل بن سہیل کی تمام خفیہ کاروائیوں سے بلاکم وکاست مطلع کرکے دربار حکومت کو سنبھال لینے کی تمام تجاویز سامنے رکھ دیں۔تاکہ مامون رشید کو بنی ہاشم اور بنی عباس کا تعاون حاصل ہوجائے۔یہ وہ مخلصانہ مشورہ تھا جو مامون کو دوبارہ سنبھالنے کیلئے کافی ہوگیا۔اور حالات ایسے تھے کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ مامون کو فضل بن سہل کے خلاف ایسا جرأت مندانہ اقدام کرنے پر راضی کرسکتا۔ بہرحال فضل بن سہل قتل ہوگیا۔اور قلمدان وزارت فضل کے بھائی حسن بن سہل کو مل گیا۔اور خلافت کو آل علیؑ

میں جانے سے روکنے کے لئے جناب امام رضا علیہ السلام کو عباسیوں نے زہر دے کر شہید کر دیا۔ اور سبز شعار پھر سے منسوخ ہو گیا اور عباسیوں نے دوبارہ سیاہ کاری اختیار کر کے اپنے منہ کالے کر لئے۔ یعنی جس کے مشورہ سے مامون کو دوبارہ حکومت ملی اس سے غداری کر کے آخری دفعہ پھر اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیا۔ اُدھر رخ بدلا اور 207ھ تک پھر بغاوتوں کے انتظام رو بہ کار آ گئے۔ اور جناب عبدالرحمٰن بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علیؑ بن ابیطالبؑ نے یمن میں بغاوت کی راہنمائی شروع کر دی۔ مگر فوج کشی کے ساتھ ہی مامون رشید نے امان نامہ بھی بھیجا۔ آپ نے منظور کر لیا اور بغاوت ختم ہو گئی۔ آخر مامون نے منع کر دیا کہ آئندہ کوئی علوی میرے دربار میں نہ آئے۔ لیکن مرتے وقت اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی کہ آلِ علیؑ کے ساتھ احسان وسلوک سے پیش آئے اور تمام باغیوں کو معاف کر دے۔

یمن کے شیعوں نے بنی عباس کے مقابلہ میں بنی زیاد کو اختیار کر لیا۔ اور یہاں دولت زیادیہ سے تعاون کر کے ایک آزاد حکومت بنا دی جو محض خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھ لیتی تھی۔ ادھر جو حکومتیں ادریسی حکومت کے اثر ونفوذ کو مٹانے کے لئے قائم کی تھیں دولت اغالبہ بھی آزاد ہو گئی۔ 205ء میں زط یا جاٹ قوم نے سواحل فارس پر بغاوت کر دی اور 219ھ تک زیدی جماعت نے پھر تیاری کی اور جناب محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن امام زین العابدینؑ نے امامت کے دعوے کے ساتھ بغاوت کی۔ اور کافی لڑائیوں کے بعد قید ہو کر معتصم کے روبرو گئے جہاں اُنہیں جیل خانے بھیج دیا گیا۔ وہ جیل سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر اُنکا پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے۔ رفتہ رفتہ عرب قبائل حکومت عباسیہ سے ایسے متنفر ہوئے کہ اُنہوں نے نکل کر چاروں طرف لوٹ مار جاری کر دی۔ مکہ ومدینہ کے بازاروں میں دن دہاڑے ڈاکے پڑنے لگے اور حکومت کی مشینری اُنکو دبانے میں مصروف رہی۔

(ہ) ثانیٔ شمرو یزید یعنی متوکل، بنی عباس کا دسواں خلیفہ

یہ پہلا خلیفہ تھا جس کو ایک قاضی نے تاج پہنا کر خلیفہ بنایا تھا۔ وہ قاضی جس نے اُسے پسند کیا تھا احمد بن داؤد تھا۔ 233ہجری میں اس خبیث پر فالج گرا اور ساری عمر محتاج رہا۔ متوکل باقی تمام بنی عباس سے زیادہ دشمنِ اہلبیتؑ تھا۔ اُس نے صرف اُن لوگوں کو اقتدار میں شامل کیا اور عہدے دیئے جو آلِ علیؑ سے انتہائی دشمنی رکھتے تھے۔ وہ خود مامون رشید، معتصم اور واثق کو اسی وجہ سے برا کہتا تھا کہ وہ دشمن اہلبیتؑ نہ تھے۔ اس ملعون نے 237ہجری میں جناب امام حسین علیہ السلام کی قبر کھدوادی، مزاروں کو منہدم کر کے وہاں پر کھیتی باڑی کرنے کا حکم دیا۔ زیارت کو جانے والوں پر مظالم کئے۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کو بیس سال تک سامرہ میں نظر بند رکھا۔ بار باراُن کے گھر کی تلاشیاں کرائیں آخر خود ترکی غلاموں کے ہاتھوں واصل جہنم ہو گیا۔ اس کے مظالم سے رومی اور دوسری اقوام نے حکومت عباسیہ کے خلاف باقاعدہ مہمات شروع کر دیں۔

(و) بنی اُمیہ کی طرح عباسیوں نے بھی اولادِ علیؑ کے سروں کو کاٹ کر دروازوں پر لٹکایا

یحییٰ بن عمر زیدیہ تحریک کے سربراہ کا سر کٹوا کر سامرہ کے باب عامہ پر لٹکایا گیا۔اس پر عوام میں غیظ وغضب پھیلا تو مستعین یعنی عباسیوں کے بارہویں خلیفہ نے اُتروا کر بغداد کے دروازے پر لٹکایا۔ وہاں بھی بغاوت کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔اس لئے مجبور ہوکر دفن کرادیا گیا۔ یحییٰ بن زید کی شہادت کے بعد جناب حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسنؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔اورانہوں نے عباسیوں کی تمام کوششوں کو ناکام کر کے دیلم اور طبرستان میں ایک آزاد وخود مختار حکومت قائم کی جو برابر سو سال تک قائم رہی۔حسن بن زید داعی 250ھ ہجری سے 270ھ تک حاکم رہے۔ محمد بن زید قائم بالحق 270ھ سے 279ھ تک۔پھراُن کے بعد بنی سامان 279ھ سے 301ھ ہجری تک۔پھر حسن اطروش بن علی بن حسین بن علی بن عمر بن زین العابدینؑ 301ھ سے 304ھ تک۔ پھر حسن بن قاسم 304ھ سے 355ھ ہجری تک حاکم رہے۔یہ بنی سامان حکومت عباسیہ کی مدد سے محمد بن زید کو قتل کر کے قابض ہو گئے تھے۔

لیکن صرف 32 سال بعد پھر حکومت علویوں کے قبضہ میں آ گئی۔اورحسن اطروش نے سامانی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ لیکن 355ھ ہجری میں اُن کے ہاتھ سے یہ حکومت نکل گئی۔اب وہ زمانہ آ گیا کہ خلافت بنی عباس اور خلفائے بنی عباس کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ترکی غلاموں کی گود میں ادھر سے اُدھر ٹہلائے جارہے تھے۔ادھر رومیوں نے تاخت وتاراج کرنا شروع کیا۔اور حکومت کے تارپود بکھرنا شروع ہوگئے۔اور یہ نوبت ہوگئی کہ معتز اوراس کی ماں، صالح بن وصیف سے اپنے وزیر احمد بن اسرائیل کی رہائی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔لیکن وہ خلیفہ کی پذیرائی نہیں کرتا اور یہ تیرہواں خلیفہ بےبس ہوکر خاموش ہوجاتا ہے۔یہ وہ ذلت ہے جو خلفائے عباسیہ کو آلِ علیؑ سے دشمنی کی بناپر نصیب ہوئی اور یہ ہے وہ انعام جو اُن کے نئے مذہب نے عطا کیا۔یہی معتز تھا جس نے خود اپنے خاندان کے بارہویں خلیفہ کو امان دینے کے بعد قتل کرایا تھا۔یعنی وہ تلوار جو آلِ علیؑ پر اُٹھتی تھی۔اب اُس نے خود خلفا بنی عباس کے ہاتھوں خلفائے بنی عباس پر چلنا شروع کردیا تھا۔اوراب اُن کے خون پی رہی تھی۔اوراُن کے دلوں کو آپس میں ایک دوسرے سے اس قدر متنفر کر دیا تھا کہ جب بارہویں خلیفہ مستعین کا سر کاٹ کر تیرہویں خلیفہ معتز کے سامنے پیش کیا گیا تو کہا کہ ذرا یہ شطرنج کی بازی کھیل لوں تو دیکھوں گا۔اور جب شطرنج سے فارغ ہوا اپنے بزرگ کا سر دیکھا تو قاتل کو پچاس ہزار درہم انعام دے کر بصرہ کا نائب السلطنت بنادیا۔یہ خلفا اپنے بھائیوں اور بچوں تک کو قتل کرنے پر مجبور ہوگئے۔ چندروز کے بعد اسی معتز کو دیکھا گیا کہ ترکی غلام محل میں سے پاؤں پکڑ کر کھینچے لارہے ہیں۔گھسیٹتے لاتیں مارتے باہر لائے۔کپڑے پھٹے ہوئے خون سے لہولہان زمین پر پڑا تھا۔آخر اسے سنگ مرمر کے گرم فرش پر کھڑا رہنے کا حکم ملا۔ بار بار جلدی پیر اُٹھاتا اور رکھتا تھا۔یعنی عباسیوں کی غاصب وظالم وغادر حکومت غلاموں کے سامنے مارکٹائم

(Marktime) کررہی تھی ۔قاضی القضاۃ کو غلاموں نے بلایا وہ دُم دبائے ہوئے حاضر ہوا۔معتز سے دست برداری کا حکم لکھوایا اور معتز جیل خانے میں گئے۔تین روز قطعی بھوکا پیاسا رہا۔ایک ایک گھونٹ پانی کی بھیک مانگتے ہوئے دم توڑ دیا۔یہ ہے وہ خلافت جس نے قبر حسین علیہ السلام کو منہدم کرایا تھا۔چودھواں خلیفہ بھی ایک سال گذرنے سے پہلے ہی گھسیٹا گیا، قید ہوا اور جیل میں مرگیا۔اُس وقت 256 ہجری تھا۔یہ خلیفہ صاحب متہدی کہلاتے تھے۔ایک وہ وقت تھا کہ عباسی خاندان کا ہونے والا پہلا خلیفہ مھدوی کے عالم میں بھی سو کے بجائے دوسو دینار ایک اشارہ پر سامنے رکھے دیکھتا ہے۔اوراب اسی ابوالعباس کی اولاد کا پندرہواں خلیفہ خانگی ضرورت کے لئے صرف تین سو دینار مانگتا ہے۔اوراتنی وسیع وعریض حکومت کے باوجود اس کا اپنا خاندانی فرداُسے نہیں دیتا ہے۔یہ فرق ہے شیعوں کے ساتھ رہنے اور عباسیوں کے تعاون میں۔عباسی حکومت حالت نزع میں موت کی ہچکیاں لے لے کر دم توڑ رہی تھی کہ جناب امام یازدھم حسن عسکری علیہ السلام اللہ کو پیارے ہوگئے۔یہ معتمد یعنی بنی عباس کے پندرہویں خلیفہ کا زمانہ تھا۔یعنی ہمارے چھ آئمہ علیہ السلام کے زمانے میں 15 خلیفہ گذر گئے۔یعنی ایک ایک امامؑ نے اڑھائی اڑھائی خلیفہ کو ختم کیا تھا۔

(ز) **اسماعیلیہ تحریک نے تحریک تشیّع کا چارج سنبھالا**

اس تحریک کا تفصیلی تذکرہ ہو چکا ہے۔چونکہ ہمارے بارہویں امام علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد غائبانہ قیادت سنبھال لی تھی۔اس لئے اسماعیلی تحریک نے اعلانیہ کام شروع کردیا۔اس جماعت نے دوذیلی تحریکیں شروع کیں۔جن کے سیاسی نام باطنیہ اور قرمطیہ رکھے گئے۔اوّل الذکر نے مصر سے اور آخر الذکر نے عراق سے اپنا کام شروع کیا اور مصر وسندھ میں حکومت قائم کی۔ایران وعراق پر قبضہ جمایا اور عباسی خلافت کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیا۔اسلم صاحب کا ایک جملہ بجنسہ سنئے!:۔

”۔سواد کوفہ میں جو تخم وہ بو گیا تھا۔خوب برگ وبار لایا۔اور قرمطی تحریک یہاں اس قدر پھیلی کہ خلافت عباسیہ اوراُمت اسلامیہ کے لئے بڑی بڑی مصیبتوں کا سامان بن گئی۔“(تاریخ امت جلد 5 صفحہ 70-69)

یہ تھی عرب میں تحریک تشیع کی وہ داستان جو غیبت حضرت حجت علیہ السلام تک مختصر طور پر آپ کے سامنے آ گئی۔

(ح) **چلتے چلتے تحریک تشیع کے چند جھٹکے جو خلافت عباسیہ نے سہے**

نمبر1۔ ابوسعید حسن (خبابہ کا باشندہ) خبابی قرمطی نے تحریک کی دعوت پھیلا کر قوت حاصل کی اور بصرہ پر حملہ کا انتظام کیا۔ 287ھ میں خبابی نے بصرہ پر حملہ کیا۔سپہ سالار عمر غنوی کو گرفتار کیا، فوجیں فرار کرگئیں، اہل بصرہ پر قرمطیوں کی وحشت سوار ہوگئی اور باشندگان بصرہ گھروں کو چھوڑ کر بھاگ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ادھر رئیس قرامطہ ذکرویہ بن مہرویہ نے

اپنے بیٹے ابوالقاسم یحییٰ کو عراق سے قبیلہ بنی کلب میں دعوت کے لئے بھیجا۔ جہاں اُس نے بنی کلب سے 289ھ میں بیعت لے لی۔ خلیفہ معتضد نے اپنے سپہ سالار شبل کو فوج دے کر بھیجا۔ جسے قرامطہ نے قتل کر دیا اور اُس کی فوج کو بھگاتے ہوئے رصافہ تک آ گئے۔ جامع مسجد کو جلا دیا اور تہس نہس کرتے واپس ملک شام آ گئے۔ یہاں ایک جملہ اسلم بھیا کا سُن لیں:۔

نمبر2۔ یہ فرقہ معتضد کے عہد میں تین مقامات میں پھیل گیا۔عراق بحرین اور شام۔اوراس کی چیرہ دستیوں سے عالم اسلامی پر ایک بلائے عام نازل ہوگئی''۔(تاریخ اُمت جلد5 صفحہ 92)

قارئین یہاں رُک جائیں اور دو باتیں سنیں۔پہلی یہ کہ مسلمانوں کے تمام فرقے چونکہ قرمطیوں کو واجب القتل اور کافر سمجھتے تھے اور اُنہیں بے دریغ بے قصور قتل کر دیتے تھے۔اس لئے آپ قرمطیوں کے ہاتھ سے قتل وغارت پر اپنا دل نہ دکھائیں۔جس فرقے کے لوگوں کو مسلمانوں کے کسی فرقے کے یہاں صرف اس لئے قتل کر دینا اور لوٹ لینا جائز ہو کہ وہ مسلمانوں کے یا مسلمانوں کے کسی فرقے کے عقائد کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ہم اُن تمام مسلمانوں یا اُس خاص فرقے کے لوگوں کا قتل عام اور انہیں بدلے میں لوٹنا کیوں برا سمجھیں۔؟ دوسری بات یہ کہ جو علماء مخالف جذبات کو اُبھارنے کے لئے ایسے مواقع پر اسلامی اسلامی یا مسجد اور محراب کا واسطہ دیں انہیں فریب کار سمجھیں۔

نمبر3۔ اب مسلسل سنیں کہ رئیس قرامطہ ابوسعید خبابی بحرین کے تمام شہروں، مجز۔احساء۔اورقطیف وغیرہ پر قبضے کے بعد مقتول ہوگیا۔اس کا جانشین اس کا بیٹا ابوطاہر ہوا۔اس نے بصرہ پر متعدد حملے کئے 311ھ میں سترہ سو قرمطیوں کو لے کر بصرہ میں داخل ہوا۔دو ہفتے سے زیادہ قیام کیا قتل عام اور لوٹ مار کے بعد واپس آ گیا۔اس کے ساتھ ہزاروں عورتیں اور بچے بھی قید ہو کر آئے۔اُسی زمانہ میں محسن بن فراط شیعی نے بغداد میں تمام اُمراء و وزرا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔اسے بھی اہل بغداد قرمطی سمجھتے تھے۔مقتدر باللہ خلیفہ بھی مجبور ہو کر ابوطاہر خبابی سے بذریعہ خط درخواست کرتے ہیں۔کہ عورتوں اور بچوں کو رہا کر دو۔چنانچہ ابوطاہر نے سب کو رہا کیا۔اور واپسی کا باقاعدہ انتظام کیا اور لکھا کہ مجھے بصرہ اور اھواز کا امیر بنا دیا جائے۔ قیدی واپس پہنچے تو خلیفہ صاحب اب کیوں ابوطاہر کو امیر بصرہ بنائیں۔؟ چنانچہ ابوطاہر نے پھر اپنا کام شروع کر دیا۔یعنی پھر مکہ جانے والے قافلوں کی راہ روک لی۔سرکاری فوجیں قافلوں کے ساتھ روانہ ہوئیں تا کہ ابوطاہر کو کچل کر رکھ دے۔ابوطاہر کے گنے چنے قرمطیوں نے سات ہزار فوج کو لوٹا، بھگایا اور ذلیل وخوار کیا۔تعاقب کرتے ہوئے چلے کوفہ کے باہر پھر جنگ ہوئی اور پھر ابوطاہر کوفہ میں داخل ہو گیا۔چھ روز تک کوفہ کو لوٹ کر واپس چلا گیا۔اہل بغداد پر خوف چھا گیا کہ قرامطہ کسی وقت پر حملہ کر سکتے ہیں۔ 315ھ ہجری میں ابوطاہر کو پھر انگڑائی آئی اور پھر کوفہ کو نشانہ بنانے کے لئے چلا۔یہاں سے قارئین اسلم صاحب کی زبان میں سنیں:۔

نمبر 4 ''۔مقتدر نے یوسف بن ابی السّاج کوفوج دے کر مدافعت کے لئے بھیجا۔لیکن قرامطہ اس سے ایک روز پہلے ہی وہاں پہنچ گئے ۔اورفوج کے لئے رسد کی کثیر مقدار جوجمع کی گئی تھی ۔اس پر قابض ہو گئے ۔یوسف نے دوسرے روز پہنچ کراُن کولکھا کہ ایک روز کی مہلت دیتا ہوں۔خلیفہ کی اطاعت قبول کرلوورنہ کل تم کوقتل کر دوں گا۔ابوطاہر نے لکھا کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی اطاعت نہیں کرتے ۔کل صبح کوتمہارے اور ہمارے درمیان جنگ ہے۔دوسرے دن صف آرائی ہوئی۔یوسف نے اُن کی تھوڑی سی تعداد دیکھ کر پہلے ہی سے فتح نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو قرامطہ غالب آ گئے ۔ یوسف کو گرفتار کرلیا۔اوراس کی فوج میں سے ایک کثیر تعداد کوقتل کرڈالا۔بغداد میں فتحنامہ کے بعد جب شکست کی اطلاع پہنچی تو نہایت اضطراب پیدا ہو گیا۔بہت سے لوگ گھروں کوچھوڑ کر حلوان اور ہمدان کی طرف چلے گئے ۔قرامطہ کوفہ سے عین التمر کی طرف بڑھے وہاں سے انبار پر چڑھائی کی۔چونکہ اہل انبار نے فرات کا پل توڑ دیا تھا۔اس لئے مغربی کنارہ پررک گئے ۔ابوطاہر نے کشتیاں فراہم کیں۔اوراپنے (صرف) تین سو آدمی پاراتارے۔اُنہوں نے سلطانی لشکر کوشکست دے کرشہر پر قبضہ کرلیا پھر ابوطاہر پُل بندھوا کراپنی تمام جماعت کو لے کرآیا۔بغداد سے نصر حاجب اور مونس،مظفر پینتالیس ہزارفوج لے کر پہنچے ۔مگر قرامطہ کی اس درجہ ہیبت اُن پر غالب تھی کہ مقابلہ سے ڈرگئے ۔آخر میں ہزیمت اُٹھا کر بھاگے (شرم شرم) حالانکہ ان (قرمطیوں) کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہ تھی ۔ابوطاہر نے انبار میں یوسف اوراس کے ساتھ دوسرے قیدیوں کوبھی قتل کرڈالا''۔ (تاریخ اُمت جلد5 صفحہ 126-123)

نمبر 5۔ ''اُدھرابوطاہر نے جزیرہ کوتاخت وتاراج کرڈالا اور پھرکوفہ میں آ گیا۔سلطانی فوج اُس سے خوفزدہ تھی۔اورمقابلہ میں نہیں آتی تھی ۔اس وجہ سے وہ بلارکاوٹ ہرطرف بستیاں لوٹتا تھا۔ابوطاہر کی ان چیرہ دستیوں سے قرمطی تحریک زور پکڑ گئی۔سوادکوفہ میں اسکی جماعت کے دس ہزارآدمیوں نے حریث بن مسعودکواپنا رئیس بنایا۔اسی طرح اُن کی ایک جمعیت عین التمر میں تھی۔جس کا سرغنہ عیسٰی بن موسیٰ تھا۔اُن لوگوں نے سلطنت کے عمّال کونکال کرحکومت اورتحصیل خراج کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا''۔ (تاریخ اُمت جلد5 صفحہ 127)

نمبر 6۔ ہم نے مخالف محاذ کے قتل وغارت لوٹ مار، بے رحمی،قساوت قلبی، کے نمونے پہلے دکھادیئے ہیں۔اوراب بار باراُن کوسامنے لاناضروری نہیں سمجھتے۔لیکن ہم یہاں وہ جھٹکے دکھارہے ہیں جوتحریک تشیع کے صاحبان سیف نے حکومت عباسیہ جیسی غاصب وظالم وقاہرہ قوت کودے کرجڑبنیاد سے ہلا دیا تھا۔اورمقصد ہمارا یہ ہے کہ قارئین کرام اس پھنّے خان حکومت کی وہ بے بسی اور بے کسی دیکھیں جوشیعوں کی قربانیوں سے اُن کے سامنے آئی۔اس لئے ہم بلاتکلف اُن بیانات کولکھتے چلے جارہے ہیں جومخالف ومتعصب مورخین نے نہایت ظالمانہ، بے رحمانہ اور مذموم ترین الفاظ میں لکھے ہیں۔اور چاہا ہے کہ اپنے مخالف محاذ کو

بدنام کریں۔اس لئے ہمیں خود اُن تابڑ توڑ جھٹکوں سے یہ احساس ہوا کہ ذرا رک کر اُن مورخین کے انداز تحریر پر ناظرین کو متوجہ کریں۔اور ایک دو نمونے مخالفین کے دکھائیں تا کہ ہمارے محاذ کے متعلق انصاف فراموشی نہ ہو سکے۔لہٰذا جہاں مندرجہ بالا قرمطی ایکشن ختم کیا تھا وہیں سے مسلسل علامہ کا قلم ملاحظہ ہو۔فرماتے ہیں کہ:۔

نمبر7۔''مقتدر(خلیفہ) نے ہارون بن غریب کو حریث بن مسعود(قرمطی) کے اور صافیا بصری کو عیسیٰ بن موسیٰ (قرمطی) کے مقابلہ میں بھیجا۔ان دونوں نے قرمطیوں کی ان دونوں جماعتوں کو فنا کر دیا۔اور مخلوق کو اُن کی مصیبت سے رہائی بخشی۔''
(جلد5 صفحہ 127)

یہ بیان کتنا سادہ اور عیارانہ ہے؟اس کا اندازہ عام اذہان وقلوب نہیں کر سکتے۔اس طرز بیان میں مخالف سے جس قدر بے انصافی کی جاتی ہے۔وہ سیدھے سادے غیر سیاسی عوام کی رسائی سے باہر ہے۔ناظرین اس بیان کا پہلا حصہ پھر دیکھیں (نمبر5) وہاں صرف ایک جماعت کی تعداد اسلم صاحب نے دس ہزار بتائی اور دوسری جماعت کی تعداد اپنی عیاری کی پٹاری میں چھپالی۔اب بیان نمبر7۔میں دونوں جماعتوں کو فنا کر دینا بتاتا ہے کہ مقتدر کی مسلمان فوج نے کم از کم بیس ہزار قرمطی عقیدے کے مسلمانوں کو فنا کر دیا تھا۔لفظ''۔فنا''میں نہ تلوار نظر آتی ہے۔نہ شہہ رگ اور گردن دکھائی دیتی ہے۔نہ خون کا فوارہ چھوٹتا محسوس ہوتا ہے۔نہ مقتول کا تڑپنا اور دونوں ٹانگوں کا بار بار پھیلنا اور تڑپ کر سمٹنا خوفزدہ کرتا ہے۔اس لئے یہ لفظ اسلم صاحب نے سادہ قلب وذہن کو بہلا کر گذر جانے کے لئے موزوں سمجھا۔لیکن ہم اسی لفظ کی وسعت اور گہرائی کی حدود میں مندرجہ بالا عیارانہ جملہ پیش کر کے اسلم کی روح اور اُسی قسم کے تمام بدروحوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بیان اور اسلم کے ایک جملہ میں کوئی فرق دکھائیں۔سنیئے!اسلم صاحب کے جملہ کا مطلب لفظ فنا کی وسعت کے اندر:۔

نمبر8۔ ''۔اُن دونوں نے قرمطیوں کی اُن دونوں جماعتوں کو فنا کر دیا ہے''۔ (جلد5 صفحہ 127)

۔''یعنی اُن دونوں عباسی سرداروں نے خود اور اپنی فوج کی قوت سے بیس ہزار قرمطی مسلمانوں کو اس طرح تہہ تیغ کیا کہ نہ اُن کا کوئی بچہ زندہ چھوڑا جو آئندہ دنیا میں قرمطی کہلا سکے نہ اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیا کہ کوئی حمل میں موجود بچہ پیدا ہو کر قرمطی بن سکے۔اُن کے تمام اموال واسباب ومتعلقین کو لوٹ کر اس طرح فنا کیا کہ کوئی نام لیوا باقی نہ رہے۔جن جن لوگوں کو اُن بیس ہزار لوگوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔اور جو جو لوگ اُن کا ذکر خیر کر کے اُن کو اور اُن کے ذکر کو فنا ہونے سے بچا سکتے تھے۔سب کو اس طرح قتل وغارت اور تباہی کے گھاٹ اُتارا کہ وہ دونوں جماعتیں صفحہ ہستی سے مٹ گئیں''۔اور:۔

۔''عباسی فوج نے نہ کلمہ کا خیال کیا نہ اُن کی نمازوں اور عبادتوں کو درخورِ اعتنا سمجھا۔نہ مغلوب اور نہتے اور مجبور ہونے پر رحم کیا وغیرہ وغیرہ''۔

قارئین اگر آپ نے دلوں کو سخت کرنا ہے تو دونوں فریق کے لئے کریں۔ غصہ کرنا ہے تو دونوں پر ناراض ہوں۔ غلط کار کہنا ہے تو دونوں کو غلط کار کہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے ظالموں، قاتلوں، نمک حراموں، غاصبوں، فاجروں، لٹیروں کا تذکرہ ہو تو نرم، چالاک اور مکار و عیار زبان استعمال کی جائے۔ اور جب اپنے مخالف کا ذکر کیا جائے۔ اور ذکر بھی وہ جو مخالف نے بدلے میں کیا ہو۔ تو ہائے واویلا، فریاد، اسلام، حاجی، کعبہ مسجد، نمازی وغیرہ کے نوحوں کے اندر تنفر و تعصب کو چھپا لیا جائے۔ لوٹنا جرم ہے۔ خواہ ایک آدمی کو لوٹا جائے یا ایک ملک کو لوٹ لیا جائے۔ ہندو اور مسلمان دونوں کو لوٹنا ایک ہی جرم ہے۔ مسجد کو لوٹا جائے یا مندر کو، جرم میں کیا فرق پیدا ہوتا ہے۔ عام مسافر کو لوٹنا اور ایک حاجی کو لوٹنا ہمارے نزدیک ایک نہیں ہے۔ حاجی اگر سرمایہ دار ہے۔ غربا کو مصائب میں مبتلا چھوڑ کر، بھوکوں سے نظر بچا کر، پھٹے کپڑوں والوں سے چھپ کر، حج کو جا رہا ہے۔ سمگلنگ کا انتظام بھی ہے۔ تو سنو! ایسے حاجی کو لوٹ لینے والا اسلامی عدالت میں معاف ہے۔ عام مسافر کو لوٹنے والا معافی کا حقدار نہیں۔ جو لوٹ مار پر اُتر آیا یا جو لوٹ مار پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اُن دونوں میں فرق ہے۔ لوٹنا جرم ہے تو کعبہ کو لوٹنا بھی جرم ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر لوٹ مار اسلامی ہے۔ اسلم صاحب کی کمپنی کو بتاؤ کہ تم نے ہی تو لکھا ہے کہ:۔

نمبر 9۔ عباسی حکومت نے۔ ''انتقام لینے میں جس قساوت قلبی اور بے رحمی کا اظہار کیا۔ اُسکی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی''۔
(تاریخ اُمت جلد 8 صفحہ 93)

تمہاری اس بے رحمی اور تاریخی بے نظیر قساوت قلبی کی بے نظیری کا ہلکا سا جواب دیا جاتا ہے تو واویلا کیوں۔؟ اپیلیں کیوں۔؟ تم تو اگر غیرت دار آدمی ہو تو کبھی اپنے مخالفین کے سامنے نظر تک نہ اٹھاؤ۔ مگر غیرت کس کتیا کا نام ہے؟ جو اس کمپنی سے آنکھ ملا سکے۔ یہ تو واٹر پروف اور ایئر ٹائٹ (Airtight) کمپنی ہے۔ اس میں حیا، رحم، انصاف، خدا ترسی اور فرض شناسی کی دراڑیں یا رخنے اور جھریاں نہیں ہیں۔ اس نے لکھا تھا کہ:۔

اوّل۔ اُموی خلافت

(i) اُن کے وُلاۃ (گورنر) بھی خون ناحق اور ظلم سے کم پرہیز کرتے تھے۔ خاص کر عراق میں (شیعوں پر) زیادتی سختیاں نہایت جابرانہ تھیں''۔ (جلد 8 صفحہ 82)

(ii) عہد بنی اُمیہ میں جبر و قہر کی حکمرانی رہی''۔ (صفحہ 88)

(iii) اُن کی مخصوص سیاست سے قرآن خارج ہو چکا تھا۔ اور خاندانی اغراض نے قرآن کی جگہ لے لی تھی''۔
(ایضاً تاریخ اُمت جلد 8 صفحہ 89)

(iv) خدا سے خوف کرنے کی اپیل کرنے والے کو قتل کرنے کی دھمکی۔ (جلد 8 صفحہ 88)

دوم۔ خلافت عباسیہ

(i) اُن کے درباردارااورکیخسر وں کے درباروں کانمونہ پیش کرتے تھے۔غناوشراب عیش ونشاط وغیرہ (لواطت) سے دلچسپی ہوئی۔اور کتاب وسنت سے بس اتنالگاؤ تھا کہ وہ (برائے نام)مسلمان تھے۔ورنہ اُن کی مخصوص سیاست میں نہ کتاب کودخل تھا نہ سنت کو۔(تاریخ اُمت جلد8 صفحہ 93)

اوّل۔اُموی خلافت میں علیؑ وآل علیؑ سے سلوک

(i) ''۔مسجد کامنبرجس کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت خلق کے لئے نصب فرمایا تھا۔اُس پر حضرت علی کرم اللہ وجہ کوعلی الاعلان بُرا کہاجاتاتھا۔اور باوجوداس کے کہ اُس سے اکثر مسلمانوں اور بالخصوص شیعہ علیؑ کی دل آزاری ہوتی تھی۔بطور حتمی فرض کےقراردے رکھا تھا''۔(صفحہ 37 جلد 3 تاریخ اُمت)

یہیں یہ سن لیں کہ خاندان علیؑ پرتبرااورملامت عمر بن عبدالعزیز نے بند کیا تھا۔(تمام تواریخ)

(ii) ''۔بنی اُمیہ نے ابتدا ہی سے اُن پر سختی شروع کی۔امیر معاویہ نے اپنے تمام عمال (گورنروں) کوحکم بھیجا کہ جوشخص حضرت علیؑ اوراُن کے اہلبیتؑ سے تولاّ رکھے۔یا اُن کے مناقب (فضیلت کی حدیثیں) روایت کرے اُس کا نام وظائف کے دفتر سے کاٹ دو۔اوراُس کی شہادت (گواہی) ساقط الاعتبار کردو۔صرف شیعانِ عثمان کواپنے پاس آنے دواور عثمان کے فضائل میں جوروائتیں بیان کی جائیں۔اُن کومعہ اُن کے راویوں کے ناموں کے مجھے بھیجتے رہو۔''

(جلد8 صفحہ 159-158)

(iii) ''۔انصار رضی اللہ عنہم کے وظائف بارہا اسلئے بند رکھے گئے کہ وہ اہلبیتؑ کی طرفداری کرتے ہیں۔'' (جلد8 صفحہ 220)

(iv) کوفہ شیعوں کا مرکز تھا۔جس کا عامل (گورنر) زیادتھا۔اُس نے جہاں جہاں شیعوں کو پایاقتل کیا۔اس کے بعد جوکچھ رہ گئے اُن کو ابن زیاد نے ختم کیا۔اُن دونوں باپ بیٹوں نے اُن کوکھجوروں کے درختوں پرسولیاں دیں۔ہاتھ اور پاؤں کاٹے۔آنکھ میں گرم کر کےسلائیاں پھیریں۔اورڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کران کو مارا۔حجاج بن یوسف جب عراق کاوالی ہواتو اس نے وہی برتاؤ رکھا۔اس کوکافریازندیق سے اتنی نفرت نہ تھی۔جتنی شیعہ سے تھی''۔عربی کےمشہورادیب اصمعی کے دادانے ایک دن اس سے کہا کہ میرے والدین نے میرے اوپر بڑاظلم کیا۔حجاج نے پوچھا کیاظلم کیا؟ بولا کہ میرانام علی رکھ دیا (صحیح کہا اس لئے کہ ہرجمعہ کی نماز کے بعد اس پربھی لعنت اورتبرا ہوتا تھا۔احسن) حجاج ملعون مسکرایا اوراس کوعلاقہ کا گورنرمقررکردیا۔جملہ اموی عمال (گورنروں) کا یہی حال تھا۔وہ شیعت کی تہمت پربھی ہاتھ پاؤں کاٹ لیتے یاقید کر کے مال ومتاع ضبط اورمکان منہدم کردیتے۔عباسی اوربھی زیادہ شیعوں سے پُرحذررہتے تھے۔کیوں کہ وہ خوداُن کے شریک کاررہ چکے تھے۔اس وجہ سے اُن

کے عہد میں شیعوں پر اور بھی سختیاں بڑھ گئیں۔اور ابو مسلم خراسانی نے سینکڑوں سپاہی اس لئے مقرر کررکھے تھے۔کہ جہاں کسی شیعہ کو پاجائیں قتل کردیں۔عباسی خلفا میں سے سب سے زیادہ اُن کا دشمن متوکل تھا۔اس نے امام حسینؑ کی قبر 237ھجری میں معہ تمام ملحقہ عمارتوں کے منہدم کرادی۔جس پر ہل چلاکر کاشت ہونے لگی۔لیکن باوجود ان تمام سختیوں کے شیعہ اپنے عقیدے اور عمل سے نہیں ہٹے۔اوراُن کے آخری خلیفہ مستعصم تک کبھی پنہاں کبھی آشکارا مقابلہ کرتے رہے''۔(جلد 8 صفحہ 160-158) ایسے شیعوں پر ہمارے ہزاروں سلام۔

دوم۔ عباسی اور آل علیؑ

(i) ہارون امراء اور وزراء میں سے جس کی بابت سنتا کہ وہ اہلبیتؑ کے کسی فرد کی طرف میلان رکھتا ہے۔اس کو سخت سزا دیتا۔اسی اندیشہ سے امام موسیٰ کاظمؑ کو بغداد میں اپنی نگرانی میں رکھ چھوڑا تھا۔اُن کو کہیں جانے نہیں دیا۔یہاں تک کہ اُن کا انتقال بھی (اسی کے زہر سے) وہیں ہوا''۔(صفحہ 143 جلد 4 تاریخ اُمت)

(ii) منصور خلیفہ کے بعد بھی اہلبیتؑ پر سخت نگرانی رکھی جاتی تھی۔مہدی نے ایک علوی کو اپنے وزیر یعقوب بن داؤد کے حوالے کیا۔کہ اس کو قتل کردو۔مگر اس نے رات کو اُسے چھوڑ دیا۔(جسے فوراً پکڑ کر مہدی نے قتل کرادیا تھا) اس جرم پر اس وزیر کو ایک کنویں میں قید کردیا۔جس میں وہ وزیر پندرہ سال تک رہا۔یہاں تک کہ اس کی بینائی جاتی رہی۔ہادی خلیفہ کے زمانہ میں حسین بن علی جو امام حسنؑ کی اولاد میں تھے۔مقام فخ میں خروج کیا۔بغدادی فوج نے پہنچ کر اُن کا سر کاٹ لیا اور دربار خلیفہ میں بھیجا۔ہارون رشید کے عہد میں امام یحییٰ اور موسیٰ کاظمؑ دونوں اس کے قید خانے میں تھے۔(اور اُسی کے حکم سے شہید کئے گئے) برمکیوں کو بھی اُس نے اسی جرم میں تباہ (قتل و غارت ولوٹا) کیا کہ اس کو شبہ ہوگیا تھا۔کہ یہ آل علیؑ کے طرفدار ہیں۔نیز متوکل کے یہاں سے کسی کو مال یا عطیہ نہیں ملتا تھا۔جب تک کہ وہ آل ابیطالب کو برانہ کہے۔اُن کے درباروں میں مروان بن حفصہ اور عبدالملک اصمعی جیسے ناصبیوں کی قدر تھی۔اور عبداللہ بن عمار برقی جیسے لوگ جو حضرت علیؑ کی منقبت میں شعر کہہ دیں تو اُن کی زبان کاٹ لی جاتی تھی۔الغرض عباسیوں کے ہاتھوں اہلبیتؑ پر ایسے مظالم ہوئے کہ بنی امیہ کے عہد کو وہ جنت خیال کرنے لگے۔(صفحہ 108-107 جلد 8 تاریخ اُمت)

(iii) تمام بنی عباس میں متوکل حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد کی دشمنی میں بدنام ہے۔جس شخص کے متعلق اُس کو خبر ملتی کہ علویہ میں سے کسی کے ساتھ تولاً (محبتِ ولایت) رکھتا ہے۔اُس کا خون اور مال سب حلال سمجھتا''۔(جلد 5 صفحہ 16)

سوم۔ فاطمین اور خلافت عباسیہ

۔''مکتفی ایک فوج عظیم لیکر چلا۔جب رقہ میں پہنچا۔تو اپنے کاتب محمد بن سلیمان کی قیادت میں فوج کو فاطمین کے

مقابلہ کے لئے بڑھایا۔فریقین میں سخت جنگ ہوئی آخر میں فاطمین نے ہزیمت اُٹھائی۔ بے شمار مقتول ہوئے بقیہ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ سپاہیوں نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اُن کو قتل کیا۔فاطمین کا امیر المومنین حسن تین سو آدمیوں کے ساتھ کوفہ کی طرف بھاگا۔راستے میں توشہ اور علف (بھوسا) ختم ہو گیا۔اس وجہ سے ایک موضع والیہ نامی میں لباس بدل کر داخل ہوا۔لیکن وہاں کے باشندوں نے اُس کو پہچان لیا اور پکڑ کر رقہ میں لے گئے۔مکتفی اس کو اپنے ساتھ بغداد میں لایا۔اور وہاں اُن فاطمی قیدیوں کے ساتھ۔جن کو محمد بن سلیمان گرفتار کر کے لایا تھا۔قتل کرا دیا۔'' (صفحہ 105 جلد 5)

چہارم۔ قارئین ذرا ٹھہریں اور سوچیں کہ اُموی اور عباسی حکومتوں کا مذہب کیا تھا۔؟ جب کہ یہ معلوم ہو چکا کہ اُن کا نہ قرآن سے کوئی تعلق تھا۔نہ حدیث وسنتِ رسولؐ سے اُن کا واسطہ رہا تھا۔یعنی مولانا اسلم صاحب ہی نہیں بلکہ تمام علمائے امت جو تاریخ پر یقین رکھتے ہیں، کے نزدیک یہ دونوں حکومتیں اسلام کے نام پر بے دین حکومتیں تھیں۔اور اُن کی بے دینی یا کفر بھی بے داغ اور شریفانہ نہ تھا۔بلکہ وہ لوگ شراب، جوا، غنا، عیاشیاں بھی پسند کرتے تھے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ دنیا کے تمام شرفا اور بامذہب انسانوں کو قتل کرنا، لوٹنا، اُن کی اولاد کو غلام بنانا، فروخت کر دینا، اُن کی عورتوں سے بلا نکاح جنسی تعلق رکھنا اور ضرورت پڑنے پر فروخت کر دینا، جائز سمجھتے تھے۔پھر اُن کو خاندانِ رسولؐ اور اُن کے طرفداروں سے جس قدر عداوت تھی۔ اُس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔اُنہوں نے خاندان رسولؐ اور اُن کے طرفداروں کو جس قساوت قلبی اور درندگی کے ساتھ بلا تکلف قتل وغارت کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔اس کے بعد اگر اس قسم کی حکومتوں کو تباہ وبرباد کرنے میں مخالف محاذ بھی ذرا وراسا اُن ہی کا طریقہ اختیار کر لے تو کون اُس مخالف محاذ پر انگشت نمائی کرنے کا حق رکھتا ہے۔؟ یہ بھی سن لیں کہ تاریخ میں جہاں کہیں اُن لوگوں کے لئے اسلام پھیلانا، اسلام کی خدمت کرنا، مساجد بنانا، وغیرہ لکھا ہوا ملے تو سمجھنا چاہئے کہ اُنہوں نے اپنے کسی خودساختہ اسلام کو پھیلایا۔اُسی خودساختہ مذہب کی خدمت کی اور اُسی کے تحفظ کے لئے کمین گاہوں کا نام مساجد رکھ دیا۔ یہ باتیں اُن لوگوں کے حق میں قرآن اور حدیث میں بطور پیش گوئی اللہ ورسولؐ نے پہلے ہی بیان کر دی تھیں۔ ہمارے اِس چیلنج کا جواب محض ڈنڈا ہے۔عقل، قرآن، حدیث، تاریخ، اجماع، ہمارے ساتھ ہیں۔اس لئے ہمارا جواب نہیں ہوسکتا۔البتہ قوت سے ہمیں خاموش کیا جاسکتا ہے۔ ہماری دلیلیں خود اُن ہی کے صفحات میں موجود ہیں۔اور دنیا کا ہر صاحبِ علم اور صاحبِ انصاف ہمارے ساتھ ہے۔

پنجم۔ وہ تمام قتل عام جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔اُس کے ساتھ یہ بھی جمع کر لیں کہ عباسی خلافت وہ خلافت ہے جس کے صرف ایک سردار نے چھ لاکھ عرب وعجم کے لوگوں کو قتل کیا۔ سنئے! (ابومسلم کا حال):۔

۔''وہ اُس (عباسی) وصیت کے مطابق ایسے لوگوں کو بے دریغ تہہ تیغ کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ عرب اور عجم میں سے اُس

نے جس قدر آدمیوں کوقتل کیا اُن کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ شمار کی گئی۔'' (صفحہ 52 جلد چہارم)

اِنـا للّٰہ پڑھ کر دوبارہ وہ جھٹکے دیکھئے جو تحریک تشیع اُس حکومت کو دے رہی ہے۔ جس کے لئے کوئی فتویٰ، کوئی گالی اور کوئی مذمت کافی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اُسے چاروں طرف سے گھیرا جارہا تھا۔ ملک کے اندر اور باہر مسلم وغیر مسلم اقوام میں اُن بے دین حکومتوں کے خلاف غم وغصہ برابر ترقی کررہا تھا۔ سیاسی جوڑ توڑ اور دھڑا بندیاں ہورہی تھیں۔ پے درپے مختلف نام سے تحریکیں اُٹھتی دَبتی اور بڑھتی چلی آرہی تھیں۔ ہر دبنے والی تحریک سنبھل کر زیادہ قوت سے اُٹھتی اور اُس حکومت کو کمزور کرتی رہی۔

نمبر 10 ''۔حسن اطروش کے بعد علویوں کی حکومت طبرستان میں ختم ہوگئی۔ 305ھ کے بعد طبرستان اور دیلم کے ممالک میں علوی برابر کوشاں رہے۔ یہاں تک کہ مرواد تیج سپہ سالار نے 316 ہجری میں طبرستان کے حاکم اسفار کوقتل کرکے خود حکومت پر قبضہ کرلیا۔ یہ بھی مخالف محاذ کا طرفدار تھا۔ اس لئے عباسی خلیفہ مقتدر کو دولاکھ درہم سالانہ خراج کا لالچ دے کر عباسی حکومت کے ماتحت ہوگیا۔ 320 ہجری میں دوبارہ قدرت نے شیعہ حکومت قائم کرنے کا انتظام کیا۔ چنانچہ دیلم کے ایک سردار ورئیس بُوَیہ دیلمی کے تین بیٹے علی، حسن اور احمد کو خدا نے سلطنت دیلمیہ قائم کرنے کے لئے اُٹھایا۔ یہ تینوں حاکم طبرستان مرواد تیج کے مصاحبین میں شامل ہوئے۔ اُس نے علی بن بویہ کو کرج کا گورنر بنادیا۔ یہی علیؑ کا ہم نام سلطنت شیعہ دیالمہ کا بانی اور پہلا حاکم ہوگا۔ مرواد تیج اپنے مذہبی تصورات کی بنیاد پر اس لئے خفا ہوگیا کہ علی بن بویہ نے رعایا میں خوشحالی اور فارغبالی پیدا کردی۔ اور لڑاؤ اور حکومت کرو والی پالیسی کو جاری نہ رکھا۔ جو مخالف محاذ میں ناقابل معافی جرم تھا۔ مرواد تیج نے علی کو معزول کرنے اور قتل کرنے کے لئے سب کچھ کیا۔ لیکن ناکام رہے۔ شیراز سے ابوطالب زید بن علی نے لکھا کہ شیراز پر قبضہ کرلو۔ چنانچہ علی نے شیراز پر حملہ کیا اور فتح کرلیا۔ اور چند ہی روز میں خلیفہ عباسی سے الحاق پیدا کرکے خود مختار حاکم بن گئے۔ رفتہ رفتہ اپنے حسن انتظام سے پورے عجم کو اغیار کے قبضے سے نکال لیا۔ پھر عراق کا رخ کیا اور وہاں بھی اپنے جودوکرم اور رعایا پروری سے حکومت قائم کرلی۔ اُمرائے بغداد نے یہ دیکھ کر بغداد پر قبضہ کرنے کے لئے خطوط لکھے۔ چنانچہ علی کے سب سے چھوٹے بھائی احمد عراق کی فتح کے بعد بغداد میں داخل ہوئے تو خلیفہ بغداد مستکفی نے احمد کا استقبال کیا۔ اُس نے خلیفہ کی برائے رسم اطاعت کی۔ خلیفہ نے سلطنت کو تسلیم کیا (334ھ) علی کو عماد الدولۃ، حسن کو رکن الدولہ اور احمد کو معزالدولہ کے خطابات دیئے۔ اور سلطنت عباسیہ کے سکّوں پر اُن کے ناموں کو کندہ کرنے کے احکام جاری کئے۔ اور اس دور سے خلافت عباسی کا نیا دور شروع ہوا۔ مستکفی عباسیوں کا بائیسواں خلیفہ تھا۔ اور حضرت حجت علیہ السلام کی غیبت سے صرف ستر سال بعد بغداد میں شیعہ تحریک نے اپنا سکہ جاری کردیا۔ مولانا اسلم صاحب کے مخصوص انداز میں سنئے !:۔

۔''اس دن سے خلافت عباسیہ کا نیا دور شروع ہوا۔ جس میں سلطنت خلیفہ کے ہاتھ سے بالکل نکل گئی۔ وہ محض ایک

(خودساختہ) دینی رئیس رہ گیا۔اوراُس کی حکومت اُس کے محل کی چاردیواری میں محدود ہوگئی۔ بنی بویہ چونکہ مذھباً شیعہ تھے۔ اس لئے معزالدولہ (احمد) کی خواہش تھی۔ کہ بنی عباس سے خلافت کو نکال کر کسی علوی کو خلیفہ بنائے۔لیکن ایک رازدار نے مشورہ دیا کہ یہ مناسب نہیں ہے۔لیکن یہ کہ عباسیوں کی خلافت کو نہ تم صحیح سمجھتے ہو نہ تمہاری فوج۔اس وجہ سے اگر تم کسی وقت خلیفہ کے قتل یا قید کا حکم دو گے۔تو کوئی چون وچرا نہ کرے گا۔بخلاف اس کے اگر کسی علوی کو خلیفہ بنادیا۔تو چونکہ تمہارے عقیدے میں اُس علوی کی خلافت صحیح ہوگی۔اس لئے اور وہ علوی خلیفہ تمہارے قتل کا حکم دے گا۔تو خود تمہاری فوج اُس علوی کے حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوجائے گی۔معزالدولہ نے اس رائے کو پسند کیا۔اورعباسی خلافت کو باقی رکھا۔اور خلیفہ کے گذارہ کے لئے جاگیر مقرر کردی۔'' (تاریخ اُمت جلد پنجم صفحہ 161-160)

یہ نہایت اہم مقام ہے۔اس لئے کہ اُس زمانہ میں معصومؑ قیادت نے شیعوں میں نظام اجتہاد جاری ہوتے دیکھ کر اپنا رشتہ اُن غاصبانِ منصبِ امامت سے منقطع کرلیا تھا۔تاکہ آئندہ اُن مجتہدین کے احکام معصومؑ سند سے محروم ہوجائیں۔اس لئے معزالدولہ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ اب کسی علوی کو خلیفہ یا حاکم بنانے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ مجتہد راج قائم کررہا ہے۔اور عوام میں اُس مجتہد حکومت کو معصومؑ امام کی حکومت کا نائب سمجھ کر من وعن تعمیل کریں گے۔اور یہ تعمیل اُدھر تمہیں خطرہ سے دوچار کردے گی اور اِدھر ایک باطل تصور کی تعمیل ہوگی۔لہٰذا کوشش یہ ہونا چاہئے کہ جناب امام عصر علیہ السلام کی رضاجوئی کی جائے۔اور وہ احکام نافذ کرنے کی کوشش کی جائے جن سے اُن کی رضامندی اور تائید حاصل ہوجائے۔اور چونکہ مجتہدین پہلے ہی سے خلافت عباسیہ سے تعاون کرتے چلے آتے ہیں۔اُن کا تعاون بھی حاصل رہے گا۔اوراُن سے بھی مفید کام لیا جاسکے گا۔لہٰذا حکومت کو خالص مذہبی خلافت بنانا اُس وقت تک ملتوی رکھا جائے۔جب تک بارہویں امام علیہ السلام کا براہ راست حکم حاصل نہ ہوجائے۔لہٰذا اُمت کے عوام کو پہلے اُس نام نہاد اور سابقہ حکومتوں کے تراشیدہ مذہب سے آزاد کراؤ۔جو صدیوں سے دلوں اور دماغوں میں راسخ ہوکر رہ گیا ہے۔گویا مشورہ دینے والے نے سابقہ حکومتوں کے خلاف ہر جارحانہ اقدام سے روک دیا۔

نمبر 11۔ اُس وقت عراق،عمان،بحرین،یمامہ،سوادبصرہ،فارس،اھواز،بلادجبل،ملک رَے میں شیعہ حکومتیں قائم تھیں۔ اُسی سال 334ہجری میں مستکفی نے معزالدولہ کے خلاف کچھ سازش شروع کی۔چنانچہ اس کے پہرہ داروں نے اُسے قتل کردیا۔اس کی جگہ مستکفی کے چچازاد بھائی فضل بن مقتدر بن معتضد کو مطیع کے لقب سے تیئیسواں (23) خلیفہ بنادیا گیا جو 29سال خلیفہ رہا۔اُس کے زمانہ میں معزالدولہ احمد بن بویہ اوراُن کے بعد اُس کا بیٹا عزالدولہ بختیار بن احمد بن بویہ حکمران رہے۔یہی زمانہ ہے جب احادیث کی کتاب کافی مدون ہوئی اور کتاب وسنت پر عمل کرنے والے علمائے شیعہ اعلی اللہ مقامھم معصوم قیادت کے ماتحت نظام اجتہاد سے صف آرا تھے۔اور مجتہدین مخالف محاذ سے گٹھ جوڑ میں مصروف تھے۔اور جلدی جلدی

شیعوں میں اہلِ خلاف کی فقہ اوراصول فقہ کی نقلیں کر کے پھیلا رہے تھے۔ تا کہ معصوؑم قیادت کو سبکدوش کر کے نظام اجتہاد کی خاطی قیادت کو شیعوں پر مسلط کر دیا جائے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے تحریک تشیع میں حصہ لینے والی تمام سیاسی جماعتوں کے خلاف کفر وزندقہ کے فتاویٰ جاری کئے اور تحریک کو جب موقعہ ملا کمزور کرتے چلے گئے۔ بہر حال اُن سے صرف نظر کر کے اب آپ کو بغداد کا حال علامہ کے قلم سے سناتے ہیں۔

(ط) تحریک تشیع کا ثمرہ، قیام عزاداری وسلطنت شیعہ کا خطبہ

''بغداد میں بالعموم اہلسنت (رہتے) تھے۔ جو صحابہ کرام کا احترام کرتے تھے۔(صحابہ کرام کا احترام شیعوں سے زیادہ کوئی کر ہی نہیں سکتا) معزالدولہ نے عاشورہ کے دن حکم دیا کہ سب لوگ دکانیں بند رکھیں۔ اور امام حسینؑ کا ماتم کریں۔ اور عورتیں اپنے بالوں کو کھول کر نوحہ کرتی ہوئی نکلیں۔ اسی طرح 18 ذی الحجہ کو عید غدیر کے جشن منانے کا فرمان شائع ہو گیا۔'' (تاریخ اُمت جلد 5 صفحہ 167) پھر لکھتے ہیں کہ:۔

۔''عبدالکریم بن مطیع بن مقتدر۔ طائع للہ 363ھ میں خلیفہ بغداد بنا اور 381ھ تک 17 سال 8 ماہ اور چھ روز خلیفہ رہا۔ اس کے زمانہ میں حکومت عراق بنی بویہ کے مندرجہ ذیل حاکموں کے ہاتھ میں رہی۔

(1) عزالدولہ بختیار 367 ہجری تک۔(2) عزالدولہ فنا خسرو پسر رکن الدولہ حسن بن بویہ 372 ہجری تک۔
(3) صمصام الدولہ ابوکالیجار مرزبان پسر عضدالدولہ 376 ہجری تک۔(4) شرف الدولہ ابوالفوارس شیر دل پسر عضدالدولہ 379 ہجری تک۔(5) بہاءالدولہ ابونصر فیروز پسر عضدالدولہ۔

عراق کے علاوہ بلاد جبال رے فارس اور اھواز بھی اُن ہی کے قبضے میں تھے۔ فاطمیوں کی خلافت مصر سے شام اور حجاز تک پھیل گئی اور اُن مقامات سے خلافت عباسیہ کا خطبہ منقطع ہو گیا۔''(صفحہ 176-175)

اب ایک دیلمی سلطان کی مدح بھی سُن لو اور مولانا کو دعا دو:۔

۔''عضدالدولہ آل بویہ میں سب سے زیادہ عاقل، دانشمند اور مدبر علوم وفنون کا مُربی۔ علما وفضلا کا قدردان۔ فیاض اور خوش خلق تھا۔ لائق کارپردازان کو رکھتا تھا۔ اور عدل وانصاف کرتا تھا۔ سفارشوں کا دروازہ اُس کے یہاں بند تھا۔ ہر سال صدقہ کی بہت بڑی رقم نکالتا تھا۔ اور وجوہِ خیر میں اس کو صرف کرتا تھا۔ مدینۃ الرسول کی فصیل اُسی کی تعمیر کرائی ہوئی ہے''۔ (صفحہ 178 جلد 5 تاریخ اُمت)

آل بویہ کے ایک اور سلطان کی مدح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

''۔جلال الدولہ نے 435 ہجری میں انتقال کیا۔ یہ کربلا اور نجف کی زیارات کے لئے پاپیادہ ننگے پاؤں جایا کرتا تھا۔ اور

اس کو دینداری سمجھتا تھا۔‘‘(صفحہ 196 جلد 5)

(ی) خلافتِ عباسیہ کی موت کی چند ہچکیاں سنئے!

خلافتِ عباسی نے تحریک تشیع کے سامنے ہتھیار تو رکھ دیئے۔لیکن دل میں بدستور کینہ پوشیدہ رکھا۔اور اپنے بچاؤ کے لئے جو کچھ کیا وہ بہت طویل داستان ہے۔ہمیں توانا اللہ پڑھنے سے پہلے مرنے سے قبل کے دو تین نظارے پیش کرنا ہیں تاکہ آپ جناب علامہ کو اُن کے رنج وملال پر داد دے سکیں۔غور کیجئے کہ تصورات کی ہم آہنگی اور مذہبی عصبیت کے اثرات کس قدر گہرے ہوتے ہیں۔حالانکہ علامہ نے اپنے قلم اور دستخطوں سے اُموی وعباسی خلافتوں کو قرآن وسنت سے عاری لکھا۔اُن کی بے دینی ثابت کرنے میں کئی ورق سیاہ کئے۔لیکن اِس کے باوجود صرف اِس لئے اُن خلافتوں کی تباہی کا ملال کرتے ہیں کہ آخروہ نام تو اُن ہی کا لیتے تھے۔جن کے علامہ نام لیوا ہیں۔

(1) خلفائے عباسیہ کا کفار سے مدد لینا تاکہ سُنّی بادشاہوں سے محفوظ رہیں

خلفائے بنی عباس نے جن اہلسنت بادشاہوں کے مقابلہ پر تاتاری کافروں سے مدد مانگی تھی اُن کا ذکر علامہ سناتے ہیں کہ:۔

۔’’بعض مورخوں نے تاتاریوں کے حملے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ خلیفہ عباسی ناصرالدین اللہ اور خوارزم شاہ میں چونکہ سخت ناچاقی ہوگئی تھی۔اور خلیفہ کو خطرہ تھا۔کہ وہ (خوارزم شاہ) آکر بغداد پر قبضہ نہ کرلے۔اس لئے اس نے چنگیز خان کو لکھا کہ خوارزم شاہ پر فوج کشی کرے۔(مسلسل غصے میں لکھتے ہیں کہ:۔)

بنی عباس کی تاریخ دیکھتے ہوئے یہ بیان بے بنیاد نہیں کہا جاسکتا۔کیوں کہ اس سے پہلے استبداد کو توڑنے کے لئے اُن ہی لوگوں نے بنی بویہ کو طلب کیا تھا۔پھر بساسیری (جس نے علیاً ولی اللہ اذان میں جاری کیا تھا) کے غلبے کے وقت طغرل بکسلجوقی کو بلایا تھا۔اس کے بعد سلجوقیوں کو مٹانے کے لئے خوارزم شاہیوں سے درخواست کی تھی۔(اِن سب نے خلفا کو تحفظ دیا اور مخالف کو مٹایا تھا) ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ یہ سب لوگ مسلمان تھے۔(نوٹ کریں شیعوں کو مسلمان لکھ دیا ہے) اور مغول کافر۔مگر پھر بھی اپنے ملک کو بچانے کے لئے۔اس قسم کی کاروائی عباسی خلیفہ سے بعید نہیں معلوم ہوتی۔اس (خلیفہ) کا مقصد صرف یہ ہوگا۔کہ خوارزم شاہ اس کی مصروفیت سے ادھر (بغداد) کا رخ نہ کرسکے۔یہ کب اس کے خیال میں آسکتا تھا۔کہ یہ طوفان خود اس کی سلطنت کو بھی بہالے جائے گا‘‘۔(تاریخ اُمت صفحہ 262 تا 263 جلد پنجم)

بتایئے کہ علامہ کے بھائی بند مورخین کا اعتبار کس بنیاد پر کیا جائے۔اس لئے کہ علامہ نے یہ سب کچھ لکھ کر اور دلائل اور واقعات سے اُسے ثابت کردینے کے بعد بھی۔تاتاریوں کی یورش کے اس صحیح سبب کا انکار کرکے سارا الزام خوارزم شاہ پر ڈال دیا اور کہہ دیا کہ اس نے چنگیز سے معاہدہ تجارت کی خلاف ورزی کرکے تاتاری تاجروں کو قتل کردیا تھا۔بہرحال خوارزم

شاہ بھی اُن ہی کا بھائی اور ہم مسلک ہے ۔ بدعہدی اور کفر سے مدد طلبی میں بدعہدی کو بہتر سمجھا جو حرام ہے اور کافروں سے فوجی مدد لینا سنت رسولؐ ہے ۔ مگر جارحیت کرنے والے کفار اور بدعہدی کرنے والوں کے خلاف ۔ نہ کہ مومنین کے خلاف ۔ چنانچہ جنگ بدر و احد میں کفار مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوئے تھے ۔ وہ خود بھاگ جائیں یا بدعہدی کر لیں یہ اُن کا معاملہ ہے ۔ اصل بات یہ ہے کہ علامہ کے سامنے تاریخ کا ایک المیہ ہے ۔ جس میں شیعوں نے ہلاکو خان سے مدد لی تھی ۔ اس لئے علامہ نہیں چاہتے کہ کافروں سے مدد مانگنے میں اپنے ہم مسلکوں کی پہل دکھا دیں ۔ لیکن جس صورت میں شیعوں نے مدد لی تھی ۔ وہ صورت اور جس صورت میں عباسی خلیفہ ناصر نے چنگیز خان سے حملے کے لئے کہا تھا ۔ بڑا فرق ہے ۔ پہلا اور بنیادی فرق یہ ہے کہ شیعہ مظلوم و مقہور تھے ۔ کرخ کے ایک لاکھ شیعہ باشندوں کو لوٹا گیا قتل عام کیا گیا اور پھر فوج کی نگرانی میں جلا دیا گیا ۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ہلاکو خان کے یہاں جناب نصیر الدین محمد طوسی وزیر تھے ۔ اور خلیفہ مستعصم کے یہاں علامہ مؤید الدین علقمی وزیر تھے ۔ جناب علقمی نے بغداد کے المیہ کی تفصیلات نصیر الدین طوسی کو لکھیں ۔ اُنہوں نے ہلاکو خان کے سامنے صورت حال پیش کی ۔ ہلاکو نے مستعصم کو ایک تاریخی خط لکھا ۔ جس میں اُسے تدارک و تلافی مافات کی تاکید کی ۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے نہایت سخت جواب دیا اور کفر و بے دینی پر طنز کیا ۔ بس اس کے بعد ہلاکو خان نے حملہ کیا ۔ اور چھ سو سال میں اموی و عباسی خلافتوں نے جس بے دردی سے خون بہائے تھے ۔ اور اپنی حکومتوں کو قائم رکھنے کے لئے جس طریقے سے بے گناہوں کا قتل کیا تھا ۔ بالکل وہی طریقے اور معیار ہلاکو خان نے اختیار کر لئے ۔ نہ وہ قتل و غارت میں کمی کرتے تھے نہ ہلاکو نے کی ۔ نہ وہ لوٹ مار میں تکلف کرتے تھے ۔ نہ ہلاکو کوئی تکلف کرتا تھا ۔ نہ وہ بے دست و پا اور مجبوروں و مغلوبوں کی رعایت کرتے تھے نہ اُس نے رعایت کی ۔ وہ بات بات پر قسموں ، حلفوں اور عہد و میثاق کے خلاف کرتے تھے ۔ ہلاکو نے کسی سے بدعہدی نہیں کی ۔ جو کچھ ہلاکو نے کیا وہ شیعوں کے ساتھ برابر جاری رہا ۔ حیدر آباد دکن اور جناب عالمگیر اورنگزیب کی داستان پڑھ لیں ۔

(2) وہ سیلاب جو خلافت عباسیہ کو بہا کر بحر فنا تک لے گیا

علامہ اسلم صاحب حسب عادت مندرجہ بالا المیہ کو نہایت مختصر اور یک طرفہ انداز میں یوں لکھتے ہیں کہ :۔

”مستعصم کے زمانہ میں ایک بار فریقین میں (شیعہ سنی میں) سخت جنگ ہوئی ۔ خلیفہ کے بیٹے ابوبکر کے اشارے سے اہلسنت نے محلّہ کرخ کو جو شیعہ کا تھا لوٹ لیا اور اس کے باشندوں کو مارا ۔ (تلوار کا نام نہیں لیتے علامہ) اس عناد اور تعصب کی وجہ سے (ظلم کی وجہ سے کیوں نہ لکھا) خلیفہ کے وزیر (مؤید الدین) ابن علقمی نے جو نہایت غالی شیعہ تھا ۔ ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی .... ایک بات یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہلاکو کا وزیر نصیر الدین محمد طوسی بھی بڑا غالی شیعہ تھا ۔ اور اس کے دربار میں ابن علقمی کی تعریفیں کیا کرتا تھا ۔ جس کی وجہ سے ہلاکو نے فتح کے بعد بغداد کا انتظام اس کے اور علی بہادر

شحنہ کے سپرد کر دیا تھا۔15 محرم 656ہجری میں ہلاکو خان اپنے لشکر جرار کو لے کر بغداد کی طرف آیا اور اس کا محاصرہ کیا۔ خلیفہ کے پاس مدافعت کی طاقت کہاں تھی؟ دس روز کے اندر وہ شہر میں داخل ہو گیا۔اس کی فوج نے قتل و غارت گری شروع کی۔اکثر باشندے مارے گئے۔اور بجز تھوڑے سے نصاریٰ اور شیعہ وغیرہ کے وہاں کوئی باقی نہیں رہا۔اور وہ بغداد جو اسلامی (بلا قرآن وسنت) عظمت کا گہوارہ۔خلافت و امارت کا مرکز اور مشرقی ممالک کا تاج تھا۔(علامہ یہاں وہ تمام مذمت بھول گئے جو آپ نے پڑھ لی ہے) ویران ہو کر اُن متفرق جماعتوں کا مسکن ہو گیا جو ہلاکو کی فوج کے ساتھ آئی تھیں۔اور جن کا کوئی دین نہیں تھا۔خلیفہ پیشکش کے لئے ایک طبق جواہر لے کر حاضر ہوا۔ہلاکو نے اس کو اپنی فوج میں تقسیم کر دیا۔ابوبکر بن مستعصم کو معہ ایک جماعت کے باب کلواذی پر پھانسی دی۔اور خلیفہ اور اُس کے دوسرے بیٹوں اور خواجہ سراؤں کو ساتھ لے کر بغداد سے چار صفر 656ہجری کو روانہ ہوا۔پہلے ہی مرحلہ میں سب کو قتل کرا دیا۔جس سے خلافت عباسیہ کا آفتاب جو پانچسو چوبیس سال سے تابان تھا۔غروب ہو گیا۔خراسانی سیاہ علم لے کر اُٹھے تھے۔جنھوں نے عباسیوں کو عرش خلافت پر بٹھایا تھا۔اسی طرف سے تاتاریوں کا سیلاب آیا جو اُن کو اور اُن کے تخت کو خونی موجوں میں بہا لے گیا"۔(صفحہ 277-276 جلد پنجم)

(3) علامہ ہزار درجہ غنیمت ہیں۔علامہ سیوطی کی زبان سنئے!

"656ہجری میں اُن لٹیروں کی بسر کردگی ہلاکو خان نے بغداد پر چڑھائی کی۔خلیفہ کی افواج نے اُن کا مقابلہ کیا۔مگر افسوس کہ اس نے شکست کھائی۔اور کم بخت غارت گر تاتاری 10 محرم کو بغداد میں داخل ہو گئے۔لعنتی وزیر (یعنی شیعہ وزیر) نے خلیفہ مستعصم کو اُن سے صلح کرنے کا مشورہ دیا۔اور یہ کہا کہ آپ سپہ سالار افواج تاتار سے چل کر ملئے۔میں اس سے صلح کے متعلق گفت وشنید کر رہا ہوں۔نمک حرام وزیر (یعنی شیعہ وزیر) یہ کہہ کر اوّل خود گیا اور اپنے لئے امان لے کر (اسی نے بلایا تو امان کی ضرورت؟) اور عہد و پیمان کر کے پھر خلیفہ مستعصم کے پاس آیا۔اور کہا کہ بادشاہ تاتار اپنی بیٹی کی شادی آپ کے بیٹے امیر ابوبکر کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔(قطعاً بے تکی بات) اور اس کی خواہش ہے کہ آپ کو اسی طرح منصب خلافت پر قائم رکھے۔جس طرح آنجناب کے بزرگوں کو سلاطین سلجوق نے رکھا تھا اور وہ خود بحیثیت نائب سلطنت سلجوقیوں کی طرح بننا چاہتا ہے۔کہ سیاہ وسفید کا مالک وہ خود ہو۔اس کے بعد وہ اپنی تمام افواج لے کر واپس چلا جائے گا۔بہتر ہے اگر آپ اس کو بخوشی اور بطیّب خاطر منظور کر لیں کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی تدبیر مسلمانوں کے خون کو بچانے کی نہیں ہے۔اس کے بعد آپ کو اختیار ہے۔آپ جو کچھ چاہیں گے وہ کر سکیں گے۔" (تاریخ الخلفا علامہ سیوطی صفحہ 469) اور سنئے!:۔

"مستعصم نے تخت نشینی کے بعد اپنا وزیر موٴیدالدین علقمی رافضی کو بنایا۔اس کم بخت نے تمام خلافت تباہ کر دی۔اور خلیفہ کو اپنے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنا لیا۔در پردہ اہل تاتار سے ملا رہا۔اور اُن کو اپنی سلطنت کی خفیہ خبریں پہنچاتا رہا۔اس

نے اُن کوعراق آنے کی رائے دی اور بغداد پر قبضہ جمانے کے لئے برانگیختہ کیا۔ دولت عباسیہ کی جڑیں کاٹتا رہا۔ اوراس سے مقصود محض یہ تھا۔ کہ اولاد حضرت علی کرم اللہ وجھہ کی خلافت قائم کردے۔'' (صفحہ 462 تاریخ الخلفاء) پھر ملاحظہ ہو:۔

۔''جب ہلاکو خلیفہ اوراہل بغداد کے قتل سے فارغ ہوا۔ تو عراق میں اپنے نائب قائم کئے۔ علقمی نے بہت منت سماجت کی کہ کوئی علوی خلیفہ مقرر کردیا جائے۔ مگر ایک نہ چلی۔ بلکہ تاتاریوں نے اُسے کتے کی طرح للکار دیا۔ ایک لُونی غلام کی طرح یہ اُن کے ساتھ رہا۔ اورمر گیا۔ خداوند جلّ جلالہ نہ اُس کم بخت پر رحم کرے نہ اُس کے گناہ معاف کرے''۔

(صفحہ 471 تاریخ الخلفاء)

جس طرح نفس زکیہ بنی عباس کے مظالم کے مقابلہ میں بنی امیہ کے مظالم کو کم سمجھتے تھے۔ بالکل اُسی طرح ہم بھی جناب علامہ سیوطی کے تعصب اور دریدہ دھنی کے سامنے جناب اسلم صاحب کو ہزار درجے غنیمت سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ اُنہوں نے علامہ علقمی کو عناد اور تعصب کے الزام کے ساتھ صرف غالی شیعہ کہہ کر نظرانداز کر دیا تھا۔ مگر سیوطی صاحب چونکہ اس قدیم زمانہ کے آدمی ہیں۔ جب مخالف محاذ کے پاس انصاف کی جگہ ڈنڈا تھا۔ اورشیعوں کو شیعہ ہونے کی وجہ سے قتل کرنا دین کی خدمت اورعدل پروری تھی۔ اسی لئے اس نے علامہ علقمی علیہ الرحمہ کو رافضی۔ لعنتی۔ نمک حرام۔ کم بخت اور کتا بھی لکھا۔ اورخدا سے بددعا بھی کی۔ ان ہی دست درازیوں اور دریدہ دہنیوں کو روکنے کے لئے خدا نے انہیں عذاب میں مبتلا کیا اوراُن سے تمام قوتیں چھین لیں۔ آج بھی مارکیٹ میں دھڑادھڑ ایسی کتابیں آرہی ہیں جن میں شیعوں کو وہ سب کچھ کہا جارہا ہے۔ جو شرفا کے لئے ہرگز موزوں نہیں ہے۔ لعنتی۔ بدعتی۔ ملعون۔ کافر اور زندیق وملحد تو عام زبان ہے۔ لوگ اس سے بھی آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔ لیکن انہیں علم نہیں ہے کہ خدا کے پاس موجودہ صورت حال سے زیادہ ذلیل اور رسوا کن عذاب بھی ہے۔ دراصل اس قسم کے لوگ اپنی اوراپنی قوم کی تباہی کے لئے کوشاں ہیں۔ اوراُن کی یہ کوشش اگر برابر جاری رہی تو انشاءاللہ خدا کی طرف سے اُن کو روکنے، تہذیب سکھانے اوراُن کو مفلوج کرنے کے لئے انتظام ہوکررہے گا۔ آج ایک نہیں ہزاروں ہلاکو موجود ہیں۔ اورایک تاتار نہیں کئی ایک ممالک ہیں جو اس قسم کے جذبات کو کچلنے کا صحیح انتظام جانتے ہیں۔ خدا بھی موجود ہے اوراُس کا قانون بھی زندہ ہے۔ دوستو اپنی قوت اور کثرت پر خدا کا شکر کرو، اللہ سے ڈرو اور پھولنے پھلنے کے کام کرو۔ اُس پر لعنت کرو جس نے کہا تھا کہ اگر مجھ سے یہ کہا جائے گا کہ خدا سے ڈرو تو میں اُسے قتل کردوں گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ نے فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلَى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْيَلْبِسَكُمْ شِيَعاً وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ (الخ) (6/65) اُن سے کہہ دیجئے کہ اللہ یہ قدرت رکھتا ہے کہ تمہارے اوپر آفات سماوی سے عذاب نازل کردے یا تمہیں زمینی حوادث سے معذب کرے یا تمہیں تحریک تشیع کے لباس میں لپیٹ دے تاکہ تم ایک دوسرے کی

شدت اور سختیوں کا مزا چکھو۔ یہ تھا چنگیز و ہلاکو خان والا عذاب جو ہمیشہ منتظر رہتا ہے۔اور میزانِ انصاف کا اشارہ ملتے ہی اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ دوستو! نوٹ کرو کہ خدا نے عذاب کی تین اقسام بتائی ہیں۔ 1۔خدا کا وہ عذاب جو سماوی ہو۔2۔وہ عذاب جو زمینی ہواور۔3۔ وہ عذاب جو تشیع کی صورت میں نازل ہو۔ جب اُن میں سے کوئی عذاب آتا ہے تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ غلہ کا گودام ہے۔اس مکان میں ننھے منے بچے اور عورتیں ہیں۔فلاں شخص بےقصور ہے سیلاب سب کو بہالے جاتا ہے۔زمین کا لاوا سب کچھ جلا کر رکھ دیتا ہے۔زلزلہ پچاس منزل اور لوگوں کی تعداد و حالات کو نظر انداز کر کے ملبے کے نیچے دبا دیتا ہے۔پورا شہر کا شہر زمین میں دھنس کر سمندر بن جاتا ہے۔(اغادیر) لہٰذا بعد میں رونا دھونا، کوسنا، پیٹنا، گالیاں دینا، ٹھیک نہیں، پہلے ہی سے کیوں نہ سوچا جائے۔بہر حال یہ کتاب جہاں تشیع کی تاریخ ہے وہاں تنبیہ وتنذیر بھی ہے۔کمزوروں پر رحم کی اپیل بھی ہے۔اور مظلوموں کی جدوجہد اور کامیابی کا منہ بولتا مرقع بھی ہے۔اس میں درد وکرب اور مظلوموں کی فریادیں بھی ہیں۔اس میں جابروں ظالموں اور متکبروں پر طنز بھی ہے۔اس میں شریفوں بہادروں اور جانثاروں کی مدح وثنا بھی ہے۔

(4) <u>ہلاکو خان کے حملے کی غرض وغایت۔ہلاکو خان کی زبانی</u>

ہلاکو خان نے عذاب کی صورت کیوں اختیار کی؟ کس چیز نے اُسے حملہ پر مجبور کیا؟ حملوں میں یا عام زندگی میں اُس کا دستور کیا تھا؟ ان سب سوالات کے جوابات اُس کے ایک خط میں ملاحظہ ہوں۔ یہ خط بھی علامہ سیوطی ہی کی تاریخ الخلفا سے اور اُن ہی کی پسندیدہ زبان میں سنئے!:۔

’’۔تیسرا خط لکھا۔تمہیں معلوم ہو۔کہ ہم اللہ کے لشکر ہیں۔وہ ہمارے ہی ذریعہ سے گنہگاروں۔ظالموں اور منکروں سے انتقام لیتا ہے۔ہم جو کام کرتے ہیں۔وہ اللہ ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔اگر ہمیں کبھی غصہ آجاتا ہے۔تو ہم لوگوں کی حالتیں دِگرگوں کر دیتے ہیں۔اگر ہم سے کوئی سیدھی طرح پیش آتا ہے۔تو اُس کو اُسی حالت پر قائم رکھتے ہیں۔ہم نے شہروں کو ہلاک اور خدا کے بندوں کو قتل وغارت کر ڈالا۔ہم نے عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہیں کھایا۔(یہ مخالف محاذ کی مستقل پالیسی رہی ہے) اے باقی ماندہ لوگو تمہارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے۔اور اَے غافلو تم بھی اسی راستے پر چلنے والے ہو۔ہمارا لشکر برباد کرنے والا ہے رحم کرنے والا نہیں۔ ہمارا مقصود انتقام ہے۔(انتظام نہیں) ملک گیری نہیں۔ ہمارے مہمان پر ظلم نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارا عدل وانصاف ہمارے ملکوں میں مشہور ہے۔ ہماری تلوار کے سامنے سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔شعر ؎ ہم سے کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا ؟ کیوں کہ بحروبر پر ہماری ہی سلطنت ہے ۔ ہماری ہیبت سے دُنیا کانپ اُٹھی ۔ ہمارے قبضے میں اُمرا اور خلفا آگئے ۔اب ہم تمہاری طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔تم بھاگو ہم تمہارا تعاقب کریں گے۔شعر ؎ میری رات عنقریب یہ معلوم کرلے گی۔کہ کیسی صبح کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔اور کون سا قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ کرتا ہے۔ہم نے

شہروں کو برباد، بچوں کو یتیم اور بڑوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور اُنہیں عذاب کا مزا چکھایا ہے۔ ہم نے اُن کے زعما کو ذلیل اور امیروں کو قید کر دیا ہے۔ کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ ہم سے بچ کر بھاگ نکلو گے۔؟ یا چھوٹ جاؤ گے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں تم یہ سب کچھ جان لو گے۔ اور جو خوف تم پر طاری رہا ہے وہ بہت جلد تم پر ظاہر ہو جائے گا۔ (تاریخ الخلفا صفحہ 472 تا 473)

خط کا تجزیہ۔ یہ خط ایک ایسے شخص کا خط ہے جو دُنیا میں سب سے بدنام شخص ہے۔ چونکہ چنگیز اور ہلاکو کے وارث دُنیا میں دب کر رہ گئے۔ اِس لئے اُن کے مظالم پر ناول لکھے گئے فلمیں بنیں اور ہر قسم کی فسانہ تراشیاں ہوئیں۔ لیکن یزید۔ وزیاد و ابن زیاد وحجاج اور متوکل کے وارث ماشاء اللہ موجود رہے۔ اس لئے نہ کسی کو افسانہ لکھنے دیا نہ ناول لکھا جاسکا نہ کوئی فلم بنائی گئی۔ صرف ایک طریقہ البتہ مٹایا نہ جاسکا اور وہ تھا عزاداری۔ ماتم اور تعزیہ داری۔ بہر حال اس خط میں ہلاکو نے نہایت وقار واطمینان کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ وہ خدا کی طرف سے ایک عذاب بن کر ٹوٹ رہا ہے۔ لہٰذا عذاب سے رحم وانصاف کی امید نہ کی جائے۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ ہمارے مہمان پر ظلم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ مہمان کون تھا؟ ظاہر ہے علامہ طوسی کے سوا ہلاکو کا مہمان کوئی نہیں تھا۔ لہٰذا اگر علقمی نے نصیر الدین طوسی کو بغداد کی داستان مظالم لکھی تھی تو انہوں نے ضرور ہلاکو سے کہا ہوگا کہ کاش میں صاحب اختیار وزیر ہوتا، کاش میں تنہا ہی وہاں موجود ہوتا کہ میں بھی مظلوموں کے ساتھ قتل کر دیا گیا ہوتا۔ ضرور آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو ہلاکو نے دیکھے ہوں گے۔ ہلاکو اگر ایک بہادر اور درندہ تھا تو لازم ہے کہ اُس میں غیرت وحمیت بھی ہو۔ اُس نے چاہا کہ وہ اپنے وزیر کو دکھادے کہ وہ خود مختار اور صاحب اختیار وزیر ہے۔ اُس نے دربار خلافت میں ایک تاریخی خط لکھا۔ جس میں خلیفہ مستعصم کو تدارک مافات کا مشورہ دیا۔ اور مجرموں سے انتقام لینے کی درخواست کی۔ چونکہ مجرم خود ابوبکر تھا اور صرف بیٹا ہی نہیں بلکہ ولی عہد سلطنت بھی تھا۔ لہٰذا ہلاکو کو جو جواب خلیفہ نے لکھا وہ دراصل مستعصم کی قسمت کا فیصلہ اور نزول عذاب خداوندی کا بہانہ بن گیا۔ ہلاکو نے صاف کہا ہے کہ وہ اُن ممالک میں انتقام لینے آیا ہے ملک گیری اس کا مقصد نہیں ہے۔ یہ انتقام کس کا تھا؟ یہ انتقام صرف بغداد کے اس تازہ المیہ ہی کا نہ تھا بلکہ ہلاکو چھ سو سالی تاریخ سے واقف تھا۔ جہاں ایک طوسی ایسا عالم وزیر رہے وہاں کی رعایا اور بادشاہ کو کیسے اپنے تصورِ حیات اور خون سے رنگین تاریخ سے ناواقف رہنے دے سکتا ہے۔ ہمارا ہر آدمی جہاں گیا عزاداری اور محبت اہلبیتؑ ساتھ لے کر گیا۔ یہ صرف چند روپیوں کے لئے تاتار کے وزیر نہیں بنے تھے۔ یہ شیعہ دل ودماغ رکھتے تھے۔ یہ انقلاب خیز قوم کے فرد تھے۔ اُن کی عادت ہے کہ جب کوئی ظلم ہو، کوئی موت واقع ہو، کوئی آفت ٹوٹ پڑے، کوئی مشکل پیش آجائے تو یہ قوم پیچھے پلٹ کر ماضی پر نظر ڈالتی ہے۔ اپنے پیارے رسولؐ اور آل رسولؐ پر نظر ڈالتی ہے، اپنی قوم کے حالات کو دیکھتی ہے تو ہر ظلم وجبر وتشدد اور مشکل ہیچ معلوم ہونے لگتی ہے۔ جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور بے درنگ وبے محابا ہر ظلم وتشدد وآفت سے مقابلہ کرنا ایک کھیل سمجھتی ہے۔ بچوں پر مظالم یاد کر کے اپنے بچے پیش کر دیتی ہے۔ عورتوں کا

حال یاد آتا ہے، تو عورتیں قربان ہو جانے کو تیار ہو جاتی ہیں ۔ جوان جوانوں کے نقش قدم پر چلنا فرض سمجھتے ہیں ۔ بڑھے بڈھوں سے سبق لیتے ہیں۔خون کھولتا ہے۔تو چھری سے خون نکال کر سوچتے ہیں ۔ بے بس ہو جاتے ہیں تو اپنے گوشت کا قیمہ کر کے بکھیر دیتے ہیں ۔اُن کا ماضی اُن کے حال و مستقبل کا راہنما ہے۔اُن کے ماضی میں کوئی عیب دار آدمی نہیں ۔کوئی جان بچا کر اپنے مذہب کو بدلنے والا نہیں۔کوئی مشکلات سے جان چرا کر بھاگ جانے والا نہیں۔کوئی غدار مکار و ظالم وفاجر و غاصب نہیں ۔ایسے تو ہیں کہ نرم اور جان بچانے والی پالیسی پر بگڑے اور روکنے کے باوجود میدان کارزار میں نکل گئے ۔ایسا کوئی نہیں جو بزدل اور نامرد ہو۔دشمنوں کے قاتل تو ہیں، باپ کا قاتل کوئی نہیں ۔گنہگار تو ہیں، لیکن اہلبیتؑ سے دشمنی اور اُن کے دشمنوں سے دوستی کا گنہگار کوئی نہیں ۔مجسمہ وفا اور وفادار تو ہیں بے وفا کوئی نہیں ۔

علامہ سیوطی وغیرھم نے جھوٹ بولا کہ علقمی علیہ الرحمۃ نے مستعصم سے ہلاکو کی بیٹی دینے اور صلح کرنے کی درخواست کی تھی ۔ اُنہیں کیا ضرورت تھی مستعصم مغلوب تھا۔ ہلاکو کو اگر اُن ہی نے بلایا تھا تو کرنے کا کام یہ تھا کہ جا کر ہلاکو کی مسند پر بیٹھتے۔حکم دیتے کہ مستعصم اور ابوبکر کو حاضر کرو۔ ہلاکو کے سپاہی دونوں کو نہایت شان سے گھسیٹ کر سامنے لا ڈالتے ۔صدیاں گذر گئیں تاریخ کا منہ کالا کرتے ہوئے ۔ دن رات قرآن وحدیث و تاریخ میں تحریف کرنا اُنہوں نے اپنا شیوہ بنائے رکھا۔ علامہ اسلم فرماتے ہیں کہ ہلاکو علقمی کو وزیر کی حیثیت سے بغداد چھوڑتا ہے ۔سیوطی کہتے ہیں کہ وہ غلاموں کی طرح ہلاکو کے ساتھ رہے اور کتے کی موت مرے ۔ہم نہیں جانتے جھوٹ اور اتہام کس چیز کا نام ہے اور کیوں ان لکھے پڑھے لوگوں کو الزام وافترا سے شرم نہیں آتی ۔؟

(یا۔11) چالبازی اور فریب سے غصب کردہ خلافت کا جنازہ کیسے نکلا

عرب وعجم میں تحریک تشیع نے آخری اُس خلافت کو نیست و نابود کر دیا جس کی بنیاد فریب وغداری پر رکھی گئی تھی ۔ علامہ اسلم نے خلافت کے تباہ و برباد ہو جانے کے اسباب بھی بتانے کی کوشش کی ہے ۔ چونکہ اصل سبب کو بیان کرنا ذرا سا مشکل تھا۔اس لئے حقیقی سبب کو موڑ موڑ کر اس طرح توڑا ہے کہ ایک سبب کے تین مصنوعی اسباب بن گئے ہیں ۔ چنانچہ ہم اُن کے بیانات کا اس طرح تجزیہ کریں گے کہ اصل حقیقت سامنے آجائے اور ملمع کاری اُتر جائے ۔جن حضرات کو تفصیل کی ضرورت ہو وہ تصدیق کے لئے تاریخ اُمت جلد پنجم صفحہ 299-280 دیکھ لیں ۔

علامہ خلافتِ عباسیہ پر نظر ڈالتے ہوئے یوں ابتدا فرماتے ہیں :۔

(i) بنی عباس نے کسی شرعی استحقاق کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض قرابت رسولؐ کے دعویٰ پر خفیہ سازشوں اور کوششوں سے خلافت حاصل کی تھی ۔''(صفحہ 280)

قارئین یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد جو بڑی سے بڑی دلیل مہاجرین نے انصار کو خلافت سے محروم رکھنے کے لئے مجمع انصار میں پیش کی وہ مہاجرین کا رسول اللہ سے نسلی طور پر قریب ہونا یعنی قرابتِ رسولؐ ہی تھا۔اور خود علامہ نے تمام تاریخی حقائق سے منہ موڑ لینے کے بعد بھی اس قدر تو مان لیا کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کی مدح وثنا کی۔اور''اُس کے بعد فرمایا۔'' اَلْائِمّۃُ مِنَ الْقُرَیش ''۔امام قریش سے ہوں گے۔ہم امیر ہوں اور تم وزیر۔بلا تمہارے مشورے کے معاملات طے نہیں کئے جائیں گے۔''(تاریخ اُمت جلد دوم صفحہ 26)

یعنی قریش قرابتِ رسولؐ میں انصار سے قریب تر ہیں۔لہٰذا خلافت اُن کا حق ہے اور مشورہ انصار سے بھی ہوگا۔اگر ہم تاریخ کے خلاف یہ تسلیم کرلیں کہ اس کے بعد تمام انصار بلاچوں وچرا رضامند ہوگئے مخالفت میں نہ کوئی آواز اٹھی نہ تحریک چلی۔تب بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ خلافت بھی بقول جناب اسلم کسی شرعی بنیاد پر قائم نہ ہوئی تھی بلکہ قرابت رسولؐ کی بنیاد پر استوار ہوئی تھی۔اور قرابت رسولؐ کی بنیاد پر جو تاریخی طور پر حقدار ہے اور جس کا یہ حق بار بار ثابت اور کامیاب ہوتا رہا ہے وہ صرف جناب علی مرتضٰی علیہ السلام ہیں۔بہرحال بنی عباس قرابت کے اعتبار سے دوسرے درجے پر یقیناً آجاتے ہیں۔مگر مہاجرین؟ اُن کا قرابت رسولؐ سے کوئی حق نہ کسی نے مانا ہے اور نہ انہیں یہ حق حاصل ہی تھا۔اس سلسلہ میں جو حسین اور دلنواز بحث کی جاتی ہے وہ قیام جمہوریت ہے۔یعنی مہاجرین نے چاہا کہ ایک خاندان میں خلافت نہ رہے۔مگر اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی خاندان کی حکومت وخلافت کو 524 سال تک برداشت کرنا پڑا۔اور جو کچھ قتل وغارت،تباہیاں آئیں وہ انعام سمجھیں۔ذرا سی بات تو برداشت نہ کی یعنی آل علی علیہ السلام کی حکومت کے قیام کو روک کر جمہوریت (جس کا ایک ہزار سال بعد نام معلوم ہوا) کی داغ بیل ڈالی جس نے چند قدم بھی ایک صحیح رُخ میں نہ اُٹھانے پائے تھے کہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بھل گری۔اور آخر جس خاندان کو محروم کیا گیا تھا اُسی کا کلمہ پڑھتی ہوئی اُٹھی اور اُسی کے نام اور وسیلے سے پھر ایک ہی خاندان میں 524 سال تک رہتی پٹتی چلی گئی اور آخر مرگئی۔اور کبھی لفظ جمہوریت اُن لوگوں کی نسلوں پر صادق نہ آیا۔پھر علامہ نے لکھا کہ جب آل علیؑ کے نام پر بنی عباس نے خلافت حاصل کرلی تو کہا کہ''۔ہم اہل خیر وصلاح ہیں۔ہم سے خرابی اور فساد کا اندیشہ نہیں ہے۔''(صفحہ 280 جلد 5)

قارئین نے اُس خاندان کے متعلق علامہ کا بیان پڑھا ہے۔علامہ نے اموی اور عباسی دونو خلافتوں کو قرآن اور سنت رسولؐ سے بے تعلق دکھایا ہے۔یعنی اُن کا اہل شر اور اہل فساد ہونا اظہر من الشّمس ثابت کیا ہے۔لیکن علیؑ اور اُن کی اولاد میں حسنؑ۔حسینؑ۔زین العابدینؑ۔محمد باقرؑ۔جعفر صادقؑ۔موسیٰ کاظمؑ۔علی رضاؑ۔محمد تقیؑ۔علی نقیؑ۔اور حسن عسکری علیہم السلام کو ہر مورخ نے بے داغ اور قرآنی اخلاق کا مجسمہ یعنی اہل خیر وصلاح ثابت کیا ہے۔اگر خلافت ان کے پاس رہی ہوتی تو کون کہہ

سکتا ہے کہ یہ گیارہ حضرات خلافت میں فساد کو داخل ہونے دیتے۔؟ بعض سیاسی دماغ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ''۔علیؑ کو خلافت دی گئی تھی مگر اُن میں اہلیت ہی نہ تھی۔ وہ سنبھال ہی نہ سکے۔'' ہم بحث میں اُلجھ کر اپنے عنوان سے ہٹنا نہیں چاہتے۔اس لئے صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کہ اگر جناب علی مرتضٰی علیہ السلام بھی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر بند کر دیتے اور امیر معاویہ کی فوج اور اُن کے مقبوضات میں اسی طرح قتل وغارت کی اجازت دیتے، جس طرح اموی وعباسی خلافتوں میں عملاً جاری وجائز تھا۔ تو دنیا کی کوئی طاقت اُس خاندان سے قیامت تک خلافت کو نہ نکال سکتی۔ مگر یہ بھی سن لیں کہ پھر ہم نے اس خاندان کو بھی اُسی طرح رد کر دینا تھا جس طرح دوسرے خاندانوں اور افراد کو رد کر دیا۔ ہم اُن کے بھی اسی طرح دشمن ہوتے جس طرح باقی مفسدوں کے دشمن ہیں۔ افسوس تو یہی ہے کہ اس خاندان نے قرآن اور رسولؐ کو ایک لمحہ کے لئے نظر انداز نہیں کیا اور ایسے خاندان کے ساتھ مظالم ایک ثانیہ کے لئے بند نہ کئے گئے۔ اسی لئے جب ہماری خاطی قیادت نے تلوار اُٹھائی اور وہی طریقہ اپنا لیا جو مخالف محاذ صدیوں سے اسلام کے نام پر جاری رکھے ہوئے تھا تو یہ خلافت ہمارے پیروں میں آ گری۔ گویا ہم پر آئمہ معصومینؑ کا ایک دباؤ تھا ہمیں مجبور کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ ہم قتل ہوتے تھے وہ صبر کی تلقین کرتے تھے۔ ہمیں لوٹا جاتا تھا وہ جنت کا تذکرہ چھیڑ دیتے تھے۔ صبر آزمائی کب تک۔؟ آخر تسلیاں کب تک۔؟ علامہ ٹال مٹول اور ہیر پھیر کے بعد اصلی سبب کو دوسرا سبب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

(ii) ''۔دوسرا سبب یہ ہوا کہ اُن کے بنی اعمام علویہ جو پہلے ہی سے امامت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ اُن کے زبردست رقیب بن گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم کی وجہ سے اہل بیت نبوت کا جو وقار جمہور اہل اسلام کے دلوں میں تھا۔ اس کے لحاظ سے اُن کو یہ زیادہ مرغوب تھا کہ خلافت اسی خاندان میں رہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ صدرِ اوّل میں امامت کی دعوت نے بڑی کامیابی حاصل کی اور عوام الناس کثیر تعداد میں اہلبیتؑ (علیؑ) کے طرفدار ہو گئے۔ جن کو لے کر علویہ بار بار خلافت کی کوشش کے لئے اُٹھے۔ مثلاً امام حسینؑ (جھوٹے پر خدا کی لعنت) امام زید پھر اُن کے بیٹے یحیٰ لیکن ناکام رہے۔ اُن کے بعد عباسیہ نے اسی راستہ میں قدم رکھا۔ اور اپنی دانشمندی (یعنی مکاری وفریب) وتدبیر سے منزل مقصود تک پہنچے۔ یعنی بنی امیہ کا تختہ اُلٹ کر اپنی خلافت قائم کر لی۔ اس پر علویہ کی غیرت حرکت میں آئی۔ اور وہ مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ بنی عباس اس امر کو اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ جمہور کا میلان طبع بہ نسبت ہمارے اُن (آل علیؑ) کی طرف زیادہ ہے۔ اور قرب رسولؐ جس کی بنیاد پر ہم نے خلافت حاصل کی ہے۔ اُس میں اُن کا رتبہ ہم سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے اُن کی طرف سے جو رخنہ سلطنت میں پڑے گا۔ اُس کا بند کرنا آسان نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے اُنہوں نے مدینہ کی جو علویہ کا مرکز تھا۔ مخفی طور پر شدید نگرانی شروع کی۔ اور اُن میں سے جو ممتاز افراد تھے۔ اُن کے اعمال واشغال کی نگہداشت کرنے لگے۔ سفاح (پہلا خلیفہ) جب حج کو گیا تو

تالیف قلوب کے لئے علویئین کو بلا کر عطیّوں اور بخششوں سے مالا مال کر دیا۔ تا کہ وہ بنی امیہ کے مقابلہ میں بنی عباس کی خلافت کو غنیمت سمجھ کر اُن کے شکر گذار رہوں۔ اور اپنی خلافت قائم کرنے کا خیال نہ کریں۔ (دولت مقصود ہوتی تو علویہ کو حاصل ہوگئی تھی مگر) لیکن ان احسانات سے اُن کے جذبۂ غیرت (نہیں۔ بلکہ جذبہ حق) میں اور ترقی ہوگئی۔ اور ضائع شدہ (اور غصب شدہ) حق کا احساس زیادہ بڑھ گیا۔ کیوں کہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ جس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اس کو اگر کوئی غیر لے لے تو اس قدر جوش میں نہیں آتا۔ جس قدر کہ اقرباء کے غصب پر۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ وہ یہ بھی دیکھتا ہو کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے مددگار مل سکتے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے محمد بن عبداللہ نے جو نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ مدینہ میں۔ اور اُن کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں بنی عباس کے مقابلہ میں خروج کیا۔ اہل خراساں بھی اُن کے قیام کے منتظر تھے۔ لیکن منصور نے اس طرف کے راستے بند کرا دیئے۔ (یعنی مدد نہ آسکی) اور اپنی تدبیر و شجاعت (شرم کرو) سے اس مہم کو بہت جلد سر کر دیا۔ ورنہ یقیناً خلافت متزلزل ہو جاتی۔ اب عباسیوں کے شکوک علویوں کی طرف سے اور بھی بڑھ گئے۔ (جمہوری علماء کا تعاون حاصل کرنے کے لئے) اُنہوں نے شیعت کے عقیدے کو بھی، جو اُن کی تبلیغ کا جزو تھا۔ چھوڑ دیا۔ اور شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر کو حضرت علی سے افضل ماننے لگے۔ نیز علویئین کی سخت نگرانی شروع کی۔ اور اُن کے اوپر بہت سی پابندیاں لگا دیں۔ جن کی وجہ سے وہ تنگ آ گئے۔ پرندے کی طرح اپنے آپ کو قفس میں محبوس دیکھ کر پھر ایک بار کوشش کا ارادہ کیا۔ اور حسین بن علی بن حسن مثلث 169ھ میں ایک جماعت لے کر اُٹھے۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اور مکہ کے متصل مقام فخ میں بنی عباس کی (افواج) سے شکست کھا کر قتل ہوئے۔ اس جنگ سے دو آدمی ادریس اور یحییٰ جو نفس زکیہ کے بھائی تھے۔ بچ کر نکل گئے۔ ادریس مصر اور شمالی افریقہ سے گذر کر مغربِ اقصیٰ میں پہنچے۔ وہاں اُنہوں نے سلطنت قائم کر لی۔ یحییٰ بلادِ دیلم میں چلے گئے۔ مگر بوجہ قرب دار الخلافہ اُن کا منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اور بغداد میں لا کر زیر حراست رکھے گئے۔ ان واقعات میں خلفائے عباسیہ کے اوپر یہ امر بھی ظاہر ہو گیا کہ اُن کے (اپنے) خاص موالی میں سے بعض لوگ بہ نسبت اُن کے علویہ کے زیادہ ہوا خواہ ہیں۔ کیوں کہ بریدِ مصر پر اُن کا موالی واضح متعین تھا۔ اس نے باوجود ہارون کے حکم کے جان بوجھ کر ادریس کو گرفتار نہیں کیا۔ بلکہ اُن کے گذرنے میں آسانیاں پیدا کیں۔ اسی طرح جعفر برمکی ہارون کے پروردۂ خاص اور عزیز ترین وزیر نے اُس کی منشاء کے خلاف یحییٰ کو چھوڑ دیا۔ اس لئے ہارون نے اُن لوگوں کی تربیت شروع کی۔ جو علویہ کے مخالف ہوں یا کم سے کم ان کے دلدادہ نہ ہوں۔ وہ جس امیر یا وزیر کی نسبت سنتا تھا۔ کہ وہ آل علیؑ میں سے کسی کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اُس کو سزا دیتا تھا۔ امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق (علیہما السلام) کو مدینہ سے بغداد میں بلا کر خاص اپنی نگرانی (قید) میں رکھا تھا۔ مراقش میں دولت ادریسی (محمد نفس زکیہ کے بھائی کی قائم کردہ حکومت) قائم ہو جانے کے بعد وہاں کے باشندے

عباسی خلافت کی اطاعت سے نکل گئے۔اور ہارون کو اس خیال سے کہ یہ (بغاوت کا) اثر دوسری قوموں میں نہ پھیلنے پائے۔ قیروان میں اغالبہ کی ایک سرحدی ریاست قائم کرنا پڑی (یعنی اپنے ہاتھوں ایک اور حکومت قائم کر کے اُسے علوی ادریسی حکومت کے خلاف آزاد کرنا پڑا) باوجود اُس کی اُن تمام احتیاطوں کے جب مامون خلیفہ ہوا۔تو اُس نے دیکھا کہ دولت (خلافت) عباسیہ ہر طرف سے علویہ کے خطرات سے گھری ہوئی ہے۔اور خود عباسی امراء اور موالی کے قلوب اُن کی طرف مائل ہیں۔اس وجہ سے اس کو مدارات کرنا پڑی۔اور اُس نے اپنے وزیر فضل بن سہل کے مشورے سے شیعہ کے امام ہشتم علی رضا (علیہ السلام) کی ولی عہدی کا فرمان لکھا۔لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔کیوں کہ اگر ایک طرف امامیہ خوش ہوئے تو دوسری طرف بنی عباس (متعصب علماء) مخالف ہوگئے اور اُنہوں نے بغداد میں اُس کے خلع (معزولی) کا اعلان کر کے اس کے چچا ابراہیم کو خلیفہ بنالیا۔اس ورطہ (گرداب) سے نکلنے کے لئے آخرکار مامون نے حیلے سے وزیر فضل ابن سہل کو قتل کرایا۔اس کے بعد ہی امام علی رضا (علیہ السلام) (زہر دینے سے) وفات پا گئے۔جس کا الزام بھی بعض مورخین مامون ہی پر رکھتے ہیں۔ لیکن بجز قرائن کے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے۔بغداد میں آجانے کے بعد بھی مامون علویہ کی محبت اور اپنی شیعت کا اظہار کرتا رہا۔مگر اُن میں سے جب کوئی سر اُٹھاتا تھا۔تو اُس کے ساتھ وہی سلوک کرتا تھا۔جو اُس کے اسلاف نے کیا تھا۔یہاں تک کہ یمن کی بغاوت کے بعد اُن کا اپنے دربار میں آنا بھی بند کردیا تھا۔ہارون کی طرح شیعہ سے اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے مجبوراً اس کو بھی دولت زیادیہ بطور درمیانی ریاست کے (شیعہ ریاست سے تحفظ کے لئے) قائم کرنی پڑی۔علویہ کے ساتھ خلفائے عباسیہ کا یکساں طرزِ عمل نہیں رہا۔متوکل اس قدر سخت تھا۔کہ وہ سر دربار اُن کی بلکہ خود حضرت علی (علیہ السلام) کی مذمت کیا کرتا تھا۔اور اُسی قسم کے لوگوں کو پسند کرتا تھا۔مستعین کے عہد میں حسن بن زید نے طبرستان میں دولت زیدیہ قائم کی۔ بنی عباس اُن کے استیصال (تباہی) سے عاجز رہے۔اب علویہ کی طرف سے یہ تیسرا رخنہ خلافت عباسیہ میں پڑ گیا۔اور مشرق ومغرب ہر طرف سے اُن کے خطرات محیط ہوگئے (یعنی تحریک تشیع نے گھیر لیا) جس کی وجہ سے وہ نگاہیں بھی اُٹھ گئیں جواب تک دین وحیا کی وجہ سے نیچی تھیں۔چنانچہ دعوت امامت کا نظام مرتب کر کے علویہ نے دولتِ عباسی کے قلب پر حملہ کا سامان کیا۔اور قرامطہ کے ہاتھوں جو اُن کے دعاۃ تھے۔اس خلافت کو ایسا متزلزل کردیا کہ یہ اپنے تمام فرائض سے عاجز ہوگئی۔اور وہ شورشیں اور خونریزیاں ہوئیں جو عالمِ اسلامی کے خواب وخیال میں نہ آئی تھیں۔اُن کے بعد ہی فاطمیہ نے افریقہ پر قبضہ کرلیا۔ پھر مصر۔شام حجاز اور یمن تک تسلط بڑھالیا۔بساسیری نے ایک سال تک خود بغداد کے منبروں پر فاطمی خطبہ جاری رکھا۔عباسی اُن کی مقاوَمت سے عاجز ہو کر اُن کے نسب پر (جھوٹے) طعن کرنے لگے۔ایک محضر تیار کرا کے شائع کیا۔کہ خلفائے مصر نسباً فاطمی نہیں ہیں۔ بلکہ عبیدی ہیں۔لیکن اس سے کیا کام چل سکتا تھا۔چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں فاطمی خلافت کی تحریک سے

باطنی جماعت شام اور فارس میں پھیل گئی۔ جنہوں نے خون ریزی کو اپنا مشغلہ بنالیا۔ اُمراوؤزراء کے علاوہ خود خلفائے بنی عباس اُن کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ فریقین میں یہ نزاع برابر قائم رہی۔ یہاں تک کہ سلطان صلاح الدین یوسف ایوبی فاتح جنگ صلیبی کے زمانہ میں مصر سے خلافت فاطمیہ منقرض ہوگئی۔ اور وہاں عباسی خطبہ پڑھایا جانے لگا۔ لیکن بغداد میں اسی ناگوار جھگڑے میں ابن علقمی وزیر نے ہلاکو کو بلا کر خلافت عباسیہ کا خاتمہ کرا دیا۔ الغرض پہلے خلیفہ عباسی سفاح سے لے کر آخری خلیفہ مستعصم تک علویہ کی منافست کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ جسکی وجہ سے کمزور ہوتے ہوتے یہ خلافت آخر مٹ گئی۔ اور حریفوں کے قلب کو تشفی ہوئی۔ (یقیناً علامہ کو بڑا صدمہ ہے۔ ہماری ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہیں)
(اِنَّالِلّٰہ واِنَّا الیہ راجعون) (صفحہ 290 سے 296 جلد پنجم)

(iii) اس طویل ترین بیان سے یہ تو با قاعدہ ثابت ہوگیا کہ آل علیؑ کے لئے جو تحریک شروع ہوئی تھی اُسے کوئی طاقت رُوک نہ سکی۔ اور اُس نے تمام رکاوٹوں کو مسمار کر کے رکھ دیا۔ اور ایک دن غاصب قوم کی قوت وسطوت کو فنا کر دیا۔ لیکن اسی بیان میں علامہ نے چند اصولی باتیں بھی تسلیم کر لی ہیں۔ جنہیں عموماً مانتے ہوئے تکلف کیا جاتا ہے۔ مثلاً اُنہوں نے آل رسولؐ کا کھل کر تعین کر دیا اور بتا دیا کہ ازواج اور تمام صلحائے اُمت کو آل رسولؐ قرار دینے والے کم از کم خلافت عباسیہ کے بعد کے لوگ ہیں۔ اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ خلافت عباسیہ کے زمانے تک یعنی 640ھ تک اُمت کے عوام آل علیؑ سے محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ اور اُن کی طرفداری میں ہر مخالف کے مقابلہ میں صف آرا ہو جاتے تھے۔ یہ بھی تحریک تشیع کی کامیابی کی دلیل ہے۔ جہاں امیر معاویہ نے سرکاری احکام کے ذریعہ آل علیؑ کو نیست و نابود کرنے اور اُن کے خلاف نفرت کی مہم چلانے کا سلسلہ جاری کیا ہو۔ اور جس سلسلے کو متوکل اینڈ کمپنی نے مسلسل جاری رکھا ہو۔ وہاں آل علیؑ سے جمہور کی محبت کا بحال رہ جانا اور اُن کے دشمنوں سے دشمنی اور نفرت پھیل جانا دراصل شیعہ مشن کی سب سے بڑی کامیابی اور قدرت کا ایک معجزہ ہے۔ تیسری کامیابی یہ ہے کہ عباسیوں کے زروجواہر اور اُن کے تمام مظالم کے مقابلہ خود عباسی اُمرا اور وُزرا کا ہمدردی وطرفدارئ اہلبیتؑ میں کھڑا ہو جانا آل علیؑ کی قوت قدسیہ کی دلیل ہے۔ ورنہ راحت وآرام، دولت وعزت چھوڑ کر کون خطرات میں پڑتا ہے؟ تلواروں سے بے خوفی، زندانوں سے محبت، موت سے پیار کرنے والے لوگ ہی حق اور اہل حق کے طرفدار ہو سکتے ہیں۔ محبت اہلبیتؑ میں لوگ کس قدر راسخ ہو گئے تھے۔ اس کو ناپنے کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ملتا۔

54۔ محمدبن الحنفیہ رضؓ قائد السیاسۃ کے عقائد

تحریک تشیع پرقربان ہوجانے والے جاں نثاران کا تذکرہ اختصار کی مجبوریوں نے یہاں روک دیا۔ہم نے اس عنوان کی ابتدا ہی میں اعتراف کیا تھا کہ ملّتِ شیعہ کے شہدا کا تذکرہ اورتعداد انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔زیرِنظر عنوان جس غرض کے ماتحت قائم کیا گیا ہے۔وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے سیاسی قائدین کا ذکر آئمہؑ معصومین سے اُن کا تعلق دکھانے کی طوالت سے بچنے کے لئے جناب محمدؓ بن الحنفیہ کے عقائد کا ذکر کردیا جائے۔تاکہ یہ اعتراض رفع ہوجائے کہ جن لوگوں نے بظاہر نظر آئمہ معصومین علیہم السلام کے حکم کے بغیر تلوار اُٹھائی،فوج کشی کی اوراپنی جانیں قربان کردیں،وہ معنوی حیثیت سے بھی مجاز نہ تھے۔اورخود بھی آئمہؑ معصومین کے مطیع وفرماں بردار نہ تھے۔لیکن حالات کا تقاضہ تھا کہ وہ سیاسی امامت کا اعلان کریں۔اورملت کے فدا کاروں اوراُمت کے صالح عوام کوآل علی علیہ السلام کی مودۃ وحکومت کی تبلیغ کریں۔اورقیامِ خلافتِ حقہ کے لئے جان ومال واولاد کوقربان کرتے چلے جائیں۔چنانچہ سیاسی قیادت کے تمام قائدین کے احکامات کی سرفروشانہ تعمیل کا ہرگز امکان پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔جب تک یہ حقیقت ذہن نشین نہ ہوچکی ہو کہ اُن تمام قائدین کوآئمہ معصومینؑ کی سند اور رضامندی حاصل ہے۔اورجب یہ حقیقت قطعاً واضح اورعام ہوگئی تو مخالف خلافتوں نے اسی حقیقت کی بناپر بلا قانونی اورعدالتی ثبوت کے بھی آئمہ معصومینؑ کونظر بند وقید رکھنا شروع کردیا تھا۔جس طرح بےجگری اوربےخوفی واطمینانِ قلب کے ساتھ آئمہ معصومینؑ کی قیادت میں قربانیاں دینا متصور وممکن تھا۔قطعی اسی معیار پرہر علوی وغیر علوی قائد کی قیادت میں اُمت نے قیام خلافت حقہ میں اپنی جانیں لڑادیں۔اس دلیل کے علاوہ آثار روایات سے دلائل کا انبار لگا ہوا ملتا ہے۔ہم صرف ایک شہادت پیش کر کے اپنا عنوان بدل دیں گے۔

جناب ابوخالد کابلی تبع تابعی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام کنکر تھا۔اُنہیں وَردَان بھی کہا گیا ہے۔آپ جناب امام زین العابدین علیہ السلام اوراُن کے چچا جناب محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہ کے صحابی تھے۔اورعرصہ درازتک محمدؓ بن الحنفیہ کی مذکورہ تحریک کے سرگرم رکن رہے۔نہایت قابل قدر تھے۔ایک روز تخلیہ میں جناب محمدؓ بن الحنفیہ سے قسم دے کر دریافت کیا کہ آپ واقعی امامِ زمانہ واجب الاطاعت ہیں؟ فرمایا کہ تم نے بڑی سخت قسم دی ہے اسلئے بتادینا واجب ہوگیا ہے۔سنوکہ آج امام عصر مفترض الاطاعت میرا بھتیجا علی بن الحسین زین العابدین علیہا السلام ہیں۔مجھ پرتم پر اورتمام انسانوں پراُن ہی کی اطاعت واجب ہے۔ہم سب اُنکے ماتحت ہیں۔

55۔ ملّت شیعہ کے حقیقی علمائے کرام رضی اللہ عنہم

یہ عنوان بھی اتنا وسیع ہے۔کہ اس کے لئے ہمارے علمائے کرام نے چار چار پانچ پانچ ضخیم جلدوں میں اسماوحالات لکھے ہیں۔چنانچہ اس مختصر کتاب میں اُن بزرگوں کے حالات کوسمودینا ناممکن ہے۔چونکہ روضات الجنات اوراس سلسلے کی تمام مستند کتابیں عربی وفارسی زبانوں میں قید پڑی ہیں۔اورآج کے نام نہادشیعہ علماءمحض منبرکودماغی اوردنیاوی عیاشی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔اس لئے اگرہمیں زندگی نے موقعہ دیا تو اُن تمام قیمتی کتابوں کا عام فہم ترجمہ پیش کریں گے۔چونکہ عنوان قائم کردیا ہے۔اس لئے چند باتیں ضرورعرض کریں گے۔سب سے پہلے یہ سن لیں اورموقعہ ملنے پرچیلنج کردیں کہ:۔

اجتہاداوراجتہاد کے متعلقات کوچھوڑ کرجس قدرعلوم آج تک دنیا میں بنی نوع انسان کے استفادہ کے لئے پھیلے۔ اُن سب کا سرچشمہ باب مدینۃ العلم جناب علی مرتضٰی علیہ السلام اوراُن کی اولاد علیہم السلام اوراُن کی ملت کے پیروعلمائے کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔کسی علم میں کسی دوسری ملت مذہب یاقوم کواُن پرسبقت حاصل نہیں ہے۔اورتمام دنیابراہ راست یابالواسطہ اُن ہی کی شاگرد ہے۔رہ گیااجتہاد؟ یہ آئمہ معصومینؑ اوراُن کے صحابہؓ اورعلماء کے یہاں مردودوحرام تھا۔اُس کوتیسری صدی کے اختتام کے قریب چندعلمائے شیعہ نے اس بہانے سے اختیارکیا کہ اب غیبت کبریٰ میں امام عصر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رابطہ منقطع ہوگیاہے۔قرآن اورحدیث میں (معاذاللہ) ہرمسئلہ موجودنہیں ہے۔اس لئے اب ہم معصومؑ کی جگہ اُن کے نائب اورجانشین ہیں۔لہٰذاہم قرآن وحدیث کوملحوظ رکھ کرروزمرہ کی ضروریات اورمسائل پرتمہاری راہنمائی کریں گے جوہمارے اجتہادی احکام کی تعمیل نہ کرے گا یا ہماری تقلید نہ کرے گا اس کی تمام عبادتیں اورتمام اعمال باطل ہیں۔اُنہوں نے اپنا نام اصولئین رکھا۔یعنی وہ اہل خلاف کے خودتراشیدہ اصول فقہ کے مطابق عمل کرنے والے لوگ ہیں۔اورجوعلمائے شیعہ اُن کے اس مسلک کوایک باطل اورگمراہ کن مسلک سمجھتے تھے۔اورقرآن کریم اورمعصومؑ سند کے بغیرہرحکم کوغلط قرار دیتے تھے اُن کا نام اُن شیعہ مجتہدین نے اخباری رکھ دیا۔اخباری کا مطلب وہی لیا جواہلسنت اورشیعوں میں محدثین کا ہے۔اِن دونوں قسم کے علماء میں بحث اورمناظرے چلتے رہے۔چونکہ مجتہدین بادشاہوں اورروٴسا کی ہرجائزوناجائزضرورت پوراکرنے کے لئے اپنی ذاتی رائے سے فوراً مسئلہ گھڑدیتے تھے۔اس لئے درباروں میں اورروٴسا میں اُن کوداخلہ ملااوراُنہوں نے آہستہ آہستہ اپنے مخالف شیعہ علماء کومٹاڈالنے کا انتظام کیا۔اوررفتہ رفتہ اُن علماء کوبھی تحریک تشیع کے خفیہ محاذ کے ساتھ پوشیدہ ہوجاناپڑا۔اب اُن کے لئے لازم ہوگیا کہ وہ اپنے بچوں کواُن ہی درسگاہوں میں پڑھائیں جن پرمجتہدین نے قبضہ جمالیاتھا۔یاجودرسگاہیں، مجتہدین نے اُمراوبادشاہانِ وقت کی سرپرستی میں جاری کی تھیں۔اورجن میں اُس زمانے سے لے کرآج تک بھی نوے فیصد

اہل خلاف کی کتابیں اور نصاب پڑھانا لازم رہا ہے۔ آپ کل کسی شیعہ دینی مدرسہ میں چلے جائیں اور وہاں پڑھائی جانے والی کتابوں کے نام لکھ لیں تو آپ کو تصدیق ہو جائے گی۔

بہر حال ہمارے اُن بزرگ علماء نے بھی رفتہ رفتہ اجتہادی نصاب پڑھ کر اور مجتہدین سے اجازہ اور سندات لے کر نکلنا شروع کیا اور عوام اُن کو بھی مجتہد کہنے لگے۔ لیکن دونوں کے فتاویٰ، احکام اور تصنیفات میں واضح فرق ہوتا تھا۔ ہمارے بعض اس قسم کے علماء نے اپنے زمانے کے تمام مجتہدین کو چیلنج کیا۔ اُن کے اجتہاد کو اجتہادہی کے اصول سے مردود ثابت کیا۔ مثلاً جناب محمد امین استر آبادی رضی اللہ عنہ نے اپنی تصنیفات میں علمائے مجتہدین کے پورے کاروبار عقائد و طرز حیات پر وہ عالمانہ تنقید کی کہ تمام ہم عصر علماء کے بخیے اُدھیڑ دیئے۔ برسوں اُن کو کوستے رہے اور آج تک اُن کا نام لے کر روتے ہیں۔ اُن کی کتابوں میں سے فوائد مدینہ ہمارے پاس ہے۔ اس میں بھی اجتہاد اور مجتہدین کا مکمل رد و ابطال موجود ہے۔ جسے ہم اسلام اور علمائے اسلام کے تصنیفی سلسلے میں شامل کر دیں گے۔ بہر حال مجتہدین کے عوام پر چھا جانے کے بعد ہمارے علماء نے اپنی تبلیغ کا رخ بدل دیا۔ اور بادشاہتوں سے بھی مجتہدین کو باہر نکال دیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ پبلک کے مصرف خیر اور زکوٰۃ وصدقات پر گذارہ کرنے لگے۔ اُجرت لے کر نمازیں پڑھانا، اذان دینا، نکاح پڑھنا، مرنے والوں کا جنازہ پڑھانا، لوگوں کی جگہ قضا اور ایصال ثواب کی نمازیں پڑھنا، قبرستان میں قرآن کی تلاوت کر کے آجر کے مردے کو ثواب پہنچانا، مجالس عزا پڑھنا اور اسی طرح کے کاموں کے ذریعہ سے اپنی روزی کمانا، اُن کے مقدر میں لکھ دیا۔

چونکہ بادشاہ اور اُمراو سرمایہ دار اُن کے فتاویٰ سے تحفظ حاصل کرتے تھے۔ اس لئے علمائے شیعہ کے حقیقی محاذ نے بادشاہوں، رئیسوں، امیروں، سلاطین اور سرمایہ داروں کو بھی مٹانا شروع کیا۔ اور آج وہ وقت آ گیا ہے کہ اُن کے تمام سہارے گرتے جا رہے ہیں۔ ایک چیز باقی ہے اور وہ ہے منبر پر قبضہ اور خونِ حسین علیہ السلام کی تجارت۔ قوم ادھر بھی متوجہ ہو رہی ہے اُن کا جلد یا بدیر یہ راستہ بھی بند ہو جائے گا۔ پھر مارکیٹ میں یہ مال دو دو آنے بھی نہ بکے گا۔ چونکہ یہ لوگ نہ اس قابل ہیں کہ کہیں ملازمت کر لیں نہ اس قابل ہیں کہ مزدوری کی مشقت برداشت ہو سکے۔ نہ انہیں حساب آتا ہے نہ جغرافیہ معلوم، نہ تاریخ کا پتہ نہ سائنس سے واسطہ، نہ اس قابل کہ عرب جا کر عربی میں بات کر سکیں۔ نہ اس قابل کہ یہاں کسی عربی سفیر کے مترجم بن سکیں۔ الغرض یہ لوگ کورے لٹھ اور یتیمان عقل و بصیرت ہیں۔ اپنے جسم پر جو لباس پہنتے ہیں۔ جو گھڑی باندھتے ہیں۔ جس مائیکروفون پر تقریر کرتے اور نماز پڑھاتے ہیں۔ جس ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر خبریں سنتے ہیں۔ جن صوفوں پر تشریف رکھتے ہیں۔ جس موٹر، ریل یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہیں۔ اُن کی نہ ساخت سے واقف نہ طریق کار پر اطلاع یعنی بالکل بودم۔ مکان اور بنگلوں میں آرام فرماتے ہیں۔ لیکن نہ ڈرائنگ سے واقف نہ یہ خبر کہ چھجہ، گنبد کس قانون کے تحت بنتا ہے۔

سوقدم پیدل چلیں تو تھک جاتے ہیں۔مگر یہ نہیں جانتے کہ چلنے والا، سیڑھی پر چڑھنے والا تھکتا کیوں ہے۔؟ کھاتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ کیوں؟ اور غذا کے بعد اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔؟ باتیں سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، جواب دیتے ہیں مگر یہ خبر نہیں کہ وہ سنتے کیوں اور کیسے ہیں۔ یہ علم نہیں کہ الفاظ کے کانوں تک جانے کے بعد کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح سمجھتے ہیں۔ بہرحال یہ ایک مخلوق ہے جو بلاضرورت دنیا میں موجود ہے۔اور فی الحال بڑے آرام وعیش میں موجود ہے۔شاید اُن کے لئے قدرت کی نظر میں کوئی لیبر کیمپ تیار ہو رہا ہو۔جو حضرات ہمارے اس بیان پر خفا ہوں اُن سے دست بستہ گذارش ہے کہ وہ ہمارے لکھے کو آزما کر دیکھیں۔ جو علماء حضرات مندرجہ بالا عیوب ونقائص سے پاک ہیں وہ جہاں بھی ہوں ہمارے علماء ہیں۔اُن سے اس صورت حال کا کوئی تعلق نہیں ہے۔نہ وہ ریا کار ہوتے ہیں نہ واجبات کے بدلے میں کوئی اُجرت لیتے ہیں۔نہ حرام کھاتے ہیں نہ پبلک کو لوٹتے ہیں۔دینی خدمت بلامُزدومعاوضہ بجالاتے ہیں محنت کی کمائی سے روزی حاصل کرتے ہیں۔وہ ایک ایک مجلس کے دو دو ہزار روپیہ ہوں یا دو دو روپیہ ہوں دونوں کو حرام کہتے ہیں۔ یہ علمائے شیعہ کی وہ شناخت ہے جو نہج البلاغہ اور اصول کافی میں تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔اِن دونوں کتابوں کے اُردو میں ترجمے موجود ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ہم ہر اُس عالم کو اور ہر اُس عامی کو مذہبِ شیعہ سے خارج اور دشمنِ اہلبیتؑ سمجھتے ہیں جو اِن دونوں کتابوں کے معیار کا مخالف ہو۔

(الف) <u>مِلّت شیعہ کے نام نہاد مجتہدین کے علمائے شیعہ پر مظالم</u>

مجتہدین کی جس جہالت اور علمی بے مایگی کا تذکرہ ہوا اُس کا قدرتی تقاضہ یہ تھا کہ وہ ہر اُس شیعہ عالم کے خلاف محاذ بنائیں جو ان کے مبلغِ علم کی رسائی سے باہر ہو۔جس سے فیض پانے کے لئے مخلوقِ خدا بلاتفریق مذہب وملت آتی ہو۔جس سے شیعہ اور سنی دونوں محبت وعقیدت رکھتے ہوں۔ جو مجتہدین کے نصاب کے علاوہ ہر علوم پر بھی دستگاہ رکھتا ہو۔جس کی کرامات ومعجزات زبان زدِ خاص وعام ہوں۔ جو مستجاب الدعوات ہو۔اور جو اُن کی پارٹی پالیٹکس سے الگ تھلگ رہ کر خانہ نشینی کے عالم میں بھی مرجعِ خلائق ہو۔اس لئے کہ ایسا شیعہ عالم اُن کو ایک مستقل خطرہ معلوم ہوتا تھا۔اور ہر وقت یہ ممکن تھا کہ بادشاہان وقت یا رؤسا واُمرا اُس کے حال سے واقف ہو کر اُن نام نہاد علماء کو نظر سے گرا کر اُن کے وظائف نہ بند کر دیں۔اس معاملہ میں یہ لوگ مجتہد وغیر مجتہد کی تفریق بھی نہیں کرتے تھے۔یہ ہر اُس شیعہ عالم کے دشمن ہو جاتے ہیں جو کوئی ایسی تحقیق یا انکشاف کر دے جو قطعاً اچھوتا ہو۔اس قسم کی تحقیق کو یہ لوگ اپنے منہ پر ایک طمانچہ سمجھتے ہیں اور اُسے اپنی ٹولی کی بے پناہ توہین سمجھتے ہیں۔اس معاملہ میں وہ اپنے خاندانی فرد سے بھی رعایت نہیں کرتے۔

ابھی تک ایسے شیعہ سنی بزرگ زندہ ہیں جنہوں نے وہ ہنگامہ دیکھا تھا جو علامہ السید علی نقی النقوی کے خلاف برپا کیا گیا تھا۔اُنہیں تقریراً وتحریراً ہر گالی دی گئی، ہر فتویٰ دیا گیا، اُن کو قتل کرانے کے لئے غنڈوں کو خریدا گیا۔خطا کیا تھی ایک ایسا انکشاف

جومندرجہ بالااطمانچہ سمجھا گیااور تبراا تحیٹیشن سے متفق نہ ہونا۔ ہمارے شہید اول جناب شمس الدین محمد بن مکی بن محمد بن حامد اعلی اللہ مقامھم (787ھجری) میں پہلے تلوار سے قتل کیے گئے پھر صلیب پر لٹکے رہے۔ پھراُن کی لاش کوجلایا گیا۔اس ظلم وستم میں مخالف محاذ کے قاضیوں اور علماء سے شکوہ فضول ہے۔ کیوں کہ ظلم وستم قتل وغارت اُن کا مذہبی شعار ہے۔البتہ ہمیں شکوہ ہے اُن لوگوں سے جو اس وقت نام نہاد شیعہ علمائے مجتہدین تھے ۔ جنہوں نے عوامِ شیعہ سے علامہ شہیدؒ اوّل کے خلاف سینکڑوں درخواستیں قاضیوں کو بھجوائیں ۔ اور مخالفت میں بیانات دلوائے ۔ جیسا کہ یہاں پاکستان میں ہندوستان اور پنجاب سے آنے والے علماء کے خلاف کراچی میں درخواستیں بھجوائی جاتی رہی ہیں کہ ہندی یا پنجابی علمائے شیعہ کو کراچی میں مجالس پڑھنے سے روکا جائے نقصِ اَمن کا خطرہ ہے۔ پھر جناب علامہ حضرت شیخ احمد بن الشیخ زین الدین بن الشیخ ابراہیم رضی اللہ عنہم ہیں۔ جن میں وہ تمام فضائل واوصاف موجود ومسلّم ہیں ۔ جو معصومین علیہم السلام کے بعد کسی شیعہ عالم کے لئے تصور میں آسکتے ہیں ۔ اور وہ جناب اُن تمام علوم میں دستگاہِ کمال رکھتے تھے جو تیرہویں صدی ہجری (1243ھ) تک دنیا میں پھیلے تھے۔ اُن کے خلاف علمائے مجتہدین نے متفقہ طور پر بغدادی حکومت کے وزیر کے رُوبرو مقدمہ دائر کیا۔ اور اُن کی کتاب شرح الزیارۃ (جو آج تک موجود ہے) کے چوتھے باب سے اخذ کر کے وہ تمام مقامات اُس اہلسنت وزیر کے سامنے رکھے۔ جن میں خلفا کے خلاف مذمت اور کفر وغیرہ کے فتاویٰ تھے۔ اور وہ مقامات بھی دکھائے تھے۔ جن میں حضرت علی علیہ السلام کے ایسے فضائل بیان کئے گئے تھے۔ جو سنی وزیر تو آخر لاعلم تھا۔ خود مجتہدین کی سمجھ سے ارفع تھے۔ اور جن کو مجتہد نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ مجتہدین تو حضرت علیؑ کو لسان اللہ اور عین اللہ کہنا بھی شرک قرار دیتے ہیں۔ چہ جائے کہ وہ یہ سمجھتے کہ حضرت علیؑ کے خالق ورازق ہونے کا کیا مطلب ہے؟ الغرض اُن کو قتل کرادینے کے وہ تمام انتظامات کئے جو شہید اوّل کے لئے کئے گئے تھے۔ تفصیل روضات الجنات میں موجود ہے ۔ اس کتاب میں تمام علمائے مجتہدین اور اخباریئن کے حالات لکھے گئے ہیں ۔ اور وہ تمام مظالم، اتہامات اور کاروائیاں دکھائی گئی ہیں جو مجتہد حضرات نے شیعوں کے حقیقی علماء کے ساتھ برسر کار رکھیں۔ حد یہ ہے کہ بعض اہل قلم مجتہدین نے اُن کا نام بھی اپنی لکھی ہوئی کتابوں میں نہیں لکھا۔ یعنی اُن کو شیعوں کے علماء کی فہرست ہی سے خارج کردیا ہے۔ یہ شکوہ بھی صاحبِ روضۃ الجنات نے مندرجہ بالا تذکرے میں لکھ دیا ہے۔

(ب) سائنس کے علماء کا ابوالآباء

آج کل آپ جس سائنسی دور کی ترقیوں پر حیران وششدر ہیں ۔ اُن تمام علوم وفنون کے مسلّمہ اُستاد اور محسوس ومشہور موجد جناب علامہ جابر ابن حیان ہیں جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اُن شاگردوں اور اصحاب میں سے ہیں جو دُنیا میں سائنس وفلسفہ ومنطق وغیرہ کی اشاعت کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ اور جن کو آج تمام علمائے مشرق ومغرب اپنا راہنما کہنے

میں فخر کرتے رہے ہیں۔اور جن کے حالات میں یوروپ وامریکہ میں سینکڑوں کتابیں بطور راہنما شائع کی ہیں۔بطور نمونہ چند سطریں دائرۃ معارف الاسلامیہ سے ملاحظہ ہوں:۔

۔" جابر بن حیّان ازدی کوفہ کا ایک عطّار تھا۔جس کا ذکر آٹھویں صدی عیسوی کی اُن سیاسی تحریکوں کے سلسلے میں آیا ہے جن سے بالآخر خلافتِ بنی امیہ کا خاتمہ ہوگیا۔پی.کراس (P.KRAOS) نے اُس کی جملہ تصانیف کی ایک تنقیدی تاریخ مرتب کی ہے۔مقابلہ کرنے کے بعد اُن کی تواریخ اور سنین کا تعین کردیا ہے۔اور الفہر ست (ابن الندیم) میں دی ہوئی فہرست کی اصلاح کی ہے۔(یعنی تُک بندی کی ہے۔)(دوسرا بیان ملاحظہ ہو)

(1) "۔جابر بن حیان بن عبداللہ کوفی (المعروف بہ صوفی) 120 ہجری (737ء) تا 198 ہجری (813ء) جو طوس اور بقولِ دیگراں خراساں میں پیدا ہوا۔اوّلین دور کے عربی علم الکیمیا کے ممتاز نمائندوں میں سے تھا۔مذکورہ بالا سلسلہ نسب الفہر ست (ابن الندیم) سے ماخوذ ہے۔جس کے صفحہ 354 پر جابر کے قدیم ترین سوانح حیات محفوظ ہیں۔لیکن الفہر ست میں اس کی مشہور کنیت "ابوموسیٰ" نہیں دی گئی۔ بلکہ ابوعبداللہ مذکور ہے۔حالانکہ ابن الندیم نے خود لکھا ہے۔کہ الرّازی (م 313ھ)(925ء) یا (323ھ 935ء) اُس کا حوالہ ہمیشہ ان الفاظ میں دیا کرتا تھا کہ "۔ہمارے اوستاد ابوموسیٰ جابرؓ بن حیان کا قول ہے"۔

اُس سوانح عمری سے اُس کے واقعات (زندگی) ہی نہیں بلکہ اُن افسانوی روایات کے بارے میں بھی یقینی طور پر پتہ نہیں چلتا۔جو اُس کے متعلق مشہور ہیں۔دوسری طرف ابن الندیم یہ نظریہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ جابر کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔جو تحریریں جابر سے منسوب ہیں۔اُن میں امام جعفر صادق (علیہ السلام)(م 148ھ)(765ء) کے بارے میں اس قسم کے حوالوں سے کہ وہ اُس کے استاد تھے۔نیز اُن حوالوں سے جن کا اشارہ برامکہ کی طرف ہے الجلد (م743ھ 1342ء) کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔کہ وہ ابتدائی عباسی خلفا کا ہم عصر تھا۔پھر جہاں تک اس کی تاریخی شخصیت کا تعلق ہے۔ہوم یارڈ کا کہنا ہے۔کہ اُس کا باپ حیّان نامی ازدی کوفہ کا ایک عطّار تھا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض موخر ماخذ میں جابر کے لئے ازدی کی نسبت کیوں آئی ہے۔اس امر سے تو اب کسی کو انکار نہیں۔کہ جابر کی تصانیف کی جو فہرست خود جابر کی اپنی تحریروں کے حوالے سے الفہر ست میں دی گئی ہے۔بحثیت مجموعی صحیح ہے۔چنانچہ کئی کتابوں کے اقتباسات جن کا صرف نام ہی معلوم تھا۔اُن تحریروں میں مل گئے ہیں۔اور اب تک محفوظ ہیں۔اس کے ماخذ میں حلّ الرموز ومفاتیح الکنوز کو بھی شامل کرلینا چاہئے۔جس کا حوالہ شوق المستھام طبع ھامر میں موجود ہے۔

(2) جابر بن حیان کی تصنیفات

جابر بن حیان کی تصنیفات کو متعدد مجموعوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔جن میں اہم ترین یہ ہیں۔

(اول) کتاب ا لمائۃ و الاثنا عشر (112 کتابیں) فن کیمیا گری میں جابر کے غیر مربوط مضامین جن میں قدیم کیمیا گری کے کئی حوالے زوسیموس۔دیموقریطوس۔حرمس۔آغا ثودیمون وغیرہ آ گئے ہیں۔

(دوم) کتاب السبعین (70 کتابیں) یعنی علم الکیمیا میں جابر کی تعلیمات کا مرتب ومنظّم بیان۔

(سوم) کتب ا لمائۃ و الاربعۃ و الاربعون یا کتب الموازین. کیمیا گری اور جملہ علوم باطنی کی نظری اور بالخصوص فلسفیانہ اساس کا بیان (144 کتابیں)

(چہارم) کتب الخمسامائہ (500 کتابیں) جو کتب الموازین کے بعد مسائل کی مزید تحقیق میں متفرق رسائل پر مشتمل ہیں۔ان چاروں مجموعوں سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے۔کہ جابری نظریے کا نشوونما اور اُس کی جملہ تصنیفات کی ترتیب بتدریج کن کن مراحل سے گذری۔اُن مجموعوں میں چھوٹے چھوٹے دیگر مجموعوں کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا۔جن میں ارسطو اور فلاطون کی کتابوں پر شرحوں کے حوالے سے کیمیا گری سے بحث کی گئی ہے۔(بقول لیبان (LEBON) جابر پہلا ماہر کیمیا (کیمسٹری) ہے۔جس نے عمل تقطیر وتذویب وتحویل بیان کیا ہے۔اس کے بعد فلسفہ۔فلکیات ونجوم۔ریاضیات۔اور موسیقی۔طب اور سحر پر اُس کے رسائل آتے ہیں۔اور آخر الامر مذہبی تصنیفات۔

(3) آخر مولفِ دائرہ چکر میں مبتلا ہوکر یوں ہاتھ پیر مارتا ہے کہ:

’’۔یہ نہایت وسیع مجموعۂ تصانیف قدما کے اُن جملہ علوم پر مشتمل ہے۔جو مسلمانوں تک پہنچے لہٰذا یہ ایک ہی مصنف کا کام نہیں ہوسکتا۔(اپنی ترازو میں نہ تول) اسی طرح اس کی تاریخ تصنیف دوسری صدی ہجری آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر ایسے قدیم زمانہ میں بھی متعین نہیں کی جاسکتی۔(یہی بات نہج البلاغہ کے لئے بھی بعض جہلا نے کہی) اس سلسلہ میں جملہ حقائق (بلکہ حماقتوں) کو سامنے رکھئے تو کہنا پڑے گا کہ یہ مجموعہ تیسری صدی ہجری نویں صدی عیسوی کے آخر اور چوتھی صدی ہجری دسویں صدی عیسوی کے شروع میں مرتب ہوا (اور مُرتّب تمہارا کوئی لگا سگا تھا) جابر کی تصانیف سے جو مسئلہ سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے۔اس کا تعلق مذہب کی تاریخ سے ہے۔جس طرح قدیم کیمیا گر جہاں تک ہمیں اُن کے متعلق معلومات حاصل ہیں (جو بعد میں گھڑی گئی ہیں) اپنے فن کی اساس مسیحی ادریت (باطنی علم یا مذاہب العرفان) پر رکھتے تھے۔اسی طرح جابر نے اپنے نظام علوم کی بنا مسلمانوں کے (مسلمانوں نہیں بلکہ آئمہ اہلبیتؑ کے) باطنی علم یا عرفان پر رکھی (ادریت) (اس کے بعد اعتراض کیوں؟) لیکن یہ وہ ابتدائی عرفان و باطنی علم نہیں۔جس کا نشوونما پہلی صدی ہجری ساتویں

صدی عیسوی اور دوسری صدی ہجری آٹھویں صدی عیسوی کے شیعی حلقوں میں (تمہیں معلوم) ہوا۔ جیسا کہ الحاد یعنی ملل الاھواء پر لکھنے والے مسلمان مصنفوں نے بیان کیا ہے (مطلب یہ ہے کہ جن مسلمان اہل قلم نے شیعوں پر ملحد سمجھ کر نظر ڈالی ہے۔ اُن کو اپنی سند میں پیش کیا ہے۔ احسن) بلکہ یہ باطنی علم وعرفان وہ اتحاد پسندی ہے جو تیسری صدی ہجری نویں صدی عیسوی کے آخر میں غالی شیعوں میں رائج تھی (جب کہ تمام متعصب علماء کے نزدیک شیعوں کا قتل واجب تھا) اور جو انقلابی سیاسی رجحانات کے ساتھ مل کر خطرے کا باعث بنی (اور مخالف مذہب کی کمر توڑ دی)۔

جابر کی مذہبی مصطلحات کا جائزہ لیا جائے تو قرامطہ سے اس کا بڑا گہرا تعلق نظر آتا ہے (یعنی تمام شیعی تحریکیں ایک ہی مرکز سے الفاظ اور اصطلاحات اخذ کرتی تھیں) چنانچہ جابر کے یہاں قرامطہ کے حوالے بھی ملتے ہیں (قرامطہ اس کے بعد وجود میں آئے یہ مولف کو معلوم نہیں ہے) جو 260 ہجری 873 عیسوی کے بعد منصۂ شہود پر آئے (ظاہر ہے جابر اُنکے حوالے نہیں دے سکتا تھا۔ جو ابھی منصبہ شہود پر نہ آئے تھے۔ لہٰذا یہ مولف کے ایسے لوگوں نے گھڑے ہیں۔) تھے۔ امام کو اب صامت کے بجائے ناطق کہا گیا ہے۔ اور مراتب الحدود کے لئے بھی وہی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ جو قرمطیوں اور فاطمی اسماعیلیوں کے ہاں (بعد میں رائج ہونے والی) رائج تھیں۔ مثلاً باب حجة ۔ داعی مطلق ۔ سابق ۔ تالی ۔ لاحق وغیرہ''۔ (صفحہ 4 تا صفحہ 6 جلد 7)

(4) مخالف محاذ کے مورخین کا مذہبی تعصب دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے نزدیک

قارئین یہاں رُک جائیں اور مندرجہ بالا ذاتی خیالات وتعصّبات جو دائرہ کے مقالہ نگار نے جابر کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے اس تاریخی کتاب میں داخل کئے ہیں اُن کی مذمت خود اسی شخص کی زبان سے سن کر پھر آگے بڑھیں۔ تعصب کی مذمت کرتے ہوئے دائرہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:۔

''۔لیکن یہ بات بھی ناگزیر ہوگئی کہ اُن کی وقائع نگاری میں اُن کے اپنے اپنے طبقے کے تمدنی، سیاسی اور مذہبی تعصّبات اور تنگ نظری بھی منعکس ہونے لگی۔ قدیم دینی تصور کو جس کی وجہ سے علم تاریخ کی شان اور وسعت کو چار چاند لگ گئے تھے بالکل ترک کر دیا گیا۔ (صفحہ 57 جلد 6) پھر سنیں !:۔

۔''اور اس متعدی مرض سے مورخ اور وقائع نگار تک بھی ہر حال میں محفوظ نہ رہ سکے۔ اس سلسلہ میں اُن تاریخی جعلسازیوں کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا کہ جو اُس زمانہ میں یا اسکے کچھ بعد عام طور پر نشر ہوئیں۔'' (صفحہ 58 جلد 6 دائرہ معارف)

بس جناب یہ ہے اہلسنت والجماعت کا بیان خود اپنے مورخین اور وقائع نگاروں کے خلاف۔ لہٰذا جو کچھ مقالہ نگار نے از راہ تعصب لکھا وہ سب گوزشتر سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا آپ سمجھ لیں کہ جابر بن حیان ایک جینئس (Genius) فرد

تھا۔امام جعفر صادق علیہ السلام کی قوت قدسیہ اُس میں بھری ہوئی تھی۔اُس کے قلم زبان اوردل ودماغ میں چاروں طرف سے قدرت الہام کرتی تھی۔اوروہ ایسی چیزیں لکھتا تھا جن پر مقالہ نگار اینڈ کمپنی حیران ہوکر جعلسازی نہ کرے تو کیا یہ مان لے کہ آئمہ اثناعشر کے شاگرد اِس دُنیا میں علوم سائنس پھیلانے میں ساری دُنیا پر سبقت رکھتے ہیں؟۔

(5) جابر نے کن اصناف علوم کا مطالعہ کیا تھا (دائرۃ المعارف الاسلامیہ سے)

جابر کی جملہ تصانیف میں حسبِ ذیل اصناف علوم کا مطالعہ کیا گیا ہے۔کیمیا گری۔جسے ہمیشہ سب پر مقدم رکھا گیا ہے۔طب۔نجوم۔فلکیات۔سحر۔طلسم ونیرتک۔علم خواص الاشیاء اورذوی الحیات کی مصنوعی نسل (تکوین) پھراس امرکو تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ قدیم علوم کی اِن شاخوں کے متعلق ہماری معلومات ناقص ہیں (پھر بھی جہاں موقع ملے بکواس ضروری ہے) جابر کی تحریروں سے یونانی علوم کے بعض دلچسپ پہلوؤں کو ازسرنو اجاگر کیا جاسکتا ہے۔جو عام خیال کے مطابق ضائع ہوچکے تھے۔(ضائع ہوچکے تھے تو پتہ کیسے چلے گا کہ کون سا پہلو اجاگر ہوا؟) قدیم کیمیا گری کے بارے میں اس وقت ہمیں جو کچھ بھی معلوم ہے۔اس کے پیش نظر اس میں اور جابر کی کیمیا گری میں بنیادی فرق ہے۔(اس لئے کہ وہ تو بعد میں گھڑی گئی باتیں ہیں) اس میں اس رھبانی رمزوکنایہ (یعنی بکواس) سے عمداً اجتناب کیا گیا ہے۔جس کی قدیم ترین مثالیں زوسیموس وغیرہ کی (طرف منسوب کردہ) نگارشات میں ملتی ہیں..................کسی اسلامی تصنیف سے قدماء کی تصانیف کے بارے میں اتنے وسیع علم کا نہ تو اظہار ہی ہوتا ہے اور نہ کسی کی حیثیت ایسی جامع ہے (کیسے ہوسکتی ہے جہلا کا علم سے کیا تعلق؟) جیسی جابر کی تصانیف کی۔اس اعتبار سے وہ رسائل اخوان الصفا سے مشابہ ہیں۔جن کا سرچشمہ معلومات بھی وہی ہے۔جو جابر کا ہے (امام جعفر صادق علیہ السلام کہتے ہوئے منہ دکھتا ہے)................جابر کے علم کا بنیادی اصول میزان (توازن) ہے۔اس اصطلاح میں کئی قسم کے تخیلات وتصورات سے کام لیا گیا ہے۔اور یہ جابر کے مختلف علمی نظریات میں مطابقت وموافقت پیدا کرنے کی قطعی شہادت ہے۔میزان کے معنی ہیں:۔

1۔وزن یا ثقل نوعی۔**2**۔قدیم کیمیا گروں کا میزان۔میزان اصحاب الکیمیا القدامی اس پیمانے کے معنوں میں جو اشیاء کے امتزاج میں استعمال ہوا۔**3**۔عربی ابجد کے اُن حروف کے متعلق قیاس آرائی جن کا تعلق بنیادی طبائع اربع حرارت برودت۔رطوبت۔یبوست سے ہے۔اس میزان الحروف کا اطلاق نہ صرف عالم تحت القمر کی ہر شے پر بلکہ عقل۔روح ونفس۔مادہ مکان وزمان جیسے ہر قسم کے مابعد الطبیعی وجود پر بھی ہوتا ہے۔یہ ایک طرف تو نوفیثا غورثیت اور دوسری جانب جفر کے شیعی نظریات تھے۔(فیثا غورث بے چارا کہاں سے کود پڑا) جن سے جابر کا نظام علم مستعار ہے۔(یہ آئمہ علیہم السلام کے علوم کی شان ہے۔)

4۔میزان بذاتہٖ ایک مابعد الطبیعی اصول بھی ہے۔یعنی جابر کی علمی وحدت کی علامت اس لحاظ سے وہ مانویوں کی نظریہ ثنویّت

کی ضد ہے (یعنی ہر جگہ کسی نہ کسی پٹی ہوئی گوٹ کو ضرور رکھتا چلا جائے گا) علاوہ ازیں یہ ان نوفلاطونی خیالات کے اثرات سے بھی خالی نہیں (جو بھی بعد میں پیدا ہوں گے) جن کا تعلق واحد اور وحدت سے ہے۔

5۔ میزان اُن قرآنی حوالجات کی تلمیحاتی تاویل سے بھی ماخوذ ہے۔ جو روز جزا میں بھی وضع موازین کے سلسلے میں مذکور ہیں (یعنی جابر کا فلسفہ قرآن کریم کے علوم پر مبنی ہے) یہی خیال مسلمانوں کے یہاں اہلِ معرفت میں ملتا ہے (اس لئے کہ صوفیائے کرام بھی اُسی دروازے سے علوم حاصل کرتے تھے۔ جس سے جابر اخذ کرتا تھا) اور اسی طریق سے جابر اپنے نظامِ علم کا سلسلہ اپنی مذہبی تعلیمات سے ملاتا ہے .... جابر کا اپنا قول یہ ہے۔ کہ اسے یہ علم اپنے استاد امام جعفرؑ صادق سے ملا ہے۔ (اور اسی کو غلط ثابت کرنے کے لئے مقالہ نگار نے بقلم خود جعلسازیاں کی ہیں) اور اس کے سارے علوم اسی معدن حکمت کے رہینِ منت ہیں۔ ورنہ اس کی اپنی حیثیت تو محض ایک مُرَتِّب ومُؤلِّف کی ہے۔ مذہبی اعتبار سے بھی وہ اپنا درجہ امامؑ موصوف کے فوراً بعد قرار دیتا ہے۔'' (صفحہ 6 تا 8 جلد 7 دائرہ معارف الاسلامیہ)

(6) <u>قارئین سے معذرت اور گذارش احوال واقعی</u>

ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو ہم نے اس عنوان میں بہت زحمت دی ہے۔ لیکن اس کے بغیر وہ مذمت صادق نہ آتی تھی جو ہم نے مجتہدین کے لئے مخصوص کی تھی۔ اس عنوان کو اگر آپ نے واقعی پڑھا اور سمجھا ہے تو ہمارے ایک عالم اور ایک امام علیہ السلام کے علوم کی شان اور قدامت سامنے آ گئی ہوگی۔ ساتھ ہی وہ تعصب جو مقالہ نگار کا برابر گریبان گیر رہا اُس کا گھٹیا انداز بھی نوٹ کر لیا ہوگا۔ کبھی اُس نے چاہا کہ جابر کے علوم کو یونانیوں سے وابستہ کر دے۔ کبھی چاہا کہ جابر کو سو سال بعد کا آدمی ثابت کر دے۔ کبھی یہ کہ جابر نام کا آدمی ہی کوئی نہ تھا۔ یہ تمام فریب اس غریب مقالہ نگار کو اس لئے ہوا ہے کہ تمام بعد کے مجتہدین اور مخالف علماء نے طرح طرح سے جابر کی پوزیشن کو مشکوک کرنے کا سامان کیا تھا۔ یہاں تک کہ شیعہ مجتہدین نے یہ کوشش بھی کی کہ جابر ابن حیان نام کا کوئی شخص امام جعفرؑ صادق کے صحابہ یا شاگردوں میں تھا ہی نہیں۔ لیکن ہر وہ بیان جو جابر کے خلاف دیا گیا واقعات کے روبرو شرمندہ ہے۔ آج کا یوروپ اس کا مداح خواں ہے۔ اور مقالہ نگار نیز تمام مخالفین کے منہ پر ایک سخت چانٹا مارنے کے لئے چند سطریں مقالہ نگار سے اور سُن لیں۔

(7) <u>جابر کی تصنیفات کے تراجم اور اُن پر عملدرآمد</u>

''۔ آگے چل کر عربی کیمیا گری نے جابر کی تحریروں سے خاصا اثر قبول کیا۔ متاخرین سب کے سب اُن کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور اُن میں سے کئی ایک نے اُن کی شرحیں بھی لکھیں۔ جابر کے مجموعہ تصانیف کی کئی کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں بھی کیا گیا۔ (انگریزی کا، مقالہ نگار کو علم نہیں ہے) البتہ وہ مشہور رسائل جو جابر شاہ عرب سے منسوب ہیں۔ وہ دراصل ایک موخر التنقیح

وتہذیب پر مبنی ہیں۔ جو ستر ہویں صدی عیسوی کے ایک لاطینی مصنف کے ہاتھوں انجام پائی۔''

(8) وہ شیعہ عالم جو جابر کو اپنوں میں شمار کرتا ہے

''۔محمد محسن شیخ آغا بزرگ طہرانی نے جابر کی کتاب الرحمۃ کے آغاز میں مذکورہ حوالہ سے ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ بن ابی ھشام کی ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ جب جابر نے دوسو ہجری (۲۰۰ھ) میں بمقام طوس وفات پائی تو کتاب الرحمۃ اس کے سر کے نیچے رکھی ہوئی ملی۔'' (کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ جلد نمبر 2 صفحہ 55) اس روایت نے جابر کی وفات کا سن اور مقام متعین کر دیا۔'' (صفحہ 8 جلد 7)

یہ وہ عالم اور علوم تھے۔ جو شیعہ مرکز سے 120 ہجری میں شائع کئے گئے اور دُنیا کو ایک ترقی کی راہ پر دوڑا دیا جو روز افزوں ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور آج اس دوڑ میں خود ساختہ اسلام اور اُس کے مجتہدانہ علوم دب کر کچل کر چُور چُور ہو گئے۔ اور اُن کا قصہ پارینہ اب چنڈو خانے کی غپ شپ سے زیادہ کچھ نہیں رہا۔ آج کے مسلمان دانشور اب آخر اُن کی پیروی کر رہے ہیں۔ جن کو جابر بن حیان اور اُسی قسم کے علماء نے علوم بخشے تھے۔ قصہ مختصر یہ کہ وہ علمائے شیعہ جن کو آئمہ اثنا عشر علیہم السلام نے تیار کیا تھا وہ اس ساری دنیا کے راہنما رہتے چلے آئے ہیں۔ مجتہدین کی جہالت اور علمی بے بضاعتی اس کا ثبوت ہے کہ وہ کسی جاہل مرکز سے حصول علم کی جگہ جہالت حاصل کرتے رہے ہیں۔ نہج البلاغہ میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے خطبات پڑھیے اور دیکھیے کہ اُنہوں نے کن علوم کو اپنے متبعین میں امانت چھوڑا تھا۔ مجتہد سے دریافت کیجئے کہ ہزار در ہزار ابواب علم میں سے اُسے کوئی ایک بھی معلوم ہے۔؟ نہ سہی علم؛ کسی علم کا نام معلوم ہے۔؟ اُسی جہالت اور جاہل مرکز نے اُن کو مجبور کیا کہ ہر نشانِ علم مٹا دیں۔ اور ہر اُس عالم کو صفحۂ ہستی سے غائب کر دیں جو علومِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا مدعی اور مبلّغ ہو۔ مجتہد نہ صرف جاہل ہوتا ہے بلکہ بارگاہِ رب العزت اور درگاہِ معصومینؑ میں مردود و ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لئے نہ اُس کی دُعا مستجاب ہوتی ہے نہ اُس میں قوتِ قدسی کا شائبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اوستاد اور اوّلین مجتہد کی طرح۔ لفظ کرامات، معجزات اور مستجاب الدعوات سے اُسی طرح متنفر رہتے ہیں۔ جس طرح ابلیس لاحول سن کر گھبراتا ہے۔

(ج) گیارہویں صدی ہجری کا۔ مجتہد دشمن عالم

(1) جناب علامہ محمد محسن بن المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جن کا لقب فیض تھا کاشان کے رہنے والے تھے۔ علومِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے وارث اور اشاعت کرنے والے تھے۔ تمام شیعہ کتابوں میں آپ کے علوم کا شہرہ ہے۔ اپنے زمانہ میں حسب قاعدہ اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اسلام کے تمام مکاتیب فکر نے آپ سے برابر استفادہ کیا۔ اُن کی چوکھٹ پر تمام مسلمانوں کا سر جھکتا تھا۔ ہر فرقہ کے لوگ آپ سے محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ صاحب کرامات ومعجزات تھے۔ اور اپنے شاگردوں میں اپنے علوم

وکرامات کوبطور ورثہ چھوڑا۔ مجتہدین کی بڑی شدت سے مذمت کرتے تھے۔عوام الناس سے نہایت محبت وشفقت سے پیش آتے تھے۔اُن میں وہ تمام اوصاف جمع تھے جن کو مجتہد کبھی پسند نہیں کرتے۔اس لئے ضروری تھا کہ مجتہد حضرات اُن سے خفا رہیں اوراپنی عادت اور مذہب کے مطابق اُن پرالزام واتہام تراشیاں کریں۔ چنانچہ شیعہ ریکارڈ میں سب کچھ موجود ہے اُن کے دشمنوں میں سے ایک مجتہد کا نام محمد طاہر قمی ہے۔مگر خدانے اُن کو توفیق دی کہ وہ حقیقتِ حال سے پردہ اٹھائیں۔اور تمام مخالف مجتہدین کی دروغ بافیوں اور تہمت تراشیوں کا پردہ چاک کرکے اُن کے منہ کالے کردیں۔ چنانچہ جناب محمد طاہر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خطاؤں کو معاف کرانے کے لئے قم سے کاشان تک بطور سزا پاپیادہ ننگے پیر سفر کیا اور جناب محمد محسنؒ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے۔اور حصول معافی اور فیض خداوندی کے لئے پکار کر کہا:۔

۔''اے محسن تیرے دروازہ پر تیرا گنہگار حاضر ہوگیا ہے۔''(یا محسن قداتاک المسنی) سرکار علامہ باہر تشریف لائے۔ ہاتھ ملایا۔ سینے سے لگایا۔اس مرتبہ کے لوگ سابقہ غلطیوں کا تذکرہ کرکے دوسروں کو شرمسار کرنا پسند نہیں کیا کرتے۔لہٰذا جناب علامہ محمد طاہر اعلی اللہ مقامہ واپس قم پہنچے اور ساری عمر اعلان کرتے رہے کہ میرا پاپیادہ سفر کرنا اس لئے تھا کہ میں سرکار کے سامنے اپنے نفس کو ذلیل کردوں۔ چونکہ اس دروازے سے صوفیائے کرام بھی فیضیاب ہوتے تھے۔ لہٰذا مجتہدین نے ایک الزام یہ بھی لگایا تھا کہ علامہ سرکار صوفی ہیں۔

(2) <u>حضرت محمد محسنؒ فیض کی تصنیفات اورغفران مآب؟</u>

تصنیفات کا ذکراس لئے ضروری ہے کہ آپ کو وہ علوم معلوم ہوجائیں جن پر علامہ سرکار کو یدطولیٰ حاصل تھا۔اور پھر یہ اندازہ ہوسکے کہ اُن علوم کے سامنے مجتہدین کی کیا پوزیشن ہے۔آیا آپ کے آس پاس کوئی مجتہد نام کا ایسا شخص رہتا ہے جواُن علوم سے واقف ہو۔؟

(i) ٹھیک دوماہ قبل ہمیں علامہ سرکار کی تفسیر کی ضرورت پیش آئی۔ہم اپنے محسن جناب محمد محسن صاحب مجتہد کا نیا بنگلہ نہ جانتے تھے لہٰذا مولوی صغیر صاحب کے ساتھ در دولت پر پہنچے۔آپ کی محبت وشفقت ہمارے ساتھ مخصوص ہے۔آپ علامہ علی النقی صاحب کے بھتیجے ہیں۔اور آپ بھی اُن مجتہدین سے جداگانہ طرز حیات رکھتے ہیں جن کی مذمت ہوتی چلی آرہی ہے۔ ہم نے علامہ حضور سے عرض کیا کہ آپ کے پاس اپنے ہم نام جناب محمد محسن فیض کاشانی کی کون کون سی کتابیں ہیں؛ فرمایا۔ ا۔تفسیر صافی ہے اور دوسری (غالباً) وافی ہے۔خاموش ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ اور کوئی نہیں؟ ہنس کر فرمایا کہ:۔

<u>۔''کیا یہ کچھ کم ہے کہ میرے پاس ایک کافر کی دو کتابیں ہیں۔؟</u> ہم نے حیرت سے کہا کافر!؟ فرمایا کہ جناب غفران مآب اُن کو کافر کہا کرتے تھے''۔

یعنی جناب حیدر علی صاحب صحیح معنی میں مجتہد تھے۔ یعنی شیعوں کے حقیقی علماء کو جو کافر نہ کہے وہ دراصل مجتہد ہوتا ہی نہیں ہے۔ اس فتویٰ کو اپنے ذہن میں محفوظ کرلیں۔ ہم جناب غفران مآب تک پہنچے بغیر یہ کتاب ختم نہ کریں گے۔ فی الحال اس کفر توڑ عالم کی تصنیفات دیکھ لیں۔

(ii) کتب شیعہ میں آپ کی دو سو تصنیفات کا ذکر ہے۔ جن میں سے چند کے نام لکھ کر اس عنوان کو بدل دیں گے۔

(1) تفسیر قرآن مکمل الصافی دو جلدوں میں (2) وافی حدیث پر کتاب چودہ ضخیم جلدوں میں (3) الشہاب ثاقب

(4) ابواب الجنان (5) معتصم الشیعه (6) مفاتیح الشرائع

(7) النخیه (8) علم الیقین (9) عین الیقین

(10) حق الیقین (11) المحجة البیضاء (12) انوار الحکمة

(13) الکلمات المکنونه (14) الکلمات الطریقة (15) حواشی الصحیفة

(16) سفینة النجات (17) التفیسر المصفیٰ (18) التفسیر الاصفیٰ

(19) الاصول الاصلیّة (20) منهاج النجات (21) رسالة الجمعة

(22) ترجمه الصلاة (23) الشافی (24) ا لنوادر

(25) اصول المعارف (26) الحقائق (27) قرة العیون

(28) الکلمات المخزونة (29) اللئالی (30) جلاء العیون

(31) تشریح العالَم (32) خلاصة الافکار (33) بشارة الشیعة

(34) الاربعین (35) تسهیل السّیل (36) نقد الاصول

(37) اصول العقائد (38) رسالة شرح الصدر

(3) مجتہدین نے اجتہاد کے مخالف ہر ریکارڈ کو مٹانے کی کوشش جاری رکھی

قارئین کرام آپ اگر آج یہ معلوم کرنا چاہیں کہ جن علمائے شیعہ نے مجتہدین کے خلاف اقدامات کئے اور کتابیں لکھیں وہ کون کون سے علماء تھے۔؟ تو آپ کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اِس لئے کہ جو کتابیں اُن علماء کے حالات اور ریکارڈ کی تھیں رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کتابیں عربی اور فارسی میں تھیں۔ مجتہد نے عوام شیعہ کو جب سے تقلیدِ مجتہد کا نسخہ بتایا اُس دن سے ذاتی تحقیق کی ضرورت ختم ہوگئی۔ سوچا گیا کہ ہم اپنی روزمرہ کی مصروفیات میں اُلجھے رہنے کے ساتھ ساتھ اتنی فرصت کہاں پائیں گے کہ دین کے معاملہ میں ہماری نظر وبصیرت مجتہد کے مقابلہ پر آ جائے۔ لہٰذا محنت کو ضائع کرنا فضول ہوگا۔ نماز روزہ وغیرہ ہمیں یاد ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہوگی مجتہد سے معلوم کرلیں گے۔ وہ ماہرانہ

(ایکسپرٹ Expert) رائے ہوگی جو کافی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام نے دینی علوم سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلی۔اب بتایئے کہ اُس علمی ذخیرے کا کیا بنے گا؟ جو ہمارے حقیقی علماء نے لکھا تھا۔؟ لہٰذا جہالت پھیلنے کے ساتھ ساتھ عربی وفارسی علمی کتابوں کی اشاعت رُکتی گئی، کتابیں پرانی ہوکر ضائع ہوتی گئیں۔کبھی کبھی یہ بھی ہوا کہ مجتہدین نے کسی رئیس کو اشارہ کیا۔اِدھر اُدھر سے جہاں جہاں ایسی کتاب ملی جو اجتہاد کی ردوابطال کرتی تھی جمع کی گئیں، خریدی گئیں اور یہ سمجھ کر مجتہد صاحب کی لائبریری کی نظر کردی گئیں کہ ہمیں بالواسطہ فائدہ پہنچے گا۔ مگر مجتہد نے اُن کتابوں کو ضائع کردیا یا آئندہ شائع ہونے سے روک دیا۔اُدھر اہل خلاف بھی حکومت کی قوت کے ساتھ ایسی تمام کتابوں کو فنا کرنے میں مسلسل مصروف رہتے چلے آئے جو شیعہ علماء نے اُن کے خلاف لکھی ہوں یا خود اُن کے اپنے علماء نے جن کتابوں میں حقائق بیان کردیئے ہوں۔یہ بھی ہوا کہ کتاب تو شائع کی گئی لیکن اس میں سے صفحات وابواب غائب کردیئے گئے یا عبارتوں کو بدل دیا گیا۔

بہرحال اس تمام مخالفانہ کوششوں اور جدوجہد کے بعد بھی علامہ محمد محسن اور دیگر بہت سے علمائے حق اعلی اللہ مقامھم کی چند کتابیں مسلمانوں کی لائبریریوں میں اور بہت سی غیر مسلموں کے کتب خانوں میں مقید ومحفوظ ہیں۔مسلمانوں کے یہاں تو جان بوجھ کر ایسی کتابوں کو فنا ہونے دیا جائے گا۔لیکن غیر مسلم اقوام اُنہیں محفوظ رکھنے کا باقاعدہ انتظام کرچکی ہیں۔چنانچہ علامہ محسن علیہ الرحمۃ کی دوسو کتابوں میں اب صرف بائیس کتابیں موجود ہیں۔یہ تو بہرحال علماء کی تصنیفات تھیں وہاں تو چارسو احادیث کی کتابوں تک کو فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔اور اب چارسو میں سے صرف سینتیس (37) کتابیں باقی ہیں اور جو چار کتابیں حدیث کی بعد میں لکھی گئی تھیں وہ بھی اب عام نہیں ہیں۔چند لائبریریوں میں مقید ہیں۔

مجتہدین نے قوم کو جس راستے پر ڈالا ہے اُس راہ میں کہیں دینی کتابوں کی ضرورت پیش نہیں آتی۔یعنی اب قرآن، حدیث وغیرہ دینی کتابوں کے لئے شیعوں کی زندگی میں اُس قدر بھی اہمیت نہیں ہے جتنی ایک ڈائری یا اخبار کی ہوتی ہے۔ اُدھر مجتہد اور سرمایہ دار نے اپنے گٹھ جوڑ سے قوم کو غربت کے چکر میں اسطرح مبتلا کیا ہے کہ وہ بے چاری ہر وقت اُنکے مصارفِ خیر اور اوقاف کے فنڈ کی طرف نظریں جمائے، آس لگائے، ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے۔اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر پھٹا پُرانا پہن کر جو پس انداز کیا تھا وہ کہیں خمس وزکوٰۃ کے راستے، کہیں دینی چندہ کی صورت میں، کہیں تعمیر مسجد وامامباڑہ کے نام پر، کہیں خطیبوں اور منبروں کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔دن رات محنت کے باوجود بچوں کا پیٹ بھرنا، تن ڈھانکنا، ٹیوشن دینا مشکل ہوگیا ہے۔ بتایئے دینی کتابیں کیسے خریدیں؟ اور کس طرح شائع کرائیں؟ پھر اُنہیں پڑھنے کا وقت کہاں سے لائیں۔؟ ادھر علمائے حقیقی نہ سرمایہ دار سے سمجھوتے کو تیار، نہ چندہ مانگنا پسند، نہ قوم کے غربا اور مصیبت زدگان کو زیربار کرنا گوارا۔وہ کریں تو کیا کریں۔؟ ہم نہیں جانتے کہ کوئی اس کتاب کو پڑھے گا یا نہیں۔ہمیں علم نہیں کہ یہ شائع ہوکر عوام تک پہنچے گی یا نہیں؟ اس کے

باوجود ہم اپنا فرض ادا کرتے جارہے ہیں۔ساری زندگی قلم اسی رفتار سے چلا ہے۔روزانہ بارہ گھنٹے لکھنے کی اوسط رہی ہے۔ ہزار در ہزار صفحات لکھے ہیں اور مسلسل لکھتے رہیں گے۔اس اطمینان پر کہ ہمارا منصوبہ اور رفقائے کار میں برابر انقلاب آتا چلا جائے گا۔ وہ تو کم از کم ہر تحریر کو پڑھتے ہیں بس یہ کافی ہے۔ہمیں سرمایہ دار سے بھیک مانگ کر مجمع نہیں لگانا ہے۔ہم از ابتدا تا انتہا قدم قدم چلتے اور مخالف محاذ کو تباہ کرتے یا سنوارتے آئے ہیں۔ہمیں کوئی جلدی نہیں جسطرح اللہ اور امام عصر علیہ السلام نہایت اطمینان سے کاروبار متعلقہ کو برسرکار رکھتے ہیں۔ہمیں بھی اطمینان کا ذخیرہ اور نمونہ وہیں سے اختیار کرنا چاہئے۔اور اُن ہی کی مدد و تائید طلب کرنا چاہئے۔ وہ چاہیں گے تو قوم بھی اُٹھ کھڑی ہوگی۔ہم اپنا فرض ادا کررہے ہیں۔ وہ اپنے مصالح اور فرائض سے غافل نہیں تو فکر کیا ہے۔؟ جلدی کیا ہے۔؟ ہم نے وقت کا تقاضہ قوم کے سامنے رکھ دیا۔ ہمارا فرض اسی قدر تھا۔ اب اللہ و امامؑ جانیں اور قوم جانے۔ نہ ہم سے قوم یہ سوال کرسکتی ہے کہ تم نے ہمیں کیوں نہ بتایا؟ ہم سرمایہ دار کی مدد کے بغیر آپس میں چندہ کرتے، بھیک مانگتے، محمد وآل محمد علیہم السلام کے علوم کی اشاعت کیلئے فنڈ جمع کرتے، اکاؤنٹ کھولتے، نہ اللہ و امام علیہ السلام ہمیں ماخوذ کریں گے۔ہم نے عملاً اتمام حجت کردیا یہی حضرت حجتؑ کا حکم ہے۔

(د) شیعہ علماء کو اور شیعہ عوام کو نظامِ اجتہاد نے زندیق وملحد کہا

جیسے ہی مخالف محاذ کے علماء نے یہ محسوس کیا کہ ولایت مرتضوی اور حکومت آل علیؑ کو برسرکار لانے کی کچھ خفیہ یا اعلانیہ سرگرمیاں جاری ہیں۔ اُنہوں نے اُس پوری اسکیم اور اُس کے کارکنوں کو دین سے خارج قرار دینا شروع کیا۔اُن کیلئے ہر وہ لفظ استعمال کیا جس سے عوام کو اُن سے نفرت پیدا ہوجائے۔اُنہیں ملحد، مرتد، زندیق، کافر بدعتی، مجوسی قرار دیا گیا۔اور اسی بنیاد پر برسر منبر ہر جمعہ، ہر تہوار اور ہر اجتماع میں اُن پر لعنت بھیجنا جاری کیا۔ دفتروں میں، محکموں میں، بازاروں میں، فوجوں میں، عدالتوں میں، ہر جگہ اُن کو ناقابل اعتبار قرار دیا۔ وظائف بند کئے، نام کاٹے، گلے کاٹے، زبانیں کاٹیں، گھر لوٹے، دیس نکال دیا۔آپ یہ پڑھ چکے کہ وہ مرتد وملحد و زندیق و کافر سے تو رعایت کر بھی دیتے تھے۔مگر محبت اہلبیتؑ وہ جرم تھا جس کی کسی طرح معافی نہ ملتی تھی۔اُنہیں قتل کرنے کے عجیب عجیب معیار تھے۔

(1) مجتہد اپنے مخالف کی کتابیں تک، سونگھتے تھے

مخالف محاذ کے ایک مجتہد کا حال ایک انصاف پسند اور نیک قلم کار سے سنئے!۔اکبر بادشاہ کے ایک عالم عبداللہ سلطان پوری کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

۔''ہمایوں نے اُنہیں مخدوم الملک کا خطاب دیا۔شیخ الاسلام کا خطاب اُنہوں نے شیر شاہ سے حاصل کیا۔جب وہ مرا اور سلیم شاہ تخت نشین ہوا۔تو اُن کا زور اور دبدبہ اور بڑھ گیا۔سلیم شاہ جانتا تھا کہ عوام پر اُن کا اثر ہے۔اور وہ بہت کچھ کرسکتے

ہیں۔ چنانچہ وہ اُن کا بڑا ادب کرتا تھا۔ اور ملاقات کے وقت برابر بٹھایا کرتا تھا۔ مخدوم الملک نے اپنا اختیار واقتدار دو کاموں کے لئے استعمال کیا۔ ایک تو کسبِ زر کے لئے۔ اور دوسرے فسادِ مملکت کا خطرہ دکھا کے ہر اُس عالم و درویش کو اذیت پہنچانے کے لئے جو اُن سے کسی مسئلے میں اختلاف رکھتا تھا۔ جمع اموال کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مرے تو تین کروڑ روپیئے نقد اُن کے گھر سے نکلے۔ اُن کے گورخانے میں سے چند صندوق ملے جن میں سونے کی اینٹیں چُنی ہوئی تھیں۔ جو مُردوں کے بہانے سے دفن کئے ہوئے تھے۔ اُن کی طبیعت کا رنگ بالکل ظاہر پرستی کا تھا۔ اور اگر وہ شرعی حیلوں سے شارع کا اصل مقصد ضائع کر دیتے تو انہیں ذرا تامل نہ ہوتا۔ زکاۃ اور حج جیسے ارکان مذہبی کی نسبت اُن کا عمل یہ تھا۔ کہ سال کے آخر میں تمام مال بی بی (زوجہ) کو ھبہ کر دیتے اور وہ نیک بخت سال کے اندر پھر اُنہیں واپس کر دیتی۔ تا کہ اس حیلہ شرعی سے زکاۃ سے بچ جائیں۔ اسی طرح جب حج کے متعلق کوئی اُن سے پوچھتا کہ۔ ''برشما حج فرض شدہ۔'' (تم پر حج کرنا فرض ہو گیا ہے) تو جواب ملتا ہے''۔ نے۔'' (نہیں فرض نہیں ہوا) وجہ یہ بتاتے کہ خشکی سے جائیں تو رافضیوں کے ملک سے گذرنا پڑتا ہے۔ تری (سمندر) کی راہ جائیں تو فرنگیوں سے عہد و پیمان کرنا پڑتا ہے۔ وہ بھی ذلت ہے۔ پس دونوں طرح ناجائز ہے۔ اس خیال کی تائید میں سو سے زیادہ روایتیں نکال رکھی تھیں۔ (گلزار ابرار) خاندانِ سور کے زمانہ حکومت میں مہدویہ فرقہ زوروں پر تھا۔ اور چونکہ اس جماعت کی بعض باتیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعمیل میں تھیں۔ اس لئے کئی نیک اور مخلص لوگ اس میں شریک ہو گئے تھے۔ اور بعض لوگ جو مہدی جونپوری کے قائل نہ تھے۔ وہ بھی مہدویوں کے طور طریقوں کی قدر کرتے تھے۔ مخدوم الملک اُن سب کے سخت مخالف تھے۔ اور اُنہوں نے مہدویت کا الزام دے کر بڑے بڑے پاک باز اور قابل عزت بزرگوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں۔ شیخ علائی کو، جن کی نیکی۔ حق پرستی اور علم و فضل کے سب مورّخ گواہ ہیں۔ کوڑوں سے اس طرح پٹوایا کہ وہ شہید ہو گئے۔ شیخ داؤد شیر گڑھی کو بھی اُنہوں نے اسی طرح پریشان کرنے کی کوشش کی۔ کسی پر مہدویت کی تہمت لگتی۔ کسی کی تصنیفات کے متعلق کہا جاتا کہ:۔

۔''از وے بوے رفض می آید۔''

(اس میں سے رفض (یعنی شیعیت) کی بو آتی ہے)۔ غرض اُن کا شکنجہ ہر ایک کیلئے تیار رہتا تھا۔ مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ:۔

۔''چوں مُلّا را عصبیت، کہ آں را حمیت دیں نامند، بیشتر بود در پردۂ دین داری استیفائے قوتِ غضبی بروجہ اتم می نمود۔''

(یعنی مُلّا عبداللہ سلطان پوری میں وہ تعصب بھرا ہوا تھا۔ جس کا نام دین کی حمایت رکھ لیا گیا ہے۔ بہت ہی زیادہ تھا۔ اس دینداری کے پردوں میں وہ اپنی غیظ و غضب کی آگ کو انتہائی درجہ تک بجھا لیا کرتے تھے۔'')۔'' (رود کوثر صفحہ 95-94)

(2) ہمارے قارئین مسلمانوں کی تاریخ کے اُن تمام ادوار سے گذر آئے ہیں۔ جہاں شیعوں کو صرف شیعہ ہونے کی بنا پر

ہرقسم کی سزا کا مستحق سمجھا جاتا رہا ہے۔اس میں اضافہ یہ ہوا کہ تیسری صدی ہجری کے بعد شیعہ مجتہدین بھی مخالف محاذ کے ساتھ شامل ہوگئے۔اوراُنہوں نے بھی ہراُس شخص کو کافرو زندیق وملحد قرار دیا جواُن کے طریقے سے ہٹ کر شیعیت کی تبلیغ کرتا تھا۔ اسی بنا پر وہ صوفیائے کرام اور صوفیا سے رعایت کرنے والے علمائے شیعہ کو بھی ملحد وزندیق کہتے اور لکھتے رہے۔اور جب اُنہیں شیعہ حکومتوں میں اقتدار ملا تو بالکل مُلّا عبداللہ سلطانپوری کی طرح صوفیا اور علمائے شیعہ کو قتل کرانے میں کوشاں رہے۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جس زمانہ میں مسٹر دلدار علی خودساختہ غفراں مآب مجتہد بننے کے لئے عراق گئے ہیں۔تو شیعوں کے حقیقی علماء ڈھونڈھے سے نہ ملتے تھے۔سب کا صفایا صفوی حکومت سے کرادیا گیا تھا۔مجتہدین جس شیعہ عالم پر تصوف کا الزام لگادیتے تھے۔اس کے لئے زمین تنگ ہوجاتی تھی۔ یہ بھی علمائے شیعہ کی کتابوں کو، باتوں کو، وعظ وتقریروں کو سونگھ سونگھ کر دیکھا کرتے تھے۔اسی بنا پر اُنہوں نے جناب محمد محسن کاشانی کو صوفی قرار دے کر شیعت سے خارج کرنے کی کوشش کی۔اسی اصول پر غفراں مآب اُنہیں کافر سمجھتے تھے۔

(ہ) علمائے شیعہ حقیقی تصوف اور صوفیا کے حامی تھے

یہ حقیقت قطعاً واشگاف الفاظ میں ثابت ہے کہ از اوّل تا اِیں دم، ہمارے علماء نے کبھی بھی تصوف کی مخالفت نہیں کی۔وہ کیوں مخالفت کرتے جب کہ اُنہیں معلوم تھا کہ تحریک تشیّع کا ایک محاذ تصوف کے نام سے بھی جاری ہے۔تصوف کی مخالفت تو اس امر کی شناخت ہے کہ مخالف کوئی بھی ہو یقیناً قیامِ ولایت وحکومت علویہ کا دشمن ہے۔یعنی شیعہ علماء کو دوطرفہ مشکلات کا سامنا رہا۔ایک طرف حکومتیں اور مفتی قاضی اور مخالف مجتہدین اور دوسری طرف شیعت کا لیبل لگانے ہوئے مجتہدین۔

اس سلسلے میں ہم ایک ایسا عالم پیش کرتے ہیں جس کو ہندوستان کے تمام علماء اور شیعہ عوام جانتے ہیں۔جن کے علم وفضل وکرامات کا چاردانگِ عالم میں شہرہ ہے۔اور جوملّت شیعہ کے تیسرے شہید مشہور ومعروف ہیں۔جن کے خلاف لب کشائی کرنے والے کو کم ازکم ایک شیعہ ہرگز پسند نہ کرے گا۔یہ بھی تقریباً تمام لکھے پڑھے شیعوں کو معلوم ہے کہ حضرت علامہ شوستری اعلی اللہ مقامہ نے ایک کتاب مجالس المومنین لکھی تھی جو آج تک شائع ہوتی چلی آرہی ہے۔اورجس کا اُردو ترجمہ بھی موجود ہے۔اس کتاب کو پڑھ لینے والا ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ شیعوں کے حقیقی علماء نے صوفیائے کرام کو غیر سمجھا یا اُن کا اکرام واحترام ملحوظ نہیں رکھا۔اس کتاب کی سند کے بعد ہمیں یقین ہے کہ شیعہ عوام اُن تمام مجتہدین کو ہماری طرح دشمنانِ مذہبِ شیعہ سمجھیں گے۔جنہوں نے نہ صرف صوفیائے کرام کی مذمت کی اور اُنہیں ملحد وزندیق کہا بلکہ اُن تمام علمائے شیعہ کی بھی مذمت کی اوراُنہیں بھی ملحد وزندیق قرار دیا جوصوفیائے کرام کے ساتھ ربط وضبط رکھتے تھے۔اوراُن کی راہنمائی کرتے تھے۔

(1) شہید ثالث کی نظر میں تصوف اور صوفیائے کرام

مجالس المومنین کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''۔بعض مشاہیر شیعہ اور مجتہدین شریعہ وصحابہٗ مرضیہ وتابعانِ طریقہ مرتضویہ اور مجتہدینِ احکام راویانِ احادیثِ سید الانام اور حکمائے اسلام اور بزرگانِ آئمہٗ کلام وتمام علمائے اعلام وصوفیائے کرامت مقام وسلاطین صاحب اقتدار ووُزرائے مملکت مدار اور اُمرائے عظام وشعرائے فصیح الکلام کے حالات لکھنے کا اہتمام کیا۔''(اردو ترجمہ صفحہ 4)

یہاں مجتہدین سے وہ لوگ مراد نہیں ہیں جن کی ہم مذمت کرتے ہیں ۔ یہاں وہی لوگ مراد ہیں جو مجتہدانہ درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونے کی بنا پر ڈگری کی حیثیت سے مجتہد کہلاتے تھے۔اور صوفیائے کرام اور شیعہ محاذ اور قوم کو اُن کا صحیح مقام دیتے تھے۔

(2) علامہ شوستری رضی اللہ عنہ کے تصوف پر دلائل

ہم چاہتے ہیں کہ شہید ثالث علیہ الرحمہ کی کتاب مجالس المومنین کی چھٹی فصل کا ترجمہ جناب السید صغیر حسین صاحب زیدی متخلص بہ شمس مدیر اخبار اثناعشری دہلی کے قلم سے پیش کردیں جو آنجناب نے 1337ھ میں کیا تھا۔تاکہ وہ شیعہ محاذ کی فہرست میں باقاعدہ شامل ہوجائیں۔اور اُن کا نام نامی مزید شہرت پائے۔

(3) فصل ششم۔مجالس المومنین

''۔اس فصل میں اُن صوفیان صافی طَوِیّت (پاکیزہ ضمیر والے) کا ذکر ہے۔ جو مسلک طریقت پر چلنے والوں اور قواعد شریعت وحقیقت کی بنیادیں محکم کرنے والوں کے نزدیک انبیاء وآئمہ ہدٰی صلواۃ اللہ علیہم کے بعد ایجاد عالم واختراعِ بنی آدم سے مقصود خداوندی ہیں۔اسی طائفہ (گروہ) کرام اور انہی اصفیائے عظام وکثرھم اللہ من الانام کا وجود فائض الجود (سخاوت کا فیض پہنچانے والے وجود) منظورِ نظر خالق جلّ وعلا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں۔جنہوں نے توفیق کی برکات حاصل کرکے مراتب خاک کی دنایت (گھٹیاپن) سے اعلیٰ مدارج افلاک تک ترقی کی ہے۔اور حضیض خمول بشریت (بشریت کی گمنام پستی) سے اوج قبول ملکیّت (ملکوتی) حاصل کرلیا ہے۔ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُورِهٖ (اللہ اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔) کی تابندہ شعاعوں کے عکس اور اُس کے برقی چراغ کے پرتو (چمک) سے منور ہوکر ملأ اعلیٰ کے ساکنین (باشندوں) اور اہل اطمینان کے رشتوں میں منسلک ہوگئے ہیں۔ یہ لوگ اُس مرتبے پر پہنچے ہوئے ہیں۔کہ امورات کا انجام اُن کے ظہور سے پہلے مشاہدہ کرلیتے ہیں۔اُنہیں اشیاء کے خاتمے کی کیفیت اس وقت مطالعہ کرادی جاتی ہے۔جب کہ ابھی اُن چیزوں نے عالم ظہور میں قدم بھی نہیں رکھا ہوتا ہے۔اُنہیں کی ہمتوں اور برکتوں سے دین ودولت کے ستون قائم ہیں۔اور پایۂ ملک وملت اُن ہی کے

وجود سے ربط پا کر انتظامی حالت لئے ہوئے ہے۔ یہ بساط مردی وفتوت (میدان جوانمردی و بہادری) کو پاک کرنے والے ہیں۔مجلس دردمندی کے صدر نشین ہیں۔ یہ وہ تشنہ جگر ہیں۔ جو سمندر کے سمندر پی جائیں۔خود بے برگ ونوا ہیں۔مگر دستِ کرم کی بارش سے دُنیا کو سیراب کرتے ہیں۔ جادۂ سلامتی میں گم ہو جانے والے اور کُنجِ ملامت کے گوشہ نشین۔ زندہ جیل (زندہ فوج) کمبل پوش زندہ دل۔صاحبِ ہوش خرقہ پوشانِ خانقاہِ قدس (مقدس خانقاہ میں گدڑی پہن کر رہنے والے)

بادہ نو شان بزم گاہِ اُنس

قومے ملوک طبع کہ از روئے سلطنت

گوئی کہ احترام سلاطین کشورند۔

وہ ایسی قوم ہیں کہ جن کا مزاج شاہانہ اور سلطنت کی دلیل سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ممالک کے بادشاہوں کے نزدیک بھی قابل احترام۔

اِمروز از نعیمِ جہاں چشم دوختند

فردا خود از کرشمہ بفردوس ننگرند

آج وہ دونو جہاں کی نعمتوں سے نظر بچائے ہوئے ہیں۔اور کل جنت کے کرشمے کی طرف بھی للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھیں گے۔

اس طائفہ کرام کے حالات کی مزید توضیح یہ ہے۔جیسا کہ مقدمات کتاب میں بھی اشارہ کیا جاچکا ہے۔کہ مطالب یقینیہ کی تحصیل جسے حکمت کہتے ہیں۔یا تو نظر واستدلال سے حاصل ہوتی ہے۔جیسا کہ اہل نظر (صاحبانِ استدلال) کا طریقہ ہے۔اور اُن کو علما وحکما کہتے ہیں۔یا بطریق تصفیہ (قلب) وطلبِ کمال جیسا کہ اہل فقر کا شیوہ ہے۔اُن کو عرُفا و اولیا کہتے ہیں۔ اگر چہ یہ دونوں گروہ فی الحقیقت حکماء ہیں۔لیکن یہ دوسرا گروہ (اہل فقر) چونکہ محض موہبتِ ربانی سے درجۂ کمال پر فائز ہوا ہے۔اور اُس نے مکتب خانہ (و علّمنٰہ من لدنا علما) سے سبق (علم لدنی) حاصل کیا ہے۔اس لئے پہلے گروہ سے اشرف واعلیٰ ہے۔اُن کے راستے میں شکوک کے خارستان اور اوہام کی ہلاکتیں بہت کم ہیں۔اور یہ لوگ وراثت انبیاءؑ اصفیا کے بہت زیادہ سزاوار ہیں۔اور انتہائی منزل پر پہنچ کر دونوں کے سرمل جاتے ہیں۔والیہ یرجع الامر کلّہ (اور اسی کی طرف تمام احکام رجوع کرتے ہیں) واضح ہو کہ ان دونو طریقوں کے محققین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔چنانچہ منقول ہے۔کہ شیخ عارف محقق شیخ ابوالسعید ابوالخیر کی قدوۃ الحکما شیخ بوعلی سینا سے ملاقات ہوئی۔اور پھر جدا ہوئے تو بوعلی کا قول تھا کہ جو کچھ ابوالخیر دیکھتا ہے۔میں اُسے جانتا ہوں۔اور ابوالخیر کہتے تھے۔کہ جو کچھ بوعلی جانتا ہے۔میں اُسے دیکھتا ہوں۔حکما میں سے کسی نے بھی اُس طریق کا انکار نہیں کیا ہے۔بلکہ اس کا اثبات فرمایا ہے۔چنانچہ ارسطو کہتا ہے کہ:۔

هذه الاقوال المتد اولة كا لسّلم نحوالمرتبة المطلوبة فمن اراد ان يحصلها فليتحصل تفسير فطرة الاخرىٰ ۔

یہ اقوال متداولہ مقصد اصلی کیلئے زینہ کا کام دیتے ہیں ۔ اب اگر کوئی شخص اُسے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے دوسری فطرت (نفس ناطقہ انسانی) کی تفسیر حاصل کرنی چاہئے ۔ بوعلی سینا مقامات العارفین میں لکھتے ہیں ۔ کہ جو شخص اس کی معــرفۃ حاصل کرنی چاہتا ہے ۔ اُسے تو درجہ بدرجہ رستہ طے کرنا چاہئے ۔ یہاں تک کہ گفتگو کے میدان سے گذر کر وادیٔ مشاہدہ میں داخل ہو جائے ۔ حقیقت دین کے واصلین کی صف میں شامل ہو جائے ۔ سامعین آثار واخبار کے گروہ میں نہ رہے ۔ شیخ شہاب الدین مقتول جنہوں نے رسوم حکمائے قدیم کو زندہ کیا ہے ۔ اپنی تویحات میں درج کرتے ہیں ۔ کہ میں نے خلیّہ لطیفہ (جسے اس گروہ کی اصطلاح میں غیبت کہتے ہیں) (کشف بھی اسی سے عبارت ہے) میں ارسطو کو دیکھا اور چند نکات حکمت اُس سے دریافت کئے ۔ ارسطو نے اُس کا جواب دیا ۔ اور اُس کے بعد اپنے اُستاد فلاطون کی مدح کرنے لگا اور اُس میں بے حد مبالغہ کیا ۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ متاخرین میں سے بھی کوئی اس مرتبہ پر پہنچا ہے ۔ اُس نے کہا ہرگز نہیں ۔ اس کے ہزار جزوں میں سے ایک بھی کسی نے حاصل نہیں کیا ۔ پھر میں نے فلاسفہ اسلام کا ذکر کیا کسی کی طرف التفات نہ کیا یہاں تک کہ بعضے ارباب کشف وشہود مثل جنید بغدادی وابو یزید بسطامی سہل بن عبداللہ التستر ی کا ذکر آیا ۔ اس نے فوراً کہا:۔

اولـئک هـم الـفـلاسـفـة الحقا ۔ بے شک یہی سچے فلاسفہ ہیں ۔ یہ سب صحیح ہے ۔ لیکن اس راستہ میں بے شمار خطرے ہیں ۔ بے اندازہ مقاماتِ ہلاکت ہیں ۔ اس لئے کہ بہت سے خطرات ووسواس گردابِ خیالات باطل آرائش اور فاسد تخیلات مل جل کر سالک کو میدانِ طلب میں حیران وسرگردان کر دیتے ہیں ۔ اور سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ تھوڑی سی نمائش دیکھ کر اور اُسے اصل حقیقت خیال کر کے قدمِ طلب روک لیتا ہے ۔ جیسا کہ بیابان میں کوئی شخص سراب کو پانی کا چشمہ سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے ۔ مگر جب پاس پہنچتا ہے ۔ تو کچھ بھی نظر نہیں آتا ۔ یہی حال اس کا ہوتا ہے ۔

<u>میری جان سبزہ زاروں تک پہنچنے میں سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر گر جانے والے بہت ہیں ۔ اور منزل پر پہنچنے والے بہت قلیل ۔</u> اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ اس طریقے کا اوستاد جسے مرشدِ کامل کہتے ہیں ۔ نادر چیز ہے ۔ اور اگر اس کا وجود ہو بھی تو اُس کی شناخت مشکل ہے ۔ اس لئے کہ کمالاتِ انسانی کو جُز صاحبِ کمال کوئی نہیں جان سکتا ۔ جوہر کی قیمت جوہری ہی پرکھتا ہے ۔ اکثر لوگ صورت فریب اور ظاہر بے حقیقت کی بدولت راستے سے دُور جا پڑے ۔ ایسا ہوتا ہے کہ دام تلبیس وتدلیس میں گرفتار ہو کر کسی ناقص کی خدمت میں عمر ضائع کر دی ۔ اس گمان پر کہ وہ کامل ہے ۔ اور انجام میں سوائے خسارہ اور نقصان کے کچھ ہاتھ نہ آیا ۔ خدا اس بے وقوفی اور ضلالت سے اپنی پناہ میں رکھے ۔ اسی لئے کلام الٰہی اور احادیث رسالت پناہی میں نظر وفکر کی بہت تاکید وترغیب وارد ہوئی ہے ۔ اور علمائے اعلام بھی زیادہ تر لوگوں کو طریقہ نظری کی ترغیب دیتے ہیں ۔ واضح ہو کہ طریق تصفیہ میں بھی نظر واستدلال کی یقیناً ضرورت پڑتی ہے ۔ <u>اس لئے کہ اثنائے تصفیہ وریاضت میں تلبیس شیطانیہ الہامات</u>

ربانی کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں۔ اوران واردات کا فرق بغیر دلیل عقل میسر نہیں ہوسکتا۔ نیز اگر سالک بالکل علوم رسمیہ سے عاری وخالی ہے۔ تو ورطۂ افراط وتفریط میں مبتلا ہوجائے گا۔ اور ہوسکتا ہے۔ کہ جہالت کی بناپر ایسی ریاضت کرے جواعتدال سے باہر ہو۔ جس سے مزاج فاسد اور استعداد باطل ہوجائے۔ اسی لئے حضرت ھادیؑ الثقلین نے فرمایا ہے۔ مااتخذ اللّٰہ ولیاً جاھلاً ۔ خدا جاہل کو اپنا ولی نہیں بناتا۔ اور ایک حدیث میں فرمایا ہے۔ قصم ظھری رجلان جاھل متسك وعالم مُتَھتّك دوشخصوں نے میری کمر کو نقصان پہنچایا ہے۔ ایک جاہل عبادت گذار نے دوسرے اس عالم نے جو علم کی حرمت کی ہتک کرتا ہے۔ جاننا چاہئے کہ ارباب اعتدال جن میں تکلف کا شائبہ نہیں ہوتا۔ اور اُنہیں مراتب کمال تک پہنچنے کی استعداد کلّی موجود ہوتی ہے۔ وہ فرقہ صوفیہ میں افراد فرقہ امامیہ ناجیہ ہیں۔ جنہوں نے شروع حال میں بلکہ روز ازل سے تحقیق کی شراب مصفیٰ ساقی کوثر کے فیض سے پی رکھی ہے۔ اُنہوں نے وہ جُرعہ صہبائے محبتِ اہلبیتؑ پیا ہے۔ جس کا پینے والا تا ابد تشنہ کام نہیں ہوسکتا سید المتالّھین حیدر بن علی آملی کتاب جامع الانوار میں فرماتے ہیں کہ فرقہ ناجیہ امامیہ ایدھم اللہ دوگروہوں پر منقسم ہے۔ ایک گروہ نے اہلبیتؑ کے علوم ظاہری یعنی علوم شرعیہ اصول وفروع کو لیا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اُن کے علم باطن کا حامل ہے۔ کہ جسے طریقت وحقیقت وایقان کہتے ہیں۔ پہلے گروہ کو ''مومن فقط'' کہتے ہیں۔ اور دوسرے گروہ کو ''مومن ممتحن'' شیعہ اور صوفی ان ہی دوگروہوں سے عبارت ہے۔ اس لئے کہ شیعہ وصوفی اگرچہ دو اسم ایک دوسرے سے جُدا ہیں۔ لیکن اُن سے مراد حقیقت واحد ہے۔ یعنی یہ کہ شریعت محمدیؐ ظاہری وباطنی کا حامل ہو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ اگر کہا جائے کہ اکثر صوفیہ بحسبِ ظاہر وباطن اصول وقواعد اہلسنت کے حامل ہیں۔ پھر اُنہیں شیعہ حقیقی کیوں کر کہا جاسکتا ہے۔ تو ہم اُسے جواب دیتے ہیں۔ کہ صوفیا میں بہت سے فرقے ہیں۔ جس طرح خود گروہ شیعہ میں۔ لیکن فرقہ حقّیہ اُن میں سے ایک ہی ہے۔ اور وہ وہی ہے جو اسرار سید مختارؐ وآلؑ اطہار کا حامل ہے۔ اور ظاہراً وباطناً زیور ایمان سے آراستہ ہے۔ جس طرح شیعوں کے بہت سے فرقوں میں ناجی وہی فرقہ ہے۔ جو امامیہ اثنا عشریہ ہے۔ جس کے عقائد واحکام حضرت پیغمبر واہلبیت علیہم السلام سے بنقل صحیح ماخوذ ہیں''۔

مولف کتاب (شہیدؒ) کا اعتقاد یہ ہے کہ اس طائفہ (صوفیہ) میں سوائے نقش بندیوں کے اور کوئی سُنّی نہیں ہے۔ جنہوں نے اہلسنت کو فریب دینے کے لئے نقش تصوف خلیفہ اوّل کے لئے آراستہ کیا ہے۔ اور اپنے خرقہ طریقت کو اُس سے نسبت دی ہے۔ چونکہ اس نسبت کا بطلان ظاہر ہے۔ اسی لئے صاحب نفحات (مرید نقش بندیہ) نے کہہ دیا کہ خواجہ بہاء الدین فی الحقیقت اویسی ہیں۔ (یعنی اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے نسبت رکھتے ہیں) (یہاں سے مترجم زیدی صاحب اپنی زبان میں لکھتے ہیں کہ)''۔ اس کے بعد سلسلوں کی بحث کرتے ہوئے آپ نے ثابت کیا ہے۔ کہ سوائے سلسلہ مرتضوی اور کوئی سلسلہ

دُنیا میں موجود نہیں ہے۔ پھر اُن لوگوں کی قلعی کھولی ہے۔ جو علوم سیمیا و رمل وتکسیر کی بنا پر لوگوں کو فریفتہ کر کے سند ولایت کے مدعی ہوتے ہیں۔اور اُن پیران طریقت کی حقیقت بتائی ہے۔جن کا کام عوام کو دام فریب میں لانا ہوتا ہے۔اور پھر اس بحث کو اس رباعی پر ختم کیا ہے۔ ۔ پوشیدہ مرقعّند ایں خامے چند تا رفتہ رہِ صدق وصفا گامے چند

بگرفتہ زطامات الف لامے چند بدنام کنندۂ نکونامے چند

اس صوفیت کے مرقّع میں کچھ کچّی قسم کے کمزور لوگ بھی چھپے ہوئے ہیں۔تاکہ وہ چند قدم تو سچائی اور پاکیزگی کی راہ پر چل سکیں۔اور کچھ فریب سازی اور غرض کے بندے ایسے بھی ہیں جو الف اور لام کے چکروں میں پھانس کر نیک نام صوفیا کو بدنام کرتے ہیں۔ یہاں چھٹی فصل کو ختم کر کے زیدی صاحب اعلی اللہ مقامہ اپنا خیال اور عقیدہ پیش کرتے ہیں کہ:۔

(4) زیدی صاحب کی تحقیق وثبوت صوفیائے کرام کے متعلق

۔''راقم الحروف کے خیال میں قاضی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اپنی صوفیت کا جواب خود ہی دے دیا ہے۔اب کسی تاویل وتفسیر کی ضرورت نہیں۔اس فصل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔کہ شیعوں میں بھی صوفیت موجود ہے۔ بلکہ اصل صوفیت یہیں ہے۔اور یہ صوفیت نام ہے۔حفظ قواعد شریعت وتحمّل علوم آئمہ علیہم السلام کا۔ہم اس موقعہ پر ایک عالم متدین ومحقق وعارف کی تحریر کا خلاصہ بھی درج کئے دیتے ہیں۔تاکہ مطلب بالکل واضح ہوجائے۔علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جن کی جلالتِ قدر متاخرین (علماوعوام) میں مسلّم ہے۔اپنے ایک رسالے میں چند سوالوں کے جواب میں لکھا ہے فرماتے ہیں۔''

(5) علامہ محمد باقر مجلسیؒ اور تصوف وصوفیائے کرام

زیدی صاحب نے علامہ کی فارسی کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔لہٰذا اُردو داں حضرات کے لئے ترجمہ لکھنا ضروری ہے۔

۔''تیسرا مسئلہ جس میں صوفیہ کے مذہب کے حق یا باطل ہونے پر سوال کیا گیا ہے۔اس کیلئے جاننا چاہئے کہ دین کی راہ ایک ہے اور اللہ نے ایک پیغمبر بھیجا اور ایک ہی شریعت عطا کی ہے۔لیکن عمل اور تقویٰ میں لوگ مختلف مدارج کے ہیں۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو نبی کی شریعت کے ظواہر احکام پر عمل کرتے ہیں۔ اور مسلسل اپنا تمام وقت اطاعت وعبادت خدا میں صرف کرتے ہیں اور اُن تمام لوگوں سے ربط وضبط وتعلق منقطع کر لیتے ہیں جو دنیاوی جھمیلوں میں اپنی زندگی	اما مسئلہ سوم کہ از حقیقت وبطلانِ طریقۂ صوفیہ سوال کردہ بودند۔ بایددانست کہ راہِ دین یکے است وحق تعالیٰ یک پیغمبر فرستادہ ویک شریعت قرار دادہ ۔ ولاکن مردم درمراتب عمل وتقویٰ مختلف می باشند۔ جمعے از مسلمانان کہ عمل را بظواہر شرع شریف نبوی عمل کنندو پیوستہ اوقات خود صرفِ عبادات وطاعات کنندواز اکثر خلق کہ معاشرت ایشاں موجب تضیع عمر است کنارہ جویند ایشاں را مومن زاہد متقی گویند ومسمّٰی بہ صوفیہ ساختہ اند۔زیرا کہ در پوشش خود از نہایت فاقہ بہ پشم قناعت

ضائع کررہے ہوں۔ اُن کا نام صوفیہ رکھ لیا گیا ہے۔ اسلئے کہ اُنہوں نے ترک لذات کی بناپر اپنا لباس بھی اُون کا بنا لیا ہے۔ کیوں کہ یہ لباس دُنیا میں نہایت ہی سستا اور تکلیف دینے والا ہوتا ہے۔ مگر حقیقتاً یہی لوگ مومن اور زاہد ومتقی ہوتے ہیں۔ اور تمام انسانوں سے زیادہ اطاعت شعار ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ طریقہ عام ہوگیا ہے کہ ہر جماعت اور مکتب فکر میں ایسے لوگ بھی داخل ہوجاتے ہیں۔ جو اس مسلک کو تباہ کرنے کا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ ہوں یا سنی ہوں۔ زیدی ہوں یا دیگر باطل مذاہب کے لوگ ہوں۔ سب ایک دوسرے میں مل جاتے ہیں۔ اسی طرح۔ صوفیوں میں بھی شیعہ وسنی اور ملحد داخل ہیں۔ مگر جس طرح علمائے شیعہ دوسرے سلسلوں میں ممتاز اور نمایاں ہیں۔ اُسی طرح شیعہ صوفیوں کا سلسلہ بھی باقی سلسلوں سے ممتاز اور نمایاں ہے۔ اسی طرح آئمہ معصومین علیہم السلام کے مخالفین میں سے بھی کچھ صوفیا تھے۔ جن کی مذمت میں بہت احادیث موجود ہیں۔ اور امام عصر علیہ السلام کی غیبت کے بعد بھی بعض صوفیا مخالف رہے ہیں۔ اور اس مخالفت پر بہت سے ثبوت موجود ہیں۔ مثلاً ملا جامی نے کتاب نفحات لکھی۔ اور اس میں اپنے خیال سے تمام مشائخ صوفیا کا مکمل تذکرہ کردیا ہے۔ مگر اس کتاب میں ملا جامی نے حضرت سلطان العارفین اور برہان الواصلین (عارفوں کے بادشاہ اور وصل خداوندی حاصل کرنے والوں کی سند) جناب الشیخ صفی الدین اعلی اللہ مقامہ جو سورج سے زیادہ نمایاں اور مشہور شیعہ صوفی تھے۔ کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس

کنند کہ خشن ترین وارزان ترین جامہ ہا است وایں جماعت زیدۂ مردم اند۔ لیکن چوں در ہر سلسلہ جمعے داخل میشوند کہ آنہارا ضائع می کنند۔ ودر ہر فرقہ شیعہ وسنی وزیدی وصاحبانِ مذاہب باطلہ میباشند وہَم چُنیں درمیان سلسلہ صوفیا شیعہ وسنی وملحد میباشند۔ وچنانکہ سلسلہ شیعہ درمیان علما از سلسلہ ہائے دیگر ممتاز بودہ ہم چنیں سلسلہ صوفیہ شیعہ نیز از غیر ایشاں ممتاز بودہ۔ چنانچہ درعصر ہائے آئمہ معصومین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین صوفیہ اہلسنت معارض آئمہ علیہم السلام می بودند کہ احادیث بسیار درمذمت آنھا واردشدہ ودرزمان غیبتِ امام علیہ السلام نیز صوفیہ اہلسنت معارض ومعاندمی بودہ دھستند۔ وبریں معنی شواھد بسیاراست۔ اوّل آنکہ مُلّا جامی کہ نفحات نوشتہ وباعتقادِ خود جمیع مشائخ صوفیہ را ذکر کردہ است۔ حضرت سلطان العارفین وبرہان الواصلین شیخ صفی الدین (بادشاہانِ صفوی کا مورث اعلیٰ جس کا ذکر ہو چکا ہے۔) نوّر اللہ برھانہ را کہ از آفتاب مشہورتر بودہ ذکر نہ کردہ است۔ واز مشائخ نقشبندیہ وغیرہ جمعے را ذکر کردہ کہ بغیر از اوبکانِ نادان نام ایشاں از دیگرے نہ شنیدہ شدہ وھم چنیں سید بزرگوار علی ابن طاؤس علیہ الرحمہ کہ صاحب کرامات ومقامات بودہ وشیخ ابن فہد حلّی کہ درزہد وورع وکمال مشہور آفاق بودہ وشیخ زین الدین رضوان اللہ علیہ (شہید ثانی) کہ درراہ دین شہید شدہ بود وکتب وے از قبیل منیۃ المریدین واسرار الصلوۃ کہ بدقائق اسرار صوفیہ ازھمہ مشہورتر است وامثال ایشاں از صوفیہ امامیہ رضوان اللہ علیہم راجہتِ تعصب ومخالفتِ طریقہ ذکر نہ کردہ۔ الخ

کے برعکس تمام نقش بندیوں کا ذکر بھر دیا۔ جن سے سوائے ملا جامی کے اور کوئی واقف بھی نہیں ہوسکا۔ اسی طرح سید بزرگوار جناب علی ابن طاؤس علیہ الرحمہ جو شیعہ صوفی تھے۔ اور جنہیں تصوف کے مقامات عالیہ اور کرامات حاصل تھیں اُن کا ذکر تک نہ کیا۔ پھر جناب شیخ ابن فہد جو مشہور زمانہ صوفی، زہد و تقویٰ میں بے نظیر تھے۔ اُنہیں بھی ملا نے اپنی کتاب میں جگہ نہ دی۔ پھر ہمارے دوسرے شہید جناب شیخ زین الدین رضوان اللہ علیہ جو راہ خدا میں شہید ہوئے اور تصوف پر منیۃ المریدین اور اسرار لصلاۃ ایسے اہم اور معانی آفرین کتابیں لکھیں جو اپنی مثل نہیں رکھتیں اُنہیں بھی غائب کر دیا۔ اور اُسی طرح تمام شیعہ صوفیائے کرام کا ذکر از راہ تعصب و مخالفتِ مذہب گوارا نہ کیا۔''

علامہ کے اس ارشاد سے بھی معلوم ہوا کہ شیعوں میں بھی صاحبان عرفا و منازل اتقا اس لقب صوفیت سے مشہور ہو گئے ہیں۔ اور کاملین شیعہ میں یہ عنصر موجود ہے۔ علامہ نے اسی رسالہ میں آگے چل کر لکھا ہے کہ ''مطلق صوفیت کا انکار بے بصیرتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہاں موجودہ زمانہ میں تو شیعہ اس لفظ سے اتنا بھڑکتے ہیں۔ کہ اتنی سطریں صوفیت کے متعلق لکھ دینے پر خدا جانے لکھنے والے کے لئے کیا کیا خیالات نفسیہ ظاہر کریں گے۔'' (صحیفہ نور صفحہ 44 تا 51) مسلسل

(و) <u>وہ علمائے شیعہ اور عوام جن کو مجتہدین نے اخباری قرار دیا</u>

سابقہ عنوانات سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ ہمارے تمام علماء تصوف اور صوفیائے کرام کے حامی، معین و مددگار رہتے۔ اور اُن میں اکثر ایسے زبردست عالم بھی تھے جو شعبۂ تصوف اور صوفیا کرام کی راہنمائی کرتے رہے ہیں۔ ان تمام بیانات و اندراجات سے قارئین کو یقین ہو گیا ہوگا کہ ہر وہ عالم جو شیعہ لبادہ اور لیبل کے باوجود تصوف اور صوفیائے کرام کا مخالف تھا۔ یقیناً مِلّتِ شیعہ کا بے بصیرت دشمن تھا۔ اس کے بعد ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے زمانہ سے حضرت حجۃ جناب مہدی علیہ السلام کی غیبت تک، تمام آئمہ علیہم السلام کے صحابہ کرام اور علمائے عظام اور شیعان ذوی الاحترام کا عملدرآمد خالص احکاماتِ معصومین اور اُن کتابوں پر تھا۔ جو تمام صحابہؓ نے ہر زمانے کے امامؑ سے لکھی تھیں۔ اُن سب کو نظام اجتہاد نے شیعوں میں داخل ہوتے ہی اخباری قرار دیا۔ یعنی مجتہدین نے سابقہ تمام صحابہؓ اور اپنے زمانہ کے علمائے شیعہ کو اپنے نظام اجتہاد کی ضد میں محدثین کہا۔ اور بعض بعض مجتہدین نے محدثین کے مذہب اور طریقہ کار پر اعتراضات بھی شروع کر دیئے۔ یعنی وہ مذہب شیعہ جو تین سو سال سے چلا آ رہا تھا۔ اس شیعہ اجتہاد کے نزدیک غلط قرار پا گیا۔ اُنہوں نے محدثین یا اخبارئین میں عیب نکالنے کے لئے احادیث کے ذخیروں کو غیر معتبر قرار دیا۔ اور کہا کہ ایک بالکل صحیح حدیث سے بھی سوائے ظنی اطلاع کے اور کچھ نہیں ملتا۔ احادیث سے انکار کرنے کے لئے اُنہوں نے اہل خلاف والے ہتھکنڈے استعمال کئے تاکہ جس حدیث کو چاہیں میدان عمل سے نکال کر باہر کھڑا کر دیں۔ اُنہوں نے اہل خلاف کی تمام وہ اصطلاحات اپنے یہاں داخل کر لیں جن سے

اُنہوں نے آل علی وعلی علیہم السلام کومحروم کیا تھا۔اُن حرکتوں سے روکنے کے لئے ہمارے علماء نے اُن کے رد میں کتابیں لکھیں۔اور یوں نظام اجتہاد ہمارا دشمن ہوگیا۔یہ دشمنی برابر چلی آتی ہے یہاں تک کہ ہمارے علماء کو پوشیدہ ہوجانا پڑا۔جب دیکھا کہ اب مقابلہ پر کوئی نہیں ہے تو اب بعض مجتہدین نے اہل خلاف کے اعتراضات سے بچنے کے لئے ایسی کتابیں بھی لکھیں جن میں یہ دکھایا گیا کہ مجتہد اوراخباری دونوحق بجانب تھے۔دونوملت شیعہ کے طرف دار تھے۔اب ان کو برا بھلا کہنا چھوڑ دینا چاہئے۔یعنی ایک صلح کل پالیسی اس وقت اختیار کی جب دوسرا فریق مقابلہ میں تھاہی نہیں تاکہ شیعوں کو یہ معلوم ہوکہ شروع سے مجتہد ہی چلے آرہے ہیں۔اس کے بعد اخباریوں کا تذکرہ بند کرکے مطمئن ہوگئے۔لیکن جہاں اُنہیں کسی عالم پر شبہ ہوتا یا کسی کتاب میں سے اخباریّت کی بوآجاتی تو فوراً پوری قوت کے ساتھ اور حکومت کی مدد کے زیرسایہ اس اخباری عالم یا اخباری کتاب کو تباہ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔اوراُس وقت تک چین نہ لیتے جب تک اُنہیں فنا کے گھاٹ نہ اتاردیں۔اُنہوں نے اجتہادی مذہب کی یہ خدمت حسبِ موقعہ،اعلانیہ اورخفیہ دونوں طرح جاری رکھی۔یہاں تک کہ دیگر شیعہ مظلوموں کی طرح علمائے شیعہ بھی بیرونی ممالک میں چلے گئے۔اوراپنی تمام ترتوجہ ہندوستان اوردیگر ممالک میں تبلیغ پر مرکوز کردی۔تیسری صدی ہجری کے اواخر یا اُس کے بعد بھی جو علمائے شیعہ اپنا مشن پورا کرنے کے لئے عراق وعرب میں کسی ترکیب سے موجود رہے۔اُن میں سے چند اخباری علماء کے نام اوراُن کامختصر تعارف کرادیناضروری ہے۔تاکہ آپ کو یادرہے کہ جن حضرات کامُرتب کیا ہوامذہب اور مذہبی ریکارڈ آپ کے پاس ہے۔وہ اخباری علماء تھے۔اور جب آپ کہیں یہ پڑھیں کہ فلاں مجتہد نے اخباریت کو مٹایا۔تو صاف سمجھ میں آئے کہ مجتہد نے اُس مذہب کو مٹایا جو حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام اوراُن کے صحابہ اور بقول مجتہد اخباری علماء کا مذہب تھا۔جس کو مجتہد نے مٹاکر اپنا خودساختہ اجتہادی مذہب پھیلایا تھا۔

<u>آنے والے عنوان مجالس المومنین سے ماخوذ ہیں۔</u>

(1) <u>حضرت سعد بن عبداللہ ابن ابی خلف قمی رضی اللہ عنہ</u>

یہ رئیس وفقیہ جماعت شیعہ تھے۔سنی وشیعہ دونو مذاہب پر عبور حاصل تھا۔امام حسن عسکری علیہ السلام سے رابطہ رہا۔حضرت حجتؑ کا زمانہ دیکھا۔مجالس المومنین میں علامہ شہید ثالث نے اُن کی تیس کتابوں کی فہرست دی ہے۔جن میں حضرت ابوطالبؑ،عبدالمطلبؑ اور دیگر آبائے رسولؐ کے فضائل پر کتاب اور 2۔احتجاج الشیعہ 3۔کتاب النوادر اور 4۔کتاب فضائل الشیعہ بہترین تصنیفات ہیں۔مجتہدین نے ہمیشہ آپ کی مخالفت کی ہے۔آپ نے <u>299ھ</u> یا <u>310ھ</u> میں وفات پائی۔

(2) <u>عثمان بن سعید العمری الاسدی۔رضی اللہ عنہ</u>

آپ کی کنیت ابوعمرو،لقب عثمان وزیّات اورعمری ہے۔گیارہ سال کی عمر سے آئمہؑ سے تربیت پائی جناب امام حسن عسکری

علیہ السلام کا پورا زمانہ خدمت میں گذارا۔ پھر امام عصر علیہ السلام کے وکیل اور نائب اور کاتب رہے۔ یہ پہلے نائب تھے اُن کے بعداُن کے فرزند ابوجعفر محمد دوسرے نائب امامؑ ہوئے۔ آپ نے 305 ہجری میں وفات پائی۔ اور اپنے بعد جناب ابوالقاسم حسین بن روح تیسرے نائب امامؑ ہوئے جنہوں نے 326 ہجری میں وفات پائی اور اپنے بعد کے لئے جناب ابوالحسن علی بن محمد سمری کو نیابت امامؑ کے لئے مقرر کیا جو آخری نائب تھے۔ آپ کا انتقال 328 ہجری میں ہوا اور یہاں سے غیبت کبریٰ شروع ہوئی۔ یہ چاروں حضرات اسی مذہب پر تھے۔ جسے مجتہدین نے بعد میں اخباریت قرار دیدیا تھا۔

(3) جناب ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رضی اللہ عنہ

مذہب شیعہ کے پاس احادیث کا سب سے ضخیم ذخیرہ اصول کافی اور فروع کافی کے نام سے آج تک موجود ہے۔ اس کے جمع کرنے اور ترتیب دینے والے جناب محمد یعقوب کلینی ہیں۔ اس کتاب میں سولہ ہزار ایک سوننانوے احادیث ہیں جو صحاح ستہ کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔ آپکی کتاب کا نام کافی حضرت حجۃ علیہ السلام نے رکھا تھا۔ جناب نے 328 ہجری میں انتقال فرمایا۔ دیگر اخباری علماء کیطرح آپکے علم کا شہرہ تمام مسلمانوں میں رہا ہے۔ صاحب کرامات ومستجاب الدعوات تھے۔

(4) جناب ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی رضی اللہ عنہ

جناب کا اور آپ کے والد کا لقب صدوق تھا۔ آپ دونو بزرگواروں سے حضرت حجت علیہ السلام کا رابطہ رہا ہے۔ جس طرح والد نے اپنے زمانہ میں مذہب حقہ اثناعشریہ کے اثبات واشاعت کا فریضہ برابر ادا کیا۔ اسی طرح حضرت حجت علیہ السلام کی دُعا سے پیدا ہونے والے بیٹے نے مقاصد محمد وآل محمد علیہم السلام کو دنیا میں پھیلانے اور محفوظ رکھنے کے لئے تین سو کے قریب کتابیں لکھیں۔ جن میں سے سب سے اہم کتاب من لایحضرہُ الفقیہ (فہذا الفقیہ) جو احادیث معصومین علیہم السلام جمع کیں۔ آپ نے 381 ہجری میں وفات پائی۔

(5) جناب محمد بن الحسن بن احمد بن ولید القمی رضی اللہ عنہ

کنیت ابوجعفر تھی۔ قم میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اُن کی تصنیفات میں سے اہم ترین کتاب تفسیر قرآن۔ کتاب جامع الحدیث ہے۔ 340ھ میں انتقال فرمایا۔

(6) جناب علی بن الحسین ابن علی المسعودی النہدی رضی اللہ عنہ

آپ نے زندگی بھر علوم دینیہ کی نشر واشاعت فرمائی۔ ان تصنیفات میں سے کتاب مقالات۔ کتاب استبصار۔ کتاب نشر الحیات۔ کتاب نشر الاسرار۔ کتاب الصفواۃ دربیان امامت کتاب ہدایت درتحقیق ولایت وغیرہ ہیں۔ آپ 345ھ تک حیات تھے۔

(7) جناب عبداللہ بن ابی زید احمد بن یعقوب بن نصر الانبازی رضی اللہ عنہ

کنیت ابوطالب ہے۔ سیاست کی بناپر دوسری تحریکوں سے تعلق رکھتے تھے۔ مجتہدین نے اپنی بدگمانیوں کا نشانہ بنایا مظالم کئے لہٰذا شہیدثالث کی طرف سے سنئے!:۔

۔''ابوالقاسم ابن سہل واسطی عدل نے کہا ہے۔ کہ میں نے کسی شخص کوعبادت وزہدوتقویٰ۔ پاکدامنی۔خلوت اورگوشہ نشینی میں ابوطالب سے بہتر اورراغب ترنہیں دیکھا۔اور یہ واسط کے اہل خلاف سے ڈرتے تھے۔کہ ایسا نہ ہوکہ اس کی نماز کودیکھ لیں اوراس کے عمل (تحریک ۔احسن) سے آگاہ ہوں ۔ ناچار ہمیشہ اوقاتِ نماز میں کھنڈروں ،گرجوں اور بتخانوں میں چلا جاتا تھا۔اوروہاں جاکر اپنی نماز میں مشغول ہوتا تھا۔اوراگر وہاں پراُس سے کوئی ملاقی ہوتا تھا۔تو دیکھتے تھے۔کہ وہ بہترین طریقے سے نمازادا کررہا ہے۔حسین ابن عبداللہ سے منقول ہے کہ ابوطالب بغداد میں تشریف لائے میں نے ہرچند چاہا کہ میرے اصحاب (یعنی مجتہدین حضرات) مجھے اجازت دیں کہ میں ابوطالب سے مل لوں ۔مگراُنہوں نے اُس بدگمانی کی وجہ سے جواُنہیں ابوطالب سے تھی مجھے ملاقات نہ کرنے دی۔ایک سواکتالیس کتابیں ابوطالب کی تصنیف ہیں۔کتاب نجاشی میں مندرجہ ذیل کتابیں مذکور ہیں۔کتاب الانتصار لشیّع من اہل البدعة (یعنی وہ کتاب جس میں تحریک تشیّع کوپھیلانے کامیاب کرنے اورمحفوظ رکھنے کے لئے بدعتوں وغیرہ سے بھی نصرت یامدد حاصل کی جانے پردلائل دیئے ہیں) کتاب المسائل المفردہ ودلائل المجر دہ۔کتاب اسمائے امیرالمومنین جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام۔کتاب دربیانِ توحیدوعدل وامامت۔کتاب درطرقِ حدیثِ غدیر۔کتاب درطرق حدیثِ انت مِنّی بمنزلة ہارون من موسیٰ کتاب التفعیل۔کتاب ادعیۂ آئمہؑ (وہ کتاب جس میں وہ تمام دعائیں جمع کیں جوآئمہ معصومینؑ کی طرف سے سکھائی گئیں) کتاب فدک۔کتاب درطرق حدیث قسیم النار والجنة ۔کتاب التطہیر ۔کتاب الخط والقلم۔کتاب اخبار فاطمہؑ۔کتاب فرق الشیعہ ۔کتاب الابانة عن اختلاف الناس فی الامامة (وہ کتاب جس میں امامت کے متعلق لوگوں کے اختلاف کودورکرکے امامت کے دلائل کوواضح اورروشن کردیا ہے) کتاب مسند خلفائے بنی عباس۔آپ نے 356 ہجری مقام واسط وفات پائی۔

(ز) وضاحت واشاعتِ مقاصد اہلبیتؑ

ناظرین نے دیکھا کہ جناب ابوطالب رضی اللہ عنہ مجتہدین کے نزدیک کافروں ، یہودیوں ،عیسائیوں اوردیگر تمام مذاہب کے لوگوں سے بھی زیادہ خطرناک اوراثر انگیز آدمی تھے۔یعنی مجتہد یہ یقین کرتے تھے کہ جوشخص ایک دفعہ اُن سے ملاقات کرلےتو پھرنظام اجتہاد اُس کی نظر سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوجائے گا۔ بتایئے کہ ایسے خوفناک آدمی سے وہ اپنے مریدوں کوکیوں ملنے دیں۔اورکیوں اپنے مددگاروں کواپنے ہاتھ سے گنوادیں۔؟

معلوم ہوا کہ جناب ابو طالب کو تمام غیر مسلموں کا مکمل تعاون حاصل تھا اور وہ جناب تحریک تشیع کو کامیاب کرنے کے لئے تمام غیر مسلموں سے بھی مدد لے رہے تھے جو اُن کی پہلی کتاب کے نام سے ظاہر و ثابت ہے۔ اور چونکہ وہ اہل واسط سنی حضرات میں اہلسنت مشہور تھے۔ اس لئے اُن سے پوشیدہ شیعہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا خود بخود اُن کا مذہبی اور سیاسی راہنما ہونا ثابت ہوگیا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مجتہدین ہمیشہ حکومتوں، رؤساء، وُزراء اور سرمایہ داروں کے محافظ و طرفدار ہوتے ہیں۔ اس لئے لازم تھا کہ وہ جناب ابوطالبؑ کے دشمن ہوں۔ یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ ہمارے مذہب میں اپنے مذہب کو پوشیدہ رکھ کر مذہب شیعہ اور مقاصد اہلبیتؑ کی تنفیذ کرنا جائز بلکہ بعض حالات میں واجب و فرض ہے۔ اسی اصول کی سند جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اُس وقت ملی تھی جب آپ نے ھشام بن الحکم رضی اللہ عنہ کو ایک زندیق کا اعتماد حاصل کر کے اُس کی کتاب پر گفتگو کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ جناب ھشام نے وہ تمام طرز عمل اختیار کیا۔ جس سے وہ زندیق اُنہیں اپنا ہم خیال اور دوست سمجھے۔ جب یہ مقام حاصل ہوگیا تو اُنہوں نے امام علیہ السلام کو اطلاع دی۔ آپ نے زندیق سے سوالات کرنے پر تعلیم دی۔ چنانچہ جناب ھشام نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو اپنی اِس کتاب پر اس قدر یقین ہے۔؟ کہ قرآن کی تردید کرنے میں آپ کی عقل سے اس کتاب کے استدلال میں کہیں غلطی کا ہو جانا ناممکن تھا۔؟ اس سوال سے زندیق حیران رہ گیا اور کہا یہ سوال تمہیں کس نے سکھایا۔؟ تمہاری عقل و بصیرت اتنی نہیں تھی کہ تم از خود ایسا عقلی سوال کر سکتے۔ ھشام نے پوری اسکیم بتادی۔ زندیق نے اپنی کتاب کو یہ کہہ کر پھاڑ ڈالا کہ انسانی عقل سے غلطی کا ہو جانا کبھی ناممکن نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اُن تمام عقلی دلائل میں یقیناً غلطی کا امکان تھا۔ اور جب تک یہ امکان موجود رہے قرآن کی تردید و ابطال میں بھی شک رہے گا۔ تم مجھے اپنے امامؑ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ وہ زندیق امامؑ کے ہاتھ پر ایمان لایا۔ یہ شخص دار الترجمہ کا سرکاری انچارج تھا۔ اب ہم جناب علامہ شوستری شہید ثالث اعلی اللہ مقامہ کے پسندیدہ بیان کو پیش کرتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ شیعوں کے حقیقی یا اخباری علماء ضرورت پڑنے پر کس طریقے سے مذہب حقہ کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہ اُن کے نزدیک تقویٰ اور تقیہ کے کیا معنی ہیں۔

(2) تحریک تشیع کو کامیاب کرنے کے لئے اسلامی حدود

علامہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ بوھرہ جماعت کے لئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

''۔ یہ (بوھرہ) لوگ بھی مومنین میں سے ہیں۔ اور احمد آباد گجرات اور اُس کے نواحی (علاقوں) میں مقیم ہیں۔ تقریباً تین سو سال پیشتر صالح فاضل ملا علی کی ہدایت سے یہ لوگ داخل اسلام و ایمان ہوئے اور اُن کی قبر شہر کنیاتی میں ہے۔ جو سواحل بحر ہند پر واقع ہے۔ مولانا مذکور جب گجرات میں تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے لوگوں کے کفر کو ملاحظہ فرمایا۔ کہ سب کے سب کافر ہیں اور ایک پیر کبیر السّن کے مرید و معتقد ہیں۔ تو مولانا نے یہ تدبیر سوچی کہ پہلے خود بھی چل کر اُس پیر کے مرید

ہوجاویں۔اور پھر دلائل مذہبِ حق اُن کے سامنے پیش کریں۔جب وہ مسلمان ہوجائے۔تب پھر اُس کی قوم کا ہدایت قبول کرنا بہت سہل ہے۔چنانچہ اسی تدبیر پر عمل کیا۔اور چند سال تک اُس بڈھے کی مریدی کرتے رہے۔(ظاہر ہے اس عرصے میں مجتہد اُن کو یقیناً کافر ملحد اور بدعتی قرار دے گا۔احسن) اُن لوگوں کی زبان بھی سیکھ لی۔اور اُن کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔(جو بلا ہندو اعتماد حاصل کئے ناممکن تھا۔اور جن کو پڑھے بغیر اُن کے معیار پر دلائل پیش کرنا بھی ناممکن تھا۔احسن) آخر کار وہ پیر روشن ضمیر بھی مشرف با سلام ہوگیا۔اُس کے مسلمان ہونے سے بہت سے مرید خود بخود مسلمان ہوگئے۔یہاں تک کہ جب اُس ملک کے وزیر نے سُنا کہ اُس کے پیر نے اسلام قبول کرلیا ہے۔تو وہ بھی حاضر ہوا اور ایمان لے آیا۔لیکن عرصے تک پیر و وزیر نیز اور دیگر مسلمان، بادشاہ کے خوف (اور تقیہ کے حکم) سے اپنے مذہب کو چھپاتے رہے۔آخر کار وزیر کے اسلام اختیار کرلینے کی خبر بادشاہ تک پہنچ ہی گئی۔بادشاہ نے وزیر کے حالات دریافت کرنے کے لئے بہت کوشش کی۔یہاں تک کہ ایک روز بلا اطلاع وزیر کے مکان میں داخل ہوگیا۔اور وزیر کو حالت رکوع میں پایا۔اور خفگی کے ساتھ سوال کیا کہ تو یہ کیا کررہا تھا۔؟ وزیر نے اپنی جان بچانے کے لئے بادشاہ سے کہا کہ ابھی ابھی ایک سانپ گوشہ مکان میں نکلا تھا جس کو میں جھک جھک کر دیکھ رہا تھا۔(اللہ نے تحفظ کا انتظام کیا کہ) قدرت خدا کہ بادشاہ نے جو مکان کے کونے کی طرف دیکھا تو اُسے واقعی وہاں پر ایک سانپ نظر آیا۔اور وزیر کا عذر تسلیم کرلیا۔اور بدگمانی رفع ہوگئی۔رفتہ رفتہ اسلام کی خوبیوں نے بادشاہ پر اثر انداز ہونا شروع کیا۔بات کھل گئی اور وہ بھی مسلمان ہوگیا۔عمر بھر اُس نے اپنے مذہب کو ظاہر نہیں کیا۔لیکن مرتے وقت وصیت کی کہ میری لاش کو جلایا نہ جائے بلکہ مسلمانوں کی طرح تجہیز و تکفین کرکے دفن کی جائے۔'' (مجالس المومنین فصل اوّل بوھرہ جماعت)۔(صفحہ 200-199) اس کے بعد لکھا ہے کہ:۔

''۔ہمیشہ اُن کے درمیان میں ایک شخص فضلا میں سے رہا کرتا ہے۔جو اُن کو مسائل دینیہ تعلیم کیا کرتا ہے۔اکثر ان میں تجارت پیشہ ہیں۔یہ لوگ اپنا مال خمس سادات مدینہ طیبہ کے لئے بھیجتے ہیں۔اور زکاۃ اپنی قوم کے عالم کو دیتے ہیں۔جو اُن کے غربا پر تقسیم کرتا ہے۔اُن میں کے خاص و عام سب کے سب صالح و متقی و پرہیز گار ہیں۔اور ہمیشہ محبت اہل بیتؑ کے سبب سے حکام اہلسنت کے ظلم وجور سہا کرتے ہیں۔اور بلائے تقیہ میں گرفتار ہیں۔'' (ایضاً صفحہ 201-200)

(3) <u>کیا علامہ شوستری بھی قابل اعتماد نہیں ہیں؟</u>

ہم بلا تکلف یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ علامہ شوستری اعلی اللہ مقامہ پر جو اعتبار و اعتماد نہ کرے یا اُن کے مذہب کو غلط قرار دے۔ہم اُسے مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا دشمن اور مخالفِ محمدؐ و آل محمدؐ سمجھتے ہیں۔اس بیان میں آپ نے وہ طریقہ دیکھا جو جناب ابو طالب رضی اللہ عنہ نے واسط میں اختیار کررکھا تھا۔ہمارے اس طریقے نے ہی ساری دُنیا میں امامت اہلبیت علیہم

السلام کا ڈنکا (ڈنکہ) بجوایا ہے۔اسی طرز تبلیغ سے دشمنانِ اہلبیتؑ ہمیشہ خائف رہے ہیں۔مجتہد کا طرز تبلیغ جب سامنے آئے گا تو آپ دیکھیں گے کہ وہ طرز کس قدر نفرت انگیز اور مذہب شیعہ کی ترقی میں کتنی بڑی رکاوٹ ہے۔فی الحال مندرجہ بالا طرز تبلیغ کو جناب اکرام اللہ کی زبان سے سنیں اور علامہ شوستری علیہ الرحمہ کی تصدیق کرلیں۔

(4) گجرات میں اشاعت اسلام (تحریک تشیع کے کارنامے)

''۔ساحلی مقامات کو چھوڑ کر گجرات کے جس شہر میں اسلامی مبلغ (یعنی شیعہ مشنری) سب سے پہلے آئے۔وہ نہروالا (یا انھلواڑہ) پٹن ہے۔جو احمد آباد کی تعمیر سے پہلے ایک بڑا پررونق شہر اور گجرات کے ہندو راجاؤں کا دارالسلطنت تھا۔خوش قسمتی سے اس شہر کے بزرگوں کے حالات شیخ جہاں سید احمد صاحب نے منازل الاولیا میں جمع کر دیئے تھے۔اور اُن کا خلاصہ گجرات کی مشہور تاریخ مراۃ احمدی میں درج ہے۔اُنہیں دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ مسلمان فاتحین کی آمد سے پہلے مسلمان مشائخ (صوفی) اور داعی کہاں کہاں جا پہنچے تھے۔سب سے پہلے جس بزرگ کا ذکر ملتا ہے۔وہ ایک بوھرہ داعی تھے۔جنہیں یمن سے تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تھا۔(قارئین جانتے ہیں کہ یمن روز اوّل سے شیعیت کا مرکز رہا ہے۔احسن) اُن کا نام مختلف روایتوں میں عبداللہ اور احمد لیا جاتا ہے۔آپ پہلے کھنبائیت آئے۔پھر راجہ سدھ راج جے سنگھ (المتوفی 538ھ) کے زمانہ میں پٹن گئے۔اور برہمنوں کے لباس میں اس کے ملازم ہوگئے۔بیس سال تک آپ نے اس کے باورچی کی حیثیت سے کام کیا۔بالآخر اسے (راجہ کو) پتہ چل گیا۔اور اس نے تنہائی میں آپ سے دریافت کیا۔آپ نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا۔تو اس نے آپ کو زندہ جلانا چاہا۔لیکن معتقدین کہتے ہیں۔کہ آپ اس سے پہلے ہی وفات پاگئے۔اور لاش پھولوں کا ڈھیر ہوگئی۔بعض لوگوں کا بیان ہے کہ آپ نے راجہ سدھ راج جے سنگھ کو مسلمان بنایا تھا۔لیکن وہ پھر مرتد ہوگیا تھا۔بوھروں کی تاریخ کوکب فلک میں لکھا ہے۔کہ سدھ راج جے سنگھ کو سیدی احمد نے مسلمان بنایا۔جو مصر سے براہ یمن گجرات کی مشہور بندرگاہ کھنبایت میں آئے۔اور کچھ مدت بعد سدھ راج کو مع وزیر بہارمل اور تارمل کے مسلمان بنایا۔لیکن چونکہ یہ لوگ اسماعیلی شیعہ تھے۔اس لئے ساری عمر تقیہ کرتے رہے۔اور جب سدھ راج مرگیا تو اس کی وصیت کے مطابق اسے مخفی طور پر دفن کر دیا گیا۔''

(آب کوثر صفحہ 330-329)

اس اندراج سے حضرت شہید ثالث رحمۃ اللہ کی تصدیق اور مذہب شیعہ کے اخباری علماء کی وہ جان فشانیاں واضح ہوگئیں۔جن سے وہ محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے حقیقی مقاصد کو پھیلا رہے تھے۔یہ بات مجتہدین کے تصور میں بھی نہیں سماسکتی کہ کوئی شیعہ عالم بیس سال برہمن لباس ومعاشرت کے دوران بھی محمدؐ وآل محمدؐ کے مذہب پر باقی رہ سکتا ہے۔اُن کا مَبلَغِ علم صرف طہارت واستنجا کی دھاریں گننے اور پانی کے تریڑے دیکھنے سے آگے جاتا ہی نہیں ہے۔وہ ایک تیار شدہ مسلمان کو نماز

تو سکھا سکتے ہیں ۔لیکن ایک ہندو، برہمن یا کسی اور غیر مسلم کو نماز تک لانے کا اُن کے پاس نہ علم ہے، نہ اخلاق، نہ دین کی راہ میں قربانیاں دینے کی ہمت ہے، نہ صبر وتحمل ہے۔ نہ بنی نوع انسان کے مختلف مذاہب کی بنیاد معلوم، نہ دوسروں کے مذاہب کا احترام منظور۔ نہ جذبات انسانی سے آگاہ، نہ احترام واکرام بنی آدم سے تعلق ۔ مجتہدین خواہ شیعہ ہوں یا سنی ہوں ۔اُن کا طریقہ تو ایک ہی یہ ہے کہ اپنے دیدۂ نیم باز سے لوگوں کے ظاہری حالات کو اپنے تعصب اور اجتہاد کے چشمے میں سے دیکھا۔ اور اگر اپنا ہم شکل نہ پایا تو کفر و بدعت اور الحاد و زندقہ کے الفاظ سے اپنے منہ کو ناپاک کیا۔ ناک چڑھائی اور بچ کر نکل گئے۔

(5) شیعہ مجتہدین نے مخالف محاذ کو دشمنی میں مدد دی

ہم نے عرض کیا ہے کہ جس روز سے بعض دشمنانِ اسلام نے مذہب شیعہ کی آڑ میں نظام اجتہاد قائم کیا۔اسی روز سے شیعوں کی ہر تحریک کو ایک مستقل فرقہ بنانا اور شیعوں میں اختلاف پیدا کرنا شروع کیا۔اور شیعوں کی مختلف سیاسی جماعتوں کے سینکڑوں نام تجویز کر کے عوام میں غلط فہمیاں پھیلانا شروع کر دیں۔تا کہ شیعوں کے اندر پھوٹ ڈال کر اپنا اُلو سیدھا کرنے اور اپنا مجمع لگانے کی راہ نکال سکے۔کسی کو اسماعیلیہ کہا، کسی کو واقفیہ کا لقب دیا کسی کو قرامطہ بنایا۔کسی کو باطنی فرمایا۔ پھر تمام جماعتوں کو بعض شبہات کی آڑ میں اثنا عشریوں کا مخالف ٹھہرایا۔اُس کے بعد سب کو ملحد و مرتد و زندیق اور خارج از اسلام قرار دے کر اُن کا قتل و غارت ولوٹ مار جائز کر دیا۔یعنی جو کچھ کمی مخالف محاذ کے مجتہدین نے چھوڑ دی تھی شیعہ مجتہدین نے اُسے بھی پورا کر دیا۔اب شیعوں کے مخالف محاذ کو شیعہ فتوے کی مدد سے ہر ظلم کرنا جائز ہو گیا۔جس طرح شیعہ مجتہدین نے عراق وعرب وغیرہ میں شیعہ تحریکوں کے خلاف حکومتوں کی مدد کی تھی۔اسی طرح اُنہوں نے عراق وعرب سے باہر کے ممالک میں بھی مخالف حکومتوں کو شیعہ تحریکوں کے خلاف اُکسانے میں کمی نہیں کی ۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں بھی شیعوں کو ملحد و زندیق کہہ کر اُن پر مظالم ہونے لگے۔محمود غزنوی نے ہندوستان پر تاخت و تاراج کی تمام مہمیں مذہب شیعہ اور شیعوں کے طرفداروں کو تباہ کرنے کے لئے جاری رکھیں ۔اس کے بعد تغلق بادشاہوں نے اپنا پورا زور شیعوں کے استیصال پر صرف کر دیا۔ ہر حملہ آور، شیعوں کو ملحد و زندیق کہتا ہوا آتا اور مجتہدین کے یہاں سے غازی اور محی الدین کے لقب حاصل کرتا۔مراۃ احمدی میں آج تک لکھا ہوا موجود ہے کہ بوھرہ جماعت شیعہ اثنا عشری ہے۔اور خود جناب ملا محمد علی نے گجرات وغیرہ میں مذہب شیعہ اثنا عشری پھیلایا تھا۔ مگر مجتہدین نے کبھی اسماعیلی اور بوھروں کے لئے کلمہ خیر منہ سے نہیں نکالا۔

(6) محمود غزنوی۔محمد غوری اور فیروز شاہ تغلق کا مذہب شیعہ کو مٹانا

وہ فتاویٰ جو علمائے شیعہ نے اجتہاد کے نام پر گھڑ کر اپنے مخالف شیعوں پر لگائے تھے ۔اُنہیں کو آڑ بنا کر ایران وہندوستان اور سندھ وغیرہ ممالک پر فوج کشی کی گئی۔اور اسلام پھیلانے کے بہانے حقیقی مذہب شیعہ کو فنا کرنے پر سارا زور

صرف کر دیا۔ یہ حملے اس قدر پے در پے اور شدّت سے جاری رہے کہ آخر اہلسنت کے مورخ بھی کچھ نہ کچھ اقرار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ دبی زبان سے سنئے !:۔

''۔اسماعیلی خیالات کی سب سے پہلی جماعت جس کا ذکر پاک و ہند کی تاریخ میں ملتا ہے۔قرامطہ (مجتہد کا ساختہ نام) ہے۔جن کے داعی نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) ہی میں قاہرہ، عراق، حضرموت اور یمن سے مغربی پاکستان میں آنے شروع ہوگئے تھے۔اور آہستہ آہستہ اُنہوں نے سندھ اور مغربی پنجاب میں بڑا اقتدار حاصل کرلیا تھا۔ مذہب کیلئے اُنکے دل میں بڑا جوش تھا۔ ملتان پر قابض ہونے کے بعد انہوں نے شہر کا قدیمی مندر جسے محمد بن قاسم نے برقرار رہنے دیا تھا۔ مسجد میں تبدیل کر دیا تھا (کذب صریح) اُنکی تبلیغی کوششیں بھی بڑی وسیع اور منظّم تھیں۔لیکن اہلسنت والجماعت سے اُنکے شدید مذہبی اور سیاسی اختلافات تھے۔اور ہندوستان پر محمود غزنوی کی مہموں کا ایک مقصد قرمطیوں کی بیخ کنی بھی تھا۔ چنانچہ اس نے منصورہ کے اسماعیلی گورنر کو شکست دے کر ایک سنی مسلمان کو حکومت تفویض کی۔محمود کے جانے کے بعد ان لوگوں (شیعوں) نے پھر غلبہ پالیا۔ اور محمد غوری کو دوسری دفعہ یعنی 1175ء میں ملتان اُنکے قبضے سے چھڑانا پڑا۔ سلطان محمد غوری کی موت بھی اسی فرقے کے ایک فدائی کے ہاتھوں ہوئی۔اسلامی حکومت کے استحکام اور سنی خیالات کی (جبری) اشاعت کے بعد قرامطہ کا زور کم ہوگیا اب وہ آپ ہی آپ اور خود روطریقے سے اسماعیلی بن (بنا) رہے تھے۔لیکن غزنوی اور غوری ان سب کو (شیعہ مجتہدین کی طرح) ملاحدین سمجھ کر سیاسی اور مذہبی اسباب کی بنا پر اُن کی بیخ کنی میں سختی سے کوشاں تھے۔اب جو لوگ اسماعیلی خیالات کے تھے۔انہوں نے یا تو اپنے خیالات کے اظہار میں اخفا سے کام لیا یا حکومت کے مرکز سے دور گجرات اور کچھ کی طرف چلے گئے۔ تیرہویں صدی عیسوی کے وسط کے بعد قرامطہ کا ذکر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتا۔'' (آب کوثر صفحہ 339-338)

اس بیان میں وہ سب کچھ شامل فرمالیں جو مذہبی تحفظ کیلئے جناب اکرام اللہ نے لکھنا پسند نہیں کیا۔یعنی ہر حملہ میں جس قدر افراد تحریک تشیع کے مل سکے سب کو بے دریغ تہہ تیغ کیا گیا۔اور سنی گورنر مقرر کر کے تلاش وقتل عام کا حکم دیا گیا۔ یہاں سب سے اہم باتیں دو ہیں۔اوّل یہ کہ کسی قرمطی نام کے فرد نے اپنے مخالف کا مذہب اختیار نہیں کیا۔ دوم یہ کہ قرمطی محض تحریک کا سیاسی نام تھا۔ مذہب شیعہ اثناعشریہ نے جب اپنا اقتدار قائم کرلیا اب لفظ قرامطہ کیوں اور کہاں ملے۔ جب ضرورت ہوگی سیاسی حمایت برسرکار آجائے گی۔اور ضرورت ہوگی تو پایۂ تخت تک کی بنیادیں ہلا دے گی۔لہٰذا ایک مقدس بزرگ کا حال ملاحظہ ہو:۔

(7) قرمطی تحریک ایک نئے انداز اور انوکھے راہنما کے لباس میں

شیعہ تحریکوں کو ختم کرنے پر قابو اُس صورت میں حاصل ہوسکتا تھا کہ مخالف محاذ کے مجتہدین کو یہ پتہ چل جاتا کہ شیعہ راہنما کون کون ہیں؟ اور وہ کس انداز سے اپنا مشن چلاتے ہیں۔اُنہیں کیسے معلوم ہوتا کہ آج وہ جس کی پوجا کر رہے ہیں، جس

سے اکتساب فیض ہو رہا ہے۔کل ضرورت پڑنے پر وہ قرمطی، باطنی یا کسی اور نام سے خود اُن کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوگا۔اور اُن کو ناصبی اور مرجئی کہہ کر قتل کا فتویٰ لگا دے گا۔ایسی صورتِ حال سے مقابلہ کون کر سکتا تھا۔یہ تحریک تشیع کی بے پناہ قوت اور منظّم پالیسی تھی۔جس کی پشت پناہی امام عصر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نام علیہ السلام ایسی عالم گیر قوت کر رہی تھی جو آب حیات کی مانند پانی کے ذخیروں کی طرح کہیں چشموں کی صورت میں، کہیں کنویں کی گہرائیوں میں، کہیں سمندروں اور دریاؤں کی وسعتوں میں، کہیں زیرزمین اور کہیں فراز کوہ پر نئے نئے انداز سے تحریک تشیع کو حیات وتسلسل بخش رہی تھی۔ اُسے فنا کرنے کا خیال کرنے والے فنا کے گرداب میں مبتلا ہوتے چلے جاتے تھے۔آب کوثر کی ایک جھلک اور دیکھیں:۔

(8) نورست گرو۔نورالدین یا نورشاہ۔نورترک ایک راہنما

''۔خوجے زیادہ تر پنجاب، سندھ کاٹھیاواڑ، کچھ اور صوبہ بمبئی میں پائے جاتے ہیں۔اُن کے پہلے داعی (مبلّغ) کا اصلی نام غالباً نورالدین یا نورشاہ تھا۔لیکن وہ عوام الناس میں ''۔نورست گرو۔'' کے نام سے مشہور تھے۔اُنہیں بارہویں صدی میں قلعہ الموت سے بھیجا گیا تھا۔اُنہوں نے گجرات میں تبلیغ کی۔پہلے وہ گجرات کے دارالخلافہ پٹن میں آئے۔پھر کچھ عرصے کے لئے ایران چلے گئے واپس آ کر نوساری کے قرب وجوار میں ارشاد وہدایت شروع کی۔اور اسماعیلی روایات کے مطابق نوساری کے (بظاہر) ہندو راجہ کی بیٹی سے شادی کی۔اپنی کرامات سے بہت لوگوں کو مسخر کرلیا۔اپنا نام ہندوانہ رکھا۔لیکن مسلمان اُنہیں نورالدین یا سید سعادت کہتے تھے۔اور اُنہوں نے کنبی کہار اور کولی قوم کے لوگوں کو جو گجرات کی نیچ ذاتیں تھیں اسماعیلی مذہب میں شامل کیا۔'' (صفحہ 340 آب کوثر)

(9) سید سعادت یا نورالدین کا دارالخلافہ دہلی پر حملہ

''۔مورخین نے سلطانہ رضیہ کے واقعات حکومت کے ضمن میں لکھا ہے کہ 1237ء میں نورترک نامی ایک شخص نے گجرات سندھ کے قرامطہ وملاحدہ۔'' کے ساتھ دارالخلافہ دھلی پر خروج کیا۔اس واقعہ کے متعلق طبقات ناصری میں ذیل کا اندراج ہے:۔

''۔اور اُن واقعات میں سے جو سلطانہ رضیہ کے ابتدائے عہد حکومت میں رُو پذیر ہوئے۔سب سے اہم یہ تھا کہ ہندوستان کے قرامطہ و ملاحدہ نورترک نامی ایک عالم نما شخص کے اُکسانے پر ہندوستان کے دوسرے حصوں مثلاً گجرات اور سندھ، دارالخلافہ دہلی کے گردونواح اور جمنا اور گنگا کے کناروں سے جمع ہوئے۔اور مل کر بیعت کی۔اور اُس نورترک کی انگیخت پر (بقول خود) اہل اسلام پر حملہ کیا۔یہ نورترک وعظ کہا کرتے تھے۔اور عوام الناس اُن کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔وہ (نورترک) اہل سنت والجماعت کو ناصبی اور مرجئی کہتا تھا۔اور عوام الناس کو حنفی وشافعی علما کے خلاف بھڑکاتا تھا۔حتیٰ کہ ایک دن

مقرر ہوا۔اور ملاحدہ وقرامطہ کا یہ سارا گروہ چھ رجب 634 ہجری کو بروز جمعہ قریباً ایک ہزار آدمی کے ساتھ تلواروں ڈھالوں اور کلہاڑوں سے مسلح ہوکر ایک فوج کی صورت میں جامع مسجد دھلی میں آ گھسے۔اُن کا ایک حصہ نئے قلعے کی طرف سے جامع مسجد کے شمالی دروازے میں آیا۔اور دوسرا گروہ بازار بزازاں میں سے ہوتا ہوا مدرسہ معزی کو جامع مسجد سمجھ کر اس میں آن گھسا۔اور دونوں طرف سے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنا شروع کیا۔چنانچہ بہت سے لوگ تو ملاحدہ کی تلواروں کا شکار ہوئے۔اور کئی ایک ہجوم میں کچلے گئے۔''(آب کوثر صفحہ 341-340) یہ مسلمانوں کو ملحد کہنے کی سزا کم از کم ہے۔جو قرامطہ نے دی۔

(10) حضرت نورترک یا نورالدین نے مجتہدین کی تنبیہ کے لئے تلوار اُٹھائی تھی

جناب نورالدین سید سعادت رحمۃ اللہ علیہ کو اور اُن کے ساتھی شیعوں کو قرمطی یا ملاحدہ قرار دینے والے واقعی ناصبی تھے۔جناب سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کا بیان سنئے !:۔

۔''حضرت سلطان المشائخ نے طبقات ناصری کے اس اندراج کے متعلق جو اظہارِ خیال کیا۔اس سے نورترک کے لئے ہمدردی ٹپکتی ہے۔فوائد الفواد میں امیر حسن سنجری آپ کی زبانی لکھتے ہیں۔(ترجمہ)''۔مولانا نورترک کی بابت ذکر شروع ہوا۔تو میں نے عرض کی کہ بعض علما نے اس کے مذہب کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ فرمایا نہیں۔آسمان سے جو پانی برستا ہے۔وہ (نورترک) اُس سے بھی زیادہ پاکیزہ تھا۔(شیعہ پاکیزہ ہوتے ہی ہیں) میں نے عرض کی کہ طبقات ناصری میں لکھا دیکھا ہے۔کہ اُس نے علمائے شریعت کو ناصبی ومرجی کہا ہے۔فرمایا کہ اُسے علمائے (مجتہدین) شہر سے بڑا تعصب تھا۔اس واسطے کہ وہ اُنہیں دُنیا کی آلودگی سے آلودہ دیکھتا تھا۔اور اس واسطے علما (مجتہدین) بھی اس سے (ضد میں) مختلف چیزیں منسوب کرتے تھے۔(یعنی قرمطی اور ملحد کہتے تھے)......بعدازاں مولانا ترک کی بابت فرمایا کہ آپ کی بات میں بڑا زور تھا۔لیکن آپ نے کسی کی طرف ہاتھ نہیں پھیلایا۔جو کچھ کہتے علم ومجاہدہ کی قوت سے کہتے تھے۔''(آب کوثر صفحہ 342-341)

(11) رضیہ سلطانہ آپ کی خدمت میں نظرانہ پیش کرتی تھی

جس طرح یہ بزرگ تمام مسلمانوں اور فقرا ومشائخ کے راہنما تھے۔اسی طرح رضیہ سلطانہ بادشاہ وقت ہوکر آپ کی قدرومنزلت کرتی تھی۔سنئے نظام الدین کہتے ہیں کہ:۔

''۔پھر فرمایا کہ جب آپ مکے گئے تو وہیں سکونت اختیار کرلی۔اس ولایت (ہندوستان) کا ایک آدمی وہاں گیا۔اور اُس نے دوسیر چاول آپ کو دیئے۔آپ نے لیکر دعا دی۔لیکن اس سے پہلے دہلی میں ایک مرتبہ سلطانہ رضیہ نے کچھ سونا آپکی خدمت میں بھیجا تو آپ لکڑی اُٹھا کر اُس زر کو پیٹنے لگے۔کہ یہ کیا ہے؟ اسے لیجاؤ۔جب مکے میں اُس آدمی نے دوسیر چاول دیئے۔اور آپ نے لے لئے۔تو اسکے دل میں خیال آیا کہ ہے تو یہ وہی بزرگ۔جس نے دہلی میں زر کو اسطرح رد کردیا تھا۔

اوراب دوسیر چاول قبول کرتا ہے۔اس پر مولانا نورترک نے فرمایا کہ صاحب مکے کو دہلی جیسا قیاس نہ کرو۔ نیز میں اُن دنوں جوان تھا۔اب وہ قوت اور تیزی کہاں رہی۔اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں............بعدازاں فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا ترک نے ھانسی میں وعظ کہا۔میں نے شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس سرہ العزیز کی زبانی سنا ہے۔وہ فرماتے تھے کہ میں نے بارہا آپ کی وعظ ونصیحت سنی ۔ جب آپ ھانسی پہنچے تو میں نے جاکر آپ کی وعظ ونصیحت سننی چاہی۔ میں اس وقت پھٹے پرانے رنگ برنگے (پیوندوں کے) کپڑے پہنے ہوئے تھا۔کبھی مجھ سے پہلے ملاقات نہ ہوئی تھی ۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو مجھ پر نظر پڑتے ہی فرمایا کہ مسلمانو اب سخن کا صرّاف آ گیا ہے۔بعدازاس قدر تعریف کی کہ کبھی بادشاہوں کی بھی نہ کی ہوگی''۔

(ترجمہ از فوائد الفواد صفحہ 199-198)(آب کوثر صفحہ 343-342)

یہ تمام بیان جناب شیخ محدث دہلوی نے کتاب اخبار الاخیار کے صفحہ 144-143 پر لکھا ہے۔آخری جملہ وہاں یوں ہے''اس کے بعدوہ وہ تعریف کی جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہوگی'' مطلب یہ ہے کہ جناب اکرام اللہ نقل میں یا ترجمہ میں زیادہ احتیاط کے قائل نہیں۔

(12) مخالف محاذ نے ہر حقیقت کو الٹ کر لکھا ہے

قارئین مندرجہ بالا بیانات سے اس قدر ضرور سمجھ سکتے ہیں کہ مذہب شیعہ اثناعشریہ کے مبلغین اور سیاسی تحریکوں کے راہنما وقائدین مختلف انداز میں انسانوں کے قلوب میں اُتر جاتے تھے۔تمام ماحول سے اپنی بزرگی، دیانت، امانت اور علم کا لوہا منوا لیتے تھے۔اور جب ضروری ہوتا تھا تو ایک دم بگن (Begin) بول دیتے تھے۔ ماحول کو یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ چاروں طرف بکھرے ہوئے بزرگوں میں کون قرمطی تحریک کا کارکن ہے کون اسماعیلی طرز سیاست کا راہنما ہے۔اور کون اہلسنت والجماعت ہے۔؟ چنانچہ نورترک یا سید سعادت یا نورسنت گرو، سارے ہندوستان میں نمایاں شخصیت تھے۔اُنہیں محض گجرات سندھ یا پنجاب کے قرمطیوں کی قیادت پر محدود کر دینا بھی غلط ہے۔اور ملحد وبدمذہب قرار دینا تو محض اُن ہی لوگوں کا کام ہے جنہیں ہم مجتہد کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔پھر مورخین نے یہ دھاندلی بھی مچائی ہے کہ مذہب شیعہ کی تبلیغ کو 11ھ کے بجائے دوسری یا تیسری اور چوتھی صدی ہجری سے ہندوستان میں پہنچنا بتاتے اور پھر خود ہی مشکوک ہوتے اور دوسروں کو غلط راہ پر ڈالتے چلے آئے ہیں۔

(13) تحریک تشیع کی قدامت مشکوک کرنے سے پر یقین ہوگئی

''۔مولانا نورترک جن کا طبقات ناصری اور فوائد الفواد میں ذکر ہے۔ وہی نورست گرو ہوں گے۔جنہیں اسماعیلی خوجے اپنا پہلا داعی بتاتے ہیں۔اور جنہوں نے ہندوستان میں سنی حکومت کی غیر مستحکم حالت کا فائدہ اُٹھا کر یہاں بھی مصر کی

طرح اسماعیلی جھنڈا لہرانا چاہا۔ نُورسنت گرو کوخوجے اپنا پہلا مبلغ کہتے ہیں۔ لیکن اسکا یہ مطلب نہیں۔ کہ نورسنت گرو کے آنے سے پہلے پاک وہند میں اسماعیلی نہ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی پاکستان میں تو اسماعیلی بالکل ابتدائی زمانہ سے آ گئے تھے۔ بلکہ ایک زمانہ میں وہ ملتان اور منصورہ کے حکمران ہو گئے تھے''۔(صفحہ 343 آب کوثر)

یہاں قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ جناب نورسنت گرو یا نورالدین اعلی اللہ مقامہ نے بقول جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کسی ظاہری پیر یا مرشد کی بیعت نہیں کی تھی۔(اخبارالاخیار)

(14) مجتہدوں نے جناب شمس تبریز کو بھی اسماعیلی کہا ہے

مجتہدین حضرات کی دیانت اور دشمنئ اہلبیت علیہم السلام کے ہزاروں دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے۔ کہ اُنہوں نے تمام مسلمانوں کے مسلمہ اور صاحب کرامات ومعجزات بزرگ کو بھی اسماعیلی قرار دیا ہے۔ سنئے!:۔

''۔خوجوں کے دوسرے مبلغ شاہ شمس تھے۔ جو ملتان میں ایک بڑے شاندار روضے میں آرام فرما ہیں۔ انہیں عام طور پر شاہ شمس تبریز کہا جاتا ہے۔ لیکن خوجہ روایات کے مطابق وہ ایران کے شہر سبزوار سے تشریف لائے۔ اُن کی نسبت متعدد روایات عوام میں مشہور ہوگئی ہیں۔ اولیا اور مشائخ کے بعض تذکروں میں اُن کو صوفیائے کرام میں شمار کیا گیا ہے۔ اور اُن کی نسبت ایک روایت مشہور ہے۔ کہ جب ملتان کے ایک قصاب نے اُنہیں گوشت کی بوٹی بھون کر دینے سے انکار کیا تو اُنہوں نے سورج کی طرف ہاتھ اُٹھایا۔ سورج سوا نیزہ پر آ گیا۔ جس سے اُنہوں نے بوٹی بھون لیں۔ لیکن شہر میں قیامت برپا ہوگئی۔''(آب کوثر صفحہ 343)

(15) شیعہ پیش رفت اور قدامت کو مضمحل کرنے کی کوششیں ناکام رہی ہیں

تاریخ نے ملتان، منصورہ اور مغربی پنجاب وگجرات، کاٹھیاواڑ میں شیعہ حکومتوں کا قیام، اُن کی مساجد، مذہب شیعہ کی اذان اور خطبہ سب کچھ تسلیم کیا ہے۔ اس کے باوجود جہاں موقعہ ملا حالات کو مشکوک کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں ایک بیان سنئے! اور اپنی بصیرت سے بیان کے اندر جھانک کر دیکھئے کہ دوایسی اقوام کا ذکر اور اقتدار پوشیدہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ جو سُنّی العقیدہ مسلمان نہیں ہیں بلکہ شیعہ ہیں۔ اُن کے تقویٰ اور تقیہ کو کہیں ہندوؤں کا رنگ دیا جارہا ہے کہیں نسب وخاندان سے انکار ہورہا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

''۔اُس زمانہ (670ھ) میں سندھ کے بعض حصوں کو ایک حدتک خودمختاری حاصل تھی۔ اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں، جن میں سے بعض ہندو راجاؤں کے تابع تھیں۔ دہلی اور ملتان کے منتظم اور باثر حاکموں کی تو اطاعت کرتیں۔ لیکن جب موقعہ ملتا تو خودمختاری کا رنگ اختیار کرلیتیں۔ اُن حکمرانوں میں سے ٹھٹھہ کا سومرہ خاندان خاص طور پر مشہور ہے۔ جس کا اثر

اوراقتدار کسی نہ کسی صورت میں صدیوں تک برقرار رہا۔اُن لوگوں کا دعویٰ تھا کہ وہ عراق کے شہر سامرہ سے حجاج بن یوسف کے عہد میں آئے تھے۔(جو قطعاً صحیح بات ہے) لیکن اُن لوگوں کے نام ہندوانہ تھے۔(چونکہ حجاج کا راج سندھ میں تھا۔اس لئے تقیہ لازم تھا) انگریز مورخین کی رائے ہے۔کہ وہ اصل میں راجپوت تھے۔اور مسلمانوں اور عربوں میں اپنا اثر بڑھانے کے لئے اپنے حسب ونسب کے متعلق غلط دعوے کرتے تھے۔سید سلیمان ندوی کا خیال ہے۔کہ وہ عربی ہندو مخلوط تھے۔(یہ قرین حقیقت ہے) اسماعیلی مذہب کے پیرو تھے۔اور جس طرح قرمطی اور اسماعیلی اسلامی عقاید کے ساتھ (تدریج کے لئے) ہر جگہ کچھ مقامی مراسم اور اعتقادات کو شامل کر لیتے تھے۔(اور جس بنیاد پر مجتہد انہیں ملاحدہ کہتا تھا) تبلیغ میں آسانی کے لئے ان لوگوں نے بھی یہی کیا تھا۔اس لئے اُن میں ہندوانہ نام اور رسمیں آ گئی تھیں۔دونوں رائیں قیاس پر مبنی ہیں۔(اب بذریعہ وحی بات ہوگی) اتنا یقینی ہے کہ سومری صحیح طور پر عرب سنی مسلمان نہ تھے۔اُن کے نام اور کئی رسمیں ہندوانہ تھیں۔محمد تغلق کے زمانہ میں شاہِ دہلی اور سومریوں میں کشمکش شروع ہوئی۔اور اس دوران میں جنوبی سندھ کی حکومت سومریوں سے نکل کر سمّہ قوم کے ہاتھ میں آ گئی۔(فرشتہ کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ) اس سے خیال ہوتا ہے کہ سومری صحیح طور پر سُنّی مسلمان نہ تھے۔سمہ خاندان سے سلطان فیروز شاہ تغلق کی چپقلش ہوئی۔شروع میں تو بادشاہ کو کامیابی نہ ہوئی۔اور اُسے گجرات ناکام واپس جانا پڑا۔لیکن اگلے سال وہ زیادہ افواج کے ساتھ حملہ آور ہوا''۔(آبِ کوثر صفحہ 291-290)

یہ بھی شیعہ اقوام اور ریاستیں تھیں۔جن پر تغلقی مظالم ہوئے لیکن شیعوں نے رفتہ رفتہ تغلقی حکومت و مذہب کا جو حال بنا کر چھوڑا اس کا مرثیہ سنئے !:۔

(16) <u>مخالف محاذ پر محمد اسلم صاحب کا مرثیہ</u>

''۔فیروز تغلق کی وفات سے لے کر اکبر کی تخت نشینی تک اندازاً ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں سوائے سکندر لودھی کے اٹھائیس سالہ دورِ حکومت کے ہندوستان میں کوئی مستحکم حکومت قائم نہ ہوسکی۔150 سال کا یہ دور مسلمانوں کی اخلاقی پستی، روحانی تنزل، بے حسی، بے عمل زندگی اور بے راہ روی کا دور ثابت ہوا''۔

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ.......................... (دین الٰہی اور اس کا پس منظر صفحہ 25)

۔''جو عالم پیدا ہوئے وہ علومِ شریعت کے بجائے ہندوؤں کے علوم کی طرف زیادہ مائل رہے۔اخلاقی انحطاط اور روحانی تنزل کے اس دَور میں وحدت الوجود کا نظریہ خانقاہوں سے نکل کر کوچہ و بازار میں پھیل گیا۔اور یہی چیز بقول اقبال مسلمانوں کے لئے (سنیوں کے لئے) سمّ قاتل ثابت ہوئی۔اس نظریے کے عام ہوتے ہی مسلمانوں میں بے راہ روی بے عمل زندگی اور بے حسی کا آغاز ہوا اور یہی چیز اُنہیں قصرِ ذلت کی طرف لے گئی''۔(صفحہ 25 دین الٰہی کا پس منظر)

(17) تصوف کا مجذوب شعبہ مخالف محاذ پر حملہ کرتا ہے

قارئین کرام نے تصوف کے عقلا وحکما اعلی اللہ مقامھم کے کارنامے بڑی تفصیل سے پڑھے تھے۔اب ذرا اُن کے مجذوبوں کی یلغار پر چند شکوے بھی سُن لیں اور یہ دیکھیں کہ مجتہد اور اُن کا نظام، شعبۂ تصوف کے تہی دست وتہی دامان، بلاجیب وگریبان، بھوکے، ننگے مجذوبوں کے سامنے کس قدر بے چارہ ثابت ہوتا ہے۔

۔''وحدت الوجود کے نظریے کے عام ہوتے ہی جہاں ملک کے کئی گوشوں سے انا الحق کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔ وہیں بعض صوفیوں کو ہر حجر وشجر میں ذاتِ حق کا جلوہ نظر آنے لگا۔اس دور میں صحو وتمکین کی جگہ سکر ومستی نے لے لی۔ ہر چھوٹے بڑے شہر اور قصبے میں ننگ دھڑنگ مجذوب نظر آنے لگے۔ماہرین عمرانیات کا خیال ہے کہ کسی معاشرہ میں مجاذیب کی بھرمار اس کے غیر صحت مند ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔(بالکل صحیح یہ مجذوب اس کو صحت مند بناتے ہیں)''۔

(صفحہ 26-25 دین الٰہی کا پس منظر)

(18) مجذوبوں کی مذمت کرنے والا بکارِ خویش ہوشیار دیوانہ ہے

قارئین کرام اس کتاب کے اوراق میں مولف نے مجذوبوں کی جس شدت اور تعصب کے ساتھ مذمت کی ہے۔اس کی صحیح قدر وقیمت جاننے کے لئے یہ سمجھ لیں کہ یا تو جناب الشیخ محدث دہلوی علم ومرتبہ اور عقائد میں صحیح اہلسنت والجماعت ہیں۔یا یہ محمد اسلم صاحب فاضل جامعات پنجاب اوستاد شعبہ تاریخ صحیح قسم کے سنی المذہب ہیں۔اس لئے کہ محدث علیہ الرحمۃ نے تو اُن تمام مجاذیب کی مدح وثنا کی ہے۔اور صوفیا ومجاذیب کی قدر ومنزلت بیان کرنے میں اپنی کتاب اخبار الاخیار میں پانچ سو بتیس صفحات لکھے ہیں۔بہرحال فاضل مولف نے مذہبی جنون میں مجذوب کی بات کو اصولاً تسلیم کر کے اپنے باطل مذھب پر خود ہی حکم لگا دیا ہے۔یعنی اُس مجذوب کی بات کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔جو مولف کے مفید مطلب بات کرے۔ سنئے!:۔

۔''شمس سراج عفیف کی روایت ہے کہ ایک روز سلطان فیروز تغلق کے محل کے قریب ایک مجذوب الحال درویش جمنا کے کنارے وضو کر رہا تھا۔جب وہ وضو سے فارغ ہوا۔تو اُس نے شاہی محل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔''تو جانتا ہے کہ اس محل کے اندر کون ہے؟ پھر اُس نے خود ہی کہا کہ اس محل میں جو شخص مقیم ہے۔اُس نے دنیا بھر کے فتنے اپنے پاؤں تلے دبا رکھے ہیں۔جس دن وہ اس جہاں سے اُٹھ جائے گا۔اُس دن دُنیا والوں کو اُس کی قدر معلوم ہوگی۔اُس درویش کا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔اور سلطان فیروز تغلق کے انتقال کے بعد مرکزی حکومت کو کبھی استحکام نصیب نہ ہوا۔دس سال کے عرصے میں سات بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے''۔(صفحہ 23 دین الٰہی کا پس منظر)

یہ مثال اور دلیل ایسی ہے کہ جیسے کسی نے کہا تھا کہ چونکہ چاول سفید ہوتے ہیں۔اس لئے زمین یقیناً گول ہے۔اسلم

صاحب کو یہ بتانا پڑتا ہے کہ مجذوب کی بات یا پیشینگوئی اگر صحیح نکلتی ہے تو مجذوبوں کا نظام یقیناً روشن ضمیری فراہم کرتا ہے۔ پھر یہ سوال ہے کہ وہ فتنے جو فیروز تغلق کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ کیا وہ فیروز کے دفن ہوجانے کے بعد آنے والے زمانے میں مجذوب بن گئے تھے۔ اگر نہیں۔؟ تو آپ نے کیا کہنا چاہا ہے؟ کیا فیروز کے جانشین لوگ فتنہ تھے؟ کیا کسی حکومت کا مستحکم اور منظّم رہنا فتنوں کے دبے رہنے کی پہچان ہے؟ تو پھر بہت سے کفار بادشاہوں کے نظم ونسق کی بابت کیا فرمایئے گا۔؟ ہم تو مجذوب کی بات سے یہ سمجھے کہ تمام آنیوالے فتنوں اور مصائب و آلام کا ذخیرہ خود فیروز تغلق تھا۔ جب موت نے اُسے بکھیر دیا تو ساری مملکت پر چاروں طرف سے اُن لوگوں نے یلغار کردی۔ جن کو ڈنڈے سے دبا رکھا تھا۔ لوگوں کا ضمیر آزاد ہوگیا۔ لوگ جس بات کو صحیح سمجھتے تھے اُس کو آزادانہ کہنے اور کرنے لگے اور خصوصاً مُلّا ازم تباہ ہوگیا۔ اُستادانِ مذہب وتاریخ کی اُستادیاں اور چالاکیاں سامنے آگئیں اور اُستاد لوگ مجبوراً گھروں میں بیٹھ گئے۔ اور بد مذہبی پر تصنیف وتالیف کا کام شروع کردیا۔

56۔ ہندوستان میں مجتہدانہ ذہنیت

جس قسم کی ذہنیت سے سابقہ عنوان میں گفتگو ہورہی تھی۔ وہ چاہتی ہے کہ دنیا میں ہر شخص مجتہد کی کھوپڑی سے سوچا کرے اور مجتہد کی آنکھوں سے دیکھا کرے۔ یعنی خیر سے جب تک مجتہد موجود ہو نہ کسی کھوپڑی میں دماغ کی ضرورت ہے نہ کسی چہرے پر آنکھوں کی احتیاج ہے۔ ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ مجتہد کی تقلید کا پٹہ (قلادہ) گلے میں ڈالے اُس رَسّی کو مضبوطی سے پکڑ لے جو مجتہد کے مقدس ہاتھوں میں اُس کے گلے یا گردن میں باندھی گئی ہے۔ اور اُس رَسّی کے سہارے بلا دُغدغہ سفر حیات شروع کرے اور وہاں پہنچ جائے جہاں مجتہد کی رَسّی کا دوسرا سرا بندھا ہوا ہے۔ وہی منزل مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ وہیں بلانا چاہتا تھا۔ یہی رَسّی حبل اللہ ہے۔ یہ مجتہد جانشین رسولؐ اللہ ہے۔ اُس کا حکم اور اُس پٹاری کا سارا سامان حقیقی مذہب ہے۔ یہ ذہنیت عرب میں پٹی، مصر میں مٹی۔ عراق وایران اور دیگر ممالک میں اُس کے جنازے اور جلوس نکلے۔ ہندوستان میں اُس نے ہر ممکن ذلت ورسوائی کا سامنا کیا۔ رَسّی جل گئی لیکن اُس کے بل نہ نکلے۔

(الف) مجتہد کو آزادیٔ خیال وعمل پسند نہیں ہے

مسلمانوں میں از اوّل تا ایں دم جتنے ظالم وجابر حاکم گذرے وہ سب مجتہدین کو صرف اس لئے پسند ہیں کہ انہوں نے اپنے سوا باقی مذاہب کے لوگوں کو دبا کر رکھا۔ تمام مذاہب کے دانشوروں کی آزادی خیال وعمل کا گلا گھونٹا۔ اور جس نے ذرا سی خلاف ورزی کی یا مخالفت کا ارادہ کیا۔ اُسے اپنے مذبح خانے میں اپنے مذہب کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اس طرح احیائے مذہب کے سلسلے میں قید وبند، قتل وغارت اور لوٹ مار کا نام خدمت دین رکھا۔ ایسے حاکموں کو مجتہدین نے دین کو زندہ کرنے

والے،سنت کو برقرار رکھنے والے، غازی اور مجاہد قرار دیا۔اور جس عالم نے اس معاملہ میں قتل وغارت کے فتوے دیئے اُسے بھی محی الدین، محی السنّت اور مجدد وفخر ملت کے القاب عطا کئے ۔اُن کو اکبر بادشاہ کی آزادیٔ خیال بہت ناپسند رہی ہے ۔ہم اب اُسی کا تذکرہ کرنے والے ہیں۔ وہ معاویہؓ جس نے یزید کا جانشین بننے سے انکار کیا آخر محل کی چار دیواری میں موت کی نیند سلا دیا گیا۔وہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جنھوں نے آل علی اور علی علیہم السلام پر لعنت وتبرا بند کرایا، فدک واپس کیا آخر قتل کر دیئے گئے ۔جوان عمر دنیا سے رخصت کر دیئے گئے ۔چونکہ اکبر بادشاہ نے پوری رعایا کو آزادیٔ مذہب، آزادی اظہار خیال واعمال دے دی تھی ۔ ہندو بھی آزاد تھے، مسلمان بھی ۔عیسائی بھی مختار تھے، یہودی بھی ۔فقیر بھی آزاد تھا، سرمایہ دار بھی یہ نتیجہ بڑی قربانیوں کے بعد نکلا تھا۔تحریک تشیع نے ہندوستان میں اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے اور مجتہدین کی قوت کو توڑنے کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں ۔اور مخالف محاذ کی حکومتوں اور جابر وظالم حاکموں کے ہمہ قسمی مظالم برداشت کئے تھے۔اگر وہ فضا قائم رہتی جو اکبر کے زمانہ تک بڑی جان فشانی سے پیدا کی تھی تو مجتہد کا مذہب ایک فسانہ پارینہ بن کر رہ گیا ہوتا۔مگر ہائے افسوس! کہ جس طرح شیعہ مجتہدین نے عرب میں مخالف محاذ کے بادشاہوں سے تعاون کرکے مذہب شیعہ اثنا عشریہ کی تمام تحریکوں کو نقصان پہنچایا۔ بالکل اسی طرح اکبر کے زمانہ میں بھی مجتہد ذہنیت نے مخالف مجتہدین سے گٹھ جوڑ کر لیا اور چند ہی روز میں پھر بادِ مخالف چلنے لگی، اجتہاد کا چکر چلنے لگا نفرت وتعصب کا لاوا بہنے لگا۔

(ب) <u>مجتہد کا پسندیدہ اکبر</u>

(1)''۔اکبر کی ابتدائی مذہبی حالت۔''

۔''اکبر <u>1543</u> عیسوی میں پیدا ہوا۔اور تیرہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔اُس کے بعد اٹھارہ بیس برس تک (یعنی 1563ء تک) اُس کا یہ حال تھا۔کہ جس طرح سیدھے سادے خوش اعتقاد اور پابند مذہب تُرک کرتے ہیں ۔اُسی طرح ارکان مذہب کی وہ بھی دل وجان سے بجا آوری کرتا۔اُس نے باپ کی صحرانوردی کے زمانہ میں سرد وگرم چکھا تھا۔اور طبیعت میں سوز وگداز اور روحانی رنگ پیدا ہو گیا تھا۔جب بارہ برس کی مایوسی اور سرگردانی کے بعد پھر تاج وتخت نصیب ہوا۔تو گردن خود بخود رب کارساز کے سامنے سجدہ شکر میں جھک جاتی ۔شاہان سُور نے علما (مجتہدین) کو بڑا زور واقتدار دے رکھا تھا۔اُس میں ملکی مصلحتیں بھی تھیں ۔اور طبیعت کا لگاؤ بھی ۔اکبر نے یہ سلسلہ اور وسیع کر دیا (یعنی مجتہدین کو زیادہ اختیار دے دیا) جابجا قاضی ومفتی مقرر کئے ۔مخدوم الملک شیخ الاسلام (سونے کی اینٹیں دفن کرنے والے) کی قدر ومنزلت بڑھا دی اور صدر الصدور (عبدالنبی) کو وہ اختیار دیئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ ملے تھے ۔مخدوم الملک (عبداللہ سلطان پوری سونے والے) تو امور ملکی میں اس کے مشیر اور رکن سلطنت تھے ۔صدر الصدور شیخ عبدالنبی کا بھی وہ دل وجان سے معتقد تھا۔کبھی کبھی حدیث سننے اُن کے

گھر جاتا۔ ایک دفعہ جوتے اُٹھا کر اُن کے سامنے رکھے۔ شہزادہ سلیم کو اُن کی شاگردی میں داخل کیا۔ تا کہ جامی کی چہل حدیث اُن سے پڑھے۔ صدر الصدور شیخ عبدالقدوس گنگوہی (جن کی محمد اسلم کے اوستاد نے خوب مذمت کی ہے) کے پوتے تھے۔ اور تقویٰ اور پرہیزگاری میں فرد تھے۔ اُن کی تلقین و تعلیم اور فیض صحبت سے یہ حال ہوا کہ نماز با جماعت کی پابندی تو ایک طرف اکبر خود اذان دیتا۔ امامت کرتا۔ اور مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا۔ اکبر کا جو اپنا رنگِ طبیعت تھا۔ وہ خانگی اثرات سے اور گہرا ہو گیا۔ ایک دفعہ اس کا عالم شباب تھا۔ جشن سالگرہ کی تقریب پر لباس زعفرانی پہن کر محل سرا سے باہر آیا۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبی نے سر دربار ٹوکا اور اس شدت کے ساتھ کہ عصا کا سرا بادشاہ کو جا لگا۔ اکبر چپ ہو رہا۔ لیکن اندر جا کر ماں سے شکایت کی۔ ماں نے کہا کہ بیٹا یہ رنج کا مقام نہیں۔ باعثِ نجات ہے۔ کتابوں میں لکھا جائے گا۔ کہ ایک بوڑھے عالم نے اتنے بڑے بادشاہ کو عصا مارا اور وہ فقط شرع کے ادب سے صبر کر کے برداشت کر گیا۔'' (صفحہ 88-87 رود کوثر)

(2) مجتہدین کی اطاعت میں شیعوں کا قتل کرنے والا اکبر

یہ وہی اکبر ہے جس کے باپ کو در بدر مارا مارا پھرنے کے بجائے ہندوستان کی حکومت شیعوں نے دلائی۔ یہ وہی اکبر ہے۔ جس کا اتالیق ایران کا ایک شیعہ سپہ سالار بیرم خان تھا۔ جس نے اپنے حسن انتظام سے اکبر کی حکومت کو مستحکم اور پورے ہندوستان میں پھیلایا۔ اُس اکبر نے مجتہد ذہنیت کے زیر اثر خود اپنے اوستاد کو معزول کیا اور شیعہ علماء کو قتل کرایا۔ سنئے !:۔

۔'' اکبر علما و مشائخ (مشائخ غلط ہے) کی صحبت میں رہ کر اپنی ابتدائی دورِ حکومت میں ایک راسخ العقیدہ مسلمان بن گیا تھا۔ اِن ایّام میں مذہبی رواداری کا تو ذکر ہی کیا۔ اُس کا مذہبی تعصب اس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ کہ جب 977ھ میں مرزا مقیم اصفہانی حسین شاہ چک والی کشمیر کے سفیر میر یعقوب بن بابا علی کو لے کر اس کے دربار میں حاضر ہوا۔ تو اکبر نے علما سے فتویٰ لے کر اُن کو شیعہ ہونے کے جرم میں قتل کروا دیا۔ مشہور شیعی عالم میر مرتضیٰ شریفی شیرازی کا 974ھ میں انتقال ہوا۔ تو اُن کے معتقدین نے اُنہیں امیر خسرو کے پہلو میں دفن کر دیا۔ سُنّیوں کو اس بات کا بے حد رنج ہوا۔ اور اُن کی طرف سے صدر و قاضی و شیخ الاسلام بعرض رسانیدند کہ میر خسرو ہندی است و سُنّی اور میر مرتضیٰ عراقیست و رافضی۔ درا ینکہ میر خسرو از صحبتش متاذی خواہد بود ہیچ شکے نیست۔ ؎ روح را صحبتِ ناجنس عذابے است الیم''۔ (ترجمہ ہم کردیں)

''۔ جناب صدر اور قاضی جو شیخ الاسلام بھی تھے۔ بادشاہ کے حضور عرض کیا کہ جناب عالی میر خسرو ہندوستانی اور مذہب اہلسنت رکھتا ہے۔ اسکے خلاف میر مرتضیٰ نہ صرف عراق کا باشندہ ہے بلکہ رافضی (شیعہ) بھی ہے۔ لہٰذا جناب میر خسرو کا اس رافضی کی صحبت سے ایذا و تکلیف پانا بلا شک و شبہ لازم ہے۔ ناجنس کی صحبت روح کیلئے عذاب الیم ہوتا ہے۔'' (احسن)

''۔ اکبر نے اُنکی درخواست قبول کرتے ہوئے حکم دیا کہ میر مرتضیٰ کے جسد (جسم) کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کیا جائے۔''

(3) شیعوں کے قتل کرنے اور مردے اکھڑوانے والے اکبر کے مجتہدین کی دست درازی

اس قسم کی حکومت اور بادشاہوں یا خلفا کو مجتہدین اس لئے پسند کرتے تھے کہ یہ حکومت دراصل خود ہی مجتہدین کی اپنی حکومت ہوا کرتی تھی۔ اور وہ اپنی حکومت میں تمام دیگر مذاہب اور خصوصاً شیعہ مذہب پر نہایت آسانی سے مظالم کر سکتے تھے۔ چنانچہ محمد اسلم صاحب مندرجہ بالا بیان کے ساتھ مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

''۔اکبر کے مصاحب علما بھی اُسی کی طرح متعصب سُنّی واقع ہوئے تھے۔ مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوری (سونے کی اینٹوں والے) مہدویوں کو دُرّے لگوا کر مروادیا کرتے تھے۔ اکبر کے صدرالصدور شیخ عبدالنبی بھی شیعوں کے معاملہ میں بڑے متعصب واقع ہوئے تھے۔ اُنہوں نے میر حبش کو رفض (شیعیت) اور خضر خان شروانی کو سبّ (گالی) نبیؐ کے (الزام وتہمت) جُرم میں مرواڈالا تھا۔'' (دونو حوالے صفحہ 31-30 دین الٰہی کا پس منظر)

اور سنئے وہی ظالم اب راسخ العقیدہ بزرگ بن گیا۔

''۔مخدوم الملک (وہی عبداللہ) بڑے راسخ العقیدہ بزرگ تھے۔ اور شیخ الاسلام کی حیثیت سے وہ ہمیشہ رفع بدعت اور ترویج شریعت (یعنی خودساختہ مذہب) کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ جس کسی کے متعلق یہ سنتے کہ وہ (خودساختہ) شریعت کا احترام نہیں کرتا۔ یا وہ کسی دوسرے فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ تو اُسے فوراً (گرفتار کرا کے) جواب طلبی کے لئے بلا لیتے۔ بڑے بڑے ذیشان مشائخ (صوفیائے کرام) بھی اُن کے احتساب سے نہ بچ سکتے تھے۔'' (صفحہ 41-40 دین الٰہی کا پس منظر)

(4) مجتہدین کا گجرات وکاٹھیاواڑ میں مظالم نہ کرسکنا

جو حال دارالخلافہ میں تھا۔ اسی طرح کی پکڑ دھکڑ اور جبر وظلم پورے ملک میں جاری تھا۔ اور جبراً لوگوں کو سُنّی بننے اور اور رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ورنہ دارالخلافہ سے مدد طلب کی جاتی تھی۔ ملاحظہ ہو:۔

''۔شیخ طاہر بوھرہ پٹنی اس عہد کے بڑے نامور محدث (یعنی مجتہد) تھے۔ اور مخدوم الملک کی طرح وہ بھی رفع بدعت اور ترویج شریعت کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ جب اُن کی قوم نے مہدوی فرقے کے عقاید اپنا لئے تو شیخ طاہر نے اپنے سر سے دستار (پگڑی) اتاردی۔ اور یہ عہد کیا کہ جب تک وہ اُن کو (زبردستی) راہِ راست پر نہیں لے آتے اس وقت تک وہ اپنے سر پر دستار نہیں باندھیں گے۔ جب 980ھ میں اکبر نے گجرات فتح کیا تو اُن کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ اُس موقعہ پر اکبر نے کہا'' ۔نصرت دین متین برونق ارادۂ شما برذمہ معدلتِ من لازم است۔'' (دین متین کی نصرت کرنا اور آپ کے ارادوں کو پورا کرنا میری انصاف پسندی پر لازم ہے) یہ کہا اور اُن کے سر پر اپنے ہاتھوں سے دستار باندھی۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے۔ کہ اکبر نصرتِ دین متین اور رفع بدعت کو (یعنی تمام دیگر مذاہب کو مٹا کر مُلّاازم جاری کرنا) حاکمِ وقت کا فریضہ سمجھتا تھا۔ یہی وجہ

تھی کہ اس نے شیخ طاہر سے یہ کہہ دیا تھا کہ آپ بلاوجہ غمگین نہ ہوں۔دین کا غم کھانے کے لئے میں موجود ہوں............سید محمد میر عدل کا بھی اکبر پر کافی اثر تھا۔عبدالقادر بدایونی رقمطراز ہے کہ وہ اپنے فرائض (مخالفوں کو کچلنے) میں بادشاہ اکبر کی بھی پرواہ نہ کرتا تھا۔اس کے احتساب (جبری مواخذہ) سے عوام تو عوام خود اکبر بھی ہراساں رہتا تھا۔ایک باراُس کی موجودگی میں جب حاجی ابراہیم سرہندی نے یہ فتویٰ دیا کہ مردوں کو سرخ رنگ کا لباس پہننا جائز ہے۔تو میر عدل نے بادشاہ کے حضور میں حاجی کو برا بھلا کہا۔اور عصا لے کر اُسے مارنے پر آمادہ ہوگیا۔‘‘(42-41 دین الٰہی کا پس منظر)

(5) الغرض اکبر بادشاہ پکا اہلسنت بن گیا تھا

’’۔اکبر علماومشائخ (مشائخ غلط) کا اس قدر قدردان تھا کہ ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔کہ علما نے کسی کی سفارش کی اور وہ اُس نے رد کردی ہو۔وہ اُن کی سفارش کو ہمیشہ شرفِ قبولیت بخشتا تھا۔‘‘ ذرا آگے چل کر لکھتا ہے کہ:۔

’’۔اُن علماومشائخ (مشائخ غلط) کی صحبت میں رہتے ہوئے اکبر صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوگیا تھا۔شیخ عبدالنبی کی ترغیب وصحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔شاہ نوار خان رقمطراز ہے علما کی ترغیب سے اکبر بادشاہ احکام شریعت کی ترویج، امر معروف اور نہی عن المنکر کے لئے بڑی کوشش کرتا تھا۔وہ خود اذان دیتا اور امامت کرتا تھا۔ثواب کی نیت سے وہ مسجد میں جھاڑو بھی دیا کرتا تھا۔نماز باجماعت کا وہ اتنا اہتمام کرتا تھا۔کہ اُس نے ہفتے کے سات دنوں کے لئے سات امام مقرر کر رکھے تھے۔جو باری باری اُسے مقررہ دن نماز پڑھاتے تھے۔عبدالقادر بدایونی (مورخ تاریخ منتخب التواریخ) لکھتا ہے کہ بدھ کے روز امامت کے فرائض اس سے متعلق تھے۔بادشاہ ہر سال ایک امیر حاج مقرر کرکے یہ اعلان کرتا کہ جو شخص اُس کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہے۔اُس کے اخراجات سرکار کی طرف سے ادا کئے جائیں گے۔اس کے علاوہ ہر سال وہ امیر حاج کے ہاتھ شریف مکہ کے لئے گرانقدر تحائف اور اہل حرم کے لئے نقد وجنس روانہ کیا کرتا تھا۔قافلہ حجاج کی روانگی کا منظر قابل دید ہوا کرتا تھا۔بدایونی رقم طراز ہے۔کہ اس دن بادشاہ حاجیوں کی طرح احرام باندھ کر (یعنی ایک چادر ٹانگوں میں باندھ کر اور دوسری چادر اوڑھ کر) سر کے بال قصر (چھوٹے) کرواتا اور تکبیر کہتا ہوا سروپا برہنہ اُنہیں رخصت کرنے دُور تک اُن کے ہمراہ جایا کرتا تھا۔‘‘(صفحہ 44-43 دین الٰہی کا پس منظر)

(6) آخر مجتہدین کے مذہب اور اُن کی جہالت کا پردہ کھولنا ضروری ہوگیا

قارئین کرام غور فرمائیں کہ اکبر ایک قطعی اَن پڑھ شخص تھا۔مگر اپنی وفاشعارانہ طبیعت کے ماتحت اُسے یقین ہوگیا تھا کہ وہ جس نام نہاد واجتہادی مذہب پر گامزن ہے وہ اللہ ورسول کا دین ہے۔اور وہ علمائے مجتہدین حقیقی اسلام کے راہنما ہیں۔ اُس نے نہایت عقیدتمندی سے مجتہدین کا احترام اور اُن کے احکام کی اطاعت کی۔اور ہر وہ کام کیا جو مجتہد اُس سے یا کسی

اور سے جا ہتا تھا۔یعنی اُس نے مجتہد کے پورے دین کا ہر گوشہ عملاً دیکھا، نمازیں اُن کے ساتھ پڑھیں، روزے رکھے، جس کو بدعتی یا شیعہ کہا گیا اُسے بے دریغ قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور قاضی شہر کی طرح سارے جہاں کا درد اپنے دل میں بھر لیا۔ عملی زندگی اختیار کرنے کی بنا پر مذکورہ بالا علماء کو نزدیک سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ کبھی کبھی مجتہدین کے گھروں کے اندر بھی جانا ہوا۔ اُن کے جوتے سیدھا کرنا بھی فخر سمجھا۔ یوں علماء کا مزاج، رہن سہن اور طریقہ اور گھریلو زندگی کے ٹھاٹ باٹ بھی قریب سے دیکھے جو حقیقتاً اچھی بات نہ تھی۔ خود بادشاہ تھا اس لئے وہ رئیسانہ وعیاشانہ مولویانہ زندگی زیادہ گراں نہ گذر سکتی تھی۔ یہ بھی سوچنا پڑتا تھا کہ میں تو خود ہی سرکاری کاریگروں سے بنوا کر دوشالے بھیجتا رہتا ہوں اُن کو نہ اوڑھیں تو کیا کریں۔ شہنشاہی خلعت نہ پہنیں تو کیا اُسے فروخت کر دیں۔؟ بہرحال اکبر کے ذہن میں جو چیز سب سے پہلے جاگزین ہونا چاہئے وہ اُن مجتہدین کی اختیاری یا جبری عیاشانہ وشاہانہ زندگی تھی۔ جو بھی ہوا اکبر کی حالت ایسی تھی کہ کوئی شیعہ نام کا عالم یا مجتہد تو اس کی صحبت میں رہ نہ سکتا تھا۔ یہ وہ صورت حال تھی کہ اکبر کو اس قابل بنانا کہ وہ مذکورہ بالا علمائے مجتہدین اور اُن کے مذہب کے خلاف کوئی بات سن لے ناممکن تھا۔ جو بادشاہ صرف شیعہ ہونے کے جرم میں قتل کرا دے، دفن شدہ مردے قبر سے نکلوا کر پھینکوا دے، وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ اور اُس کے مصاحب متعصب مجتہدین کیسے اجازت دے سکتے ہیں کہ کوئی شیعہ عالم اس کے پاس بیٹھے اور اُس کے خود ساختہ مذہب اور دین باختہ علمائے مجتہدین کے خلاف بات کرے۔ اور پھر اپنی بات منوائے۔؟ اگر ہماری یہ سطور کسی شیعہ مجتہد کی نظر سے گذریں تو وہ سوچے اور کم از کم اپنے کمرہ کی دیواروں کو بتا دے کہ کیا وہ اس حال میں اکبر کے پاس جاتا۔؟ اور جاتا تو کیا کہتا۔؟ یقیناً اُس کا سر اُس کے تصور میں پھر جائیگا۔ وہ تصور ہی تصور میں دیکھے گا کہ اُس کے سر سے فٹ بال کا کام لیا جا رہا ہے۔ چند روز میں اُسی اکبر کے دربار میں علمائے شیعہ کا ہجوم نظر آئے گا۔ اور علمائے شیعہ کے سوا اُس دربار میں کسی سُنّی مجتہد کا احترام نہ ہوگا۔ کسی شخص کو یعنی خود اکبر کے پیش نمازوں کو۔ صدرالصدور جناب عبدالنبی دام اقبالہ کو۔ جناب مخدوم الملک شیخ الاسلام مُلّا عبداللہ سلطان پوری کو بھی دربار میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ رہے گی۔ اور صرف ایک شیعہ عالم ایسا ہوگا جو خود برسر دربار حقیقی نماز اور نماز کے بعد زیارات اور زیارات میں وہ سب کچھ پڑھے۔ جس سے مخالف مجتہدین کے دلوں پر سانپ لوٹ جاتے ہیں۔ راتوں کی نیندیں اچاٹ ہو جاتی ہیں۔ اسی دربار میں کہا جائے گا کہ یہ کس نائی، کون سے دھوبی اور کس موچی اور کس جولاہے کے بیان کو ہمارے روبرو بطور دلیل پیش کر رہے ہو۔ قارئین وناظرین وسامعین اور دانشوران قوم سوچیں کہ وہ کون سا جادو تھا۔؟ وہ کون سا جادوگر تھا۔؟ وہ کیا ذریعہ تھا جس سے اکبر بادشاہ کی کایا پلٹ ہوگئی۔

(7) <u>اکبر پر تحریکِ تشیع کا چھومنتر</u>

پچھلے عنوان پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ حیرانی اس لئے ہوئی یا ہوگی کہ قارئین یہ بھول گئے تھے کہ تحریک

تشیع کے پاس نہ صرف تصوّف کا شعبہ ہے بلکہ تقیہ بھی ہے۔ اس تحریک سے بچ کر نکل جانا انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ اکبر ہو یا کوئی اور ہو اس تحریک کے سامنے ٹھہرنا۔ اُس کے انسانی ضمیر اور اپیل کرنے والے عملی دلائل کی تردید کرنا کسی باضمیر انسان سے ممکن نہیں ہے۔ اُن کی بات ایک دفعہ کوئی سُن لے تو دین کا فدائی بن جاتا ہے۔ اُن کی دکھائی ہوئی حقیقت سامنے آ جائے تو جذب طاری ہو جاتا ہے۔ لوگ دُنیا کو ٹھکرا کر چل دیتے ہیں اُن ہی کو مجذوب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اکبر ہو یا اکبر کا باپ ہو، اکبر کی والدہ ہو یا اکبر کا دادا ہو، یہ سب تصوف کے دروازے پر جبہ سائی کرنے والے لوگ تھے۔ بادشاہت جس در سے ملی تھی یہ اُس درگاہ کو کیسے بھلا سکتے تھے۔ مصیبت یہ ہوگئی تھی کہ اکبر نے مندرجہ بالا مجتہدین کو اُسی درگاہ کے علماء سمجھ لیا تھا۔ اُسی درگاہ کا احترام تھا کہ وہ اُن دین فروش لوگوں کو علمائے اسلام سمجھ کر اُن کے جوتے اُٹھاتا تھا۔ اُن کا ڈنڈا مارنا اجر و ثواب سمجھتا تھا۔ کوئی یہ سوچے کہ جب اکبر کو کوئی مشکل پیش آتی تھی تو وہ مخدوم الملک اور صدر الصدور سے دعا مانگنے کی درخواست کیوں نہ کرتا تھا۔ کیوں صوفیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوتا تھا۔ لاشعوری طور پر اُسے معلوم تھا کہ مندرجہ بالا علمائے مجتہدین کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ حل مشکلات میں کام آئیں۔ اُن کا کام صرف بدعت کو مٹانا یعنی شیعوں کو قتل کرانا ہوتا ہے۔ ضرورت صرف اتنی سی تھی کہ کوئی صوفی چپکے سے اکبر کے کان میں کہہ دے کہ اُن علمائے سُوء سے بچ کر رہو۔ اور اُن کے احکام کو ذرا عقل سلیم سے جانچ لیا کرو۔ شیعوں سے نہ سہی کم از کم شیعوں کو قتل کرانے کے حکم پر دوسرے سُنّی علماء کی رائے بھی معلوم کر لیا کرو۔ کوئی آیت یا حدیث بھی مجتہد کے حکم پر طلب کر لیا کرو تا کہ تم پر ذمہ داری نہ رہے اور حق و باطل واضح ہو جائے۔

(8) اکبر کے دل میں دبی ہوئی عقیدتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اُبھری

اکبر کے اباواجداد کے اعمال وافکار میں اہلبیتؑ رسولؐ کی عظمت وعقیدت تاریخی ہے۔ اکبر کے دادا ظہیر الدین بابر درگاہِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی برکت سے پیدا ہوئے تھے۔ نام بھی ایک صوفی نے رکھا تھا۔ باپ کے ساتھ اُس درگاہ کا سلوک ناقابل فراموش تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اکبر ہر مشکل میں اُسی طرف رجوع کرتا تھا اور ان علمائے سُوء کو بُھول جاتا تھا۔ چنانچہ جب خان زمان نے اکبر کے خلاف بغاوت کر دی تو اکبر کے دنیاوی وسائل وافواج ناکافی معلوم ہوئے۔ لہٰذا اپنے باپ کا طریقہ یاد آیا جس نے مشکلات میں نادِ علیؑ کو وِرد رکھنے کا اعلان بادشاہ ایران کے سامنے کیا تھا۔ ؎

ہستیم ز جان بندۂ اولادِ علیؑ	میں ہمیشہ دل وجان سے اولادِ علیؑ کا بندہ رہا ہوں
ہستیم ہمیشہ شاد بایادِ علیؑ	میں ہمیشہ علیؑ کی یاد کے نتیجے میں خوش و خرم رہا ہوں
چوں سرِّ ولایت زعلیؑ ظاہر شد	چونکہ ولایت کے راز و رموز علیؑ سے ظاہر ہوتے ہیں
کردیم ہمیشہ وردِ خود نادِ علیؑ	اس لئے میں نے نادِ علیؑ والی دُعا کو ہمیشہ وردِ زبان رکھا اور کامیاب ہوتا رہا (رود کوثر۔ صفحہ 34-33)

ہمارے تمام قارئین شاید نادِعلیؑ والی دُعا سے واقف نہ ہوں۔اسلئے لازم ہے کہ ہم یہاں وہ نسخہ لکھ دیں۔جس کا ذکر ہمایوں نے اپنی رباعی میں کیا ہے۔اور جسکی وجہ سے جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلموں میں بھی مشکل کشا کہلاتے ہیں۔اور جس کی طاقت سے تحریک تشیع کا ہر فرد مشکل کو کبھی مشکل نہیں سمجھا اور جہاں تمام دنیاوی وسائل ناکام ہوتے نظر آئے تو یہ دُعا پڑھنا شروع کی۔جسے دشمن بھی بنی ہاشمؑ کا جادو کہنے پر مجبور ہوتے رہے۔اور جو سر چڑھ کر بولتا رہا۔

(9) دعائے نادِعلیؑ

جنگ خیبر میں جب مسلمانوں کے تمام بہادر و سرفروش ناکام ہوگئے۔نامور سردارانِ لشکر مرحب وعنتر کے سامنے نہ ٹھہر سکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بتایا کہ علیؑ کو بلانے کے لئے یہ دعا پڑھ دیں۔وہ مدینہ سے آ کر یہودیوں کو شکست دیں گے اور قلع خیبر فتح ہوجائے گا۔

(1) نَادِ عَلِیًّا مَّظْهَرَ الْعَجَائِبْ	1۔ علیؑ کو پکارو کہ وہ عجیب عجیب چیزوں کا ظاہر کرنے والا ہے
(2) تَجِدْهُ عَوْناً لَّکَ فِی النَّوائِبْ	2۔ تُو اُسے ہر مصیبت میں اپنا مددگار پائے گا
(3) کُلُّ هَمٍّ وَّ غَمٍّ سَیَنْجَلِیْ	3۔ ہر قسم کا غم اور اندیشہ فوراً دُور ہوجائے گا
(4) بِنُبُوَّتِکَ یَا مُحَمَّدُ بِوِلَایَتِکَ یَاعَلِّیُ	4۔ تیری نبوت اور علیؑ کی ولایت کے صدقے سے دعا کرنے میں۔

اُمید ہے جن قارئین نے آزمایا نہ ہو۔وہ مشکلات میں اس دُعا کو پڑھیں اور ہمایوں کی طرح اپنی مشکلات کا حل ہوجانا دیکھ لیں۔

(10) جنابِ علیؑ مرتضٰی کے لئے صوفیا کو وسیلہ بنایا گیا

خانِ زمان کے مقابلہ میں کامیابی کے لئے صوفیائے کرام سے رجوع کرنے پر محمد اسلم نے لکھا ہے کہ:۔

۔''خانِ زمان کی طاقت اور حالات کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔کہ اکبر اُس کے مقابلہ پر نکلنے سے پہلے بزرگانِ دہلی کے مزارات پر دعائیں مانگتا پھرتا تھا۔''(دین الٰہی صفحہ 43)

قارئین سوچیں کہ اُن زندہ شیعہ وسُنّی مجتہدین کے مقابلہ میں تو ہماری قبریں زیادہ طاقت ور ہوتی ہیں۔اُن سے زیادہ فلاح و بہبود کی امید ہوتی ہے۔اکبر کے آباواجداد علیؑ و اولاد علیؑ کے بندوں اور غلاموں میں شمار ہوتے تھے تو اکبر کب تک اُس دروازہ سے جدا رکھا جاسکتا تھا۔وہ اَن پڑھ تھا۔بچپن جنگلوں اور مصیبتوں میں گذارا تھا۔اُسے بہکا کر مجتہد نے اپنی راہ پر ڈال لیا تو کیا کمال کیا۔؟لیکن آخر اُسے ہوش آنا تھا صحیح وغلط،حق و باطل کی تمیز ملنا تھی۔اس چیز کو مجتہدین کی قوت نہیں روک سکتی تھی۔وہ بزرگ ہستیاں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں جو اپنی قوتِ قدسیہ سے جس کو چاہتی ہیں دین اسلام کی اصل وحقیقت یعنی ولایت مرتضویہؑ کی طرف کھینچ لیتی ہیں۔اور پھر ہر باطل تعلق ٹوٹ کر رہ جاتا ہے۔جناب اکرام اللہ سے سنئے:۔

۔''سلطان الہند خواجہ اجمیری سے عقیدت پیدا ہوگئی۔اور پھر تو یہ حال ہوا کہ سال بسال اجمیر جاتا۔کوئی مہم یا خاص مراد ہو تو اس کے علاوہ بھی۔(یعنی دوران سال بھی جاتا رہتا تھا) ایک منزل سے پیادہ پا جاتا۔اور بعض منتیں، مثلاً جہانگیر کے تولد سے پہلے، تو ایسی بھی ہوئیں۔کہ فتح پور یا آگرے سے اجمیر تک پاپیادہ گیا۔وہاں ہزاروں لاکھوں روپے چڑھاوا چڑھاتا۔ اور پہروں مراقبے میں بیٹھا رہتا۔فوج کا نعرہ۔''یا ھادی یا معین۔'' تھا۔اور علامہ شیرانی کا خیال ہے۔کہ حضرت خواجہ بزرگ کو دسویں صدی ہجری سے جو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے۔اس میں اکبر کی ارادتمندی کو بہت دخل تھا۔''

(صفحہ 88 رود کوثر)

(11) جناب معین الدین چشتی نے اکبر کو بدل دیا

خواجہ معین الدین چشتی اَعلی اللہ مقامہ آپ 527ھ میں پیدا ہوئے۔خراسان میں تربیت پائی۔آغاز شباب ہی میں ایک قلندر نے خوش ہو کر آپ کو ولایت علویہؑ سے وابستہ کر کے صاحب کرامات بنا دیا۔اور اُن کی ہدایت کے مطابق ہندوستان تشریف لائے۔تاکہ اندرون ہند تحریکِ تشیع کو پھیلائیں۔اہل خلاف نے ہر بزرگ کی طرح آپ کو بھی مخالفین میں شامل کرنے کے لئے مسلسل قصے کہانیاں گھڑی ہیں۔لیکن اُن کا عقیدہ اُن کے بیانات واعلانات سے قطعاً ظاہر ہے کہ وہ اہل بیت علیہم السلام کے فدائی اور مبلّغ تھے۔آپ کی وہ رباعی زبان زد خاص وعام ہے۔جس میں آپ نے جناب امام حسین علیہ السلام کو خلافت الٰہیّہ کا صحیح جانشین قرار دے کر بتایا ہے کہ لا الہٰ اِلّا اللہ جب سے بھی شروع ہوا ہو۔حسین علیہ السلام اُس کی بنیاد ہیں۔یعنی امام حسین علیہ السلام نے دُنیا میں توحید خداوندی کی بنیاد رکھی۔ظاہر ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اوّلین مخلوق اور باعثِ خلقتِ کائنات ہونا اور پنجتنؑ پاک کا ایک ہی نور ہونا ثابت ہے۔اس رباعی میں جس قدر مفاہیم بھر دیئے گئے ہیں اُن کی تفصیل پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔اسی رباعی سے بزرگان اسلام نے یہ مفہوم بھی اخذ کیا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک مسلمانوں میں جس طرز حکومت کے خلاف جناب امام حسین علیہ السلام اُٹھے اور اُس طرز حکومت کے باطل ہونے کا ثبوت دیا۔اور ثابت کر دیا کہ جس طرز فکر پر یہ حکومت چلی آ رہی تھی۔وہ اسلام کو مٹا دینے اور توحید ونبوت وعدل وامامت اور قیامت کو نظرانداز کرنے کے لئے جاری ہوئی تھی۔امام حسین علیہ السلام نے اُس طرز فکر کو فنا کر دینے کے لئے اپنی اور اُن لوگوں کی قربانی پیش کی جو اس طرز فکر کو سمجھ گئے تھے۔اور اس طرح بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود اور احیائے اسلام کا مستحکم بندوبست کر دیا۔اُسی بزرگ تحریک کو پھیلانے اور عزاداری امام حسین علیہ السلام کے ذریعہ سے ہندوؤں میں اسلام جاری کرنے کے لئے آپ نے ترک وطن کیا۔اُس بزرگ قلندر کا نام نامی جناب شیخ ابراہیم قندوزی تھا۔اُنہوں نے کوئی چیز چبا کر خواجہ کو کھلا دی جس سے قوّت قدسیہ ملی اور مرکز سے رابطہ قائم ہوا۔ہر وہ شخص جو اجمیر میں آپ کی زیارت کے لئے جاتا ہے۔

مزار پر اس رباعی کو ضرور دیکھتا ہے۔

شاہ ہست حسینؑ و بادشاہ ہست حسینؑ
دین ہست حسینؑ و دین پناہ ہست حسینؑ
سرداد و نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالٰہ ہست حسینؑ

شاہی و بادشاہی دونو حسینؑ ہی کے لئے تھیں۔آپ مجسم دین تھے اور آپ کا طرزِ عمل ہی دین کی حفاظت کرنے والا تھا۔ آپ نے خود کو قربان کر دیا مگر یزیدی طرز حکومت کی اطاعت نہ کی۔حقیقت یہ ہے کہ حسین علیہ السلام ہی نے۔ دین اسلام اور وحدانیت خداوندی کی بنیاد رکھی ہے. چنانچہ اکبر بادشاہ بھی اس رباعی سے اخذِ فیض کرنے پر متوجہ ہوا۔اور اس مشن کی ترویج میں کوشاں ہوا۔

(12) اکبر پر حقیقتِ حال واضح ہوگئی تو پہلی حالت پر شرمندہ ہوا

’’۔البتہ بادشاہ (اکبر) کے خیالات کا خلاصہ اُس کی (اپنی) زبان سے پڑھنا ضروری ہے۔ابوالفضل کہتا ہے کہ بادشاہ فرماتے تھے۔کہ اس سے پہلے جب میں ظاہر بینوں (مجتہدین) کا ہم خیال تھا۔میں سمجھتا تھا کہ ظاہر آرائی۔اور بغیر دلی قبول کے مسلمانی کا دعویٰ کرنا فائدہ مند ہے۔چنانچہ میں نے کئی ہندوؤں کو ڈرا دھمکا کر اپنے بزرگوں (مجتہدین) کے دین پر لایا۔لیکن اب کہ شہرستانِ باطن کی حقیقت مجھ پر منکشف ہوئی ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ اس آشوب گاہِ اختلاف میں عقل و سمجھ کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔اور نہیبِ (دباؤ اور دھمکی) سلطانی سے زبان کٹوانا آنکھیں نکلوانا۔ختنہ کرانا۔اور ظاہری قسم سے سجدہ کرنا خدا نہیں ہے۔‘‘ (رود کوثر صفحہ 93)

عقل سے سوچ سمجھ کر کام کرنا اگر اختیار کر لیا جائے تو باطل مذاہب دو قدم بھی ساتھ نہیں چلتے۔ باطل مذاہب کی زندگی کا راز تو یہ ہے کہ بلا سوچے سمجھے چند قومی و ملکی جذبات کی بنا پر، چند نام نہاد بزرگوں کو عقلی تنقید سے بالا سمجھ کر اُن کی اندھا دھند پیروی کی جائے۔ اور اُن کے خلاف ہر معقول و نا معقول بات سننے اور ماننے سے انکار کر دیا جائے۔اور جو عقل سے کام لینے کا تقاضہ کرے اُسے طاقت و تلوار سے خاموش کر دیا جائے۔اکبر اس جہل مرکب سے باہر نکل آیا اور اُس نے خود سوچنے اور سمجھنے کا انتظام کیا۔ساتھ دوسرے عقلا و علماء کو سوچنے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے دعوت دی۔بس اُسی روز سے باطل مذہب نے موت کی ہچکیاں لینا شروع کر دیں۔اور باطل مذہب کے طرفداروں اور تیمارداروں کے لئے اپنے دم توڑتے ہوئے مذہب کو موت سے بچانا مشکل ہو گیا۔

(13) اکبر کو تحریک تشیع کی طرف لانے والا دوسرا صوفی بزرگ

جناب الشیخ سلیم چشتی علیہ الرحمہ پیدائش 897 ہجری وفات 979 ہجری۔سپاہیانہ لباس پہنتے تھے۔علوم ظاہری و

باطنی کے منتہی تھے ۔ عراق وعرب کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارات وحج سے مشرف ہوئے ۔ عبادت وریاضت میں شہرہ آفاق تھے، صاحب کرامات ومعجزات تھے، شیخ محدث دہلوی کا جملہ یہ بھی ہے کہ:۔

”۔اوروہ چیزیں جوعوام میں رواج پذیر ہیں۔اوراسلام میں جائزنہیں وہ بھی کرنے لگے۔“(اخبارالاخیار صفحہ 474)

مطلب یہ کہ مجتہدین کے مذہب پرعمل نہ کرتے تھے۔اس کے باوجود عبدالحق محدث اُن سے کرامات کا صادر ہونا مانتے ہیں اوراُن کی بڑی مدح وثنا کرتے ہیں۔ یہ بزرگ جب دوبارہ حج سے واپس آئے تو فتح پورسیکری میں قیام فرمایا اس لئے کہ والدین دہلی سے ترک سکونت کر کے یہاں آباد ہوگئے تھے۔اس کے بعد کے حالات میں جناب محدث لکھتے ہیں کہ:۔

”۔آپ 976 ہجری میں واپس آئے۔ بادشاہِ وقت سلطان جلال الدین محمد اکبر کو آپ سے رابطۂ اعتقاد ویگانگت بے انتہا پختہ ہوگیا۔ چونکہ اُس کے اولاد نہ تھی اس لئے وہ شیخ سلیم کی جانب خاص طور سے متوجہ ہوا۔ اولاد ہونے کی خواہش کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اکبر بادشاہ کو اولاد دی۔ اوراُن شاہزادوں کو شیخ سلیم اپنے ہی گھر میں تعلیم دیا کرتے تھے۔ اکبر بادشاہ کو آپ کے خاندان سے اتنی محبت اور رازداری پیدا ہوگئی۔ کہ درمیانی حجاب اُٹھ گئے۔ اور آپ کے تمام متعلقین مردعورتیں اور بچے سب ہی فرداً فرداً شاہی عنائتوں سے سرفراز ہوئے آپ نے بحالت اعتکاف 29 رمضان 979 ہجری کو اس دنیا سے کوچ کیا۔ (اخبارالاخیار صفحہ 474)

(14) مذاہبِ عالم پرنقد و نظر کے عبادت خانہ کی تعمیر

حضرت سلیم چشتی کے فیض صحبت وتعلیم کا نتیجہ ایک ایسی تعمیر کی صورت میں سامنے آیا جہاں اکبر کے سامنے مسلمانوں کے مذہبی اختلاف اور دیگر مذاہبِ عالم سے تقابل وتبصرہ ہوگا۔ جہاں حق وباطل کھل کر سامنے آنے والے ہیں۔ جہاں مجتہدین کے تعصّبات اور جہالت بے نقاب نظر آئیں گے۔ چنانچہ اکرام اللہ صاحب کا ایک ابتدائی بیان ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ:۔

”۔ اکبر سلیم چشتی کا بڑا معتقد تھا۔ اور جب جہاں گیر پیدا ہونے والا تھا۔ تو حصولِ برکت کے لئے اُس کی والدہ کو شیخ کے حجرے میں بھیجا اوراُن ہی کی نسبت سے بیٹے کا نام سلیم رکھا۔ اس کے دوبرس بعد اکبر نے فیصلہ کیا کہ جوجگہ اتنی روحانی برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ وہاں ایک عظیم الشان شہر تعمیر ہونا چاہئے۔ چنانچہ 1571ء میں فتح پورسیکری کی شاندار عمارتیں بننا شروع ہوئیں۔ اور یہ معمولی گاؤں شہنشاہ ہند کا پایۂ تخت ہوگیا۔ یہاں اکبر ایک پرانے حجرے میں اکثر اپنا وقت مراقبوں دعاؤں اور عبادت میں گذارتا۔ مذہبی امور میں آخر اس کی دل چسپی اتنی بڑھی کہ 1578ء۔982 ہجری میں اس نے شیخ سلیم چشتی کی نئی خانقاہ کے پاس ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی۔ جس کا نام عبادت خانہ رکھا گیا۔ (یعنی علمی وفنی گفتگو اکبر کے نزدیک عبادت تھی) ہر جمعہ کی نماز کے بعد شیخ سلیم کی خانقاہ سے آکر یہاں دربار خاص منعقد ہوتا تھا۔ جس میں مشائخ وقت، علماوفضلا

اور چند مقربِ درگاہ شریک ہوتے تھے۔ اور خداشناسی وحق پرستی کی حکائتیں اور روائتیں بیان ہوتی تھیں۔ اکبر نے عبادت خانے کی مجالس کا اہتمام خاص مذہبی ذوق سے کیا تھا۔'' (صفحہ 89 رودکوثر)

(15) عبادتخانہ مجتہدین کے مذہب کا مذبح خانہ بن گیا

جس طرح نقد ونظر اور عقل کے سامنے باطل مذاہب کی تار پود بکھر جاتی ہے۔ بالکل اُسی طرح زیادہ مجتہدین کا ایک جگہ جمع ہوجانا اُن کے باطل عقائد اور تہہ درتہہ پوشیدہ اختلافات اور خباثتوں کا راز فاش کردیتا ہے۔ اسی لئے آپ اُن کو کبھی ایک جگہ جمع ہونے کے معاملات میں شامل نہ دیکھیں گے۔ اتفاق سے جہاں دو تین بھی ہوں گے علیک سلیک سے زیادہ باتیں نہ کریں گے۔ اُن کا اصول یہ ہے کہ پبلک میں کم از کم نظر آؤ، کم سے کم بولو، تاکہ اُن کی جہالت کا پردہ نہ اٹھ جائے۔ لوگوں کو کم سے کم ملنے کا موقعہ دینا، ذوالجناح بن کر بیٹھنا، مختصر جواب دینا یہ اُن کے راز ہیں۔ غیر مذاہب کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اُن کے پاس اُن کے ہم مذہب عوام یا خود اُن کے مقلد کم سے کم جانے کا موقعہ پاتے ہیں۔ اور جی جناب، جی حضور اور قبلہ وکعبہ کہتے ہوئے واپس آجاتے ہیں۔ لہٰذا عبادتخانے کی مجالس نے اُن علماء کی پول کھول دی، جو کل تک صدر الصدور اور شیخ الاسلام اور مخدوم الملک بنے ہوئے اللہ ورسولؐ کے نائب کے بلند مقام سے شرع کے نام پر ظلم وستم، قتل وغارت کے فتاویٰ دے کر لوگوں کو قتل کرا رہے تھے۔ گھربار اور جائیدادیں لوٹنے اور ضبط کرنے کے احکام پر اکبر کو مجبور کر رہے تھے۔ چنانچہ رودکوثر سے ابتدائی مجلس کا حال سنئے:۔

''۔ پہلی ہی نشست میں جھگڑے شروع ہوگئے۔ کہ فلاں آدمی (عالم) صف میں مجھ سے اوپر کیوں بیٹھے۔؟ اور میں اُس سے نیچے کیوں رہوں؟ جب یہ قضیہ طے ہوا۔ قضیہ کیسے طے ہوا؟ اکرام اللہ نہیں بتاتے تو محمد اسلم سے سنئے!۔ (رودکوثر صفحہ 89)

''۔ بدقسمتی سے بعض جاہ پسند علما مخصوص نشستوں کے لئے جھگڑنے لگے۔ کیوں کہ اُن میں سے ہر ایک کی یہی خواہش تھی۔ کہ اُسے بادشاہ کے قریب جگہ ملے۔ بادشاہ نے اُن کے جھگڑے ختم کرنے کی غرض سے یہ حکم دیا کہ امرا مشرق کی طرف بچھی ہوئی مسندوں پر بیٹھا کریں۔ اور سادات عظام مغرب کی جانب بچھی ہوئی مسندوں پر بیٹھیں۔ اسی طرح علمائے کرام جنوب کی جانب بچھی ہوئی مسندوں پر بیٹھیں اور مشائخ کرام شمال کی طرف۔'' (دین الٰہی صفحہ 48)

(ب) مخالف مجتہدین ذلت وخواری کے دروازے پر

(1) جہاں تک حفظ مراتب کا لحاظ تھا اعتراض بجا تھا۔ لیکن مسندوں کے تعین پر بات ختم ہونے والی نہ تھی۔ اکبر نے اُن کے درمیان ہڈی نہ ڈالی تھی۔ ایک بوٹی یا ہڈی ہوتی تو اُن کا لڑنا حق بجانب اور فطرت کے مطابق ہوتا وہاں تو مختلف علوم اور مختلف مسائل پر آزادانہ گفتگو تھی۔ جس علم یا مسئلہ سے واقفیت نہ تھی، نہ بولتے، کوئی زبردستی نہ تھی۔ ہر بات کہتے وقت ہمہ دانی

سے بچ کر جس قدر معلوم ہوتا بتا دیتے۔ کسی کو مجال اعتراض نہ ہوتی۔ مگر مصیبت تو یہ تھی کہ دربار کے صدرالصدور اور شیخ الاسلام تو علوم اسلام کے منتہی اور ٹھیکیدار بنتے تھے۔ اور جہالت کی بنا پر جو کچھ نہ جانتے تھے اس کے خلاف کسی کی سننا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ جی حضور اور بجا ارشاد سننے کی عادت رکھتے تھے اور ہرگز یہ برداشت نہ کرسکتے تھے کہ کوئی اور اُن سے زیادہ علم رکھ سکتا ہے۔ اس جہل مرکب نے اُنہیں ایک دوسرے کے ہاتھ سے سر دربار ذلیل کرا دیا۔ اور اُن کے علم کی مصنوعی جھول اتر گئی اور جہالت سر دربار ننگی ناچنے لگی سنئے! بڑے جانب دارانہ الفاظ میں لکھا گیا ہے کہ:۔

(2) اپنی عزت اور دوسروں کی خفت کے لئے دعویداران علم و فضل جو حربے استعمال کرتے تھے اُن کا اندازہ ایک لطیفے سے ہوتا ہے۔ جسے بدایونی (عبدالقادر ملاّ) نے درج کتاب کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:۔

''۔جب مرزا مفلس نے دربار شاہی میں ایک تفسیر پیش کی تو اس وقت (مولانا) حاجی ابراہیم سرہندی نے مرزا مفلس سے سرِ دربار پوچھا کہ آپ یہ تو بتائیے کہ موسیٰ کا کیا صیغہ ہے؟ اور اس کا ماخذِ استقاق کیا ہے؟ مرزا صاحب علوم عقلیہ میں طاق تھے۔ لیکن اس (صرف ونحو کے) سوال کا جواب نہ بن پڑا۔ یار لوگ لے اُڑے کہ حاجی ابراہیم نے مرزا کو لا جواب کر دیا۔ اور حاجی جیسا کوئی دوسرا عالم نہیں ہے۔ اس کے کچھ عرصے بعد بادشاہ نے ایک عالم سے پوچھا کہ تم ہماری علمی مجلس میں کیوں نہیں آئے۔؟ وہ بچارا کہنے لگا۔ کہ میں آؤں تو سہی لیکن اگر وہاں حاجی ابراہیم مجھ سے پوچھیں کہ عیسیٰ کا کیا صیغہ ہے۔ تو فرمایئے کیا جواب دوں ۔؟'' (رودِ کوثر صفحہ 90)

بتائیے کہ حاجی ابراہیم کو اس سوال کی کیا ضرورت تھی۔؟ ظاہر ہے کہ اس نے گریمر (صرف ونحو) رٹ رکھی تھی اور اُس کا منشا صرف دوسروں کو ذلیل کرنا تھا۔ چنانچہ اس کا انتظام بھی ہو گیا اور ملا عبدالقادر بدایونی مترجم اور کاتب کی حیثیت سے ارکان دربار میں شامل ہو گئے۔ اب اُن حضرت کا حال ملاحظہ ہو:۔

(3) ''۔اکبر کی اس مجلس میں ملک بھر کے منتخب علما آتے تھے۔ لیکن اُسے علمی مجلس کہنا تکلف ہے۔ جو لوگ شریک ہوتے تھے۔ اُن کا مقصد علم کی توسیع نہ تھا۔ بلکہ اَنا کی تسکین اور دوسروں کی تضحیک وتوہین۔ جب ملا عبدالقادر بدایونی اس مجلس میں پہلے پہل آئے تو انہوں نے شیخ عبدالنبی صدرالصدور، حاجی ابراہیم سرہندی اور دوسرے قدامت پسندوں کو نیچا دکھانے کے لئے اپنی سربلندی کا سامان کیا۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر کہنے لگا۔ یہ حاجی کا سر پھوڑنے والا آ گیا ہے۔ چنانچہ عبدالقادر نے حاجی (موسیٰ کے صیغے والے) کو خوب خوب الزام دیئے۔ اور شیخ عبدالنبی صدرالصدور کی بھی خوب خبر لی۔'' (رودِ کوثر صفحہ 90)

اکرام بھیا اپنے جاہل اور بدتمیز علماء کی جہالت کے بجائے اس مجلس ہی کو علمی ماننے میں تکلف فرماتے ہیں۔ مجلس تو یقیناً علمی اور علمی توسیع کے لئے تھی مگر جاہلوں سے اس کے خلاف امید کرنا جہالت ہے۔ حاجی نے عبدالقادر سے بھی کوئی صیغہ دریافت کیا

ہوگا۔لہٰذاوہ بھی آخر مُلّا تھا،مُلّا نے مُلّا کی پٹائی کردی کیا براہوا؟ حاجی کوگریمر کا سبق مل گیااور آئندہ کے لئے تمیز سیکھ لی۔یعنی علمی مجلس نے اُس کے منہ میں لگام دے دی اب وہ بدتمیزی کبھی نہ کرے گا ورنہ۔ورنہ کے لئے ملاحظہ ہو:۔

(4) ''۔جب مذہبی مباحثے شروع ہوئے تو علما اپنی قابلیت جتانے کے لئے مختلف مسائل میں ایک دوسرے سے الجھنے لگے۔اور بات بڑھتے بڑھتے تلخ کلامی تک جا پہنچی۔بدایونی نے ایک مباحثہ کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

''۔رگِ گردنِ علمائے زمان برآمدہ۔آوازہائے بلند ودمدمۂ بسیار ظاہر شد۔ایں معنی برخاطر اشرف گراں آمد۔''

بڑے بڑے علما کی گردن کی رگیں پھولنے لگیں۔شوروغل کے علاوہ سخت ھُلّڑ مچ گیا۔بادشاہ کی طبع نازک پر یہ بات ناگوار گذری۔''(دین الٰہی صفحہ 49-48)

یہ تصویر کشی اس لئے ادھوری ہے کہ تو ند کا کہیں ذکر نہیں، ہانپنے اور لاحول کا ذکر غائب ہے۔دراصل مرقع کشی ہمارا کام ہے، ملاجی کا نہیں۔اسلم صاحب مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

''۔اکبر نے اُن کی حرکات پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے بدایونی سے کہا کہ جو عالم اس مجلس میں بے ہودہ پن کا مظاہرہ کرے۔اُسے وہاں سے اٹھادے۔بدایونی رقم طراز ہے۔کہ آصف خان میرے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔میں نے چپکے سے اس کے کان میں کہا کہ اگر بادشاہ کا یہی حکم ہے۔پھر تو بہت سے علما کو باہر نکالنا پڑے گا۔''(دین الٰہی صفحہ 49)

''۔بادشاہ نے سنا تو بہت خوش ہوئے اور دوسروں کو بدایونی کے الفاظ سنائے۔''(رودکوثر صفحہ 89)

(5) عبادتخانہ میں مخالفوں پر ظلم اور مجتہدین کے مبلغ علم کا راز کھل گیا

اگر عبادتخانے کے مباحثے شروع نہ کرائے گئے ہوتے تو جناب مولانا عبدالنبی صدرالصدور اور جناب قبلہ مولوی ملا عبداللہ سلطان پوری مخدوم الملک شیخ الاسلام کے مظالم پوشیدہ رہ جاتے۔اور دونوں کے جیب وگریباں تک کوئی نہ جھانک سکتا۔مگر واہ رے اکبر جس نے سابقہ تمام جرائم اور شرح محمدیؐ کے نام پر کئے ہوئے مظالم پر دونوں کو ایک دوسرے کا گواہ بنادیا سنئے!:۔

''۔مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری نے عبادت خانے کے مباحثوں میں شیخ عبدالنبی صدرالصدور پر نکتہ چینی شروع کی۔اُن کے خلاف ایک رسالہ لکھا۔جس میں اس قسم کی باتیں تھیں (باتیں نہیں ثبوت تھا) کہ شیخ عبدالنبی نے خضر خان سروانی کو پیغمبر صاحب کو برا کہنے کی تہمت لگا کر اور میر حبش کو رفض (شیعیت) کے الزام میں ناحق مرواڈالا۔اپنے والد سے حرمتِ سماع کے متعلق شیخ عبدالنبی کا اختلاف تھا۔اور شاید (تم نے خود لکھا ہے کہ عاق کردیا تھا) والد نے انہیں علیحدہ بھی کر رکھا تھا۔مخدوم الملک صاحب نے فتویٰ دیا کہ شیخ عبدالنبی صدرالصدور کے پیچھے نماز جائز نہیں۔کیونکہ اُسے باپ نے عاق کردیا ہے۔اور خونی بواسیر بھی ہے۔جب مخدوم الملک عبداللہ نے اس طرح صدرالصدور کی مخالفت اور تضحیک شروع کی تو انہوں نے

بھی مخدوم پر بے علمی اور گمراہی کے الزام لگائے۔اور علما کے دو گروہ ہو گئے۔ جو نئے نئے مسئلوں میں جھگڑتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بجائے ایک دوسرے کو ذلیل کرتے۔'' (صفحہ 96 رود کوثر)

(6) یہ تھے وہ علمائے مجتہدین جو حاملان دین متین بنے ہوئے تھے۔جنہوں نے اسلام کو فریب سازی کے لئے اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنا رکھا تھا۔یہی تھے وہ لوگ جو شیعوں کو اسلام کے لئے خطرہ سمجھتے تھے اور موقعہ ملتے ہی تہہ تیغ کرا دیتے تھے۔اس لئے کہ شیعوں کو اگر بولنے کا موقعہ دے دیا جائے تو وہ اُس مذہب اور اُس کے بانیوں اور نصرت کرنے والوں کی نقاب الٹ دیتے ہیں۔جس سے اسلام کے لباس میں پوشیدہ شیطانوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔

(7) مجتہدین کے مذہب کا شیرازہ بکھر گیا

صدر الصدور اور مخدوم الملک کے دونوں گروہوں پر ریمارک ملاحظہ ہوں:۔

''۔اگر معاملہ ذاتی فضیلت جتانے اور ایک دوسرے کی تکفیر اور تذلیل تک محدود رہتا۔تب بھی شاید اکبر (اُن علما کے) اسلام سے بدظن نہ ہوتا۔لیکن علما نے اہم مسائل پر اس طرح اختلاف کیا کہ بادشاہ حیران رہ گیا۔ایک عالم ایک چیز کو حرام کہتا تھا۔دوسرا اُس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتا تھا۔بادشاہ نہ صرف اُن دونوں گروہوں سے بدظن ہو گیا۔بلکہ حرام وحلال کی (مجتہدانہ) تعین ہی اُس کے دماغ میں نہ رہی۔'' (صفحہ 90 رود کوثر)

(8) مخالف مجتہدین نکاحِ متعہ کو جائز کرتے ہیں تا کہ بادشاہ خوش ہو جائے

اکرام اللہ مسلسل لکھتے ہیں کہ آخر مجتہدین فقہ جعفری کی طرف متوجہ ہوئے سنئے!:۔

''۔اس منزل میں پہلا قدم ملّا عبدالقادر بدایونی نے دکھایا۔اور وہ بھی ایک نازک ذاتی مسئلہ پر تفصیل اُس کی یہ ہے۔کہ بادشاہ کے چار سے زیادہ بیویاں تھیں۔عبادت خانے کے مباحثوں میں تعداد ازواج پر گفتگو ہوئی۔تو بادشاہ کو بھی خیال ہوا کہ کسی حرم (زوجہ) کو رخصت کئے بغیر کسی طرح شرع کی پابندی ہو جائے۔دو ایک نے متعہ کا راستہ دکھایا۔دوسروں نے حنفی فقہ کی رو سے اس کی مخالفت کی۔اِس پر بدایونی نے کہا کہ اگر ایک مالکی قاضی متعہ کے جواز میں اپنے اصول کی رو سے فتویٰ دے دے تو ایک حنفی کے لئے بھی متعہ جائز ہے۔بادشاہ کو اور کیا چاہئے تھا؟ دربار سے حنفی قاضی کو رخصت کیا اور اُس کی جگہ مالکی قاضی حُسین عرب مکی کی تعیناتی ہوئی۔جس نے فوراً حسب الطلب (مگر مالکی مذہب کے مطابق) فتویٰ دے دیا۔یہ واقعہ 984ھ/1576ء کا ہے۔'' بدایونی اسے بیان کر کے لکھتا ہے:۔

''۔وپیراں را از صدر تا مخدوم الملک وقاضی وغیر ایشاں ازیں کاروبار حالتے عجیب روئے داد۔وابتدائے خزان وعہدِ خریف ایشاں شد۔'' اس مجتہدانہ کاروبار اختلاف سے قاضی اور دیگر مُلّا حضرات اور بڑے میاں صدر الصدور عبدالنبی ومخدوم الملک

عبداللہ سلطان پوری کی مصنوعی علمی بہاروں پر خزاں کا دور شروع ہو گیا۔

(9) تحریک تشیع کا ایک پوشیدہ ہیرو میدان عمل میں لایا گیا

حضرت شیخ مبارک اعلی اللہ مقامہ سے با قاعدہ تعارف اور اُن کے طرز عمل پر تفصیلات بہت پہلے سامنے آ چکی ہیں۔ اب پھر اکبر بادشاہ کو مجتہدین کے چنگل سے چھڑانے کے لئے اُسی شیعہ عالم کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ تفصیلات اور اُن کے اکبری دور کے حالات رودکوثر سے ملاحظہ ہوں:۔

''۔جن دنوں عبادت خانے کے مباحثوں میں علما (مجتہدین) دنیا کو عجیب تماشہ دکھا رہے تھے۔ دربارشاہی میں ایک ایسا شخص آ پہنچا۔ جو علم و فضل میں یگانہ روزگار تھا۔ اور جس سے فیض یافتگان میں (اس کے بیٹے) ابوالفضل اور فیضی نیز خود عبدالقادر بدایونی تھے۔لیکن جس نے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری اور صدرالصدور شیخ عبدالنبی کے ہاتھوں (شیعہ ہونے کی وجہ سے) بڑے دکھ پائے تھے۔اور جو (شیعہ) اصولی طور پر بھی احتسابی کاروائیوں کا مخالف اور آزاد خیال تھا۔ یہ شخص ابوالفضل اور فیضی کا باپ شیخ مبارک تھا۔ شیخ مبارک اور مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری کے اختلافات پُرانے تھے۔ جب سلیم شاہ کے سامنے شیخ علائی (جس کو تصوف کی وجہ سے ملانے قتل کرانا چاہتے تھے) کے متعلق علما کا محضر (کورٹ مارشل) جمع ہوا۔ تب بھی شیخ مبارک نے مخدوم الملک شیخ عبداللہ سے اختلاف کیا تھا (اور شیخ علائی کو قتل سے بچا دیا تھا) تو مہدوی مشہور ہوئے (کر دیئے گئے) تھے۔اس کے بعد ایک عراقی شیعہ سید زادے کو (قتل سے) بچانے کی کوشش میں شیعیت سے متہم ہوئے تھے۔(یعنی لوگ انہیں سُنّی سمجھتے تھے) عہد اکبری کے شروع میں شیخ مبارک کو علمائے مجتہدین کے ہاتھوں جو مصیبتیں پہنچی تھیں۔ انہیں بالتفصیل اکبرنامے کے آخر میں گنایا ہے۔ اور بدایونی نے بھی مختصر مگر جامع الفاظ میں اس خاندان کی سرگذشت لکھی ہے۔اس کا بیان ہے۔ کہ جن دنوں میر حبش اور دوسرے اہل بدعت (یعنی شیعہ) گرفتار اور قتل ہوئے۔اُن دنوں شیخ عبدالنبی صدرالصدور اور مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری وغیرہ نے مل کر بادشاہ کے حضور میں عرض کی کہ شیخ مبارک مہدوی بھی ہے۔اور اہل بدعت (شیعہ) بھی ہے۔خود بھی گمراہ ہے۔اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ یہ کہہ کر برائے نام اجازت لی اور شیخ مبارک کا خاتمہ کرنے کے درپے ہوئے۔ محتسبوں (پولیس) کو بھیجا کہ شیخ کو حاضر کریں۔لیکن شیخ بچوں سمیت روپوش ہو گیا۔ وہ ہاتھ نہ آیا اور محتسب (پولیس) اس کی مسجد کا منبر توڑ کر واپس آ گئے۔ (یہ اکبر کے دور میں ہو رہا تھا) شیخ مبارک کو جان بچانے کے لئے جا بجا خاک چھاننی پڑی۔ مدت دراز کی سرگردانی کے بعد ایک امیر مرزا کوکہ (اکبر کا دودھ بھائی) کی سفارش سے شیخ کی گلوخلاصی ہوئی۔ انہوں نے شیخ کی درویشی اور علم و فضل کی تعریف کی اور بادشاہ سے اُسے گھر جانے اور اپنا درس شروع کرنے کی اجازت دلوائی۔ شیخ کا بڑا بیٹا فیضی تھا۔ 1567ء میں وہ شاعری کے ذریعہ دربار میں پہنچا۔ اور مارچ 1574ء

میں ابوالفضل بھی دربار میں آ کر میر منشی ہوگیا۔یعنی جب علمائے دربار کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔تو شیخ مبارک اور اُس کے بیٹوں کا آفتاب طلوع ہوا۔''(صفحہ 101-100 رودکوثر)

(10) قارئین دو چیزیں نوٹ فرمائیں۔پہلی چیز یہ کہ عبادت خانے کی بحثوں میں جب سُنّی مجتہدین کی مذہبی پول کھل گئی اس کے بعد درباری علماء کا زوال شروع ہوگا۔اورعبادت خانہ کی تعمیر اکرام اللہ کے مطابق 1578ء میں ہے۔اورفیضی 1567ء سے اکبر کے دربار میں ہے۔یعنی عبادتخانہ بننے سے گیارہ سال پہلے وہ درباری علماء میں شریک ہے۔اورابوالفضل 1574ء میں دربار میں میرمنشی ہوا۔یعنی وہ بھی عبادتخانہ کی تعمیر سے چارسال پہلے درباری عالم تھا۔لہٰذا اکرام اللہ صاحب کا یہ کہنا کہ اُن تینوں باپ بیٹوں کا آفتاب طلوع ہوااورسنی مجتہدین کا زوال شروع ہوا۔بتاتا ہے کہ عبادت خانہ کی پوری اسکیم یعنی تعمیر سے لے کر مباحث کی آزادی اورمخالف علماء کا زوال اُن ہی باپ بیٹوں کا منصوبہ تھی۔معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام اورشیعہ حضرات نے آخر مخالف علماء کا چراغ بجھادیا۔دوسری چیز یہ ہے کہ 1579ء سے پہلے پہلے مباحثوں میں کہیں نہ ابوالفضل کا ذکر ملتاہے،نہ فیضی کوئی حصہ لیتا ہے۔یعنی یہ لوگ نہایت متانت سے مجتہدین کے اختلافات اُگلوارہے ہیں اوراکبر دیکھ رہا ہے کہ یہ دونوں شیعہ علماء کس مہذب طریقے سے خاموش ہیں۔اس کے شاہانہ قلب میں شیعت کی عزت اور بادشاہی قائم ہوتی جارہی ہے۔یہ بھی نوٹ کریں کہ شیعوں کی گرفتاریاں ہورہی ہیں،علمائے شیعہ کوقتل کیا جارہاہے،خودابوالفضل اورفیضی کا باپ ماخوذ ہےاوربچوں کو لئے لئے عبداللہ اورعبدالنبی سے چھپتا پھر رہاہے۔لیکن یہ دونوں دخل نہیں دیتے نہایت خاموشی سے اپنا کام کررہے ہیں۔حتیٰ کہ باپ کی سفارش بھی غیرشخص کرتاہے۔اگر یہ دونوں بھائی اسی خاموشی اورمتانت سے برابر کام کرتے رہتے تو تاریخ میں بعد کے حوادث وآفات پیش نہ آتے اورتحریک تشیع کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑتی۔

(11) اس کے بعد جناب شیخ اکرام اللہ صاحب نے اپنے محفوظ انداز میں شیخ عبدالنبی کا ایک برہمن کوشہنشاہ اکبر کی مرضی کے خلاف اِس تہمت میں قتل کرانا لکھا ہے۔جس میں کہا گیا تھا کہ اُس نے معاذ اللہ آنحضرتؐ کی شان میں گستاخی کی تھی۔ بہرحال وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بادشاہ نے اس قتل کے بعد یہ محسوس کیا کہ وہ مجتہدین کے ہاتھوں میں کٹ پتلی ہے۔حالانکہ بادشاہ روز اول سے اپنی اس کمزوری کومحسوس کرتا چلا آرہا تھا۔مگر کوئی راہ نہ ملی تھی یہاں تک کہ صوفیائے کرام اورشیعہ نظام نے عبادت خانے کا راستہ بتادیا۔اور یہاں بڑی بڑی پگڑیاں،عمامے اوردستاریں سروں سے گرگئیں۔اوراکبرکومعلوم ہوگیا کہ وہ جنہیں آنحضرتؐ کا جانشین سمجھتا رہا اورجن کے احکام کوخدا اوررسولؐ اوراسلام کے احکام سمجھ کر شیعوں اوردیگر مذاہب کے لوگوں کوقتل کراتا رہا،وہ خالص گمراہ کرنے والے اورجاہل مطلق لوگ ہیں۔مگرعوام میں بہرحال علماء مشہور ہیں اُن کو زیر کرنے کے لئے اُس برہمن کے قتل سے وہ واقعی بے چین ہوگیا تھا۔لہٰذا شیخ مبارک نے اکبرکواُن مجتہدین کے پنجہ سے نجات کی راہ

بتادی۔ یہ قصہ اکرام اللہ صاحب کے جانب دارانہ انداز میں ملاحظہ ہو۔ تاکہ اُن کے قلم سے یہ پتہ چل جائے کہ شیخ مبارک ہی وہ شخص تھا جو اکبر کو عبادت خانہ کی راہ پر لایا تھا اور برسوں پہلے بادشاہ کو ادھر متوجہ کر چکا تھا۔ لہٰذا معین الدین اور سلیم چشتی رضی اللہ عنہما کی توجہ اور برکات کے ساتھ ساتھ شیعہ تنظیم کا مادی انتظام شیخ مبارک کی صورت میں برسرِ کار تھا سنئے:۔

(12) شیخ مبارک نے مخالف مجتہدین کو اجتہاد ہی کی تلوار سے مارا

''۔اتفاق سے اُن دنوں شیخ مبارک کسی تقریب سے حضور میں آئے۔ علماء کے اختیارات کی وجہ سے جو دقتیں پیش آئی تھیں۔ اکبر نے اس کے سامنے بیان کیں۔ شیخ مبارک نے کہا کہ بادشاہِ عادل خود امامِ وقت اور مجتہد روزگار ہے۔ احکام ملکی وشرعی کے اجرا میں وہ اس جماعت کا جنہیں علم کی جھوٹی شہرت کے سوا کوئی حصہ نہیں ملا، محتاج نہیں ہے۔ شیخ مبارک نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ وہ اجتہاد کا دعویٰ کرے۔ اور علما سے محضر طلب کرے۔ چنانچہ شیخ نے جو برسوں پہلے بادشاہ کو ریاست دنیوی ودینی کے اجتماع کا مشورہ دے چکا تھا۔ آیتوں اور روایتوں کی (سُنّی) اسناد سے اس مضمون کا ایک محضر مرتب کیا۔ علما کا ایک جلسہ بلایا گیا۔ جس میں بحث وتمحیص کے بعد علما کی مہریں ثبت ہوئیں۔ جن علما نے مہریں لگائیں (اور یہ تسلیم کیا کہ اکبر اہلسنت کے مذہب کے مطابق مجتہد اعظم اور امام وقت ہے) اُن میں مخدوم الملک مُلّا عبداللہ سلطان پوری۔ قاضی جلال الدین قاضی خان بدخشی۔ میران صدر جہاں۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبی تھے۔'' (صفحہ 102 رودکوثر)

(13) اس بیان سے واضح اور ثابت ہوگیا کہ اکبر بادشاہ شیخ مبارک کی قابلیت سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اس سے مشورہ کرتا رہتا تھا۔ اور جانتا تھا کہ وہ تنہا تمام مخالف مجتہدین کا منہ بند کرنے کے لئے کافی ہے اور اس کا مشورہ یقیناً نہ صرف مجتہدین کو بے دخل کردے گا۔ بلکہ رعایا کے لئے مفید ومبارک بھی ہوگا۔ یہ تمام بیان دیتے ہوئے اکرام اللہ صاحب حسب عادت اُن تمام گوشوں سے بچ کر گذرے ہیں جہاں اُن کے کسی ہیرو کی سُبکی وخفت موجود تھی۔ چونکہ اسلم صاحب نے اپنی کتاب دین الٰہی کا پس منظر، اکرام اللہ صاحب ہی کے جواب میں لکھی اور اکبر ودیگر لوگوں کی طرفداری کا جواب دیا ہے۔ اس لئے وہ باوجود سخت متعصب ہونے کے کہیں کہیں حق بات بھی کہہ گئے ہیں۔ یعنی شیعوں کے دو مخالف جب آپس میں لڑتے ہیں تو غلطی سے حق بات اُن کے منہ سے نکل جاتی ہے۔ عبادت خانے میں یہی لڑائی تو جاری کرائی گئی تھی۔ چنانچہ جناب علامۃ الدہر شیخ مبارک اعلی اللہ مقامہ کا واقعہ اسلم صاحب سے بھی سن لیں:۔

(14) اہلسنت مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہ کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں

''۔صدر الصدور شیخ عبدالنبی نے بادشاہ یا رانی کی ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اُس برہمن کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ لیکن یہ معاملہ بجائے ختم ہونے کے اور بھی نازک صورت اختیار کر گیا۔ ایک طرف تو دختران راجہائے عظیم ہند نے بادشاہ کے

کان بھرے کہ اُس نے ملاّؤں کو اتنا سر چڑھالیا ہے۔ کہ وہ اس کی مرضی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور دوسری طرف شیخ عبد النبی کے کسی مخالف نے موقعہ پاتے ہی بادشاہ کے حضور میں یہ سوال اُٹھایا کہ حنفی قانون کی رُو سے صدر الصدور شاتم رسولؐ (رسولؐ کو برا کہنے والا) کو سزائے موت دینے کا مجاز نہیں ہے۔ گو شیخ عبد النبی بڑے فخر کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن اُنہیں اتنا بھی علم نہیں۔ کہ اُن کے جدّ امجد کے نزدیک شاتمِ رسولؐ سزائے موت کا مستحق نہیں۔ اس پر بادشاہ شیخ عبد النبی پر بہت برہم ہوا۔ اتفاق سے اُن ہی دنوں بادشاہ کی سالگرہ کی تقریب منعقد ہوئی۔ اور شیخ مبارک ناگوری بادشاہ کی خدمت میں تہنیت پیش کرنے کی غرض سے دربار میں حاضر ہوا۔ اُس نے بادشاہ کو مغموم پا کر اس کا سبب دریافت کیا۔ بادشاہ نے اُسے برہمن کے قتل کا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس پر شیخ مبارک نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ چونکہ خود امام عادل اور مجتہد ہے۔ اس لئے وہ علما کے فتوؤں کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اپنا فیصلہ علما کے لئے قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ یہ بات سنتے ہی بادشاہ نے شیخ مبارک سے کہا کہ وہ اُسے علما کے چنگل سے چھڑانے کی کوئی تدبیر سوچے۔ اس پر شیخ مبارک نے بڑی چالاکی (علم و دیانت نہیں کہتا چالاکی بتاتا ہے) اور ہوشیاری سے یہ محضر مرتب کیا۔'' (دین الٰہی کا پس منظر صفحہ 87-86)

(15) قبل اس کے کہ ہم وہ محضر اسلم کے قلم سے نقل کریں۔ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ محضر ایسا تھا کہ 1579ء سے آج 1974ء تک کسی اہلسنت یا شیعہ مجتہد سے اُس کے کسی ایک جملے پر بھی اجتہادی دلیل سے اعتراض نہیں ہوا۔ اس لئے کہ یہ محضر تو شیعہ سُنّی دونوں قسم کے مجتہدین کے مذہب کے عین مطابق ہے۔ اور یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ مسلمانوں میں جتنی مجتہدانہ خلافتیں یا حکومتیں گذری ہیں۔ اُن میں سے کسی کو اس محضر کے مرتب کرنے کی نہ توفیق ہوئی نہ اُن میں اس قدر علمی وسعت تھی جو ہمارے اکیلے عالم شیخ مبارک اعلی اللہ مقامہ نے دکھادی۔

<u>(16) ایک شیعہ عالم کا محضر جو مجتہدین کے لئے بے نظیر ریکارڈ ہے</u>

<u>اسلم صاحب ترجمہ میں وہ شان برقرار نہیں رکھ سکے بہر حال سنئے۔</u>

''۔ مطلب ان امور کے درج کرنے سے یہ ہے کہ بادشاہ کے عدل وانصاف و سر پرستی کی بدولت۔ ہندوستان آج امن وامان کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے عوام وخواص خصوصاً اُن صاحب علم وفضل علما کا یہاں ان دنوں اجتماع ہو گیا ہے۔ جو نجات کی راہوں کے راہنما ہیں۔ اور اوتوا العلم درجات قرآنی آیت کے مصداق یہ لوگ

مقصود از تشید ایں مبانی وتمہید ایں معانی آن کہ چوں ہندوستان صیئت من الحدثان بمیامن معدلتِ سلطانی وترتیب جہاں بانی مرکز امن وامان ودائرہ عدل واحسان شدہ۔ طوائف امام از خواص وعوام خصوصاً علمائے عرفان شعار وفضلائے دقائق آثار کہ ہادیانِ بادیۂ نجات وسالکان مسالک اوتوا العلم درجات اند۔ از عرب وعجم رُو بدین دیار نہادہ توطن اختیار نمودند۔ جمہور علمائے فحول کہ جامع فروع واصول وحاوی منقول ومعقول اند۔

عرب وعجم سے اس ملک میں تشریف لائے اور اسی کو اپنا وطن بنالیا ہے۔اب جمہور علما جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔اور عقلی ونقلی فنون کے ماہر ہیں۔اور ایمانداری اور انتہائی دیانت اور راست بازی کے ساتھ موصوف ہیں۔قرآن کی آیت **اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسولؐ واولی الامر منکم** اور صحیح حدیث مثلاً یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ محبوب وہ امیر ہوگا۔جو عادل ہے۔اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ان کے سوا اور دوسرے دلائل عقلی ونقلی کی بنیاد پر یہ قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ خدا کے نزدیک سلطان کا مرتبہ مجتہد کے مرتبے سے زیادہ ہے۔اور حضرت سلطان اسلام کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خدا اس کی حکومت کو ہمیشہ قائم رکھے۔ سب سے زیادہ عدل والے عقل والے اور علم والے ہیں۔اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں۔اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اُسی کو مسلک قرار دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ اتفاقی سمجھا جائے گا۔اور عام مخلوق رعایا اور سرایا کے لئے اس کی پابندی لازمی ولابدی ہوگی۔اگر کوئی ایسی بات جو نص قطعی کے مخالف نہ ہو اور دنیا والوں کو اس سے مدد ملتی ہو بادشاہ اگر اس کے متعلق کوئی حکم صادر فرمائے تو اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری اور لازم ہوگا۔اور اُس کی مخالفت دینی اور دنیاوی بربادی اور اخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی یہ تحریر جو خلوص نیت پر مبنی ہے خالص خوشنودی خدا اور احکام اسلام کی

وبدین دیانت وصیانت اتصاف دارند۔بعد از تدبیر وافی وتامل کافی در غوامض معانی آیۂ کریمہ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسولؐ واولی الامر منکم واحادیث صحیح اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یوم القیامۃ امام عادل من یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعصی الامیر فقد عصانی وغیر ذلک من الشواہد العقلیۃ والدلائل النقلیۃ قرار دادہ حکم نمودند۔کہ مرتبہ سلطانِ عادل عنداللہ زیادہ از مرتبہ مجتہد است وحضرت سلطان الاسلام کہف الانام امیر المومنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابداً۔اَعدل واَعقل واَعلم باللہ اند۔بنابران اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بذہن ثاقب وفکر صائب خود یک جانب را از اختلاف بجہت تسہیل معیشت بنی آدم ومصلحتِ انتظام عالم اختیار نمودہ بآں جانب حکم فرمایند متفق علیہ می شود۔واتباع آں برعموم برایا وکافۂ رعایا لازم ومتحتم است۔وایضا اگر بموجب رائے صواب نمائی خود حکمے را از احکام قرار دہند کہ مخالفِ نصّے نباشد وسبب ترفیہ عالمیان بودہ باشد عمل برآں نمودن برآں نمودن برہمہ کس لازم ومتحتم است ومخالفت آن موجب سخط اخروی وخسراں دینی ودنیوی است۔وایں مسطور صدق وفور حسبۃ اللہ واظہار الاجراء حقوق الاسلام بمحضر علمائے دین وفقہائے مہتدین تحریر یافت وکان ذلک فی شہر رجب سنۃ سبع وثمانین وتسعمائۃ

ترویج کے لئے علمائے دین اور فقہائے مہتدین کے اتفاق سے ماہِ رجب 987ہجری میں قلم بند ہوئی۔''(ترجمہ بشکریہ مناظر احسن گیلانی مرحوم)(صفحہ 89-87)

(17) قارئین کرام اس دستاویز میں اُسی مجتہدانہ اصول کو مدنظر رکھا گیا ہے۔جس کی رُو سے ہر غیر معصوم مسلمان عدالت کی شرط پر ایک جائز خلیفۃ الرسولؐ بن سکتا ہے۔اس میں اس قدر زیادہ ہے کہ خلیفہ کو اَعلم و اَعقل ہونا چاہئے۔اس لئے کہ عموماً جہلا بھی خلیفہ بنتے چلے آئے ہیں اور اپنی رعایا کے تمام افراد سے زیادہ علم وعقل رکھنے والا تو کوئی تھا ہی نہیں۔ یہ چوٹ مبارک صاحب نے اس لئے دی ہے کہ کوئی مباحثہ کرے اور مخالفت کرتے ہوئے اس اصول کے خلاف خلفا کا علم ثابت کرے۔لیکن مجتہدین سمجھ گئے اور کسی نے نہ کہا کہ اکبر کا علم وعقل تمام ہندوستان کی رعایا سے زیادہ نہیں ہے۔دراصل وہ شخص جو تمام بنی نوع انسان کی مجموعی عقل اور علم سے زیادہ علم وعقل رکھتا ہواُسے کسی سے مشورہ کی احتیاج نہیں ہوتی۔اورعقلاً ہر زمانہ میں ایسا ایک آدمی موجود ہونا لازم ہے۔اور یہ عقیدہ ہمارا ہے۔ہم تمام معصومین علیہم السلام کا یہی مقام مانتے اورانہیں معصوم سمجھتے ہیں۔لیکن مجتہدین کے نزدیک خود رسولؐ اللہ (معاذ اللہ) مجتہد تھے۔اور مشورہ کے محتاج تھے۔اور اسی بنا پر وہ لوگ معاذ اللہ اُن سے غلطیاں بھی مانتے ہیں۔لہٰذا مبارک صاحب نے خالصتاً مجتہدین کا عقیدہ واصول اس دستاویز میں اس طرح باندھ کر رکھ دیا ہے کہ اب اس کا جواب نہیں لایا جاسکتا۔اور ہمارے یہاں اس محضر کے باوجود بھی اکبر کو بے دست و پا بنا کر رکھا جاسکتا تھا۔یعنی وہ اختلافی مسائل میں جس پہلو کو چاہتا اختیار کرنے کا مجاز تھا۔لیکن اگر حقیقی علماء ہوتے تو اُن میں اختلاف ہی نہ ہوتا۔اختلاف نہ ہوتا تو اکبر کو اسی پر عمل کرنا پڑتا۔اکبر کی خوش قسمتی یہ تھی کہ اسے مجتہدین سے پالا پڑا تھا۔جن میں اختلاف دینی و بنیادی حیثیت سے داخل ہے۔وہ مجتہد ہو ہی نہیں سکتا جسے قرآن وحدیث سے اختلاف نہ ہو۔مجتہد کو تو خود اپنی ذات،اپنے علم اور اپنے فتوے سے اختلاف ہونا لازم ہے۔دوسری شق یہ ہے کہ اکبر ہر ایسا حکم دے سکتا ہے جو کسی نصِ قطعی کے خلاف نہ ہو۔یہ بات ذرا باریک سی ہے اور ممکن ہے کہ ہمارے بعض قاری اس کو پوری طرح نہ سمجھیں۔دراصل مجتہد یا اجتہاد کا اصول یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ نے بعض چیزیں تو قرآن وحدیث میں بیان کردی ہیں۔اور بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو نہ قرآن میں ہیں،نہ حدیث میں ہیں۔اس لئے اجتہاد و مجتہد کا کام یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ و رسولؐ سے رہ گئیں اور بنی نوع انسان کو قیامت تک اُن کی احتیاج ہوگی اُن کو مجتہد پورا کرے گا۔یعنی اللہ و رسولؐ کی (معاذ اللہ) خامیاں پوری کرنے والے علماء کو مجتہد کہتے ہیں۔کیا شان ہے مجتہد کی۔مگر یہ شان جب بنتی ہے۔جب پہلے قرآن کی آیات تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ (16/89) اور تَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ (12/111) کا انکار کردیا جائے۔لہٰذا دوسری شِق کا مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کا واضح طور پر ذکر نہیں ہوا۔اُن کو بطور حکم نافذ کرنا بھی اکبر کے اختیار میں تھا۔لہٰذا ہم اور ہمارے علماء اکبر کو بتاتے کہ اگر آپ اعلم واعقل ہیں تو یقیناً قرآن کی تفصیلات کا

علم بھی رکھتے ہیں۔لہذا آپ کے سامنے سے کائنات کی کوئی خشک وتر، چھوٹی بڑی چیز غائب نہیں ہے۔لہذا بجائے تک بندی کے ہر حکم کو قرآن کریم کی آیت کے ساتھ نافذ کریں۔اگر ہر ضرورت پر آپ کو قرآن میں تفصیل نہیں ملتی تو اعلم واعقل تو الگ آپ تو قرآن کے عالم بھی نہیں ہیں۔صرف مجتہد ہیں اور مجتہد خلیفۃ اللہ یا امیر المومنین نہیں ہوسکتا۔یہی علمی دبدبہ تھا جس کی وجہ سے اکبر نے جناب علامہ شیخ مبارک سے یہ کام لیا تاکہ وہ مخالفت نہ کریں اور گاڑی چل جائے۔

(18) مخالف محاذ کے علماء کا حدودِ اربع اور علم القرآن

علوم کی خیالی غپ شپ کی حقیقت اس وقت سامنے آتی ہے جب اپنے مخالف کے علم سے مقابلہ پیش آئے۔حکومت وطاقت کی آڑ میں عالم بنا رہنا اور خود کو امامتِ اقوام کا حقدار سمجھنا، شیخ چلّی کے خیالات سے زیادہ نہیں۔آیئے ذرا مخالف اور حاکم محاذ کے علماء کا جائزہ دیکھئے:۔

''۔ہندوستان میں بہت کم لوگ عربی جانتے تھے۔دفتری اور تعلیمی زبان فارسی تھی۔لیکن اس زبان میں قرآن مجید کا کوئی ترجمہ (1738ء تک) رائج نہ تھا۔چنانچہ عام تعلیم یافتہ مسلمان گلستان بوستان۔سکندرنامہ اور شاہنامہ تو پڑھتے اور سمجھتے۔لیکن قرآن مجید سے جو ہدایات کا سرچشمہ ہے۔ناواقف رہتے۔پرانے علما اور خواص میں سے قرآن مجید اگر کسی نے پڑھا تھا تو ناظرانہ (یعنی بے معنی) یعنی مفہوم ومعانی سمجھنے اور اسی کی روح وتعلیمات سے فیض یاب ہونے کے بغیر۔اکبر کے دربار میں جب مسلمان علما اور پرتگیز مشنریوں میں مباحثے شروع ہوئے اور مشنریوں نے، جو کلام مجید کے لاطینی ترجمے کی وجہ سے اُس کے اندراجات سے خوب واقف تھے، کلام مجید کے بعض حصوں پر اعتراض کئے۔تو اس وقت پتہ چلا کہ جن مسلمان علما نے عربی میں قرآن پڑھا بھی تھا۔انہیں بھی قرآن کے مضامین اور اندراجات سے پوری طرح واقفیت نہ تھی۔بسا اوقات یہ ہوتا کہ پادری قرآن مجید کے کسی بیان پر اعتراض کرتے اور مسلمان علما کہہ دیتے کہ یہ تو قرآن میں ہے ہی نہیں۔اور پھر جب کلام مجید کھول کر دیکھا جاتا تو وہ حوالے نکل آتے۔''(صفحہ 552-551 رودکوثر)

(19) قارئین کرام یہ وہ راہنمایانِ مذہب اسلام ہیں۔جنہوں نے رسول اللہؐ کی احادیث کو ٹھکرانے کے لئے قرآن کریم کی آڑ لی تھی اور کہا تھا کہ ہمیں قرآن کافی ہے۔یہ ہیں وہ علمائے مجتہدین جو عیسائی علماء کے روبرو اپنی الہامی کتاب قرآن سے جاہل ہیں۔اس سے زیادہ شرمناک صورت اور کیا ہوسکتی ہے؟ مخالف محاذ کے علماء کی جہالت یوں منظر عام پر نہ آسکتی تھی۔اگر جناب شیخ مبارک اعلی اللہ مقامہ عبادت خانہ کا منصوبہ برسرکار نہ لاتے۔آج بھی یہی حال ہے اور آج ماشاءاللہ شیعہ علمائے مجتہدین نے بھی اپنی علمی پوزیشن کو چھپائے رکھنے میں انتہا کردی ہے۔شیعہ قارئین سوچیں کہ یہ کیا بات ہے کہ شیعہ مجتہدین گھروں میں چپ بیٹھے ہیں، کسی تحریک، کسی مشن، کسی کونسل، کسی بورڈ، کسی سیاسی یا مذہبی انجمن یا جماعت میں شرکت نہیں کرتے

صرف چند دانشور باہر نظر آتے ہیں۔ مارکیٹ میں مجتہدین کی کوئی تصنیف نہیں آتی۔ یہ مجتہدین جس طرح شیعہ پبلک سے چھپے بیٹھے ہیں۔اُسی طرح وہ حکومت کے کسی کام میں نہ شامل ہیں، نہ مشورہ دیتے ہیں۔ جواب صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ اُن لوگوں کو یقین ہے کہ وہ آج کی دنیا میں قطعاً جاہل ہیں اور اس جہالت کو پوشیدہ رکھنے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے۔ وہ برابر دیکھ رہے ہیں کہ جو دو ایک یتیم یا چمچا قسم کے مجتہدین کبھی کبھی کسی بورڈ یا مشن میں شامل ہوئے اُن کی جہالت پردہ عام پر آ گئی۔ نصاب تعلیم کا حادثہ اُن کے سامنے ہے کہ چائے کی پیالی کے عیوض اور قبلہ وکعبہ کہلانے کے لئے جہاں دیگر ممبران نے کہا دستخط کر دیئے اور پھر کرسی پر اونگھنے لگے۔ دانشوران ملک وقوم اُن کو خوب پہچانتے ہیں۔ جب انہیں بلاتصادم کوئی سیاسی یا مذہبی حکم حاصل کرنا ہوتا ہے تو وہ فوراً اپنے کام کے چمچوں کو بڑے اعزاز سے بلا کر دستخط کرا لیتے ہیں۔

ہم نے مندرجہ بالا اقتباس میں چند بد دیانتیوں کو دیانت سے بدل دیا ہے۔ اکبر کے دربار میں پرتگیز مشنریوں کے ساتھ قرآن پر مباحثہ چونکہ مسلمانوں کے چوٹی کے علماء کرتے تھے اور نتیجے میں علماء کی جہالت ثابت ہوتی تھی۔ اس لئے مسٹر اکرام اللہ نے ہر اس مقام پر جہاں علماء لکھنا چاہیئے تھا۔ لوگ ،مسلمان اور لوگوں ومسلمانوں لکھا ہے۔ تاکہ علماء پر لاشعوری پردہ پڑا رہے اور ذہن پھسل کر عوام کی طرف چلا جائے۔ یہ بددیانتی ہے۔ جب آپ حقائق لکھنے کی جرأت کر رہے ہیں تو واشگاف اور غیر مبہم الفاظ میں سامنے آیئے۔ حق گوئی اور پردہ داری ساتھ ساتھ سجتی ہے نہ چھپتی ہے۔ ہمیں دیکھئے کہ شیعہ مجتہدین کی شیعہ ہونے کی بنا پر کوئی طرفداری نہیں کرتے۔ بلکہ اُن کی مذمت میں اپنی پوری قابلیت صرف کر دیتے ہیں۔ یہ بھی شیعہ مذہب کا معجزہ ہے کہ اب زبانوں پر حق جاری ہو رہا ہے۔ ہر قلم حقائق کی طرف جھکتا جا رہا ہے۔

(20) اکبر نے عیسائی علماء سے مناظرہ کرکے اُنہیں مایوس کردیا

عیسائی علماء سے بار بار شکست کے بعد اکبر اُن نام نہاد مسلمان علماء سے مایوس ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اس دوران اکبر علمائے شیعہ سے عیسائیوں کے ہر اعتراض کا جواب معلوم کرتا رہا ہوگا۔ یہاں سے ابوالفضل اور دیگر علمائے شیعہ کو بحث میں حصہ لینا پڑا۔ عیسائی علماء شیعہ سنی اختلاف کو روز اول سے جانتے تھے۔ یہ تمام اختلافات اور منصوبے اُن کے بزرگوں کے سامنے سے گذرے تھے۔ وہ مجتہدین کو شیعہ مذہب کے خلاف منہ کھولنے اور اُن کو شیعہ علماء سے ٹکرا دینے کے لئے نزاعی سوالات اور مباحث چھیڑ سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہوا اور شیعہ علماء نے نہ صرف عیسائیوں کو دندان شکن جواب دیئے۔ بلکہ غلطی سے جوش میں درباری علماء کے خودساختہ عقائد کا تانا بانا بھی بکھیرنے لگے جو شیعہ پالیسی اور خصوصاً تقیہ وتقویٰ کے خلاف اقدام تھا۔ جس کا نتیجہ اکبر،عوام اور شیعوں کے لئے نقصان دہ نکلا۔ بہرحال سنئے کہ ابوالفضل آخر بول پڑے:۔

''۔مثلاً جب اکبر 1581ء میں حکیم مرزا کے تعقب میں کابل گیا تو پرتگیز مشنری ہم رکاب تھے۔اُن کا بیان ہے کہ

اس سفر میں اکبر نے عیسائیت پر کئی اعتراضات کئے ۔ ابوالفضل نے بھی انجیل اورتورات کی نسبت ٹیڑھے سوال پوچھے ......جب کابل سے واپسی پر شاہی لشکر درۂ خیبر کے قریب علیؑ مسجد کے پاس پہنچا۔جس کی نسبت بعضوں کا کہنا تھا۔کہ خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہ وہاں تشریف لائے تو پرتگیز پادریوں کے بیان کے مطابق اکبر نے وہاں نماز ادا کی۔جب سب لوگ دارالخلافہ میں واپس پہنچ گئے۔تو پادریوں نے علما کے ساتھ پھر مناظرہ کرنا چاہا۔بادشاہ کو یہ بہت ناپسند تھا۔(اس لئے کہ مجتہدین کی شکست اسلام کی شکست کہلائی تھی) کیوں کہ وہ سمجھتا تھا کہ علما پھر ہار جائیں گے۔بالآخر پادریوں کے اصرار پر ایک مباحثہ منعقد ہوا۔جب پادریوں نے علما کو لاجواب کردیا۔تو بادشاہ نے بحث میں قدم بڑھایا۔اور علما کی طرف سے اُن کے اعتراضات کا جواب دیا۔پادری بادشاہ سے اب اس قدر مایوس ہوگئے کہ انہوں نے اپنے ملک کو واپسی کی اجازت چاہی۔‘‘
(صفحہ 116-115 رودکوثر)

(21) یعنی جناب الشیخ مبارک نے جس بنیاد پر اکبر کو اعلم واعقل لکھا تھا۔وہ مذہب شیعہ کا تعاون وتائید تھی جو اس کے دونوں بیٹوں سے بروقت اور ہروقت ملتا تھی۔آگے چل کر اکرام اللہ صاحب بتاتے ہیں کہ اکبر کے زمانہ کا مورخ عبدالقادر بدایونی ابوالفضل اور اکبر کے مذہبی حالات پوری طرح نہیں لکھتا تاکہ اکبر پر اعتراض آسان ہوجائے چنانچہ ملاحظہ ہو:۔

’’۔بدایونی اُس مزاحمت کا کیسے ذکر کرتا جو پادریوں کے کام میں اکبر اور ابوالفضل کی طرف سے پیش آرہی تھی۔لیکن شاید اس سے بھی زیادہ دلچسپ اُس کا واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کرنا ہے۔یا اکبر (اور ابوالفضل) کے خلاف ایسی باتیں کہتا ہے۔جس پر غور کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ کسی اور چیز کی پردہ داری ہورہی ہے۔‘‘(رودکوثر صفحہ 116)

(22) یہ پردہ داری حقیقتاً اس سازش کی ہورہی ہے جو شکست خوردہ اور درندہ صفت درباری وغیر درباری مجتہدین نے اکبر اور شیعت کے خلاف اندرون ملک جاری کر کے بغاوتِ عام پھیلانے کا انتظام کیا تھا۔اور مُلّا صاحب اُن کے ساتھ شامل اور اکبر کے خواص میں داخل تھے۔حقیقت یہ ہے کہ سوائے ایک مجتہد علامہ یزدی کے اور کوئی شیعہ مخالف مجتہدین کی سازش میں شریک نہیں ہوا۔البتہ عبدالقادر بدایونی اور اس کی کمپنی نے تمام درباری شیعہ علماء کو ملوث کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔مگر قرائن حالی وواقعات اُن کی طرف داری میں موجود ہیں۔البتہ علامہ یزدی کے خلاف ہر قسم کا ثبوت موجود ہے کہ وہ مجددی گروپ کے ساتھ کھل کر شامل ہوئے۔بادشاہ کے خلاف کفر کا فتویٰ اور اس کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم نافذ کیا۔یہ تفصیل ذرا دیر بعد سامنے آنے والی ہے۔

(ج) <u>مخالف مجتہدین پر نظر بازگشت۔علمائے سوء</u>

جناب محمد اسلم صاحب اپنے علماء پر اس لئے ناراض ہیں کہ وہ اکبر کی پالیسی کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ہم اس عنوان میں

بڑی تیزی سے گذرنا چاہتے ہیں اس لئے بہت اہم مقامات مختصر طور پر سامنے لائیں گے۔ چنانچہ فضول تفاصیل سے قطع نظر کر کے وہ سطور لکھیں گے جو محمد اسلم صاحب کے عنوان ''۔علمائے سوء۔'' سے براہ راست متعلق ہوگی۔ لہٰذا اسلم صاحب کے الفاظ میں سنئے اور علماء کی تعداد گنئے:۔

(1) سرہند کے ایک فاضل حاجی ابراہیم بہت ہی منہ زور مناظر واقع ہوئے تھے۔ وہ بھی بات بات میں مخدوم الملک شیخ عبداللہ سلطان پوری سے الجھنے لگے (صفحہ 49) جب حاجی ابراہیم زیادہ ہی منہ زور ہو گئے تو اکبر نے؛

(2) بدایونی کو آگے بڑھایا۔ اس نے حاجی کے منہ میں لگام دی۔'' (صفحہ 50 دین الٰہی)

(3) اُن ہی مباحثوں میں ایک روز خان جہان نے مولانا عبداللہ سلطان پوری سے پوچھا کہ کیا اُن پر ابھی حج فرض ہوا ہے یا نہیں۔ مولانا نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس زمانہ میں دو وجوہ کی بنا پر فریضہ حج ساقط ہو چکا ہے۔ (صفحہ 50) اس کے بعد زکوٰۃ کو شرعی حیلوں سے ٹال دینا لکھا ہے۔(صفحہ 51)

(4) ''۔علما کی نجی زندگی اور اُن کے کرتوت دیکھ کر بادشاہ کا اُن پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری سے گلوخلاصی کرانے کے لئے انہیں جبراً حج کے لئے بھیجا۔ کچھ عرصہ گذرنے پر وہ بلا اجازت ہندوستان واپس چلے آئے۔ لیکن دارالحکومت پہنچنے سے پہلے انتقال کر گئے۔'' (صفحہ 51 دین الٰہی کا پس منظر)

(5) <u>مجتہدین اسلام کے احکام کے خلاف یہودی حیلے کرتے تھے</u>

''۔بادشاہ نے جاسوسوں کی اطلاع پر اُن کے (مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کے) آبائی قبرستان کو کھدوایا تو ان قبروں میں سے تین کروڑ روپے کی سونے کی اینٹیں نکلیں۔ اُنکا زکاۃ کی ادائیگی سے بچنے کا عذر اور حج پر نہ جانیکا بہانہ اور اِسی طرح کے حیلہ ہائے یہود پڑھ کر دور حاضر کے بعض مورخوں کو اُن پر شائلاک کا گمان گذرتا ہے'' (صفحہ 51 تا 52 دین الٰہی کا پس منظر)

(6) <u>ملایانِ فرعون صفت</u>

''۔شیخ عبدالنبی صدرالصدور کے درس میں اکبر انکے گھر جاتا۔ اُنکے جوتے اٹھاتا۔ امراء وزراء اور علما کو گھنٹوں گھنٹوں دروازے پر ملاقات کیلئے منتظر رہنا پڑتا۔ پھر بھی برابر سے گذر جاتے اور توجہ تک نہ کرتے۔ بدایونی اُن کو مُلّا یانِ فرعون صفت کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ زکاۃ ادا نہ کرنے کے لئے انہوں نے بھی شیخ عبداللہ کی طرح حیلہ اختیار کر لیا تھا۔(صفحہ 52)

(7) <u>صدرالصدور شیخ عبدالنبی کا انجام</u>

''۔بالآخر اُن کا انجام بھی مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری جیسا ہی ہوا۔ بادشاہ نے انہیں بھی ہندوستان سے جلاوطن

کر کے مکہ مکرمہ روانہ کر دیا جب مخدوم الملک واپس لوٹے (اس لئے کہ خبر گرم تھی کہ اکبر کو جلد ہی تخت سے اتارنے کا انتظام ہو جائے گا) تو یہ بھی ہندوستان چلے آئے۔ مخدوم الملک کو تو دارالحکومت پہنچنا نصیب ہی نہ ہوا۔ شیخ صاحب کو اُن کی قضا دربار میں لے آئی۔ اکبر نے دورانِ گفتگو اُن کے منہ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ اور ابوالفضل سے کہا کہ انہیں زندان میں ڈال کر اُن سے اُن ستر ہزار روپیوں کا حساب لے جو انہیں حرمین شریفین میں تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے۔ اُن پر متھرا کے برہمن اور خضر خان سروانی کو سب نبیؐ اور میر حبش کو رفض (شیعہ ہونے) کے جرم میں قتل کرانے کے الزامات بھی لگائے گئے۔ شیخ عبدالنبی نے جیل خانے ہی میں وفات پائی۔'' (صفحہ 53 دین الٰہی)

(8) سارے ہندوستان کا مفتی کافر ہو گیا

''۔ میران صدر جہاں مفتی کل ہندوستان کے لقب سے ملقب تھے۔ جب اکبر کے دربار سے کفر والحاد کا طوفان اٹھا تھا۔ تو ان کا ایمان بھی متزلزل ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور دوسروں کو دیکھا دیکھی وہ بھی اکبر کے مریدوں کے زمرے میں داخل ہو گئے تھے۔'' (صفحہ 54 دین الٰہی)

(9) سلطان خواجہ جسے اکبر نے میر حاج بنا کر بھیجا تھا۔ اپنے آخری ایام زندگی میں اکبر کے مریدوں میں داخل ہو گیا۔'' یعنی کافر ہو گیا تھا۔'' (صفحہ 53 دین الٰہی کا پس منظر)

(10) حاجی ابراہیم سرہندی کے متعلق؛ جو عبادت خانے کے مباحثوں میں اپنے فریقوں کی پگڑیاں اچھالتا تھا؛ بدایونی لکھتا ہے کہ ''۔ رشوت بسیار گرفتہ وزنان بسیار نگاہ داشتہ۔'' یعنی بہت زیادہ رشوت لیا کرتے تھے۔ اور بہت سی عورتوں کو گھیرے رہتے تھے۔ (صفحہ 55 دین الٰہی کا پس منظر)

(11) قاضی صدرالدین سنبھلی کا بیٹا قاضی زادہ عبدالحئی بھی ان لوگوں میں شامل تھا۔ جنہوں نے مسائل دین کو بازیچہ اطفال بنالیا تھا۔ اس کے متعلق بدایونی رقمطراز ہے کہ:۔

''۔ خبط سخنان در مذہب وملت می گفت۔ (اس نے مذہب وملت میں غلط باتیں کہیں)۔'' صفحہ 55)

(12) مجتہدین نے شراب کو حلال کر دیا تھا

''۔ شراب اگر بجہتِ رفاہیت بدنی بطریق اہل حکمت بخور رند وفتنہ وفسادے ازان نزاید مباح شد۔''

(اگر اصلاح جسم کے لئے شراب کو حکیموں کے طریقہ پر پیا جائے اور فتنہ وفساد کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔)

بالفاظ دیگر اگر کسی طبیب سے میڈیکل سرٹیفکیٹ لے کر شراب پی جائے تو اس کا استعمال صحت کے لئے فائدہ مند ہو گا۔'' (صفحہ 55 دین الٰہی کا پس منظر)

(13) مجتہدانِ دین وقاضیانِ شرعِ متین اور مفتیان باتمکین مے نوش و مے فروش

’’۔بدایونی رقمطراز ہے کہ عہدِ اکبری میں مفتیوں اور قاضیوں کی یہ حالت تھی کہ ’’۔درمجالس نوروزے اکثرے ازعلماوصلحا بلکہ قاضی ومفتی را درو ادی قدح آوردند۔‘‘(نوروز کی محفل میں علما اور مفتیوں اور صالح حضرات کی کثرت کو شراب نوشی کے لئے لایا جاتا تھا۔) اکبر بادشاہ اُن کو شراب پیتے دیکھ کر بڑا محظوظ ہوتا اور ترنگ میں آ کر یہ شعر پڑھا کرتا تھا ؎

درعہد بادشاہِ خطابخش وجُرم پوش حافظ قرابکش شد ومفتی پیالہ نوش

خطائیں بخش دینے والے اور جرم کو نظر انداز کردینے والے بادشاہ کا زمانہ ہو تو حافظانِ قرآن صراحیاں انڈیلنے والے اور مفتیان دین جام پر جام چڑھانے والے ہو جاتے ہیں۔یعنی یہ ڈنڈے کے سامنے مجبوراً پارسا نظر آیا کرتے ہیں۔ (صفحہ 56-55)

(14) گز بھر کی داڑھی والا قاضی القضاۃ شراب وشطرنج و سود خور تھا

’’۔قاضی عبدالسمیع نام کے ایک بزرگ کو؛ جن کی داڑھی بقول بدایونی گز بھر سے کسی طرح کم نہ تھی ؛ اکبر نے قاضی القضاۃ بنایا یہ بزرگ شرط بدکر (لگاکر) شطرنج کھیلنے کے علاوہ حافظ کا یہ شعر ؎

سحر زحاتف غیبم رسید مژدۂ گوش کہ دورِ شاہِ شجاع است مے دلیر بنوش

پڑھتے ہوئے ساغر پہ ساغر لنڈھایا کرتے تھے۔بدایونی کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ رشوت کو عین فرض سمجھتے تھے۔اور سود کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے تھے۔‘‘(صفحہ 56)

(15) شیخ الاسلام کا نواسا (پوتا) شراب پی پی کر مر گیا

’’۔بدایونی لکھتا ہے کہ عہدِ اکبری کے ایک عالم خواجہ اسماعیل نبیرۂ شیخ الاسلام کا انتقال کثرت شراب نوشی کے سبب ہوا تھا۔‘‘(صفحہ 56 دین الٰہی کا پس منظر)

(16) عبدالنبی اور عبداللہ سلطان پوری فرعونی گروہ تھے

۔’’بدایونی کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عبادت خانے میں علما دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔اُن میں سے ایک گروہ مخدوم الملک عبداللہ کا طرفدار تھا۔اور دوسرا شیخ عبدالنبی کا۔بحث کے دوران جب وہ جھگڑتے تو یوں معلوم ہوتا گویا سبطی وقبطی باہم دست وگریبان ہیں۔اُنکے جھگڑے زبانی کلامی مناظروں تک محدود نہیں رہے۔بلکہ دونوں گروہ قلم بدست میدان تحریر میں کود پڑے۔مخدوم الملک نے پہل کی اور ایک رسالہ شیخ عبدالنبی کے خلاف لکھ ڈالا۔اس میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی مرقوم تھا کہ شیخ عبدالنبی کو چونکہ بواسیر ہے۔اور اُنکے والد نے انہیں جائیداد سے بھی عاق کیا ہوا ہے۔اسلئے اُنکے پیچھے نماز جائز نہیں۔‘‘

(17) صدر الصدور اور مخدوم الملک ایک دوسرے کے نزدیک کافر تھے

''۔شیخ عبدالنبی بھلا پیچھے رہنے والے کب تھے۔انہوں نے مخدوم الملک کے خلاف قلم اٹھایا۔اور انہیں جاہل مطلق ثابت کر دکھایا۔اگر ان کے اختلافات یہیں تک محدود رہتے تو بھی'' درجہ بدرجہ خیریت رہتی''مگر وہ ایک قدم آگے بڑھ کر ایک دوسرے کی تکفیر اور تضلیل میں مشغول ہو گئے۔اور دونوں طرف سے فتاویٰ کے کاغذی کارتوس چلنے لگے۔بدایونی لکھتا ہے۔کہ انجام کار ان کے اختلافات اس انتہا کو پہنچ گئے کہ'' کار بحث از سنّی وشیعی وحنفی وشافعی وفقیہ وحکیم گذشتہ دراصل اصول خلل انداختند۔''(شیعہ سنی،حنفی،شافعی وغیرہ کی بحثوں سے بات آگے بڑھ گئی اور اُن دونوں نے دین کے حقیقی اصولوں میں بھی خلل ڈال دیا)(صفحہ 57 دین الٰہی کا پس منظر)

(18) تاج الدین نے اکبر کے لئے سجدۂ تعظیمی جائز کر دیا

''۔تاج الدین نے وحدت الوجود کے غلبہ کے تحت بادشاہ کو'' عین واجب لا اقل عکس واجب'' قرار دے کر اکبر کے لئے سجدۂ تعظیمی کا جواز نکالا''(دین الٰہی صفحہ 57)

(19) داڑھی منڈانا جائز کر دیا گیا

''۔حاجی ابراہیم سرہندی نے داڑھی پر تحقیق شروع کی اور چند روز بعد مُلّا ابو سعید برادر زادہ شیخ امان پانی پتی کے کتب خانے کی ایک کرم خوردہ کتاب میں سے ایک حدیث نکال لائے۔اور عبادت خانے میں آکر یہ اعلان کیا کہ راوی لکھتا ہے۔کہ پسر صحابہ مترش در نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمد فرمودند کہ اہل بہشت بایں ھیات خواہند بود۔اس سے بادشاہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب اہل بہشت کلین شیو ہوں گے تو پھر ہم کیوں نہ شیو بنوائیں۔''(صفحہ 58 دین الٰہی کا پس منظر)

(20) عراق کے شیعہ قاضیوں یا گنہگاروں کی ضد میں داڑھی منڈانے کا جواز

''جب ایک فقیہ نے یہ دیکھا کہ حاجی ابراہیم کی تحقیق بادشاہ کے دل پر لگی ہے۔تو وہ بھی ایک کتاب اٹھا لائے۔جس میں یہ مرقوم تھا کہ اپنی داڑھی اس طرح نہ رکھو''**کمایفعله بعض القضاة العراق.** ''اس کا ترجمہ انہوں نے یوں کیا کہ جس طرح عراق کے قاضی داڑھیاں رکھتے ہیں۔تم ان کی طرح داڑھیاں نہ رکھو۔بالفاظ دیگر تم اُن کی ضد میں داڑھیاں منڈاؤ۔بدایونی لکھتے ہیں کہ یہ اس فقیہ کی چالا کی سمجھئے یا جہالت جس نے عصاۃ کو قضاۃ بنا دیا تھا''(صفحہ 58 دین الٰہی کا پس منظر)

(21) اکبر مخالف محاذ کے علماء کو غزالی و رازی کا ہم پلہ سمجھتا رہا

''۔بدایونی لکھتا ہے کہ اکبر اپنے عہد کے علما کو غزالی اور رازی کے ہم پلّہ سمجھے ہوئے تھا۔جب اس نے دیکھا کہ اس دور کے غزالی اور رازی نے فریضہ حج وزکاۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلے تلاش کر لیے ہیں۔اور اس عہد کے سرخسی اور بیہقی حزم کو

خُرم اور عصاۃ کو قضاۃ پڑھتے ہیں تو وہ سلف کو خلف پر قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا۔‘‘(صفحہ 61 دین الٰہی کا پس منظر)

(22) مجتہدین دنیادار اور جاہ طلب وریاکار ہوتے ہیں

’’۔شیخ احمد سرہندی نے لکھا ہے۔کہ حق تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں جتنی ڈھیل اور کمزوری شرعی امور میں نظر آتی ہے۔اور جو فتور ترویج دین اور ملت کے معاملات میں نظر آتا ہے۔یہ سب دنیا دار علما کی بدبختی اور نیت کی خرابی کا ثمرہ ہے۔اُن کے یہودیوں جیسے حیلے اور طلب جاہ خود ان کے لئے اور ان کی وجہ سے اسلام کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئے۔‘‘
(صفحہ 64 دین الٰہی کا پس منظر)

(د) اکبر کی پوزیشن اور عبادت خانہ کا مقصد

اکبر کے آخری دور میں چونکہ شکست خوردہ علماء نے چاروں طرف افواہیں اور تہمتیں پھیلا دی تھیں۔اور عبدالقادر بدایونی جو ایک زخم خوردہ بغلی گھونسا تھا۔اس سازش کے لئے نہایت بددیانتی سے منتخب التواریخ میں مواد جمع کر رہا تھا۔اس لئے بعد میں اکبر کے لئے متعصب دماغوں میں طرح طرح کے وسواس وشبہات موجود رہے۔اور آج بھی دین الٰہی کے نام سے اکبر کے خلاف بہت سی بکواس کی جاتی ہے۔اکبر کا جرم یہ تھا کہ وہ اپنی عقل سے کام لینے لگا تھا۔اور اندھی تقلید سے کنارہ کش ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ آخر تک حنفی المذہب تھا۔اُس کو بدنام کرنے کی سازش نئی ہے،نہ اس پر تہمتیں نئی ہیں،نہ اُسے کافر و بے دین وملحد و بدعتی کے القاب نئے ملے ہیں۔یہ تو حکمران جماعت کا مسلسل اور روزاول سے طریقہ یا سنت رہی ہے کہ اپنے مخالف کو یہ تمام القاب دے کر عوام کو برانگیختہ کیا جائے اور تلوار سے مخالف کا کام تمام کر دیا جائے۔عبداللہ ابن زبیر کو مخالف حکومت نے کیا کیا کہا۔؟ الغرض ہم نے اُن سب حکومتوں کی پول کھول کر آپ کے سامنے بار بار رکھی ہے۔یہ خود اُن القابات کے مستحق اور ایک دوسرے کے نزدیک مرتد،ملحد،بے دین،کافر اور بدعتی تھے۔بہر حال اس سلسلے میں سب سے پہلے اکبر کا تاریخی بیان ملاحظہ ہو:۔

(1) عبداللہ خان ازبک والئ ترکستان کے خط کا جواب

’’۔اس خط میں بعض علمائے دربار کی شکایت کی ہے۔کہ وہ نہ صرف عقل وخرد سے خالی تھے۔بلکہ کلام مجید کی غلط ترجمانی کرتے تھے۔اور اس کی بنا پر شاہی اختیارات میں شرکت چاہتے تھے۔(وفرمان آسمانی ونامۂ جاودانی راکہ فرستادہ خداو رسانیدہ پیغمبرؐ است از شاہ راہ گردانیدہ برنگ دیگر دامے نمایند ومجملات نصوص را تاویلات وتسویلات نمودہ می خواہند در فرمانروائی وکارگذاری شریک بادشاہی باشند۔) جب ان باتوں کی تحقیق اور اختلافی امور کی تفتیش کے دوران میں ظاہر بینوں کا پول کھلا اور وہ پایۂ اعتبار سے گر گئے۔تو انہوں نے حسد وعداوت سے غلط افواہیں پھیلانی شروع کیں اور ہماری نسبت نبوت اورالوہیت کے دعوے منسوب کئے ورنہ کہاں بندۂ عاجز اور کہاں یہ دعویٰ۔‘‘؟

(2) اکبر کے جانشین جہانگیر بادشاہ کے نزدیک اکبر کا عملدرآمد

جہاں گیر بادشاہ اکبر کا بیٹا تھا۔ اکبر کے انتقال کے بعد ملانٹوں نے اُسے اس شرط پر بادشاہ بنایا تھا کہ وہ اکبر کے دور کی تمام بدعتوں کو ختم کرے گا۔ اور جن لوگوں کو اکبر نے آزادی دی تھی خصوصاً شیعوں کا اقتدار ختم کردے گا۔ اور مولویوں کے دشمنوں کا قلع قمع کرے گا۔ اس کا بیان سنئے اور دیکھئے کہ اکبر کا کیا قصور تھا۔

> ''ارباب مِلَل مختلفہ را در وسعت آباد دولت بے بدیلش جاء بخلاف سائر ولایاتِ عالم کہ شیعہ را بغیر از ایران وسُنّی را در بغیر از روم وہندوستان وتوران مانیست ۔ چنانچہ در دائرہ وسیع الفضائے رحمت ایزدی جمیع طوائف وارباب ملل راجا است بمقتضائے آنکہ سایہ می باید کہ پرتو ذات باشد۔ در ممالک محروسہ اش ہر حدے نہ کنار دریائے شور منتہی گشتہ ارباب ملتہائے مختلف وعقیدت ہائے صحیح وناقص راجا بودہ ۔ راہ تعرض بستہ گشتہ سنی باشیعہ در یک مسجد وفرنگی با یہودی در یک کلیسا طریق عبادت می سپردند ۔ صلح کل شیوہ مقرر ایشاں بُود ۔ بانیکاں وخوباں کہ ہر دین وآئین محبت می داشتند وبقدرِ حالت وفہمید گی التفاتہا می فرمودند۔

دنیا کی دوسری حکومتوں کے خلاف کہ جہاں شیعوں کو صرف ایران میں پناہ ملتی ہے۔ اور سُنّیوں کا گذر بسر صرف روم، توران اور ہندوستان ہی میں ہوسکتا ہے ۔ اکبر کی وسیع سلطنت میں مختلف اقوام کے اور ملتوں کے لئے جگہ موجود ہے ۔ یہ رحمت خداوندی ہے۔ کہ اکبر بادشاہ کے زیر نگین ایسی وسیع اور عریض مملکت میں کہ جس کی حدود سمندروں تک پھیلی ہوئی ہیں ۔ اِس ملک میں تمام مختلف الحال گروہوں اور مذاہب واقوام کے لوگوں کے بے دغدغہ رہنے کا سامان موجود ہے۔ چونکہ خالق یکتا کے سایہ کو بھی صفات یزدانی کا پرتو ہونا چاہئے۔ اسی لئے اکبر کے راج میں ہر مذہب وملت کے لوگ خواہ وہ صحیح عقائد رکھتے ہوں یا اُن کے عقائد ناقص ہوں۔ بلاکسی تفریق کے آباد وشاد ہیں۔ اعتراض اور دخل اندازی کی تمام راہیں بند کردی گئی ہیں۔ اسی لئے یہاں سُنّی اور شیعہ ایک ہی مسجد میں اور عیسائی ویہودی ایک ہی گرجا میں اپنی اپنی آزادانہ عبادت کرتے ہیں۔ یہ صلح پسندی کا طرز عمل اکبر بادشاہ کا پسندیدہ طریقہ تھا۔ وہ جناب ہر دین وآئین اور مختلف مکاتیب فکر کے نیک اور پسندیدہ لوگوں سے محبت کرتے تھے۔ اور اُن سب کے ساتھ اُن کے حالات اور قابلیت کے مطابق پیش آتے تھے۔'' (صفحہ 17 توزک جہانگیری رودکوثر صفحہ 86-85)

(3) جہاں گیر کے اس بیان میں کہیں اشارہ تک نہیں ہے کہ اکبر نے کوئی کام اسلام کے خلاف کیا تھا۔ اور اس کے زمانہ کے متعصب ترین علماء نے بھی اس بیان کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ لہٰذا اکبر کے خلاف تمام متعصّبانہ بیانات تہمتوں سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ جناب اکرام اللہ اصل وجہ مخالفت ذرا تکلف سے بیان کرتے ہیں کہ:۔

(4) علماء نے اکبر کے خلاف سازش کی تھی

''۔وجہ اس کی یہ تھی کہ اکبر بادشاہ دانا دل، وسعت شرب، عام شیوہ کرم وشفقت اور وسیع سلطنت کی بنا پر گروہا گروہ انسانوں کو دوست بنا تا تھا۔اور ہر دین ومذہب کے اہل تحقیق سے مطالب دینی ومقاصد حقیقی کے متعلق گفتگو ہوتی تھی ۔لیکن بعضوں سے پیدائشی اورعدم تحقیق کی بنا پر مناسب جواب نہ ملتا تھا۔ بالخصوص اس دوران میں فیلسوفانِ نصاری کی طرف سے اُن مجالس میں متفقہا پر گرفت وگیر ہوئی۔اور بحث ومباحثہ برپا ہوا۔جن لوگوں نے جھوٹی علمیت کے بڑے بڑے دعوی باندھ رکھے تھے۔اُن سے علمی اورعقلی بحثوں میں تو کچھ نہ بن آئی ،لیکن انہوں نے لوگوں سے خفیہ خفیہ کہنا شروع کیا کہ(دین خطرے میں ہے)ہمیں دین کا غم کھائے جارہا ہے۔اور بادشاہ نے جانبداری سے ہمارے جوابات کو قبول نہ کیا۔اُن لوگوں نے بے انصافی سے بادشاہ پر تہمتیں لگائیں ۔(صفحہ 110 رودکوثر) بعض کج بینوں نے بادشاہ کو شیعت سے متہم کیا۔وجہ یہ تھی کہ جب مجالس شاہی میں دوسری قوموں کی طرح شیعہ سنی نقطہ نظر پیش کیا جاتا۔تو بادشاہ انصاف پسندی اور بے تعصبی سے جورائے مضبوط ہوتی اسے ترجیح دیتا۔ بادشاہ اس سلسلے میں فِرقے کی قِلت وکثرت اوراپنے بیگانے کا کوئی لحاظ نہ کرتا۔لیکن کوتاہ بینوں نے بیہودہ گوئی شروع کی اُنہوں نے ایرانیوں کی قدرومنزلت کو جو بیشتر شیعہ ہیں بدگمانی کا سامان بنالیا۔(صفحہ 110 رودکوثر)

''۔بعض ناپاک طینتوں نے بادشاہ کو کیش برہمن کا طعنہ دیا۔وجہ یہ تھی کہ دیدہ ور بادشاہ اپنی فراخ حوصلگی سے دانشمند برہمنوں کو اپنے قریب جگہ دیتا۔''(صفحہ 110)

(5) شیعہ مجتہد اکبر کے خلاف بغاوت میں شریک ہوا

قارئین نے دیکھا کہ اکبر نے درندہ قسم کے مسلمان علماء کو بے دست وپا کر کے تمام اقوام ومذاہب کو مکمل طور پر آزادی عطا کی تھی۔اکبر مختلف مذاہب کے نقطہ ہائے نظر کو نہایت فراخ دلی اور تحقیق حق کے لئے سننے اورحق بات کو اختیار کرنے پر زور دیتا ہے ۔ وہ نہ شیعوں کا ناجائز طرفدار تھا، نہ سنیوں سے جانبداری رکھتا تھا۔عیسائی یہودی ہندواور پارسی سب کو زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کا حق دیتا تھا۔چونکہ یہ طرزعمل باطل مذاہب کی موت اور نظام اجتہاد کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔اس لئے اکبر کے خلاف لازم تھا کہ نظام اجتہاد صف آرا ہوجاتا۔خصوصاً جب کہ اکبر بادشاہ لفظ اجتہاد اورفقیہ ومجتہد سے کھلم کھلا متنفر تھا۔ وہ مجتہدین کی خودساختہ مجتہدانہ شریعت کو غیر معقول سمجھتا تھالہٰذا وہ :۔

نمبر1۔'' کہا کرتا تھا کہ اگر کسی مسئلہ کا تعلق عقل کے ساتھ ہوتو مجھ سے دریافت کرو اور اگر وہ شریعت سے متعلق ہوتو وہ اِن ملاؤں سے پوچھو۔''(دین الٰہی کا پس منظر صفحہ 187)

نمبر2۔ ''اکبر جس سے ناراض ہوتا۔اسے فقیہ کہہ کر پکارتا تھا۔(صفحہ 187 دین الٰہی کا پس منظر)

نمبر3۔ ''بدایونی لکھتا ہے۔کہ اُن ایام میں اگر وہ کسی کو گالی دینا چاہتا تھا۔یا کسی کی تحقیر مقصود ہوتی تھی۔تو اسے فقیہ کہہ کر پکارا کرتا تھا۔''(صفحہ 209 دین الٰہی کا پس منظر)

نمبر4۔ ملک الشعراء فیضی ''۔این پیالہ را بکوری فقہا می خوریم۔'' ۔''میں یہ پیالہ مجتہدوں کے اندھے پن میں اضافہ کے لئے پیتا ہوں۔''اِن تاثرات میں شیعہ وسنی دونو مجتہد شریک تھے۔مگر (دین الٰہی صفحہ 210)

نمبر5۔ ''اکبر کو صحابہ کرامؓ پر بھی کئی اعتراضات تھے۔وہ جنگ صفین۔قضیہ فدک۔تعین اوقات صلوۃ خمسہ۔نکاح ام کلثوم بنت علیؑ۔خلافتِ خلفائے ثلاثہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے ناراض تھا۔اس لئے اُن کے اجماع کی اُس کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔''(صفحہ 209 دین الٰہی کا پس منظر)

چونکہ دونوں قسم کے مجتہدین کے یہاں اجماع دلیل شرعی ہے۔اس لئے اجماع صحابہ کی مخالفت کرنے والے بادشاہ کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ شیعہ مجتہد نے دیا ملاحظہ ہو۔''یہی وجہ تھی کہ اکبر کے ایک ہمعصر (شیعہ) عالم مُلّا محمد یزدی (جو اکبر کی طرف سے جون پور میں قاضی القضاۃ تھا) نے یہ فتویٰ دے دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے۔اس لئے اُس کے خلاف صف آرا ہونا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''(صفحہ 211 دین الٰہی کا پس منظر)

(6) <u>شیعہ مجتہد کے فتویٰ پر اہلسنت کی ثناخوانی اور تعمیل حکم</u>

''۔ان مایوس کن حالات میں کچھ ایسے باہمت اور باغیرت لوگ بھی تھے۔جو احیائے شریعت کی خاطر سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکلے۔جون پور کے قاضی ملا محمد یزدی؛ نے جو ایک مانے ہوئے (بقول تمہارے سخت تبرائی تھے) عالم تھے۔یہ فتویٰ دیا کہ اکبر مرتد ہو چکا ہے۔اسلئے اُسکے خلاف تلوار اٹھانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔''(صفحہ 239-238 دین الٰہی)

(7) <u>شیعہ مجتہد نے کن علماء کی سازش میں حصہ لیا</u>

''۔قاضی بنگال میر یعقوب اور قاضی لان برنی نے اس فتوے کی تائید کی۔پنجاب کے اکثر و بیشتر علما نے مُلّا محمد یزدی کی جرأت کی داد دیتے ہوئے اکبر کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال۔بہار اور اضلاع پورب میں اکبر کے خلاف بغاوت ہوگئی۔اور محمد معصوم کابلی، میر معز الملک، نیابت خان، محمد معصوم خان فرنخوری اور عرب بہادر جیسے جانباز اکبر کے خلاف صف آرا ہو گئے۔بعض امراء نے اکبر کے بجائے حکیم مرزا کو تخت پر بٹھانے کا منصوبہ تیار کیا۔اور اُس کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی۔بنگال اور بہار میں جہاں اکبر کے خلاف بغاوت ہوگئی تھی۔جمعہ کے خطبہ سے اکبر کا نام نکال کر اس کی جگہ حکیم مرزا کا نام شامل کر دیا۔''(صفحہ 238-237 دین الٰہی کا پس منظر)

(8) نظام اجتہاد کی بنیاد ہی مخالفتِ علیؑ و آل علیؑ پر رکھی گئی ہے

اجتہاد کی گفتگو میں ہم بتا چکے ہیں کہ تحریک تشیع کو ناکام کرنے کے لئے نظام اجتہاد نے اپنے ماہرین سیاسیات ونفسیات علماء کو شیعہ عمامے اور لبادہ پہنا کر ہمارے عوام میں بھیج دیا۔ یہ لوگ تبرا اور لعنت کا نسخہ لے کر آئے۔ اس نسخے سے اُنہوں نے ادھر شیعہ عوام کا اعتبار واعتماد حاصل کیا اور اُدھر مسلمانوں کے عوام کو شیعوں سے متنفر کر دیا۔ یہ سو فیصد صحیح ہے کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بلافصل مانتے ہیں۔ اور اُن کے بعد جناب امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور اُن کی اولاد سے نو آئمہ علیہم السلام کو بارہ امام تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے علاوہ ہمارے نزدیک کوئی جائز خلیفہ ہے نہ امام ہے، نہ ہوسکتا ہے، نہ ہوا ہے۔ چنانچہ شیعہ اثنا عشریہ کے عقائد معلوم ومشہور ہیں۔ <u>مگر عوام یا خواص کی دل آزاری ہمارے یہاں حرام اور ممنوع ہے۔ جن لوگوں نے لعنت اور تبرے کو دل آزاری کے لئے استعمال کیا ہے۔ وہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے واضح حکم کے مطابق دشمنان اسلام ہیں۔ ہمارے یہاں جواباً اور انتقاماً بھی تبرا ولعنت منع ہے۔</u> یہ قبیح رسم معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جاری کی تھی تاکہ تمام مسلمانوں کو علیؑ و آل علیؑ سے متنفر کر دے۔ اور خلافت اموی نے ننانوے سال تک ہر مسجد میں ہر منبر سے لعنت وتبرا جاری رکھا۔ حتیٰ کہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس مذموم بدعت کو بند کیا۔ اس رسم کو ظاہر ہے کہ دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ ہی پسند کر سکتے ہیں۔ ہمارے آئمہ علیہم السلام، قرآن کریم اور رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق، مسلمان عوام اور غیر مسلموں سے محبت وشفقت، لطف وکرم سے پیش آنا ہم پر لازم وواجب ہے۔ ہم پر دشمنانِ آل محمدؐ سے تبرا ولعنت واجب ہے۔ جس کا منشا ومقصد ہم بیان کر چکے ہیں۔ <u>یعنی حقیقی تبرّا یہ ہے کہ دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کے اعمال وتصورات سے قطعاً بری الذمہ رہا جائے۔ لعنت یہ ہے کہ دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کے منصوبوں کو بے اثر اور باطل کر کے اُن کے نظام کو دنیا سے رخصت کر دیا جائے۔</u> تاکہ وہ اپنے مقاصد میں محروم ہو کر رہ جائیں۔ مجتہد کا تبرا اور لعنت یہ ہے کہ نفرت پھیلانے اور دل آزاری کے لئے عوام کے سامنے اُن کے بزرگوں کو بُرا کہا جائے۔ لیکن عمل دشمنانِ اہلبیتؑ کے مطابق رکھا جائے۔ چنانچہ اجتہاد، خطائے اجتہادی، نظام مشاورت، اجماع، الیکشن وغیرہ اُن کے یہاں جائز ہے۔ وہ قرآن وحدیث کو ناقص سمجھ کر اپنی ذاتی بصیرت سے احکام جاری کرنے کے قائل ہیں اور محض شیعہ لیبل کے ماتحت شیعوں میں شامل ہیں۔ یہ طریقہ جناب علامہ محمد یزدی کے کردار سے بالکل ثابت ہے۔ پہلے وہ اکبر کے دربار میں شیعوں کے خلاف اپنے تبرا اور لعنت سے نفرت کے شعلے بھڑکاتے رہے۔ اور جب بازار کافی گرم کر لیا تو اکبر پر کفر کا فتویٰ لگا کر جہاد کا حکم دے دیا۔ تاکہ بے قصور شیعہ عوام وخواص کو تہہ تیغ کرایا جاسکے۔ ہم اس فتویٰ کے بعد تمام وہ مظالم جو شیعوں پر ہوئے اُن کے ذمہ لگاتے ہیں۔ وہ ظالموں کے ساتھ برابر کے حصے دار تھے اور ہرگز مذہب شیعہ سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ مجتہد ہرگز معصومین علیہم السلام کا پیرو نہیں ہوسکتا۔ شیعوں کو مجتہدین سے تبرا کرنا لازم ہے۔

(9) شیعہ مجتہد نے شیعوں کے خلاف تبرا اور لعنت کا ہتھیار استعمال کیا

’’۔بڑی خرابی اُس وقت ہوئی جب سب فرقوں اور طریقوں کے عالم آ گئے ۔اور شیعہ سُنّی صوفی ،مہدوی خیالات اور اختلافات بادشاہ کے سامنے آئے ۔شیعہ عالم مُلّا محمد یزدی جنہوں نے بعد میں بادشاہ کے کفر کا فتویٰ دیا۔اِن جھگڑوں میں پیش پیش تھے۔انہوں نے بادشاہ سے خلوت کی ملاقاتوں میں پہلے تین خلفاؓ۔ بعض دوسرے صحابہؓ اولیائے کبار۔فرقۂ اہلسنت والجماعت اور سُنّی علما کو بہت برا بھلا کہا۔اور سب کے گمراہ ہونے کا فتویٰ دیا۔بقول بدایونی:۔

ملا محمد یزدی مذکورہ صورت حال سے بھی تجاوز کر گئے ۔ اوراس سے بڑھ کر خلفائے ثلاثہ پر کھل کر طعنہ زنی اورناپسندیدہ باتیں عائد کیں ۔ عام صحابہ کی تکفیر اور تفسیق میں بڑوں اور چھوٹوں کی پرواہ کئے بغیر تمام صحابہ وتابعین اور تبع تابعین اور تمام گذشتہ اور بعد والے لوگوں کو شامل کرلیا۔اہلسنت والجماعت کی توہین اور بے عزتی کو سامنے رکھنا شروع کیا۔اور مذہب شیعہ کے علاوہ باقی سب کو گمراہ اور گمراہ کنندہ قرار دیا۔‘‘(صفحہ 91رودکوثر)

> ملامحمد یزدی ۔ نیز بر آں صورت کہ گذشت بالا رفتہ ۔طعن صریح وناسزائے قبیح بر خلفائے ثلاثہ گفتہ وتکفیر وتفسیق عامہ صحابہ کبار وتابعین وتبع تابعین وسلف وخلف صالحین از متقدمین ومتاخرین رضی اللہ عنہم کردہ ۔اہلسنت والجماعت را محقر ومہان درنظر نمودن گرفت وغیر از مذہب شیعہ ہمہ را ضال ومضل گردانید۔

(10) اعلانیہ بغاوت کرنے والوں کا انجام

’’۔باغی اُمرا کی قیادت بابا خان جباری اور وزیر جنیل نے کی اور کافی مدت تک وہ اکبر کے لئے دردسر بنے رہے۔اکبر نے اُن کے خلاف فوج کشی کی ۔اور فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن بدقسمتی سے بابا خان عین معرکہ کارزار میں کام آیا۔امیر میر کی نامی ایک سردار جو اپنی فوج لے کر باغیوں کی مدد کو آ رہا تھا۔شاہی افواج کے ہاتھ لگا۔اکبر نے اس کا سر قلم کروا دیا۔حسین بیگ چتر ادقلی بھی اکبر کے خلاف لڑتا ہوا میدان جنگ میں کام آیا۔باغی امرا کا زور ٹوٹتے ہی علما کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔قاضی بنگال میر یعقوب بھی گرفتار ہوئے۔اور اکبر نے اُن کے دست وپا باندھ کر دریا جمنا میں پھنکوا دیا۔مُلّا محمد یزدی اور میر معزالملک بھی میر یعقوب کی طرح دریائے جمنا میں پھینکے گئے ۔قاضی لان برنی کو اکبر کے حکم سے ذبح کیا گیا۔لاہور کے اکثر علما کو اکبر نے مروا ڈالا۔اور بقیۃ السیف میں سے قاضی الصدر الدین لاہوری ملا عبدالشکور۔ملا محمد معصوم اور شیخ منور کو دور دراز علاقوں میں جلاوطن کر دیا۔معین الدین الواعظ ہروی کے پوتے شیخ معین سے بوجہ کبرسنی درگذر کیا۔حضرت مجدد الف ثانی کے خسر شیخ سلطان تھانیسری کو کسی بہانے سے تختہ دار پر لٹکا دیا۔‘‘(صفحہ 240-239دین الٰہی کا پس منظر)

(11) پوشیدہ بغاوت پھیلانے والے علماء کون کون تھے

قارئین یہ سمجھ لیں کہ مُلاّ محمد یزدی شیعہ مجتہد نے جن علماء کی شہ پر اکبر کے خلاف فتویٰ دیا تھا وہ بڑے کامیاب سیاست دان تھے۔ جو زیرِ پردہ رہے اور تمام بغاوت کے پردوں میں لپیٹ کر اس نام نہاد شیعہ مجتہد کو قتل کرا دیا۔ وہ لوگ مدت دراز سے ملا عبدالقادر اینڈ کمپنی کی اطلاعات پر اندرون ملک بادشاہ اور شیعت کے خلاف پبلک کو متنفر کر رہے تھے۔ اب اُن لوگوں کا تذکرہ ایسے قلم سے ہوگا جو نہ صرف اُن کا ہم مذہب ہے بلکہ انہیں دنیا کا نجات دہندہ سمجھتا ہے۔ لہٰذا آپ اپنی بصیرت سے سونگھ سونگھ کر اُن کو الگ کرلیں۔ عنوان کے اختتام تک ہم آپ کو اُن کے اصل دشمنانِ اکبر و مذہبِ شیعہ ہونے کا یقین دلا دیں گے لہٰذا ایک بیان پڑھیں:۔

''۔اکبر باغیوں کو دبانے میں وقتی طور پر کامیاب ہوگیا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد راسخ العقیدہ مسلمان اپنے مشن میں کامیاب ہوگئے۔ اکبر کے آخری ایام زندگی میں۔ اُس کے حواریوں میں سے راجہ ٹوڈرمل۔ بھگوان داس، راجہ بیربل، شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل اور شاہ فتح اللہ شیرازی ایک ایک کر کے راہی ملک بقا ہوئے۔ اُن کے مرنے سے شاہی دربار میں جو خلا پیدا ہوا۔ اُسے پُر کرنے کے لئے راسخ العقیدہ اُمرا آگے بڑھے۔ اُن میں شیخ فرید بخاری۔ قلیج خان۔ مرزا کوکلتاش۔ میران صدر جہاں اور عبدالرحیم خانخاناں پیش پیش تھے۔ اُن امرا نے دربار میں اپنی ایک جماعت قائم کرلی۔ جسے حضرت مجدد الف ثانی جرگۂ مردان دولتِ اسلام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اُن امرا کی کوشش اور ہمت سے اسلام کو کافی حد تک تقویت پہنچی۔ لیکن اُن کا اثر زیادہ تر شاہی دربار اور سرکاری حلقوں تک ہی محدود رہا۔ شاہی دربار سے باہر حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد الفِ ثانی تحریک احیائے دین کے روح رواں تھے۔ یہ دونوں بزرگ اُن امرا کو بادشاہ اکبر کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور ترویج شریعت کے لئے کوشش کرنے کی ترغیب دلاتے رہتے تھے۔ اپنے اور پرائے سب ہی اس بات پر متفق ہیں کہ اُن امرا نے یہ عہد کیا تھا کہ اکبر کی وفات کے بعد اُس شہزادے کی حمایت کریں گے جو ملک میں احکامِ شریعت نافذ کرے گا۔ چنانچہ جہاں گیر نے اُن کے ساتھ اس بات کا عہد کیا اور اُن امرا کی کوشش سے جہاں گیر کو اس وقت تخت ملا جب خسرو (جو شیعہ تھا) کی جانشینی کے قریب قریب مراحل طے ہو چکے تھے۔'' (صفحہ 241-240)

(12) اکبر کے خلاف مُلاّ اِزم جاری کرنے والے

ہم بہت پہلے سے اس بغاوت کو سازش لکھتے چلے آرہے ہیں۔ اب قارئین خود سوچیں کہ اکبر بادشاہ زندہ ہے۔ اُس کی زندگی میں اُس کے خلاف چند علماء ایک جماعت کو اپنا ہم نوا بناتے ہیں۔ بادشاہ کے ایک ایسے بیٹے کو بھی اپنے ساتھ شامل کرتے ہیں جو حقیقتاً ولی عہد اور نامزد جانشین نہیں ہے۔ اُسے بادشاہ بنانے کا لالچ دیتے ہیں اور بادشاہ کے مرنے کے بعد تک کا

پورا پروگرام بنا کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اکبر کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے۔ بتائیے اسے بغاوت کے لئے سازش نہ سمجھوں تو کیا کہوں۔؟ یہ ہے وہ سازش جس کا پہلا مدد و معاون اور پہلا شکار شیعہ مجتہد علامہ یزدی بنتا ہے۔ پھر یہ سوچئے کہ یہ لوگ اس پُرامن اور آزادی خیال و عمل حکومت کا تختہ الٹ دینے کی سازش اور بغاوت کرتے ہیں اور خیر سے اپنے مسلک کے مطابق اُس بغاوت کو اسلام کی خدمت اور احیائے اسلام کے مقدس نام دیتے ہیں۔ اس دُنیا میں اس حکومت کا دشمن صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو خالص مجتہدانہ ذہنیت رکھتا ہو اور جسے قرآن اور رسولؐ سے ذرہ برابر تعلق نہ ہو۔ جس کے نزدیک اپنے اور اپنے ہم خیال لوگوں کے علاوہ کسی کو آزادی مذہب و اظہارِ خیال کا حق نہ ہو۔ جو اپنے مذہب کے خلاف بولنے والوں کو بے دریغ قتل کرنے کا قائل ہو چنانچہ فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

(13) <u>بغاوت کا راہنما، شیعوں کا قتل صرف شیعہ ہونے کی بنا پر واجب سمجھتا تھا</u>

(الف) ''۔حضرت مجدد (الف ثانی) کے سلسلے میں ان کے رسالے ردِ روافض کا ذکر کر چکے ہیں۔ شیعوں کی مخالفت حضرت مجددی تعلیمات کا ایک اہم ترین جُز تھی۔'' (صفحہ 338 رود کوثر)

(ب)۔''خواجہ محمد معصوم کا بھی اس مسئلہ میں وہی طرزِ عمل تھا۔ جو اُن کے والد بزرگوار کا تھا۔ اور اُن کے مکتوبات میں ایک اہم خط ہے (دفتر اول شمارہ نمبر 64) جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے شاہزادہ اورنگزیب کو لکھا۔ اور جس میں تکفیر روافض اور اُن کو قتل کرنے کے حق میں کئی حدیثیں درج کی ہیں۔'' (صفحہ 339 رود کوثر)

(ج) ۔''شیعوں کی نسبت حضرت مجددی کی رائے علمائے ماوراء النہر (وہابیوں) کی طرح انتہا پسندانہ تھی۔ وہ انہیں کافر سمجھتے تھے۔ اور اُن کے صاحب زادہ خواجہ محمد معصوم نے تو اورنگزیب کے نام ایک خط میں شیعوں کو واجب القتل ٹھہرایا ہے۔'' (صفحہ 576 صفحہ 577 رود کوثر) ذرا آگے چل کر لکھا گیا کہ:۔

(د) ۔''ظاہر ہے کہ کئی اہم باتوں میں اسے قومی پالیسی کی اساس نہیں بنایا جاسکتا۔ اور اگر آج شیعوں کو کافر اور گردن زدنی قرار دیا جائے تو پتہ نہیں قوم کو کتنے ممتاز اہل قلم۔ خادمانِ قوم اور قائدانِ اعظم سے (قتل کرکے) ہاتھ دھونا پڑے۔'' (صفحہ 577 رود کوثر)

(14) <u>شیعہ مجتہد، دراصل شیعہ نہیں بلکہ مجددی گروہ سے تھا</u>

قارئین نے دیکھ لیا کہ سازش کی راہنمائی جناب حضرت مجدد الف ثانی ایسی بزرگ ہستی کر رہی تھی۔ اُنہوں نے بادشاہ کے دربار اور بیرون دربار اہل کاران حکومت میں جو ''<u>جرگۂ مُمِدّانِ دولت اسلام</u>'' کے نام سے بنایا تھا۔ اس کی تائید میں جناب علامہ یزدی کا فتویٰ دینا، اس بات کا زندہ، بولتا ہوا اور تاریخی ثبوت ہے کہ وہ شیعیت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے،

شیعیت کی گود میں پرورش پانے والے اور شیعی ماحول میں رہنے کے باوجود بھی صرف نظام اجتہاد کے ممبر تھے۔ اور ایسا صرف اس لئے ہوتا ہے کہ شیعوں میں جو نصاب تعلیم اور قیادت جاری ہے۔ وہ ہرگز آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے تعلق نہیں رکھتی۔ اور جب تک یہ اجتہادی تعلیم اور قیادت مِلّت شیعہ میں موجود رہے گی۔ مقاصِد محمدؐ و آل محمدؐ برابر پامال ہوتے رہیں گے۔ اور شیعہ عوام کی باگ ڈور کسی نہ کسی مجدّد یا محیٰ الدین کے ہاتھ میں رہے گی۔ اور شیعوں کی تمام عبادتیں، عزاداری اور دیگر رسومات مخالف محاذ کی خاموش تائید کی بِنا پر بے نتیجہ، نامقبول اور ضائع ہوتی چلی جائیں گی۔ اُدھر بنی نوع انساں کی روحانی، جسمانی، سیاسی اور مذہبی آزادی کا گلا گھونٹنے والے ہاتھ برابر مضبوط تر ہاتھوں سے بدلتے چلے جائیں گے۔ اُن ہی ہاتھوں کو توڑنے کے لئے سوشلزم اور کمیونزم کے نظام کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہماری جماعتِ شیوعی نے تحریک تشیّع کا نیا رخ اختیار کرلیا ہے۔ تا کہ اُن نام نہاد بامذہب لوگوں سے اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے سہاروں کو چھین کر اُنہیں بے خدا بے رسولؐ اور لادین ثابت کیا جائے۔ لہٰذا مخالف محاذ کی جدّتیں اور آئے دن ہوتے رہنے والی تجدید و مجدد بہت جلد اپنا نقاب الٹنے والے ہیں۔ اور آج بھی یہ بات ثابت ہوگئی ہے۔ کہ چھ کروڑ سے زیادہ افراد کی اور آج پاکستان کے خوش قسمت دانشوروں کے سامنے لادینی نظام کا تاریخ ساز نظارہ پیش ہوگا۔ یعنی اُس لادینی نظام کی نقاب تقریباً دس فیصد آج اُٹھنے والی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اُس رخِ زیبا کا چاہ زنخدان دیکھیں گے۔ اور اس نقاب کشائی میں حصہ لیں گے۔ اور اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کریں گے۔ کہ لادینی نظام بھی مسلمان ہی کہلاتا ہے۔ یعنی لادینی و مسلمانی ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

اناللّٰہ و انا الیہ رٰجعون ۔ ؎ بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ　　کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(15) حضرت مجدد الف ثانی خود اپنی نظر میں

آنجناب نے ہمارے قتل کا، بلا کسی رعایت واستثنا کے فتوےٰ دیا ہے۔ اس لئے ہم اُن کے خلاف اپنے قلم سے صرف اتنا لکھ دینا کافی خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے بزرگوں کے صحیح پیرو اور جانشین تھے۔ اور یہ کہ ہمارے قتل کا فتوےٰ قرآن و رسولؐ کے احکام کے سراسر خلاف ہے۔ اور اس کا مخالفِ اسلام ہونا ذرا دیر بعد سامنے آجائے گا۔ یہاں تو یہ دکھاتے ہیں کہ آپ نے جو بلند بانگ دعاوی کئے تھے اور نہ صرف خلفائے ثلاثہؓ سے زیادہ افضلیت منوانا چاہی تھی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمسری کا خیال بھی فرمایا تھا۔ اُس پر جب باز پرس و دار و گیر ہوئی تو اپنے ہم مذہب اہلسنت والجماعت کو ٹھنڈا کرنے کے لئے خود ہی فرمایا اور لکھا تھا کہ:۔ (اکرام اللہ صاحب نے بلا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔)

''۔ مخدوما ہر کہ ایں قسم سخناں نوشتہ است منشائے آں سُکر است و بے مزج سُکر دریں باب دست بقلم نہ بردہ۔''

میرے بزرگو۔ جس کسی نے بھی اس قسم کی باتیں لکھی ہیں۔ وہ خالص نشے یا مستی میں لکھیں ہیں۔ اور مستی یا نشہ کی حالت جب

تک شامل نہ ہو جائے اس سلسلہ میں قلم اٹھتا ہی نہیں ہے'' (رود کوثر صفحہ 294)

قرآن کریم کی روشنی میں یہ وہ حالت ہے جس میں نماز کے قریب جانے کی ممانعت ہے۔ لَاتَقۡرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡتُمۡ سُکٰرٰی (4/43) اے مومنین جب تم سکر یا نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں تک کہ تم اس قابل ہو جاؤ کہ جو کچھ کہتے ہو اُسے سمجھ سکو۔ (حَتّٰی تَعۡلَمُوۡا مَاتَقُوۡلُوۡنَ) یعنی مجدد صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ زیر بحث بیان خالصتاً ایسی حالت میں لکھا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص نشہ میں اتنا چور ہو کہ جو کچھ لکھ رہا ہے۔ اُسے سمجھتا نہیں ہے۔ (یارو مجھے معاف کرو میں نشے میں ہوں) لہٰذا نا سمجھی اور نشہ میں کہی بات پر بحث نہ کرو۔ لیکن اس اپیل کے باوجود جس طرح جہانگیر بادشاہ نے گرفتار کر لیا تھا۔ ہمارے اکرام اللہ بھی کمی نہیں کرتے۔ مگر اپنے نہایت مخصوص انداز میں عقیدتمندانہ مزاح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

(16) <u>سکر و مستی نہیں بلکہ اختلال دماغی جو ریاضتوں کا نتیجہ ہے</u>

''۔واقعہ یہ ہے کہ صوفیوں کے احوال و مقامات کا عجیب معاملہ ہے۔ یہ بزرگ صبح و شام اُن خیالات میں مستغرق رہتے ہیں۔ جن سے عوام کو برائے نام دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ غذا فقط اتنی کھاتے ہیں۔ جس سے جان سلامت رہے۔ زیادہ وقت تنہائی و خلوت اور ذکر و فکر میں گذرتا ہے۔ مراقبے اور دوسرے اشغال اتنے سخت ہوتے ہیں کہ دل و دماغ پر ایک خاص رنگ غالب آ جاتا ہے۔ نفسیات کا اصول ہے۔ کہ جو دُھن سر پر سوار ہو وہی عالم خواب یا عالم انجذاب میں نظر آ جاتی ہے۔ چنانچہ صوفیا کو بھی جذب و بے خودی کے عالم میں ایسی ایسی باتیں نظر آتی ہیں کہ عوام سمجھ نہیں سکتے اور معترض ہوتے ہیں۔''
(رود کوثر صفحہ 294)

اکرام اللہ صاحب کا مطلب صاف ہے، کہ بھوک کی شدت اور مراقبوں کی ریاضت سے دماغ میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ عقیدت و احترام کے پردوں کے پیچھے سے انہوں نے یہی کہا ہے کہ اس قسم کی باتیں بکواس ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اس سکر و مستی کی حالت کو نماز ساقط کر کے غسلِ جنابت کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔
(سورہ نساء کی وہی آیت جو مذکور ہوئی ہے 4/43)

(17) <u>حضرت مجدد نے اپنے دعاوی اور کشف کو غیر معتبر قرار دیا</u>

اکرام لکھتے ہیں کہ:۔

''۔حضرت مجدد بھی اس نکتے سے خوب واقف تھے۔ اور انہوں نے کئی خطوط میں ان احوال پر بھروسہ نہ کرنے کی تلقین کی ہے۔''
اور ''شیخ حمید بنگالی کے نام ایک خط (جلد اول صفحہ 221) میں تفصیل سے اُن غلط فہمیوں کی تشریح و اصلاح کی کوشش کی ہے۔ جو مقامات عروج میں اپنی فضیلت کے متعلق ہو گئی تھیں۔ اس میں اپنی (غلط فہمیوں) کی نسبت لکھتے ہیں کہ:۔

’’۔میں توبہ واستغفار و اِنابت سے التجا کرتا تھا۔ اور عاجزی وزاری سے دعا کرتا تھا۔ کہ اس قسم کے کشف ظاہر نہ ہوں ۔ اوراہلسنت و جماعت کے معتقدات کے خلاف سر مومنکشف نہ ہو۔‘‘(صفحہ 295 رودکوثر)

عجیب بات یہ ہے کہ دعاؤں والتجاؤں اور آہ وزاری کے باوجود اہلسنت کے معتقدات کے خلاف انکشافات ہوتے تھے۔ بالکل یہی حال جناب مجدد غلام احمد صاحب قادیانی کا تھا، وہ بھی احمد تھے، وہ بھی پنجاب کی سرزمین تھی۔ فرق یہ ہے کہ وہ شاگرد تھے۔

(18) <u>مجدد صاحب کی سوفیصد اتباع سے اشاعت اسلام ختم</u>

مجدد صاحب قبلہ کا حکم اتنا سخت ہے کہ اگر ہر مسلمان اس پر عمل کرنے لگے تو آئندہ اسلام کے پھیلنے اور تبلیغ کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں سنئے! اکرام اللہ شیخ فرید کو مجدد صاحب کا نافرمان دکھاتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

’’۔معلوم ہوتا ہے کہ شیخ فرید اُس انتہائی نقطۂ نظر کے قائل نہ تھے۔ چنانچہ حضرت مجدد بار بار انہیں خطوں میں غیر مسلموں کو اپنی مجلسوں میں جگہ نہ دینے اور اگر آئیں تو ذلیل رکھنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں:۔‘‘

’’۔پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے۔ جس نے اہل کفر کو عزیز رکھا۔ اُس نے اسلام کو خوار کیا۔ اُن کے عزیز رکھنے سے فقط تعظیم کرنا۔ اور بلند (مقام پر) بٹھانا ہی مراد نہیں۔ بلکہ اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور اُن کی ہم نشینی کرنا (یعنی اُن کے پاس بیٹھنا) اور اُن کے ساتھ گفتگو کرنا۔ سب اعزاز میں داخل ہے۔ کتوں کی طرح اُن کو دور کرنا چاہئے۔ اور اگر دنیاوی غرض اُن کے متعلق ہو۔ جو اُن کے بغیر حاصل نہ ہوتی ہو۔ تو پھر بھی بے اعتباری کے طریق کو مدنظر رکھ کر بقدر ضرورت ان کے ساتھ میل جول رکھنا چاہئے۔ اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ اُس دنیاوی غرض سے بھی درگذر کریں اور اُن کی طرف نہ جائیں۔‘‘(صفحہ 320 رودکوثر)

قارئین اس بیان میں بار بار تلاش کریں اور کوشش کریں کہ کسی طرح اس کا کوئی جملہ قرآن ورسولؐ والے اسلام سے متعلق ہو جائے۔ یہ ہے وہ اسلام جو مجدد صاحب کی تجدید کے بعد بنتا ہے اور جو سراسر قرآن کی تعلیم کے منافی ہے۔

(19) <u>مجدد صاحب خود اپنے خلاف بھی لکھتے ہیں</u>

آخر مشرکوں کے متعلق یا تو مجدد صاحب نے تجدید کر دی یا حالت سکر میں لکھ دیا کہ (مُلّا مقصود علی تبریزی کے نام خط) ’’۔دفتر سوم میں ایک خط ایسا ہے۔ (مکتوب 22) جس میں ’’۔المشر کون نجس۔‘‘ کی تاویل مشرکوں کے حق میں کی ہے۔ اور ملا مقصود علی تبریزی کو لکھا ہے۔‘‘

’’۔آپ خلقِ خدا پر رحم کریں۔ اور عام طور پر اُن کی نجاست کا حکم نہ دیں۔ اور مسلمانوں کو بھی کفار کے ساتھ ملنے جلنے کے باعث، جس سے (نہ معلوم کیوں) چارہ نہیں۔ نجس نہ جانیں۔‘‘(صفحہ 320 رودکوثر)

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن حکم دے اس کے خلاف حکم دیا جائے۔ ورنہ اسلام میں لفظ تجدید اور مجدد کے دوسرے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ بات یہ ہے کہ شیعوں سے اس درجہ عداوت و بغض دل میں بھرا تھا کہ جب یہ معلوم ہوا کہ شیعہ ہندوؤں کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ کی کوئی ترچیز نہیں لیتے ہیں تو اب لازم ہوگیا کہ شیعوں کی ضد میں قرآن کو بدل ڈالا جائے۔ وہ مشرکوں کو ناپاک کہتا ہے تم پاک کہو۔ شیعہ اُن کے ہاتھ کا نہیں کھاتے اور کھانے والے کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ لہٰذا تم مشرکوں سے خوب ملو جلو اور انہیں پاک سمجھو اور اُن کے ہاتھ کی ہر چیز کھاؤ۔ انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانہ اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہوگیا

(20) جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد

اہلسنت والجماعت کے متعصب علماء نے جس طرح ہر کہہ ومہ کو بزرگ بنایا۔ اور پھر اُن نام نہاد بزرگوں کے اختلافات کو الفاظ کے تہہ در تہہ پردوں میں چھپایا۔ اُسی طرح اُس تمام ریکارڈ کو بھی غائب کرنے، تبدیل کرنے اور تاویلات کرنے میں کوشاں رہے۔ جس سے اُن کے باطل مسالک کی پول کھلتی تھی۔ جناب شیخ نے اپنے مقامِ علم کی بلندی سے مجدد صاحب کے عقائد و دعاوی کی دھجیاں بکھیرنے کے لئے ایک مستقل کتاب لکھی تھی جو آج کل ناپید کر دی گئی ہے۔ اور اکرام اللہ کا احسان ہے کہ انہوں نے دو جملے اس سلسلے میں لکھ دیئے ہیں جو ہمارے اس عنوان کے لئے کافی ہیں، ایک یہ کہ:۔

''۔ایک زمانے میں حضرت مجدد کے بعض احوال و مقامات کے خلاف ایک زوردار رسالہ لکھا۔'' (صفحہ 344 رودکوثر)

''۔لیکن اتنا ضرور ہے کہ اُن مقامات کو بڑی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ اور نہ ہی اُن کی نسبت کہا جا سکتا ہے۔ کہ اُن میں غلطی کا امکان نہ تھا۔''

''۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو بعض کا شرع اور سلوک کی رُو سے انکار کر کے یہاں تک لکھا ہے۔''

''۔ظاہر آن است کہ شما دغا خورہ اید۔'' (صفحہ 296 رودکوثر)

یہ قطعی واضح ہے کہ (مجدد صاحب) آپ فریب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔''

قارئین یہ بھی نوٹ کر لیں۔ جناب عبدالحق محدث دہلوی نے تمام ان صوفیائے کرام، درویشاں ذوی الاحترام اور ملنگوں، قلندروں اور مجذوبوں کا تذکرہ کیا ہے جو اُن کے زمانہ تک گذرے یا موجود تھے۔ مگر مجدد صاحب کو انہوں نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں نہ صوفیائے کرام میں شمار کیا، نہ بزرگ سمجھا اور یہ کافی ہے مجدد صاحب کی فضیلت میں۔

(21) علمائے اہلسنت والجماعت کا مجدد پر فتویٰ

جناب مجدد صاحب کو الفاظ کے کپڑوں میں لپیٹ کر اکرام اللہ یوں مذمت کرتے ہیں کہ:۔

''۔حضرت مجدد الف ثانی کی مذہبی خدمات (یعنی اپنے مسلک کے خلاف سب کو تہہ تیغ کرانا) مسلّمہ ہیں۔لیکن اُن کے مخالفوں اور نکتہ چینوں کی بھی کمی نہیں۔اور اُن میں بڑے بڑے متقی پرہیزگار اور قابل عزت بزرگ شامل ہیں (اور سنی اسی کو کہتے ہیں جو اُن دونوں مخالف گروہوں کو بزرگ کہتا چلا جائے) اُن کی اپنی زندگی ہی میں مکتوبات (مجددیہ) کی وجہ سے علما نے اُن کے خلاف جہاں گیر کے پاس شکایت کی تھی۔اور اُن کے معترضین میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے فاضل اور دیندار بزرگ تھے۔لیکن یہ سلسلہ اس پر ختم نہیں ہوا۔اُن کے بھی کئی اور بزرگوں نے مکتوبات کے اندراجات اور مجددی بزرگوں کے دعاوی پر اعتراض کئے ہیں۔'' (صفحہ 292 رودکوثر) حاشیہ میں اکرام صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

''۔مکتوبات کے بعض اندراجات پر عہد عالمگیری (اورنگ زیبی) میں بھی اعتراض ہوئے تھے۔بلکہ عالمگیر کی طرف سے بعض ایسے خط حضرت قیوم ثالث وغیرہ کو لکھے گئے تھے۔اور جن میں لکھا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارتیں بظاہر خلافِ شرع ہیں۔اور تمام علما نے متفق ہو کر اس بات کا فتویٰ دیا ہے کہ مکتوبات کا پڑھنا بند کر دیا جائے۔چنانچہ عہد عالمگیری میں علما کا ایک محضر بھی بلایا گیا۔جس میں مکتوبات پر بحث ہوئی۔'' (صفحہ 292 رودکوثر)

قارئین اِس زمانے کی شائع شدہ پاکستانی کتابیں ضرور پڑھتے ہوں گے۔ورنہ کم از کم جناب ریاض فرشوری صاحب کی سحر آفرین تقریر شام کو ریڈیو سے سنتے ہوں گے۔لہٰذا آج کل وہ تمام لوگ جن کو ایک زمانہ میں مسلمان علماء نے متفقہ طور پر مردود و کافر قرار دے دیا تھا۔وہی آج ہیرو بنا کر پیش کئے جارہے ہیں۔اور کوئی نہیں پوچھتا کہ جناب یہ تاریخی حقائق کے خلاف نئی تاریخ کس چنڈوخانے سے ہو رہی ہے۔اور ہمارے اکرام اللہ ہوں یا جناب اسلم ہوں یہ حضرات بھی جہاں تک ممکن ہوسکا ہے نئی تاریخ سازی کے ہیرو ہیں۔

(22) حضرت مجدد جہاں گیر کے دربار میں

''۔جہاں گیر نے حاکم سرہند کی معرفت حضرت مجدد کو بلا بھیجا۔جہاں گیر نے اس واقعہ کی نسبت توزک جہاں گیری میں کسی قدر تفصیل سے اظہار خیالات کیا ہے۔بدقسمتی سے اُسے اس قدر بہکایا گیا تھا (اور آپ کے سامنے بہکایا تھا) کہ اُس نے اپنی رائے بڑی بے ادبی سے ظاہر کی ہے۔حضرت مجدد کی نسبت اُس نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں۔وہ حضرت مجدد کے تمام معتقدوں بلکہ تاریخ کے غیر جانبدارانہ ناظرین کو بھی معیوب معلوم ہوں گے۔(کیا وہ سب مجددی یا متعصب سنی ہوتے ہیں؟) لیکن چونکہ جہاں گیر کے بیان کی تاریخی اہمیت بہت ہے۔اس لئے ہم (اہمیت کم کرنے کے لئے) اُس کے وہ الفاظ حذف

کر کے جو (حق نوائی کی بنا پر) خاص طور پر قابل اعتراض ہیں۔ ذیل میں اس کا بیان درج کرتے ہیں:۔

''۔ جہاں گیر چہاردھم (چودھویں) سال جلوس کے ضمن میں لکھتا ہے۔''

اِن دنوں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد...... نے ایک کتاب تیار کی ہے۔ جس کا نام مکتوبات رکھا ہے۔ اس میں باقی مضامین کیساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ میں سلوک کی منزلیں طے کرتا ہوا عثمان کی منزل میں آیا وہاں سے حضرت عمر کے مقام پر پہنچا اور پھر چلا تو حضرت ابوبکر کے مقام کو بھی عبور کر گیا۔ اور پھر مقام محبوبیت یعنی رسولؐ اللہ کے مقام پر آیا۔ اور میرے سامنے سب کچھ روشن ہوگیا۔ میں مقام مشاہدہ پر پہنچا اور انتہائی حدود تک میں منور اور رنگا رنگ ہوگیا۔ اور اپنے آپ کو بہت انوار اور رنگوں میں ظاہر بظاہر موجود پایا (اب جہانگیر کہتا ہے) یعنی استغفراللہ یہ شیخ احمد سرہندی خلفا کے مقام سے بلند ہوکر اُس سے بھی بڑھ گیا۔ اور دوسری بہت سی گستاخیاں اُسنے کی ہیں کہ جن کا لکھنا نہ صرف طوالت ہے بلکہ ادب سے بھی دور ہے۔ اسلئے میں نے حکم دیا کہ احمد سرہندی کو ہماری عدالت میں حاضر کیا جائے۔ چنانچہ اسے لایا گیا اور جو کچھ میں نے دریافت کیا اسکا جواب اس سے معقول نہ دیا جاسکا۔ عقل سے خالی اور مغرور وخود پسند ہونا ثابت ہوا۔ میں نے اسکی اصلاح کیلئے یہ ضروری سمجھا کہ کچھ دنوں اُسے قید میں تادیب کی جائے۔ تاکہ اُس کی ذہنی بدنظمی اور مزاجی پراگندگی کو ذرا سکون ملے۔ اور اس دوران عوام میں پھیلا ہوا ہیجان وفتنہ بھی دب جائے۔ چنانچہ اسے سنگ دل لوگوں کے حوالے کر کے گوالیار کے قلعہ میں بند کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔'' (رود کوثر صفحہ 268-267)

> دریں ایام بعرض رسید کہ شیخ احمد...... کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ ......ازان جملہ درمکتوبے نوشتہ کہ دراثنائے سلوک گذارم بمقام ذی النورین افتاد مقامے دیدم بغایت عالی وخوش بصفا ازآنجا درگذشتم۔ بمقام فاروق پیوستم۔ واز مقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم وہرکدام راتعریفے درخور آں نوشتہ واز انجا بمقام محبوبیت واصل شدہ مقام مشاہدہ افتاد۔ بغایت منور وملوّن۔ خودرا بانواع انوار والوان منعکس یافتم۔ یعنی استغفر اللہ ازمقام خلفا درگذشتہ بعالی مرتبت رجوع نمودم ودیگر گستاخی ہا کردہ کہ نوشتن آں طولے دارد واز ادب دور است۔۔ بنابریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالتِ آئین حاضر سازند۔ حسب الحکم بملازمت پیوست واز ہرچہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود وبا عدم خرد ودانش بغایت مغرور وخود پسند ظاہر شد صلاح حال اُومنحصر دریں دیدم کہ روزے چند درزنداں ادب محبوس باشد۔ تاشوریدگی مزاج وآشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد۔ وشورشِ عوام نیز فرونشیند لاجرم بہ انی رائے سنگ دلن حوالہ شد کہ درقلعہ گوالیار مقید۔ (تزک جہاں گیری صفحہ 275)

(23) مجدد صاحب کا اصل نشانہ شیعت کا فروغ تھا

''۔اُس زمانہ میں صفویوں کی وجہ سے شیعت ایران میں عروج پر آئی۔اور چونکہ ایران سے عہد مغلیہ میں گہرے روابط قائم ہوگئے تھے۔ہندوستان میں بھی شیعہ اثرات بڑھنے لگے۔آپ (مجدد) نے انہیں روکنے کے لئے زبان اور قلم سے کام لیا۔امراو سلاطین کی محفلوں میں اس کی مخالفت کی۔شیعہ خیالات کی تردید میں ایک پرزور رسالہ لکھا۔جب کہیں شیعہ طریقوں کو فروغ پا تا دیکھتے ذمہ دار حضرات کو (یعنی اپنے ہمدان دولتِ اسلام سے متعلق عہدیداروں کو) اُن کے خطرات سے آگاہ کرتے۔'' (صفحہ 287 رودکوثر)

یہ تھا وہ متعصب ترین دشمن جو ہر حال میں ہمارے خلاف زبان و قلم، تیر و تلوار، حتیٰ کہ غلط اور موضوعی روایات استعمال کرنے میں ذرا تکلف نہ کرتا تھا۔اور افسوس ہے کہ اُس نام نہاد شیعہ پر جس نے نظام اجتہاد کی بنا پر اس دشمن کے ساتھ مل کر کام کیا۔

(24) شیعوں کے قتل عام میں موضوعی یا جھوٹی روایات

جناب اکرام اللہ صاحب مجدد الف ثانی اور اس کے فرزند محمد معصوم کا مسلک اور شیعوں کے قتل کا فتویٰ لکھنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ:۔

''۔ابودرداء میں لکھا ہے کہ ابن عباس نے روایت کی کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو روافض کہیں گے۔جو اسلام کی توہین کریں گے اُنکو قتل کرنا۔کیوں کہ یہ مشرک ہوں گے۔'' (صفحہ ۳۳۹ رودکوثر) یہ روایت لکھ کر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''۔جتنی وضعی حدیثیں اس مسئلہ پر ہیں شاید کسی اور مسئلے کے متعلق ہوں۔واقعہ یہ ہے کہ بنی امیہ اور بنی عباسیہ کی کشمکش کے دوران میں مخالف فریق ایسی حدیثیں گھڑ کر اپنے مخالفوں کو ذلیل اور بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے۔'' (صفحہ 339 رودکوثر)

قارئین یہ نئی بات نوٹ کرلیں کہ شیعوں کو قتل کرنے اور دُنیا سے مٹانے کے لئے مخالف محاذ نے اوّلین ادوار ہی سے تمام حربے استعمال کئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے تکلفی سے جھوٹ بولا جاتا رہا۔اور اُن کی طرف سے خود روایات گھڑ کر لوگوں میں حدیث کے نام سے پھیلایا گیا۔اور پھر اُنہیں حدیث کی کتابوں میں جمع کر کے آئندہ نسلوں کو رسولؐ اللہ اور شیعوں کے خلاف محاذ جاری رکھنے کا انتظام کیا۔ہم دکھا چکے ہیں کہ یہ کام جناب امیر معاویہ کے زمانہ سے اعلانیہ اور تحریری احکام کے ماتحت شروع کیا گیا تھا۔اور اُن کے بعد برابر جاری رہا اور آج بھی جاری ہے۔

قارئین یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ شیعہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک برابر موجود رہے ہیں۔آنحضرتؐ نے خود مسلمانوں میں اس تحریک کو قائم کیا اور ہر دَور میں یہ جماعت نہ صرف موجود تھی، بلکہ ایک بے پناہ طاقت کی حیثیت سے اس کا وجود تاریخی ہے۔اس صورت میں ابودرداء والی روایت کا یہ کہنا کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جن کو روافض

کہیں گے۔ایک بکواس سے زیادہ نہیں ہے۔لفظ رافضی اورروافض بھی مخالف محاذ نے اوّلین دور میں ہمارے خلاف جاری کردیا تھا تو پھر وہ آخری زمانہ کون سا ہے۔؟ کیا پہلا دور آخری دور تھا۔؟ ظاہر ہے کہ اس روایت کو گھڑنے والا نہ صرف حالات سے ناواقف تھا بلکہ قطعاً جاہل واحمق تھا۔ساتھ ہی ساتھ وہ مسلمانوں کو بھی بالکل بے قوف سمجھتا اورامید کرتا تھا کہ وہ ایسی بے سروپا بات کو رسولؐ اللہ کی حدیث سمجھ لیں گے۔پھر جن لوگوں نے اس قسم کی روایت پر یقین کرکے شیعوں پر ہمہ قسمی مظالم کئے اورفتاویٰ جاری کئے،اُن کو عقل میں سے کتنا حصہ دیا جائے۔؟ سوچئے کہ سوچنے کا مقام ہے۔اور دیکھئے کہ وہ کیسی قوم ہوسکتی ہے؟ وہ کیسا مذہب ہوسکتا ہے؟ جس کی بنیاد ایسی جھوٹی اورخودساختہ روایات پر رکھی گئی ہو۔؟ پھراُن علمائے مجتہدین اورمجددحضرات کےفتوؤں میں کس قدر حقانیت ہوسکتی ہے۔؟

(25) احادیث کے ساتھ ساتھ مخالف محاذ کے مورخین بھی دروغ سازی کرتے رہے ہیں

اکبر کے حالات لکھنے میں مورخین میں سے اکرام اللہ صاحب نے پرتگیزی مشنریوں کودشمن کہہ کرالگ کیا،جودرست ہے۔لہٰذا اُن کے بیانات ناقابل اعتبار ہیں۔ابوالفضل کے تاریخی شاہکاروں میں اکبر کےخلاف موادمشکل سے ملتا ہے۔رہ گئے جناب مولانا عبدالقادر بدایونی اُن کے لئے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ وہ اکبر کے مخالف محاذ کے ملانٹوں کا آلۂ کار تھے۔انہوں نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ میں جن لفظی ہتھکنڈوں سے کام لیااوراکبرکو بدنام کیاوہ دیکھیں:۔

”۔بدایونی (سنیوں کے) مذہبی طبقے کا ترجمان بنتا ہے۔لیکن اصل روحانی خوبیوں،یعنی تقویٰ پرہیزگاری،مخالفوں سے انصاف،ظاہراور باطن کی ہم آہنگی (کاعملاً تو کہاں) اِن چیزوں کا تو اُس نے دعویٰ بھی نہیں کیا۔دربار میں اس کے لئے جلنےاورکڑھنے کے سوا کچھ نہ تھا۔نئی صورت حالات سے اُسے اصولی اورذاتی اختلاف تھا۔اُس کی کتاب (منتخب التواریخ) اکبر کے خلاف ایک چالاک بلکہ مکاروکیل استغاثہ کا بیان ہے۔غیر جانبدار منصف کا فیصلہ نہیں۔وہ ایک بلند پایۂ ادیب بے مثل نثر نگاراورنہایت ذہین انسان تھا۔اس کی درشت کلامی اورواضح جانب داری کے باوجوداس کا ایک خاص انداز اورخاص مرتبہ ہے۔معمولی حذف واضافہ،قطع بُرید،مواد کی ایک خاص ترتیب،ذومعنی الفاظ کے استعمال۔ترکیب مجہولہ کی افراط۔جس سے پتہ نہ چل سکے کہ کس سے کون سے خیالات یاحرکات منسوب ہیں۔مُبہم اشارے کنائے۔اِن سب کی مدد سے ایک ایسی تصویر کھینچ دی ہے۔جوحقیقت کے مطابق نہیں ہے۔“ (صفحہ 113 رودکوثر)

قارئین نوٹ کریں کہ یہ تمام جعلسازیاں صرف بدایونی ہی نے نہیں کی ہیں بلکہ جہاں حق وباطل کا مسئلہ آتا ہے، جہاں شیعہ مذہب کی حقانیت کا ثبوت ملتا ہے،وہاں ہر مخالف محدث،مفسراورمورخ نے شیعوں کے ساتھ مندرجہ بالاتمام حربے استعمال کئے ہیں۔خوداکرام اللہ صاحب نے بھی سلسلہ کوثر کی تینوں کتابوں میں شیعوں کا کیس اس آن بان اورشان سے پیش

کیا ہے کہ پڑھنے والا اُنہیں غیر جانبدار مہذب اور منصف مزاج کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص مندرجہ بالا تحریری مغالطوں سے واقف ہو۔ وہ بھائی اکرام اللہ کو پردہ در پردہ لفّاظی کے پیچھے چھپا ہوا دیکھ لیتا ہے۔ وہ مثبت انداز میں نفی کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔

(ہ) دربار اکبری کے حقیقی شیعہ علمائے کرام رضی اللہ عنہم

وہ علمائے کرام جو اکبر کے زمانے میں تحریکِ تشیع کا مرکزی کردار ادا کر رہے تھے۔ صرف اُن سب کے حالات لکھنے کے لئے اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ہم ملک بھر میں پھیلے ہوئے علماء کا ذکر چھیڑ بیٹھیں۔ صرف دربار میں جو علماء تھے اُن میں سے کسی ایک کا تذکرہ بھی ایک مستقل کتاب چاہتا ہے۔ مثلاً علامہ شوستری نور اللہ مرقدہ جو دربار سے باہر والے علماء میں سے ہیں۔ صرف اُن کے حالات میں ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں۔ اور جن کی مدح وثنا مندرجہ بالا متعصب ترین مورخ عبدالقادر کے قلم سے (عنوان نمبر 51 کے (39) میں) آپ پڑھ چکے ہیں۔ درباری علماء میں جن حضرات کو نورتن (نو جواہر پارے) کہا گیا ہے۔ اُن میں سے چھ رتن مذہب شیعہ کے اعلیٰ ترین دانشور اور مسلمہ علمائے عصر تھے جن کے نام آپ ضرور جانتے ہوں گے۔

(1) حضرت علامہ مسیح الدین ولد مولانا عبدالرزاق جو ابوالفتح گیلانی مشہور ہیں۔ اُن کے بھائی؛

(2) علامہ ہمایوں حکیم ہمام۔

(3) جناب مولانا ابوالفضل اور اُن کے بھائی؛

(4) حضرت ابوالفیض فیضی ملک الشعراء۔

(5) جناب مولانا میرزا عبدالرحیم خانخان۔ (خدا اُن سب کے درجات بلند کرتا رہے) یہ تمام حضرات علوم متداولہ پر دست گاہ کمال رکھتے تھے۔ مذاہب عالم پر قول فیصل کا حکم رکھتے تھے۔ علوم مغرب ومشرق پر وہ آخری سند تھے۔

(6) جناب فتح اللہ شیرازی کے متعلق اکبر کا قول تھا کہ اگر وہ اہل یوروپ کے پاس ہوتے تو میں انہیں حاصل کرنے میں اپنی مملکت کی تمام دولت دے دیتا۔ آپ اُس زمانہ میں دنیا کے سب سے بڑے مُوجد (Designer) یا ڈیزائنر تھے۔ آپ نے مختلف قسم کی مشینیں بنا کر اکبر کے ملوں (Mills) میں لگائی تھیں۔ جن سے شال دوشالے اور دیگر مصنوعات بنائی جاتی تھیں۔ آپ نے جناب شہید ثالث نور اللہ شوستری کو اکبر سے متعارف کرایا تھا۔ اور لاہور کے قاضی القضات کی پوزیشن پر تعینات کرایا تھا۔ اِن تمام علماء نے علوم وفنون کے شعبوں کی سرپرستی کے لئے ملک بھر میں بڑا مربوط ومنظّم انتظام کر رکھا تھا۔ اور ہر ایک نے ایک ایک موزوں ترین شعبے کی راہنمائی اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ شاہی دربار میں پیش آنے

والے تمام مباحث اور مشکلات میں بادشاہ کی بے نظیر راہنمائی کرتے تھے۔ملک کے لئے قانون سازی اورمختلف پالیسی معاملات طے کرتے تھے۔اور تقریباً پوری مملکت میں چاروں طرف دور دراز علاقوں تک مذہب شیعہ کے دیگر علماء کے لئے سہولتیں فراہم کرتے تھے۔اکبر کے دور کی ہر ترقی اُن ہی پانچ حضرات کے تجربہ اور بصیرت کی رہین منت ہے۔مخالف علماء کا مَبلغ علم ترقی کے اس بہاؤ سے گھبرا کر اور تحریک تشیع کے فروغ سے خوفزدہ ہو کر منفی اقدامات میں مصروف ہو گیا تھا۔جہاں موقعہ ملتا تھا۔سادہ دل عوام میں نفرت کا بیج بونے کے لئے طرح طرح کی تہمتیں گھڑتا تھا۔بغاوت پھیلانے کا ہر ممکن وسیلہ تلاش کرتا تھا۔درباروں میں،اہلکاروں میں،حتیٰ کہ جہاں گیر تک کی محفلوں میں اپنے نمائندے بھیج دیئے تھے۔اس سازش اور بغاوت کی راہنمائی میں نہایت متعصب اور خونخوار قسم کے علماء شامل تھے۔لیکن یہ تمام کوششیں اور سازشیں بارآور نہیں ہو سکتی تھیں۔اگر ایک علامہ یزدی قاضی جون پور اپنی مجتہدانہ ذہنیت نہ دکھاتا۔اُس کے فتویٰ اور حکم جہاد سے اکبر بادشاہ کو حق تھا کہ وہ علمائے شیعہ پر شک وشبہ کرے،اُدھر جہاں گیر اور دیگر متعصب درباریوں کے لئے موقعہ پیدا ہو گیا۔کہ وہ بادشاہ کو شیعہ علماء کی طرف سے ورغلائیں اور اُن کے متعلق مصنوعی وجعلی دستاویزات وحکایات سے بادشاہ کو شیعوں کے خلاف ابھاریں۔بہرحال بادشاہ نے ان تمام حالات وتجربات کے باوجود مذہب اور علمائے شیعہ پر دست تظلم دراز نہ کیا۔اور سوائے مجتہد صاحب کے کسی کو قتل نہ کرایا۔چونکہ اس سازش کے کرتا دھرتا لوگوں نے ایک ایسے شخص کو بھی شامل کر لیا تھا۔جو اکبر بادشاہ کا دودھ شریک بھائی تھا۔جس کی ماں کی اکبر اس قدر تعظیم کرتا تھا۔کہ اگر وہ دن کو رات کہہ دیتی تو اکبر ہرگز مخالف رائے نہ دیتا۔یہ شخص عزیز کوکہ اور خان اعظم کہلاتا تھا۔اس کی ماں کے دودھ کی قیمت اکبر کے نزدیک یہ تھی کہ:۔

''۔جو سمجھ میں آتا۔خواہ وہ آدابِ شاہی کے خلاف ہو یا موافق بے دھڑک کہہ دیتا۔اکبر بھی اس سے بُرا نہ مانتا۔ بلکہ کہتا کہ میرے اور مرزا کے درمیان دودھ کا دریا بہہ رہا ہے۔اگر وہ مجھ پر تلوار کھینچ کر بھی آئے تو جب تک یہ وار نہ کرے میرا ہاتھ اس پر نہ اٹھے گا۔''(صفحہ 145 رودکوثر)

اس شخص کے سازش میں شامل ہونے کے بعد بہت سی ایسی راہیں کھل گئیں جن سے شیعہ اکابرین پر خاموش مظالم کئے گئے۔مثلاً اُسی خبیث نے بادشاہ سے کہہ کر جناب ابوالفضل کو اپنی مدد کے بہانے دکن میں نظر بند کر کے یزیدی وزیادی وحجاجی مظالم سے زیادہ روح فرسا وشرم انگیز مظالم کئے اور جناب ابوالفضل کا کوئی خط اکبر تک نہ پہنچنے دیا۔جہاں گیر خود عزیز کوکہ کا شریک کار تھا۔جب اکبر کے حکم سے عزیز کوکہ مجبور ہوا۔اور ابوالفضل اکبر سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے تو:۔

۔''خبر دینے والوں نے جہاں گیر کو خبر دی وہ ڈرا کہ اگر ابوالفضل دربار میں جا پہنچا تو اور اُلجھنیں پڑ جائیں گی۔اس نے بندہیلہ کے راجہ سنگھ دیو کو،جس کے ملک سے ابوالفضل کو گذرنا تھا؛لکھا کہ شیخ کا کام تمام کرو بڑی رعایتیں پاؤ گے۔چنانچہ

وہ تین چار ہزار فوج لے کر آیا شیخ کو ان باتوں کی خبر نہ تھی اور اس کے ساتھ ایک مختصر سی جماعت تھی۔ بڑی بہادری سے لڑا لیکن معاملہ اس کے بس کا نہ تھا۔ بارہ زخم کھائے اور میدان جنگ میں کھیت رہا۔ سر جہانگیر کو بھیجا گیا اور جسد بے سر گوالیار کے پاس انتری میں دفن ہوا۔" (صفحہ 142 رود کوثر)

یہ ہیں اکرام اللہ کہ ذرہ برابر افسوس کا اظہار کیا نہ الفاظ کو تہذیب سے لکھا۔ یہ سنگدل لوگ اس قسم کے مظالم کی بنا پر ایسے سنگدل قاتلوں کو ہمدردانِ دین کہتے ہیں۔ اُن کے ساتھ دراصل وہی سلوک صحیح تھا جو ہلاکو اور دیگر صاحبان سیف نے کیا۔ یہ مہذب اور پر امن علماء و عوام شیعہ کی ذرہ برابر قدر نہیں کرتے۔ اس قتل میں بھی سازش کا اعلیٰ راہنما شامل تھا۔ لیکن چند ہی روز بعد عزیز کوکہ بھی آفات میں مبتلا ہوئے اور وہ سازشی بھی آفات و صدمات و قید میں مبتلا ہوا۔

(2) علامہ نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ

آپ 1587ء عیسوی میں یعنی آج سے 387 سال قبل ہندوستان میں تشریف لائے۔ جناب فتح اللہ شیرازی کے یہاں مہمان ہوئے۔ اور اُسی سال لاہور کے چیف جسٹس یا قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔ علامہ یزدی مجتہد کے بعد یہ دوسرے شیعہ قاضی تعینات ہوئے۔ مجتہد صاحب تو بلا کسی شرط کے قاضی بن گئے تھے۔ لیکن علامہ شوستری نے فرمایا کہ میں اہلسنت کے کسی بھی مجتہد کی پیروی نہیں کر سکتا میرا طریقہ یہ ہوگا کہ میں فقہ جعفری سے ایسا فیصلہ کیا کروں گا جو اہلسنت کے چاروں مجتہدین یعنی ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل کے فتاویٰ میں سے کسی ایک کے مطابق ہوگا۔ اور یہ تصریح فیصلے پر لکھ دی جایا کرے گی۔ یہ ایک ایسی شرط تھی جو اس دنیا میں سب سے پہلے لگائی گئی اور حیران کن طریقے سے انجام دی گئی۔ اس سے علامہ کے اس علم کا پتہ چلتا ہے جو تمام مذاہب پر عبور حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے۔ آپ نے محکمہ عدالت سے رشوت کی تمام راہیں روک دیں۔ جس کا اعلان عبدالقادر بدایونی نے بھی کیا ہے۔ یہ رشوتیں حصہ رسد نیچے سے لے کر اوپر تک جاتی تھیں۔ اس سختی سے لاہور کے تمام متعلقہ افسران واہلکاران میں برہمی پھیل گئی اور ابتدا ہی سے آپ کے خلاف دوہرا محاذ قائم ہو گیا۔ شیعہ ہونا ہی مجدّد دی مذہب میں واجب القتل جرم تھا۔ اور جب آمدنی کی غلط راہیں بند ہو گئیں تو یہ تو روزی کا معاملہ تھا۔ لہٰذا بقول اکرام اللہ صاحب، مجتہدین اور دین فروش مجدّد دین نے چاروں طرف شور کرنا شروع کیا۔ مگر اکبر کے زمانہ میں کوئی کامیابی نہ ہو سکی۔ اُس کے انتقال (1605ء) کے بعد جہاں گیر کو مجدّد دی درباریوں اور اہل کاران وصوبے داران نے تخت پر بٹھایا اور شیعوں کا زور توڑنے کا عہد لیا۔ لہٰذا اس کے عہد میں جب سرسری چغلیاں کامیاب نہ ہوئیں تو اُن کے نام سے رسائل ومسائل لکھ کر جہاں گیر کو دکھانا شروع کئے۔ آخر جہاں گیر نے حضرت علامہ کو معزول کر کے آگرے میں فوجی مرکز پر تعینات کر دیا۔ وہاں بھی آپ نے تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ چنانچہ ان کی تصنیفات کو شائع ہونے سے روکنے اور اس کفر توڑ

قلم کو روکنے کے لئے برابر غیبتیں، چغلیاں، تہمتیں چلتی رہیں۔لوگ آپ کے پاس آتے مسائل دریافت کرتے اور آپ اپنے پرائے کا پتہ لگائے بغیر بے خوفی سے ہر سوال کا جواب دیتے۔معزولی کے بعد آپ یقیناً حکومت وقت سے کشیدہ تھے۔آپ لاہور کے قیام کے دوران اپنے فرائض کی انجام دہی میں اس قدر مصروف تھے اور دارالخلافہ کی مسافت اتنی زیادہ تھی کہ آپ کو اُن سازشوں کا قطعاً علم نہ تھا۔اُن کی تحریروں سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں اکبر کی زندگی میں کوئی خطرہ محسوس ہوا تھا۔حالانکہ جناب مجدد صاحب اور اُن کے مرید شیخ فرید وجہاں گیر نے ملک کو جوالامکھی بنا دیا تھا۔علامہ کو معلوم نہ تھا کہ ذرا سے اشارہ پر یہ لاوا بہہ نکلے گا۔یہی وجہ ہے کہ جب اُنہیں محفوظ رہنے اور حفظ ما تقدم کے لئے لکھا گیا تو آپ نے نہایت اطمینان سے مخلصانہ نصیحت کی اہمیت نہ سمجھی۔

(3) <u>جناب علامہ میر یوسف علی محدثؒ (اخباری)</u>

تحریک تشیع کے زیر زمین محاذ کے سربراہ جناب علامہ میر یوسف علی اعلیٰ اللہ مقامہ جو پورے ملک کے داخلی وخارجی حالات سے واقف اور تمام خفیہ واعلانیہ منصوبوں اور سازشوں پر مطلع تھے۔انہوں نے اکبر کی زندگی ہی میں یعنی حادثہ سے سولہ سال پہلے،علامہ شوستری علیہ الرحمہ کو خط میں نصیحت کی تھی۔اور عوام وخواص سے بچ کر ظاہری واعلانیہ محاذ کی راہنمائی پر متوجہ کیا تھا تا کہ علامہ مجدّد کی اسکیم کی زد میں نہ آجائیں۔مگر علامہ شوستری علیہ الرحمہ نے اپنی سادہ دلی اور نیک نہادی کی بنا پر اُس کا جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:۔

''۔اِس فقیر کا اعتقاد یہ ہے کہ مملکت ہندوستان میں بادشاہِ عادل کے زمانہ حکومت میں تقیہ جائز نہیں ہے۔اس لئے کہ میری مانند علماء کا مذہبِ حق کی نصرت میں قتل ہوجانا دین کی عزت ہے۔ صاحب شریعت نے اجازت دی کہ ہم ایسے افراد تقیہ نہ کریں۔البتہ ایسے افراد کہ جن کا نام مذہب کے لوگوں میں نہ ہو اور وہ دین کی نصرت میں معقول بات نہ کہہ سکیں اُن پر تقیہ واجب ہے۔''

> ''۔باعتقادِ فقیر در دارالملک ہند بدولتِ بادشاہ عادل جائے تقیہ نیست۔زیرا کہ کشتہ شُدن امثالِ فقیر در نصرتِ مذہبِ حق موجبِ عزتِ دین است۔وصاحبِ شرع رخصت دادہ اند کہ چنیں کسے نہ کُند اما دیگرے را کہ درمیانِ اہلِ دین اُورا سے نہ باشد و در نصرتِ دین معقول نہ تواند گفت واجب است کہ تقیہ کند۔''

(مکاتیب یوسف علی اخباری وشہید ثالث۔مرتبہ عبدالرحیم بغدادی مخطوطہ کتب خانہ آصفی صفحہ 184)

(4) <u>علامہ شوستری اور نظام اجتہاد کی کشمکش</u>

ہم عرض کر چکے ہیں کہ جب عراق وعرب وایران میں شیعوں پر نظام اجتہاد نے شیعہ بن کر تسلط حاصل کر لیا۔اور شیعوں کے حقیقی یا اخباری علماء ملک سے نکل گئے یا خفیہ تحریک میں شامل ہوگئے تو اب ہمارے علماء کو مجبوراً اُن ہی درسگاہوں

میں اپنے بچوں کو پڑھاناتھا۔جن پر مجتہدین اور حکومت کا قبضہ تھا اور جن میں مجتہدانہ نصاب پڑھایا جاتا تھا۔جس طرح آج آپ مجبور ہیں کہ ایم اے کرانے یا مولوی بنانے کے لئے اُن ہی درسگاہوں سے رجوع کریں جو ملک میں موجود ہیں۔وہی حال ہمارے حقیقی عوام وعلماء کا اُس زمانے سے شروع ہوا اور عراق وعرب میں اور یہاں ہندو پاکستان میں آج تک وہی حال ہے۔اگر آپ اپنے بچوں کو مدد نہ دیں تو نہ معلوم وہ کن کن افراد کو مقدس بزرگ سمجھنے لگیں اور کن کا احترام گھٹ جائے۔چنانچہ آپ کی نئی نسل جو تاریخ پڑھ رہی ہے۔وہ ایک دوصدی کے اندر ہی اندر اس نسل کو نہ معلوم کیا سے کیا بنادے گی۔تعلیم اور ماحول کے اثرات سے بچنا اور بچانا بہت مشکل ہے۔لہٰذا مجتہدانہ تعلیم کے ساتھ ساتھ جن شیعہ بچوں کو گھر میں اصلاح کا موقعہ پورا ملا، یا کم ملا، یا بالکل نہ ملا۔وہ بچے یا تو پکے کٹر مجتہد بن گئے یا قطعاً حقیقی شیعہ علما بنے یا آدھے اِدھر اور آدھے اُدھر۔یعنی عقائد مخلوط ہوکر رہ گئے۔یہی سبب ہے کہ آپ کے مجتہدین میں بعض حضرات قطعاً مخالف تصورات ،یعنی وہی جن کو آپ وہابی مجتہدین کہتے ہیں، رکھتے ہیں۔اور بعض قطعاً جان نثارانِ قوم وملت ہوتے ہیں اور فضائل اہلبیت علیہم السلام کو محدود نہیں کرتے۔بعض کبھی اچھے اور کسی مسئلہ میں ذرا ڈھیلے ہوتے ہیں۔اُن سب کی پہچان اور صحیح عقیدہ کی جانچ یہ ہے کہ وہ تصوف کے مخالف نہیں ہوتے۔جو صوفیائے کرام کا مخالف ہو، وہ بلاشبہ ہمارے مخالف محاذ کا آدمی ہے۔لباس،لب ولہجہ اور پیدائش ہمارے کھیت کی مگر بیج باہر سے آیا ہے۔علامہ شوستری علیہ الرحمہ ہمارے پسندیدہ علمائے شیعہ میں بلند تر مقام رکھتے ہیں۔مگر تقیہ کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا وہ مجتہدانہ دلیل تھی جو اس وقت سامنے آگئی اور آپ نے سرسری طور پر جواب لکھ دیا۔ورنہ وہ خط آپ کے عقائد کا ترجمان نہیں ہے۔،ایک سادہ خط ہے جس میں آپ ہرگز سنجیدہ نہیں ہیں۔لہٰذا اس خط کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔دن رات اپنے منصب قضائت میں اجتہاد سے تعلق تھا۔یہ خط بھی اُسی رو میں بہہ گیا اور اجتہادی غلطی بن گیا۔

(5) امام جعفر صادقؑ اور تقیہ کی عملی پوزیشن نوری قلم سے

مجتہدین نے جس معیار پر قرآن ورسولؐ کے احکام کو جانچا وہ اُن کا اپنا محدود علم وعقل تھا۔جو چیز اُن کی عقل وتجربہ سے بلند تھی مجتہدین نے اس کا انکار کردیا۔انکار کی گنجائش نہ ملی تو مفہوم کو اپنی پسند پر ڈھال کر منشائے خدا اور سولؐ کے خلاف ایک نیا حکم جاری کردیا۔چنانچہ آئمہ علیہم السلام نے تقیہ اور تقویٰ کو ہر حال میں واجب قرار دیا تھا۔مجتہد یہ سمجھا کہ تقیہ صرف جان بچالینے کو کہتے ہیں۔فی الحال آپ دومثالیں سنیں!جن کو خود علامہ نوراللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ نے جناب مومن الطاق رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے۔

اوّل۔ ''۔مختار کشی میں ابوخالد کابلی سے منقول ہے۔کہ ایک روز میں نے ابوجعفر مومن الطاق کو دیکھا کہ مسجد مدینہ میں اہل مدینہ کے ساتھ مناظرہ کررہے ہیں۔میں پاس گیا اور کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ اُن لوگوں کے

ساتھ مناظرہ نہ کیا کریں ۔ ابوجعفر نے کہا کہ کیا تم کو اس کا بھی حکم دیا ہے ۔ کہ تم مجھے بھی منع کرو؟ میں نے کہا کہ مجھ کو یہ حکم دیا ہے۔ کہ مخالفین سے بات نہ کروں ۔ انہوں نے کہا اچھا تم جاؤ اور جو حکم تمہیں دیا گیا ہے۔ اس کی اطاعت کرو۔ میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سب حالات بیان کئے ۔ حضرتؑ نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اے ابوخالد اگر مومن الطاق لوگوں سے مناظرہ کرتا ہے۔ تو اُن کی حالت مثل اُس پرندے کی ہے۔ کہ جس کے پر کاٹ بھی دیئے جائیں۔ تب بھی وہ پرواز کر سکے۔ لیکن اگر تمہارے پر تراش دیئے جائیں تو تم اڑ نہ سکو گے۔'' (مجالس المومنین فصل چہارم ترجمہ والی کا صفحہ 526)

گو یہاں کہیں لفظ تقیہ کا تذکرہ نہیں ہے۔ مگر جناب ابوخالد کابلی رضی اللہ عنہ کا مطلب یہی ہے کہ مناظرہ میں بد احتیاطی کا امکان ہے۔ لہٰذا وہ عام قانون کا حوالہ دیتے ہیں اور جناب مومن الطاق اپنی قابلیت کو مدّنظر رکھ کر انہیں بتاتے ہیں کہ وہ حکم عام نہیں ہے۔ وہ غریب اُسی قسم کا جواب امامؑ سے سنتا ہے۔ مگر جو شرط امامؑ معصوم نے رکھی ہے وہ اپنے مقام پر عام قانون بھی ہے اور ایک معیار بھی ہے۔ یعنی پرواز برابر جاری رہے ایسا نہ ہو کہ پر کٹ جائیں اور دین کی اشاعت رُک جائے۔ لہٰذا دین کی اشاعت خاموشی سے ہو تو منظور ہے، بولنے سے ہو تو پسند۔ لہٰذا بولنے والا اور خاموش رہنے والا دونوں یہ دیکھیں کہ تحریک تشیع جاری رہے، رُکے نہیں۔ اب مومن الطاق کی دوسری مثال ملاحظہ فرمائیں:۔

<u>دوم۔</u> ''۔ مختار کشی میں مفضّل ابن عمر سے مروی ہے۔ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ مومن الطاق کے پاس جاؤ۔ اور حکم دو کہ مخالفین سے مناظرہ نہ کرے۔ میں اُن کے دروازے پر آیا جب انہوں نے کوٹھے پر سے دیکھا تو میں نے کہا کہ امامؑ نے تم کو حکم دیا ہے۔ کہ مخالفین سے مناظرہ نہ کرو۔ مومن الطاق نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں ۔ کہ میں صبر نہ کر سکوں۔'' (ایضاً صفحہ 532) اس کے بعد علامہ نے مسلسل لکھا کہ:۔

''۔ مولف کہتا ہے۔ کہ میں بھی مدتوں اس بلا میں گرفتار تھا۔ اور اغیار سے تقیہ و مدارات کرتا تھا۔ اور بے صبری (ہو جانے) سے ڈرتا تھا۔ آخر کار وہی پیش آیا۔ اور دامنِ صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اور بے صبری کی حالت میں میں نے یہ کتاب لکھی۔ اب میں خدا کی درگاہ میں پناہ مانگتا ہوں۔ اور اپنے جوش بے اختیاری کو پیش کر کے اسی کتاب کو اپنا سفارشی بناتا ہوں۔'' (مجالس المومنین فصل چہارم ذکر مومنؓ الطاق صفحہ 532)

(6) <u>مومن الطاق کو کس قسم کے مناظروں سے منع کیا گیا</u>

علامہ رضی اللہ عنہ نے خود اقرار کر لیا کہ اُن کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا۔ اور اب یہ سمجھ میں آجانا چاہئے کہ حضرت میر یوسف علی رضی اللہ عنہ کا کیا منشا تھا۔؟ وہ خود علی الاعلان شیعہ تھے۔ تعلیم و تدریسِ مذہب حقہ چاروں طرف سے آنے والے طالب علموں کو فراہم کر رہے تھے۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ گفتگو اور تحریر میں بہانہ بن جانے والے الفاظ استعمال

نہ ہوں تاکہ عوام سازشی علماء کے خلاف رہیں۔ یہی منشا امامؑ کا تھا کہ مومن الطاق اپنے مناظروں میں ضبط وصبر و مدارات سے کام لیں۔ ورنہ ان کے مناظروں میں بڑی سختی تھی، مثلاً:۔

اول۔ جناب ابوحنیفہ مومن الطاق کے ساتھ ساتھ گلیوں سے گذر رہے ہیں۔ کسی کی آواز آئی کہ کوئی مجھے میرے گم شدہ لڑکے کا پتہ بتاسکتا ہے۔ (مَنۡ یَدُلُّنِیۡ عَلٰی صَبِیٍّ ضَیَاِلٍّ) فرمایا کہ میں نے کوئی گمشدہ (ضال) لڑکا تو نہیں دیکھا البتہ ایک بڈھا گمراہ (ضَالّ) میرے ساتھ ہے۔ (صفحہ 526)

دوم۔ ابوحنیفہ مومن الطاق کو شیطان الطاق کہا کرتے تھے۔ ایک روز مومن الطاق کو آتا دیکھا تو اپنے شاگردوں سے کہا کہ لو وہ شیطان آ گیا۔ یہ بات مومن الطاق نے سُن لی اور قریب آ کر نہایت مقدس انداز میں یہ جملہ کہا کہ ’’۔ہم نے کافروں پر شیاطین کو بھیجا ہے تاکہ وہ کفار کو شدید ترین اذیت پہنچائیں۔ (اَنَّـآ اَرۡسَلۡنَـا الشَّیٰـطِیۡنَ عَلَـی الۡکٰفِرِیۡنَ تَؤُزُّھُمۡ اَزًّا ۝ 19/83) یعنی اگر ہم شیطان ہیں تو تم بھی کافر ہو۔ فرق یہ ہے کہ ہماری تخلیق کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں ہمیشہ اذیتوں میں مبتلا رکھیں۔ لہٰذا ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں اور تم کافر ہو اور دنیا و آخرت میں قابل اذیت وعذاب ہو۔

سوم۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے انتقال پر جناب ابوحنیفہ مومن الطاق کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ لو بھائی تمہارا امام مرگیا۔ فرمایا کہ تم کیوں فکر کرتے ہو۔؟ تمہارا امام تو وقت معلوم تک زندہ رہے گا۔ یعنی تمہارا امام ابلیس ہے۔ (مجالس المومنین فصل چہارم ذکر مومن الطاق)

(7) مجتہدین کے تصورات، اُن کی صحبت اور نقل بھی شیعوں کے لئے مہلک ہے

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اگر آپ اپنے تمام تصورات واقدامات میں ناکامی نہیں چاہتے تو کسی حال میں تقویٰ اور تقیہ کو نظر انداز نہ کریں۔ تقیہ سے وہ تمام افکار واعمال مراد ہیں جو مطلوبہ ومتعلقہ نتائج کو بہترین صورت میں آپ کے سامنے لاکر کھڑا کریں۔ تیسری صدی ھجری کے اواخر سے لے کر آج تک مجتہدین نے قرآن وحدیث کے ہر حکم اور ہر اصول کو اجتہادی سانچے میں ڈھالنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ جب سے وہ شیعوں میں تبرا اور لعنت کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ اُنہوں نے شیعوں کو ایسے اعمال وافکار کی تبلیغ کی جن سے مسلمان عوام میں اُن کے خلاف نفرت وجوش پیدا ہو، محاذ آرائی ہو اور اس محاذ آرائی کی قیادت مجتہدین کے ہاتھوں میں رہے۔ چندے وصول ہوں، آئمہؑ کے نام پر شیعہ عوام وخواص کو مسلمان عوام کے خلاف لڑنے، مرنے مارنے اور قربانیاں دینے کے لئے تیار کیا جائے۔ اُدھر مجتہدین کے وہ بھائی بند بھی یہی کام مسلمان عوام کے ساتھ سُنّی لیبل کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور یوں یہ گروہ لڑاؤ اور حکومت کرو کے اصول پر اپنا حقیقی مذہب دونوں طرف جاری رکھتے ہیں۔

مجتہد خواہ شیعہ لیبل لگائے ہوئے ہو یا سُنّی لیبل اور اصطلاحات سے آراستہ ہو۔ اگر سچ مچ مجتہد ہے۔؟ تو وہ سُنّی اور شیعہ دونوں کا حقیقی دشمن ہے۔ لہٰذا نہ سُنّی واجب القتل ہوتا ہے نہ شیعوں کا قتل جائز ہے۔ بلکہ مجتہد جہاں بھی ہو، جس فرقہ میں بھی ہو، وہ انسانیت کے لئے مضر ہے۔ اور چونکہ وہ اپنے چاروں طرف قرآن، رسولؐ، حدیث اور عوام کا مجمع لگا کر بیچ میں بیٹھ جاتا ہے۔ اس لئے اُس کے مضر پن سے بچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ جب تک وہ تمام سامان نہ اتار لیا جائے جو اُس نے تلوار سے بچنے کے لئے بطور زرہ پہن رکھا ہے۔ مجتہدین کی صحبت اور اُن کا طرزِ فکر وہ زہر ہے جو بنی نوع انسان کی صحتِ فکر کو مسموم کر دیتا ہے۔

دماغ میں نفرت بھر جانے کیوجہ سے ہر خیال ٹیڑھا ہو کر سامنے آتا ہے، حقائق اُلٹ جاتے ہیں، ساری دنیا سر کے بل کھڑی نظر آتی ہے۔ مخالف مجتہد، اگر اہلسنت عوام کو پہلے یہ بتادے کہ شیعہ قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں، نمازی، حاجی پرہیزگار، تہجد گذار ہوتے ہیں۔ تمام حقیقی صحابہؓ کا احترام کرتے ہیں۔ حج زکوٰۃ خمس و جہاد کے قائل ہیں۔ اور پھر یہ کہے کہ شیعہ چند لوگوں کو صحابہ نہیں مانتے۔ اس لئے کافر، زندیق اور ملحد اور واجب القتل ہوتے ہیں تو ہرگز کوئی شخص شیعوں کے خلاف مجتہد کا طرفدار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ الٹا مجتہد مشکلات میں پھنس جائے گا۔ لوگوں کے سینکڑوں سوالات کا نشانہ بن جائے گا۔ مثلاً اگر علیؑ کے خلاف تبرا کرنے والا، اور علیؑ سے جنگ کرنے والا، رضی اللہ عنہ ہے تو شیعہ بھی چند لوگوں کو حقیقی صحابہ نہ ماننے پر رضی اللہ عنہم کیوں نہیں۔؟ اس لئے مخالف مجتہد؛ شیعہ زندیق ہیں، شیعہ کافر ہیں، شیعہ ملحد ہیں، شیعہ واجب القتل ہیں کہنے میں اپنی نجات اور کامیابی سمجھتا ہے۔ اُسی طرح موافق مجتہد یعنی شیعہ لیبل والا مجتہد؛ شیعوں سے یہ کہے کہ تمام اہلسنت والجماعت محمدؐ و آل محمدؑ کی قدر کرتے ہیں، اُنہیں تمام امت سے افضل سمجھتے ہیں، اُن کے وسیلے سے دعائیں مانگتے ہیں، اُن کے ناموں پر نام رکھتے ہیں اور پھر صوفیائے کرام کے چند شعر سنا دے اور یہ بھی کہہ دے کہ بعض متعصب علماء نے اُن کو بہکا رکھا ہے تو شیعہ عوام بجائے اس کے کہ مجتہد کا ساتھ دیں، اہلسنت سے محبت کریں گے۔ اس لئے شیعہ مجتہد سنیوں میں سینکڑوں کیڑے نکالے گا۔ اپنے دوسرے لیبل والے مجتہد بھائیوں کی طرح غلط باتیں کرے گا اور تبرا و لعنت ہر سانس میں کرتا رہے گا تا کہ؛ ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد   نہ سہی دین تو دولت ہی سہی

اسی اصول پر شیعوں کے مجتہد جناب علامہ یزدی جب تک دربار میں رہے علی الاعلان تبرا و لعنت کا بازار گرم رکھا۔ جب مصلحتاً اُن کو دربار سے دُور جونپور میں قاضی بنا کر بھیجا گیا تو وہ مخالف محاذ کے ساتھ مل گئے۔ اور نفرت کی بوئی ہوئی فصل کاٹنے کا انتظام کرنے لگے۔ دشمنوں کا ساتھی واپس آ گیا تو اُن کے ہاتھ مضبوط ہو گئے۔

(8) اکبر کی موت نے نظام اجتہاد کو زندہ کردیا

آخر وہ بادشاہوں کا بادشاہ اکبر 1605ء عیسوی میں راہی ملک بقا ہوا۔ اور وہ دور ختم ہوگیا جسے جناب نور اللہ شوستری رضی اللہ عنہ عادل بادشاہ کا دور فرماتے تھے۔ اور جیسا دور پہلے کبھی آسمان کی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا۔ سازشی جماعت نے جہانگیر کو تخت پر بٹھایا۔ وہ تمام زبانیں کھل گئیں جو اکبر کے زمانہ میں بند تھیں، وہ تمام قلوب جوش مارنے لگے، جن میں کفر وزندقہ بھرا ہوا تھا، دلوں سے بدعت والحاد اُبل کر باہر نکلنے لگا۔ جہاں گیر کو اُن علماء نے نرغے میں لے لیا جو نہ ہندو علماء کے روبرو ٹھہر سکتے تھے نہ عیسائی پادریوں کے سامنے اپنی مذہبی حقانیت پر دلیل لا سکتے تھے۔ اب انہیں موقعہ ملا کہ وہ اپنے خود تراشیدہ مذہب کی حقانیت کا فریب دے سکیں۔ وہ لاوا جو سازشین نے پکار کھا تھا جہاں گیر کی طرف بہہ نکلا۔ فتویٰ سازی اور دروغ بافی کی مشین کو حرکت میں لایا گیا۔ جہاں گیر کو اُس صورتِ حال سے متعارف کرایا جو اکبر کے عادلانہ پچاس سالہ دور میں تحریک تشیع نے پیدا کردی تھی۔ اور جس میں ہر باطل مذہب گور کنارے پہنچ چکا تھا۔ مجتہدین کو چاروں طرف جہاں جہاں تک نظر آتا تھا مایوسیاں ہی مایوسیاں تھیں۔ سارے ملک میں شیعت کا سیلاب پھیلتا چلا جارہا تھا۔ اُن کے گھروں میں شیعت گھس چکی تھی۔ ہر دوسرا آدمی شیعہ معلوم ہوتا تھا۔ شوہر سنی العقیدہ تھا تو زوجہ نہایت عقیدت سے بی بی فاطمہ علیہا السلام کی نذریں چڑھاتی پھرتی تھی۔ باپ سنی تھا تو بیٹے شیعہ ہوگئے تھے۔ مرید اپنے مرشدوں کو شیعت کے قدردان ومعتقد دیکھ رہے تھے۔ گلیوں میں، سڑکوں پر، بازاروں میں، مجذوب اور قلندر علیؑ دا پہلا نمبر اور علیؑ علیؑ کے نعرے لگاتے پھر رہے تھے۔ ہر صاحب کرامات بزرگ علیؑ کے سوا کسی اور کا ذکر ہی نہ کرتا تھا۔ ایسے عالم میں ہر مفتی، ہر ملا اور ہر مجددی دوڑ بھاگ میں مصروف ہوگیا۔ تہمت تراشیاں اور مصنوعی فسانے جاری ہوئے کئی داڑھیاں شیعوں کے لباس میں ملبوس باہر نکل آئیں۔ علامہ شوستری کے حلقہ احباب میں، شاگردوں میں اور مترجمین ومصنفین میں، داخل ہوگئیں اعتماد حاصل کیا، محنت سے علامہ کے تصنیفی کاروبار میں ہاتھ بٹایا اور اپنی مطلب کی چند تصنیفات کو بھی علامہ کے نام سے تیار کیا۔ اور جہانگیر کے دربار میں علامہ کے خلاف استعمال کرنے کے لئے پہنچادیا۔ اس جعلسازی کا راز اس بات سے کھل جاتا ہے کہ علامہ کی جانب سے شیخ سلیم کی شان میں ناروا الفاظ لکھے گئے تاکہ جہانگیر کو طیش دلایا جاسکے۔ حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ علامہ شوستری تصوف کے مخالف نہیں اور نقش بندیوں کے علاوہ صوفیائے کرام کے تمام سلسلوں کو شیعہ تحریک کا مدد ومعاون اور مریدانِ اہلبیتؑ سمجھتے ہیں۔ مگر جہانگیر کو یقین اس لئے آیا کہ جس شخص نے یہ مخالف کتاب لکھی تھی۔ اس کے قلم سے اور مسودات بھی علامہ کے یہاں موجود تھے۔ اس لئے سمجھا گیا کہ علامہ ہی نے وہ کتاب بھی لکھوائی ہوگی۔ بہر حال سرکار علامہ سازش کی زد میں آگئے۔

(9) علامہ شوستری مذہب اہلبیتؑ پر قربان ہوگئے

اکبر کی وفات کے سات سال بعد آپ کے خلاف مخالف محاذ کامیاب ہوگیا۔مجتہدین نے جہانگیر سے آپ کوشہید کرنے کا حکم جاری کرالیا جومظالم آپ پر کئے گئے وہ نئے نہ تھے۔زبان کا گدّی سے کھینچ لیا جانا، دُرّہ خاردار سے آخری سانس تک مسلسل مارتے رہنا، بعدوفات سرقلم کرنا نئی باتیں نہیں۔اِن مظالم کوسہنا ہماری قوم کی بڑی قدیم سنت ہے۔اورہمیں محمدؐوآل محمدؐ کے تصورات کی اشاعت اورخدا اور سولؐ کے دشمنوں سے تعارف کے جرم میں قتل کرنا اورنت نئے مظالم ہم پر توڑتے رہنا ہمارے مخالفین کی اوراُن کے بزرگوں کی سنت ہے۔مذہبِ اہلبیتؑ کو زندہ رکھنے اوردنیا میں پھیلانے کے لئے ہمارااورہمارے بزرگوں کا خون وگوشت،زبان وقلم،زروجواہر،اولادواقربا قربان ہوتے چلے آئے ہیں۔اورکبھی ان چیزوں کو عزیزنہیں سمجھا جاسکتا۔

(10) جناب علامہ،امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحب زادے جناب حسین الاصغرعلیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آپ 956ہجری میں پیداہوئے۔ایران وعراق میں علوم کی تکمیل کی۔995ہجری میں ہندوستان تشریف لائے اور 1019ہجری میں شہادت سے مشرف ہوئے۔63سال کی عمرپائی۔

مسٹراکرام اللہ کے مطابق:۔

''۔قاضی نوراللہ شوستر میں 1549ء عیسوی میں پیداہوئے۔اپنے بزرگوں سے اورپھر مشہد میں تعلیم پائی۔ 1587ء عیسوی میں ہندوستان آئے اورتریسٹھ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔''(صفحہ 403 رودکوثر)

اگر یہ بیان صحیح ہے توحضور کا سن شہادت 1612ء ہوتا ہے۔(اس لئے کہ 1612=1549+63) مگر چند سطور کے بعدلکھا ہے کہ: ''۔قاضی صاحب کی شہادت 1610ء میں ہوئی۔'' اناللّٰہ وانا الیہ راجعون۔

یہ مسلمان مورخین کی سنت ہے کہ ہربات غیریقینی رکھی جائے۔بہرحال شیعہ تحریک پر جہاں نوراللہ شوستری کی موت ایک تباہ کن حادثہ تھاوہیں یہ شہادت اراکین تحریک کے لئے ناقابل فراموش سبق بھی تھا۔قاضی نوراللہؒ نے جان دےکرشیعہ تحریک میں ایک نئی روح پھونک دی۔اُن کے نورسے کئی پوشیدہ راہیں سامنے آگئیں۔جہاں گیر کے چاروں طرف جن جلّادوں نے مخالف محاذ بنایا اور جناب نوراللہ رضی اللہ عنہ کا خون بہایا۔اُن سب کوتباہ کرنے کے لئے خدانے نور جہاں کوآگے بڑھادیا۔چنانچہ بہت جلد نورجہاں نے نوراللہ کا انتقام لیا اوراللہ کا نور ہرتاریک گوشہ تک جاپہنچا۔اوروہ ارکانِ تحریک جوپے درپے اورتابڑتوڑ کامیابیوں کی بناپر بےفکروبےپرواہ سے ہوگئے تھے۔ازسرنومخالف محاذ کاتختہ الٹنے کے لئے نئے عزم وبصیرت سے مصروف کار ہوگئے۔

(10/الف) جناب علامہ فتح اللہ شیرازی کی تعلیمات، ہندوستان میں ہمہ گیر علمی سرپرستی

جس طرح جناب نوراللہ شوستری نے عدالتی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ شعبہ تصوف اور تحریک کے کھلم کھلا محاذوں کو پنجاب کشمیر اور سندھ میں منظّم کیا تھا۔ بالکل اسی طرح جناب فتح اللہ شیرازی نے درباری فرائض اور ایجادات کے ساتھ ساتھ تمام ملک کے لئے ایسا تعلیمی نصاب جاری کر دیا تھا جو انسانی ذہن کی تطہیر کا ضامن تھا۔ اور اگر بعد کے ادوار میں اس نصاب کو مُلّا ذہنیت نے اپنی اصلاحات سے خراب نہ کر دیا ہوتا تو آج مسلمانوں میں کوئی بھی تنگ دل اور متعصب نہ بچا ہوتا۔ ایک بیان اس نصاب پر ملاحظہ ہو۔

اکبر کے زمانہ سے پہلے ہندوستان میں محض مُلّا ازم پر چند کتابیں تھیں۔ لیکن جب اکبر نے شیعہ علماء کو علوم وفنون کی سرپرستی کا موقعہ دیا تو اُن حضرات نے مخالفانہ ذہنیت میں غور وفکر و عدل وانصاف واخلاق کے انجکشن دینے کے لئے معقولات پر زور دیا اور تمام ملک میں درس نظامی جاری کر دیا۔

(11) درس نظامی کے موجد علامہ فتح اللہ شیرازی تھے

''۔جنہوں نے منطق اور فلسفے کو رواج دیا۔ اُن میں شاہ فتح اللہ شیرازی بہت ممتاز تھے۔ اُنہیں اکبر نے عضدالملک (ملک کا بازو) کا خطاب دیا تھا۔ اُن کے متعلق میر غلام علی آزاد لکھتے ہیں۔''

''۔تصانیف علمائے متاخرین (شیعہ) ولایت ایران مثل محقق دوّانی ومیر صدرالدین ومیر غیاث الدین منصور ومرزا جان میر بہ ہندوستان آورد ودرحلقۂ درس انداخت وجمِ غفیر از حاشیہ محفل میر استفادہ کردند۔ ازاں عہد معقولات را رواج دیگر شد۔'' (یعنی جناب فتح اللہ شیرازی نے مملکت ایران کے شیعہ علمائے مذکورہ کی تصانیف کو یہاں درس میں داخل کیا۔ اور محفل میر کے حواشی سے بھی بہت سا استفادہ کیا۔ اس زمانہ سے ہندوستان میں معقولات کا نیا رواج ہوا۔'' مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

''۔شاہ سلیمان سجادہ نشین پھلواری کا خیال ہے کہ درس نظامی کے اصلی بانی ملا فتح اللہ شیرازی ہیں۔ وہ الندوہ کے ایک پرچے میں لکھتے ہیں۔'' :۔

''۔اسی کے قریب زمانے میں مُلّا فتح اللہ شیرازی کے درس وتدریس کا غُلغلہ بلند ہوا۔ اور ہندوستانی علما عموماً اور اہل یوروپ خصوصاً اُن ہی کی انداز تعلیم پر چلنے لگے۔ اُن کے وقت سے گویا ایک جدید نصاب تعلیم شروع ہوا...... میرا مقصود فقط یہ ہے۔ کہ درس نظامی جس کا ہیُولیٰ مُلّا فتح اللہ شیرازی سے ظہور میں آیا۔ اور صورتِ نوعیہ اُس کی رُوپ بدلا کی یہاں تک کہ درس کا مروّجہ موجودہ حال پر استقرار رہوا۔'' اکرام اللہ نے فتح اللہ پر حاشیہ لکھا کہ:۔

''۔اکبری دَور کا سب سے بڑا فلسفی تھا۔ لیکن اپنے عقیدے پر سختی سے قائم تھا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ عین دیوان خانۂ

خاص میں جہاں اور کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ کہ علانیہ نماز پڑھے۔ وہ پورے اطمینان وجمیعت خاطر کے ساتھ مذہبِ امامیہ کے مطابق نماز پڑھا کرتا تھا۔'' (منتخب جلد دوم صفحہ 315 رود کوثر صفحہ 162)

(12) علامہ امیر فتح اللہ علوم سائنس کا درس جاری کر سکتے تھے

اکبر کے دور کی ترقیوں سے یوروپی ترقی کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ اکبر کو موردالزام ٹھہراتے ہوئے یہ بتاتے ہیں۔ کہ اگر اکبر چاہتا تو جناب فتح اللہ شیرازی کی قابلیت سے کام لیتا اور یوروپ سے پہلے ہندوستان میں علوم وسائنس اور فنی ایجادات کے لئے یونیورسٹیاں قائم کرالیتا۔ مگر اُس نے انہیں محض ذاتی اغراض کے لئے استعمال کیا۔ سنئے لکھتے ہیں کہ:۔

''۔مغرب میں اس وقت گلیلیو پیدا ہو چکا تھا۔ جس نے نئی ایجاد شدہ دُوربین کی مدد سے علم ہیئت اور فلکیات میں بنیادی تبدیلیاں کیں۔ اور فی الحقیقت سائنس میں مغربی ترقیوں کے لئے نئے دور کا آغاز کیا۔ لیکن ہمارے یہاں یہ سلسلہ قائم نہ ہوا۔ بلکہ امیر فتح اللہ شیرازی نے جو کلیں اور مشینیں ایجاد کیں۔ اُن کا سلسلہ بھی انفرادی نمود ونمائش کے کھیل سے آگے نہ بڑھا۔ اور یہ سلسلہ بھی امیر فتح اللہ شیرازی کے ساتھ ختم ہو گیا۔'' (صفحہ 176 رود کوثر)

(13) اکبر اور شیعوں کے مخالف علماء نے مسلمانوں کو ترقی سے محروم کیا

جناب اکرام اللہ صاحب اپنے ہم مذہبوں کے دباؤ کی بنا پر حق بات کہتے کہتے جھجک جاتے ہیں۔ منہ پر بات آتی ہے۔ لیکن قلم تک پہنچتے پہنچتے اُس کا حلیہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ بہر حال اُن کے پردوں کو اٹھا کر اگر دیکھا جائے تو انہوں نے حق کو بیان کر دیا ہے۔ بس سمجھنے کے لئے عقل وبصیرت اور محنت کی ضرورت ہے۔ آخر بے چارے مجبور ہیں۔ اُن کے احباب اور عزیز واقارب اور قوم کے افراد مواخذہ کریں گے۔ تو کیا جواب دیں گے۔؟ وہ ہماری طرح نہیں ہیں، کہ کسی کی پرواہ نہ ہو۔ وہ ہماری طرح اپنے تمام غلط کار علماء کی مذمت نہیں کر سکتے۔ پھر اُن کے مذہب کا بنیادی اصول ہی یہ ہے۔ کہ قاتل کو بھی رضی اللہ عنہ کہو اور مقتول کو بھی رضی اللہ عنہ سے محروم نہ کرو۔ بہر حال وہ ہمت کر کے جو کچھ لکھ دیں، اُن کا احسان ہے۔ وہ اس حقیقت کو بہت سی قسطوں میں، بہت سے الفاظ وسطور میں لپیٹ کر بیان کرتے ہیں۔ کہ اکبر کے دَور میں جو شیعوں کے مخالف علماء تھے۔ انہوں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے مسلمانوں کو ہر قسم کی علمی، روحانی اور سائنسی ترقیوں سے محروم رکھا۔

قسط اول۔ اکرام اللہ صاحب کے ہم مذہب علماء کا حال

''۔مُغلوں کی تباہ کاریوں سے پہلے اور بعد کے حالات پر اگر غور کریں تو ایسا نظر آتا ہے۔ کہ وہ سانچا جس میں البیرونی (شیعہ عالم) جیسے محققین اور سائنس دانوں کے ذہن ڈھلتے تھے۔ ہمیشہ کیلئے ٹوٹ گیا۔ (یعنی شیعوں نے تعاون چھوڑ دیا۔ جنکے یہاں فتح اللہ سے بہتر ذہن برابر ڈھلتے رہے۔ احسن)'' واقعیت پسندی کی جگہ فراریت (حق سے بھاگنا) اور

علم کی جگہ تصوف کو فروغ ہوا۔ (یعنی اب تصوف علم نہیں جہالت ہے) علم کا مفہوم بہت محدود ہو گیا۔یعنی نئے علوم اخذ کرنا تو ایک طرف، زوال بغداد سے پہلے (شیعوں کی وجہ سے) جو علوم رائج تھے۔وہ بھی متروک و مردود ہو گئے ۔ذہن گویا مفلوج ہو گئے ۔اور جو لوگ اہل علم کہلاتے تھے۔اُن کا منتہائے مقصود حق کی تلاش نہ رہا۔ بلکہ ایک نقطہ نظر کی ترویج ہو گیا۔‘‘ (صفحہ 168)

اس محتاط بیان میں وہ اگر اپنے کسی عالم کا نام لکھ دیتے تو بے چارے مصیبت میں پھنس جاتے ۔لیکن یہ تو غالبًا بڑی مصیبت ہے کہ انہوں نے اپنے تمام علماء کو بلا استثناء واقعیت وحقیقت سے فرار کرنے والے ،تنگی علم ودانش کا شکار، مفلوج الذہن اور متعصب وجاہل قرار دیدیا ہے۔

<u>قسط دوم۔ اکبری دَور کے علماء ہر مفید تجویز کے مخالف تھے</u>

’’۔یوروپ میں یونیورسٹیوں کی ابتدا اور توسیع میں بھی مذہبی (عیسائی) علما اور حکومت کا پورا اشتراکِ کار تھا۔ یہاں (اکبر کے دور میں) معاملہ دوسرا تھا۔ اکبر اور مذہبی علما کی کشمکش کی وجہ سے نہ صرف یہ اشتراک عمل ناپید تھا۔ بلکہ ایک ایسی (سازشی) فضا پیدا ہو گئی تھی ۔کہ اکبر اور اُس کے عقل پسند (شیعہ) رفقائے کار۔ جو تجاویز پیش کرتے اور وہ بے ضرر بھی ہوتیں تو بھی (سُنّی) علما اُن کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے۔‘‘ (صفحہ 169 رودکوثر)

آپ نے دیکھ لیا کہ صرف اس لئے کہ اکبر کو عقل وبصیرت اور ترقی کی راہ پر لگانے والے شیعہ علماء ہیں۔مخالف محاذ ہر جائز ومفید کام میں مخالفت لازم سمجھتا ہے۔یعنی وہ ہر اس فکر وعمل کی مخالفت کریں گے۔جس پر شیعہ علم وبصیرت کی چھاپ لگ جائے ۔اناللّٰہ وانا الیہ راجعون ۔

<u>قسط سوم۔ عقل وبصیرت اور ترقی کے دشمنوں کی نشان دہی</u>

اسی صفحہ پر مسلسل چند پردے ہٹا کر ملاحظہ ہو:۔

’’۔عقلیت پسندی اور دُنیوی علوم کے خلاف ایک زبردست ردِّعمل شروع ہوا۔اور وہ دُنیاوی علوم بھی جو دوسرے ملکوں میں علما گوارا کر لیتے تھے۔ وہ بھی یہاں (ہند میں) متروک ومردود ٹھہرائے گئے ۔اُس کا سب سے موثر اظہار حضرت مجدّد الف ثانی کے مکتوبات میں ملے گا۔‘‘ (صفحہ 169 رودکوثر)

یعنی علمی ترقی میں جس کی مخالفت نے سب سے زیادہ رکاوٹ ڈالی وہ جناب مجدد صاحب ہیں۔

<u>قسط چہارم۔ حضرت مجدد کی علم دشمنی اور بدزبانی کی مثال</u>

جناب اکرام بھی عجیب ہیں کہ پہلے ذرا سا مسکہ لگایا اور پھر اُسی سانس میں اُسی قلم سے یہ شکایت سپرد قلم کر دی کہ:۔

’’۔لیکن جب علوم عقلیہ کا مرتبہ معین کرنے کا وقت آیا تو مجدد الف ثانی نے حکما وفلاسفہ کی نسبت لکھا۔‘‘ کہ:۔

''۔ یہ لوگ بہت ہی بے خود اور بے وقوف ہیں۔ اور اُن سے زیادہ کمینہ اور بے وقوف واحمق وہ شخص ہے۔ جو اُن کو دانا اور عقلمند جانتا ہے۔ اُن کے منظّم اور مرتبہ علوم میں سے ایک علم ہندسہ ہے۔ جو محض لایعنی اور بیہودہ اور لا طائل (بے فائدہ) ہے۔ بھلا مثلث کے تینوں زاویہ ٔ قائمہ کے ساتھ برابر ہونا۔ کس کام آئے گا۔؟ اور شکل عروسی اور شکل ماموني جو اُن کے نزدیک بڑی مشکل اور جانکاہ ہے۔ کس غرض کے لئے ہے۔'' (صفحہ 170 رود کوثر)

یہ ہیں جناب شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ عنہ۔ سرہند سرزمین پنجاب اور نقشبندی سلسلہ کے روح رواں جو شیعوں کو صرف شیعہ ہونے پر اس لئے واجب القتل سمجھتے اور فتویٰ دیتے رہے کہ شیعہ اپنے آئمہ علیہم السلام کی علمی تحریک کو ساری دنیا میں پھیلاتے چلے آرہے تھے۔ اور اُنہوں نے دیکھا تھا کہ اُن کا خود ساختہ مذہب علم کی روشنی برداشت نہ کرسکا تھا۔ قارئین کی سہولت کے لئے مندرجہ بالا دونوں شکلوں کا مطلب لکھنا ضروری ہے۔

<u>اول۔</u> <u>اقلیدس یا جامیٹری کی شکل عروسی</u>

اقلیدس کے پہلے مقالے کی سینتالیسویں شکل کو شکل عروسی کہا گیا ہے۔ اس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ مثلث قائم الزاویہ کے قاعدہ اور عمود کا مربع وتر کے برابر ہوتا ہے۔

<u>دوم۔</u> <u>شکل مَامُونی۔</u> اقلیدس کے پہلے مقالہ کی پانچویں شکل کا نام خلیفہ مامون رشید کے نام پر مامونی کرلیا گیا تھا۔ اُسے یہ شکل اتنی پسند تھی۔ یعنی بقول مجدد وہ اتنا کمینہ، بے وقوف اور احمق تھا کہ اپنے ہر لباس پر اس شکل کو کڑھواتا تھا۔ اس شکل میں یہ فارمولا بیان کیا گیا ہے کہ اگر مثلث متساوی الساقین کے دونوں برابر ضلعے اپنی اپنی سِیدھ میں بڑھادیئے جائیں تو جو بیرونی زاویے پیدا ہوں گے وہ آپس میں برابر ہوں گے۔ دل چاہتا ہے کہ یہاں اقلیدس کے فوائد لکھ دوں۔ مگر افسوس کہ اب کتاب میں گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ کاش جناب مجدد صاحب نے ہمارا یہ دَور دیکھا ہوتا۔ دعا ہے کہ خدا کسی طرح مجدد کو آئن سٹائن سے ملاقات کا موقع دیدے۔ آمین۔

(14) <u>حضرتِ مجدد کی کشف وکرامات اور علم کا حدود اربعہ</u>

حضرت مجدد الف ثانی کا ایک آخری علمی انکشاف لکھنا ضروری ہے تاکہ قارئین اپنی اپنی یادداشتوں اور تاریخوں کی اصلاح کرلیں یا یہ کہ علمِ تاریخ میں مجدد صاحب کی تجدید اور مجدّدیت کا شاہکار دیکھ لیں۔ آپ مسلسل علمائے معقولات کی مذمت کرتے کرتے فرماتے ہیں کہ:۔

''۔حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی دعوت جب افلاطون کو؛ جو اُن کم بختوں کا رئیس ہے۔'' پہنچی تو اُس نے کہا کہ ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ ہم کو ایسے شخص کی حاجت نہیں ہے۔ جو ہم کو ہدایت دے۔ اُس بے وقوف کو چاہئے تھا کہ ایسے شخص کو

جومردوں کوزندہ کرتا اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کوتندرست کرتا ہے؛ جواُن حکما کے اصول وقوانین کے خلاف ہے؛ اُسے پہلے دیکھتا اُس کے حالات کودریافت کرتا۔ اور پھراُسے جواب دیتا۔ بغیر دیکھے اس (افلاطون) کا یہ جواب دینا اُس کی کمال عداوت اور کمینہ پن ہے۔'' (صفحہ 170 رودکوثر)

یہی ہیں وہ مجدد الف ثانی جو مقام کشف میں ملاء اعلیٰ تک جاتے تھے۔ اور خلفائے ثلاثہ کے مدارج سے بلند ہوکر مقام نبوت وخُلّت تک رسائی رکھتے تھے۔ جن کے سامنے پوری کائنات کے انوار بکھر جاتے تھے۔ اُس بے چارے نقش بندی کو اللہ نے مکاشفہ میں یہ بھی نہ بتایا کہ جناب مجدّد صاحب افلاطون غریب تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چارسوستائیس سال (427) سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ اور تین سوسینتالیس سال پہلے ہی مر گیا تھا۔ آپ نے خواہ مخواہ اُسے برا بھلا کہہ کر اپنا منہ ناپاک کرلیا۔ (صفحہ 170 رودکوثر)

(و) شہادت تحریکِ تشیع کو تیز تر وعمیق تر کردیتی ہے

حضرت علامہ نوراللہ شوستری تو راہ سے ہٹادیئے گئے۔ لیکن دشمنوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ تحریک تشیع ایک خدائی تحریک ہے۔ اس کی پشت پر تمام انبیاء وآئمہ علیہم السلام ہیں۔ یہ کسی ایک عالم یا آدمی کی محتاج نہیں ہے۔ اِس پر کائنات کی تمام راہیں کھلی ہیں، اس کا راستہ روکنے والا خود کچل کر رہ جاتا ہے، کوئی طاقت اس کی مزاحمت نہیں کرسکتی، یہ تیز چلے تو عذاب بن جاتی ہے اور نرم روی اختیار کرے تو ہوا کی طرح بادصبا بن جاتی ہے۔ جہاں گیر جس نے اُس سازشی گروہ سے عہد کیا تھا کہ وہ بقول اُن کے اکبری بدعتوں کو مٹائے گا۔ وہ دیکھئے۔ غور سے دیکھئے۔ یہ جہانگیر ہی ہے نہ؟ جو ہندو جوگیوں سے اظہار عقیدت کررہا ہے۔ (صفحہ 447 رودکوثر) یہ جناب گوسائیں جَد روپ ہیں نہ جن کا مقدس تذکرہ اپنی تزک جہانگیری میں لکھ رہا ہے۔ وہ جناب شیخ میاں میر ہی تو ہیں جن کی سروقد تعظیم بجالا رہا ہے۔ جن کے اشاروں پر چلنا سعادت مندی سمجھتا ہے۔ مجدد صاحب تو گوالیار کے جیل خانے میں تہذیب وتمیز سیکھ رہے ہیں۔ کہیں اُن کے مرید بھی نظر نہیں آتے۔ یہ بزرگ صوفی حضرت میاں میر وہ ہیں جنہوں نے نقشبندی چراغ گل کردیا تھا۔ (صفحہ 426 رودکوثر) یہ عالمگیر اورنگزیب ہی تو ہے جو میاں میر صوفی کا مزار تعمیر کرا رہا ہے۔ یہ شاہجہاں ہی تو ہے جو شہید ثالث کے قاتل جہانگیر کا بیٹا ہوکر، مجدد اینڈ کمپنی سے مخالف شرع کی پابندی کا عہد کرکے بھی سہون شریف سے آئے ہوئے قلندر میاں میر کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا داراشکوہ۔ اورنگزیب کا بڑا بھائی شفا پاجائے۔

''۔ یہ میرا بڑا بیٹا ہے۔ معالج اس کا علاج نہیں کرسکے۔ آپ ہی اس پر توجہ کیجئے۔ حضرت نے پانی کا ایک پیالہ منگایا اس پر دم کرکے داراشکوہ کو پینے کے لئے دیا۔ داراشکوہ کہتا ہے کہ اسی ہفتے مجھے صحت ہوگئی۔ اور میری بیماری بالکل جاتی رہی۔'' (صفحہ

428رودکوثر) یہ ہیں وہ دروازے جہاں جہانگیر اوراس کا بیٹا شاہ جہاں اوراس کا پوتا داراشکوہ سجدہ ریز ہیں۔

وہ شاہجہاں (جہانگیر کا بیٹا) ہی تھا جواولادِ نرینہ کے لئے درگاہ معین الدین پر حاضر ہوتا ہے۔منت اورنذر مانتا ہے اور نتیجے میں داراشکوہ پیدا ہوتا ہے۔اوریہی داراشکوہ جہانگیر کا پوتا ہے۔وہ دیکھئے کہ جناب صوفی میاں میر کے قدموں پر سر رکھے بیٹھا ہے۔صوفی صاحب پیار سے سر پر ہاتھ پھرارہے ہیں دعا کررہے ہیں۔(صفحہ 443رودکوثر)

یہ ہیں شیعہ بزرگوں کے قدم جن پر بادشاہوں کے سرسجدہ کرتے ہیں۔سنو!ایک ملنگ اپنی ترنگ میں کہہ رہا ہے:۔

پنجہ در پنجہ ٔخدا دارم　　میرا ہاتھ یدُاللہ نے سنبھالا ہے۔

من چہ پروائے مصطفیؐ دارم　　اب مجھے مصطفیؐ کی طرف سے کیا خطرہ ہے

اس ملنگ کا نام مُلاّ شاہ ہے۔مخالف ذہنیت کے مفتیوں نے سمجھا کہ ملنگ رسولؐ اللہ کی پرواہ نہیں کرتا۔واجب القتل قراردے کرشاہجہاں سے قتل کا حکم حاصل کرنا چاہا۔داراشکوہ اوراس کی ہمشیرہ دونومرید تھے۔باپ سے کہا کہ حضرت میاں میر سے دریافت کرکے حکم دینا۔میاں میر حقیقت حال سے واقف تھے،منع کردیا۔مجتہدین منہ کی کھاکررہ گئے۔(صفحہ 431رودکوثر)اور جب شاہجہاں کشمیر آیا تو ملنگ سے 1639ء میں نہایت عزت واحترام سے پیش آتا ہے۔اورنگزیب کے زمانہ میں پھرایک دفعہ مخالف محاذ کا زور ہوا،تومُلاّ شاہ کے خلاف پھرفتویٰ دیا مگر خدانے انہیں محفوظ ومامون رکھا۔بہرحال جو لوگ اپنی دنیاوی مصلحتوں اورقلبی کدورتوں کو مذہب کی آڑ میں چھپالیں اور مذہب کے نام پرخود اپنے باپ اورحقیقی بھائی کو ذبح کرڈالیں اُن سے کیا شکایت کریں۔؟ شکایت کریں تو سنے گا کون۔؟ بہرطور ایسے سینکڑوں بزرگ تھے جن کے لنگروں میں دس دس ہزار ملنگ رہتے تھے۔(صفحہ 409رودکوثر)

(2) علمائے شیعہ اورتحریک تشیّع کا دوسرا رخ

حضرت نوراللہ شوستری رضی اللہ عنہ کے خون کا ہرقطرہ نوربن کر چمکنے لگا۔نورجہاں نے جہاں گیر کی شراب نوشی سے کاروبارمملکت کومحفوظ رکھنے کے لئے عنان حکومت خودسنبھالی۔تمام مخالف محاذ کوایک ایک دودوکرکے راہی ملک عدم کیا۔ملکہ نور جہاں کے بھائی جناب آصف خان اوراُن کا خاندان درباروں اوراہل کاروں میں چھا گیا۔اُدھر جناب علامہ میر فتح اللہ شیرازی علامہ میر یوسف علی محدث کی تعلیمات نے چاروں طرف سے پبلک کے اذہان کومخالف محاذ کی طرف متوجہ کردیا۔ شہید ثالث کی انصاف پروری نظروں سے غائب ہوئی تو پنجاب اورکشمیروسندھ میں بغاوت کے منصوبے تیار ہونے لگے۔ ہندوؤں میں تحریک پرتحریک جنم لینے لگی۔ملک بھرمیں یہ یقین پھیل گیا کہ مسلمانوں کی مذہبی حکومت ہرگز عدل وانصاف نہیں کرسکتی۔یہ تجربہ بار بار ہوچکا تھا کہ ہروہ بادشاہ جس کے دربار میں شرع اور مذہب کے نمائندے جمع ہوجاتے تھے وہ ضروری

اور دینی حیثیت سے اپنے مخالفین کو بے دریغ قتل کرتا چلا آ رہا تھا۔لہٰذا یہ طے کیا جانے لگا کہ اس مذہب کی حکومتوں کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ پھینکنے ہی میں بنی نوع انسان کی بھلائی ہے۔ وہ احساس جس کو بعد میں مولانا ابوالکلام آزاد نے پیش کیا۔ ملک کی ہر قوم، ہر مذہب اور ہر گروہ میں پیدا ہو گیا تھا یعنی:۔

’’۔ایشیا میں ہمیشہ سے پالیٹکس مذہب کی آڑ میں رہا ہے۔اور ہزاروں خوں ریزیاں جو پولیٹیکل اسباب سے ہوئی ہیں۔ انہیں مذہب کی چادر اُڑھا کر چھپایا جاتا رہا ہے۔‘‘(صفحہ 437 رودکوثر)

تحریک تشیع کے سامنے عراق عرب کی حکومتیں اور اُن کے مظالم و دیگر اقدامات ہر لمحہ موجود تھے۔اُن کا تجربہ بہت طویل ومفصل تھا۔ وہ اتمام حجت کے لئے بدل بدل کر اقدامات کر رہے تھے۔اگر تحریک تشیع خلافت کی دھجیاں فضا میں بکھیر سکتی تھی تو حکومت تو اس کے سامنے کوئی تقدس نہ رکھتی تھی۔اس لئے اب وہ وقت سامنے نظر آ رہا تھا۔جس وقت عرب میں تحریک تشیع نے اپنی آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

چنانچہ نور جہاں کے بھائی جناب آصف خان نے وہ مقام حاصل کیا کہ آئندہ وہ جہاں گیر کے بعد شاہ جہاں کو تخت پر بٹھا دے۔اُس کی ذہین وفہیم وقابل صد تحسین بیٹی شاہ جہاں کے عقد میں تھی۔وہ عزیز کوکہ خان اعظم ہی تھا کہ اکبر کے بعد اپنے داماد خسرو کو تخت نہ دلا سکا۔ بلکہ خود جیل میں بند ہو گیا اور تمام اقتدار اس لئے ضبط ہو گیا کہ اُس ظالم نے ابوالفضل کے ساتھ بڑا بے رحمانہ سلوک روا رکھا تھا۔لہٰذا آصف خان مخالف محاذ کے لئے نور جہاں کے بعد دوسری آفت تھا۔اور خسرو خود جہاں گیر کے خلاف ایک مستقل مصیبت تھا۔ یوں یہ حکومتیں داخلی وخارجی مخالفوں کے نرغوں میں گھری ہوئی،قدم قدم زوال کی طرف بڑھائی جانے لگیں۔اور جس کے سر پر خود ساختہ شریعت کا بھوت جس مضبوطی سے سوار ہوتا۔اس کے لئے اسی قدر مضبوط بھوت اتارنے والا صوفی یا شیعہ مسلط کر دیا جاتا۔

رفتہ رفتہ اور ظلم وتشدد سہتے سہتے،طرح طرح سے قربانیاں دیتے ہوئے،آخر وہ وقت آ گیا کہ ہندوستان میں ایران کی شیعہ دوست حکومت قائم کی جائے۔ چنانچہ ہمایوں کو ہمہ قسمی مدد دی گئی،اپنی افواج دی گئیں،اسلحہ دیا گیا،سیاسی دانشور دیئے گئے،مستقبل میں سرپرستی،راہنمائی اور نصرت کا وعدہ دیا گیا۔ ہمایوں واپس آیا،ایران کی افواج اور بصیرت سے فتح یاب ہوا۔ ہندوستان کا تاج وتخت حاصل کیا،ایرانی افواج ملک بھر میں پھیل گئیں،تمام باغیوں کو ہم نوا بنا لیا گیا تمام اقوام کو نئی پالیسیوں اور عدل وانصاف کا یقین دلایا گیا۔ ہندوراجوں نے شیعہ تصورات کے غلبہ کو دیکھا اور دل وجان سے تعاون کرنے لگے۔ حکومت کو استحکام ملتے ہی،خود ساختہ شریعت کے ٹھیکیداران نے اپنا متعصب گروہ منظّم کرنا شروع کیا۔اور دین کے نام پر، ایران کی ضد میں،شیعوں کے اقتدار سے خوفزدہ کر کے تخت وتاج کو اپنے حق میں متوجہ کرنا شروع کیا۔

ہمایوں کی اچانک وفات نے مخالف محاذ کے علماء کا راستہ صاف کر دیا۔ اُدھر کانوں کی کچی والدہ نے اکبر کو نام نہاد دین داروں کے حوالے کر دیا۔ اور آخر ظلم وستم اور تعصب اور دشمنی کھل کر اپنا کام کرنے لگے۔ تمام شیعہ راہنما معلوم ومشہور تھے۔ اُن کے خلاف پروپیگنڈا اور الزام تراشیاں ہونے لگیں۔ کئی ایک زعمائے شیعہ کو محض مذہبی تصورات کی بنا پر برسرعام قتل کرادیا گیا۔ اُدھر کئی ایک صوفیائے کرام پر مقدمات چلے، چند ایک قتل ہوئے۔ ساتھ ہی ہندو عوام اور علماء کو اشتعال دلانے کا پروگرام شروع کیا گیا تاکہ وہ تنگ آ کر منہ کھولیں۔ اور پھر اُن پر قرآن ورسولؐ کی توہین کا الزام عائد کر کے مقدمات اور تلوار کی مشق ستم کی جائے۔ لہٰذا ہندوؤں کو بھی قتل وغارت سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن تحریک تشیع نے پبلک کے عام جوش اور باغیانہ تصورات کو اپنی دور اندیشانہ پالیسی سے دبا کر قابو میں رکھا۔ اور اکبر کے فکر واقدامات میں اصلاح کی راہیں نکالیں۔ دشمن علماء کے اقدامات پر غور کرنے پر اکبر کو متوجہ کیا۔ چند سال کی محنت، جانفشانی اور قربانیوں سے آخر اکبر کو دشمنانِ اسلام کے پنجوں سے آزاد کرادیا۔

اب علم وعقل واسلام کا دور شروع ہوا۔ قرآن کا نور پھیلا تو دشمن علماء کا کفر وزندقہ، الحاد اور نفاق ہر شخص کے سامنے آ گیا۔ جو علماء اسلام کی بلند ترین مسندوں پر صدالصدور، شیخ الاسلام اور مخدوم الملک بنے بیٹھے تھے پبلک کے سامنے برہنہ ہو گئے۔ چاروں طرف سے تعجب اور نفرت کی نظریں پڑیں تو اُن کی جہالت چیخیں مارنے لگی۔ ایمانداروں اور متقی حضرات کی نگاہیں پڑیں تو اُن علماء کی بے ایمانی اور بددیانتی کی قبریں نظر آ گئیں۔ زروجواہر اور سونے چاندی کی صورت میں اُن کا مذہب قبرستان سے قبریں کھود کر نکالا اور حساب کتاب کے لئے باہر لایا گیا۔ یہ علمائے سوء نہ ہندوؤں کے سامنے کفر سے بہتر ثابت ہوئے نہ عیسائیوں کے مقابلے میں اہل کتاب کے برابر ٹھہرے۔ بہرحال تاریخ کا یہ وہ دور تھا جس میں اسلام کے نمائندوں سے اُن کا نام پھر خارج کیا گیا۔ آسمان نے ہارون ومامون کے درباروں کے بعد ایک دفعہ پھر دیکھا کہ اسلام، قرآن اور رسولؐ کی حقیقی اور واضح نمائندگی آئمہ اہلبیت علیہم السلام کرتے ہیں۔ جس میں قرآن کی بلاتاویل تنفیذ کی جاتی ہے۔

1۔ ہر ملک ومذہب کی ترقی؛

2۔ تمام بنی نوع انسان کی آزادی واحترام؛

3۔ جبر وظلم وجانبداری کا قلع قمع مذہب اسلام کے اولین عملی قوانین ہیں۔ کافر ومومن، بامذہب ولا مذہب تمام برابر اور بلاتفریق وترجیح حقوق رکھتے ہیں۔ اور ہر وہ تصور، مسلک یا مذہب جو اُن بنیادی اسلامی اصول کے خلاف آواز اٹھائے باطل ہے۔ ایسے اشخاص کو سوچنے سمجھنے کا پورا موقعہ دیا جائے گا۔ ظلم وتشدد اُن پر بھی نہ کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ خود امن پسند لوگوں پر ظلم وجبر کی ابتدا کریں۔ اتمام حجت کے بعد ایسے لوگوں پر وہ تمام رعایات بند کر دی جائیں گی جو اسلام نے ہر انسان کو عطا کی ہیں۔

اور پھر اُن کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے گا جس کا وہ عملی مظاہرہ کرتے رہیں۔مثلاً فریب دیں تو انہیں ایسا فریب دیا جائے گا کہ اس سے بڑا فریب ناممکن ہو۔ بدعہدی کریں تو بدعہدی کی جائے گی۔قتل وغارت کریں تو قتل وغارت کئے جائیں گے۔البتہ پوری کوشش کی جائے گی کہ اُن پر اُن کی زیادتیوں سے زیادہ زیادتی نہ کی جائے۔جب وہ صلح چاہیں خواہ صلح کی خواہش میں وہ مخلص نہ ہوں، نیزوں پر قرآن بلند کرر کھے ہوں، شکست سے دوچار ہونے والے ہوں، اُن سے صلح کر کے امن وامان کے قیام کو ترجیح دی جائے گی۔

(3) اہلِ انصاف سے اپیل اور دشمنانِ حق کو چیلنج

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ سوچیں اور اپنے ماحول میں سوچنے کی اپیل کریں۔اور ہمیں بتائیں کہ کیا آپ مندرجہ بالا اصولوں اور طرزِ عمل کو پسند نہیں کرتے۔؟ اور کیا اُن میں سے کوئی ایک اصول یا ایک بات بھی اسلام کے خلاف ہے۔؟ لیکن دشمنانِ اسلام نے جس مذہب کو اسلام کہہ کر دنیا میں جبر وطاقت سے پھیلانے کی کوشش کی ہے۔اس میں ہر قدم پر ترجیحات ہیں، جانبداری ہے، جبر وتشدد ہے، اپنے مخالفوں کے لئے رحم وکرم ورعایت کا فقدان ہے، مخالفوں سے ہر فریب وبدعہدی جائز ہے۔جو اعمال یہ دن رات صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔اسی قسم کے اعمال اگر مخالف کریں تو کہیں مجددی شور اور واویلا ہوتا ہے کہیں کوئی محی الدین چیخنے چلانے لگتا ہے۔روزِ اول سے اُن میں یہ احساس موجود تھا کہ ہمارے اعمال تاریخ کے آئینہ میں نہ دیکھے جاسکیں گے۔اُن کے راہنما اپنی دم کے پیچھے جھاڑ اور ٹریکٹر (Tractor) باندھ کر ظلم وجبر کی راہ پر چلے تا کہ اُن کے پاؤں کے غلط نشان مٹتے چلے جائیں۔اپنے مورخین کو قصیدہ خوانی اور حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کے لئے، پشت کی طرف منہ گھما کر بٹھا دیا تا کہ وہ ماضی پر نظر جمائے حال کو اُن کی منشا کے مطابق ڈھالتے پچھلے پاؤں ہٹتے چلے آئیں۔ آگے آگے قتل ہوتا رہا پیچھے پیچھے جہاد اور انصاف پروری کے نقشے بنتے رہے۔آلِ رسولؐ کو تہہ تیغ کر دیا جائے۔لیکن مورخ باغیوں اور بے دینی کے جدول بناتے رہیں۔

اگر تحریک تشیع نے اُن کا محاصرہ نہ رکھا ہوتا تو آج تاریخ میں صرف مقدس افسانے ہوتے۔مگر اس تحریک نے اس منافق محاذ میں پھوٹ ڈال دی، اُن پر تحریک کا چھومنتر پڑھ دیا، اُن کے حواس گم کر دیئے جو چیز ایک نے چھپائی دوسرے نے ظاہر کر دی۔ علماء کو علماء سے لڑا دیا، مورخین مورخین سے دست وگریبان کر دیئے گئے، حکومتوں کو حکومتوں کے سامنے لا کھڑا کیا اور یوں اُن کا کفر اُبل کر سامنے آنے لگا۔

غور کیجئے کہ رسول اللہؐ نے وہ نسخہ بتانا چاہا۔جس میں یہ ذمہ داری تھی کہ پوری امت ہرگز گمراہ نہ ہوگی تو دانشورانِ قوم نے کہہ دیا کہ رسولؐ، قرآن کو چھوڑے دے رہا ہے۔ہم قرآن کے مطابق خود عمل کریں گے۔یعنی رسولؐ کے قول کی ہمیں

ضرورت نہیں۔اسی اصول کی خلاف ورزی کرنے والے صحابہ کو دُرّوں سے پیٹا گیا۔صحابہؓ کے منہ بند رکھنے کے لئے انہیں مدینہ میں نظر بند رکھا گیا اور اطمینان کرلیا گیا کہ حدیثِ رسولؐ گم ہوکررہ جائے گی۔جن صحابہؓ نے حدیث رسولؐ کا ذخیرہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں جمع کیا تھا۔اُن میں سے بعض نے اعلانیہ اپنی اپنی کتابوں کو پھاڑ دیا اور مدتوں کہا جاتا رہا کہ قرآن کی موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔آخر حالات نے اُن کے منہ سے اقرار کرالیا اور برسرِ منبر اعلان کرنے پر مجبور کردیا کہ وہ قرآن کو مدینہ کی بُڑھیا عورتوں سے بھی کم جانتے ہیں۔پھر وہ وقت آیا کہ اب اعلانیہ حکومت کی سطح پر تازہ بتازہ احادیث گھڑنے کا حکم جاری ہوا اور آنے والے ادوار میں تین چار صدیوں تک جاری رہا۔

یہ بھی سوچئے کہ مخالف محاذ کی ہم مذہب حکومتیں جب ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئیں تو دونوں فریق نے ایک ہی مذہب کے منبر اور پیرو ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو کافر وملحد کہا۔خلیفہ یزید اور اس کی فوج ورعایا،خلیفہ عبداللہ ابن زبیر کو ملحد، کافر بدعتی قرار دیتی رہی۔خلیفہ عبداللہ ابن زبیر کے نزدیک یزید، اس کی فوج اور رعایا کافر وملحد و بدعتی تھے۔خلیفہ معاویہ، خلیفہ علیؑ پر اور اُن کے پورے خاندان پر لعنت کرنے میں تکلف نہیں کرتا اور ایک (۱۰۰سال) صدی تک یہ مسلک جاری رہا۔ مگر ذرا تلاش کیجئے! کہ کہیں جناب علیؑ مرتضٰی اور اُن کے جانشین آئمہ علیہم السلام نے بھی کبھی کہیں صرف اپنی مخالفت کی بنا پر اُن میں سے کسی خلیفہ کو، کسی خلیفہ کی فوج اور رعایا کو کافر کہا؟ آپ تلاش کے بعد بھی مایوس ہوں گے۔بصرہ میں عورتیں اُن کو اُن کے سامنے گالیاں دے رہی ہیں آپؑ خاموشی سے گذرتے سنتے چلے جارہے ہیں۔کسی صحابی نے جواب دینا چاہا تو ڈانٹ کر کہا کہ خبردار! یہ مسلمان خواتین ہیں اُن کا اکرام ضروری ہے۔ہم تو رسولؐ اللہ کے زمانہ میں کافر عورتوں کی بھی عزت کرتے تھے۔خلیفہ معاویہ نے علیؑ کے لشکر پر پانی بند کیا۔جب لڑ کر دریا چھین لیا تو معاویہ کی فوج پر پانی بند نہیں کیا گیا۔مخالف خلفا نے کبھی بھی فتح یاب ہونے کے بعد، مخالف فوج کو خواہ وہ مسلمان تھی یا کافر، لوٹے بغیر نہ چھوڑا۔اور اِس لوٹ کو مالِ غنیمت قرار دیا اور جو کچھ کیا وہ سب سامنے آچکا ہے۔سوال یہ ہے کہ علیؑ وآلِ علیؑ نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کی۔؟ نام بتایئے! دس سال کی تلاش کے بعد بتایئے۔؟ ایسے مظلوم لوگ جو قاتلوں کو دعائیں دیں، شربت پلائیں۔تیرہ سو سال گذر چکے، شیعوں کے لئے کلمہ خیر نکالتے ہوئے آج تک مُلّا حضرات کی کثرت کو بخار چڑھتا ہے۔اس صبر وتحمل کا مظاہرہ صرف پیروانِ علیؑ وآلِ علیؑ ہی کرتے رہے ہیں۔

ذرا سوچئے کہ اگر ہندوؤں کی حکومت ہو اور آپ بھی وہاں آباد ہوں۔آپ کو اذان دینے کی اجازت نہ ملے، نماز پڑھتا دیکھ کر آپ کو قتل کیا جائے، جاسوس کی اطلاع پر آپ کی گردن اڑادی جائے، مسلمان ہونے کی بنا پر آپ کا گھر لوٹ لیا جائے، آپ کے بچوں کو فروخت کردیا جائے آپ کی عورتوں کو جبراً حلال کرلیا جائے تو بتایئے کہ کیا یہ ظلم نہیں ہے۔؟ اگر یہ سب کچھ آپ کو ناپسند ہے، اگر یہ ظلم ہے تو پھر آپ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے اور خدا کے لئے آج تو اقرارِ جرم کرلیجئے۔کبھی تو

حق بات کہہ لیجئے۔

بہرحال اکبر کا عہد وہ عہد تھا۔ جس میں سوائے اس نقص کے اور کوئی عیب نہ تھا کہ درندہ صفت شریعتمداروں کے ہتھیار چھن گئے تھے۔ اُن کے قتل و غارت کے احکام وفتاویٰ بند ہو گئے تھے۔ جہانگیر کے خط میں آپ نے پڑھا ہے کہ سُنّی و شیعہ ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے، عیسائی اور یہودی شیر و شکر تھے۔ مسلمان جب بلند آواز سے اذان دینے کے مجاز ہیں تو ہندوؤں کے سنکھ بجانے پر مولوی صاحب کیوں ناراض ہوتے ہیں۔ تم اپنے کام سے کام رکھو اگر تم حق پر ہو؟ تمہاری عبادتیں، اعمال و افکار اور رسومات حق کے مطابق ہیں تو تمہیں کیا خطرہ ہے۔؟ کوئی روزہ نہیں رکھتا تو تمہیں اس پر جبر کرنے کا کیا حق ہے؟ اگر تمہارا مذہب حق ہے؟ صحیح ہے؟ بنی نوع انسان کے لئے مفید ہے تو اُس کی افادیت اور آپ کے اعمال و افکار خود بخود لوگوں کے دلوں میں اُتر جائیں گے۔ اور دنیا کا ہر عقلمند اس کو بڑے فخر سے اختیار کرے گا۔ اللہ نے یہی تو کہا ہے کہ تم بھی اپنے مذہب پر عمل کرو ہم بھی اپنے اسلام پر عمل کریں اور دیکھیں کہ کائنات اور اللہ کے انعامات کس کے حصے میں آتے ہیں۔ (6/135 وغیرہ)

وہ مانیں یا نہ مانیں آپ یقین کر لیجئے کہ اُن کو اپنے مذہب کے باطل ہونے پر کبھی شک نہیں ہوا۔ قرآن پر، وحی پر، رسولؐ پر اُنہیں بار بار شکوک ہوئے۔ مگر اپنے مذہب کے باطل ہونے کا اُن کو ہمیشہ یقین رہا۔ اور اُن کی زبردستیاں، ظلم و تشدد، لوگوں کو منہ بند رکھنے پر مجبور رکھنا، اُن کے مذہبی گھروندے کے خلاف چیختا ہوا ثبوت ہے۔ اکبر کے زمانہ میں اُن کے اس باطل مذہب پر چاروں طرف سے روشنی پڑنے لگی تھی اور خدا گواہ ہے کہ جس روز بھی اُن کے مذہب پر تنقید کی کھلی اجازت مل جائے۔ اس روز کے چھ ماہ بعد یہ تصور دنیا سے رخصت ہو جائے۔

اسلام کسی چیز کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتا۔ قرآن نے اُن افراد کی مدح و ثنا کی ہے جو کسی آیت پر صرف قرآن کی آیت ہونے کی بنا پر سرِ تسلیم خم نہیں کرتے۔ بلکہ عقل و بصیرت کے معیار پر جانچنے اور پورا اترتا دیکھ کر سر بسجود ہوتے ہیں۔ (25/73) ہم اپنے نبیؐ پر، وصی پر، علیؑ پر اور ہر امامؑ پر اور مذہب کے ہر مسئلہ پر تنقید کی کھلی اجازت دیتے ہیں۔ اور مخالف پر کوئی پابندی نہیں لگاتے کہ محمدؐ کہتے وقت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے کہے تب نام لے۔ نہیں نہیں۔ وہ جس طرح چاہے اپنے احساسات کا کھلے دل سے واضح زبان میں بلا عقیدت اظہار کرے۔ ہم اُس سے آنحضرتؐ کو سجدہ کرا کر رہیں گے۔ ڈنڈے سے نہیں، دلیل سے اپیل سے اخلاق محمدیؐ سے۔ ہمیں نہ کسی سے عقیدت ہے، نہ ہم عقیدتمندی کو پسند کرتے ہیں۔ ہم قلب و ذہن پر اُن کی حقانیت کا قبضہ دیکھتے ہیں اور ہر لمحہ اُن کا وجود ذی جود اپنے آس پاس محسوس کرتے ہیں۔ کہیں اُلجھتے ہیں تو اُن سے ہدایت پاتے ہیں۔ اُن کی توجہ اور عنایات و تائیدات سے ہر طالب کو مالا مال کر سکتے ہیں۔ اور شیعہ ہونے کی بنا پر سر بلند کر کے چلتے ہیں۔

(4) علامہ شوستری کی موت سے مخالف محاذ کا زوال و تنزل

علامہ کی شہادت کے بعد وہ تمام تحریکیں اور پالیسیاں جو ہندو اور دیگر غیر مسلموں کو بتدریج شیعہ بنانے کے لئے کام کررہی تھیں اُن کا رخ اُس نام نہاد اسلام کے خلاف موڑ دیا گیا۔جس سے نہ صرف سرسری اور رسمی اسلام کا پھیلنا رک گیا۔ بلکہ یہ ضروری سمجھا گیا کہ مُلّا ازم جو مخالف علماء کے متعصّبانہ اقدامات میں مددگار بنتا چلا آتا تھا۔یعنی وہ لوگ جو نہ اسلامی مسائل سے واقف تھے، نہ روزہ نماز کی غرض وغایت سمجھتے تھے، نہ عربی وفارسی سے واقف تھے، قطعاً جاہل، دیہاتی ہندو رسومات اور معاشرت رکھنے والے لوگ جو صرف اس لئے مسلمان سمجھے جاتے تھے کہ اُن کے نام مسلمانوں ایسے ہوتے تھے۔اور کبھی کبھی مُلّا جی کو دکھانے اور اُس کے دُرّے سے بچنے کے لئے نماز میں اُس کے پیچھے پریڈ کرلیا کرتے تھے۔اور صرف اس لئے ملا جی کے ساتھ ہوجاتے تھے کہ ہندوؤں میں ذات پات کی وجہ سے انہیں کوئی مقام نہ ملتا تھا۔ملاجی کی فہرست میں آتے ہی جائیداد اور سہولت مل جاتی تھی۔ ہندوستان میں جو مسلمان مُلّا ازم کے ماتحت تھے۔اُن میں اَسّی فیصد اسی قسم کے مسلمان داخل تھے۔ چنانچہ جب مُلّا ازم شیعوں کے خلاف یا دیگر مخالفوں کے خلاف کوئی حکم جاری کرتا تھا تو اُسے اسی قسم کی کثرت کی تائید حاصل ہوجاتی تھی۔وہ اسی نام نہاد مسلم اکثریت سے حکومتِ وقت کو مرعوب کرتے رہتے تھے۔اس کثرت کے ایمان میں ننانوے فی صد کفر اور ایک فیصد اسلام یعنی اللہ ایک ہی ہے، داخل تھا۔ایسی مسلمان اکثریت کی تخلیق میں جو جذبہ کارفرما تھا۔اگر وہ ختم ہوجائے تو آئندہ اس قسم کا اسلام پھیلانا ناممکن ہوجائے۔اور ذرا سی سوجھ بوجھ سے کام لے کر اس نام نہاد مسلم اکثریت کو پھر ہندوؤں میں واپس کیا جاسکتا تھا۔اس سلسلے میں جناب اکرام اللہ کے چند جملے ملاحظہ ہوں:۔

''۔چیتنیہ کی تحریک کا جو اثر بنگالہ کے باہر ہوا۔اس سے کہیں زیادہ بنگالہ کے اندر تھا۔اُس علاقہ میں اُس نے اشاعت اسلام کا سلسلہ روک دیا۔اسلام کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہ تھا۔(افسوس) کہ آبادی کا بہت بڑا حصہ اچُھوت سمجھا جاتا تھا۔ اوران لوگوں کے لئے ہندو سوسائٹی میں معزز جگہ نہ تھی۔اس لئے اُنہوں نے (بلا دلیل) اسلام کا خیر مقدم کیا۔لیکن وشنو تحریک نے اُن کے لئے ہندو سوسائٹی میں ہی باعزت جگہ بنادی۔''(صفحہ 496 رود کوثر)

(5) تحریکِ تشیّع کا شعبۂ تصوف غیر مسلموں میں بھی کام کرتا رہا

ہندوستان میں شیعہ تبلیغ کی تفصیل میں ثابت ہوچکا ہے کہ ہمارے مبلغین بیس بیس سال تک ہندوستانی راجاؤں کے یہاں ہندو بن کر تبلیغ کرتے رہے۔اُن کا پہلا قدم یہ ہوتا تھا کہ رام اور رحیم، اللہ اور پرم آتما، کا ایک ساتھ سن لینا برداشت کرایا جائے پھر مذاہب کی اصولی حقیقت سامنے رکھی جاتی۔مختلف انبیاءؑ اور ادیان کی غرض بتائی جاتی، رفتہ رفتہ مسلمان، پھر دلائل سے شیعہ اور معجزات وتائیدات خداوندی سے مالا مال کرکے شیعہ اثناعشری بنادیا جاتا۔اس قسم کی جتنی تحریکیں ہندوؤں میں کام

کررہی تھیں۔اُن کے اوّلین نتیجے میں مُلّا ازم فائدہ اٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ یہ فائدہ روک دیا گیا۔شیعہ مبلغین کے لئے کسی ہندو، عیسائی، بدھ، یہودی یا کسی اور بامذہب ولا مذہب کو شیعیت کی طرف دعوت دینا کبھی دشوار نہ تھا۔انہوں نے دیکھا کہ جب ہم لوگوں کو محنت شاقہ کے بعد اسلام کے دائرہ میں لے آتے ہیں۔تو مُلّا ازم اُن کو حکومت و دولت کی طاقت سے ہڑپ کر لیتا ہے۔اور اپنے اقتدار وحکومت اور روپیے سے اُن کو اپنی متعصّبانہ کاروائی میں شیعوں کے خلاف استعمال کرتا چلا جارہا ہے۔ یہ تازہ تجربہ نہایت تلخ تھا۔لہٰذا تحریک تشیع کے قائدین نے فیصلہ کیا کہ وہ آئندہ اپنی بوئی ہوئی فصل کو مخالف محاذ کو نہ کاٹنے دیں گے۔ بلکہ وہ جس قدر فائدہ اٹھا چکے ہیں وہ بھی واپس لیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوؤں یا دیگر غیر مسلموں میں جاری کردہ ہر تحریک کو چندنئی ہدایات دیں۔اور اُن کے قلوب سے یہ لالچ نکال دیا کہ گورنمنٹ سے مراعات ملیں گی۔ بلکہ انہیں مستقبل کا ایک ایساروشن پہلو دکھادیا۔جس کے مقابلہ میں حکومت کی ہر رعایت اور مدد ہیچ معلوم ہونے لگے گی۔ پھر اُن کے قلوب سے یہ خوف نکال دیا کہ حکومت اُن پر لازوال تشدد کرے گی۔اُن کو بتایا گیا کہ مستقبل تو ہوگا۔مگر حکومت کا تشدد فنا کردیا جائے گا۔ بلکہ اگر ہم چاہیں تو خود حکومت اور اس کے چمچوں پر تشدد کرسکیں گے۔اس اصول کو سمجھانے اور اس یقین کو پیدا کرنے کے بعد مخالف محاذ پر چاروں طرف سے آفات ومصائب کا ہجوم بڑھنے لگا۔نہایت خاموشی اور تدریج کے ساتھ مخالف محاذ کے چاروں طرف محاصرہ روز بروز غیر محسوس طور پر تنگ ہوتا گیا۔اگر ہم تفصیل میں چلے جائیں تو سینکڑوں صفحات کا اضافہ کرنا ضروری ہوجائے گا۔ذرا سے اشارہ سے بات سمجھیں فرمایا گیا کہ:۔

’’۔اس کے علاوہ اس تحریک اور اس کے مختلف مظاہر نے ہندو جاتی (ہندوذات) میں نئی زندگی پیدا کردی۔اُس نے اسلامی مبلغین کی کامیابی ناممکن بنادی۔‘‘(صفحہ 496)

یعنی ہر مسجد کا مُلّا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔اور روزانہ اپنے مسلمان نما ہندو معتقدین کی تعداد کم ہوتے دیکھتا رہا۔مُلّا کے لئے بُری خبر سنئے!اور الفاظ دیکھئے:۔

’’۔وشنو تحریک کا کام صرف دفاعی نہیں جارحانہ تھا۔اُس نے فقط ہندوؤں کو مسلمان ہونے سے نہیں بچایا بلکہ مسلمانوں میں وشنومت کی اشاعت کی۔اور اس میں اُسے خاصی کامیابی ہوئی۔ چیتنیہ نے خود بعض مسلمانوں کو ارتداد کا راستہ دکھایا اس کا ایک قریبی ساتھی ہری داس پہلے مسلمان تھا۔اور قاضیوں کے خاندان سے تھا۔اسی طرح بجلی خان ایک افغان سُورما (بہادر) اُسکے ہاتھ پر وشنو ہوا۔شیامانند نے کثرت سے مسلمانوں میں پرچار (تبلیغ) کیا اور کامیاب رہا۔اُس نے اس مقصد کیلئے اقتصادی حربے بھی استعمال کئے۔اور راجا نارائن گڑھ سے کہا کہ مسلمان مزدور جب تک اپنا مذہب ترک نہ کریں انہیں کام نہ دیا جائے۔ نچلی ذاتوں میں یہ سلسلہ بہت وسیع تھا۔مسلمانوں کو پورا وشنو بنانے کے علاوہ وشنو طریقے کی کئی شاخیں ایسی شروع ہوئیں۔جن کا

مقصد مسلمانوں کو وشنو سلسلے سے منسلک کرنا تھا۔ایک فرقہ درویشی تھا۔ جو سناتن سے منسوب کیا جاتا ہے۔ایک نہایت وسیع سلسلہ باؤل فقیروں کا تھا۔ جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ فرقہ تھا۔'' (صفحہ 497 رودِ کوثر)

(6) ایک نازک ترین صورت حال۔ بنگالی ذہنیت کی تیاری

آپ نے دیکھا کہ اگر ہندو اپنی تبلیغ سے مسلمانوں کو ہندو مذہب اختیار کرنے پر رضامند کر لیں تو یہ عملدر آمد جارحیت کہلاتا ہے۔اور مسلمان نوکِ نیزہ اور ریاستی دباؤ اور لالچ سے کلمہ توحید پڑھوالیں تو وہ خدمت اسلام ہے جارحیت نہیں ہے۔ یہ مُلّا ازم کا انداز فکر ہے۔آپ دیکھ چکے ہیں کہ اکبر کے دربار میں مُلّا ازم کی حقانیت اور مذہبی استدلال و براہین دنیا کے روبرو شرمناک حد تک برہنہ ہو گئے تھے۔مُلّا ازم کے پاس نہ پہلے کوئی اسلامی دلیل تھی نہ آج تک ہے۔ طاقت تھی، طاقت ہے۔مگر مذہبِ حق طاقت کو فنا کر دیتا ہے۔ طاقت فانی ہے۔حق باقی رہنے والا ہے اُسے فنا نہیں ہے۔ بہرحال؛ یہ بلا دلیل مذہب کسی غیر مسلم کے سامنے ٹھہرنے والا نہیں ہے۔ یہ تو صرف طاقت کے سہارے عصا ٹیکتا ہوا چل سکتا ہے۔ بشرطیکہ زبانیں خاموش رکھی جاسکیں اور کسی طرف سے دلیل حق کان میں نہ پڑے۔ ورنہ یہ لاٹھی پھینک کر ہر بلانے والے کے سامنے سجدہ کو تیار ہو جاتا ہے۔

اس گفتگو کے دوران قارئین کو یہ خیال آنا لازمی ہے کہ ہم مسلمانوں کو کافر بنانے کے پروگرام سے خوش ہیں اور اس کی تائید میں لکھ رہے ہیں۔ جی بالکل صحیح ہے۔ہم جس خود ساختہ مذہب کی مذمت کر رہے ہیں۔اُس سے پُرامن کافروں، نیک طینت عیسائیوں اور خوش اخلاق لامذہبوں کو بہتر سمجھتے ہیں۔کفر کا نام اسلام رکھ لینا ابلیس کو مولوی قرار دیدینا بے انصافی ہے۔لیبل ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم تو اُن شیعہ علماء کی بھی مذمت کرتے چلے آئے ہیں جو محض لیبل کی بنا پر شیعہ مشہور ہیں۔ ہم سے ایسی امید کرنا ہم سے بے انصافی ہے کہ ہم صرف نام کی وجہ سے کفر یا اسلام سے عقیدت یا محبت رکھیں۔ہم عمل دیکھتے ہیں، نام نہیں۔ہم کام دیکھتے ہیں، چام نہیں۔ ہم نہ ہندو سے متنفر ہیں، نہ عیسائی سے، نہ اہلسنت سے بغض ہے۔ نہ احمدی یا قادیانی سے عناد ہے۔اچھا کام کیجئے ،قرآن کے احکام پر سر جھکائیے۔نام کچھ بھی رکھیے، ہم سے داد لیجئے۔ہم مذاہب کے اختلافات عقلیہ کے طرفدار ہیں۔ہم اُنہیں یونیورسٹی کی طرح تعلیماتِ خداوندی کے مختلف مدارج قرار دیتے ہیں جو سب اپنے اپنے مقام پر اسلام تک پہنچنے کا زینہ اور لازمی درجے ہیں۔کوئی حقیقی معنی میں مسلم نہیں ہو سکتا اگر اُس کے اندر تمام سابقہ مذاہب کے حقائق موجود نہ ہوں جو تمام سابقہ ادیان سے اُسی طرح محبت نہ رکھتا ہو۔ جس طرح ایک ایم.اے (M.A) یا ایم.ایس.سی (M.Sc) باقی کلاسز سے رکھتا ہے۔ وہ سب کی راہنمائی کا ذمہ دار ہے۔سب کی پرورش، تربیت اسکے ذمّے ہے۔ اُن میں کوئی کافر نہیں، قابل نفرت نہیں۔ جب تک وہ خود آئندہ ترقی سے انکار نہ کر دے۔ جو تمام سہولتیں فراہم کر دیئے جانے

کے بعد بھی یہ کہے کہ میں جہاں ہوں وہیں رہوں گا۔ وہ کافر ہے۔مگر زیادہ ہمدردی وتوجہ کا حقدار ہے۔ زیادہ بصیرت وقوت اسے بھی جمود سے نکال سکتی ہے۔لہٰذا ہم ہندو کو غلط مسلمان بنانے کے بجائے صحیح ہندو بنانا بہتر سمجھتے ہیں۔ہم نے کبھی بھی اپنے اہلسنت دوستوں سے شیعہ ہونے کیلئے نہیں کہا۔ بلکہ شیعت کا اعلان کرنے سے منع کیا تاکہ اُن کا خاندان،عزیز واقربا والدین وسسرال خفانہ ہوجائیں۔اور تعصب کی بناپر اُس کی بات کا سننا نہ بند کردیں۔ ہمارے اخلاق ومذہبی کردار سے ہزاروں انسان شیعہ ہوئے۔مگر جب،جبکہ انہوں نے اپنی جگہ اپنا ایک نمائندہ اپنے خاندان میں کام جاری رکھنے کیلئے تیار کرلیا۔ یوں خاندان کے خاندان اور پورے پورے قبائل شیعت کی راہ پر رواں دواں چل رہے ہیں۔ ہم شیعہ مجتہدین کی طرح جھوٹ موٹ شیعت کا اعلان نہیں کراتے۔ جیسے آج ایک شخص موجود ہے۔ چلتا پھرتا اور منبروں پر ناچتا ہوا ثبوت ہے کہ ایک زمانہ میں ایک سازش کے ماتحت اُسکے ہندو سے شیعہ ہونے کا اعلان کیا گیا۔حالانکہ وہ پہلے ہی سے سید بھی تھا اور شیعہ بھی۔ اور آج وہ عابدی یا زیدی کے ٹائٹل سے مشہور ہے۔اور لقب آج تک نومسلم ہے۔اس قسم کی نفرت انگیز حرکات نے مذہب آئمہ علیہم السلام کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے وہ مخالف محاذ نہ پہنچا سکا۔مخالف محاذ نے ہمارے رہنماؤں اور عوام کو قتل کیا۔لیکن ہر شہید کے خون نے اپنی جگہ سینکڑوں فداکار پیدا کئے۔ مخالف محاذ نے ہماری ایک راہ بند کی۔ اللہ نے ہمارے لئے چند در چند راہیں کھولدیں۔مخالف محاذ نے بدعہدی اور فریب کیا۔ ہماری تحریک نے اُنکی بدعہدی اور فریب کو اپنے لئے مفید بنا کر دشمن محاذ کو تباہ کردیا۔مخالف محاذ نے جبر وستم اور تشدد سے کامیابی چاہی شیعہ محاذ نے صبر واستقامت،رواداری اور فراخ دلی سے مخالفین کو ناکام کردیا۔مخالف محاذ نے اپنی افواج،حکومت اور دولت کا سہارالیا۔تحریک تشیع اللہ امامؑ اور عوام سے وابستہ رہی۔

خلافت نے دم توڑا تو بادشاہت اُٹھی۔ایک کے بعد دوسرا بادشاہ مشقِ ستم کرتا،ناکام ہوتا اور مسلکِ تشیع کی طرف جھکتا گیا۔اکبر کے زمانہ میں،حکومت اور عوام نے یہ طے کرلیا کہ وہ طرزِ حکومت جو شیعہ تحریک پیش کرتی ہے۔تمام مذاہب ومسالک واقوام کی فلاح وبہبود کی ضامن ہوسکتی ہے۔لیکن ہمارے اصلی،قدیم اور مستقل دشمن یعنی مجتہدین،ایک ہزار سال کے تجربے کے بعد بھی اُس حقیقت پر ایمان نہ لائے۔ بلکہ اُس نے مجتہدانہ ذہنیت سے ایک بدعت یا جدّت کی بنیاد ڈالی اور کہا کہ پہلے ہزار سال تو جس طرح ہوا گذر گئے۔ دوسرے ہزار سالہ دَور کی راہنمائی کے لئے ایک نیا مجدّد میدان میں آیا ہے۔ جسے مجدّد الف ثانی اور امام ربانی کی حیثیت سے خود اللہ نے مبعوث کیا ہے جو نہ صرف خلفائے ثلاثہ کی تمام بصیرت اور مقامات رکھتا ہے۔ بلکہ اُن سے بھی بلند مرتبے اور مقام محبوبیت پر فائز ہے۔اُس کے ہاتھ مضبوط کریں تاکہ امت مسلمہ کی بدقسمتی خوش قسمتی سے بدل جائے۔ چنانچہ یہ مجدّدی گروپ ایک ناکام انقلاب لے کر اُٹھا۔چند شیعہ راہنما ظلم وستم سے قتل ہوئے لیکن چند قدم چل کر یہ نظام منہ کے بل گرا۔ راہنما کی حماقتیں تاریخ میں ضبط ہوگئیں۔خود تہذیب وتمیز سیکھنے اور عقل کے ناخن کٹوانے کے لئے گوالیار کے

جیل خانہ میں محبوس ہوئے ۔ جہانگیر کے زمانہ میں نور جہاں اور آصف نے اس ٹولے کو منتشر کیا۔ شاہ جہاں نے بھی اُنہیں دُور رکھا۔ اورنگزیب عالم گیر نے اس ٹولے کو دوبارہ منظّم ہونے کا موقع دیا۔ اُن کے راہنما اس قدر عقل سے محروم تھے کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اورنگزیب محض مصلحت بین ہے۔ وہ کسی کا وفادار نہیں ہے۔ وہ باپ اور حقیقی بھائی کا قاتل ہے۔ اور یہ کہ اس ٹولے کی جدوجہد کو سہارا بنا کر وہ شیعوں کے خلاف اقدامات کا راستہ اختیار کرے گا۔ اور پھر نہ انہیں کوئی عہدہ دے گا نہ اس ٹولے کا کہیں اچھے الفاظ میں ذکر لکھے گا۔ بلکہ اُلٹا یہ حکم نافذ کرے گا کہ وہ تمام لٹریچر جو مجدّد صاحب یا اُن کے متبعین نے لکھا تھا ضبط وممنوع کیا جائے۔ مجدّدی گروپ پر نظر رکھی جائے۔ المختصر مجدد صاحب اینڈ کمپنی کے تمام منصوبے ناکام ہوگئے۔ اور انہیں وہ مقام بھی دوبارہ نہ ملا جو اکبر کے عہد میں شیعہ رواداری سے مل گیا تھا۔ البتہ چند گھروں کی چاردیواری میں چند مسجد کے ملاؤں میں اور چند اہل قلم کی جعلسازانہ کتابوں میں اُن کو پناہ مل گئی۔ ہر زمانے میں، بعد کے ہر آنے والے سالوں میں، اہلسنت والجماعت کے مُتدیّن وحق شناس علماء اُن کی با قاعدہ زبانی اور تحریری مذمت کرتے رہے۔ اُدھر اورنگزیب کی وجہ سے ساری مملکت میں چاروں طرف بغاوت پھیل گئی۔ اور اُس کے ظلم وستم، جبر وتشدد اور مذہبی تعصب سے بیسیوں چھوٹی بڑی حکومتیں مقابلہ کے لئے آزاد ہوگئیں۔ صوبہ بنگال کی تمام رعایا ایسی بدظن ہوئی کہ آج تک اُن کو اس مذہب کی حکومت اور اقتدار پر یقین پیدا نہ ہوا۔ انہوں نے اسی زمانہ سے یہ طے کیا کہ مسلمانوں کی حکومت کے مقابلہ میں لادینی حکومت زیادہ پرامن ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بنگالی بنگالی کا وفادار رہتا ہے۔ خواہ وہ ہندو ہو، عام مسلمان ہو یا شیعہ ہوں، وہ غیر بنگالی کا اعتماد صرف اس صورت میں کرتا ہے کہ وہ شخص نام نہاد مسلمان نہ ہو۔ اورنگزیب کی شب وروز جنگلوں اور میدان کارزار میں گذری۔ اُس نے شیعوں کا قلع قمع کرنے کے لئے ساری زندگی ایسی کوشش کی جس میں ہر تنکے کا سہارا لیا۔ ہر ممکن فریب ودغابازی کی۔ سکھوں اور دشمنان اسلام سے کھلا گٹھ جوڑ کیا۔ گوروگوبند سنگھ اورنگزیب کے ساتھ دکن کی افواج سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ وہ ہندوؤں اور سکھوں کی حکومتوں کو برداشت کرتا اور اُن سے شیعوں کے خلاف مدد لیتا مرگیا۔ لیکن آخر ناکام ونامراد مرگیا۔ اور تاریخ نے بتایا کہ اپنی تجہیز وتکفین کو شیعہ مسلک کے سپرد کرگیا۔ یعنی مرنے سے پہلے کٹر مخالف دشمن رہا لیکن فرعون کی طرح آخری دو قدم ہمارے راستہ پر چلنے کی کوشش کی۔ اور پھر اس کا جانشین کھلم کھلا شیعت کی راہ پر چلا۔ اور جس شیعت کو باپ نے ساری عمر دبائے رکھنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ وہ شیعت ایسی اُبھری کہ سارے ملک میں اُس کا ڈنکا بجنے لگا۔ اور روز افزوں ترقی ہوتی چلی گئی۔ تمام فضائیں حقیقی اذانوں سے گونج اٹھیں۔ ہر کان میں اشھد ان علیاً ولی اللہ اور خلیفتہ بلافصل کی لہریں قائم ہوگئیں۔ متعصب علماء کے جنازے نکل گئے۔ شیعہ سنی کا تفرقہ مٹ گیا۔ بیاہ شادیاں اور تمام رسومات میں تعاون وہم رنگی چھا گئی۔ تمام جھگڑے تمام فتنے ملاؤں کے قلوب میں دفن ہوکر رہ گئے۔ عزاداری امامؑ وشہدائے کربلا علیہم السلام گھر گھر ہونے لگی۔ ہندو راجہ مہاراجہ، عوام اور خواص، سب مسلمانوں

کے ساتھ مل کر منانے لگے۔کوئی گھر نہ بچا جس میں مظلوموں کا تذکرہ اور ظالموں کی مذمت نہ ہوتی ہو۔کہیں کہیں بعض خبیث ذہنیتیں زیرلب اپنی ناکامی کا مرثیہ پڑھتی ہوئی ملتیں۔مگر دوسروں کو دیکھ کر دم سادھ لیتیں۔اُنہیں حال دل سنانے کے لئے کوئی برابر کا متعصب خبیث مدتوں نہ ملتا تھا۔دلوں کی گھٹن سینے میں دبائے مسجدوں میں مجبوراً نماز پڑھاتے۔مجبوراً ذکر حسینؑ بھی کرتے۔مگر دن رات اپنے تعصب کے انگاروں پر لوٹتے رہتے۔انہیں شیعت کا پھیلاؤ ستا رہا تھا۔انہیں نذر و نیاز دینے کے لئے دیندار اہلسنت کے گھروں میں جانا بڑا ناگوار گزرتا تھا۔مذہب حقہ کا پھیلا ہوا نور اُن کی چمگادڑ نما گول گول آنکھوں کو چُندھیائے دے رہا تھا۔نذر و فاتحہ کا حلوا اُن کے پیٹ پُھلائے دے رہا تھا۔اُن کو جو دکھ پہنچ رہا تھا اس کا حال آج کے ایک موڈرن متعصب کی زبان سے ملاحظہ ہو:۔

’’۔بدایوں میں شیعہ سنیوں میں اس وقت تک باہمدیگر شادی و بیاہ ہوتے ہیں۔عموماً شیعہ لڑکیوں کی اولاد (سنیوں میں بھی) شیعہ ہوتی ہے۔اور اکثر سنی لڑکیاں اپنے خاوندوں کے مذہب پر شیعہ ہو جاتی ہیں۔‘‘ (صفحہ 40 فضائل صحابہ)

یعنی شیعہ مدارس، تعلیمات، عزاداری اور تمام دیگر تبلیغی ادارے تو اپنا کام کر ہی رہے تھے۔لیکن عام راہ و رسم اور میل جول اور آپس میں شادی بیاہ کا نتیجہ بھی مذہب شیعہ کے حق میں برامد ہو رہا تھا۔یہ تھی شیعہ حقانیت کہ اِدھر کی لڑکیاں اُدھر جاتیں تو اپنے بہترین اخلاق سے سارے گھر کو مذہب حقہ سے سرفراز کر دیتیں۔اور سنی بیٹیاں شیعوں میں آتیں تو وہ خانہ داری اور دیگر دل نشین رسومات و اعمال و اخلاق کی بنا پر شیعہ ہو جاتیں۔اور پھر، اور جب، اور جتنی دفعہ اپنے والدین اور عزیز و اقربا میں جاتیں تو شیعہ ماحول، وہاں کا طرزِ حیات، حُسنِ سلوک، رسومات اور مذہبی رواداری سے سب کو مطلع کرتیں اور اپنی سہیلیوں، بہن بھائیوں اور پڑوسی لڑکیوں کو شیعوں میں شادی کرنے کے فوائد بتاتیں اور نئی منگنیوں کیلئے واسطہ بن جاتیں۔بے اولاد خواتین کو، مشکلات میں مبتلا عزیزوں کو، منّت ماننے اور نذر پیش کرنے کا طریقہ سکھاتیں۔امامباڑوں میں لے جا کر چلّہ بندھواتیں۔اور یوں جناب علی مرتضٰی علیہ السلام اور اُنکی مقدس اولاد کی مشکلکشائی سے تمام ماحول کو وابستہ کر کے بامراد و دلشاد کر کے واپس آتیں۔یوں ہماری رسوم گھر گھر جا کر آزمودہ کار ثابت ہوئیں اور دلوں کی گہرائی میں اُتر گئیں۔یہ تھا وہ لطیف ترین اور محبت سے لبریز و نازک محاذ جو اگر آج بھی قائم ہو جائے تو صرف سو سال کے اندر اندر ساری دنیا محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم کے دامن سے وابستہ ہو جائے۔اِس بے پناہ طرزِ تبلیغ اور بے روک مقبولیت سے گھبرا کر متعصب گروپ کے افراد اپنے اپنے مقام پر اس فکر میں مبتلا تھے کہ شیعت کے اس سیلاب کو روکنے کیلئے اگر خود شیعوں سے مدد نہ لی گئی تو چند روز میں ان کے باطل مذاہب کا جنازہ نکل جائے گا۔ چنانچہ ایسے افراد اور ایسے خاندانوں کی تلاش شروع ہوئی جو شیعوں میں معروف بھی ہوں اور عرب کے شیعہ مجتہدین کی طرح شیعت کے اس پھیلاؤ کو روک بھی دیں اور ایسا مذہبی طرزِ عمل اختیار کریں جو شیعوں میں بھی مقبول ہو جائے۔اور اُنکے مذہب کے خلاف بھی نہ ہو۔

57۔ تحریکِ تشیع کے خلاف آخری مجتہدانہ محاذ

آخرہم اُس منزل تک آپہنچے ۔ جہاں مذہب شیعہ کی اثر انگیزی اور ہمہ گیری کو روکنے کے لئے تاریخ نے ایک نئی کروٹ لی ۔اس منزل تک پہنچتے پہنچتے جہاں مخالف محاذ بے دست وپا اور مایوس ہو چکا تھا۔ وہیں ہمارے سربراہانِ تحریکِ تشیع اپنی تیزروی اور مسلسل کامیابیوں سے ایک دفعہ پھر غافل ہوگئے تھے۔اور دشمن کو میدان میں نہ دیکھ کر، پورے کاروان کو دوست سمجھ کر اپنا طرزِ عمل وسیع کردیا تھا۔اس لئے اس منزل کے قیام میں دشمن نے اپنا پروگرام پھر مرتب کرلیا۔اور اپنی حکومت کے ایک قدیم نمک خوار خاندان نے شیعوں میں گھس کر تخریب کرنے کا انتظام کرلیا۔اور جب یہ کاروان اس منزل سے روانہ ہوا تو اس سفر کی قیادت مخالف حکومت کے کاروان سالار کے ہاتھ آگئی۔جس نے نہ صرف تحریک تشیع کی اثر انگیزی کو تباہ کردیا۔ بلکہ سابقہ تمام محنت وکاوش پر پانی پھرا کر ملت شیعہ کو اقوام عالم سے باہر نکال کر گمنام ہوجانے کی راہ پر ڈال دیا۔اور آج جس زوال وتباہ حالی سے ملت شیعہ دوچار ہے۔اُس کی بنیاد اُسی منزل میں رکھی گئی تھی۔ہم اُس سرکاری خاندان کے حالات فی الحال اسی خاندان کے ایک اہل قلم کے ہاتھ سے پیش کرتے ہیں۔تاکہ قارئین وہ تمام فضائل اور منقبت اور قصیدے من وعن سن لیں جو کوئی قلم کار اپنے منہ میاں مٹھو بن کر پیش کرسکتا ہے۔اس گھریلو اور خانہ ساز داستانِ فخر ومبارزت کو غور سے مطالعہ کریں۔تاکہ جب ہم اس داستان کی نقاب کشائی کریں،تو ناظرین اس چہرے کو ٹھیک سے شناخت کرسکیں۔جس پر دوسوسال سے برابر میک اپ ہوتا چلا آرہا ہے۔

(1) مخالف حکومت کا ایک وفادار وجان نثار خاندان

جناب زبدۃ العلماء السید آغا مہدی نے سوانح غفراں مآب میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

''۔اسم گرامی سید علی عرف دلدار علی تھا۔اور آپ کے والد ماجد سید محمد معین نے اپنے پشت نامے پر نظر رکھتے ہوئے؛

1۔وہ نام رکھا جو اسلاف میں کسی کا نہ تھا۔آپ تیئیس (23) واسطوں سے امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد تک پہنچتے ہیں۔

2۔مورث اعلیٰ سید نجم الدین (سبزواری فاتح اَدیانگر بُود) سبزوار سے سالار مسعود غازی کے ساتھ سردار لشکر ہوکر بھارت کی طرف آئے۔اور اپنی فتوحات سے ظلمت کدۂ ہند میں جابجا توحید کے چراغ روشن کئے۔قلعہ ادیانگر کو فتح کیا۔اور نام جائے عیش قرار دیا۔جو کثرت استعمال سے جائس ہوا۔پھر اُسی نسل کے چشم وچراغ سید زکریا بن خضر نے پٹاک پُور پر قبضہ کیا۔اور اپنے دادا کے نام پر نصیر آباد رکھا۔یہ دونوں دیہات ضلع رائے بریلی میں اس وقت بھی سادات کا مسکن اور بڑا قصبہ، چھوٹا قصبہ سے مشہور ہیں۔'' (صفحہ 10 سوانح حیات غفراں مآب ناشر جمیعت خدام عزا دستگیر کالونی۔ضیا برقی پریس کراچی)

نہایت واضح الفاظ میں ثابت ہوگیا کہ یہ خاندان شیعہ مخالف حکومت کا وفادار ونمک خوار تھا۔اور مخالف محاذ کے حملہ آوروں کے ساتھ ہندوستان میں نوک نیزہ پراسلام پھیلانے میں پیش پیش رہتا چلا آ رہا تھا۔اوراُس کا مذہب ومسلک بلاشبہ اہلبیت علیہم السلام کے خلاف تھا۔اس لئے کہ شیعہ مذہب میں مخالف حکومتوں کی طرح غیر مسلموں پر جارحانہ فوج کشی حرام ہے۔اور یہ بڑے فخر سے اُن کا حملہ آور ہونا، فتح کرنا اوراسلام کے چراغ جلانا بیان کررہے ہیں جو ہمارے یہاں نہ صرف مذہباً حرام ہیں، بلکہ یہ تمام طرز تبلیغ ہمیشہ قابل شرم وننگ انسانیت سمجھا گیا ہے۔پھر جناب زکریا بن خضر کا پٹاک پور پر زبردستی قبضہ بھی اُن کے فضائل میں شمار کیا گیا ہے۔یہ ساراانداز فکر ہمارے دشمنوں کا ہے۔ایسے ظالم وغاصب وجابرلوگوں کی اولاد میں ہونا بالکل ایسا ہی ہے۔جیسے متوکل اور حجاج کی اولاد ہوکراُن کے کارناموں اورفتوحات وقبضہ جات کافخریہ بیان کرنا۔پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ جب یہ نسل گیارہویں صدی ہجری تک آ گئی۔اور چاروں طرف پھیلا ہوا شیعہ ماحول دیکھا تو پہلی دفعہ جناب معین صاحب نے اپنے سابقہ بزرگوں کے ناموں سے ہٹ کراپنے بیٹے کے نام میں علیؑ کا سہارا لے لیا۔تاکہ داشتہ آید بکار۔ ورنہ یہ خاندان لفظِ علی کواپنے خاندان میں بطور نام کے بھی گوارانہ کرتا تھا۔

(2) <u>مخالف حکومت کی سرپرستی اور ہمنوائی کاایک اورثبوت</u>

آغا مہدی صاحب اپنے سُنّی بزرگوں کے فضائل میں لکھتے ہیں کہ:۔

''۔سلطان ابراہیم شرقی کے زمانۂ حکومت کا ذکر ہے۔کہ رائے پرتاپ سنگھ بہادر کی لڑکی بیاہ کرسسرال جانے والی تھی۔کہ کچھ لٹیروں نے بارات پر چھاپہ مارنا چاہا۔اور جان وآبرو کا خوف ہوا۔لڑکی والوں کوسادات کے کرداراورغیرت کا یقین تھا۔اوروقت مصیبت میں اُن کو کچھ نہ بن پڑا۔سوائے اس کے کہ عورتوں کوعصمت دری سے بچانے کے لئے ان حضرات کے سپرد کردیں اس مقام پرتاریخ کی اصل لفظیں ملاحظہ ہوں۔''

''۔استغاثہ بخدّام والا مقام، جناب شہامت انتساب۔تہور شعار جلالت آثار، یکہ تاز میدان دلاوری،ورزم پرداز معرکہ بہادری سیدزکریا بن سید بن تاج الدّین بن نصیرالدّین بُردند۔وعروس وجمیع ناموس رایہ پردگیان سرادق سیادت سپردند۔''

فریاد کناں غیر مسلم سہی۔اپنے پناہ گزین اور معزز ہندومہمان کو بچانے میں سیدزکریا نے اپنے غلاموں اورخاندان کے نوجوانوں کوحکم دیا کہ وہ غنڈے راجپوتوں کا مقابلہ کریں۔ایک خونریز جنگ ہوئی اوردشمن پسپا ہوا۔اس مقام پرتاریخ کے الفاظ یہ ہیں۔''

''۔نسیم فتح وظفر پرچم لوائے سیدفرشتہ سیر بُورید۔'' بے گناہ عورتوں کی عزت کو بچایا۔اورانتہائی نیک نیتی سے عورتوں کو اُن کے مردوں کے سپرد کیااوردشمن سے اپنے کردار کی تعریف کرائی۔اس تہلکہ سے بچنے پردوسری مصیبت آپڑی اور پرتاب

سنگھ کو سیاسی ہوائے مخالف نے پرشد پور کے قلعہ میں قید کردیا۔ سید زکریا نے اس قید و بند کو سراسر ظلم تصور کرتے ہوئے بادشاہ سے سفارش کی اور زندانِ بلا سے چھڑایا۔ رائے صاحب سادات کی رواداری دیکھ کر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوئے جیل سے نکلے۔''
(سوانح غفراں مآب صفحہ 9-8)

(3) اگر اس طویل بیان میں سے وہ عقیدتمندی نکال دیجئے جو آغا مہدی کے قلم سے اپنے بزرگوں کی مدح وثنا میں ٹپکتی چلی آئی ہے تو جو کچھ باقی رہ جاتا ہے۔ اس میں وہ قابل تعریف ایک عام اخلاقی پہلو ہے جو تمام خوش اخلاق انسانوں سے ظہور میں آتا رہتا ہے۔ اپنے پڑوسیوں اور گاؤں کے لوگوں کو آفات وحادثات سے بچانا، خصوصاً لٹیروں سے بچالینا، کوئی ایسا کام نہیں جو اُسی خاندان کا طرہ امتیاز ہو۔ ایسے مواقع پر ڈاکو بھی غیرت وحمیت کا ثبوت دیتے رہے ہیں۔ اس کے بعد جو قابل مذمت پہلو ہے وہ اس خاندان کا غلاموں اور کنیزوں کا مالک ہونا ہے جو دنیا کی مذموم ترین برائی ہے۔ پھر جو الفاظ فارسی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ اُن سے درندگی اور سرمایہ داری نیز بربریت کی بدبو آرہی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جس نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ وہ بھی اس خاندان کا نمک خوار ہے۔ یعنی لٹیروں سے لڑنے والے تو ملازم ہیں۔ مگر بہادری کا قصیدہ زکریا صاحب کی شان میں لکھا گیا ہے۔ پھر یہ حقیقت دوبارہ سامنے آگئی کہ بادشاہِ وقت زکریا صاحب کو اپنے وفادار اہل کاروں میں شمار کرتا ہے۔ اس لئے اُس کی سفارش پر رائے پرتاب سنگھ کو رہا کردیتا ہے۔ اُسی بادشاہ کا نمک حلال کرنے کے لئے یہ خاندان شیعوں میں اپنا کاروبار پھیلاتا ہے۔ تاکہ مخالف محاذ کو شیعہ بن کر کامیاب کیا جائے۔ بہرحال یہ جاگیردار خاندان رفتہ رفتہ شیعت کے دباؤ سے متاثر ہونا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ جب شاہانِ اودھ نے غلبہ پالیا تو سابقہ تمام جاگیرداروں کو غیر مسلح کردیا گیا۔ اس زد سے بچنے اور اپنی جاگیروں کو بحال رکھنے کے لئے بہت سے سابقہ مخالف بادشاہوں کے جاگیرداروں نے یا تو اپنا مذہب بدل لیا یا جائیدادوں کو چھوڑ کر اپنی قسم کے لوگوں میں جا بسے۔ یہ بات پردہ راز میں ہے کہ نجم الدین کا خاندان کب شیعہ ہوا۔؟ آغا مہدی اور وہ تمام لوگ جن سے آغا مہدی استفادہ کرتے ہیں۔ یہ نہیں بتاتے کہ نجم الدین کا خاندان فوجی خدمات سے کب اور کیوں سبکدوش ہوا۔؟ اور سب سے پہلے اس خاندان کے کس فرد نے مذہب شیعہ اختیار کیا۔ لیکن جو چیز اس راز داری کے باوجود قلم سے ٹپک پڑی۔ وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے معین الدین نے مذہب اہلبیتؑ کی طرف قدم بڑھایا۔ اور اپنے بیٹے کے نام میں علیؑ کا نام شامل کرلیا۔ یعنی پہلا برائے نام شیعہ معین الدین کہلا سکتا ہے۔ پھر دوسرا قدم یہ تھا کہ اپنے بیٹے سید علی یا دلدار علی کو پہلے سُنّی علماء کے پاس مذہبی تعلیم کے لئے بھیجتا ہے۔ اور یہ کہیں سے معلوم نہیں ہوتا کہ دلدار علی کو باپ نے بھی کچھ پڑھایا تھا یا نہیں۔؟ معین الدین ان پڑھ تھا۔؟ یا پڑھا لکھا آدمی تھا۔؟ پھر یہ کہ اُس زمانہ میں معین الدین ایک معمولی حیثیت کا کاشتکار تھا۔ اور اُن کا لڑکا بھی کاشت کاری اور مویشیوں کی دیکھ بھال میں بچپن سے اُن کی مدد کرتا تھا۔ غالباً باپ نے یہ چاہا کہ بیٹا کسی

مسجد یا مدرسہ میں ملازمت حاصل کرکے اس کے اخراجات کے بوجھ کو کم کرے۔ چنانچہ دلدار علی کو غربت نے گھر سے نکالا۔ اور یہ بچہ مَصرفِ خیر سے مدد حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکل کر مُلّا حضرات کی شیعہ مخالف درگاہ میں جا پہنچا۔ یہ قصہ آغا صاحب کے عقیدتمند اور مداح خواں قلم سے یوں لکھا گیا ہے:۔

(4) دلدار علی سُنّی علماء کی گود میں

چونکہ یہاں سے اس خاندان کی ذہنیت میں وہ انقلاب پیدا ہوگا۔ جس سے آئندہ چل کر ملت شیعہ زوال سے دوچار کی جائے گی۔ اس لئے آغا صاحب یہ عنوان قائم کرتے ہیں کہ:۔

''۔پیدائش اور انقلاب ذہنیت۔''

1166ھ ہجری وہ مبارک سال تھا۔ جس میں اس فتح مند خاندان میں دلدار علی کی ولادت ہوئی۔

1۔ اور ابتدائی تعلیم اُسی معیار پر ختم ہونے والی تھی۔ جو بزرگوں کا چلن تھا۔ ایک روز آپ اپنے کھیت پر مویشی لئے ہوئے مصروف کار تھے۔ کہ صدا آئی۔2۔ دلدار علی اپنی تعلیم کو جاری رکھو۔ اور لکھنو جاؤ۔3۔ اس ندا میں غضب کا اثر تھا۔ اور بجلی کی ایک لہر تھی۔ جو گھرانے بھر میں دوڑ گئی۔ اور زراعت پیشہ ماں باپ نے خوشی سے اکلوتے بیٹے کا فراق اور لکھنؤ بھیجنے پر تیار ہوئے۔'' (ایضاً صفحہ 11-10) مسلسل لکھا ہے کہ:۔

''۔بعض تذکروں میں ہے کہ مولوی باب اللہ اُس وقت رائے بریلی میں تھے۔ بنا بریں صرف ونحو اور منطق کی تحصیل تک آپ وطن (گھر) سے نزدیک تھے۔ مگر سندیلہ پہنچ کر چشم و چراغ مولوی حمد اللہ یعنی مُلّا حیدر علی کی مجلس درس میں جب داخل ہوئے اور فلسفہ اور حکمت کا درس شروع ہوا۔4۔ اُس وقت آپ ایک بینی دوگوش تھے۔ (یعنی تنہا بلا سامان تھے) اور ذوق علم میں وطن سے دُور ہونے کا مطلق رنج نہ تھا۔ ممکن ہے۔ کہ یہی وہ سخت وقت تھا۔ کہ آپ نے ایک ہندو بنئے سے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ رات بھر اُس کی دکان کی حفاظت کریں۔ اور وہ دکان کے پٹڑے پر سونے کی اجازت دے۔ زمانہ طالب علمی کا سارا مطالعہ اور کتب بینی سڑک کی سرکاری روشنی اور بقال کے ٹمٹماتے چراغ سے ہوئی۔ الہٰ آباد میں سید غلام حسین دکنی سے بھی پڑھا۔ فیض آباد جا کر بحر العلوم مولوی عبد العلی سے معقولات میں ایک زبردست مباحثہ کیا اور دوررس فکر و دماغ سے طے کرلیا۔ کہ اب اُن کی علمی پیاس کو بجھانے کے لئے جنتا (ہندوستان) کی زمین بے آب ہے۔

شوق کا خلوص اور تکمیل علم کی بے تابی دیکھو عہد آصفی میں نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خان نے سید کی آواز پر لبیک کہا۔ علم پرستی اِسے کہتے ہیں۔5۔ انہیں محسوس ہوا کہ ہندوستان میں اب تک فقہ جعفری کا ماہر ایسا نہیں ہوا۔ جو مجتہد کہا جائے۔ حکومت اودھ کے تعاون سے آپ نے عراق وحجاز کا قصد کیا۔ بیرون ہند کا سفر مہینوں کی صبر آزما مدت کے بعد ختم

ہو کر فقہ واصول کی اعلیٰ تعلیم شروع ہوئی۔'' (12-10 سوانح حیات غفران مآب)

(5) مکروفریب پر تعمیر شدہ اجتہادی محل آپ کے سامنے ہے

اس بیان میں جو بات ایک دفعہ کانوں نے سُنی تھی ۔اُسے دوبارہ سننے کی آرزو دل میں رہ گئی ۔ وہ ندا جو دلدار علی صاحب نے سُنی تھی، وہ آواز جس میں دلدار کو لکھنؤ جانے کی ہدایت کی گئی تھی، اُس پر کئی ایک سوالات قائم ہوتے ہیں۔ وہ کس کی آواز تھی۔؟ کہا گیا ہے کہ اُس آواز میں بجلی سے زیادہ تیزی اوراثر تھا۔ اور یہ بھی کہ اُس ندا نے ذہنیت میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور صرف وہی ندا گھر چھوڑنے اور حصول علم کا سبب بنی تھی ۔معلوم ہوتا ہے کہ دلدار علی کو ایک مقدس ہستی بنانے کے لئے یا تو سچ مچ یہ آواز کسی بزرگ اور نظر سے اوجھل ہستی نے دی تھی ۔مگر اس کا ذکر کیوں نہ کیا گیا کہ وہ آواز، ندا یا صدا کس کی تھی۔؟ یہ تو قطعاً ثابت ہے کہ اس خاندان نے اُس آواز کو خاندانی تقدس کے لئے عموماً۔ اور دلدار علی کو بزرگ بنانے کے لئے خصوصاً بنیاد بنایا ہے ۔لہٰذا اگر وہ ندا کسی بزرگ کی تھی؟ تو اس کی تعمیل کیوں نہیں کی گئی۔؟ ہم نے یہ طویل اور گمراہ کن اقتباس صرف اس لئے پورا لکھا کہ قارئین یہ دیکھ لیں کہ دلدار علی کا لکھنؤ جا کر تعلیم حاصل کرنا اس بیان میں کہیں نہیں ہے ۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ ندا در اصل ابلیس کی ایجاد تھی اور اُس میں لکھنؤ جانے کے معنی پہلے بریلی شہر، پھر سندیلہ اور فیض آباد اور الہٰ آباد جانا تھے ۔البتہ آخری جملوں سے پتہ چلتا ہے کہ دلدار علی، نواب سرفراز الدولہ یعنی مرزا حسن رضا خان سے ملے اور عراق وحجاز جانے کے لئے اُن سے تعاون حاصل کیا تھا۔ لہٰذا دلدار علی کا اس تعاون کے لئے لکھنؤ جانا سمجھا جاسکتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ آغا مہدی صاحب نے لفظ لکھنؤ اُس ندا کے ساتھ لکھ کر دوبارہ کیوں نہ لکھا؟ یہ بھی ممکن ہے کہ نواب موصوف، دلدار علی کو بریلی، فیض آباد یا پھر الہٰ آباد ہی میں مل گئے ہوں اور لکھنؤ جانے کی ضرورت ہی نہ پڑی ہو۔ بہر حال ندا والی بات ایک فریب تھا۔ جس پر یہ اجتہاد کی عمارت اٹھائی گئی ہے۔ ورنہ اس کی تعمیل لکھنؤ میں جا کر تعلیم حاصل کرنے سے ہی ہوسکتی تھی ۔ایک دوسری صورت یہ ہے کہ ندا دینے والا کوئی جاہل شخص ہو۔ جسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ لکھنؤ میں تو کوئی عالم ایسا موجود ہی نہیں جہاں وہ دلدار علی کو بھیج رہا ہے ۔ یہ بات ہے تو ندا کا تقدس غائب اور دلدار علی کی اجتہادی عمارت منہدم ہوجاتی ہے ۔اور چونکہ ندا والی بات فریب ہے۔ تو زیارت کے دوران یا بعد کی غیبی پیشگویاں تمام فریب اور کذب صریح ہیں۔ جنہیں حاشیہ نشینوں نے مشہور کیا اور اندھی عقیدت نے سر تسلیم کیا۔

(6) فریب اندر فریب اور دروغ بالائے دروغ

اس مذکورہ بیان میں ابتدائی سطریں بتاتی ہیں کہ ابتدائی تعلیم اُسی طرح اور اُسی معیار پر ختم ہونا تھی جو بزرگوں کا چلن تھا۔ یہ بتانے کی ضرورت باقی چھوڑ دی کہ اُن کے بزرگوں کی تعلیم کا کیا معیار تھا؟ اور حصول تعلیم کے لئے وہ کیا چلن یا چال

چلا کرتے تھے۔؟ پھر جب وہ چلن اور معیار مستقل تھا تو اُس ندا کا ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی۔؟ اور اُس مستقل معیار وچلن کے بعد ذہنیت میں انقلاب کس حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔؟

بات دراصل یہ ہے کہ جناب دلدارعلی صاحب قبلہ پہلے سُنّی علماء کے یہاں تعلیم وتربیت کے لئے گئے۔ اور وہاں وہ تمام حربے سیکھے جو تحریک تشیع کے خلاف استعمال کئے جاسکتے تھے۔ یہ تو محض بکواس ہے کہ دلدارعلی نے بحرالعلوم جناب عبدالعلی فرنگی محلی سے بڑا زبردست مباحثہ کیا۔ اس لئے کہ طالب علمی اور گردانیں یاد کرنے کا زمانہ تو بہت گھٹیا ہوتا ہے۔ دلدارعلی تو فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی اس پائے کے آدمی نہ تھے کہ بحرالعلوم کے سامنے دو جملے بھی بطور دلیل بول سکتے۔ ہم اُن کے مَبلَغِ علم کا صغریٰ کبریٰ اور حدود اربعہ دکھانے والے ہیں۔ بات دراصل یہ ہوئی کہ دلدارعلی اینڈ کمپنی نے حکومت کی سرپرستی میں تمام علماء کو سنہری اور روپہلی زنجیریں پہنا کر خرید لیا اور ایک ایسی پارٹی اور پالیسی کی تشکیل کی جو گھر بیٹھے بلا محنت ومزدوری پبلک کے روپے پر زندگی بسر کرے۔ پبلک اور امراء ورؤسا سے سرمایہ مرکز میں یعنی دلدارعلی یا مثل دلدارعلی کے پاس آئے۔ اور وہاں سے علماء کی پارٹی کو حسب خدمات وتعاون تقسیم ہو۔ تاکہ جو عالم پارٹی پالیٹکس سے ذرا ہٹ کر چلے وہ یا تو بھوکا مرے یا مزدوری ومحنت کرے اور ہمسروں کی نظروں میں ذلیل ہوجائے۔ اس اسکیم کے بعد پارٹی کے تمام اہل قلم نے دلدارعلی اینڈ کمپنی کی مدح خوانی اور قصیدہ گوئی شروع کردی۔ اور ایک معمولی مُلّا کو آسمان پر بٹھا کر دکھا دیا۔ نظام اجتہاد جہاں بھی قائم ہوا وہاں یہی پارٹی پالیٹکس چلی۔ کتابیں غریب علماء لکھتے تھے۔ نام مرکزی طاغوت کا ہوتا تھا۔ لہٰذا جس قدر فضائل آپ کو ملتے ہیں۔ وہ چمچوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ پارٹی سے باہر کے لوگوں کے چند بیانات دلدارعلی کے متعلق بہت پہلے گذر چکے اور چند ایک جلد سامنے آنے والے ہیں۔ یہ خانہ ساز علم کی غپ شپ ہے۔ پارٹی نے کتابیں لکھیں۔ اُن سے لوگوں نے حوالے اور اقتباسات لے لئے۔ بس حجۃ اللہ بن گئے۔ آیت اللہ کہا جانے لگا۔ دلدارعلی کی مدح خوانی کے لئے جو سب سے اوّلین، قدیم اور مستند ترین کتاب ہے۔ اس کا نام نجوم السما ہے۔ اُس کے علاوہ باقی جن کتابوں کے نام آغا مہدی صاحب نے لکھے ہیں وہ کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ سوائے اس کے کہ مدح خوان تمام کے تمام پارٹی کے آدمی تھے۔ اُن کی دروغ بافی پر بھی ہم روشنی ڈالیں گے۔ اور قارئین کو یقین فراہم کریں گے کہ نجوم السما میں بھی جانبداری اور دروغ بافی کی گئی ہے۔ اس پارٹی پالیٹکس سے ہر وہ عالم ڈرتا رہا جو اپنے ہاتھ سے اپنی روزی نہ کماتا تھا۔ پھر پارٹی سے باہر اور پارٹی پالیٹکس کے خلاف عمل کرنے والوں کو جیسے عراق وعرب اور ایران میں طرح طرح کی تہمتیں لگا کر بدنام کیا گیا۔ اور اُنہیں شیعوں سے کاٹنے اور مذہب شیعہ سے خارج کرنے کی جو کوششیں کی گئیں وہ دلدارعلی اینڈ کمپنی نے بھی کی ہیں۔ ہم نام بنام کچا چٹھا پیش کریں گے۔ علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ۔ جناب علامہ علی الحائری لاہوری۔ اور دیگر علماء کے متعلق فتویٰ بازی سامنے آنے والی ہے۔

(7) مخالف محاذ کا عالم شیعہ مجتہد کیسے بنتا ہے

مندرجہ بالا مہدوی بیانات اور دلدار علی کے تعلیمی حالات کے ابہام سے جو قرائینی ثبوت (Circumstantial Evidence) فراہم ہوتا ہے۔ اُس کے پردوں میں یہ حقیقت لپٹی ہوئی ہے کہ جناب دلدار علی کو جو غیبی ندا آئی تھی۔ وہ دراصل ایک ماہرانہ اور آزمودہ مشورہ تھا جو پردہ خفا میں رہ گیا۔ اور آنے والے حالات نے بتا دیا کہ دلدار علی کو یہ سمجھایا گیا تھا۔ کہ اس غربت اور کاشت کاری کے پیشے کو آئندہ دولت اور اجتہاد کی کھیتی سے بدل لو۔ آصف الدولہ کی حکومت ہے۔ لوگ شیعہ بن کر دھڑا دھڑ جاگیریں حاصل کر رہے ہیں۔ پہلے درجے میں ایک متعصب سُنّی عالم مشہور ہو جاؤ۔ اور پھر نہایت سنجیدگی سے شیعہ علماء میں شامل ہو جاؤ۔ اور اس طرح اپنے دین کے مقاصد کو مخالف محاذ یعنی شیعوں میں کامیابی سے جاری کر دو۔ چنانچہ دلدار علی صاحب ندا کا مطلب یہ سمجھے کہ پہلے مجھے سُنّی علماء سے تعلیم و تجربہ حاصل کرنا ہے۔ اور گردونواح کے سنی شیعہ عوام میں اپنی شہرت پہنچانا ہے۔ اور اپنے مسلک کے علماء پر اصل راز کھول دینا ہے۔ انہیں بتانا ہے کہ دل و جان سے آپ کے مذہب پر ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ مگر مجھے شیعہ علماء کی صف میں بلند مقام ملنے کے لئے لازم ہے کہ آپ حضرات میری علمیت کو مشہور کریں۔ مجھ سے مناظروں میں ہار جانا مشہور کریں، میری دُھوم مچا دیں۔ اُدھر میں رات رات بھر پڑھنے کی شہرت کرنے کے لئے گلیوں گلیوں پھروں۔ سرکاری لالٹینوں کے سہارے عوام کو اغوائے شیطانی کی تاریکی میں رکھوں۔ ہر بنیا بقال ہر کنجڑا اور حجام اپنی دکان میں میرا ذکر کرتا کرتا لوگوں کی حجامت کرے۔ تا کہ یہ شور بلند ہو کر آصفی حکومت کے بام و در سے جا ٹکرائے۔ اور اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے علماء و اراکین حکومت آصفی متوجہ ہو کر مائل بہ کرم ہوں۔ اور مجھے آصف الدولہ یا کم از کم اُن کے وزیر تک رسائی مل جائے۔ چنانچہ نتیجہ اِس زیر زمین پلان کے عین مطابق نکلا۔ سفارشیں ہوئیں، خطوط لکھے گئے، درخواستیں گذریں، روپیہ ملا، عراق و ایران کے علماء کے نام سفارشی مراسلے ملے اور یوں جناب دلدار علی صاحب شیعوں کے یہاں قبلہ وکعبہ بن جانے میں پہلا مرحلہ طے کر کے ہندوستان سے سدھار گئے۔

(8) مُفتّش اور مُحقّق کی تمام راہیں کوئی بند نہیں کر سکا

قارئین غالبًا حیران ہو رہے ہوں گے کہ ہم نے یہ سب کن بنیادوں پر لکھ دیا ہے؟ یاد رکھیں کہ تفتیش اور تحقیق کے سینکڑوں اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ ہر مجرم اپنے جرم کے دَوران ہمہ قسمی احتیاطی تدابیر کے باوجود کم از کم ایک غلطی یا بد احتیاطی ضرور کرتا ہے۔ یعنی یہ کائناتی اور قدرتی انتظام ہے کہ باطل اور خلافِ حق اعمال کو شائع کرنے کے لئے ہر مجرم ہر ظالم اور ہر ابلیسی منصوبہ ساز سے ایک غلطی ضرور کرالی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر محقق و مفتش کے لئے اِس اصول کو سامنے رکھنا اور اُس ممکنہ غلطی کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ اور جیسے ہی اُس غلطی کا کھوج نکل آتا ہے تو پورا عملدرآمد اور جرم کی ہر تفصیل کے بعد دیگرے

اُبھرتی چلی آتی ہے۔ ورنہ حق و باطل مخلوط ہو کر رہ جاتے۔ تحریک تشیّع کے پاس اللہ کا عطا کردہ وہ تمام نیا اور پُرانا سامان موجود ہے۔ جس سے اُس نے صدیوں کے منصوبوں کو بے نقاب کیا ہے۔ یہ تو ایک معمولی خاندان کی سازش تھی۔ ہم نے تو ایسے شاندار ابلیسی منصوبوں کو بے نقاب کیا ہے۔ جن میں حکومتوں کی پوری قوتیں اور وسائل صرف ہوئے تھے۔ تمام فنون کی کتابیں اُن منصوبوں کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے لکھی گئیں۔ تفاسیر و احادیث کی کتابیں، تاریخ و سیَر کی تصانیف، لُغات اور علم الکلام کے پردے اور تحریف و توضیح کے انبار لگا دیئے گئے۔ لیکن ہم نے باطل کے ہر ہر پہلو کو نمایاں اور مشخص کر کے چھوڑا ہے۔

(9) حیران ہونے کے بجائے ہمارے ساتھ مل کر غور کریں

اگر قاتل، چور یا مجرم ایک پرچہ پر اپنا پورا پتہ لکھ کر ایک فوٹو بھی چھوڑ جایا کرتا تو نہ جاسوس کی ضرورت تھی، نہ پولیس کی۔ اور جب اُن کے گھر جا کر معلوم ہوتا کہ پتہ صحیح ہے۔ جرم کا اقبال کیا جا رہا ہے۔ معافی اور نقصان پورا کرنے کا انتظام ہے تو وکیل عدالت حتیٰ کہ قانون کی بھی کیا ضرورت تھی۔؟ اسی طرح ہر چور ہر قاتل اور ہر مجرم اپنے قتل چوری اور جرم کا انکار کرتا ہے۔ اپنے تمام وسائل کی طاقت سے کوشش کرتا ہے کہ اُس کا جرم ثابت نہ ہو۔ اِس لئے عدالت میں بھائی بندوں کی گواہی نامنظور، شاگردوں کا اعتبار نہیں، ذات برادری، عزیز داری یہاں تک کہ اگر مجرم سے دوستی و محبت ثابت ہو جائے تو مجرم کے حق میں اُن کی بات ناقابل قبول ہوتی ہے۔ یہی عملدر آمد اپنے سامنے رکھیں اور ہر چھپا ٹائپ بیان غور سے پڑھیں۔ اور سوچیں کہ ہر بیان ہر مدح ہر قصیدہ گھریلو ہے۔ اپنے طرف داروں کے سہارے ایک کہانی مرتّب کی ہے۔ جس میں ایک نہیں ہر قدم پر کئی غلطیاں ہوئی ہیں مثلاً:۔

اوّل یہ کہ ندا تو یقیناً آئی۔ مگر کہاں سے؟ کیوں؟ کیا پہلے سے ندا کا تقاضہ پورا کر دیا گیا تھا؟ وہ کیا صورتِ حال تھی کہ ندا دینے والے پر ندا دینا لازم ہو گیا؟ یہ ندا دینے والا کون تھا؟ جب دلدار علی تنہا تھے تو ندا کیوں دی گئی؟ پاس آ کر کیوں نہ کہہ دیا؟ ایک ندا سات پردوں کے پیچھے چھپی رہ گئی۔ سات سوال ہاتھ اٹھائے کھڑے رہ گئے۔

دوم یہ کہ اُس ندا نے واقعی دلدار علی اور اُن کے خاندان کی ذہنیت تبدیل کر دی۔ مگر سوال یہ ہے کہ پہلے یہ ذہنیت کیا تھی؟ تبدیل شدہ ذہنیت اگر شیعہ مذہب تھا تو یقیناً پہلے والی ذہنیت شیعوں کی مخالف تھی۔

سوم یہ کہ لکھنؤ جانے کا ندا میں حکم ملا اور آپ لکھنؤ گئے بھی۔ مگر جن تمہیدات اور تیاریوں کے بعد لکھنؤ گئے۔ اُن کا ندا میں اشارہ تک نہیں ہے۔ پھر لکھنؤ جانا تو ہم نے استنباط کیا ہے۔ اس بنا پر کہ وزیر سے ملاقات کا قرینہ یہ ہے کہ لکھنؤ گئے ہوں۔ لیکن آغا مہدی صاحب کی کہانی میں ندا کے بعد بھُول کر بھی لکھنؤ منہ سے یا قلم سے نہیں نکلا۔ لیکن اقبال نہ کرنے کے باوجود اگر قرینے سے لکھنؤ جانا ثابت ہے۔؟ تو قرائین سے ہمارا بیان کردہ تمام منصوبہ کیوں صحیح ثابت نہ ہوگا۔؟ ہم تو ہر بال کی

کھال اتار لیں گے۔سارا میک اپ نوچ پھینکیں گے تاکہ صحیح خدّ وخال نظر آجائیں۔

چہارم یہ کہ آصف الدولہ کے وزیر سے ملاقات ہوئی۔اُس نے علم کی سرپرستی کی،تعاون کیا،خوش ہوا،لبیک کہا،مگر یہ سب کچھ کہاں پیش آیا؟ وہ کون سا علم تھا۔؟ جس کی سرپرستی کی۔؟ عراق میں جانے کے بعد حاصل ہونے والے علم کی سرپرستی کی یا ملاقات کے وقت تک جو علم دلدار صاحب کے پاس تھا،اُس کی سرپرستی کی۔وزیر کو کیسے معلوم ہوا کہ دلدار علی صاحب عالم ہیں؟ کہانی میں نہیں ہے۔وزیر تک رسائی کیسے ہوئی؟ پتہ نہیں ہے راتوں کو پٹرے پر سونے والے ایک قلاش شخص کا اچانک وزیر کے پاس پہنچ جانا، ناممکن۔پہنچ جائے تو دھکے مکے کھانا بہت ممکن۔آخر دربان کہاں تھا۔؟ غلام گردش میں راہنمائی کس نے کی؟ ملاقات کے لئے کوئی درخواست دی تھی؟ کوئی سفارش ہوئی تھی؟ سینکڑوں حقائق پر پُل بنا کر پوشیدہ کر دیا گیا۔اور بقال کی دوکان کے پٹرے سے جو پھسلے سرِ دربار جا نکلے۔

پنجم کہانی میں عمر مذکور نہیں کہ ندا کس عمر میں کس سن وسال میں آئی، بریلی کتنے عرصے تک رہے؟ سندیلہ کب آئے؟ کتنے روز پڑھتے رہے؟ الہٰ آباد کب پہنچے۔فیض آباد کب پہنچے؟ عبدالعلی سے مباحثہ کیوں اور کب ہوا؟ مباحثہ کی ضرورت کیسے پیش آئی؟

ششم یہ کہ آپ صرف ونحو مکمل کرتے ہیں۔منطق کے تمام قانون حاصل کرتے ہیں۔فلاسفر بن جاتے ہیں۔حذاقت کا درجہ حاصل کرتے ہیں۔معقولات میں بحر العلوم کے سامنے بحار العوام بن جاتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ اس دوران کھاتے کہاں سے ہیں؟ کپڑوں کا کیا بندوبست ہے۔چلو نہانے کی ضرورت نہ سہی مگر کپڑے کہاں دھوتے ہیں؟ کپڑے تو پھٹتے بھی ہیں۔مَیلے بھی ہوتے ہیں۔یک بنی ودوگوش۔مگر رات بھر پڑھنے کے لئے کتابیں کہاں سے آتی ہیں۔؟ پٹرے پر سوتے ہیں تو کتابیں کہاں رکھتے ہیں۔؟ سوتے ہیں تو رات بھر کتب بینی کی داستان کیا ہے؟ بقال کا چراغ کہاں ٹمٹماتا ہے؟ جب دکان بند ہے تو چراغ دکان کے اندر ہے یا باہر ہے؟

ہفتم یہ کہ اُس زمانہ کی ہر درسگاہ میں طالب علموں کے قیام وطعام کا انتظام موجود ہوتا تھا۔کپڑے اور بستر ملتا تھا۔سب کو نماز میں حاضری دینا ہوتی تھی۔دلدار علی مارے مارے پھر رہے ہیں کیوں؟ پہلے ہی سے قلاش رہنا طے تھا تو بعد میں سرمایہ داری کیوں اختیار کی؟

اور آخری بات یہ کہ ندا کے حکم کی اوّلین تعمیل کیوں نہ کی؟ سیدھے لکھنؤ کیوں نہ آئے؟ آصف الدولہ یا اُسکے وزیر کی علم پرستی ہر جگہ مشہور تھی۔دلدار علی کو معلوم ہونے میں اتنا زمانہ کیوں لگا؟ کیوں در در مارے پھرے؟ پٹرے کے بجائے پہلے ہی دن تخت پر کیوں نہ پہنچے۔؟ تختہ اتنا پیارا کیوں تھا؟ ٹمٹماتے چراغ کی جگہ قندیل کیوں اختیار نہ کی؟ یہ ہے وہ تفتیش جسکے سامنے

مجرم خود بول اُٹھتا ہے کہ (بِاللّٰہ یَا ......اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِین) میرا پیچھا چھوڑو۔ بخدا میں منافقوں میں سے ایک منافق ہوں۔

(10) چند ایسے جھوٹ جن پر دلیل کی ضرورت نہیں

دو باتیں سنئے اور ہمیں فوراً بتایئے کہ صحیح کون سی ہے؟

(الف) مورث اعلی سید نجم الدین سبزوار سے سالار مسعود غازی کے ساتھ سردار لشکر ہو کر بھارت کی طرف آئے۔ اور اپنی فتوحات سے ظلمت کدۂ ہند میں جابجا توحید کے چراغ روشن کئے۔'' (صفحہ 10)

(ب) ''۔آپ کے اسلاف اپنی ہجرت اُولیٰ مدینے سے اور ہجرت ثانیہ سبزوار کے بعد مہاجرت کی گونا گوں زحمتوں میں گویا محروم رہے۔ اور ارضِ شرک (ہندوستان) پر قیام کر کے کفر والحاد سے مقابلہ کرتے رہنا ہی اُن کے لئے ثواب زیارت تھا۔'' (صفحہ 14-13)

یعنی جتنے بادشاہ یا غازی ہندوستان میں حملہ آور ہو کر آئے وہ سب ہجرت کے ثواب سے مالا مال ہوں گے۔ اور اُن سب لوگوں کو جو ھندوستان میں ھندوؤں کو فوجی دباؤ سے مسلمان کرنے میں مصروف رہے۔ فتوحات کرتے رہے وہ زیاراتِ عتباتِ عالیات کا ثواب پاتے ہیں۔ (اللہ جھوٹوں پر لعنت کرے)

یہ ہے وہ مذموم کوشش جس سے اُن مخالف اسلاف کے لئے یہ تاثر پیدا کیا جا رہا ہے کہ وہ محی الدین وغیرہ بھی زیاراتِ معصومینؑ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ مگر مہاجرت اور کفر شکنی کی مصروفیات میں زیارت کے برابر ثواب پاتے تھے۔ یہ ہے وہ بات کہ **اسلاف نمی پرند بلکہ اخلاف ہمیں پرانند۔** وہ شخص ہرگز شیعہ نہیں ہوسکتا جو اہل خلاف کے حملہ آوروں کو مہاجر کہے۔ انہیں اشاعت اسلام کی سند دے اور اس کام کو زیارت کا بدل قرار دے۔ چنانچہ آج جناب آغا مہدی صاحب شیعوں کے عقائد کے خلاف محمود غزنوی اور مسعود غازی کی مدح خوانی کر رہے ہیں۔ کم از کم ان کو شناخت کر لیں۔

(11) چند ایسے جھوٹ جو غور کرنے والے پر کھلتے ہیں

(الف) حکومت نے دلدار علی سے پیشگی وعدہ کر لیا تھا لہٰذا:۔

''۔لکھنؤ پہنچ کر یقین کرنا پڑا کہ حکومت کی زبان میں وعدہ اور ایفائے وعدہ میں تبائین نہیں ہے۔ نواب آصف الدولہ کی خواہش اور حسن رضا خان (وزیر اعظم) کی استدعا پر لکھنؤ میں مستقل قیام ہوا۔ اور حکومت کی طرف سے شہر کے قدیم علاقہ فرنگی محل سے متصل ناف شہر میں جگہ ملی جو اس وقت جوہری محلّہ کے نام سے مشہور ہے۔'' (صفحہ 15-14)

(ب) نواب آصف الدولہ بادشاہ اور نواب حسن رضا خان وزیر آصف الدولہ دونو دلدار کی واپسی کے منتظر رہے

''۔یہ مبارک سلسلہ مختلف اساتذہ کے درس خارج میں شرکت کرتے ہوئے مدت تک جاری رہا۔ اور نواب اپنی تن

آسانیاں چھوڑ کر زحمتِ انتظار برداشت کرتے رہے۔حتیٰ کہ مولانا نے مشہد مقدس کے اساتذہ سے بھی فیض حاصل کیا۔ اور ایک نہایت وسیع قطعۂ ارض کی سیاحت کرڈالی۔''(صفحہ 12)

اس **الف اور ب** سے معلوم ہوا کہ جب دلدار علی صاحب کو حصول تعلیم کے لئے ہندوستان سے روانہ کیا۔اس وقت بادشاہ نے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ تعلیم سے فراغت اور واپسی کے بعد دلدارعلی کو حکومت کی سرپرستی میں رکھا جائے گا۔اور یہ کہ نواب آصف الدولہ اور نواب حسن رضا خان صاحب دونوں نے عیش وآرام یا تن آسانیاں ترک کر کے مولانا کے انتظار میں بڑی طویل مدت گذاری تھی۔اور جب وہ واپس آئے تو انہوں نے بادشاہ ہونے کے باوجود یہ ثابت کردیا کہ حکومت جو وعدہ کرتی ہے صحیح ہوتا ہے۔اس صورت حال کو اگر صحیح سمجھ لیا جائے؟ تو اس جملہ کا کیا مطلب ہے۔

''۔نواب آصف الدولہ کی خواہش اور حسن رضا خان کی استدعا پر لکھنؤ میں مستقل قیام ہوا۔''(صفحہ 14،15الف)

اس سے تو واضح ہوتا ہے کہ نہ پہلے آصف الدولہ کی کوئی ایسی خواہش تھی کہ دلدارعلی کو لکھنؤمیں مستقلاً رکھوں گا اور نہ ہی نواب حسن رضا خان وزیراعظم کو کسی نئی استدعا کی ضرورت ہوسکتی تھی۔اس طویل اور برس ہا برس تک انتظار کرنے ،تن آسانیاں چھوڑ دینے اور خود اپنے خرچ سے دلدارعلی کو عراق وایران میں تعلیم دلوانے کے بعد کسی استدعا کی نہ ضرورت تھی۔نہ دلدارعلی کا یہ مقام تھا کہ بادشاہ اتنے احسانات کے بعد بھی درخواست لئے پھرے۔دراصل نہ کوئی وعدہ تھا نہ دلدارعلی کی کوئی پوزیشن تھی۔ ہزاروں غریبوں کو حکومت کی طرف سے فی سبیل اللہ حج اور زیارتوں کے لئے ہر سال بھیجا جاتا تھا۔دلدارعلی بھی اِسی فنڈ سے مدد لے کر ملک سے گئے تھے۔اور ہم دکھائیں گے کہ واپس آنے کے بعد حکومت کو نہ اُن کی واپسی کا علم تھا نہ حکومت کا کوئی وعدہ تھا۔یعنی بادشاہ اور وزیر تو بہت بڑی بات ہے،حکومت کے کسی بھی رکن نے مولانا کو نہ منہ لگایا نہ گھانس ڈالی۔حکومت کے دربار میں رسائی کی تفصیلات ہم بیان کرنے والے ہیں۔یہاں تو صرف یہ دکھانا مطلوب ہے کہ یہ شخص کس عیاری،مکاری،جعلسازی اور پارٹی بندی سے اپنے سر پر شیعت کی قیادت کا عمامہ باندھتا ہے۔اور یہ کہ اُس کے تمام بیانات بے اصل اور محض فریب ہیں۔چونکہ ہمارے چند بزرگ علماء نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ شخص سُنّی سے شیعہ محاذ میں آرہا ہے۔اور حصول علم کے لئے عراق وعرب وایران جانا چاہتا ہے۔اس لئے اپنے اخلاق عمومی سے دلدارعلی کی مدد کی تھی۔قارئین حقائق کے سامنے آنے کا انتظار فرمائیں۔پہلے چمچہ پارٹی کی دروغ بافیوں کی دیگ کا تمام سامان کف گیر سے باہر نکل آنے دیں۔

(12) چند ایسے جھوٹے دعوے جن کا جھوٹا ہونا سب کو معلوم ہے

(الف) رسولؐ اللہ اور آئمہ علیہم السلام پر تہمت لگاتے ہوئے فرمایا گیا کہ:۔

(1) ''۔مذہب شیعہ امامیہ کا نہایت صحیح اور سچا مسئلہ ہے کہ ہر زمانہ میں مجتہد کا ہونا ضروری ہے۔''(صفحہ 6)

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ:۔

(2) ''۔منعمِ حقیقی کا ہم پر یہ رحم وکرم ہے کہ سلف سے آج تک ہر زمانہ میں ایک مجتہد جامع الشرائط عوام کے رشد وہدایت کے لئے آتا رہا اور ہر راہ نما وہ نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گیا جو زمانے کی سرد وگرم ہواؤں سے فنا نہیں ہو سکے۔''

(صفحہ 6 سوانح غفراں مآب)

مذہب شیعہ کے قارئین جانتے ہیں کہ احادیث میں یہ تو کہا گیا ہے کہ ہر زمانہ میں ایک حجت خداوندی موجود رہتی ہے جو رسولؐ نبیؑ یا امامؑ کہلاتے ہیں۔لیکن یہ ایجادِ بندہ ہے کہ ہر زمانہ میں خدا کی طرف سے ایک مجتہد رکھا جاتا ہے جو خلق خدا کی ہدایت وراہنمائی کرتا ہے۔مندرجہ بالا دونو بیانات میں اگر یہ کوشش کی گئی ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ ، نبیؑ یا امام معصومؑ کو مجتہد بنا دیا جائے تو بات الگ ہے۔ورنہ اُن کے اس دعوی پر کہ ہر زمانہ میں خدا کی طرف سے ایک جامع الشرائط مجتہد موجود رکھا جاتا ہے یا موجود رہتا چلا آیا ہے، نہ کوئی حدیث موجود ہے، نہ تاریخی ثبوت ہے، نہ اقوال بزرگان میں یہ وہم موجود ہے۔البتہ اس دعویٰ اور مسلک کے ردو ابطال میں ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ شیعوں کے اسلاف اور آئمہ علیہم السلام میں لفظ مجتہد ایک مردود وملعون لفظ تھا۔مجتہد ایک شرعی گالی تھی اور پہلی تین صدیوں کے اواخر تک شیعوں میں کسی مجتہد کا نام تک نہیں ہے۔شیعوں میں جسے سب سے پہلا مجتہد کہا گیا ہے وہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ ہیں۔اور دنیا جانتی ہے کہ اگر وہ مجتہد تھے بھی تو چوتھی صدی ہجری کے آدمی تھے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ کم از کم تین سو سال تک بفضل خدا شیعوں میں نہ اجتہاد تھا نہ مجتہد نام کی کوئی چیز تھی۔یہ خبیث نظام، غیبت امام علیہ السلام سے فائدہ اٹھانے کے لئے غیبت کے بعد شیعوں میں داخل ہوا تھا اور یہ بھی دیکھئے کہ:۔

(ب) <u>ہندوستان میں دلدار علی سے پہلے کوئی مجتہد نہ تھا</u>

یہ دعویٰ اگر صحیح ہے؟ تو بھی اللہ نے ہندوستان کو کم از کم گیارہ سو سال تک مجتہد کے وجود سے محروم رکھا۔سنئے! اپنی تردید آپ کرتے ہیں کہ:۔

(1) ''۔بقول عبدالحلیم شرؔر بھی آپ ہی لکھنؤ کے پہلے مجتہد ہیں۔'' (صفحہ 17) ایک قصیدہ گو کے اشعار لکھے ہیں ایک شعر یہ ہے

(2) ''۔مجتہد پیش از وکس نشدہ بود بہند　　　جمعہ ووعظ وجماعات بادیافت قوام۔''

اُس سے پہلے ہندوستان میں کوئی مجتہد نہ تھا۔یعنی وہ پہلا مجتہد تھا۔یہ بیان اور شعر دوبارہ ثابت کر رہا ہے کہ گیارہ سو سال تک ہندوستان میں خدا نے کسی مجتہد کو وجود نہ بخشا اور مخلوق اُس منحوس نظام سے محفوظ رہی۔لہٰذا وہ اتہام کہ خدا ہر زمانہ میں ایک مجتہد جامع الشرائط موجود رکھتا ہے باطل اور دروغ ثابت ہو گیا۔

(ج) دلدارعلی سے پہلے ہندوستان میں نہ کوئی عالم تھا نہ دین

قارئین نے ہندوستان کے بہت سے شیعہ علماء کا نام بنام تذکرہ پڑھ لیا ہے۔اُن ہی میں سے جناب نوراللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ بھی تھے۔جن کے آئمہ اربعہ پر اجتہاد کی مثال دُنیا میں کہیں نہیں ملتی۔یعنی علامہ نے عہد اکبری میں جس بے نظیر اجتہاد کا عملاً ثبوت دیا اور مجتہد کی حیثیت سے ملازمت کی۔اُن کو سامنے رکھنے کے بعد یہ کتنی بُری بکواس ہے کہ ہندوستان میں دلدارعلی سے پہلے نہ کوئی اُن سے بڑا عالم گذرا نہ کسی نے دلدارعلی سے پہلے دین کی تبلیغ کی سنئے!ارشاد ہے کہ:۔

(1) ''۔ہندوستان کے محققین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں گذرا جس میں اُن کے مساوی علم وعمل کا مادہ موجود ہو۔سچ تو یہ ہے کہ وہ غفران مآب ہی تھے۔جس نے ملک میں تبلیغ دین کی بنیاد ڈالی۔''(صفحہ 37)

یہ وہ جعلساز علماء اور دلدارعلی کے گھرانے کے سپوت ہیں۔جنہوں نے واقعی ایک ایسے اجتہادی دین کی بنیاد ڈالی جو غفران مآب سے پہلے ہندوستان میں کبھی موجود نہ تھا۔اسی خاندان نے تاریخی حقائق کے خلاف اتنے بیان دیئے،اتنی چھوٹی بڑی تصنیفات لکھیں اور دوسروں سے لکھوائیں کہ مذہب شیعہ کی ہر حقیقت کو باطل کے رنگ میں رنگ کر پیش کیا۔تاریخ کے واقعات کو مسخ کیا۔یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ ہندوستان میں دین کی تبلیغ کی بنیاد دلدارعلی نے رکھی تھی۔یعنی دلدارعلی سے پہلے ہندوستان میں نہ دین تھا،نہ اسلام تھا،نہ کسی نے دین کی تبلیغ کی تھی۔کس قدر جھوٹے اور کاذب ہیں یہ لوگ کہ انہوں نے ہی لکھا تھا کہ ان کے جدّ اعلیٰ؛

(2) ''۔نظام الدین نے اپنی فتوحات سے ظلمت کدۂ ہند میں جابجا توحید کے چراغ روشن کئے۔''(صفحہ 10)

اسی کاذب نے لکھا تھا کہ؛

(3) ''۔رائے پرتاب سنگھ سادات کی رواداری دیکھ کر اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوئے جیل سے نکلے۔یہ پہلی خدمتِ دین تھی جو تاریخ میں محفوظ ہے۔''(صفحہ 9)

قارئین اُن کذّابوں کے بقلم خود نوٹ کریں کہ اگر نظام الدین یا زکریا،دین کی تبلیغ واشاعت کرنے والے مان لئے جائیں تو بھی یہ خاندان جھوٹا ہے۔اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ نظام الدین اور زکریا نے دین اسلام کی تبلیغ نہیں کی تھی۔تب بھی یہ خاندان بہرحال کذابوں کا خاندان ہے۔بتایئے جس قوم کی قیادت اس قسم کی ذہنیت کے ہاتھ پڑ جائے اُس کا کیا حال ہوا ہوگا۔؟ دلدارعلی اینڈ کمپنی نے اپنی گرفت کے بعد ہر حقیقت کو بتدریج تبدیل اور مسخ کرنے کا پروگرام چلایا تھا جو سوسال تک تو بلا روک ٹوک اور منظم طریقے پر چلتا اور قوم شیعہ کو گمراہ کرنے میں کوشاں رہا۔پھر اس ٹولے میں نفاق پیدا ہوا،پھوٹ پڑی اور ملت شیعہ کے ساتھ خود اُس گروہ کا زوال شروع ہوگیا۔مگر نظام اجتہاد کی عظمت بہرحال شیعوں کے قلوب میں بٹھادی گئی۔

یعنی اُس گروہ کے مخالف بھی یہ بحثیں تو کرتے تھے کہ فُلاں مجتہد دیانت دار ہے اور فلاں بد دیانت ہے۔ فلاں کی تقلید اور اتباع کرو، فلاں کی تقلید نہ کرو، فلاں مجتہد گھر بیٹھے ہی مجتہد بن گیا، یعنی اس کے پاس نجف یا قم سے اجتہاد کی سند نہیں ہے۔ مگر مخالفوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو نظام اجتہاد کو طاغوتی نظام کہنے کی جرأت کرتا، جو یہ کہتا کہ مذہب شیعہ اثناعشریہ میں اجتہاد اور مجتہد کا وجود ہی شیعہ دشمن محاذ نے جاری کیا ہے۔ اس ابلیسی تصور نے اتنی مضبوط گرفت اختیار کر لی تھی کہ اس کے خلاف سوچنا گناہ سمجھا جانے لگا تھا۔ صدیوں سے مجتہد کا راج چلا آ رہا تھا۔ مجتہد کی تقلید کے بغیر نیک اور قرآن کے مطابق اعمال بھی باطل سمجھے جاتے تھے۔ ملت شیعہ پر سے یہ اجتہاد کا بھوت بڑی مشکل سے اتارا گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آج ہر سَو شیعوں میں سے ننانویں شیعہ تقلید نہیں کرتے اور بمشکل پانچ فیصد ایسے شیعہ ہوں گے جو تقلید، مُقلّد اور اجتہاد سے واقف ہوں۔ اور خود جناب آغا مہدی صاحب قبلہ نے یہ سوانح حیات لکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

''۔سوانح حیاتِ غفراں مآب اس وقت پیش ہو رہا ہے جب قوم انحطاط کی طرف مڑتی چلی جا رہی ہے۔ اور گلستانِ شریعت پر لامذہبیت کی کڑی دھوپ ہے۔ نئی نسل کی ذہنی بے چینی اور عام روحانی اضطراب میں جب کہ رشد و ہدایت کی شمعیں بجھ گئیں۔ اور چراغ کُشتہ کا دھواں فضا میں کراہ رہا ہے۔'' (صفحہ 3)

دیکھا آپ نے کہ آخر نظام اجتہاد ہندوستان میں بھی اپنی موت مر گیا۔ آج بعض لوگوں کو مجتہد کہا تو جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً ان میں سے کوئی ایک بھی مجتہد نہیں ہے۔ یعنی اب کئی سو سال سے مجتہدین نے مسائل میں اجتہاد کرنے کے بجائے سابقہ پیشرو مجتہدین کی تقلید شروع کر دی تھی۔ پھر دلدار علی ہوں یا اُن کے تلامذہ ہوں، دراصل یہ سب مقلدین تھے۔ یعنی اُن میں سے کوئی ایک بھی وہ قوت اجتہاد نہ رکھتا تھا جو مثلاً جناب نوراللہ شوستری اعلی اللہ مقامہ سے تاریخ میں ثابت ہے۔ اور اب تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ مطبع کے ناشرین پُرانی تحفۃ العوام وں پر کسی تازہ برائے نام مجتہد سے تصدیق کرا کر شائع کرتے رہتے ہیں۔ یعنی اب آزادانہ ان کی اپنی مسائل کی مخصوص کتابیں بھی مارکیٹ میں آنا بند ہو گئی ہیں۔ لیکن مجتہد اور اجتہاد کے لفظ یا نام پڑھنے اور بولنے میں آتے رہتے ہیں، یہ بھی جلد مٹ جائیں گے۔

(د) <u>دلدار علی سے پہلے ہندوستان</u>

ہندوستان میں مسلمان تو مسلمان انسان بھی نہ تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔

(1) ''۔آج خود اپنے جدِّ امجد اور مُورثِ اعلیٰ حضرت غفراں مآب کے احوال پر قلم اُٹھانے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ جن کی بلند شخصیت سے قوم اچھی طرح متعارف ہے۔ اُنہیں کی ذات تھی جس نے آج سے دو سو برس قبل کے عوام کو اُن کی بہائیم (جانوروں) صفت زندگی کا احساس پیدا کر کے انسان بنایا۔'' (صفحہ 5)

قارئین یہ اندازِ گفتگو مجتہدین کی زبان میں مبالغہ کہلاتا ہے۔مگر کم سے کم اس عبارت کا اتنا مطلب تو قطعاً صحیح ہے۔کہ جناب غفران مآب کی بعثت سے پہلے ہندوستان میں جس طرز زندگی کو عوام نے اختیار کررکھا تھا وہ جانوروں اور چوپاؤں کی صفات والی زندگی تھی۔اُن حضرت نے مبعوث ہوکرعوام کو جانوروں کے درجے سے نکالا اورانسانی درجے میں داخل کیا۔اس نرم توجیہ کے بعد بھی سوال یہ ہے کہ علامہ صاحب نے اگر سچ مچ ایسا کیا بھی تھا تو یہ کام صرف لکھنؤ تک محدود رکھ کر لکھنؤ کے عوام کوانسان بنانا کہنا چاہئے تھا۔پھر لکھنؤ میں بھی اہلسنت کو معاف کر کے صرف شیعہ عوام کو بہائیم کا لقب ملنا اوراُن کوانسان بنانا کیوں نہ کہا۔یعنی دلدار کے دلدار صاحب جوشِ محبت میں غپ بھی ایسی مارتے ہیں جس پر غپ ساز بھی حیران رہ جائے۔ایک اور غپ ملاحظہ ہو:۔

(2) ''۔لکھنو پہنچ کر آپ نے صحیح اسلام کی تبلیغ کی اور جہالت و مادیت کے جو قلعے مستحکم ہو چکے تھے اُن کی اینٹ سے اِینٹ بجادی..................اصول دین کی بنیاد قائم کی فروع مذہب کو پروان چڑھایا۔''(صفحہ 15)

اس غپ کا ثبوت ایک افیمی کی مثنوی سے چند اشعار لکھ کر دیا ہے اور مثنوی لکھنے والا بھی کوئی بے چارا جعفری ہے۔یقیناً غریب کو خیرات میں سے کچھ نہ کچھ ملا ہوگا۔بہر حال معلوم ہوا کہ گیارہ سوسال تک نہ ہندوستان میں مذہب حقہ کے اصول تھے، نہ تعلیم تھی ، نہ صحیح مذہب تھا۔گویا علامہ شوستری اور دکن و گجرات و کشمیر و بنگال وغیرہ میں نہ کوئی عالم گذرا تھا نہ کسی نے صحیح اسلام کی تعلیم دی تھی۔دلدارعلی کے واپس آنے سے پہلے خود دلدارعلی اوراُن کے استاد صاحبان اور خاندان بھی نہ صحیح اسلام سے واقف تھے نہ اصول مذہب کی اطلاع تھی۔بہائم صفات عوام میں یہ بھی داخل تھے۔ایک اور چمچے کا بیان ملاحظہ ہو لکھتا ہے کہ:۔

(3)''۔غفراں مآب نے دین کا چراغ تمام انڈیا کے گھر گھر میں روشن کر دیا۔''(صفحہ 24)

سوچئے اور غپ کا وزن دیکھئے۔انڈیا میں کتنے گھر شیعوں کے ہوں گے؟ ظاہر ہے کہ ایک فیصد بھی نہ تھے۔گویا چمچے صاحب نے ننانوے فیصد جھوٹی غپ ماردی ہے۔اور یہ سمجھ لیں کہ یہ اجتہادی قیادت محض غپ شپ پر قائم ہوئی ہے۔مصرف خیر سے ملنے والا تمام روپیہ اسی قسم کی مدح خوانی اور مثنویوں اور قصیدہ نویسیوں پر صرف ہوتا تھا۔جناب آغا مہدی صاحب نے اس سوانح حیات میں جن تحریروں کا سہارا لیا ہے۔اُن میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کو اُن کے مدعا کے ثبوت میں عدالتی معیار حاصل ہو۔ایک آخری غپ یہ بھی ملاحظہ ہو کہ عزاداری اہلبیت علیہم السلام کی مجلس میں تقریر اور موعظہ کا سہرا بھی دلدارعلی کے سر پر باندھا گیا:۔

(4) ''۔سب سے پہلے ذاکری کو فروغ دیا اور فاضل جلیل میرا کبرعلی کو موقعہ دیا کہ وہ روضہ خوانی کریں۔''(صفحہ 19)

(13) دربارِ آصف الدولہ میں دلدار علی کی پوزیشن

جناب علامہ دلدار علی صاحب نواب آصف الدولہ کے دربار میں ایک پیش نماز سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔ آپ دیکھ چکے ہیں کہ دربارِ اکبری میں شیخ الاسلام یعنی تمام مملکت ہندوستان کے تمام علماء پر حاکم تمام قاضیوں اور محکمہ عدالت کے سربراہ شیعہ عالم شیخ گدائی تھے۔ جونپور کے قاضی القضاۃ شیعہ مجتہد علامہ یزدی تھے۔ لاہور کے قاضی القضاۃ حضرت نوراللہ شوستری رضی اللہ عنہ تھے۔ دربار میں جناب علامہ فتح اللہ شیرازی اعلی اللہ مقامہ کے ہم پلہ شیعہ علماء موجود تھے۔ مگر آصف الدولہ کی شیعہ حکومت میں مُلّا دلدار علی صرف ایک مسجد کے پیش نماز کی حیثیت رکھتے تھے سنئے! فرزندار جمند لکھتا ہے:۔

(الف) آصف الدولہ کے دربار میں سُنّی علماء کی پوزیشن

(1)''۔علمائے اسلام میں <u>1</u> مفتی غلام حضرت، جن کے نام پر غربی لکھنؤ میں مفتی گنج محلّہ آج تک آباد ہے۔ <u>2</u> شہری عالم اور مفتی سعداللہ <u>3</u> مفتی گھسیٹ خان <u>4</u> مفتی نعمت خان <u>5</u> اور مفتی جلال جو محکمہ قضا کے صدر الصدور تھے اور دوسرے معاصروں کے ساتھ کوئی بدمزگی نہ تھی۔ خاندان کوکلتاش کے میر منصور اور میر سنگی میں جب درگاہ قدم رسولؐ نوبستہ پر مقدمہ بازی ہوئی اور 10 ذیقعدہ <u>1211ھ</u> کو فیصلہ ہوا تو اس خانہ جنگی کے ثالث آپ (دلدار علی) تھے۔'' (صفحہ 16)

صرف یہ ایک بیان کافی ہے کہ جناب مجتہد العصر والزمان اور حجت اللہ علی العالمین بے چارے اس قابل بھی نہ تھے کہ انہیں قاضی القضاۃ یا قاضی صاحبان کا صدر الصدور تو کیا ایک عام قاضی یا صرف شیعہ قوم کا قاضی بنادیا جاتا۔ اس سلسلے میں مفتی اور قاضی غلام حضرت نے جو بڑی سے بڑی خدمت دلدار علی کو سونپی وہ یہ تھی کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں کے کہنے سے دلدار علی کو اپنی عدالت میں ثالث کی حیثیت سے بلالیا اور اتنی سی بات کو آغا مہدی صاحب نے دلدار علی صاحب کی توہین کے بجائے فضیلت سمجھ کر اس سوانح حیات میں جڑ دیا۔ لیکن جو ہماری کتاب پڑھ چکے ہیں۔ اُن کے نزدیک شیعہ بادشاہ کے دربار میں شیعہ عالم کی اس سے زیادہ اور قابل شرم پوزیشن اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ مذکورہ بالا علمائے اہلسنت والجماعت سے بدمزگی تو اس لئے ناممکن تھی کہ دلدار علی کے علم کا صغریٰ اور کبریٰ سب کو معلوم تھا۔ وہ خود بھی جانتے تھے کہ اُن میں سے کسی ایک سے بھی الجھنا بے عزتی اور انکشاف واشتہار جہالت پر منتج ہوگا۔ دلدار علی کو کسی قسم کی ترجیح حاصل ہوتی یا آصف الدولہ کے مزاج میں کوئی دخل ہوتا تو ضرور بدمزگی ہوتی۔ مگر جناب علامہ دلدار علی تو اگر دربار میں کبھی حاضر ہوتے تھے تو کئی دعائیں پڑھ کر اپنے اوپر دم کرکے جاتے اور ہانپتے کانپتے ٹھہرتے اور نہ بلائے جانے کی دعائیں مانگتے ہوئے پلٹتے تھے۔ ذرا ایک عیارانہ بیان میں اپنی تنقیدی نظروں سے جھانک کر دیکھیں اور اپنے سامنے اکبری دربار کے شیعہ علماء کے حالات بھی رکھیں اور جہاں بیان میں چمچے کے ساتھ مکھن لگا دیکھیں اسے اتار دیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

(2) ’’۔ دلدارعلی نے آصف الدولہ مرحوم کا آخری دَورِحیات اورنواب سعادت علی خان مغفور کی پوری زندگی دیکھی ۔ سیاسی انقلابات افراد کے عروج وزوال کے نقشے ملاحظہ کیے ۔نواب مجسمۂ عقیدت (چمچہ) سہی ۔ پھر بھی اپنے وقت کے فرمانروا ہیں ۔ اُن کی صحبت میں ہمہ وقت لطف ومحبت کہاں ؟ کبھی مزاج سلطنت برہم ،کبھی اہل دربار چیں بچیں ، اُس پرخطر ماحول سے دوچار ہونا زندگی کے کرشمے تھے۔جن کا آئے دن سامنا رہا کرتا تھا۔اور حضرت امیرالمومنین صلوات اللّٰہ علیہ و سلامہ علیہ (یہ لقمانی طرز ہے) کا فرمانا‘‘۔بادشاہ کا ندیم ایسا ہے جیسے شیرسوار (ہوتا ہے) دیکھنے والے اس کے مقرب ہونے پر رشک کرتے ہیں۔لیکن وہ اپنی جگہ کی نزاکت سے اچھی طرح واقف ہے۔‘‘(صفحہ 20)

یہ تھاوہ حال جو دلدارعلی پرسوار رہتا تھا۔اورخودکو ہرلحہ شیر کے منہ میں سمجھتے تھے ۔اس کے بعد دوتین سطروں میں مہدی صاحب نے خوف دور کرنے کی کوشش کی ہے۔اور پھر چند جملے لکھے ہیں جو بڑی ہی شرمناک صورت ہے۔

(ب) <u>بادشاہ آصف الدولہ کا اوستادسُنّی عالم تھا</u>

آپ نے پڑھاہے کہ اکبرکا اتالیق بیرم خان شیعہ تھا۔اورنگزیب کی بیٹی اور بیٹے شیعہ علماء کے زیرتربیت رہتے تھے۔ مگر دلدارعلی کیسی مصیبت میں ہیں کہ دربار اکبر کا اوستاد ایک سُنّی عالم ہے۔اور دلدارعلی ایک یتیم کی طرح آگے پیچھے پھرنے پر مجبور ہیں سنئے ! :۔

(1) ’’۔نواب کے استاد سے باربار مکالمے ہوئے۔‘‘(صفحہ 20) جب یہ معلوم ہوگیا کہ بادشاہ آصف الدولہ کا استاد ایک اہلسنت عالم تھا۔اوراُس سے دلدارعلی کوکبھی کبھی گفتگوکرنا پڑتی تھی تواب جناب مہدی صاحب ایک مناظرہ کی سرگذشت لکھتے ہیں ۔ پہلے اُن کا بیان اورمعذرت ملاحظہ ہوفرماتے ہیں کہ:۔

(2) ’’۔ ذیل میں ایک مسئلہ پرگفتگو بہت ہی قدیم حوالے سے درج کی جاتی ہے۔کتاب کا یہی حصہ (دلدارکی) بدنصیبی سے بوسیدہ اورشکستہ تھا۔سوءِ اتفاق دیکھو کہ ہنداور پاکستان کے کسی کتب خانے میں مجھے یہ کتاب آج تک دستیاب نہ ہوئی ۔ ورنہ سطروں کے تلف شدہ الفاظ کی جگہ آپ پوری عبارت دیکھتے ۔ پھربھی تقریب مطلب کے لئے پیش شدہ جزءِ عبارت کافی اورچھوٹے ہوئے الفاظ کوپُرکرنا ایک معمہ سے زیادہ مشکل تونہیں ہے۔میرے تحفظ آثارِقدیمہ کے جذبہ اورحزم واحتیاط کا بھی آپ فیصلہ کریں۔‘‘(صفحہ 21-20)

اس کے بعد جو کچھ مہدی صاحب نے لکھا ہے اسے دیکھ کر بے تحاشہ مہدی صاحب کوداد دینا پڑتی ہے کہ اُنہوں نے اپنے فرضی علامہ کے لئے ہرممکن سہارالیا۔اوراپنے عقیدتمندانہ تصورات کوتسکین دینے کے لئے خوب ہاتھ پیرمارے۔کمال یہ ہے کہ مہدی صاحب کووہ کتاب کسی کتب خانہ میں نہیں ملی ۔ یہاں تک تومعمولی بات ہے۔مگرضرورت اس بات کی تھی کہ مہدی

صاحب انگلینڈ کے کتب خانوں سے رجوع کرتے جہاں قدیم سے قدیم مگر مفید ریکارڈ موجود ہے۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ زیادہ چھان بین کرنے سے یہ سہارا ٹوٹ سکتا تھا۔اس لئے انہوں نے بہتر سمجھا کہ عقید تمندوں کو کھلونا دے کر بہلا دیا جائے۔ جو کچھ اس شکستہ مفروضہ کتاب سے مفید چیز ملتی ہے وہ دلدارعلی صاحب کی علمیت پر کوئی ایسی دلیل نہیں بنتی جس سے مہدی صاحب کے ہیرو کا مجتہدوں میں بلند مقام معلوم ہو جاتا۔

(3) دلدارعلی کی علمیت کا مہدوی ثبوت ملاحظہ ہو

''۔.............مظہر العجائب میں ہے کہ ایک دن مولوی سدن صاحب اور مرزا قتیل اور.................اور نواب سعادت علی خان نے میر دلدارعلی صاحب سے مجتہد.............................۔''(صفحہ 21 سوانح حیات غفراں مآب)

اسی طرح جگہ جگہ چھوڑ چھوڑ کر چند بے تکے، نامکمل اور احمقانہ جملے لکھے ہیں اور آخر میں لکھا کہ ''۔مولوی سدن المتوفی 1229 ہجری اتالیق واستادنواب تھے۔جن کے بھائی کا نام مولوی مدن تھا۔''(صفحہ 21)

اِس جعلسازانہ تحریر میں جو قابل توجہ بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ گفتگو اگر ہوئی تھی تو یہ نواب سعادت علی کے عہد حکومت میں ہوئی نہ کہ آصف الدولہ کے زمانے میں۔ پھر پہلا جملہ بتاتا ہے کہ گفتگو مجتہد پر ہے، نہ کہ مجتہد سے'' میر دلدارعلی صاحب سے مجتہد۔'' لکھا گیا ہے۔اگر یوں لکھتے کہ '' ۔میر دلدارعلی صاحب نے مجتہد سے۔''تو بات اُلٹ جاتی۔ بہر حال یہ تحریر اور سہارا بھی نہایت گھٹیا، کمزور اور بے بنیاد ہے۔

(ج) غلط ترجمہ اور ہندوستان کا سب سے بڑا اور مسلمہ جھوٹ

جناب آغا مہدی صاحب نے وہی بات کہی ہے جو چاروں طرف مشہور کی گئی ہے۔یعنی یہ کہ ہندوستان میں دلدارعلی نے سب سے پہلے نماز جمعہ قائم کی تھی۔نماز جمعہ کی علمائے شیعہ کے یہاں کیا پوزیشن ہے یہ ایک الگ اور متنازعہ فی مسئلہ ہے۔ لیکن قارئین دیکھ چکے ہیں کہ جس طرح دلدارعلی صاحب کے متعلق مسلسل جھوٹا پروپیگنڈا ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔اسی طرح نماز جمعہ کے متعلق بھی بہت سی باتیں غلط منسوب کی گئی ہیں۔جن پر بہت جلد حقائق پیش کئے جائیں گے۔یہاں مہدی صاحب نے نماز جمعہ پر جو ثبوت دیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔آپ فارسی کی ایک کتاب میں دیکھیں۔متعلق ہیں۔

''۔لکھنؤ میں فقہ جعفری کو فروغ اور ہندوستان میں پہلی نماز جماعت۔'' یہ عنوان لکھ کر فرماتے ہیں کہ:۔''غلام علی بن محمد اکمل خان نواب حسن رضا خان مرحوم اور غفراں مآب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ: ''لکھنؤ کے مذہبِ اثناعشری میں جمعہ اور جماعت کے بانی نواب اور علامہ دلدارعلی تھے۔ (قدیم) ہندوستان کے کسی شہر میں مذہب امامیہ کی جماعت اور جمعہ نہوا تھا۔ بلکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ اُن کے یہاں عرب وعجم میں بھی جماعت نہیں ہوتی۔'' (صفحہ 17-16)	بانی جمعہ و جماعت دراثناعشریان درلکھنوٴ اُوبودہ است درہیچ شہرے ازشہر ہائے ہندوستان نماز جمعہ و جماعت در مذہب امامیہ رائج نہ بود بلکہ کسے راگمانِ ایں ہم نہ بُود کہ درایران و بلادِ عرب نماز جماعت دراثناعشریان گذاردہ می شود۔'' (صفحہ 17-16)

قارئین مہدی صاحب کو چیلنج کردیں اوراس ترجمہ سے یقین کرلیں کہ دلدارعلی اینڈ کمپنی کی ہر بات میں فریب اور جھوٹ داخل ہے۔ فارسی عبارت میں نواب اور علامہ دلدارعلی، ہرگز داخل نہیں ہے۔ یہ دھوکا دیا گیا ہے۔ ''اوبودہ است۔'' کا ترجمہ نہ نواب ہے اور نہ دلدارعلی ہے۔ بلکہ ''۔وہ ہوا ہے۔'' وہ گذرا ہے۔'' گویہ فارسی کی عبارت میں کسی ایک شخص کو نماز جمعہ اور جماعت کا بانی قرار دیا گیا ہے۔ یہاں دو یا زیادہ آدمیوں کا تذکرہ اگر ہوتا تو کہا جاتا کہ۔''وے بودہ اند۔'' بہرطور طرح طرح سے یہ ثابت ہوگیا کہ جناب دلدارعلی کو ہیرو بنا کر چمکانے میں اُن کی کمپنی نے ہر جائز وناجائز پروپیگنڈا کیا ہے۔ فارسی والا مصنف بھی یا تو چچھوں میں سے ہے یا حقیقت واقعہ سے ناواقف ہے۔اس لئے وہ حسن رضا خان کو جمعہ و جماعت کا بانی قرار دے گیا ہے۔ پہلے یہ دیکھ لیں کہ دلدارعلی جہاں حکومت کی طرف سے ملنے والی رقومات کو پروپیگنڈے پر صرف کرتے تھے۔ وہیں خود ایک بہت بڑے مالدار وسرمایہ دار و جاگیر دار آسامی تھے۔

(د) دلدارعلی ایک مالدار سرمایہ داراور جاگیر دار عالم تھا

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام خصوصاً اور تمام آئمہ علیہم السلام عموماً اُن تمام زرپرست اور دولتمند علماء کی مذمت کرتے ہیں جو حکومت کا سہارا لے کر دین کو دولت کمانے کا ذریعہ بنالیں۔مگر مہدی صاحب فخریہ دولتمندی کا ذکر کرتے ہیں۔ ناظرین کے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہر بھکاری بھیک مانگنے سے پہلے اپنے مخاطب کو سخی، حاتم طائی اور خداترس وفیاض بنا کر ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ اُسے بھیک مل سکے۔ یہ بات ذہن میں رکھ کر مہدی صاحب کی بات سنیں فرماتے ہیں کہ:۔

''۔ہر دو مؤلف عہد آصفی کو حاتمِ ثانی تصور کرتے ہیں اور رقمطراز ہیں کہ نواب تعصب مذہبی سے پاک تھا۔اور دربار میں ہر مذہب وملت کے لوگ ایک نظر سے دیکھے جاتے تھے۔علم کی قدردانی ایسی تھی کہ غفراں مآب مولوی دلدارعلی کو اُنہوں نے مالامال کردیا تھا۔مولوی فضل حق صفی پوری کو عہدہ آب کاری عنایت کیا۔'' (اب مہدی لکھتے ہیں کہ)''۔ یہ اشارہ اُن مواضعات کی طرف ہے۔ جو ضلع رائے بریلی اور اُناؤ میں بسلسلہ معافی (جاگیر) تھے۔اور وہ پنشن بھی اس اجمال کی تفصیل ہے۔ جو اولاد غفراں مآب میں بعض افراد تک تقسیم ہوتے ہوتے حصہ رسد پہنچی ہے۔'' (صفحہ 18)

یہ تھا وہ نتیجہ جس کے حاصل کرنے کے لئے گاؤں سے نکلنے اور لکھنؤ جانے کے لئے وہ خفیہ ندا یا اسکیم سامنے آئی تھی۔
اس سرمایہ داری اور حکومت کے مصرف خیر کو جس گدّی یا اجتہادی سجادہ نشینی کے لئے استعمال کیا گیا وہ تمام سامنے آ چکی ہے۔
اب ہم جناب دلدار علی اور لکھنؤ میں اُن کی پیش نمازی کا اصل سلسلہ پیش کرتے ہیں۔تا کہ مہدی اور دوسرے پروپیگنڈسٹ کی پول کھل جائے اور دلدار علی کا صحیح مقام معلوم ہوجائے۔اور یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ دلدار علی سے عقیدت رکھنے والوں نے خانہ ساز علمیت اور شہرت کا ڈھونگ رچایا تھا۔دلدار علی کے زمانہ میں ایسے شیعہ علماء موجود تھے۔جن کے یہاں دلدار علی کے علم کی کوئی حیثیت نہ تھی۔اور جن کی وجہ سے دلدار علی کو دولت کمانے اور غلط نظام جاری کرنے کا یہ موقعہ ملا تھا۔

(14) <u>دلدار علی شیعہ تحریک کی سرپرستی میں آگے بڑھتے ہیں</u>

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ لکھنؤ میں دلدار علی نے جو تدریجی نظام اجتہاد قائم کیا تھا۔اُس نے تمام اہل قلم حضرات کو روزی سے بے فکر کر کے ایک جھوٹی قلم کاری اور تاریخ نگاری شروع کی اور جو کچھ بعد کے محققین کو ملا وہ سب دلداری چمچوں کا مرتب کردہ سامان تھا۔اس سلسلہ میں جو تاریکی پھیلائی گئی اس کا حال سنئے ! :۔

(الف) ’’۔شمالی ہندوستان میں شیعت کا سب سے اہم مرکز لکھنؤ ہے۔وہاں کی ادبی اور ثقافتی تاریخ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔شیعہ علما پر بھی مستقل کتابیں ممتاز لکھنوی اہل قلم نے لکھی ہیں۔لیکن اُن کی زیادہ شہرت نہیں ہوئی اور شیعہ علما کے حالات سے عام طور پر بے خبری ہے۔‘‘(رودکوثر صفحہ 631)

اس کے بعد علامہ اکرام اللہ نے دلدار علی اینڈ کمپنی کے حالات لکھے ہیں۔یعنی دلدار علی سے پہلے کے علمائے شیعہ کے حالات تاریکی میں دفن کرنے کا کاروبار دلدار علی اینڈ کو نے کیا تھا۔اور سوائے اپنے باقی تمام علماء کو پردہ خفا میں چھپا دیا تھا۔

(ب) <u>نواب آصف الدولہ کی مذہبی سرپرستی</u>

مؤلف فضائل صحابہ واہلبیتؑ لکھتے ہیں کہ:۔

(1) ’’۔چونکہ آصف الدولہ کے دَور میں علاقہ روھیل کھنڈ میں خاص طور پر شیعہ مسلک کی تبلیغ و اشاعت ہوئی۔آصف الدولہ کو اُن کے نائب سرفراز الدولہ نواب حسن رضا خان کی وجہ سے اس معاملہ میں خاص دلچسپی تھی۔مولوی سید عبدالحئی مصنف گل رعنا (صفحہ 153-152) لکھتے ہیں کہ:۔

(2) ’’۔نواب آصف الدولہ کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔کہ لھو و لعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انہوں نے دل سے کوشش کی۔اُن کے نائب حسن رضا خان بھی مذہبی آدمی تھے۔وہ بھی اس کوشش میں لگے رہتے تھے۔اُن کی کوششوں سے ہزاروں خاندان سنی سے شیعہ ہوگئے۔اور اُن کو جاگیریں ملیں اور جو اپنی ضد پر قائم رہے۔اُن کی

جاگیریں جوشاہانِ مغلیہ کے زمانے سے چلی آتی تھیں ضبط کی گئیں۔''(43-42 فضائل صحابہ واہلبیتؑ)

اس کے بعد وہ فارسی کی عبارت پوری لکھی ہے۔جس کا غلط ترجمہ جناب مہدی صاحب نے کیا تھا چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

(3) ''۔سید غلام علی نقوی مصنف عماد السعادت (صفحہ 137) لکھتے ہیں''۔بانی جمعہ و جماعت دراثنا عشریاں اُو (حسن رضا خان) بودہ است۔'' اثنا عشریوں میں جمعہ و جماعت کا بانی حسن رضا خان تھا۔'' ذرا دیر میں معلوم ہوگا کہ جس جمعہ و جماعت کا تذکرہ ہورہا ہے۔حسن رضا خان بھی اس کا بانی نہ تھا۔چہ جائیکہ غفراں مآب کے سر پر سہرا باندھا جاسکے۔

(ج) <u>وہ بے مثل عالم جس نے دلدار علی کو پیش نماز مقرر کرایا</u>

اب ایک ایسا بیان پڑھیئے جس میں واقعات کے پیش کرنے میں نہایت بے تکا پن ہے۔ترتیب کا ستیاناس مار دیا گیا ہے۔بہرحال اس ڈھیر میں موجود سب کچھ ہے۔غالباً قیصر التواریخ کے مصنف جناب کمال الدین حیدر مشہدی بھی واقعات کو بے اثر بنانے کی مہم میں شریک تھے۔واقعات کا ڈھیر یوں لگاتے ہیں کہ:۔

(1) ''۔دوسرا امر حسناتِ دینی سے یہ ہوا کہ لکھنؤ میں مومنین برائے نام شیعہ تھے۔اور اپنی عدم واقفیت سے اعمال عوام خلاف بھی کرتے تھے۔اس قدر ضروریاتِ مذہب سے آگاہ نہ تھے۔اور بعض جواز راہ علم واقف تھے۔طریقہ ہدایت پند و وعظ و جماعتِ نماز علی رؤس الاشہاد نہ کہہ سکتے تھے۔ہر چند اپنے ایمان میں کامل تھے۔یہ ترقی شریعت محمدی کی فقط مرزا حسن رضا خان کی جہت سے ہوئی۔اتفاقاً اُسی زمانہ میں مرزا جواں بخت شاہزادے وفرزند (بادشاہ) شاہ عالم ثانی مہمان جناب عالیجناب آصف الدولہ تھے۔کس واسطے کہ وہ سُنّی تھے۔پہلے نماز جمعہ جماعت میں جناب عالی آصف الدولہ بھی شریک ہوئے۔جناب غفراں مآب سید دلدار علی زیارت عتباتِ عالیات اور تحصیل کتب فقہ امامیہ اور اجازت جہاد (اجتہاد) جناب میر سید علی صاحب طباطبائی سے کر آئے تھے۔صالحین مقدسین جو اُس زمانے میں صاحب احتیاط مشہور تھے۔اُن کے صلاح ومشورے سے جناب غفراں مآب کا جانا بھی عتبات عالیات کا ہوا تھا۔بہ نظر یہ احتیاط امامت نماز اپنی گورانہ کی ان (دلدار) کے واسطے تجویز کی تھی۔وگرنہ جناب غفراں مآب مرزا حسن رضا خاں کے بیٹے کے معلم تھے۔غرض غفراں مآب پیشوا و مقتدائے مومنین ہوئے۔چنانچہ اُن کے فیضان صحبت سے بہت سے شیعہ نکلے۔بہت سے شاگرد رشید ہوئے۔جن کی تعلیم وتلقین سے اکثر جاہل ناواقف اپنے اعمال خلاف سے باز رہے۔توفیق ہدایت پائی۔اور رواج درس وتدریس وتصانیف ہونے لگا۔اور دستخط احکام مسائل اثنا عشریہ جاری ہوئے۔''(قیصر التواریخ جلد اول صفحہ 114-113)(فضائل صحابہ صفحہ 44-43)

(د) <u>دلدار علی کا تمام راز فاش ہوگیا۔ذاتی مقام کچھ نہ تھا</u>

قارئین اس طویل اور بے ہنگم ڈھیر میں یہ حقیقت موجود ہے کہ جناب دلدار علی کو ایک مقدس عالم کی سفارش پر

زیارت اور تحصیل علم کیلئے بھیجا گیا تھا۔ جب وہ واپس آ گئے تو حسن رضا خان نے اُنہیں اپنے بیٹے کی تعلیم سپرد کر دی۔ ابھی تک بادشاہ کو علم نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس مقدس عالم نے سفارش بھی حسن رضا خان صاحب سے کی ہوگی۔ بہر حال اُس مقدس عالم نے اپنے طرز احتیاط کو برقرار رکھا اور بداحتیاطی کیلئے دلدارعلی کو نماز جماعت پر تعینات کرایا۔ ورنہ وہ حسن رضا خان نائب سلطنت کے بیٹے کے استاد ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر یہ قابلیت نہ رکھتے تھے کہ مقدس عالم کی سفارش کے بغیر اُن کو پیش نماز بنا دیا جاتا۔ چنانچہ دلدارعلی صاحب اگر عالم و مجتہد بنے تو یہ اُس مقدس عالم کا صدقہ و سفارش تھی۔ اور اگر وہ پیش نماز بنے تو اُسی عالم نے بنوایا۔ اور نماز جمعہ و جماعت کے قیام کا سہرا باندھا جاسکتا ہے تو بھی وہی مقدس عالم اس کا حقدار ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ دلدارعلی جو کچھ بھی ہے وہ اس مقدس عالم کے صدقہ میں تھے۔ اور وہ تمام بیانات جن میں مہدی صاحب نے دلدارعلی کو بلند کر کے آسمان پر بٹھا دیا تھا خالص بکواس وفریب ہیں۔ پھر اس ڈھیر میں تخت دہلی کا ولی عہد بھی دبا دیا گیا ہے۔ اور یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کے سُنّی المذہب ہونے کا تذکرہ کس غرض سے کیا ہے؟ یعنی یہ ڈھیر لگانے والا شخص بھی دراصل دلدارعلی کے یہاں وظیفہ خوار ہے۔ اور اس نے بھی حق نمک کا کافی خیال رکھا ہے۔ اور اس مقدس بزرگ کا نام لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

(2) <u>دلدارعلی کو شیعوں کی قیادت عطا کرنے والے دو بزرگ</u>

سید عبدالحئی گل رعنا میں لکھتے ہیں (صفحہ 154) کہ:۔

''۔شاہ اکبرعلی چشتی مودودی کے مشورے اور ملا محمد علی فیض آبادی کی تحریک سے نواب حسن رضا خان نے جمعہ و جماعت قائم کر کے سب سے پہلے مولوی سید دلدارعلی نصیرآبادی کی اقتداء میں 13 رجب 1200ھ کو نماز ادا کی۔ یہ پہلا دن ہے۔ کہ وسط ہند میں شیعوں نے اپنا جمعہ و جماعت علیحدہ کر لیا۔ نائبِ امام کی حیثیت سے مجتہدین کے ہاتھ میں زمام مذہب دی۔''
(صفحہ 45-44 فضائل صحابہ)

یہ تھے وہ بزرگ ترین شیعہ علماء جنہوں نے دلدارعلی کو پیش نماز بنوایا تھا۔ اور مہدی یا کسی دوسرے چمچے نے اس لئے ذکر نہیں کیا کہ اس ذکر سے دلدارعلی کی وہ فرضی پوزیشن نہ بنتی تھی جس کا دلدار اینڈ کمپنی نے پروپیگنڈا کرنا تھا۔ مخالف مورخین کے دباؤ اور خوف سے اُس زمانے کے اہل قلم اصل حقیقت بیان کرنے پر مجبور تھے۔ مگر پھر بھی مُلاّ عبدالقادر بدایونی والی ٹیکنیک ضرور استعمال کرتے تھے۔ تاکہ ایک دم نہ سہی رفتہ رفتہ صرف دلدارعلی اینڈ کمپنی ہی میدان میں رہ جائے سنئے! ایک پرانا مؤرخ طرفدارانہ لب ولہجہ میں لکھتا ہے کہ:۔

(3) دلدار علی کا علم حضرت ملا محمد فیض آبادی کے سامنے

اُسی دوران تمام فاضلوں کے راہنما اور تمام صاحبان عزت کے اور اپنے ہم مثل لوگوں کے فخر اور درگاہ خداوندی میں مقبول بزرگ جناب محمد علی کشمیری نے کہ جن کا لقب بھی بادشاہ تھا۔ اور جنھوں نے علم فقہ واجتہاد کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا اور فی الحال فیض آباد میں مقیم تھے۔ خدا اُن پر رحمت کرے انہوں نے نماز جمعہ کی فضیلت کو احادیث معصومین علیہم السلام اور دوسرے مضبوط دلائل کے ساتھ ایک کتاب میں لکھا اور کتاب میں جناب آصف الدولہ کو مخاطب کیا اور اُسی کے نام پر کتاب کو منسوب کیا پوری کتاب میں پانچ ابواب ترتیب دیئے۔ چوتھے باب میں اُن تین اشخاص کے نام لکھے جو آنجناب کے نزدیک پیش نمازی کی قابلیت رکھتے تھے۔ پانچویں باب میں آصف الدولہ کے وزیر کو مخاطب کیا۔ اور یہ کتاب آصف الدولہ بادشاہ کو بھیج دی۔'' (صفحہ 46-45 فضائل صحابہ)

دریں اثناء قدوۃ الا فاضل وفخر الا ماجد والا ماثل مقبول بارگاہِ اِلٰہ محمد علی کشمیری مُلقب بہ بادشاہ طاب ثراہ کہ در علم فقہ علَمِ اشتہار بر افروختہ و در فیض آباد رحل اقامت انداختہ بود در رسالہ در بیان فضیلتِ نماز جمعہ کہ از احادیثِ ماثورہ وغیر آں بادلّہ شرعیہ واضح است تالیف نمودہ وخطبہ آں را بنام نامی جناب نواب مرحوم آصف الدولہ مزّین فرمودہ و در پنج باب مبوّب گردانیدہ و بابِ چہارم آن را متضمن اسامی سہ کس را کہ بر طبق تحقیق شاں دریں بلاد قابلیتِ پیش نمازی داشتند نوشتہ۔ باب پنجم را متضمن التماس کہ بخدمت وزیر المما لک نواب آصف الدولہ مرحوم کردہ و در آں رسالہ مندرج ساختہ مرسل نمودہ (نجوم السما صفحہ 347)

(4) دلدار علی کو مُلّا محمد علی اعلی اللہ مقامہ نے اجازہ نماز دیا

یہ ہیں تحریک تشیع کے علمائے شیعہ جو خود جا کر بادشاہ سے درخواست کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ جو حکم لکھ کر بھیجا جائے گا اس کی بلا چوں چرا تعمیل کی اور کرائی جائے گی۔ چنانچہ نجوم السما میں اقرار کر لیا گیا ہے کہ:۔

''۔ ملا محمد علیؒ کی بات نواب مرحوم آصف الدولہ کے دل میں جم گئی۔ اور اس طرح تہیہ کر لیا کہ جب سرکار مولانا اپنے وطن سے لکھنؤ تشریف لایا کریں گے۔ تو اُن کو نماز پڑھانے کی تکلیف دیا کروں گا۔ چنانچہ اس کے بعد نواب مرحوم آصف الدولہ نے نماز با جماعت بجالانے کے احکامات بڑے شدّ ومد سے جاری کر دیئے۔''

''۔ سخن مُلّا محمد علی در دل نواب مرحوم آصف الدولہ استقرار یافت وچناں تعیم فرمود کہ ہرگاہ اتفاق مراجعت جناب مولانا از وطن بہ بلدہ لکھنو افقد تکلیف گذاردنِ نمازِ جماعتِ بآں عالیجناب نماید افتاد۔ نواب جنت مکان التماس گذاردن نماز بجماعت فرمود و دریں باب مبالغہ از حد گذرایند (نجوم السماء صفحہ 349 ،صفحہ 46 فضائل صحابہ واہلبیت)

(5) دلدارعلی بے اثر شخص اور علامہ محمد علی حکومت پر حاوی

آپ نے مہدی صاحب کے درجنوں جھوٹے اور فرضی بیانات ملاحظہ کیے ۔لیکن اُن میں کہیں بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نواب آصف الدولہ پر دلدارعلی کا کبھی بھی کوئی اثر تھا۔لیکن علامہ محمد علی کے متعلق سنئیے:۔

''۔جس وقت کہ ان شہروں میں غفراں مآب نے جمعہ اور جماعت کو قائم کیا اور شریعت کے رواج جاری کئے تو یہ سب کچھ اس لئے ظہور میں آیا کہ بادشاہ آصف الدولہ اور اُس کا وزیر مرزا حسن رضا خان دونو جناب علامہ محمد علی اعلی اللہ مقامہ کے بڑے عقیدتمند تھے ۔ چنانچہ علامہ کی ترغیب اور ثواب کے وعدوں کی بنا پر بادشاہ نے قبول کرلیا۔''

''۔ وقتے کہ جناب غفراں مآب دریں بلاد بنائے اقامتِ جمعہ و جماعت فرمودہ واشاعتِ شعائرِ شریعت نمودہ ۔ باعثِ آن مُلّا محمد علی مذکور شد۔ کہ بترغیب وتحریص اُوایں امر خیر از نواب آصف الدولہ ووزیرش نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خان مرحوم کہ ازعقیدتمندان مُلّا علی بودند بظہور پیوست۔''(نجوم السما 351)(صفحہ 45 فضائل صحابہ)

قارئین اگر غور فرمائیں کہ جن شیعہ علماء نے دلدارعلی کو عالم بنوایا پھر اُسے لکھنؤ میں پیش نمازی اور ظواہر شریعت کے احکام پر تعینات کرایا۔اُن کا احسان تو کہاں اُن کا تذکرہ تک نہ کیا۔ بلکہ انہیں بیچ سے قطعاً غائب کر کے دلدارعلی کو علم کا بانی، اسلام کا سب سے پہلا مبلغ، صحیح اسلام کی ابتدا کرنے والا اور پہلا مجتہد اور عالم بنا کر ساری قوم کو گمراہ کیا۔ بتایئے کہ ہم اس احسان فراموش گروہ کو کس طرح اچھے الفاظ سے یاد کریں؟ یہ سبب تھا کہ ہم نے اُن کے لئے بھول کر بھی کلمہ خیر نہ لکھا۔اس لئے کہ حقیقت ہمارے دماغ میں برابر تڑپتی رہی اور ہم مہدوی بکواس اور دروغ بافیاں پے در پے لکھتے رہے۔

(6) دلدارعلی کے سرپرست، جناب محمد علی کو پھر دیکھیں

علامہ محمد علی رحمۃ اللہ کی علمی قابلیت اور شخصیت سارے ہندوستان میں مسلمہ حیثیت رکھتی تھی۔انہوں نے جس نیت سے دلدارعلی پر توجہ دی۔انہیں عراق وایران بھجوایا، واپسی پر اُنکی روزی اور شرعی مسائل کی تبلیغ کا انتظام کیا، یہ کام وہ ساری زندگی کرتے رہے تھے۔اسی قسم کے بزرگ علمائے شیعہ نے مذہب اہلبیتؑ کو ہندوؤں اور مخالفوں میں پھیلایا۔رہ گیا نماز روزہ اور دیگر روزانہ کے احکام یہ تو ہماری مستورات اور عام شیعہ حضرات جانتے ہیں۔جو کام دلدارعلی کو سونپا گیا تھا وہ نہایت آسان تھا۔تیار شدہ قلوب واذہان کو نماز کی ترکیب وترتیب سکھا دینا اور بنے بنائے شیعہ مومن کو چند احکام سنا دینا۔اس میں نہ کسی خاص علم کی ضرورت ہے نہ قوت قدسیہ اور دل میں اتر کر انقلاب ذہنیت پیدا کرنے والی آنکھوں اور زبان کی ضرورت ہے۔ایک معمولی مسجد کے مُلّا کا کام تھا جو دلدارعلی کو سونپا گیا تھا۔وہ اگر چاہتے تو اپنے طرزِعمل سے ملت شیعہ کی خدمت کرتے۔لیکن

اُنہوں نے آصفی دور میں جو اسکیم بنائی اس میں مذہب شیعہ کی روح وتاثیر کو فنا کر دیا اور اپنے مسلک کو شیعوں میں راسخ کرنے اور شیعہ سنی محاذ بنا کر نفرت وحقارت وتفرقہ پیدا رہنے کے انتظام کر گئے۔ بہر حال علامہ محمد علی کشمیری کو ایک نئے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:۔

''۔اس زمانہ میں فیض آباد میں جو لکھنؤ کے فروغ سے پہلے کچھ عرصے تک اودھ کا دارلحکومت رہا، مُلّا محمد علی کشمیری کا بڑا شہرہ تھا۔ وہ مُلّا عبدالحکیم (شیعہ عالم) کشمیری کے شاگرد تھے اور کشمیر سے آ کر فیض آباد مقیم ہو گئے تھے۔ اُن کی زیادہ توجہ علم فقہ (جسے مجتہد حاصل کرتا ہے) پر تھی۔ اُنہوں نے فضیلت نماز جماعت پر ایک رسالہ لکھا۔ جس میں نواب آصف الدولہ کی توجہ اس طرف دلائی کہ اُس کے ملک میں مولانا سید دلدار علی جیسا (جدید یا نوشیعہ) دیندار اور مجتہدین کربلا ومشہد کا مانا ہوا عالم موجود ہے جو پیش نماز ہونے کے ہر طرح لائق ہے۔ اگر نواب نماز پنجگانہ اس کے پیچھے پڑھیں تو ہر جگہ نماز با جماعت کا رواج ہو جائے گا۔ نواب نے ملا محمد علی کشمیری کا یہ مشورہ قبول کیا اور مولانا دلدار علی کو نماز جماعت میں پیش امام بننے پر آمادہ کر لیا۔ اور اودھ میں ایک نئی مذہبی زندگی کا آغاز ہوا۔'' (صفحہ 633 رود کوثر)

چونکہ دلدار اینڈ کمپنی کے اہل قلم نے اپنے مشن کی اس قدر ڈھول اڑائی ہے کہ بعد کے مورخین بہر حال متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ پھر یہ سمجھ کر بھی احترام کرتے ہیں کہ آخر ایک مسلک کے علماء کہلاتے ہیں۔ لہٰذا اس بیان میں سے جو نئی حقیقت سامنے آتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ جناب علامہ محمد علی کشمیری نے آصف الدولہ کو پانچوں وقت نماز میں شرکت کا حکم دیا تھا۔ اور اس کی تعمیل ہوئی تھی۔

(7) ملتِ شیعہ کی نمازِ جمعہ وجماعت اور خطبہ، ہندوستان میں کب جاری ہوئے

تحریک تشیع کا ہر اقدام ناظرین کے سامنے آ چکا ہے۔ ملتان میں ہمارے آئمہ معصومینؑ کا خطبہ چوتھی صدی میں ببانگ بلند پڑھا جا رہا تھا۔ نماز جماعت ہندوستان میں قدیم الایام سے ہوتی چلی آ رہی تھی۔ لیکن ریکارڈ کی دقتیں اور مخالف محاذ کی حکومتوں نے سر توڑ کوشش کی کہ نماز جمعہ وجماعت تو الگ، شیعوں کو ایک جدید ترین، کمزور ترین اور غلط ترین مذہب ثابت کریں۔ اور بالکل یہی کوشش دلدار علی اینڈ کمپنی نے جاری رکھی۔ اس کمپنی سے کہہ دو کہ تم مذہباً بھی کاذب ہو اور تاریخ بھی تمہیں منافق اور دروغ باف ثابت کر رہی ہے انہیں سناؤ کہ:۔

''۔ ہندوستان کی (متفقہ) تاریخ میں سب سے پہلے ماہِ جمادی الاول 908 ہجری میں اعلانیہ نماز جمعہ وجماعت شروع ہوئی اور خطبہ میں آئمہ معصوم علیہم السلام کے اسمائے متبرکہ داخل ہوئے اور پنجوقتہ اذانوں میں ولایت وخلافت بلافصل کا اعلان شروع ہوا۔'' (بساتین السلاطین ابراہیم زبیری بستان اول صفحہ 9)

قارئین انصاف کریں کہ کیا دلدار علی اینڈ کمپنی کاذب نہیں ہے؟ کم ازکم اس قدر تو جان لیں کہ یہ قطعاً جاہل گروہ تھا۔ جسے تاریخ کا اَتا پتا نہ تھا۔اور تاریخ معلوم تھی تو پھر دلدار اینڈ کمپنی ہمارے مخالف محاذ کی طرفداری میں شیعوں کے آثار کو مٹانے اور چھپانے میں مصروف تھی۔گویہ تینوں جرائم ثابت ہیں۔مگر کم ازکم تو دشمن کو بھی ماننا پڑے گا۔

(8) دلدارزدہ دماغوں کے لئے تاریخ ہند پر ایک طائرانہ نظر

تحریک تشیع کے ریکارڈ میں مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا تعارف ہندوستان میں 11 ہجری سے ہو چکا تھا۔مگر امتدادِ زمانہ اور مخالف محاذوں کے مٹانے کے باوجود جو کچھ اب تک تاریخ میں موجود ہے۔اس کی روشنی میں حضرت علی علیہ السلام کے دور حکومت میں سندھ کا سب سے پہلا فاتح ایک شیعی مجاہد حارث بن مرۃ العبدی ہے۔جس نے بلاذری کے مطابق 39 ہجری کے اوائل میں صوبہ سندھ کو اسلامی قلمرو میں شامل کرلیا تھا۔(تاریخ فتوح البلدان صفحہ 438 طبع مصر از علامہ بلاذری)

اس زمانہ میں ہندوستان کے تمام سواحلی علاقے شیعہ آبادکاروں سے چھلک رہے تھے۔اوراُن ہی کے تحفظ واثر ورسوخ کو بڑھانے پر علی مرتضیٰ علیہ السلام سندھ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔شنشی نسل پوری کی پوری دوستداران وموالیانِ اہلبیتؑ تھی۔ہندوستان کے تمام سرحدی علاقوں پر قابض اور متصرف چلی آ رہی تھی۔اور حسب موقعہ مسلمانوں کی ہر داخلی مدد و راہنمائی کرتی رہتی تھی۔اس قوم کا مورث اعلیٰ شنشپ صحابہ مرتضویؑ میں شمار تھا۔اور آپؑ کی طرف سے اس قوم کے تمام مقبوضات پر حاکم مقرر تھا۔اسی حکومت نے آگے چل کر معاویہ کی جاری کردہ تبرہ ولعنت کی رسم کو اپنی قوم اور مساجد میں داخل نہ ہونے دیا تھا۔(طبقات ناصری ابوعمر منہاج جرجانی طبقہ سابقہ عشر صفحہ 39) اور اموی حکومت کا حکم واپس کر دیا تھا۔ ہندوستان اور سندھ کے حالات میں تفصیل سے اُن شنشی رشتوں کا ذکر ہو چکا ہے۔اور حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی والدہ گرامی کا سندھی خاتون ہونا معلوم ہے۔'' (کتاب المعارف ابن قتیبہ دینوری صفحہ 73 اور زید شہید از عبدالرزاق نجفی صفحہ 5)
زیاد ہندی اُن شہدا میں شامل ہیں جو جناب زید کے جہاد میں کام آئے (مقاتل الطالبین ابوالفرج اموی صفحہ 105 طبع نجف)
145 ہجری میں نفس زکیہ کے بیٹے ہجرت کر کے سندھ آئے۔اُن کی شہادت خلیفہ منصور کے حکم سے سندھ ہی میں ہوئی تھی اوراس حیثیت سے خاندان رسولؐ کا سب سے پہلا قتل انہیں عبداللہ اشتر بن عبداللہ بن الحسن المثنیٰ بن امام حسن بن علی علیہم السلام کا تھا۔اوریہی خون تھا جس نے سب سے پہلے اسی سرزمین پر خلافت بلافصل کا اعلان کرایا تھا۔ہمارے لئے سرزمین سندھ اور باشندگان سندھ اس لئے بھی معزز ہیں کہ اس خاک میں خون اہلبیتؑ نے آبیاری کی ہے۔اورنتیجہ میں سندھ نے ہمیشہ شیعان اہلبیتؑ سے وفاداری کی ہے۔منصور کے عہد تظلّم میں سادات کے کئی گھرانے ملتان میں آکر آباد ہوئے۔ اور یہاں رسومات عزاداری سیدالشہداء جاری کی گئیں۔پورے ملک میں اہلبیت علیہ السلام کی مظلومیت اوراُن کے مذہبی

تصورات پھیلتے چلے گئے ۔اورعلوم محمدؐ وآل محمدؐ حاصل کرنے کے لئے ہندوسندھ سے معزز اور بااثر لوگ عراق وعرب جانے لگے۔اورامام جعفرصادق علیہ السلام کے درس میں اُن کی تعداد بڑھتی گئی۔چوتھی صدی ہجری تک ہندوستان میں شیعت کا اس قدر زور ہو چکا تھا کہ مخالف محاذ کی حکومتوں کو اپنا راج خطرے میں نظر آنے لگا۔چنانچہ غزنوی وغیرہ کے حملوں کا یہی سبب تھا۔ لیکن ان کی حرکات مذبوحی سے مذہب حق کا پھیلاؤ تیز تر ہوتا گیا۔بلکہ مخالف مذہب کی طرف سے ہر حملے نے قلوب میں نفرت وعداوت کا بیج بو دیا جو خوب پھلا پھولا۔اورمخالف محاذ کو کائناتی آفات وحادثات نے چاروں طرف سے گھیر لیا اورشیعت نہایت تیز روی سے اندرون ہند بڑھتی چلی گئی،درباروں میں اس نے اپنا خاص مقام حاصل کیا۔مخالف علماء نے قتل کے فتاویٰ دیئے،قبروگورستان کھدوائے گئے،قتل عام کیا گیا،لیکن پے در پے قتل اور گورکنی نے مذہب حقہ کا زور بڑھایا۔شاہی عقائد بدلنا شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ ہمارے علماء نے حکومتوں کو اپنے نرغے میں لے لیا اورمخالف مذہب کو دلوں سے نکال کر باہر کھڑا کر دیا۔انقلاب پر انقلاب آئے،ہر انقلاب مخالفوں کو جھٹکے دے کر زوال کی طرف دھکیلتا رہا۔نویں صدی کے اختتام سے پہلے ہی ملک بھر میں یہ یقین پیدا ہو گیا کہ شیعہ مذہب کو ظلم وطاقت سے مٹا دینا ناممکن ہے۔لہٰذا صلح پسندی اور مصلحت بینی کا آغاز ہو گیا اوراس میں بھی حق کی فتح برابر جاری بلکہ تیز تر ہو گئی۔یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب ادھر ملتان میں میر شہداداور سیدراجو نے مذہب حقہ کو چاروں طرف پھیلایا۔اِدھر کشمیر کے تمام اضلاع میں میر شمس الدین عراقی چھا گئے اورملک دکن میں یوسف عادل شاہ نے شیعت کی دھوم مچا دی۔مُلّا فتح اللہ شیرازی اورعنایت شیرازی نے نہ صرف یوسف عادل شاہ کو شیعہ کر دیا اوراس کے ملک میں شیعت کی تبلیغ کا بازار گرم کر دیا بلکہ علامہ فتح اللہ شیرازی نے شہنشاہ اکبر کے نظام حکومت کو سراسر مذہب شیعہ کے زیور سے آراستہ کر دیا۔اکبر کا دربار شیعہ علماء اور دانشمند فضلا سے بھر گیا۔حکیم ابوالفتح گیلانی اورحکیم ہمام،میرزا عبدالرحیم خان خاناں،ابوالفضل اورفیضی ایسے بزرگان شیعہ اور بے نظیر علماء نے اکبر کے حالات کو قطعاً تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اورمخالف مذہب کی جڑیں نکال کر سوکھنے کو ڈال دیں۔

دلدار اینڈ پارٹی کہتی ہے کہ دلدار نے مذہب شیعہ یا صحیح اسلام کی بنیاد رکھی ۔ یہ بکواس بھی کی کہ اس سے پہلے ہندوستان میں کوئی شیعہ عالم تھا ہی نہیں ۔گویا ہندوستان میں شیعت کی تاریخ اسی خبیث ٹولے سے شروع ہوئی ہے۔اُن جاہلوں نے قوم کو بتایا کہ وہ پہلا عالم اور مجتہد تھا۔حالانکہ شہید ثالث کا تو مزار بھی یہیں ہے۔اُن کے علمی جواہر پارے ہندوستان میں بکھرے ہوئے ہیں۔اُن کی قوت اجتہاد پر ساری دنیا کے اپنے پرائے علماء حیران ہوتے رہے ہیں۔اس کذاب گروپ کے ہمنوا چمچوں نے شہید ثالث کے لئے مشہور کیا کہ وہ تقیہ کرتے یعنی مذہب شیعہ کو چھپاتے تھے۔کوئی انہیں ملاعبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ دکھائے اور بتائے کہ تم تو شیعوں میں منافق ہو وہ جناب تو خود شیعہ اورشیعہ گر تھے۔لیکن

دلدار گروپ نے واقعی سابقہ تمام شیعہ علماء اور اُن کی مذہبی خدمات کو نہ صرف چھپایا۔ بلکہ شیعوں میں ایسا طاغوتی مذہب جاری کیا جس نے رفتہ رفتہ محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل میں تخفیف شروع کی۔ عزاداری کی رسومات پر بدعت کا اتہام لگا کر اُسے روکنے کی کوشش کی، قومی تعلیم و تربیت کو بدل دیا، تصورات اور اذہان میں تبدیلیاں پیدا کیں، مناظروں اور لعنت و تبرا کا اموی طریقہ اختیار کیا، اہلسنت میں نفرت پیدا کر کے اُن کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے۔ شیعوں کو جاہل رکھا تا کہ اُن کی زبان سے تاثیر نکل جائے۔ مخلوط تعلیم سے تعاون کیا کہ شیعہ بچوں کے ذہن بدل جائیں۔ عبادات و مجالس پر اجرت کی رسم نکالی کہ قوم کو رفتہ رفتہ قلاش کر دیا جائے۔ الغرض ملتِ شیعہ کو اقوام عالم سے باہر نکال کر فنا کے دروازے پر منتظر کھڑے ہیں۔ اور ہم یہ کتاب لکھ رہے ہیں کہ قوم اپنے دشمن کو پہچانے اور تباہی کے راستے سے واپس پلٹ آئے۔

(9) وہ علمائے شیعہ کہ دلدار کو چپراسی بھی نہ رکھیں

مہدی صاحب نے اس اٹامک ایج میں شیعہ قوم کو اپنا پرانا پروپیگنڈا سنایا ہے۔ کہ علامہ دلدار ایسا عالم نہ پہلے ہوا اور نہ آئندہ دیکھا گیا۔ مہدی سے کہئے کہ وہ اپنی جہالت کا چشمہ ہٹا کر تاریخ کا یہ بیان پڑھیں اور دیکھیں کہ دلدار ہی کے زمانہ میں، آصف الدولہ کی حکومت میں ایک ایسا عالم موجود تھا کہ جس کے پیش کار بھی علامہ دلدار علی کو بیس سال اور پڑھا سکنے کی قابلیت رکھتے تھے۔ سنئے! اور احترام کے لئے سر جھکا لیجئے:۔

(1) علامہ تفضّل حسین کاشمیری

''۔ مذکورہ بالا بزرگوں کے علاوہ اور کئی شیعہ علماء نے اس زمانہ میں شہرت پائی۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس زمانہ میں جب فرقہ وارانہ اختلاف زوروں پر تھے۔ سب سے زبردست شیعہ عالم ایک ایسا بزرگ تھا۔ جس نے اختلافی مسائل پر کچھ نہیں لکھا۔ یعنی علامہ تفضّل حسین خان کشمیری۔ نجوم السما میں اُن کے متعلق لکھا ہے کہ ''۔ در تشیع غالی و نور ولائے آئمہ اطہار صلوٰۃ اللہ علیہم از سیمائے او لامع۔'' (عقائد میں غالی شیعہ تھے اور آئمہ اطہارؑ کی ولایت کا نور اُن کے چہرے پر چمکتا تھا۔ احسن) (رودکوثر صفحہ 639)

یہ تھے وہ عالم جن کو ہم تحریک تشیع کا عالم کہتے ہیں۔ آگے چل کر مسلسل لکھا ہے کہ:۔

''۔ وہ کشمیری الاصل تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں تربیت پائی۔ فلسفہ و حکمت میں تکمیل بنارس جا کر شیخ علی حزین سے کی۔ اور تصنیف و تالیف و درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ وہ علوم ریاضی کے بڑے ماہر تھے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ لاطینی اور یونانی خوب جانتے تھے۔ حکمائے مغرب کی کئی کتابیں اُنہوں نے عربی میں ترجمہ کیں۔ اور جبر و مقابلہ۔ مغربی علم ہیئت۔ ہندسہ اور طبیعات کی کئی مستقل کتابیں خود لکھیں۔ نماز ظہر سے پہلے فقہ امامیہ اور اس کے بعد فقہ حنفی کا درس

دیتے تھے۔آصف الدولہ نے انہیں لکھنؤ بلا کر اپنا نائب السلطنت مقرر کر دیا۔لیکن وہ اس کام سے خوش نہ تھے۔اور دنیاداروں کا طریقہ اختیار کرنے سے انہوں نے انکار کر دیا۔انہوں نے نیابت کے زمانہ میں بھی اپنی سادگی برقرار رکھی۔اور دروازے پر دربان تک مقرر نہ کیا۔جو عرضدار آتا سیدھا اُن تک پہنچتا۔اور ہر وقت حاجتمندوں کا ہجوم رہتا۔آصف الدولہ کی مسند پر نواب سعادت علی خان بیٹھا (یعنی بادشاہ بنا) تو اس نے بھی آپ کی نیابت کو برقرار رکھنا چاہا۔لیکن آپ استعفیٰ دے کر کلکتہ چلے گئے۔اور گوشۂ عزلت میں اپنے علمی مشاغل اور مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔لیکن اب دماغی محنت اور کثرتِ کار کی وجہ سے آپ کی صحت تباہ ہو چکی تھی۔1799ء عیسوی میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔اور دماغ بھی متاثر ہو گیا۔جب کلکتہ میں علاج سے فائدہ نہ ہوا تو تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے لکھنؤ کی طرف روانہ ہوئے۔لیکن لکھنو پہنچنے سے پہلے موت کا پیغام آ پہنچا اور یکم مارچ 1801ء کو وفات پا گئے۔'' انااللہ وانا الیہ راجعون (صفحہ 640۔639 رود کوثر)

(10) قارئین سے اپیل

یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد یہ بتائیں کہ اگر علامہ تفضّل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی دربان رکھتے؟ اور کوئی یونانی یا لاطینی زبان بولنے والا آتا؟ یا انگریز آجاتا تو وہ دربان اس کی بات کیسے سمجھتا؟ یعنی علامہ کے دربانوں اور چپراسیوں کو بھی کم از کم ایسا ہونا چاہئے تھا کہ وہ ہر ملاقاتی کا تھوڑا بہت مطلب سمجھ کر چہرے سے دوست دشمن کا اندازہ لگا کر باریابی کی اجازت مانگتے۔اب سوچئے کہ کیا دلدار علی اس قابل تھے کہ انہیں چپراسیوں میں یا دربانوں میں جگہ مل جاتی؟ یاد رکھئے کہ ہماری لکھی ہوئی بعض باتیں اس لئے گراں گذرتی ہیں کہ کان غلط گفتگو اور خوشامدانہ لب ولہجہ کے عادی ہو گئے ہیں۔اور دلدار اینڈ کمپنی نے دوسوسال کے اس طویل عرصے میں ہر مذہبی حقیقت کو اُلٹا کر پہن لیا ہے۔کئی مستقل اقدار کو بدل کر رکھ دیا ہے۔علامہ تفضّل حسین صاحب ہمارے دماغ میں تڑپ رہے تھے۔اور ہم مہدوی بکواس،غپ شپ اور دروغ بافیاں لکھ رہے تھے۔قارئین کو کیا معلوم کہ ہم کیوں بے چین ہیں۔بہرحال ٹھنڈے دل سے سوچئے اور کسی نیک دیانتدار دلداری سے دریافت کیجئے کہ علم الہئیت اور طبیعات و مابعد الطبیعات تو الگ، کیا اس ٹولے میں آج تک کوئی ایک عالم اس مرتبہ کا ہوا ہے؟ جو اتنی زبانوں میں ماہر ومصنف ہو۔چلو یہ صحیح نہ سہی، یہ دریافت کرو کہ کیا دلداری گروپ کے سب علماء مل کر اُن زبانوں میں مہارت رکھتے تھے؟

لاحول ولاقوۃ۔ہم جہلا سے عالمانہ سوالات کا مشورہ دے رہے ہیں۔ہمارے ہم مذہب مانیں یا نہ مانیں مگر ہم بانگ دہل کہتے ہیں کہ یہ دلداری گروپ وہ آکاش بیل ہے جو درختوں اور پودوں پر پھیل جاتی ہے تو انہیں خشک کر دیتی ہے۔اس نے شیعہ جسم کا لہو چوس لیا ہے۔یہ شیعہ نسل کے بچوں کی ہڈیوں کا گودا پی رہی ہے۔ہو سکے تو ملت شیعہ کو اس منحوس بیل سے نجات دلاؤ۔ہم اس کی مختصر کارگذاریاں دکھانے والے ہیں۔فی الحال اُن کے ہم عصر چند اور علماء کا ذکر سن لیں۔اور یہ سوچتے جائیں کہ اُن لوگوں

نے شیعہ قوم کو کس قدر فریب میں رکھا کہ دلدار علی آصف الدولہ کے اواخر دورِ حکومت میں اور سعادت علی خان کے اوائل دورِ حکومت میں موجود رہے۔ اور یہ گروپ اس قدر بے حیا اور احسان فراموش ہے کہ کہیں بھی مولانا تفضّل حسین صاحب کا ذکر نہیں کرتا۔ حالانکہ دلدار علی اُن کے ماتحت رہا، اُن کا دیا ہوا مصرف خیر کا مال کھایا، دولت مند و سرمایہ دار بنا۔

(11) چند شیعہ علماء اور دانشوروں کا تذکرہ دلداروں کے لئے

ہم نے تحریک تشیع کے اثر ونفوذ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اور دکھایا ہے کہ علوم محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم پورے ہندوستان میں مشتہر کردیئے گئے تھے۔ درجہ اجتہاد تک سینکڑوں درسگاہیں ملک میں کام کررہی تھیں۔ شیعت اور عزاداری ہندوؤں، مسلمانوں اور دیگر تمام اقوام میں گھر گھر جاری ہوگئی تھی۔ اورنگزیب ایسے دشمنان شیعہ کو ہمارے علماء نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اورنگزیب کا جانشین علی الاطلاق شیعہ ہوگیا تھا۔ تمام قلمرو میں خلیفتہ بلافصل اذان میں شامل کرنے کے احکامات جاری کردیئے تھے۔ لیکن دلداری گروہ مذہب شیعہ کی تبلیغ کا بانی بنتا ہے۔ تمام شیعہ علماء کی نفی کرکے ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے۔ اسکے مکذوبات کی حقیقت دکھانے کیلئے ہمیں دوبارہ یہ ذکر کرنا پڑا ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ آخری مغل بادشاہ آخر مذہبِ شیعہ اختیار کرکے دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ اور اٹھارویں صدی عیسوی میں پورے ملک میں بڑی بڑی شیعہ حکومتیں برسرتخت آچکی تھیں۔ ریاست مرشد آباد کو اورنگزیب کے معتمد اور محبوب دیوانِ بنگالہ مرشد قلی خان نے قائم کیا اور شیعت کو انتہائی فروغ دیا۔ پھر اودھ کی حکومت قائم کرنے میں پوری پوری مدد کی اور میر محمد امین نیشاپوری سے حکومت اودھ کا افتتاح کراکر اسے مستحکم کیا۔ پھر حکومت رامپور میں شیعت کو پھیلایا۔ اور کئی حکومتوں کے علاوہ خیر پور میں بھی شیعہ حکومت مضبوطی سے قائم ہوئی۔ دہلی کے آخری بادشاہوں کے وزرا بھی شیعہ دانشور تھے۔ مثلاً جناب منعم خان جنہوں نے اذان میں خلیفتہ بلافصل کے لئے بادشاہ کو آمادہ کیا تھا۔ خود اورنگزیب کے وزیر اعظم اسد خان شیعہ دانشور تھے۔ اور سپہ سالار اعظم ذوالفقار خان بھی شیعہ تھے۔ اس کی بیٹی کے استاد زبردست عالم فاضل مُلّا محمد سعید تھے۔ جو مولانا محمد تقی مجلسی کے نواسے تھے۔ نعمت خان عالی اورنگزیب کے زمانہ میں نثر نگار و شاعر دربار تھے۔ اہلسنت علماء نے تو یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ''۔ ہماری علمی و ادبی زندگی میں شیعہ حضرات کا حصہ اُن کی تناسب تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔'' (رود کوثر صفحہ 619) مگر دلداری گروہ کہتا ہے کہ:۔

۔'' دلداری طاغوت پہلا عالم تھا۔ ہندوستان میں پہلا شیعہ مبلغ تھا۔ صحیح اسلام اس سے پہلے تھا ہی نہیں۔ اور وہ پہلا مجتہد تھا۔''

(12) دلدار علی کو جناب سید محمد علی کے سامنے کھڑا کرو

جناب الشیخ اکرام اللہ کی زبان سے تعارف کیجئے:۔

''۔سب سے بزرگ و با اثر علامہ سید محمد علی تھے۔ جن کی پیدائش دکن میں ہوئی۔ لیکن تعلیم ایران کے علمائے کبّار سے

حاصل کی ۔ حج کے لئے مکہ معظّمہ جا رہے تھے ۔ کہ جہاز طوفان میں تباہ ہوگیا۔ اور یہ سندھ کے کنارے پر پہنچے ۔ وہاں سے احمد آباد۔ سورت اورنگ آباد ہگلی۔ لکھنؤ عظیم آباد ہوتے ہوئے پھر حج کو گئے ۔ اور حج اور زیارتوں کے بعد مرشد آباد پہنچے ۔ علی ویردی خان کا چچازاد بھائی برہنہ پا اُن کی خدمت میں پہنچا۔ اور دریا کے کنارے ایک مکان اُن کی اقامت کے لئے نذر کیا۔ سید محمد علی نے یہاں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع کیا ۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں کئی کتابیں تصنیف کیں ۔ مقفّی عربی میں قدیم محققین اور عرفاء کے طریقہ پر حضرت پنجتن پاک کے حالات لکھے ۔ اور ملا محسن کاشی کی علم فقہ کی دو کتابوں کی عربی اور فارسی شرح لکھی ۔ علم نحو میں بھی ایک نامکمل فارسی رسالہ لکھا۔ اوراخوان الصنعا کے کئی نسخے جمع کر کے تحقیق ومقابلہ کے بعد ایک صحیح نسخہ مرتب کیا۔ سیر المتاخرین کا مصنف 1780 عیسوی میں عظیم آباد سے کلکتہ جاتے ہوئے مرشد آباد ٹھہرا اور اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ مرشد آباد کے بیشتر اکابر سید محمد علی کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے۔'' (صفحہ 627-626 رود کوثر)

علم الفقہ اور دیگر علوم کا اتنا زبردست صاحبِ تصنیف عالم موجود وہم عصر لیکن دلدار علی ایسے شخص کو مشہور کیا گیا۔ اور اُن حقیقی علماء کا تذکرہ تک بھی نہ کیا گیا۔ امید ہے کہ دلداریوں سے اس سلسلے میں قارئین مواخذہ ضرور کریں گے۔

(13) یہ دربار دیکھئے اور رُخ دلدار دیکھئے

''۔ علی ویردی خان کے مصروف نظام اوقات میں علمی مجالس کے لئے بھی وقت تھا۔ جب وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوتا۔ تو علمی اور دینی مجلس برپا ہوتی ۔ افاضل وابرار مثل سید الافاضل میر محمد علی فاضل ادام اللہ عزہ وتقی قلی خان وحکیم ھادی خان ومرزا محمد حسین صفوی وفاضلے دیگر ملتانی (جس کا نام مولف سید المتاخرین کو یاد نہیں) دیوان خانے میں تشریف لاتے ۔ سید محمد علی کا اس محل میں جو احترام ہوتا تھا۔ وہ دیکھنے کی چیز ہے ۔ دیوان خانے میں ناظم کی مسند کے بالمقابل اُن کے لئے مستقل مسند رکھی تھی ۔ جس پر ایک بڑا تکیہ پڑا رہتا ۔ جب وہ باہر کے دروازے سے داخل ہوتے اور چبوترہ پر قدم رکھتے ۔ علی ویردی خان اپنی مسند پر کھڑا ہو جاتا اور جب وہ چبوترے اور صحن کا فاصلہ طے کر کے وسیع میدان ایوان عمارت میں داخل ہوتے ۔ تو بُعد وفاصلے کے باوجود علی ویردی خان مسند سے اُتر کر اُن کو باادب سلام کرتا وہ جواب دیتے اور اپنی مسند معینہ پر جا بیٹھتے ۔ اُس وقت علی ویردی خان اپنے پہلو سے ایک تکیہ کو چک (چھوٹا تکیہ) اُن کی خدمت میں پیش کرتا ۔ پھر علما کے لئے حقے لائے جاتے اور قہوے کا دَور شروع ہوتا۔ علی ویردی خان حقہ نہیں پیتا تھا۔ لیکن قہوے میں شریک ہوتا ۔ ابتدائی مراسم ختم ہو جاتے تو فاضل ملتانی کے سامنے تکیہ دھرا جاتا ۔ جس پر امامیہ مذہب کی ایک نہایت اہم کتاب رکھی جاتی ۔ وہ اس میں سے چند اجزا پڑھتے ۔ جن کی تشریح وتفہیم سید محمد علی کرتے ۔ پھر علمی و دینی مسائل پر گفتگو ہوتی دو گھنٹے تک یہ مجلس قائم رہتی ۔ پھر سید محمد علی رخصت ہوتے ۔

اور اُسی احترام و مراسم کے ساتھ جس سے اُن کا خیر مقدم ہوا تھا۔ علی ویردی خان انہیں خیر باد کہتا۔ آہستہ آہستہ دوسرے علما تشریف لے جاتے۔ اور یہ مجلس ختم ہو جاتی۔'' (صفحہ 628-627 رود کوثر)

قارئین سوچیں اور غور فرمائیں کہ اہلسنت علماء کس لب و لہجہ اور احترام و متانت سے ہمارے اُن ذیشان علماء کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مگر جناب مہدی صاحب نے کہیں بھول کر بھی کسی ہم عصر عالم کا ذکر نہ کیا۔ بات وہی ہے کہ ہمارے ان علماء کے سامنے وہ ٹوٹا پھوٹا بے تیل چراغ کہاں جل سکتا تھا۔ اس کی روشنی نظر آنے کے لئے ضروری تھا کہ قوم کو گھپ اندھیرے میں رکھا جائے اور پھر وہ ٹمٹماتا ہوا چراغ دلدار علی، پہلا مجتہد، اولین شیعہ مبلغ کہہ کر ڈیوٹ پر رکھ دیا جائے تاکہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اُس کی جہالت اور شمائل پوشیدہ رہ جائیں۔ چنانچہ دو سو سال بعد ہمارے حصے میں تھا کہ اس شخص کی صحیح پوزیشن اور دشمن شیعہ مشن کی نقاب کشائی کریں۔

(14) ایک اور ہم عصر عالم جنہیں دلدار سلام کرتے تھے۔

یہاں ہم تذکرہ بے بہا، جو خود دلداری معتقدین کا لکھا ہوا ہے، سے چند معاصر علمائے شیعہ کا تذکرہ لکھتے ہیں۔ تاکہ دست خود و دہان خود اُن کی حجامت ہو جائے۔

''۔مرزا صفی قمی اعلی اللہ مقامہ۔ تاریخ جہاں نُما شہر لکھنو کے 1222ھ ہجری کے حالات میں ہے۔ کہ منجملہ اہل علم کے عالیجناب معلٰی الالقاب خجستہ آداب مرزا صفی جو کہ حضرت فاطمہؑ معصومہ قم کے آستانے کے خادم تھے۔ آصف الدولہ کے عہد میں لکھنو آئے اور نواب ممدوح (آصف الدولہ) بہت احترام کرتے تھے۔ تا آنکہ نواب ظفر الدولہ کی بہن سے آپ کی شادی ہوگئی۔ تو آپ لکھنو ہی میں متوطن ہوگئے۔ جامع کمالات و حاوی فضائل ہیں۔ فرزند اکبر وارشد ارجمند عالیشان مرزا جان۔ جوان سلیم الطبع و ذی ہوش علوم مقدمات و حکیمات میں پوری دست گاہ رکھتے ہیں''۔ (صفحہ 193-192 تذکرہ بے بہا فی تاریخ العلما)

یہ ہیں وہ عالم جن کا احترام و اکرام ہی نہیں بلکہ اُن کو حکومت نے اپنا داماد بنا کر عزت حاصل کی اور بے چارے دلدار صاحب کو اپنے محل کا کونہ بھی نہ دیا۔ اور آخر شہر میں عام پبلک کے ساتھ رہنا پڑا۔ یہاں تک کہ اُن کے نام پر کسی نے محلّہ کا نام بھی مفتی گنج کی طرح نہ رکھا۔

(15) جناب مولانا السید عبدالعلی جو دلدار علی سے بڑے تھے

مہدی صاحب نے ہر اس شخص کو دلدار علی کا شاگرد بتایا اور ان سے پہلے بھی یہ مشن چلتا رہا کہ دلدار علی کے شاگردوں میں ہر اس شخص کا نام لکھ دو جس سے خطرہ محسوس ہو۔ خواہ علم و عمر و تجربہ میں دلدار علی سے بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ یہی ترکیب علامہ عبدالعلی کے ساتھ بھی کی گئی تھی جس کا بطلان جلد ظاہر ہوگا۔

۔''جناب مولوی سید عبدالعلی صاحب دیوکھٹوی ضلع غازی پور گوہر منشور میں ہے کہ دیوکھٹیا ایک موضع زنگی پور کے قریب گویا جزءِ زنگی پور ہے۔اسی وجہ سے آپ کو بعض نے زنگی پوری لکھا ہے۔آپ بڑے عالم متبحر تھے۔1162ھ میں (دلدارعلی دیہاتی سے چار سال قبل) پیدا ہوئے۔اور 1183 ہجری میں بغرض تحصیل علم فیض آباد گئے۔وہاں فقیہ کامل ملا محمد علی عرف بادشاہ کشمیری سے تمام وکمال درسی وفقہی کتب پڑھ کر مجتہد ہوگئے۔اور جناب آقا محمد باقر اصفہانی حائری کے اجازہ سے 1200 ہجری میں فیض آباد کی جماعت آپ سے متعلق ہوئی۔اور جناب نواب آصف الدولہ بہادر مرحوم کی جانب سے اس سلسلہ میں ہزار روپیہ (ماہانہ کی) جائیداد معافی عطا ہوئی۔ جواب تک اُن کی اولاد میں ہے۔ اصل وطن (کھٹیا) میں ایک عالیشان مسجد 1222 ہجری میں بنوائی اور 1243 ہجری میں انتقال فرمایا اور جناب نواب صاحب نے یہ تاریخ نظم فرمائی۔

آمد زفیض آباد در قیصر خبان	ترجمہ۔جنت کے محل میں فیض آباد سے وہ ہستی تشریف لائی ہے۔
آن ذو المفاخر متقی آل نبیؑ	جو آل نبیؐ کے متقی حضرات میں سے ہر قسم کے فخر کا حق رکھتے ہیں۔
گفتند تاریخ در دوش قدسیان	فرشتوں کے کاندھوں پر بلند ہوکر انکی وفات کی تاریخ کہی گئی ہے۔
جنت مکان مجتهد عبدالعلی	مجتہد جناب عبدالعلی جنت میں پہنچ چکے ہیں

(مسلسل لکھتے ہیں کہ) اخبار اثناعشری دہلی مورخہ 23 نومبر 1912ء میں جناب مولوی ہارون صاحب زنگی پوری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:۔

علامہ سید عبدالعلی اعیانِ علما اورکملائے معاصرینِ جناب غفراں مآب سے ہیں۔ عالی حضرت رفیع المنزلت سلالۂ احفاد رسولؐ وخلاصہ اولاد بتول نوبادۂ حدیقہ سیادت وسروری۔ وشمشاد گلستان دینداری ودیں پروری۔ دردرج تقدس وکمال، بدر برج رفعت وجلال، غرّہ ناصیہ عبادت وتقاوت قرہ باصرہ زہادت وکرامت۔العبدالحبیب المنیب وسندالاریب الادیب العالم العامل وانوارع الکامل۔الاعبدالازہد المعی السید عبدالعلی کہ اعاظم اتقیائے دیندار واکابر کملائے شعار میں سے ہیں۔ اس زمانہ میں امام جمعہ وجماعت بلدۂ طیبہ فیض آباد میں ہیں۔ حقا کہ حرارتِ دین ورفقائے شرع سید المرسلین میں یگانہ زماں اور یکتائے دوراں ہیں۔''

علامہ سید عبدالعلی غفراں مآب کے ہم عصر کامل لوگوں میں سے ہیں اور اس دور کے بزرگ ترین علماء میں سے ایک ہیں۔ آپ سرداری وحاجت روائی کا چمن ہیں۔ دین داری اور دین پروری کے باغ کا خوش نما درخت ہیں۔ تقدس اور کمال کے سنگھار دان میں مقیم بلندیوں اور جلال کے مکمل چاند ہیں۔ عبادت کی پیشانی کا جھومر اور تمیز۔ زہد وکرامت کی بینائی وٹھنڈک ایک محبوب اور متوجہ رہنے والا بندہ۔ علم الادب کا ماہر اور علوم کی سند۔ایک بالکل کامل، عالم پرہیزگار عامل۔سب سے بڑا عبادت گذار سب سے زیادہ زاہد مجسمہ روشنی سید عبدالعلی تمام دیندار متقیوں کے بزرگ اور مکمل شعار حیات رکھنے والوں کے بڑے سرگروہ ہیں۔ آج کل اِس پاکیزہ شہر

فیض آباد میں نماز جمعہ اور جماعت کے امام ہیں۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کو نافذ کرنے والے رفقا میں سب سے بڑھ کر اور بے مثل ونظیر واحد پوزیشن رکھتے ہیں۔دین میں سب سے زیادہ سرگرم ہیں۔''

اس کے بعد آئنہ حق نما کے حوالے سے یا کسی اور چھچھ ٹائپ کتاب کی سند سے یہ کہنا کہ سید عبدالعلی صاحب قبلہ دلدار کے شاگرد تھے۔ ایک حسب معمول کذب وافترا پردازی ہے۔ اعاظمِ دوران اور یکتائے روزگار ایک ہی شخص ہوسکتا ہے اَعْبد اور اَزْھَد بھی ایک ہی ممکن ہے۔ پھر سید علی قبلہ دلدار علی سے چار سال بڑے تھے۔اور جس زمانہ میں دلدار علی اہل خلاف علماء سے گٹھ جوڑ میں گلیوں گلیوں مارے مارے پھر رہے تھے۔اس وقت جناب عبدالعلی صاحب بادشاہ دین ودنیا جناب محمد علی کشمیری سے باقاعدہ فقہ واصول فقہ پر درس لے رہے تھے۔اور یقیناً سب سے پہلے جناب محمد علی صاحب کشمیری نے فیض آباد میں جمعہ وجماعت قائم کر کے پھر اُس نمونہ پر لکھنؤ میں قائم کرنے کی تحریری اور کتاب کی صورت میں سفارش کی تھی۔ گو بعد میں حاشیہ نشینوں اور چمچوں نے کوشش کی کہ جمعہ وجماعت کے قیام کا سہرا دلدار علی کے سر پر باندھ دیا جائے۔لیکن اس کوشش کے بعد بھی جو چیز کم سے کم ثابت ہے۔ وہ یہ کہ دونو جگہ 1200 ہجری میں جمعہ وجماعت قائم ہوئے تھے۔لیکن جس چیز پر حقیقت غالب ہے۔وہ یہ ہے کہ کم از کم فیض آباد میں نماز جمعہ وجماعت کے قیام کے بعد اتنی دیر اور لگی۔جس میں حضرت محمد علی آصف الدولہ کے لئے قیام جمعہ وجماعت کا حکم دلائل شرعیہ سے جاری کرنے کے لئے کتاب اور متعلقہ مسائل مرتب کر کے بھجوا سکیں۔ چنانچہ حکم اور محمد علی قبلہ کی سند کے پہنچنے کے بعد دلدار علی کو قیام جمعہ وجماعت پر تعینات کیا گیا اور وہ بھی محمد علی قبلہ کی تجویز وسفارش پر۔اس کے برخلاف محمد علی مرحوم کو قیام نماز جمعہ وجماعت کے آصف الدولہ یا کسی اور عالم کی اجازت وسند کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا فیض آباد میں قیام جمعہ وجماعت پہلے اور بطور نمونہ ماننا پڑے گا۔ پھر مرکز میں جاری کرانے سے مقصود خود بادشاہ آصف الدولہ کو بھی نمازی بنانا تھا۔ادھر دہلی کے شہزادے سے دہلی میں قیام جمعہ وجماعت کی عملی اطلاع پہنچانا تھی۔ تاکہ وہاں بھی جناب محمد علی قبلہ کی سند اور مرکزی اطاعت دیکھ کر قیام جمعہ وجماعت میں شک وشبہ نہ رہے۔ یہ بھی فراموش نہ کریں کہ لکھنؤ میں جناب تفضّل حسین صاحب قبلہ آصف الدولہ کے نائب السلطنت ہیں جو اس زمانہ میں پورے ہندوستان کی تحریک تشیع کے سربراہ ہیں۔اور جناب بادشاہ محمد علی کشمیری اُن کے نائب ہیں۔لہٰذا دلدار علی کی پوزیشن ناقابل شمار اور معمولی عہدیدار کی ہے۔ لیکن اُن کے مریدوں نے اُن کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچانے کے لئے ہمہ قسمی فریب اور جھوٹ وافترا کی ساری اقسام استعمال کیں۔جن حضرات کی نظر سے ہماری یہ کتاب گذر جائے گی اُن کے سامنے دلداری کوشش مرجائے گی۔اس اجتہادی ٹولے کی نقاب الٹ جائیگی اور یہ خانہ ساز اجتہادی گھروندا بے حقیقت ہو کر رہ جائے گا۔ یہ پیٹ پھٹ جائے گا جو فرضی مجتہد گھڑنے کی کمین گاہ تھا۔

(15-الف) چنداور بزرگ اور دلدار کے زمانہ کے علمائے شیعہ

جن علما کا تذکرہ ہوا وہ تو ایسے علماء تھے جو آصف الدولہ کی حکومت کے استحکام اور قیام کے بانی تھے ۔ اور جن کو دلدار علی دست بستہ سلام کرتے تھے ۔ جن کے حضور بادشاہ کھڑا رہتا تھا ۔ لیکن اب ہم چند اور ہمعصر علمائے کبار کا مختصر ذکر کرتے ہیں ۔ تاکہ اُن کا دلدار صاحب کا ہمعصر ہونا ثابت ہوکر یہ فریب دور تر ہوجائے کہ دلدار اکیلا ہی عالم تھا ۔ اور باقی سارا ہندوستان جاہل تھا ۔

(الف) قبلہ جناب آغا باقر بن معالج خان لکھنوی اپنے زمانہ میں مشہور عالم اور حاذق طبیب تھے ۔ آصف الدولہ کے والد شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد میں قیام رہا ۔ جناب محمد علی کشمیری سے فیض یاب ہوئے 1222ھ ہجری میں یعنی دلدار کے مرنے سے گیارہ سال قبل انتقال فرمایا ۔

(ب) مولانا حاجی بدیع الزمان مرشد آبادی ۔ آپ نے خواجہ محمد جعفر صاحب درویش سے فیض پایا تھا ۔ صاحب حال وقال بزرگ تھے ۔ علوم متداولہ میں درجہ کمال رکھتے تھے ۔ 1168ھ یعنی جب دلدار دو سال کا بچہ ہے، انتقال فرمایا تھا ۔

(ج) علامہ سید رضی الدین بن سید نور الدین الموسوی الجزائری الشوستری 1128ھ ہجری میں یعنی دلدار سے 38 سال پہلے پیدا ہوئے ۔ علوم عقلیہ ونقلیہ شوستر میں اپنے والد اور دیگر علمائے شیعہ سے حاصل کئے ۔ آپ کے والد جناب نور الدین شوشتر کے شیخ الاسلام تھے ۔ اور یہ عہدہ اسی خاندان میں چلا آرہا تھا ۔ حصول علم اور سیر وسیاحت کے لئے اصفہان، قم، کاشان، عراق وعجم گئے ۔ علماء سے اکتساب علوم کیا ۔ 1199ھ میں یعنی جب دلدار 33 برس کا ہوا ۔ بصرہ کی راہ سے ہندوستان میں سورت تشریف لائے جو قدیم الایام سے شیعہ علوم کا گہوارہ تھا، پھر بنگال آئے ۔ اس وقت آصف الدولہ کا باپ شجاع الدولہ بنگالہ کا ناظم تھا ۔ اس کے مہمان رہے ۔ پھر اڑیسہ کے صوبیدار مرشد قلی خان کے مہمان ہوئے ۔ جب وہ دکن آیا تو علامہ بھی ہمراہ تھے ۔ پھر آصف جاہ ناظم الملک فرمانروائے دکن کے مہمان ہوئے ۔ متعلقہ فرائض کی انجام دہی کے بعد گوشہ نشینی میں کام شروع کیا ۔ نظام الملک نے بہت چاہا کہ علامہ کسی منصب کو اختیار کر کے حکومت کے کاروبار میں مدد دیں ۔ مگر آپ کی مصروفیات نے اجازت نہ دی ۔ 1204ھ ہجری میں یعنی دلدار کی موت سے 29 سال پہلے وفات ہوئی ۔

(د) علامہ رستم علی بن مولوی محمد حلیم کشمیری عظیم آبادی ۔ تاریخ جہاں نما میں 1223ھ کے حالات میں لکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ آپ پٹنہ کے سربرآوردہ علماء میں سے تھے ۔ علوم معقولات میں یکتا اور وحید العصر تھے ۔ طلاقت لسانی شیریں بیانی میں فرد فرید تھے ۔ سیر المتاخرین میں ہے کہ سید رستم علی صاحب مدد مستغنی گوشہ گزیں اور علوم ظاہری میں بہرہ رکھتے تھے ۔ اور اکثر لوگ اُن سے خرق عادات (معجزات) بیان کرتے ہیں ۔ دقائق وحقائق سے آشنا تھے ۔ رام نرائن صوبیدار کے زمانہ

میں مرحوم ہوئے ۔اور میر افضل سوداگر کشمیری کے مشہور مقبرے میں دفن ہوئے ۔سوداگر ممدوح آپ کے بہت معتقد تھے ۔ علامہ کو جہاں نما میں مرزا اور سیر المتاخرین میں سید کہا گیا ہے۔

(ہ) مولانا محمد عسکری جون پوری ۔سیدالمتاخرین میں ان کو سادات کرام جونپور سے بتایا گیا ہے ۔افاضہ علوم وفنون میں وحید زمانہ تھے ۔معقول ومنقول وفروع اوراصول میں تبحّر کامل تھا۔ ہرفن کے مسائل مشکلہ میں ایسی تقریر کرتے تھے کہ سامعین اور مُشککین کو ذرا بھی شک وشبہ نہ رہتا تھا۔ دور دراز مقامات سے طالب علم آکر آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ درس وتدریس کا بہت شوق تھا۔تبحر اوراعاظم مقدسین میں سے تھے۔تعریف کو ناپسند کرتے تھے۔ستر (70) سال کی عمر میں 1190ھ ہجری میں مرحوم ہوئے ۔یعنی جس وقت دلدار کی عمر کل چوبیس سال کی تھی ۔

(و) مولانا السید عطا حسین اور مولانا ہمت حسین صاحبان پسران سید غلام مرتضٰی زنگی پوری ۔گوہرمنثور میں آپ کو جناب مولوی السید ضیاء اللہ صاحب زنگی پوری کا شاگرد بتایا گیا ہے ۔تمام علوم اُن سے حاصل کئے اوراُن کے انتقال کے بعد مشغول ہدایت وتبلیغ ہوئے ۔علم تفسیر میں خاص شغف اور دستگاہ کمال تھی ۔قرآن کے الفاظ کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے فارسی میں قرآن کی لغت تیار کی تھی ۔ غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے اورامتدادِ زمانہ کے سبب سے نایاب ہے ۔ایک کرم خوردہ نسخہ نہایت بوسیدہ حالت میں جناب مولوی لطیف خانصاحب زنگی پوری کے پاس ہے ۔محمد شاہ بادشاہ نے خط نستعلیق اور خط نُسخ کے کمال کی بنا پر زمرۂ فضلاء میں شامل رکھا تھا۔1212ھ میں یعنی دلدار علی سے 21 سال پہلے مرحوم ہوئے ۔

یہاں تک ناظرین کے سامنے دلدار علی اینڈ کمپنی کے تمام مکذوبات اور علمی دعاوی بار بار اور ہر طرح غلط ثابت ہوگئے ۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ کچھ دلدار اینڈ کمپنی کی کارکردگی اور خدماتِ دینی کا تذکرہ کریں تاکہ قارئین کرام اُس نقصان کا اندازہ لگاسکیں جو اس گروپ نے شیعوں کو خصوصاً اور تمام اہل اسلام کو عموماً پہنچایا۔اور پھر آج کے دانشوران کیلئے آج کی ذمہ داریاں اور تقاضے واضح ہوجائیں تاکہ نظامِ کار مرتب کرنے میں سہولت ہو۔

58۔ دلدار اینڈ کمپنی کا طرزِ عمل اور دینی خدمات

اس عنوان کو شروع کرتے ہوئے یہ سمجھ کر چلیں کہ آئمہ اثناعشری علیہم السلام کا تبلیغی نظام یا تحریک تشیع کسی ایک خِطّہ ارض سے مخصوص نہ تھا۔ چنانچہ قدرت نے ایسے داخلی وخارجی عامل واسباب پیدا کردیئے تھے جو شیعہ تحریک کو ہراُس طرف اشارہ کرتے چلے جاتے تھے۔جس طرف تحریک کے لئے میدان ہموار ہو۔ چنانچہ عہد جعفری میں جو مبلغین تیار کئے گئے تھے۔اُن میں تمام ممالک اور متعلقہ علوم وفنون اور زبانوں کا خیال رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ابن حیّان (جابر) اس کی ایک عالمگیر مثال ہے۔ مصر واندلس کی حکومتوں نے تمام عیسائی حکومتوں کو اسلام اور مذہب شیعہ اوراس کے مظلومؑ راہنماؤں اور پیروؤں سے متعارف

کرادیا تھا۔فرانس ، جرمنی ، پرتگال میں قرآن کے تراجم مسلمانوں سے بھی پہلے ہو چکے تھے ۔ دربارا کبری میں پرتگیز مشنری (مبلغ) آئے اور برابر سواحلی علاقوں میں تبلیغ کرتے رہے ۔اُن کی تجارت کو دیکھ کر فرانسیسی اورانگریز بھی ادھر متوجہ ہوئے اور آصف الدولہ کے زمانہ تک انگریزوں کی پوزیشن کافی مضبوط ہوچکی تھی ۔ یہ لوگ سیاسی پہلے نمبر پر تھے اورعیسائی مذہب کی تبلیغ کو دوسرا نمبر ضرور دیتے تھے ۔انہیں دوسری صدی ہجری ہی سے وہ تمام مباحث معلوم ہو گئے تھے جو شیعہ تحریک اپنے مخالف مذہب پر روشنی ڈالنے کے لئے اپنے مبلغین کو تعلیم دیتی تھی ۔اُن مباحث کے سامنے مخالف گروہ کے علماء کا وہی حال ہوتا تھا جو اکبری دربار میں دیکھا جا چکا ہے ۔لہٰذا جہاں عیسائی مشن سوائے شیعہ مبلغین کے اور کسی مسلک سے شکست نہ کھاتا تھا۔البتہ ڈنڈے ،حکومت ،تعصب اور ظلم وجبر کے سامنے وہ بھی خاموش ہوجاتے تھے ۔انہیں صلیبی جنگوں اور دیگر میدانوں کا تجربہ تھا۔ تاریخ اُن کے سامنے تھی کوئی پہلو اُن سے پوشیدہ نہ تھا۔مخالف محاذ صرف مذہب شیعہ اور اہلبیتؑ ہی کا دشمن نہ تھا بلکہ اس کی پالیسی میں ہر غیر مسلم دشمن تھا، نا قابل اعتبار تھا، گردن زدنی تھا۔ چونکہ قتل کے فتویٰ میں تمام باقی مذاہب برابر تھے ۔اس لئے اُن کے خلاف تمام مذاہب محاذ بناتے تھے ۔اور اُن سے طاقت کوئی بھی چھین لے اس میں سب تعاون کرتے تھے ۔

اہل کتاب نے کبھی تحریک تشیع کی مخالفت نہیں کی بلکہ جہاں جہاں ممکن ہوا تعاون کیا۔اور مخالف محاذ کی بدقسمتی کا یہ سب سے بڑا ثبوت تھا۔ ہندوستان میں بھی تمام غیر مسلم مخالف سمجھے جاتے تھے ۔آج بھی ہم نے اپنے کانوں سے اس قسم کے جملے سنے ہیں ۔'' مثلاً فلاں جگہ دس مسلمان اور تین شیعہ کھڑے تھے یا یہ کام مسلمانوں میں نہیں شیعوں میں ہوتا ہے ۔'' گویا شیعہ مسلمان نہیں ہوتے ۔ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے شیعوں کو اسلام سے خارج اور واجب القتل قرار دیا تھا۔اس زمانہ سے برابر متعصب گروپ ہمیشہ شیعوں کے لئے یہی طرز فکر وعمل رکھتا چلا آیا۔اورنگزیب اسی لئے محی الدین ہیں کہ وہ شیعوں کو واجب القتل سمجھتا اور موقعہ ملنے پر قتل کرادیتا تھا۔ جناب شیخ احمد سرہندی اسی لئے مجدّد ہیں کہ وہ مذہب شیعہ کے انتہائی دشمن اور اُن کا قتل خدمتِ دین اسلام سمجھتے تھے ۔ المختصر اس متعصب گروہ سے ہر قیمت اور ہر طریقے پر قوت وحکومت چھین لینا خود اسلام کی رُو سے واجب تھا۔اس واجب پر برابر عمل ہوتا رہا اور جب ضرورت ہوگی ہوتا رہے گا۔

چنانچہ عیسائی محاذ ہندوستان میں تجارت وتبلیغ کرتا چلا آ رہا تھا۔ اُس کیلئے یہ متعصب لوگ موقعہ فراہم کرتے رہے اور وہ اُنکے خلاف اُنکی پیدا کردہ نفرت اور دشمنی کو استعمال کر کے اُنکی حکومت اور استبدادی طاقت کو کمزور اور کمزور تر کرتے چلے آئے ۔آصف الدولہ کا زمانہ وہ پہلا زمانہ تھا۔جس میں عیسائی محاذ کو ایک نیا اور تازہ تجربہ ہوا۔اور وہ یہ کہ نظام اجتہاد شیعہ لیبل لگا کر مذہب شیعہ کے تمام عقائد کے خلاف عقائد بیان کرتا ہے ۔اوّلین تین سو سال کے طرزعمل کی عملی تردید کررہا ہے۔ مذہب شیعہ کی رواداری اور وسعتِ قلبی کو خیر باد ہی نہیں کہا بلکہ بدعت اور بے دینی کہتا ہے۔اور ہر شیعہ عالم کے خلاف ایک نیا محاذ بنا رہا

ہے۔شیعہ سنی اختلافات کو اچھال کر میدان کارزار گرم کر رہا ہے۔ سیاسی اصول لڑاؤ اور حکومت کرو والی پالیسی ہی تو تھی جو جناب السید تفضّل حسین رحمۃ اللہ علیہ کو آصف الدولہ کے انتقال کے بعد لکھنؤ سے علیحدگی پر اُبھارتی ہے۔ وہ ایک صلحِ کل عالم تھے۔اُن کی تحریک کا بنیادی اصول محبت وشفقت تھا۔اُن کے یہاں متعصب تو متعصب ہے، اپنے قاتل کے لئے بھی دعا تھی۔ اور دلدار علی اینڈ کمپنی حکومت لکھنؤ کو مناظروں اور مباحثوں اور سُنّی دشمن ذہنیت پر اُکسا رہی تھی۔ مذہبی تعصب پھیلانے میں وہ عالم کہاں ممد ہوسکتا تھا جو خود حنفی فقہ کا باقاعدہ درس دیتا رہا ہو۔ایسے علماء کو مجتہد اخباری کہہ کر بدعتی وزندیق قرار دیتا تھا۔ وہ بھی جناب معاویہ رضی اللہ عنہ، اورنگزیب اور متوکل ومجدد الف ثانی کی طرح اخباری اور اخباریت کا قلع قمع اور قتل وغارت جائز کرتا تھا۔ اُسی مجتہد کو انگریزوں نے بھی سیاسی فوائد کے لئے مفید سمجھا اور ہمدردی کی آڑ میں اُس کی سرپرستی شروع کی۔ اور رفتہ رفتہ مجتہد اوّل اور اُن کے برخوردار ان کے سہارے لکھنؤ کی حکومت کو زوال سے دوچار کرادیا۔اُدھر شیعہ سنی دشمنی کو اس قدر استقلال سے بھڑکایا کہ جو آج بھی ذراسی ہوا لگنے پر سلگنے لگتی ہے۔ یہ پوری داستان سنانے اور اس کا ہمہ قسمی ثبوت تو موجود ہے لیکن وقت اور کتاب میں گنجائش موجود نہیں ہے۔لہٰذا چند بنیادی پہلو سامنے رکھ کر رخصتی سلام کرنے کا ارادہ ہے۔

(1) <u>دلدار علی اخباری علماء اور اخباری مذہب کے دشمن اور مٹانے والے</u>

آپ کسی عالم سے دریافت کریں کہ اخباری علماء اور اخباری مذہب کیا ہوتا ہے؟ یہ کب شروع ہوا؟ چند اخباری علماء کے نام دریافت کریں تو جو کچھ ہم عرض کر چکے ہیں۔اُس سے نہ آج کا مجتہد انکار کرے گا نہ کوئی دوسرا عالم اختلاف کرے گا۔ یعنی اوّلین تین صدیوں کے تمام شیعہ عوام وعلماء اخباری مذہب کے پیرو اور اخباری تھے۔جن میں آخری علماء میں سے جناب محمد یعقوب کلینیؒ مؤلف کافی۔ جناب شیخ صدوقؒ مؤلف الفقیہ ہیں۔ یہ یاد کرنے اور تحقیق ہوجانے کے بعد جناب مجتہد ومہدی کا بیان ملاحظہ ہو کہ دلدار علی کی سب سے بڑی دینی خدمت یہ کس چیز کو قرار دیا گیا ہے؟ اور آپ کے مشن کا مقصد کیا بتایا گیا ہے؟ سنئے! اور ایک سنجیدہ فیصلہ کیجئے۔

(2) <u>دلدار علی کی تبلیغی جدوجہد، تصوف اور اخباریت کے خلاف</u>

مہدی صاحب کا عنوان یہ ہے ''<u>تبلیغی جدوجہد</u>'' (یعنی) ''آپ کو لکھنؤ پہنچنے پر قوم کی اندرونی اصلاح اور اُن میں ذوقِ علم پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ دو زبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ وہ صوفیت اور اخباریت کی گھٹائیں تھیں۔ جو فریقین پر چھائی ہوئی تھیں۔اور مسلمان پسے جارہے تھے۔'' (سوانح غفراں مآب صفحہ 19۔18)

ہمارے قارئین جانتے ہیں کہ جناب مجدد الف ثانی شیعوں اور تصوف کے دشمن تھے۔اورنگزیب تصوف اور شیعوں کو مٹانا

چاہتا تھا۔محمد تغلق اینڈ کمپنی تصوف اور تشیع کے دشمن تھے۔دربار اکبری کے علماء تصوف اور اخباریت کے دشمن تھے۔اور تمام دیدہ ورعلمائے اہلسنت نے تصوف اخباریت اور تفضیلیت کو اپنا دشمن کہا ہے۔لہٰذا دلدارعلی کا شمار اُسی گروہ کے ساتھ قدرتی اور فطری ہے جو اخباریت وتصوف کو مٹانا چاہتا تھا۔ پھر دلدارعلی اخباریت اور تصوف دونوں کو اسلام کے زوال اور تباہی کا باعث سمجھتا ہے۔اور دونوں فریق یعنی شیعہ اور سُنّی دونوں فرقوں کو صوفیائے کرام اور اخباری علماء سے محفوظ کردینے کا مشن چلاتا ہے۔ اور خاص طور پر شیعوں کی اندرونی اصلاح کر کے ان کے اذہان سے اخباری عقائد کو نکال کر اجتہادی مذہبات جمانا چاہتا ہے۔

(3) دلدار سُنّی محاذ کو وہابی کہہ کر کچلنا چاہتا ہے

اہلسنت قارئین خاص طور پر نوٹ کریں کہ ہندوستان میں بھی مجتہدین ہی نے تحریک تشیع کے پرامن محاذ کو ختم کر کے عراق وایران کی طرح شیعہ سنی دشمنی کو ترقی دی۔ یہی لوگ ہیں جو نفرت کے سہارے زندہ رہتے ہیں۔ چنانچہ دلدارعلی نے تصوف اور اخباریت کے ساتھ تیسرا محاذ بھی کھولا اور ایک نئی طرز تبلیغ کا افتتاح کیا سنئے !:۔

’’۔وہ غفران مآب ہی تھے۔جس نے ملک میں تبلیغ دین کی (نئی) بنیاد ڈالی۔وہ غفراں مآب ہی تھے۔جس نے صوفیت و وہابیت واخباریت کے مستحکم قلعے منہدم کر کے امت کو دعوت اتحاد دی۔‘‘(سوانح غفران مآب صفحہ 37)

ان دونوں بیانات سے دلدارعلی اینڈ کمپنی کا قدیم وجدید اور پسندیدہ مقصد سامنے آ گیا۔یعنی حقیقی مذہب شیعہ کی تحریک کو تصوف اور اخباریت کہہ کر مٹا دینا۔اور صلح پسند حنفیوں اور دیگر امن پسند اہلسنت کو وہابی کہہ کر فنا کر دینا۔ یہ تھی وہ دودھاری تلوار جس سے نظام اجتہاد ہمیشہ مذہب کے خلاف اُٹھا اور اجتہادی نظام میں لانے کے لئے اُمت مسلمہ کے اتحاد کا نعرہ مارتا اور قتل عام کرتا رہا۔

(4) ملک بھر میں مناظروں اور مباحثوں سے نفرت پھیلانا

مہدی صاحب اور دیگر دلداری اہل قلم کی تحریروں سے دلدارعلی کے علمی ذخیرہ میں سوائے فقہی مسائل کے اور کوئی مفید علم نہیں ملتا۔لیکن اُن کی اسکیم کی بنیاد ہی میں مجادلہ مباحثہ اور مناظرہ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ جھوٹا یا سچا یہ تو خدا کو علم ہے۔مگر دلدارعلی کا علامہ عبدالعلی بحرالعلوم اور مولانا سدن آصف الدولہ کے استاد سے مباحثہ مشہور کیا گیا ہے۔اور ہم نے اِس کتاب میں ریکارڈ بھی کر دیا ہے جو دلدارعلی کے خلاف ایک سند ہے۔قارئین جانتے ہیں کہ مناظروں اور مباحثوں میں وہ تمام حربے استعمال کئے جاتے ہیں جو مخالف کو شکست دینے کے لئے اُس وقت سمجھ میں آجائے۔خواہ غلط ہو یا صحیح ، جائز ہو یا ناجائز۔ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا کہ ایک مشہور مناظر جو دلدارعلی کی طرح روپیہ بٹورنے کے لئے مدت دراز سے شیعوں میں کام کر رہا ہے کہ اُس نے ایک کتاب کا حوالہ دیا جو فارسی میں تھی۔اور محوّلہ کتاب کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر سر سے بلند کر کے

ہوامیں لہراتا رہا تھا۔اور جھوم جھوم کر عربی کی عبارت پڑھ کر اردو میں ترجمہ کرتا جا رہا تھا۔جب گفتگو ختم ہوئی تو مولانا حیدری نے کھانے کے دوران دریافت کیا کہ کتاب تو فارسی کی تھی اور عبارت عربی کی پڑھ دی۔کہا اس کو کون جانتا ہے۔سب چلتا ہے۔ پھر جب یہ دیکھتے ہیں کہ اب میرے پاس جواب نہیں ہے تو مجمع کو اشتعال دلا کر لڑا دیتے ہیں اور خود کھسک جاتے ہیں۔

(5) دلدار علی نے تمام مناظرہ بازوں کو اپنے گرد جمع کیا تھا

دلدار علی کے پاس شیعہ مذہب کی تخلیقی تبلیغ کا کوئی سامان نہ تھا۔مسائل نماز روزہ عموماً لوگوں کو یاد ہوتے ہیں۔نہیں تو چھ ماہ میں مکمل مفتی بن جاتا ہے۔اُنہوں نے ہر اُس شخص کو علمیت کی سند دینا شروع کی اور سرکاری وظیفہ مقرر کرایا جو سُنّیوں،اخباری واخباریت وتصوف کے خلاف ہر بکواس کر سکے اور عوام میں مذہب شیعہ کے خلاف نفرت پھیلا سکے۔چنانچہ چاروں طرف سے مناظر قسم کے لوگوں نے وظیفے اور جاگیروں کے لئے آنا شروع کر دیا۔ہم چند نام لکھتے ہیں۔جن کو مہدی صاحب نے دلدار علی کے شاگردوں میں شمار کیا اور فخریہ طور پر اُن کو مناظرہ باز قرار دیا چنانچہ سب سے پہلا نمبر:۔

(الف) ’’۔جناب مولانا مفتی سید محمد قلی صاحب نیشاپوری کنتوری جن کو کلام ومناظرہ سے بے پناہ شوق تھا۔تشئید المطاعن ۔ اور تقلیب المکائد معرکہ آرا مصنفات ہیں۔جو محتاج تعارف نہیں۔آپ تلامذہ (شاگردوں) میں خصوصی عظمت کے حامل تھے۔ میرٹھ میں مفتی قرار پائے۔‘‘(صفحہ 27 سوانح غفراں مآب)

دیکھ لیا آپ نے یہ حضرت میرٹھ میں شیعہ سنی منافرت کیلئے مفتی بنائے گئے۔تشئید المطاعن کے معنی ہیں۔طعن وطنز کو پختہ تر اور سخت تر بنانے والی کتاب۔تقلیب لمکائد۔یعنی مکر وفریب کے تمام حربوں کو بدل کر واپس کرنا۔یہ کام گویا شیعت اور اہلسنت میں اتحاد اور خدمت دین کیلئے ہو رہا تھا۔طعن وتشنیع لعنت وتبرا کا بازار گرم کرنا مجتہدین کے نزدیک صحیح اسلام کی خدمت ہے۔

(ب) ایک اور مناظر شاگرد کا حال ملاحظہ ہو:۔

’’۔جلالت مآب سبحان علی خان۔علم الکلام اور مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔عہدہ نیابت اور وزارت تک پہنچے اعلیٰ درجے کے سیاست دان تھے۔الٰہ آباد اور گردونواح میں آپ ہی کی ذات سے دینی خدمات کی بنیاد پڑی۔‘‘(صفحہ 29۔28)

(ج) جناب مہدی صاحب صفحہ 35 تا 36 پر اُن تمام مبلغین کے نام لکھے ہیں جو ملک بھر میں اجتہادی مذہب پھیلانے کیلئے جناب غفراں مآب نے تعینات کئے تھے۔مطلب واضح ہے کہ چاروں طرف پُر اَمن فضا کو نفرت وتعصب کے تھپیڑوں سے مکدّر کرنے کا پختہ انتظام کر دیا گیا تھا۔چونکہ اُس وقت دہلی اور دیگر حکومتیں شیعت کی سر پرستی کر رہی تھیں۔اس لئے مناظرہ باز علماء ایک دوسرے کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔زبان اور قلم سے افتراق وانتشار کا زہر اگلنے لگے۔یعنی دشمنانِ اسلام نے اپنا نام

شیعہ اور سنی رکھ کر اہل اسلام کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ اصول استحکام حکومت میں مددگار تھا۔ لہٰذا حکومتوں نے بھی اس میں حصہ لیا اور دونوں طرف کے متعصب علماء کو خلعت و انعام، عہدے اور جاگیریں عطا کی۔

(6) حکومت کو غیر مسلموں کے قتل پر ابھارنا

جناب مہدی صاحب کے قلم سے معلوم ہو چکا کہ جناب نجم الدین صاحب محمود غزنوی کے سپہ سالار غازی مسعود کی ماتحتی میں فوج کے ایک دستے کے سردار بن کر ہندوستان میں غیر مسلموں سے جہاد کرنے آئے تھے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ محمود غزنوی شیعوں کو ملحد و زندیق کہہ کر قتل و غارت کرتا تھا۔ اور سندھ پر اُس کے حملوں اور ملتان میں قتل عام کا سبب بھی شیعہ حکومتوں کو مٹانا تھا۔ ظاہر ہے کہ نجم الدین ہرگز شیعہ نہیں ہو سکتے تھے۔ شیعہ ہوتے تو وہ ہرگز محمود غزنوی کی تائید و نصرت اور اس کے مذہبی تصور کے مطابق غیر مسلموں اور شیعوں سے جہاد کو جائز نہ سمجھتے۔ لیکن چونکہ اُن کا وہی مذہب وعقیدہ تھا جو محمود غزنوی کا تھا۔ نجم الدین نے ہندوستان میں محمود غزنوی کی پالیسی کو نافذ کیا۔ جب جناب غفراں مآب کے خاندان میں پہلی دفعہ لفظ علی لایا گیا وہاں شیعہ لیبل بھی اختیار کر لیا گیا۔ مگر یہ لیبل اس لئے اختیار کیا تھا کہ ملت شیعہ کا اعتماد اور قیادت حاصل کر کے اپنے بزرگانِ دین کے مقاصد کو بسہولت اور کامیابی سے انجام دیا جا سکے۔ چنانچہ غفراں مآب کے فرزند جناب سلطان العلماء سید محمد مجتہد دوم نے بڑے واضح انداز میں غیر مسلموں کے قتل کے لئے حکومتِ لکھنؤ کو سفارشی فتویٰ لکھا۔ حالانکہ اس فتوے کو دربار کے دوسرے علمائے اہلسنت ناجائز سمجھتے تھے۔ مولوی و مفتی فضل حق خیر آبادی اور مولوی و مفتی سعد اللہ نے فتویٰ نہ دیا تھا۔ مگر مجتہد دوم نے اپنے حقیقی مذہب کو اسی طرح نافذ کیا جیسے جناب شیخ عبد النبی صدر الصدور اور جناب ملا عبد اللہ سلطانپوری اور جناب مجدد الف ثانی انجام دیتے تھے۔ اور اُن ہی کی زبان اور لب ولہجہ میں فتویٰ لکھا کہ ''۔قصاص مسلمانان از کافراں وقصاص من کلام اللــہ وبِنا نہادن مسجد بر حکّامِ وقت بہ تجویز حاکم شرع واجب است۔'' (تاریخ اودھ حصہ پنجم صفحہ 222 اور صفحہ 236)

ترجمہ۔ ''۔کافروں سے مسلمانوں کا قصاص لینا اور قرآن کا قصاص لینا اور مساجد کی تعمیر کرنا مجتہد وقت کے حکم کے بعد حاکم وقت پر واجب ہے۔'' یہ فتویٰ اس لئے بے معنی، جاہلانہ اور باطل ہے کہ اِس پر کئی باطل احکام دینے کا امکان ہے۔ ہم چند سطریں لکھتے ہیں اُن کو دیکھ کر اس فتوے کا وزن معلوم ہوگا۔

''۔ ہر انسان کا قصاص (بدلہ) واجب ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ قصاص (بدلہ) ہر کسی سے لیا جائے گا۔ خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ اگر مسجد بنانے کی ضرورت ہو اور مسجد کا بنانا فساد و نقص امن کا باعث نہ ہوتا ہو تو حکم شرع کے مطابق رعایا اور حاکم دونوں پر واجب ہے۔''

مجتہد صاحب کا فتویٰ یک طرفہ ہے۔ یعنی غیر مسلم کے قصاص کی ضرورت نہیں۔ مسجد بنانے میں مندر، گرجا

اور دوسرے معابد کی فکر کی ضرورت نہیں ۔ ہم اس قدر اضافہ کرتے ہیں کہ بعض حالات میں مساجد کا مسمار کر دینا واجب ہے ۔ تا کہ ضرر اور ضرار و فساد سے محفوظ رکھا جائے ۔ یہ تھی وہ ذہنیت جو غفراں مآب اینڈ کمپنی کے قلوب میں کام کر رہی تھی ۔ اور اپنے ماحول اور رعایا میں اشتعال پیدا کر رہے تھے ۔ ذرا کسی نے شکایت کی فوراً بلا تحقیق ایک عدد فتویٰ دے دیا اور حاکم کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے ہم مذہب کی شکایت پر نہ صرف یقین کرے بلکہ مخالف کے خلاف سخت اقدامات کرے ۔ جب یہ مجتہد ذہنیت اہلسنت حکمرانوں کے یہاں ہوتی ہے تو سنیوں کی ناجائز طرفداری پر زور دے کر غیر مسلموں اور شیعوں پر مظالم کا فتویٰ دیتی ہے ۔ اب چونکہ مجتہد شیعہ حکومت سے دولت سمیٹ رہا ہے ۔ اس لئے اب غیر مسلموں، سنی علماء و عوام پر مظالم اور بلا تحقیق قصاص کا حکم دے رہا ہے ۔ یعنی اُن کا مذہب ظلم و ستم افتراق و انتشار کا قیام چاہتا ہے ۔ اُسے حکومت کی طرفداری لازم ہوتی ہے ۔ بس شرط یہ ہے کہ حاکم ظالم و جابر ہو ۔

(7) غفراں مآب کے طرزِ فکر اور اجتہاد کا ماخذ

جو فتویٰ آپنے دیکھا ہے ۔ اس کا نزدیک ترین منبع اور ماخذ اُس ماحول کے شیعہ علماء میں ہرگز نہ ملے گا ۔ اس لئے کہ شیعہ مذہب میں رواداری، عدل و انصاف اور وسعت قلبی کا ہر قدم پر مظاہرہ کرنا لازم ہے ۔ سلطان العلما ہوں یا غفراں مآب ہوں ۔ اُن کے راہنما اِدھر نہیں بلکہ اُدھر ملتے ہیں ۔ ایک تحریر دیکھئے اور پہچانئے ۔ اکرام اللہ لکھتے ہیں :۔

’’ ۔ شاہ ولی اللہ نے بھی اپنے والد کی روش جاری رکھی ۔ اسلامی حکومت کی مخالفین سے کشمکش کے دوران میں جو کوئی کارنمایاں کرتا ۔ شاہ صاحب اس کے لئے دعا کرتے اور تحریر و تقریر سے اُس کا دل بڑھاتے ۔ اس سلسلے میں اُن کے دو خطوط قابل ذکر ہیں ۔ ایک پائندہ خان روہیلہ کے نام ہے ۔ (1) ‘‘ ۔ در ہنگامِ فتح نواحِ جہّالِ شرقیہ ہندوستان وکسر کناسِ کفار و منصوری اہل اسلام ۔ عزیز القدر رفعت مآب، المجاہد فی سبیل اللّٰہ الرافع الکلمۃ اللّٰہ پائندہ خان سَلَّمہ اللّٰہ تعالی ۔ از فقیر ولی اللہ عفی عنہ ۔ سلام محبت التیام مطالعہ فرمایند آنچہ شنیدہ میشود از سعی ایشاں در جہاد کوہستان موجب فرح و خوشی و سبب دعا بمظہر غیب می شود ۔ اللھم انصر من نَصَرَ دین محمد صلی اللہ علیہ ۔‘‘ (صفحہ 547 ۔ 546 رود کوثر) ترجمہ ۔

کفار کے گرجوں کو توڑنے اور ہندوستان کی مشرقی علاقہ میں جاہلوں پر فتح پانے کے سلسلے میں اے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد اور اے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے والے بزرگی کے حامل قابل قدر عزیز پائندہ خان اللہ تمہیں سلامت رکھے ۔ میرا محبت سے بھرپور سلام قبول کرو ۔ کوہستانی علاقوں میں آپ کی جہاد میں کامیابی کی کوششیں سن کر اس فقیر ولی اللہ کے لئے باعث خوشی اور مسرت ہوئی ہیں ۔ اور درگاہ مظہر غیب میں دعا کا سبب بنی ہیں ۔ یا اللہ تو اُن کی مدد کر جو دین محمدؐ کی مدد کریں (546 ۔ 547)

یہ ہے وہ ماخذ جہاں سے غفراں مآب اینڈ کمپنی اکتساب فیض کرتے ہیں۔ چونکہ شاہ ولی اللہ نے جناب مجدد الف ثانی کے فتاویٰ پڑھے تھے۔اس لئے کفار و زندقہ اور شیعہ و عیسائی سب کافر کی ذیل میں آتے ہیں۔شیعوں کے متعلق آپ کے احساسات ملاحظہ ہوں ایوب صاحب رقمطراز ہیں کہ:۔

''۔یہ حالات تھے کہ کلیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی نے دو معرکۃ الآرا کتابیں لکھیں۔ **ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء** اور **قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین** ۔ **ازالۃ الخفا** کے آغاز میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:۔

''۔دریں زمان بدعت تشیّع آشکارشد ونفوس عوام ازشُبہات ایشاں مشتبہ گشت۔''

اس زمانہ میں تشیع کی بدعت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔اوراُن کے پیدا کردہ شبہات سے عوام کے نفوس میں بھی اشتباہ پیدا ہوگیا ہے۔(فضائل صحابہ صفحہ 17) یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔کہ شاہ صاحب شیعت اور تشیع کو مٹانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔

(8) غفراں مآب کے بزرگ شاہ ولی اللہ کے احساسات اور پلان

جناب اکرام صاحب وہ نظارہ کھینچتے ہیں جو جناب شاہ ولی اللہ نے واپس آ کر ہندوستان میں دیکھا تھا۔

''۔شاہ ولی اللہ نے ہندوستان کا رخ کیا اور 9 جولائی 1732ء کو وطن مالوف دہلی میں وارد ہوئے۔لیکن اس وقت وطن پردیس سے بدتر تھا۔اسلامی حکومت پر زوال و ادبار کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ہر طرف سے اعدا (دشمنوں) اور اُن سے بدتر دوست نما دشمنوں کا ہجوم تھا۔مرہٹے۔سکھ۔سادات بارہہ۔نادر شاہ ملک و مخلوقات الٰہی کے لئے ایک قہر عظیم بنے ہوئے تھے۔ان حالات کے ملاحظہ سے شاہ ولی اللہ پر جو گذرتی ہوگی۔اُسے نگاہِ تصور آسانی دیکھ سکتی ہے۔شاہ ولی اللہ اور اُن کا خاندان علما و مشائخ کے اس طبقے کا ہم خیال نہ تھا۔جو عالمانہ یا صوفیانہ مشاغل میں اس طرح مستغرق ہو جاتے ہیں۔کہ دنیاوی ماحول اُن کے لئے کوئی ہستی نہیں رکھتا۔اس خاندان کو علم و فرقان کی قوی کشش کے باوجود واقعات سے بڑا لگاؤ رہا ہے۔اور وہ قوم کے دکھ درد میں برابر شریک رہے ہیں۔'' (صفحہ 545-544 رود کوثر)

قارئین کرام یہاں نوٹ کریں کہ جناب شاہ ولی اللہ اور اُن کا خاندان واقعی نہ ہندوستانی صوفیا کی طرح صوفی تھا نہ وہ یہاں کے علمائے اہلسنت کی طرح کا عالم تھا۔یہ ایک مخصوص خاندان تھا۔جہاں گیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے طرز حکومت اور مذہب شیعہ کو کچلنے کی پالیسی کا نتیجہ تھا جو اکرام اللہ صاحب نے ولی اللہ صاحب کو دکھایا ہے۔تحریک تشیع نے جو کچھ مستعصم باللہ کے زمانہ میں عرب کی حکومت کے ساتھ کیا تھا وہی کچھ ہندوستان کی قسمت میں لکھ دیا تھا۔اُسوقت واقعی مخالفین مذہب شیعہ کے لئے کوئی جائے فرار باقی نہ تھی۔لیکن مخالف محاذ کو معلوم تھا کہ جس طرح عرب میں شیعوں کو اجتہاد سے زیر کیا تھا۔بالکل وہ

راستہ یہاں بھی کھلا تھا۔ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی شخص شیعوں میں دعوے اجتہاد اور مجتہدانہ پالیسی لے کر اُٹھے۔اس خاندان نے اس کا بھی انتظام کیا۔غفراں مآب کو جوندائے غیبی آئی تھی وہ یہیں سے چلی تھی یہیں سے تقسیم کار اور تقسیم قوم ہوئی تھی۔جناب شاہ ولی اللہ کے خاندان کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی سوائے اس کے جو شیخ اکرام اللہ صاحب نے فرمایا ہے یعنی:۔

(9) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور جناب غفراں مآب کا مقام

''۔**لکھنؤ شیعیت کی خصوصیات**۔''اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ''۔مولانا سید دلدار علی اور اُن کے خاندان کی شمالی ہندوستان میں اثنا عشری خیالات کی تنظیم واشاعت میں قریب قریب وہی حیثیت ہے۔جو عام مسلمانوں میں شاہ ولی اللہ اور اُن کے خاندان کی ہے۔''(صفحہ 636رودکوثر)

قارئین کرام جادووہ ہوتا ہے جو سر پر چڑھ کر بولتا ہے۔جناب اکرام اللہ نے جو بات کہہ دی ہے۔اس میں جتنی تحقیق کی جائے گی۔اتنی ہی صداقت اُبھرے گی۔لکھنؤ کی یہ شیعیت اور خیالات کی یہ تنظیم سارے ہندوستان میں اور تحریک تشیع کے تمام منصوبوں میں کہیں نہ ملے گی۔اس کا مذہب شیعہ اثناعشریہ اور محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم سے کوئی تعلق نہیں یہ تو محض نظام اجتہاد سے ماخوذ ہے جو روز ازل سے تعلیمات اسلام کا مخالف نظام ہے۔اس نظام کا قرآن وحدیث وعقل وشرافت واخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔جناب دلدارعلی صاحب کی عمر کل دس سال کی تھی جب جناب ولی اللہ کا انتقال ہوا تھا۔وہ دلدارعلی کے لئے منزل کا تعین کر گئے تھے۔

(10) شاہ ولی اللہ تمام سابقہ علماء سے الگ ایک نیا طریق کار لائے

آپ نے جناب مہدی صاحب کے قلم سے دیکھا کہ وہ دلدارعلی صاحب کو سب سے پہلا مجتہد کہتے ہیں۔حالانکہ شیعوں میں بہت سے مجتہد گذر چکے تھے۔انہوں نے غفراں مآب کو سب سے پہلے صحیح اسلام کا مبلغ قرار دیا۔حالانکہ لاکھوں مبلغ گذر چکے تھے۔وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں مذہب شیعہ کو غفراں مآب نے جاری کیا۔حالانکہ 39ہجری سے ہندوستان میں برابر شریعت رواج پاتی رہی۔ان تمام باتوں کا صرف ایک صحیح مطلب ہے۔اوروہ یہ ہے کہ غفراں مآب اپنی قسم کے پہلے مجتہد تھے۔اورانہوں نے جو مذہب شیعت کے نام پر جاری کیا وہ اُن کا اپنا اور قطعاً نیا مذہب تھا۔یہ انوکھا پن کہاں سے ماخوذ ہے سنئے:۔

''۔شاہ ولی اللہ کے دیدہ ورمعاصرین بھی سمجھتے تھے۔کہ اُنہوں نے ایک نئے طریقہ کار کا آغاز کیا تھا۔خاتم الاولیاء شاہ غلام علی اُن کی نسبت کہتے تھے''۔ایشاں بسیار بزرگ بودند۔وطریق نوآوردہ اند۔''(ملفوظات)(صفحہ 584رودکوثر)

ترجمہ۔ آنجناب بڑے بزرگ تھے اور نئے مسلک کو جاری کرنے والے تھے۔

(11) غفراں مآب تصوف کے مخالف کیوں تھے؟

چونکہ تصوف ولایت علویہ سے وابستہ کردیتا ہے۔اس لئے لازم ہے کہ مجتہد صوفیا کی بیعت اور کرامات کی مخالفت کرے۔چنانچہ شاہ ولی اللہ کی بات سنئے:۔

''۔وصیتِ دیگر آنست کہ دست دردستِ مشائخ ایں زماں کہ بالواعِ بدعت مبتلا ہستند ہرگز نہ باید داد ۔ وبیعتِ ایشاں نباید کرد۔وبغلوِّ عام مغرور نہ باید بود و نہ بکرامات ۔زیرا کہ اکثر غلوِّ عام بسبب رسم است وامور رسمیہ را حقیقت اعتبارے نیست ۔ وکرامات فروشانِ ایں زمانہ ہمہ الا ماشاء اللہ طلسمیات و نیرنگیات را کرامات دانستہ اند۔''

''۔ان کی دوسری وصیت یہ ہے کہ اس زمانہ کے صوفیا چونکہ بدعتوں میں مبتلا ہیں۔لہٰذا اُن کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دینا چاہئے اور اُن کی بیعت نہ کرنا چاہئے اور عام طور پر بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے سے فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہئے ۔اس لئے کہ غپ شپ کا حقیقت کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے ۔اس زمانہ کے کرامات بیچنے والوں میں سے سوائے اس کے جسے اللہ بچائے باقی تمام طلسم اور ڈھونگ رچانے والے ہیں اور اُسی کو کرامات سمجھتے ہیں۔(صفحہ 565 رودکوثر)

اس وصیت کو خلوص پر مبنی سمجھنے کے لئے ضروری تھا کہ یہ بھی کہا جاتا کہ حقیقی کرامات اور معجزات اور قوتِ قدسیہ میرے پاس ہے۔یا فلاں بزرگ کے پاس ہے۔لہٰذا باقی تمام فریب ساز صوفیا کو چھوڑو اور ہماری طرف آؤ جو چاہتے ہو وہ تمہیں ملے گا۔لہٰذا جو بات درجہ یقین تک پہنچتی ہے۔وہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ ہوں یا جناب غفراں مآب ہوں کرامات ومعجزات سے بے بہرہ تھے۔نہ اُن کے پاس خدا کی طرف سے قوتِ قدسیہ تھی۔نہ وہ اللہ کے یہاں مستجاب الدعوات تھے۔رہ گیا مناظرہ اور سیاسی نکتہ آفرینیاں تو یہ مسلمہ ہیں۔اُن کا انکار نہیں اعلان کرتے ہیں اور سارے مسلمانوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ان دونو حضرات نے ایک لاجواب اسکیم بنائی تھی۔جس نے تحریک تشیع کو ایک دفعہ ایسا دھکا دیا کہ اسے دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں پورے تیس سال لگے۔اس گروہ کے نام سنئے جو غفراں مآبی اسکیم کے اولین ارباب حل وعقد تھے ایوب صاحب لکھتے ہیں:۔

''۔حقیقت یہ ہے کہ شیعت اور تفضیلیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو اُس دور میں اکابر مشائخِ نقشبندیہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی ۔حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی وغیرہم نے بڑی پامردی اور ہمت سے روکا۔اور حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد سب سے زیادہ کوشش اس سلسلہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز نے کی۔نوبت یہاں تک پہنچی تھی ۔کہ یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے خود اُن (عبدالعزیز) کے خاندان میں داخل ہو چکا تھا۔اُن کے شاگرد اور رشتہ دار (اور عالم) قمر الدین اہل سنت ،شیعہ ہو چکے تھے۔ان حالات میں شاہ عبدالعزیز نے قلمی جہاد فرمایا۔اس سلسلے میں اُن

کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی دومعرکتہ آرا تصانیف ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین نے مشعل راہ کا کام دیا ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد کے مشن کو جاری رکھا۔ اور ہر چہ پدر تمام نہ کند پسر تمام کند کے مقولہ کو ثابت کر دکھایا۔'' (فضائل صحابہ صفحہ 70)

یہ تھا وہ مشن جو اس ماہر اور سیاسی خاندان نے تیار کیا تھا جو بعد کے تمام معاونین کے لئے مشعل راہ بنتا چلا گیا۔ اب قارئین کی سمجھ میں یہ بات آ جانا چاہئے کہ علامہ تفضّل حسین صاحب قبلہ، علامہ بادشاہ محمد علی کشمیری اور دیگر سر برآوردہ علمائے شیعہ کے بجائے غفراں مآب مخالف گروہ کے علماء سے کیوں پڑھتے رہے؟ اور کیا پڑھتے رہے؟ جن علماء کا حکم شجاع الدولہ، آصف الدولہ اور تمام شیعہ بادشاہ مانتے تھے۔ اور جن کے صدقے میں غفراں مآب دربار آصف الدولہ تک پہنچے۔ پڑھنے کے لئے عراق و ایران گئے اور پیش نماز مقرر ہوئے اُن سے غفراں مآب کیوں الگ رہے؟ اُن کا کہیں تذکرہ تک نہ کیا؟ اِن سب سوالات کا جواب صرف یہ ہے کہ جو مذہب اُن علمائے شیعہ کا تھا اُسے غفراں مآب ناپسند اور اپنے مذہب کا مخالف سمجھتے تھے۔ اور ندائے غیبی والی اسکیم کے ماتحت رہنا ضروری تھا۔ یہ شاہ ولی اللہ کے فیوض اور توجہ کی برکت سے کم سنی ہی میں ندائے غیبی کے مخاطب بن گئے تھے۔ اُن کی راہنمائی اسی ندائے غیبی سے ہوتی رہی ہے۔ یہ ایسے جان نثار مرید تھے کہ انہوں نے جھوٹ کو بھی ازالۃ الخفا. قرة العينين فی تفضيل الشيخين حجة الله البالغه وغیرہ کے خلاف ایک حرف نہ لکھا۔ اور اس وقت تک قلم اور زبان کو روکے رکھا جب تک دوسری ندا نہ آئی۔

(الف) <u>غفراں مآب نے تعصب اور نفرت کو حکومت کی سطح سے بلند کر دیا</u>

غفراں مآب اعلی اللہ مقامہ کے حالات دیکھنے والا یہ سمجھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اُن کی اسکیم کا اوّلین نکتہ یہ تھا کہ مذہب شیعہ سے اُن تمام اثر انگیز طریقوں کو نکال دیا جائے جو مخالف محاذ کو شکست دیتے ہیں۔ تاکہ ملت شیعہ کو غسل وطہارت اور فقہی مسائل میں الجھایا جا سکے۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ دونوں فرقوں میں تعصب اور نفرت کی نہ بجھنے والی آگ بھڑکا دی جائے۔ یہ دوسرا نکتہ سیاست اور حکومت دونوں کے لئے مفید تھا۔ لہٰذا مذہب کے نام پر اپنے خوشامدیوں کو جاگیریں دینا۔ پھر قبضہ دلانے اور برقرار رکھنے کے لئے پولیس اور فوج سے مدد دے کر مخالفوں کو کچلنا۔ اور اُن کی زمینیں اور جائیداد ضبط کرنا۔ اس کے ساتھ ہی متنازعہ مقامات پر مساجد اور امامباڑے بنا کر مستقل دشمنیاں قائم رکھنا۔ چونکہ مجتہد کے یہاں مخالف پر فوج کشی جہاد ہے۔ اس لئے بادشاہوں کے حسب طلب جہاد کے فتاویٰ دینا۔ اس دوسرے نکتے نے خوب ترقی کی۔ ہر دس پندرہ گھروں کے بعد ایک گھر جہاں سے نوحہ اور مرثیہ کی آواز بلند ہوتی وہیں کھلا لعنت وتبرا بھی سنا جاتا جو بولتے یا مزاحمت کرتے مارے جاتے یا جلاوطن ہونا پڑتا وہ دوسری جگہ جاتے وہاں کے عوام کو بتاتے اور ڈبل نفرت اور غم وغصہ پھیلتا چلا جاتا۔

1209 ہجری (1794ء) میں آصف الدولہ نے ریاست رامپور پر فوج کشی کی اور ریاست کا ایک بڑا حصہ بطور انتقام ضبط کرلیا اس کا ردِعمل وہی تھا اور وہی مقصود تھا۔ لہٰذا روہیلہ پٹھانوں نے غلام محمد جاں کی قیادت میں بغاوت کی اور آصفی حکومت کے نمائندہ نواب محمد علی خاں کو قتل کر دیا۔ یہ سیاسی بہانہ ایسا تھا کہ جس میں انگریز بھی طرفدار ہوگئے۔ رامپور پر دوطرفہ چڑھائی ہوئی اور آصفی حکومت کامیاب ہوگئی۔ لیکن غفراں مآب کا مقصد رامپور سے نکل کر دہلی تک کامیاب ہوا۔ تمام اہلسنت میں جائز طور پر نفرت پھیلی اور دونوں طرف کی زبانیں اور قلم چلنے لگے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دہلی کا تخت بھی انگریزوں کا رہینِ منت تھا۔ یہاں جناب نجف خاں امیر الامرا اور سپہ سالار لشکر تھے۔ انہیں انگریزوں اور آصفی حکومت کی پشت پناہی غفراں مآب کی طرف سے جدید مذہب کی راہنمائی حاصل تھی۔ سارے شہر دہلی میں کہرام برپا تھا۔ ناجائز طرفداری میں وہ مظالم ہوتے رہے تھے جو مخالف محاذ میں تو ہمیشہ سے جائز اور برسرِ کار رکھے گئے تھے۔ مگر اب مذہب شیعہ کو نشانہ نفرت وانتقام بنانے کے لئے غفراں مآبی اجتہاد بھی اُن کو جائز کر چکا تھا۔ گلیوں میں چلتے پھرتے لوگوں میں مذہبی نوک جھونک چھیڑ چھاڑ اور حادثات روز افزوں تھے۔ اور جناب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ نظام اپنا چارج سنبھال رہا تھا۔

(12) تعصب اور نفرت کا ایک سنجیدہ عالمانہ مظاہرہ

گلیوں میں، محلوں میں اور بازاروں میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ گلشن ہند صفحہ 217 سے ملاحظہ فرمائیے۔ خلاصہ یہ ہے:۔

"۔ کہتے ہیں کہ ہفتم روز عاشورہ کو مرزا جانجاناں اپنے کوٹھے پر سرِراہ بیٹھے تھے۔ کہ کوئی روہیلہ سردار مرزا سے ملاقات کے لئے آیا تھا۔ اور دوسری طرف سے تعزیہ وعلم کا جلوس آ گیا۔ اس روہیلے نے جلوس میں شریک ہوکر سینہ زنی کی۔ پھر مرزا کو سلام کیا۔ مرزا صاحب جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔ بلکہ ہنس کر کہنے لگے کہ بارہ سو برس جس مقدمہ کو ہو چکے ہوں ہر سال اُسے زیادہ کرنا کیا بدعت ہے۔ اور لکڑیوں کو سلام وتسلیم کرنا عقل کی بڑی بے عزتی ہے۔ یہ گفتگو علم وتعزیہ کے جلوس والے شیعوں نے بجنسہ سن لی۔ مرزا جانجاناں کے تعصب اور اس گفتگو کا تذکرہ کئی روز مجالس میں جاری رہا۔ آخر شب شہادت کوئی شخص مرزا کے دروازے پر آیا۔ مرزا کو باہر بلایا اور ریوالور سے ان کو ہلاک کرکے چلا گیا۔ اسی واقعہ کو گلزار ابراہیم میں یوں لکھا ہے۔

کہتے ہیں کہ مرزا جانجاناں نے مذہبی تعصب کی بناپر امام حسین علیہ السلام کی تعزیہ داری کو منع کیا تھا۔ اس اشتعال کی وجہ سے دہلی کے کسی باشندے نے 1194 ہجری اُن کو قتل کر دیا۔	"۔ گویند بسب تعصب مذہب منع تعزیہ سید الشہدا علیہم السلام می نمود۔ بدیں حمیت از دست یکے از ساکنان دہلی در سن یک ہزار یک صد ونود و چہارم کہ عمرش قریب صد بود مقتول شد۔"

جب کہ مرزا کی عمر سو سال کی تھی ۔

ناظرین نے ہمارے اوّلین بیانات میں عزاداری اور تعزیہ داری کی تفصیلات میں دیکھا تھا کہ ہندو اور مسلمان، ہندو راجے مہاراجے اور مسلمانوں کے نواب اور بادشاہان ہندوستان مل کر امام مظلومؑ کی یاد مناتے تھے۔ گھر گھر مجالس ہوتی تھیں ۔ ہر گاؤں اور ہر شہر سے علم وتعزیے نکلتے تھے۔ مگر کہیں تصادم نہ ہوتا تھا۔ یہ غفراں مآب ہی تھے جن کی کوششوں کے نتیجے میں عزاداری کو بھی اکھاڑہ بنالیا گیا۔ اس روز سے آج تک برابر عزاداری کو دشمنوں کا نشانہ بنا کر رکھا گیا۔ طرح طرح کی پابندیاں اُس پر عائد کی گئیں ۔ داخلی طور پر رسومات عزاداری کو مجتہدین نے بدعت قرار دینا شروع کیا۔ زنجیر کے ماتم کو انہوں نے حرام کہا۔ ہاتھ کے ماتم کو ضرر کی شرط سے حرام کیا۔ احترام تعزیہ کو بدعت وشرک کہہ کر بند کرانے میں کوشاں رہے۔ ذاکروں کو غلط روایات پڑھنے کی آڑ میں مطعون کیا۔ نذر ونیاز کا مضحکہ اڑا کر بند کرانے کی بے حد کوشش کی ۔ اذان میں سے ولایت وخلافت بلافصل کی شہادت کو یہ کہہ کر نکلوادیا کہ یہ اذان کا جزو نہیں ہے۔ نماز میں عورتوں کے ہاتھ سینوں پر بندھوا کر پچاس فیصد شیعوں کو اپنا ہم مسلک سُنّی بنالیا۔ خود کھلے ہاتھوں شیعوں میں شامل رہے۔ تا کہ شیعہ کی ترقی کی تمام راہیں بند کرنے میں ہاتھوں کا کھلا اور آزاد رہنا پوری مدد دے ۔ ہمیں اہلسنت والجماعت کے متعصب علماء سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُن کا تو مذہب ہی یہ ہے کہ اپنے عقائد کے ہر مخالف کو جبر وقوت سے مٹادیا جائے ۔ لیکن غفراں مآب اینڈ کمپنی نے اس سازش میں شامل ہو کر مذہب شیعہ کی امن پسندی، رواداری اور سالہا سال کی قربانیوں اور صبر وضبط وتحمل کو خاک میں ملادیا۔ اُن کے اشارہ پر دہلی کے زعمائے شیعہ نے دہلی کے متعصب علماء کے خلاف کھلا محاذ بنا کر ہماری تبلیغ اور اثر انگیزی کا ستیاناس کر دیا۔ چنانچہ دہلی کی ہر مجلس میں تبرا اور لعنت کرنا لازم کر لیا گیا۔ یہی وہ ہتھیار تھا جس سے متعصب سنی علماء عوامِ اہلسنت کو ہم سے متنفر کرتے تھے۔ اور غفراں مآب نے اُسی ہتھیار کو مخالف سے لے کر خود شیعوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ تا کہ وہ اس دودھاری تلوار سے اپنی اور اپنے مذہب کی گردن خود کاٹ لیں ۔ دہلی کی مجالس میں ہر اُس متعصب عالم پر نام لے کر لعنت اور تبرا کیا جاتا تھا جو مخالف عوام میں اثر ورسوخ رکھتا تھا۔ لہٰذا شیعہ مذہب کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ڈال دی گئی۔ اس لئے کہ شیعوں سے متنفر عوام میں اب مذہب شیعہ کی بات سننے اور ماننے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی ۔ اُدھر لکھنؤ سے نت نئی تبرائی رسومات جاری ہو کر مختلف دارالخلافوں میں فوراً اور ماتحت علاقوں میں رفتہ رفتہ پھیل رہی تھیں ۔ آٹھویں محرم کی حاضری میں نذر سے پہلے تبرا کی رسم لکھنؤ ہی سے جاری ہوئی تھی ۔ اور بڑی تیزی کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھیل گئی تھی ۔ اور آج تک کسی نہ کسی حد تک باقی ہے ۔ غفراں مآب اینڈ کمپنی کی پیدا کردہ کج نگاہی آخر ملت شیعہ کو وہاں لے آئی ہے کہ اب برسوں میں یہ نہیں سنا جاتا کہ فلاں شخص نے شیعہ اخلاق واعمال وحقانیت مذہبِ شیعہ کی بنا پر مذہب شیعہ اختیار کر لیا ہے۔ حالانکہ ہر سال اور اسی سال 1394ء ہجری

میں لاکھوں روپے ہر شہر میں عزاداری پر خرچ ہوتے اور ہوئے ہیں۔مگر تبلیغ واشاعت مذہب صفر رہتی چلی جارہی ہے۔اور کوئی نہیں سوچتا کہ کیوں؟ اس کے برعکس شیعوں کا مخالف مذاہب کو اختیار کرنا ہر سال بڑھتا جارہا ہے۔مگر ملت شیعہ نہایت اطمینان سے زوال کی طرف گامزن ہے۔اور ظہور حضرت حجتؑ کی امیدوں پر زندہ ہے۔

(13) شاہ ولی اللہ کا منصوبہ دلداری تعاون کے بغیر ناکام

شاہ صاحب نے جو ارادہ کیا تھا۔اور جس منصوبہ کی بنیاد رکھی تھی وہ اکرام صاحب کے الفاظ میں یہ تھا کہ (رود کوثر صفحہ 550)

''۔اسلامی ہندوستان کو ایک ایسا دینی اور علمی نظام عطا کیا جو اس ملک میں شعارِ قومی کی حیثیت اختیار کر سکتا تھا۔''

یعنی اگر اس پر عمل ہوتا تو شیعیت وسنّیت مٹ کر ایک نیا دینی نظام برسر کار آجاتا۔اس سلسلے میں اُن کا انتظام یہ تھا کہ:۔

''۔مکہ معظّمہ جانے سے پہلے حکیم الامت کا اصل کام درس وتدریس تھا۔واپسی پر آپ نے یہ شغل کم کر دیا۔بلکہ ہر ایک فن کے لئے ایک ایک قابل شخص کی تربیت کی اور پھر اُن فنون کی تعلیم اُن کے سپرد کر دی۔(صفحہ 550 رود کوثر)

یہ انتظام مدت دراز تک بے کار اور بے اثر پڑا رہا۔بلکہ الٹا نتیجہ نکلا۔یہاں تک کہ قرآن کا فارسی میں ترجمہ کرنے پر شاہ صاحب کی جان کے لالے پڑ گئے۔علما تلوار کھینچ کر روبرو آگئے۔بال بچوں اور بوریا بدھنا لے کر دہلی سے نکلنا پڑا۔(رود کوثر صفحہ 552) علما نے قرآن میں پانچ سو سے لے کر بیس تک منسوخ شدہ آیات کی تعداد مقرر کی تھی۔شاہ صاحب نے ''مسئلہ نسخ پر مجتہدانہ انداز سے نظر ڈالی اور چار سے زیادہ منسوخ آیات تسلیم نہیں کی۔'' (صفحہ 554 رود کوثر) آپ علما کے اس متفقہ فیصلے کو نہ مانتے تھے۔کہ اہل کتاب نے توریت وانجیل کے متن میں تحریف کی ہے۔اُن کا کہنا تھا کہ محض ترجموں میں تحریف کی ہے۔اصل کتابوں میں تحریف نہیں کی ہے۔'' (صفحہ 555 رود کوثر)

بہر حال شاہ صاحب تھوڑے ہی دنوں میں شیعت کا یا کم از کم حضرت علی علیہ السلام کی برتری اور افضلیت کا اعلان کر دیتے۔اگر انہیں جمہوری علماء کا خطرہ نہ ہوتا۔یا دلدار علی اینڈ مینوفیکچررز سے تعاون کی امید نہ ہوتی۔وہ اس جبر اور اس تعاون کی بنا پر اپنی راہ چلے گئے۔اور غفراں مآب نے مشن کامیاب کر دیا۔

(14) شاہ ولی اللہ مجبوراً اعلان تشیع نہ کر سکے

آپ جانتے ہیں کہ اہل خاندان، اہل محلّہ، اہل قوم اور اہل مذہب بڑی طاقت رکھتے ہیں۔اُن کے خلاف اقدام بغاوت کہلاتا ہے۔تمام اعزاء واقربا، خاندان وقوم سے قطع تعلق کرنا۔صدیوں کے بنے بنائے وسائل اور روابط سے محروم ہو جانا وہ عظیم اور دل ہلا دینے والا خطرہ ہے۔جس سے ڈر کر لوگ جہاں اور جس مذہب میں ہیں پڑے رہتے ہیں۔اگر کسی طرح یہ خطرہ ہٹا لیا جائے تو پھر یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کس مذہب میں حق کی بنا پر داخل ہے۔علاوہ اس خطرے کے شرم وغیرت وحمیت بھی

دامن گیر ہوتی ہے۔ یہ تمام نظارہ جناب ولی اللہ کے ایک بیان میں ملاحظہ فرمائیں ارشاد کرتے ہیں کہ:۔

''۔ فیوض الحرمین میں کہتے ہیں (ترجمہ) میری فکر اور میری طبیعت کو جب اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو دونو حضرت علی کرم اللہ وجھہ کو فضیلت دیں اور دونوں کو حضرت سے شدید محبت ہے۔'' (رود کوثر صفحہ 575) (مسلسل لکھا کہ)

''۔ اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ تفضیل شیخین (یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کی خلافت کے معاملہ میں اوّلیت) کا عقیدہ ایک ایسی چیز ہے۔ کہ میرے ذاتی میلانات کے خلاف مجھے اس کے ماننے کا حکم ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ مجھ میں اس طرح متناقض اور متضاد باتیں ہیں۔'' (رود کوثر صفحہ 576-575)

شاہ صاحب ہی نہیں اہلسنت والجماعت کے وہ تمام محققین جو شاہ ولی اللہ کے سائز کے تھے۔ اور جنہوں نے اعلان شیعت نہ کیا وہ سب اگر آزاد ہوتے تو شیعہ ہوتے۔ لیکن قومی دباؤ اور عصبیت نے انہیں قابل افسوس حالت میں رکھا اور وہ متضاد و متخالف و متناقض تصورات کے عالم میں موت سے دوچار ہوئے۔ مذہب شیعہ کی حقانیت اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی افضلیت کا اس سے بڑا اور کوئی اقرار نہیں ہوسکتا۔ رہ گئی مجبوری تو مجبوری میں اختیار کردہ دین نہ خدا کے یہاں قابل قبول ہے۔ نہ اہل عقل کے یہاں ممدوح ہے۔ آزادی سلب ہوجانے کے بعد تو اسلام بھی قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسلام کو اختیار کرنے کے لئے عاقل و بالغ اور آزاد ہونے کی شرطیں ہیں۔ اُس مذہب کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔ جس میں انسانی عقل و آزادی ضمیر کے خلاف عقائد ماننا ضروری ہوں۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ تھا وہ عالم جو تحریک تشیع نے پیدا کر دیا تھا۔ مگر غفراں مآب نے تمام محنت پر پانی پھرا دیا۔

(15) علمائے شیعہ کا طرزِ عمل لاجواب تھا

علمائے شیعہ اپنی تبلیغ میں جن اصولوں پر عمل کرتے تھے۔ وہ لوگوں کو بہانہ بازیوں کا موقعہ ہی نہ دیتے تھے۔ وہ نہ نزاعی بحثیں چھیڑتے تھے، نہ کسی کی توہین کرتے تھے، ایک حق بات سامنے رکھ دی اور مخاطب کو آزاد چھوڑ دیا۔ مثلاً جو شخص پوری امت مسلمہ کی راہنمائی کی ذمہ داری سنبھالے اُسے کم از کم سارے قرآن کا عالم ہونا چاہئے۔ کسی کو اختلاف کرنے کا موقعہ ہی نہیں ہے اور اقرار کرتے ہی حق نافذ ہوجاتا ہے۔ سارے قرآن کا عالم کون تھا؟ جاؤ اپنے علماء سے معلوم کرکے بتانا۔ اگر لوگ علماء کے پاس پہنچ گئے تو اُن کے جوابات سے متنفر ہوکر پلٹیں گے اور حق قبول کریں گے۔ اس کے برخلاف جو عملدرآمد جناب غفراں مآب اینڈ کمپنی نے اختیار کیا وہ قطعاً ہمارے علماء کے خلاف تھا۔ اس میں اُن لغزشوں پر اعتراضات ہوتے تھے جو مخالف گروہ کے علماء نے کی تھیں۔ اُن اعتراضات کے جواب میں یہ ماننے کے بجائے کہ ہاں ہمارے علماء سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ اور ہم آئندہ نہ انہیں علماء سمجھیں گے نہ وہ غلطیاں کریں گے۔ الٹا مخالف کے علماء کی اس قسم کی غلطیاں نکال کر پیش کردی جاتی

تھیں ۔ یہی نہیں بلکہ ذاتیات اور مخالف بزرگوں کی توہین، لعنت ملامت، طعن وتبرا بھی اُن مناظروں اور تبلیغ میں ضروری سمجھے جاتے ۔ تا کہ تصادم ہو، مقدمہ چلے، چندے ملیں، نمازی اور مجاہد کہلائیں، مجدد ومحی الدین بن جائیں ۔ اسی اصول پر جناب شاہ عبدالعزیز نے ایک کتاب تحفہ اثنا عشریہ لکھی تھی۔

(16) شاہ عبدالعزیز محدث کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ

تحفہ اثنا عشریہ ہو یا اس قسم کی کوئی اور کتاب ہو اُس میں وہی کچھ ہوتا ہے جو ہم نے اوپر لکھ دیا ہے ۔ ایسی کتابوں میں سب ہی کچھ ہوتا ہے مگر حق نہیں ہوتا ۔ یعنی ایسی کوئی گفتگو نہیں ہوتی جس کا فیصلہ دو اور دو چار کی طرح فوراً ہو جائے ۔ گول گول، لمبی لمبی، الجھی یا الجھائی ہوئی بحثیں، مجتہدین کی غلط تفہیم پر صحیح یا غلط اعتراضات، انداز گفتگو نرم یا سخت، اس لئے علمائے شیعہ ایسی کتابوں کے جواب میں نہیں الجھتے ۔ چنانچہ جب تحفہ کے جواب کے لئے اس زمانہ کے سب سے بڑے شیعہ عالم سے کہا گیا تو اُنہوں نے انکار کر دیا ۔ اس انکار پر جناب اکرام اللہ نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ:۔

''لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اُس زمانہ میں جب فرقہ وارانہ (یعنی دلدارانہ) اختلافات زوروں پر تھے تو سب سے زبردست شیعہ عالم ایک ایسا بزرگ تھا ۔ جس نے اختلافی مسائل پر کچھ نہ لکھا یعنی علامہ تفضّل حسین خان کشمیری ۔''(639 رود کوثر)

شیخ صاحب چونکہ واقعات سے واقف نہیں ہیں ۔ اس لئے انہوں نے شیعہ عالم کے عملدر آمد کو عجیب قرار دیا ہے ۔ پہلی بات تو وہی ہے کہ تحفہ میں ایک دلیل بھی مذہب شیعہ کے خلاف قائم نہیں ہوتی ۔ البتہ تحفہ نے مجتہدین کی دھجیاں اڑا دیں ہیں تو اس کی فکر تو کوئی مجتہد کرے گا نہ کہ شیعہ عالم ۔ دوسری بات یہ کہ جواب میں کم از کم یہ ضروری ہے کہ جس کو جواب دیا جائے وہ برابر کا عالم تو ہو ۔ جناب عبدالعزیز صاحب کا علمی حدود اربعہ رود کوثر میں بھی موجود ہے اور تفضّل حسین صاحب کا حال بھی مختصراً لکھا گیا ہے ۔ لیکن آپ دیکھ لیں کہ محدث صاحب عربی، فارسی اور معمولی اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے ۔ پھر ان تینوں زبانوں میں انہیں جو علوم معلوم ہیں وہ تفضّل حسین صاحب کے سامنے بچگانہ ہیں ۔ علاوہ ازیں شاہ صاحب خود اپنے اور تفضّل حسین صاحب کے فرق مراتب کو جانتے ہیں ۔ انہیں معلوم ہے کہ جو کچھ انہوں نے تحفہ میں لکھا ہے وہ تفضّل صاحب کے ایک جملے سے ہوا میں منتشر ہو سکتا ہے ۔ پھر تفضّل حسین صاحب یہ نہیں چاہتے کہ کوئی اہلسنت عالم اپنے مذہب کے عوام کو تعلیم نہ دے یا اُن کو مذہب پر برقرار رکھنے کے لئے کتاب نہ لکھے ۔ اُن پر ایسی کتابوں کے لکھنے والوں کا عجز اور کمزوری واضح ہے ۔ وہ دوسروں کو شرمندہ کیوں کریں ۔ لہٰذا خود جناب عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حسن رضا خان وزیر نے جناب تفضّل حسین صاحب سے تحفہ کا جواب لکھنے کے لئے کہا تو انہوں نے منع کر دیا ۔ (ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ 216)

اگر عبدالعزیز یہ سمجھتے کہ تفضّل حسین جواب نہیں دے سکتے تھے تو بہت کچھ لکھتے ۔ علاوہ ازیں جناب تفضّل حسین صاحب قبلہ

پوری تحریک تشیع کے سربراہ تھے۔انہیں اپنے اقدامات کا علم تھا جو دوسروں کو بتانے کی ضرورت ہوتی تو بتاتے۔اُنہیں عبدالعزیز سے یا کسی اور سُنّی عالم سے کوئی شکوہ نہ تھا وہ تو سب کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے قائل تھے۔

(17) شاہ عبدالعزیز بھی شاہ ولی اللہ کی طرح آمادہ تھے

جناب تفضّل حسین صاحب اور اُن کے رفقائے کار کی راہ میں اگر جناب غفراں مآب کا نظام اجتہاد اور مناظرانہ شوروغوغا حائل نہ ہوگیا ہوتا تو شاہ عبدالعزیز بھی اپنے والد ماجد کی طرح حق کی طرف آ گئے ہوتے۔اس لئے کہ شیعہ تحریک کا اخلاق اور حق پروری تو قلوب کو مسخر کرتی ہے دُرّے نہیں مارتی۔ سنئے! کہ جناب تفضّل حسین صاحب شاہ صاحب کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔جناب اکرام اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''۔آپ کو کلکتہ میں کمپنی کے مدرسہ کے لئے علامہ تفضّل حسین کی وساطت سے بلایا گیا۔دہلی میں آپ کے روزگار کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔''(588رودکوثر)

یہ ہیں ہمارے علمائے شیعہ جو یوں مدد کے لئے تیار رہتے ہیں۔تحفہ سے یا تحفہ اثناعشریہ لکھنے والے سے محبت واحسان کا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔اُن ہی کا اثر تھا کہ جناب شاہ صاحب لکھنؤ جانے اور اپنی طرزفکروعمل بدلنے کو آمادہ تھے۔ سنئے! خود عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''۔ملفوظات عزیزی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا''۔غازی الدین حیدر بلا منصب وجاگیر مجھے طلب کرے تو میں جانے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ تعرض نہ کرے۔اور انشاء اللہ خلقت الٰہی کو بڑی ہدایت ہوگی۔اور میں اپنی تقریروں میں مناسب تبدیلی کرکے اُن کو مفید بنادوں گا۔اور نئے انداز کی تقریر کروں گا۔جو عوام میں مقبول ہوں گی۔اور لوگ فریفتہ ہوں گے۔''(ملفوظات عزیزی صفحہ 111 فضائل الصحابہ صفحہ 56)

قارئین آپ نے دیکھا کہ کتاب تحفہ 1200ھ ہجری میں شائع ہوئی اور نواب غازی الدین حیدر 1229ھ ہجری سے 1243ھ ہجری تک بادشاہ لکھنؤ رہا۔اور شاہ عبدالعزیز 1238ھ ہجری میں وفات پا گئے۔لہٰذا ظاہر ہے کہ تحفہ لکھنے کے بعد بھی اور دلدار علی اینڈ کمپنی کے پورے نفرت انگیز کاروبار کے باوجود بھی عبدالعزیز صاحب اپنے رویہ اور تقریروں میں تبدیلی کا اعلان کرتے ہیں۔ظاہر ہے کہ جو بھی تبدیلی وہ کرتے وہ مذہب شیعہ کے حق میں اور اپنے سابقہ رویہ کے خلاف کرتے۔اور لکھنؤ کی شیعہ پبلک یقیناً اسی صورت میں پسند کرتی اور فریفتہ ہوتی۔ جب کہ شاہ صاحب فضائل اہلبیتؑ کو اپنا مستقل عنوان بناتے اور دشمنان اہلبیتؑ کی طرف سے منہ پھرا لیتے۔اور یہ عملدرآمد یقیناً موجب ہدایتِ خلق ہوتا۔اور اگر اُن سے تعرض نہ کیا جاتا تو وہ بھی اپنے والد جناب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی افضلیت کا اعلان کردیتے۔مگر

غازی الدین حیدرکواور دیگر شاہان اودھ کوغفراں مآب اوران کے فرزند سید محمد صاحب جس الجھن میں پھنسا گئے تھے۔ وہ یوں آسانی سے شیعہ وسنی اتحاد کو برداشت نہ کرسکتے تھے۔ لہٰذا مناظرہ بازی اور دشنام طرازی، فریب سازی اور مجتہد نوازی شیطانی فیاضی کے ساتھ جاری رہتی چلی گئی۔

(18) تفضّل حسین صاحب کا دوسرا انتظام

دلدارعلی اینڈ کمپنی کے پروپیگنڈے کو غلط ثابت کرنے کے لئے ہم نے علامہ تفضّل حسین صاحب قبلہ اور دوسرے علمائے شیعہ سے تعارف کرایا تھا۔ تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ غفراں مآب کی ہمارے علماء کے سامنے کوئی علمی پوزیشن نہ تھی۔ اس وقت ہم نے ایک عالم کو محفوظ کرلیا تھا۔ تاکہ اُن کا تذکرہ تحفہ اثناعشریہ کے سلسلے میں بیان کردیں اور دکھائیں کہ بے چارے غفراں مآب اور سید محمد صاحب اور دیگر مُہرے بالکل فضول بے اثر اور نکمے تھے۔ جس انتظام کے ماتحت جناب تفضّل حسین صاحب کو دہلی کے علماء کے حالات معلوم ہوتے تھے وہ قابل غور ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی دراصل حکومت برطانیہ کے اس اعلیٰ ترین فرد کا نام ہے۔ جو بعد میں وائسرائے کہلاتا تھا۔ اوراس وقت بادشاہان دہلی واودھ کے نواب سب اس کے ماتحت تھے۔ اُن کو یہ معلوم نہ ہوسکتا تھا کہ عبدالعزیز کون ہے؟ بے روزگار ہے یا باروزگار ہے، اچھا آدمی ہے یا بُرا، عالم ہے یا جاہل ہے؟ یقیناً اس کا تعلق براہ راست جناب تفضّل حسین صاحب قبلہ سے تھا اوراُن ہی سے ایک مدرس کے فراہم کرنے کو کہا گیا ہوگا۔ چنانچہ جو شخص عبدالعزیز کے گھریلو حالات سے واقف تھا۔ جو روزانہ شاہ صاحب سے ملاقات کرتا رہتا تھا۔ اُسی شخص نے تفضّل حسین صاحب کو بتایا ہوگا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز کی ملازمت کا بندوبست فرمادیں۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسہ میں مولانا کیا کیا سبجیکٹ پڑھاسکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ برطانیہ کا انتظام یہ تھا کہ اُن کے مدرسہ کے طلبا قرآن وحدیث بھی پڑھیں۔ تاکہ مسلمانوں کے علماء کا معیار برقرار رہے۔

(19) تحفہ اثناعشری کا سب سے پہلا اور مُسکت جواب کس نے دیا

غفراں مآب کے قصیدہ گو اور پروپیگنڈسٹس یا نقارچی اپنے کان کھول کرسنیں کہ وہ جھوٹے ہیں، فریب ساز ہیں۔ دلدارکو اپنے زمانے کا پہلا عالم؛ ہندوستان کا سب سے بڑا عالم؛ اور مذہب شیعہ کی ابتدا کرنے والا عالم بتانے کی سازش ختم کردیں۔ تاریخ اُن لوگوں پر ملامت کرتے ہوئے بتاتی ہے کہ:۔

(الف) حضرت علامہ مرزا محمد کاملؒ بن عنایت احمدؒ خان صاحب

''۔ دلدارعلی کے خاندان کے علاوہ اُس زمانہ میں کئی اور نامور شیعہ علما تھے۔ اُن میں مُلّا محمد علی کشمیری کا ہم ذکر کرچکے ہیں۔ ایک اور سرگرم شیعی بزرگ مرزا محمد کامل بن عنایت احمد خان کشمیری مقیم دہلی تھے۔ وہ ایک حاذق طبیب تھے۔ لیکن شیعہ سُنّی

مباحث میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔شاہ عبدالعزیز سے اُن کی تحفہ اثناعشریہ سے پہلے ہی بحثیں ہوا کرتی تھیں۔اور جب یہ کتاب (تحفہ اثناعشریہ) عام ہوئی تو مرزا نے اُس کے جواب میں نزہت اثناعشریہ لکھی۔اس کا ذکر ہم تحفہ اثناعشریہ کے ضمن میں کر چکے ہیں۔'' (صفحہ 638 رودکوثر) تحفہ کے ضمن میں لکھا تھا کہ:۔

''۔علامہ حکیم مرزا محمد کامل دہلوی نے تحفہ اثناعشریہ کے جواب میں نہ صرف نزہت اثناعشریہ لکھی۔بلکہ اُن مباحث سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جو تحفہ کی اشاعت سے پیدا ہوئے تھے۔انہوں نے اپنی عمر صرف کردی۔'' (صفحہ 592 رودکوثر)

اب مندرجہ بالا (صفحہ 638) اقتباس مسلسل کرلیں۔

''۔اس کے علاوہ بھی مرزا نے متعدد کتب تصنیف کیں مثلاً 1۔تاریخ العلماء 2۔منتخب کنز العمال ملا علی متقی۔جس میں جناب امیر علیہ السلام اور دیگر آئمہ علیہم السلام کی امامت پر احادیث جمع کی ہیں۔اور وہ تمام احادیث جمع کی ہیں جن سے خلفائے ثلاثہ اور دیگر صحابہ کی مذمت اور عیوب ثابت ہوتے ہیں۔(صفحہ 638 رودکوثر)

| درآں احادیث دال برامامت جناب امیرؑ ودیگر آئمہ ہدیٰؑ ومثالب ومعائب خلفائے ثلاثہ ودیگر صحابہ انتخاب فرمودہ اند۔'' |

3۔ایک اور کتاب علامہ ابن حجر عسقلانی کی ایک تالیف سے اخذ کی گئی تھی۔اور اُس میں صحاح ستہ کی قابل اعتراض باتیں جمع کی تھیں۔4۔کتاب تنبیہ اہل الکمال والانصاف علی اختلال رجال اہل الخلاف۔'' درآن اسمائے رجال کذّابین ووَضّاعین ومجہولین وضعفا وخوارج ونواصب وقدریہ ومرجیہ راکہ ارباب صحاح سِتہ کہ بقول اصح عبارت از صحیح بخاری ومسلم وترمذی ومالک ونسائی وابوداؤد است۔درکتاب صحاح خود آورہ اند۔ایں کتاب راازتقریب ابن حجر عسقلانی استخراج فرمودہ۔''

4۔وہ کتاب جس میں اہل کمال اور اہل انصاف کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اہلسنت کے وہ راوی جن سے صحاح ستہ کو بھرا گیا ہے۔کیسے ناقابل اعتبار ہیں۔اس کتاب میں علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تقریب سے یہ دکھایا گیا ہے۔کہ اہلسنت کے یہاں جو سب سے صحیح حدیث کی چھ عدد کتابیں ہیں۔ان میں کاذب۔جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے۔مجہول لوگ۔ناقابل اعتبار لوگ۔خارجی مذہب کے لوگ۔اہلبیتؑ کے مشہور دشمن لوگ۔قدریہ اور مرجیہ مذہب کے لوگ حدیث کے راوی ہیں۔لہٰذا یہ کتابیں درجہ اعتبار سے قطعاً ساقط ہیں) 5۔ایک اور کتاب میں اہلسنت کے تعصّبات اور قابل اعتراض خیالات کو جمع کیا تھا۔(صفحہ 639-638 رودکوثر)

علامہ جناب مرزا محمد کامل کے لئے ایوب صاحب کا بیان بھی سن لیں۔

(ب) علامہ مرزا محمد کامل جس کی دلدار نے نقل کی

علمائے شیعہ میں سے وہ ہستی جس نے شاہ صاحب کو دکھا دکھا کر جواب لکھا اور تحفہ اثنا عشریہ کو غلط اور باطل اور بے اثر کر دیا۔ جس کی مدد سے غفراں مآب، سید محمد اور کنتوریاں نے اپنا نام چمکایا اور تحفہ کا جواب لکھنے والوں میں شمار کرایا۔ اور جہلا کی نظروں میں عالم بن گئے۔ ایوب صاحب باوجود تعصب اور دشمنی کے مانتے ہیں کہ:۔

''۔اب ہم ان کوششوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ جو شیعہ علما نے تحفہ اثنا عشریہ کے رد کے سلسلے میں صرف کی ہیں۔ اس ضمن میں حکیم مرزا محمد المتخلص بہ کامل دہلوی المتوفی 1235ھ کا نام سرفہرست ہے۔ وہ اپنے دور کے نامور فاضل وطبیب تھے۔ اور بقول مولف نجوم السماء تحفے کی تالیف سے پہلے حکیم صاحب اور شاہ عبدالعزیز کے درمیان آپس میں ملاقات کا سلسلہ جاری تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے 1206ھ 1791ء میں نزہت اثنا عشریہ کتاب تالیف کی۔ مرزا محمد نے نزہۃ اثنا عشریہ کا دوسرا نام نصرۃ لمومنین فی دولۃ الشیاطین رکھا۔''(فضائل صحابہ 82-81) چند صفحات پہلے ایوب صاحب نے لکھا تھا کہ:۔

''۔تحفہ اثنا عشریہ کے رد میں شاہ صاحب کے ایک معاصر حکیم مرزا محمد کامل دہلوی متوفی 1235ھ 20-1819ء نے سب سے پہلے قلم اٹھایا اور انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ کی تالیف کے دو سال بعد ایک کتاب نزہت اثنا عشریہ 1206ھ 92-1791ء میں تالیف کی۔ تحفہ اثنا عشریہ ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں امیرالامراء کے مرنے کے بعد لکھا گیا۔ مرزا کا انتقال 6 اپریل 1196ھ 1782ء میں ہوا ہے۔''(صفحہ 74 فضائل صحابہ)

(ج) علامہ مرزا محمد کامل کو تنگ آ کر شہید کر دیا گیا

علامہ شہید چہارم حضرت مرزا محمد کامل رضی اللہ عنہ نے شاہ صاحب کے پاس بیٹھ کر تحفہ اثنا عشریہ کا ہر جُملہ باطل کیا۔ اُن محفلوں میں جو لوگ جمع ہوتے تھے۔ وہ شاہ صاحب کا مذاق اڑاتے تھے اور متعصب قسم کے علمائے اہلسنت وعوام خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے۔ چونکہ شاہ صاحب پر علمائے شیعہ کے احسانات تھے اور یہ علمی گفتگو علمی تھی اس لئے شاہ صاحب منع بھی نہ کر سکتے تھے۔ کسی شخص کو اُس محفل میں مرزا صاحب کے دلائل کا سامنا کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ چونکہ شاہ صاحب ایک معمولی مدرس تھے انہیں علم الکلام اور منطق خصوصاً علوم اہلبیتؑ پر قدرت نہ تھی اس لئے چار پانچ کتابوں کو سامنے رکھ کر تحفہ اثنا عشریہ کے ابواب مرتب کر دیئے تھے۔ حالانکہ کسی بھی بحث کا ذاتی طور پر نہ علم تھا نہ اس پر اعتراض کا جواب دینے کا سامان تھا۔ اس لئے خاموش بیٹھ کر سنا کرتے تھے۔ آخر دشمن گروہ نے مرزا صاحب کو راہ سے ہٹانے کے لئے اپنے مذہب کا قدیم ہتھیار فریب اور زہر خورانی کو اپنا مددگار بنایا سنئے! اکرام اللہ صاحب کے قلم نے اتنا قبول کیا کہ:۔

''۔مرزا محمد کی وفات بڑے افسوس ناک حالات میں ہوئی اور اس سے اُس زمانہ کے مذہبی مناقشات پر روشنی پڑتی ہے۔ نجوم السما کے بیان کے مطابق اُس زمانہ میں بادشاہِ وقت کا ایک رشتہ دار امیر نواح دہلی میں رہتا تھا۔ وہ بڑا متعصب سُنّی تھا۔ اور مرزا کی تصانیف پڑھ کر خون کے گھونٹ پیا کرتا تھا۔ اُس نے ایک مرتبہ بیماری کا بہانہ کیا۔ اور بادشاہ کو کہلا بھیجا کہ اس کے شفا پانے کی واحد صورت یہ ہے کہ مرزا محمد کو اس کے علاج کے لئے بھیجا جائے۔ بادشاہ نے باصرار اُنہیں جانے کے لئے کہا۔ وہ نہیں جانا چاہتے تھے۔ لیکن بادشاہ کے حکم سے مجبور ہوگئے۔ روانگی کے وقت وہ کہتے تھے۔ کہ میرے لئے یہ سفر موت کا بلاوا ہے۔ اور سب سے حقوق بخشوا کر روانہ ہوئے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ انہیں زہر دے دیا گیا۔ اور دہلی میں لاکر پنجہ شریف میں جہاں شیعہ اکابر کی قبریں ہیں دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ 1820ء میں رونما ہوا'' (صفحہ 639 رود کوثر)

قارئین نوٹ کریں کہ تحفہ اثناعشریہ میں اگر کچھ جان ہوتی تو ہمارے اس عالم کی جان لینے کی ضرورت نہ پڑتی۔ تحفہ کی حقانیت سے خود بخود باطل مذہب فنا ہو جاتا۔ لیکن یہ باطل کا باطل تحفہ تھا۔ اُس میں خود اپنی تردید کی گئی ہے اور ہم انشاءاللہ تحفہ کی اساسی تبطیل و تضحیک پیش کریں گے۔ یہ بھی نوٹ کریں کہ آج بھی دشمنانِ اسلام تحفہ کو ہر وقت بغل میں دبائے پھرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ مذہب شیعہ کو باطل کرنے میں آخری کتاب ہے۔ لیکن اُس قوم سے زیادہ جھوٹی قوم کون سی ہوسکتی ہے جو سینکڑوں جوابات کے باوجود تحفہ پر جلی قلم سے یہ شائع کرے کہ آج تک کسی شیعہ عالم سے اس کا جواب نہیں ہوسکا۔''

لعنة الله على الكاذبين .

(20) تحفہ احقاقِ حق کے لئے نہیں مناظرہ کے لئے تھا

ہندوستان میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں بار بار تجربوں اور کوششوں اور تحقیق کے بعد مذہب حقہ اثناعشریہ کی حقانیت مان لی گئی تھی اور وہ تمام طریقے آزما لئے گئے تھے جن سے شیعت کو پھیلنے سے روکا جاسکے۔ اکبر کے زمانے سے کوشش یہ کی گئی کہ کسی طرح حق و باطل میں سمجھوتہ ہو جائے لیکن علمائے شیعہ اس پر راضی کیوں ہوتے۔ لہٰذا پھر اُنہیں کچلنے میں ایک صدی اور گذار دی۔ اس دفعہ شیعت کی طرفداری ہندوستان کی باقی تمام اقوام نے کی اور حکومت کا استبدادی ڈھانچہ ہلا کر رکھ دیا۔ انگریز آگے بڑھتے چلے آئے۔ الغرض تحفہ اُن حرکات مذبوحی میں سے ایک حرکت تھی جو یہ باطل گروہ کر رہا تھا۔ اب اس ٹولے کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح تحقیق کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اور مناظرے و مخالفانہ کتابیں شروع کی جائیں۔ تاکہ عوام کا رجحان تُو تُو مَیں مَیں پر مرکوز ہو جائے۔ اور حق کے حق میں کوئی فیصلہ نہ ہونے پائے تم بھی کچھ کہے جاؤ میں بھی کچھ کہتا رہوں۔ آدھا تیرا آدھا میرا یہ جاہل قوم ہے۔ (نِصفٌ لِیْ وِنِصفٌ لَکَ هذا قوم الجاهلين) اس ففٹی ففٹی کی اسکیم میں شامل کرنے کے لئے غفراں مآب اینڈ کمپنی کو زمین دوز نداؤں اور مشوروں سے تیار کرلیا گیا تھا۔ جو جیسا موقعہ ملتا ویسا اقدام کرتی چلی

آ رہی تھی۔اس کمپنی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھی خبر دار کر دیا گیا تھا۔تحفہ کی تصنیف کا مقصد یہ نہیں تھا کہ دنیا کو حق و باطل میں تمیز ہو جائے اور تحفہ کی مدد سے لوگ حق کو اختیار کر لیں۔بلکہ مقصود یہ تھا کہ شیعوں میں غفراں مآبی گروپ اپنے آلات و کرتب لے کر میدان میں اُتر آئے۔اور یوں یہ دونوں خاندان مداری کی طرح مسلمانوں کو دو عدد مجمعوں میں اپنے ہنر دکھا دکھا کر مصروف تماشہ رکھے۔اس مقصد کی جھلک خود اکرام اللہ کو دکھائی دی ہے:۔

’’۔شروع میں شاہ صاحب نے کتاب کی وجہ تالیف بتائی ہے۔اور لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں شیعہ مذہب کی اشاعت کی اب یہ حالت ہوگئی ہے۔کہ شاید ہی کوئی گھر ہوگا۔جس میں ایک دو آدمی اس مذہب کے قائل اور شیعہ خیالات سے متاثر نہ ہوں (شاہ صاحب کے اپنے گھر میں اُن کے قریبی عزیز اور مشہور فارسی شاعر میر قمرالدین اہل سنت نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا۔اکرام اللہ) لیکن چونکہ یہ صورت حالات ناواقفیت اور غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔اس لئے اس کتاب تحفہ اثناعشریہ میں اس کے تدارک کا انتظام کیا گیا ہے۔تاکہ مناظرہ کے وقت آسانی ہو۔‘‘(صفحہ 594 رودکوثر)

اگر مذہب میں حقانیت ہوتی تو شاہ صاحب اس عالم کو شیعہ ہونے سے روک لیتے جو نہ صرف قریبی عزیز تھا بلکہ شاہ صاحب نے اس کی خصوصی تربیت کی تھی۔اسے محقق بنایا تھا، کتاب عجالہ نافعہ اس کے لئے لکھی تھی۔تحفہ اثناعشریہ اور خود شاہ صاحب اُس کے سامنے ٹھہر نہ سکتے تھے۔بس صحیح اُسی قدر ہے جو ہم نے لکھا ہے کہ چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد۔ مذہب حق نہ سہی مناظروں میں سہولت ہی سہی۔شاہ صاحب دونوں فریق کو مناظرہ میں الجھانے کے لئے جو الفاظ لکھتے ہیں۔وہ یہ ہیں کہ:’’۔تادروقتِ مناظرہ از جادۂ خود بیروں نہ روند و اصول خود را منکر نہ شوند و در بعضی از امور واقعی شک و تردّد راراہ ندھند۔‘‘ (فضائل صفحہ 72)

تاکہ مناظرہ کے وقت اپنے مقام سے نہ ہٹیں اور اپنے اپنے اصول سے منکر نہ ہوں۔اور جو بعض واقعات سچ مچ حقیقت رکھتے ہیں۔اُن میں شک اور تردد کو راہ نہ دیں۔‘‘مطلب یہ کہ دونو جہاں ہیں وہیں رہیں۔

(21) تحفہ اثناعشریہ سُنّی کو سُنّی رکھنے کے لئے لکھا گیا تھا

تحفہ سے متعلق جو سب سے دل چسپ بات ہے وہ شاہ صاحب نے خود لکھ دی ہے ملاحظہ ہو:۔

مجھے اس مذہب کو رد کرنا مقصود تھا۔تاکہ لوگ شیعہ عقائد کو اختیار کرنے میں یا تو کم از کم سست ہو جائیں یا زیادہ سے زیادہ شیعہ عقائد کو ترک کر دیں خُدا کا شکر ہے کہ اس کتاب سے یہ

’’۔غرض کہ منظور ردِّ این مذہب بود کہ مردم بدیدنِ ایں کتاب درآں اعتقاد سُست شوند یا ترک نمایند الحمدللہ کہ ایں معنی حاصل شد۔‘‘(فضائل صحابہ صفحہ 75)

مطلب حاصل ہوگیا ہے۔‘‘(فضائل صحابہ صفحہ 75)

دیکھا آپ نے کہ خود شاہ صاحب کے نزدیک تحفہ اثنا عشریہ میں نہ یہ قوت ہے نہ شاہ صاحب کا یہ مقصد ہے کہ اس سے شیعوں کو مذہب شیعہ چھوڑ کر اہلسنت بنایا جاسکے۔ بلکہ اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ:۔

(الف) جو اہلسنت ابھی شیعہ نہیں ہوئے ہیں اور تیزی کے ساتھ مذہب شیعہ کی طرف بڑھ رہے ہیں اُن کی رفتار کو سُست کیا جاسکے اور:۔

(ب) جو شیعہ ہو چکے ہیں اُن سے ترک مذہب کی امید کی جاسکے۔ رہ گیا شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ اس کتاب سے یہ مطلب یا مقصد حاصل ہوگیا ہے۔ اس وقت تک غلط ہے۔ جب تک یہ نہ دکھایا جائے کہ شاہ صاحب کے خاندان کے جو علماء شیعہ ہوگئے تھے۔ انہوں نے مذہب شیعہ ترک کر دیا تھا یا آئندہ اُن کے خاندان کا کوئی فرد شیعہ نہ ہوا تھا۔

(22) مذہب شیعہ کا پھیلاؤ تحفہ نے نہیں غفراں مآب نے روکا

جیسا کہ ہم عرض کر چکے کہ غفراں مآب اور پھر اُن کے جانشین مسلسل اہلسنت عوام کو شیعوں سے متنفر کرنے اور خود شیعوں کو جاہل رکھنے اور متعصب بنانے میں مصروف رہے، اس لئے مذہب شیعہ سے دشمنی ہوگئی۔ ایسے لوگ موجود ہیں جو ہماری تصدیق کریں گے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ اہلسنت اور شیعوں میں یہ کہاوت مشہور تھی کہ ایک جاہل شیعہ سنی علماء سے زیادہ مذہب کو جانتا ہے۔ لیکن آج غفراں مآب اور اُن کے چمچوں نے قوم کو کہاں پہنچا دیا ہے؟ ایک ہزار شیعوں میں سے ایک شخص بھی عربی اور فارسی دان نہیں ملتا۔ دو فیصد بھی وہ لوگ نہیں ہیں جو آئمہ علیہم السلام کے پورے نام جانتے ہوں۔ اجی عوام کو چھوڑو کسی عالم سے معلوم کرو کہ جناب امام زین العابدینؑ یا کسی اور امامؑ کی ازواج کے کیا کیا نام تھے؟ آپ نے دیکھ لیا کہ جناب علامہ مرزا محمد کامل نے تحفہ کا جواب لکھا جو ساری دہلی کے عوام میں پھیلا۔ تحفہ کے تمام مباحث کو مجالس اور محافل اور شاہ صاحب کے حلقہ نے باطل کیا اور اُدھر دہلی کے صوفیائے کرام نے اپنے لاکھوں مریدوں کو اس کتاب کے پڑھنے۔ گھر میں رکھنے اور اس کتاب کے پڑھنے والوں سے ترک تعلق کا حکم دیا اور اس طرح دہلی میں اس کتاب کا اثر و نفوذ ہی نہیں بلکہ نام تک مٹ گیا۔

(23) غفراں مآب نے تحفہ کو ذریعہ معاش و نمائش بنا لیا

ایک بات جس پر غور کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ آج جب کہ تعلیم و تعلّم کے وسائل سہل الحصول ہیں۔ نقل و حمل کے وسائل عام ہیں۔ گھر گھر اخبار و رسائل پہنچ سکتے ہیں۔ ایسے زمانہ میں کتنے ایسے لوگ ہیں جو کتاب تحفہ پڑھ سکتے ہیں؟ پھر کتنے فی صد لوگ تحفہ کو پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں۔ مانیں یا نہ مانیں دس ہزار میں سے ایک آدمی ایسا ملے گا جو پڑھ کر سمجھ سکے۔ یعنی یہ سمجھ لیں کہ ہر میٹرک پاس شخص تحفہ کے اردو ترجمہ سے مستفید نہیں ہوسکتا تو سوچئے کہ اُس زمانہ میں فارسی لکھے پڑھے لوگوں کی

تعداد کیا ہوگی؟ اور پریس سے کس مقدار میں تحفہ شائع ہوا ہوگا؟ اور کتنے لوگوں کو اور کس طرح اُس کی اشاعت کی اطلاع ملی ہوگی؟ پھر کتنے آدمیوں نے خریدا ہوگا؟ اُس زمانہ کو چھوڑیئے آج جب کہ ماشاءاللہ مکذوبات کے شائع کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔اور مکذوبات شائع کرنے کے لئے تجارت ہورہی ہے۔اِس وقت بھی ننانوے فیصد علماء تحفہ کو پڑھے ہوئے نہ ملیں گے۔ چہ جائیکہ عوام۔لہٰذا تحفہ نے یہ کردیا، ''تحفہ نے مذہب شیعہ کی رفتار کو روک دیا''، تحفہ یوں ہے، تحفہ فلاں ہے، صرف عملی ڈھونگ ہے جسے غفراں مآب نے شروع کیا اور بلامذہبی ضرورت کے تحفہ کے جوابات کا شور مچایا۔ پھر اپنے جانشینوں اور شاگردوں کو روزی کمانے کا ذریعہ بتایا اور تحفہ کی آڑ میں مسلمانوں کو افتراق وانتشار میں مبتلا کیا۔

غفراں مآب اینڈ کمپنی نے 1940ء تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی تھی۔ جو مناظرہ اور نفرت سے خالی ہوتی۔ اُنکی تصانیف میں کوئی تخلیقی کتاب نہیں ہے۔ 1941ء میں جناب علی نقی صاحب نے ایک بورڈ میں گھرے ہوئے قلم سے ایک ایسی کتاب لکھنے کی غلطی کی جو شیعوں کی طرف سے ہر اہلسنت کو بطور تحفہ پیش کی جاسکتی تھی۔مگر کمپنی کے ٹھیکیداروں اور اُس وقت کے ایجنٹوں نے مولانا علی نقی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جدھر جاتے بچوں کو پیچھے پیچھے شور وغوغا کیلئے لگادیتے، غول کے غول گالیاں دیتے، تبرا کرتے، پیچھے پیچھے چلتے۔غنڈوں کو قتل کیلئے رقمیں دلانے کا بندوبست کیا گیا۔آخر غریب مولوی اور یکہ وتنہا شریف عالم نے کتاب واپس لے لی۔ پھر بھی خاندان میں مقبول آدمی کی حیثیت آج تک نہیں ملی۔ساری عمر حلال کی روزی کھانے اور ملازمت کرنے کی وجہ سے پارٹی میں کوئی مقام نہ ملا نہ حصہ دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت غفراں مآب کے خاندان میں اُنکے سوا کوئی عالم نہیں ہے۔جو پیدائشی قسم کے گدی نشین عالم ہیں، انہیں ماشاءاللہ یہ بھی علم نہیں کہ اُنہوں نے کیا کیا پڑھا تھا؟ اور کس نے پڑھایا تھا۔ یہ زمانہ تو خیر سے اُنکے زوال وتباہی کا ہے۔لیکن جناب غفراں مآب کے بعد پہلی ہی نشست میں زوال کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔اور تھوڑے ہی دنوں میں کنتوری اینڈ کمپنی نے لکھنؤ میں اُنکا دِیا ہٹا کر اپنا چراغ جلالیا تھا۔مگر کاروبار، پارٹی پالیٹکس برابر وہی رہی۔فرق اتنا ضرور ہوا کہ جناب ناصر حسین صاحب قبلہ نے تبرا ایجی ٹیشن کا انتظام اور لعنت کی قیادت فرمائی۔ سارے ہندوستان کے شیعوں کو لعنت وتبرا کی آگ میں جھونک دیا۔ ریل کے ڈبوں پر، تانگوں پر تانگے کے گھوڑوں پر، دیواروں پر، موٹروں پر، تبرا کے پوسٹر لگے ہوئے تھے۔اُدھر اہلسنت نے پہلے ہی مدح صحابہ کی آڑ میں تاریخ کے بدنام ترین لوگوں کی مدح وثنا کرنا جاری کرلیا تھا۔ اور آج تو خدا کے فضل سے یزید بھی مخالف محاذ کے ہیرو ہیں۔جن پر غفراں مآب کے مشن کی ضد میں درود وسلام پڑھا جارہا ہے۔ یہ تھا غفراں مآب کا مقصد جو حاصل ہوگیا۔ یہ تھی وہ غرض جس کے حصول کیلئے انہوں نے اور اُنکے ہواخواہوں نے کاغذ کالے کئے یعنی کتابیں لکھیں، تقریریں کیں۔ اُنکے عقائد میں تنقیص اہلبیتؑ لازم ہے۔ اُنکے اعمال میں مسلمانوں میں نفرت پھیلانا ضروری ہے۔اُن کی تبلیغ میں تمام دنیا کو جاہل

ومقلّد رکھنا واجبات میں ہے۔اُن کے یہاں خود جاہل رہ کر دعویٰ علم واجتہاد کرنا مرسوم ومشہور ہے۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

(24) مذہب شیعہ اثناعشریہ کے خلاف نہیں اجتہاد کے خلاف

آپ نے ہماری اس کتاب میں بار بار ملاحظہ کیا ہے کہ تحریک تشیع نے مختلف انداز میں نظامِ اجتہاد کو دنیا سے مٹانے کا انتظام کیا۔مختلف زمانوں میں نئے نئے اسلوب سے نئی نئی تحریکیں قائم ہوئیں۔اورسب نے اسلامی اصول وقوانین کے دائرہ میں رہ کر نظام اجتہاد کی مدّ مقابل قوت کا مقابلہ کیا اور ہر میدان میں اُسے شکست پر شکست دی۔حالانکہ مخالف محاذ کے پاس حکومت تھی،کثرت تھی،اورنام نہاد خلافت یا اسلامی حکومت تھی۔تین سوسال گذر جانے کے بعد نظام باطل کو یہ موقعہ ملا کہ وہ مذہب شیعہ کی نقاب چہرہ پر ڈال کر ملتِ شیعہ میں داخلی تخریب شروع کرے۔حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے فرزند جناب امام مہدی علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ ملتِ شیعہ میں نقاب پوش دشمن جگہ جگہ موجود ہے۔آپؑ نے اُن تمام نام نہاد شیعوں سے اپنے اس نظام کو محفوظ رکھنے کے لئے غیبت کے پردے ڈال دیئے۔اوروہ معصومؑ مرکز جو مسلسل معلوم ومشہور چلا آ رہا تھا عوام کی نظروں سے غائب ہوگیا۔اِس غیبت نے اُن لوگوں کو موقع دے دیا جو برابر نظام اجتہاد سے دلچسپی رکھتے تھے۔چنانچہ اُنہوں نے مخالف محاذ کے اصول وقواعد کو شیعوں میں پھیلانا اورشیعہ لیبل سے کتابوں میں مرتب کرنا شروع کیا۔حکومت وقت سے مشروط تعاون اختیار کیا۔بالکل یہی محاذ ہندوستان میں جناب غفراں مآب نے قائم کیا۔یہی محاذ تھا جس نے عراق وعرب وایران میں ہماری تمام سیاسی جماعتوں پر کفر والحاد وزندقہ وشرک کے فتاویٰ لگا کر اُن کو شرعی حیثیت سے جداگانہ فرقوں میں تقسیم کیا تھا۔حالانکہ وہ محض سیاسی تحریکیں اور جماعتیں تھیں۔اس طرح اس محاذ نے عراق وعرب وایران میں شیعیت کی ایک نئی صورت اختیار کرلی جس کے یہاں ہماری کسی تحریک اور جماعت کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔انہوں نے کسی کو زیدیہ کہا،کسی کا نام اسماعیلیہ رکھا،کوئی جماعت کیسانیہ بنائی گئی،کسی کو باطنیہ کا لقب دیا،کسی کو قرامطہ کہا اور سب کو بلاتکلف اسلام سے خارج قرار دیا۔اُن سے ربط وضبط ومعاشرت اورنکاح تک حرام قرار دیدیا۔حد یہ ہے کہ تین سوسال سے جو مشہور علماء اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے زمانوں کے صحابہ چلے آرہے تھے۔اور جو نہ کبھی سیاسی تحریکوں میں شامل ہوئے تھے۔نہ مخالف محاذ کے نزدیک غیر معتبر تھے۔جن کا علم وتقویٰ مشہور ومعروف تھا۔اُن کو اخباری کہہ کر اُن کے خلاف بھی تحریر وتقریر شروع کردی۔یہ سب کچھ ہم نے تفصیل سے لکھا ہے۔یہاں تو یہ بتانا ہے کہ مذہب اثناعشری کے خلاف نہ کبھی پہلے کوئی دلیل قائم ہوسکی تھی نہ اب یہ نیا محاذ قائم کرسکا۔جو کچھ تحفہ اثناعشریہ میں لکھا گیا۔اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ شاہ صاحب نے اُن تمام اتہامات کو ایک عمدہ ترتیب کے ساتھ دوہرایا ہے جو عراق وعرب وایران کے شیعہ مجتہدین نے مذہب شیعہ پر لگائے تھے۔اوراپنے ثبوت میں وہی کتابیں اورتحریریں پیش کردی ہیں جو شیعہ مجتہدین نے اس سلسلے میں لکھی تھیں۔یعنی مذہب شیعہ کے مخالف محاذ کی دونوں

شاخوں نے آپس میں ایک دوسرے پر اعتراض کر کے لوگوں کو یہ دکھایا کہ ہم مذہب شیعہ کو غلط ثابت کر رہے ہیں۔لیکن ہماری اِس کتاب کو پڑھنے والے اسلام کے مخالف محاذ کی ہر شکل کو الگ الگ پہچانتے ہیں۔ یہ مخالف محاذ آنحضرتؐ کے زمانہ میں انڈر گراؤنڈ تھا۔ اس کے بعد جب اُسے حاکمانہ قوت حاصل ہوگئی تو اُس نے کھلے میدان میں اپنے اُن عقائد کو نافذ کرنا چاہا جو نزول قرآن کے دور میں زمین دوز منصوبے کے ماتحت پھیلائے جا رہے تھے۔اُن کی قوت کا مقابلہ تحریک تشیع کے خفیہ محاذ یعنی شعبہ تصوف نے کیا جس کی کارکردگی نے مسلمانوں کی کثرت کو حکومت کے خلاف چوکنّا کیا۔اور پھر تحریک تشیع کے صاحبان سیف قربان ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافت کا جنازہ نکل گیا۔جلاوطن ہونے والے علماء وعوام دنیا بھر میں پھیلے، حکومتیں قائم کیں اور رفتہ رفتہ دنیا پر چھاگئے۔ ہندوستان میں مخالف محاذ کو ختم کر دیا۔ یہاں تک کہ پھر وہی نقاب پوش ندائے غیبی کے ماتحت شیعہ بن کر سامنے آگئے۔تا کہ وہ اپنے بھائی بندوں کی داخلی مدد کرسکیں۔

چنانچہ اگر صرف تحفہ کے اعتراضات تک بات ہوتی تو تحفہ کا حاضر جواب خود شاہ صاحب کو دیدیا گیا تھا۔اور نہ صرف تحفہ اثناعشریہ کا جواب دیا گیا تھا بلکہ آج تک جس قدر اعتراضات ہوئے ہیں،سب کا جواب شاہ صاحب کی زندگی ہی میں لکھ کر حوالے کر دیا گیا تھا۔اگر ہمارا یہ دعویٰ غلط ہے تو ہمیں ایک ایسا اعتراض دکھا دیا جائے جس کا جواب 1204ھ ہجری تک علمائے شیعہ کے یہاں سے نہ دیا جاسکا ہو۔ نئے نقاب پوش دلدارانہ محاذ کے قیام سے جونئی اسکیم شروع ہوئی وہ یہ تھی کہ اُن ہی اعتراضات اور جوابات کو دونو مخالف محاذ دوہراتے رہیں۔اور ہر دفعہ نفرت پھیلانے کے لئے نئے نام اور نیا انداز اختیار کرتے چلے جائیں۔یعنی مَن تُرا مُلّا بگوئم تو مرا حاجی بگو کے اصول پر تُو مجھے لعنتی قرار دے میں تجھے ملعون کہوں تاکہ دونوں کی تائید میں امتِ مسلمہ اُلجھی چلی جائے۔اوراس طرح مخالف محاذ شیعہ پیش رفت سے محفوظ و مامون ہوجائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ملت شیعہ کی کثرت غفراں مآب اینڈ کمپنی کو مذہب شیعہ کا نمائندہ سمجھنے پر مجبور کر دی گئی۔

(25) سلطان العلماء ملتِ شیعہ پرسوار ہوگئے

جناب غفراں مآب کی پوزیشن ایک طفیلی پیش نماز سے کچھ بھی زیادہ نہ تھی۔لیکن جب حسن رضا خان وزیر کو جناب علامہ تفضّل حسین صاحب قبلہ نے تحفہ کا جواب لکھنے سے مایوس کر دیا تو اب جناب غفراں مآب کے لئے میدان ہموار ہوگیا۔ چونکہ تحفہ کا جواب دہلی حکومت کے عالم نے لکھا تھا۔اور لکھنؤ کی شیعہ حکومت خود کو سارے ہندوستان کے شیعوں کی راہنما سمجھتی تھی۔اس لئے انہوں نے جواب کا سہرا باندھنے کے لئے غفراں مآب کو قلم دے کر بٹھا دیا اور بلاضرورت تحفہ کا جواب لکھنؤ میں شروع کیا گیا۔جس طرح جناب شاہ صاحب نے صواقع موبقہ کو فارسی میں تبدیل کر کے تحفہ اثناعشریہ لکھنے کا فخر حاصل کر لیا تھا۔ بالکل وہی انداز مجتہد صاحب نے اختیار کر لیا۔مگر افسوس کہ تحفہ کا پورا جواب سامنے ہوتے ہوئے بھی اُن سے تحفہ کا جواب مکمل نہ

ہوسکا۔اور جو کچھ لکھا وہ محض روایتی شہرت تک محدود ہو کر رہ گیا۔ پبلک کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔صرف خاندان اور متعلقین کے حلقہ تک قید رہا اور آج خود اُن کے ہواخواہوں کے پاس بھی نہیں ہے۔مگر الحمدللہ کہ نُزهة اثناعشريّة حکومتوں کی سطح سے غائب کرنے کی کوششوں کے باوجود کافی جلدوں میں موجود ہے۔غفراں مآب تحفہ کے جواب کی ابتدا کے بعد حسن رضاخان کی نظروں میں کچھ بلند ہوئے مگر اُن کے انتقال کے بعد اُن کے فرزند جناب سلطان العلماء سید محمد صاحب کو وہ پوزیشن مل گئی۔ جس سے غفراں مآب پیش نمازی کی وجہ سے محروم رہے تھے۔اکرام اللہ کے مبالغہ آمیز الفاظ میں سنئے ! لکھتے ہیں:۔

(26) مجتہد آخر کار سُنّی شیخ الاسلام بن ہی گیا

’’۔مولانا دلدار علی صاحب کے کام کی اہمیت صرف اُن کی تصانیف اور ذاتی تنظیمی کوششوں میں نہیں؟ بلکہ اُن کے تلامذہ اور فرزندوں نے اُن کا کام جاری رکھا؟ اور اس کی بنیادیں گہری اور پختہ کردیں؟ اُن کے مشہور تلامذہ (شاگردوں) میں سے مفتی سید محمد قلی خان کنتوری ۔مرزا محمد خلیل زائر۔سید احمد علی الحمدآبادی اور میر مرتضیٰ کے نام لئے جاتے ہیں۔مولوی یاد علی نے جو آپ کے چچیرے بھائی اور شاگرد تھے۔کلام مجید کی تفسیر شیعہ نفطہ نظر سے فارسی میں لکھی۔لیکن آپ کا اصل فیض آپ کے فرزندوں نے جاری رکھا؟ اُن میں سب سے بڑے اور والد کے جانشین اور وصی سلطان العلما مولانا سید محمد تھے۔ ۔’’مرجع خلائق درریاست دینی ودنیوی بود۔‘‘(دین اور دنیا کی حکومت میں مخلوقات کے لئے مرکز احتیاج تھے۔احسن) شاہانِ اودھ کے عہد میں اُن کا وہی مرتبہ تھا۔جو بعض سُنّی ممالک میں شیخ الاسلام کا ہوتا ہے؟ شاہانِ اودھ کی رسم تاج پوشی کے وقت سلطان العلما ہی اُن کے سر پر تاج رکھتے تھے۔مملکت کے تمام شرعی اور مذہبی امور آپ کی رائے سے طے پاتے۔محکمہ افتا آپ کے سپرد تھا۔اور آپ کی سفارش پر ہی مفتی اور اس محکمے کے دوسرے ملازم مقرر ہوتے۔آپ کے مشورے سے ایک مدرسہ شاہی قائم کیا گیا۔بادشاہ آپ کی رائے کا بڑا پاس کرتے اور وہ اپنا اثر ورسوخ شیعہ ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرنے اور شیعہ مذہب کی اشاعت وتقویت کے لئے استعمال کرتے۔غالب کے فارسی خطوط پڑھنے والے جانتے ہیں۔کہ اُسے شاہانِ اودھ سے عطیہ اس وقت وصول ہوا۔جب اُس نے سلطان العلما کو اپنا ذریعہ وواسطہ بنایا۔(ذرا آگے چل کر لکھا ہے کہ) شاہانِ اودھ بالخصوص امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے زمانہ میں سلطان العلما کو جو اقتدار حاصل تھا۔وہ اُن کے والد بزرگوار کے حصے میں بھی نہ آیا۔لیکن اُن کے حصے میں تلخ لمحے بھی زیادہ تھے۔اودھ کی حکومت کا خاتمہ اُن کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ اور جنگ آزادی (1857ء) کے بعد جب لکھنؤ پر دوبارہ انگریزوں کا قبضہ ہوا۔تو آپ کو لکھنؤ سے ہجرت کرکے قریب کے ایک قصبے میں پناہ لینا پڑی۔اور اپنے خاندان وعیال واطفال کے ساتھ تشویش اور پریشانی کا ایک پرآشوب زمانہ دیکھنا پڑا۔ آپ کی وفات 24 جولائی 1867ء کو ہوئی اور اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

تحفہ اثنا عشریہ کے ایک حصہ باب امامت کا بھی آپ نے جواب لکھا جو نظر ثانی نہ ہو سکنے کے باعث شائع نہ ہوا۔''

(رود کوثر صفحہ 637-636)

(27) ملتِ شیعہ پر اجتہادی نظام کی مکمل گرفت

اس طویل اقتباس میں سے جو سب سے اہم سوال سامنے آتا ہے اور جس کا جواب کہیں موجود نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ غفراں مآب کا حقیقی کام یا مقصد کیا تھا؟ جسے اُن کے فرزندوں اور تلامذہ نے جاری رکھا؟ اگر تصنیفات اور ذاتی تنظیمی کوششوں کو بھی مقصد نہ سمجھا جائے اور اُن کو اہمیت نہ دی جائے تو پھر اہمیت کس کاروبار کو دی جائے؟ یہ بڑا اہم نکتہ ہے جو اکرام اللہ صاحب کے قلم سے لاشعوری طور پر ٹپک پڑا ہے۔ یہ سوال تو بلا جواب رہ گیا۔ لیکن باقی بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ سلطان العلماء کو سیاسی طور پر یہ مقام حاصل تھا کہ وہ تمام اہل قلم، تمام اہل علم، تمام قانون دانوں اور دانشوروں کو چاندی اور سونے کی روپہلی وسنہری رسیوں سے باندھ کر اپنی تقلید، قصیدہ گوئی اور تاریخی حقائق کا رخ موڑنے میں استعمال کر سکیں۔

چنانچہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس دور میں جو کچھ لکھا گیا وہ دلدار اینڈ کمپنی کی اسکیموں اور اشاروں کے مطابق خوب بڑھا چڑھا کر لکھا گیا۔ اور ایک ایسے نظام تقلید کو گہرا اور مستحکم کیا گیا جس کی جڑیں ہلانے میں تقریباً ایک صدی صرف ہوئی ہے۔ جہاں جہاں اور جس جس کے ہاتھ میں قلم تھا یا منہ میں غالب ایسی زبان تھی۔ دلدار اینڈ کمپنی کی طرفداری میں چلنے لگے۔ انعام عطیات تنخواہیں وظائف جاری ہوئے۔ جس نے جس قدر زیادہ خوشامدانہ اور دلیرانہ اسلوب اختیار کیا اسے اُسی تناسب سے جاگیریں اور سرپرستی ملی۔ یہی وجہ ہے کہ نجوم السما کے ایسا مولف بھی جہاں موقعہ ملتا ہے اُن کے حق میں ایک غپ مار جاتا ہے۔ شروع ہی میں اُس کا فارسی جملہ'' ۔ مرجع خلائق در ریاست دینی و دنیوی بود۔'' میں تمام مخلوقات کا مرجع لکھنا بکواس سے بالکل کم نہیں ہے۔ خلائق کے معنی بچوں کو بھی معلوم ہیں۔ اس میں جن وانس، ملائکہ، چوپائے، چیونٹیاں وغیرہ سب داخل ہیں۔ یہی نجوم السما ہے۔ جس نے شہید ثالث علامہ نوراللہ شوستری کو تقیہ یعنی مذہب کو چھپانے والوں میں دکھایا ہے۔ حالانکہ مولوی عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ منتخب التواریخ میں چشم دید حالات لکھتا ہوا اُن کی مدح وثنا کرتا ہے۔ اور اُن کا اعلانیہ شیعہ مذہب ہونا مشہور بتاتا ہے۔ الغرض کہنا یہ ہے کہ غفراں مآب اینڈ کمپنی کو چاپلوس، خوشامدی اور غرض کے بندوں نے زمین سے اٹھا کر آسمان تک بلند کر دیا۔ ایک نقال کمپنی کو عالم بنا دیا۔ ہم نے اس جماعت کی ہر وہ تصنیف جو مارکیٹ، لائبریریوں وغیرہ میں ملی خود مطالعہ کی ہے۔ اور اس بنا پر چیلنج کرتے ہیں کہ غفراں مآب اینڈ کمپنی کی شہرت علمی محض ایک ڈھونگ ہے۔ اُن میں سے کسی نے کوئی ایسی تحقیق یا ریسرچ پیش نہیں کی جو غفراں مآب کی پیدائش یعنی 1753ء سے پہلے شیعہ علماء کی کتابوں میں موجود نہ ہو۔ اگر کی ہے تو اُنکے ہوا خواہوں کو چاہئے کہ وہ ہمیں دکھائیں۔ اور ہم اُنکا نقل مارنا چٹکی بجاتے میں ثابت کر سکتے ہیں۔ غفراں

مآب اینڈ کمپنی نے قم، نجف اور کربلا کے نام پر شاہان لکھنؤ سے بڑی بڑی رقمیں بٹوریں اور وہاں بھی اپنے ہم مسلک مجتہدین کو مرہون احسان کیا۔ اور اُن سے اپنے حق میں بیانات دلوائے۔ جس طرح نزھه اثناعشریہ کے بعد کسی اور جواب کی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح علمائے شیعہ نے اصول وقوانین پر جو کتابیں غفراں مآب کی پیدائش سے پہلے لکھ دی تھیں۔ اُنکی موجودگی میں کتاب اساس الاصول کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن مصنف بننے کیلئے انہیں ادھر اُدھر سے نقل مارنا پڑی۔ اور دنیا میں مصنفین کی صف میں آ کھڑے ہوئے۔ حالانکہ پوری کتاب میں نہ کوئی نیا اصول لکھا نہ کسی سابقہ اصول کو غلط ثابت کیا۔ خودساختہ اجتہادی اصطلاحات اور الفاظ کی بھول بھلیاں دیکھ کر بے چارے اَن پڑھ بادشاہ واہ واہ کہنے پر مجبور تھے۔ بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ غفراں مآب کے بعد جناب سید محمد صاحب کو وہ مواقع ہاتھ لگے۔ جس سے انہوں نے پوری ملت شیعہ کے عوام وخواص کو اپنے چاروں طرف گھومنے والے کولھو میں جوت دیا۔ اور حقیقی مذہب شیعہ کو طاغوتی نظام کے ساتھ ملا کر ایک نیا ہندوستانی، غفراں مآبی اجتہادی مذہب کشید کرلیا۔ اور سر توڑ کوششیں، سر پھوڑ جدوجہد کی کہ اُس مذہب کے علاوہ باقی سب کچھ مٹا دیں۔ مگر تحریک تشیع کی صرف ایک ہی رسم ایسی تھی جس نے ہر قدم پر اُنکے بڑھتے ہوئے اقدامات سے ٹکّر لی۔ اور رفتہ رفتہ اُس طاغوتی محاذ کو زوال پذیر کردیا۔ اور بہت جلد وہ وقت آ گیا کہ اُن کو مع اُنکے سرپرستوں کے چُھپتے پھرنا پڑا۔ نظر بندی اور قید سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ لوگ اُس رقم میں حصہ دار بنا دیئے گئے جو گورنمنٹ برطانیہ کے یہاں سے بطور سُود کے واجد علی شاہ کے وثیقہ خواروں کو برابر ملتا رہا۔ یوں مِلّتِ شیعہ کے علماء میں مفت خوری اور کاہلی کی مَرْدُود اسکیم کو اس محاذ نے جاری کردیا جو آج تک کسی نہ کسی صورت میں جاری ہے۔ سوائے چند علماء کے تمام نام نہاد مجتہدین اور اُن کی پارٹی کے حاشیہ نشین علماء مفت خور وکام چور ہیں۔ یتیموں اور بیوہ عورتوں، فقرا ومساکین اور محتاج لوگوں کے نام پر اپنی دکان سجا کر عیش کررہے ہیں۔

نہج البلاغہ، کافی اور دیگر کتبِ حدیث میں اُن علماء سوء کے حُلیے، اُن کی چال ڈھال، رہن سہن، طرزِ گفتگو کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر شیعہ اپنے اپنے زمانے کے تمام علمائے سوء کو بلاشبہ پہچان سکتا ہے۔ تفصیلات کتاب اسلام اور علمائے اسلام میں شائع ہوتی چلی آ رہی ہیں۔

(28) <u>عالم سوء کا حلیہ بقلم خود</u>

غفراں مآب اینڈ کمپنی کے عقائد پر گفتگو مندرجہ بالا کتاب میں کی جارہی ہے۔ یہاں تو اس قدر سُن لیں کہ جناب سلطان العلماء السید محمد مجتہد کی کتاب روضۃ الاحکام ہمارے پاس ہے۔ اس میں بہت سے ایسے عقائد ہیں جن پر خدا اور رسولؐ کی طرف سے نہ آیت ہے، نہ حدیث سے اُن کو سند ملتی ہے۔ اور اس میں بھی حسب قاعدہ اپنے پیش رو مجتہدین کی نقل ماری گئی ہے۔ جو بات اس تنگ وقت میں لکھنا ضروری ہے سنیں! آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"۔دوسرے یہ سمجھ لے کہ جب تم یہ جان گئے کہ احکام جاری کرنے میں جو اختلافات اور غلطیاں اور صحیح فیصلے سرزد ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف مجتہدین سے مخصوص ہیں نہ اخباری علما ہی سے خصوصیت رکھتے ہیں۔(بلکہ دونوں سے سرزد ہوتے ہیں)

(1)"۔دیگر بداں کہ ہرگاہ دانستی کہ اختلاف احکام وصواب وخطا اختصاص بہ علمائے اصول واخبار ندارد پس طعن یکے بر دیگرے درخصوص مسائل نظریہ اختلافیہ بیجا است۔" روضۃ الاحکام صفحہ ۱۵ طبع ۱۲۶۳ ہجری مطبع محمدیہ باہتمام ولی محمدؒ۔

لہٰذا اختلافی اور نظریاتی مسائل میں غلطی یا اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے پر طعن کرنا بے جا ہے۔" ایک بات اور سنیں:۔

"۔جناب صدوق جو اخباریوں کے رئیس یا بزرگ ہیں انہوں نے بہت سی ایسی عجیب باتیں لکھی ہیں کہ جن سے نہ کسی مجتہد نے اتفاق کیا نہ کسی اخباری عالم نے موافقت کی۔لیکن اس سبب سے اُن کے علم وفضل اور تقویٰ پر کسی نے اُن کی مذمت نہیں کی ہے۔"

(2)"۔رئیس الاخبارئین صدوق بعضے از اقوال غریبہ دارد۔کہ ہیچک از مجتہدین واخبارئین درآنھا موافقت نہ کردہ اند۔وبایں سبب کسے درعلم وفضل وتقویٰ اوقدح نمی تواند کرد۔"(ایضاً صفحہ 16)

ان دونوں بیانات میں مجتہد صاحب نے اخباری علماء کا برسرحق ہونا تسلیم کیا اور جناب شیخ صدوق رضی اللہ عنہ کو اخباریت اور اخباریوں کا رئیس بزرگ عالم، متقی اور صاحب فضل تسلیم کرلیا۔اب سوال یہ ہے کہ مہدی صاحب نے لکھا تھا کہ:۔

(3) "۔آپ (غفراں مآب) کو لکھنؤ پہنچنے پر قوم کی اندرونی اصلاح اور اُن میں ذوقِ علم پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ دوزبردست طاقتوں کا مقابلہ کرنا پڑا وہ صوفیت اور اخباریئت کی گھٹائیں تھیں جو فریقین (سنی شیعہ) پر چھائی ہوئی تھیں۔" (سوانح غفراں مآب صفحہ 19-18)اور:۔

(4) "۔وہ غفراں مآب ہی تھے۔جس نے صوفیت، وہابیت واخباریت کے مستحکم قلعہ کو منہدم کرکے امت مسلمہ (یعنی تمام فرقہائے اسلام) کو دعوت اتحاد دی۔"(صفحہ 37)

یہ ہے وہ نقاب پوش گروہ جس کی کسی بات کا اعتبار کرنا دُنیا کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ہمیں اپنے علماء کو اور اُن کے مذہب کو اُن کے قلم سے برحق ثابت کرنا تھا وہ ہوگیا۔رہ گئے نظام اجتہاد وہ روزازل سے اور قرآن میں بھی باطل ہے۔

(29) <u>غفراں مآب کی دعوت اتحاد کا نتیجہ</u>

غفراں مآب کے متعلق یہ دعویٰ کہ انہوں نے امت مسلمہ کو دعوتِ اتحاد دی تھی سراسر خلافِ واقعہ ہے۔غفراں مآبی تنظیم نے تو دراصل اُمت مسلمہ کے اتحاد کو اس طرح تباہ کیا تھا کہ اس وقت کے علماء کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ شیعوں سے ہر رشتہ توڑ لیا جائے۔آپ دیکھ چکے ہیں کہ علامہ تفضّل حسین اعلی اللہ مقامہ کے سامنے شیعہ وسنی دونو کے علماء درس لینے کے لئے زانوئے

ادب طے کرتے تھے۔آپ فقہ حنفی کا درس درجہ اجتہاد تک دیتے تھے۔آپ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ شیعہ اور سُنّی آپس میں شادی بیاہ کرتے تھے اور اس سے مذہب شیعہ بلا کسی محنت کے ہر گھر میں پھیلتا چلا جا رہا تھا۔لیکن غفراں مآب نے اتحاد کی دعوت کے پردوں میں جو تبلیغ کی اس کا ردّ عمل یہ ہوا کہ مولوی ثناء اللہ نے شیعوں سے مناکحت بند رکھنے کے لئے وصیت نامہ لکھا۔ملاحظہ ہو ۔''اس دور میں امارت و وزارت و جاگیرداری و منصب داری کے عہدوں پر شیعہ حضرات فائز تھے۔اور رفاہِ معیشت بھی اُن کو حاصل تھی۔اسی لئے فریقین اہلسنت و اہل تشیع میں مناکحت و مصاہرت کے رشتے بھی ہوتے تھے۔اور اسی طرح بھی اُن کے مسلک کی اشاعت ہوتی تھی۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی 1225ھ 1810ء اپنے وصیت نامے میں ان امور کی طرف خاص طور پر نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''

''۔از جُملہ تقدیمِ مصلحت دینی بر مصلحتِ دُنیوی آنست کہ در مناکحت دینداری منظور دارد و چُوں درایں زمانہ درایں شہر مذہبِ روافض بسیار شیوع یافتہ است و شرفا بیشتر برعلوِ نسب یا رفاہِ معیشت نظری دارند۔اوّل رعایت ایں باید کرد دُختر بکسے رافضی یا مُتہم بہ رفض اگرچہ صاحب دولت عالی نسب باشد نہ باید داد۔روزِ قیامت سوائے دین و تقویٰ ہیچ بکار نخواہد آمد۔ونسب را نہ خواہند پرسید (صفحہ 69 فضائل صحابہ واہلبیتؑ)

دنیاوی مصلحتوں سے بڑھ کر دینی مصلحت یہ ہے کہ نکاح کے معاملہ میں دینداری کو پہلا نمبر دیا جائے۔ چونکہ اس زمانہ میں اس شہر میں رافضی لوگوں کا مذہب بہت زیادہ پھیل گیا ہے۔اور تمام اہلسنت کے شریف خاندان اور اعلیٰ درجہ کی نسل کی بنیاد پر یا دنیاوی سہولتوں کے حصول کو مدنظر رکھتے ہیں۔یعنی اپنی بیٹیوں کی شادیاں سیدوں یا خوش حال شیعوں میں کر رہے ہیں۔اس سلسلے میں پہلی دینی رعایت یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی بیٹیاں کسی رافضی کو یا کسی ایسے شخص کو نہ دیں جو شیعت سے تعلق رکھتا ہو۔خواہ وہ دولتمند اور عالی نسب ہی کیوں نہ ہو۔ قیامت کے روز دین اور تقویٰ کے سوائے کوئی چیز کام نہ آئے گی اور نسب کے متعلق سوال ہی نہ ہوگا۔''

یہ تھی وہ دعوتِ اتحاد جس نے ہماری تبلیغ کا سب سے بڑا راستہ بند کر دیا اور لوگوں کے دلوں میں نفرت و تعصب کی تخم کاری کر دی۔اس کے جواب میں اس نظام نے بھی اہلسنت سے مناکحت پر پابندیاں لگا دیں۔مخالف محاذ نے شیعوں پر جو الزامات لگائے انہوں نے بھی اس کی بالواسطہ تائید کی۔اُنہوں نے تعزیہ داری کو حرام قرار دیا۔اِنہوں نے بعض اہم اجزا کو حرام کر کے مخالف مشن کو مضبوط کیا۔وہ لوگ ابھی زندہ ہیں جو یہ گواہی دیں گے کہ اس گروہ نے یہ رسم قائم کر دی تھی کہ جب تک سوز خوانی و مرثیہ ہوتا۔یہ علماء ہرگز مجلس عزا میں قدم نہ رکھتے۔اس لئے کہ ان کے یہاں سوز و درد حرام ہے۔جب یہ اطلاع ملتی کہ یہ بدعت ختم ہوگئی تو یہ لوگ مجلس میں آتے۔منبر پر جا کر کچھ پڑھتے اور ماتم شروع ہونے سے پہلے ہی وہاں سے نکل بھاگتے تاکہ یہ حضرات بدعت میں شامل نہ ہوں۔اُن میں سے کسی نے زنجیر کا ماتم نہیں کیا۔اس لئے کہ وہ حرام ہے۔ہم نے جس مجتہد

نام کے آدمی کو مرثیہ خوانی اورنوحہ خوانی کے دوران مجلس میں دیکھا وہ صرف علامہ علی نقی قبلہ تھے۔غفراں مآب کے زمانہ میں عزاخانوں کے دروازوں پرنوبت بجتی تھی۔ نقارہ اور بینڈ جلوس عزا کے ساتھ چلتے تھے۔اُنہوں نے بتدریج اُن تمام چیزوں کو بدعت کہہ کرختم کر دیا اوراثر انگیزی تباہ کردی جو ہمارے بزرگ علماء نے عزاداری میں لازم قرار دی تھیں۔اِن لوگوں نے افتراق وانتشار پھیلانے کے لئے ابتدا کے چند سال میں ہر کتاب میں لعنت وتبرا کرنے کے ڈھیر لگا دیئے۔اور جب مخالف محاذ نے قلم اٹھایا تو یہ کمپنی خاموش ہوکر ایسی بیٹھی کہ اب اُن میں سے ایک دو کے سوا سب اپنا منہ بند کئے بیٹھے ہیں۔اُن کے یہاں سے جو نفرت انگیز مذہبی کتابیں مارکیٹ میں آئیں۔اُن پر اعتراضات ہوئے تو انہوں نے یہ تو نہ کیا کہ تعمیری طرز تحریر اختیار کرلیں۔البتہ ہر کتاب کے باہر یہ لکھنا شروع کر دیا کہ اہلسنت حضرات نہ پڑھیں۔یعنی اُن حضرات نے اہلسنت میں تبلیغ کو قطعاً بند کر دیا۔اُن کی نوابیاں ختم ہوگئیں تو تصنیف وتالیف بھی بند ہوگئی۔آج ہم دیکھتے ہیں کہ شیعہ نوجوان علامہ مودودی کو پڑھتے ہیں مگر اس گروہ کو نہ پہلے کبھی شرم آئی نہ اب اُن کا شرم سے کوئی رشتہ ہے۔

(30) <u>ایک سو شہیدوں کا قاتل مفتی کے فتویٰ سے معاف</u>

اعلیٰ حضرت جناب مفتی محمد عباس کے متعلق علماء میں مشہور ہے کہ جب اُن سے یہ پوچھا گیا کہ سوز، مرثیہ اورنوحہ میں ترنم کی کیا پوزیشن ہے تو فرمایا کہ:۔

الغنافی المجالس ۔ کزناء فی المساجد۔مجلس عزا میں ترنم ایسا ہی ہے جیسے مسجد میں زنا کرنا۔ہم نے یہ جملہ کسی مستند کتاب میں نہیں دیکھا۔مگر علماء نے اُنسے اس جملہ کو تقریراً وتحریراً نقل کیا ہے۔بہر حال اب ہم اُن لوگوں کا تذکرہ بند کر رہے ہیں۔اسلئے یہاں یہ دکھا دیں کہ اس گروہ کے مفتی حضرات قرآن وسنت اوراجماع وعقل کو دلائل شریعہ کہتے ہیں۔مگر فتویٰ دینے میں قرآن،حدیث اورعقل کو بالائے طاق رکھ کر اپنے ذاتی اوہام وخیالات سے جو چاہتے ہیں کہتے چلے جاتے ہیں۔ہمارے اس چیلنج کی تصدیق میں آپ کو مفتی سید محمد عباس کی ایک بڑی پرانی منظوم کتاب کی سیر کرنا ہوگی۔جس کا نام مفتی صاحب نے بنیاد اعتقاد' رکھا اور جس کی طباعت <u>1282ھ</u> ہجری میں مرزا آغا علی نے مطبع احمدی سے کرائی تھی اس میں لکھا ہے کہ:۔

''سابق میں ایک شخص گناہ گار تھا بڑا ۔۔۔ کرتا تھا قتل خلق کو بے جرم وبے خطا
ظاہر ہوا فساد بہت اس کی ذات سے ۔۔۔ ننانوے شہید ہوئے اس کے ہاتھ سے
جب نشۂ خمار سے ہشیار کچھ ہوا ۔۔۔ خواب گران جہل سے بیدار کچھ ہوا
پوچھا بتاؤ عالمِ دین کون ہے یہاں ۔۔۔ داناترین روئے زمین کون ہے یہاں

لوگوں نے اس کو نام کسی کا بتادیا
راہب تھا کوئی دیر میں اس کا پتادیا

پہنچا جو اُس کی خدمتِ عالی میں خستہ حال
اظہار حال کرکے لگا کرنے یہ سوال

ہرچند روسیاہ یہ عبدِ ذلیل ہے
توبہ قبول ہونے کی کوئی سبیل ہے ؟

اس پارسا کے منہ سے یہ نکلا کہ اے جہول
تجھ سے گناہ گار کی توبہ نہیں قبول

آیا جو اُس عزیز کو طیش اس کلام سے
اس کا بھی سربدن سے اتارا حسام سے

سو آدمی تمام کیے اس نے جب تمام
پوچھا کہ کوئی اور ہے ؟دانا تراَنَام

تھاایک مرد عالم ودانائے روزگار
آوازہ اُس کا سن کے گیا بادلِ فگار

تصویر پہلے کھینچ کے حال تباہ کی
پوچھی سبیل تو یہ عُذر گناہ کی

اُس نے کہا کہ توبہ کا مانع کوئی نہیں
یہ شاہ راہ بند ابھی تک ہوئی نہیں

عازم فلانے شہر کا ہوکر یہاں سے جا
اُس جا پہ جاکے عفو کی کرحق سے التجا

پھرعزم اس بلد کاوہاں سےنہ کیجئو
ذکرخداکو ورد زبان سےنہ کیجئو(؟)

القصہ اُس نے جلد یہاں سے سفرکیا
اثنا میں اس سفر کے جہاں سے گذرگیا

عاصی کے دل میں حسرت جانکاہ رہ گئی
یعنی بقدر نصف کے وہ راہ رہ گئی

نازل ہوئے تب اس پرفرشتے عذاب کے
رحمت کے بھی ملائکہ آئے شتاب سے

پہلے تو سب ملائکہ رحمت نے یوں کہا
توبہ کو یہ چلا تھا اگر چہ یہیں رہا

لازم نہیں ہے اب کہ ملامت کریں اسے
دوہم کو تاکہ داخل رحمت کریں اُسے

پھر یوں کیا ملائکہ قہرنے کلام
کی اس شقی نے عمر گناہ میں بسرتمام

توبہ ابھی نہ کی تھی کہ آئی اجل اسے
ہرگز نہ ہوگی اس کو رہائی عذاب سے

اتنے میں اک فرشتہ کہ تھاصورت بشر
حکم خداسے اُس کا وہاں پر ہواگذر

چاہاانہوں نے قصہ کو فیصل کرے وہی
مشکل پڑی جوان پر اسے حل کرے وہی

اس نے کہا کہ ناپوتو کے گز ہے یہ زمین
دیکھو تونصف راہ پہ آیاہے یانہیں

ناپی گئی زمین توثابت ہوا اسے
بالشت بھر زیادہ یہ آیا ہے نصف سے

بس اس کا نامۂ عمل زشت دھوگیا
نیکوں میں صالحوں میں وہ محسوب ہوگیا

تنگیٔ قبر وظلمت وبرزخ سے بچ گیا — رحمت ہوئی وہ اُس پر کہ دوزخ سے بچ گیا
اس کو زیارت علما کی امید تھی — اُن کے سبب سے عفو وعطا کی امید تھی
ہرچند آرزو میں وفات اس کی ہوگئی — برکت سے عالموں کے نجات اس کی ہوگئی
سید بس اب خدا سے مناجات کیجئے — رو کردعائے عفو خطیئات کیجئے

(کتاب بُنیادِ اعتقاد صفحہ 54۔52)

یہ ہیں وہ عقائد جن پر مجتہدین کے نظام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ نظام اجتہاد کے حکم سے بنی نوع انسان کا کھلا قتل عام ہوتا رہا۔شہداء کے قاتلوں کو ہمیشہ یہ اطمینان رہا کہ مجتہدین ہمارے تمام گناہ بخشوا کر چھوڑیں گے۔اسی اصول کے ماتحت یہ کہا گیا کہ یزید وشمر وابن زیاد وعمر سعد وغیرہم کو بُرا نہ کہو،اُن پر لعنت نہ کرو،اُن کے لئے خدا سے بخشش کی دعا کرو،اُن کے لئے مغفرت کے امیدوار رہو۔پھر جس چیز کو مغفرت اور جنت کا سبب قرار دیا ہے۔وہ یہ کہ اُس ملعون نے مجتہدین سے ملاقات کا پختہ ارادہ کرکے آدھے سے زیادہ سفر طے کرلیا تھا۔بس ملائکہ نے دوڑ بھاگ شروع کردی۔اللہ نے مغفرت اور جنتی ہونے کے احکام جاری کردیئے۔عذاب کے فرشتے اپنی غلطی پر پچھتاتے جہاں سے آئے تھے واپس چلے گئے۔ہم اس قسم کے لوگوں کو نہ عالم سمجھتے ہیں نہ اچھے انسانوں میں شمار کرتے ہیں۔اس کے برعکس ہم انہیں جاہل نہیں بلکہ فریب سازی میں عالم مانتے ہیں۔قرآن وحدیث میں تحریف کرنے کا مجرم،بے رحم،ظالم وکاذب کہتے ہیں۔قرآن کریم نے بتایا تھا کہ:۔

> وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًاo (4/93 نساء)

جوشخص کسی بھی صاحبِ ایمان کو سمجھ بوجھ کر قتل کرے گا۔اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔اس پر اللہ کا غضب اور اللہ کی لعنت ہوتی رہے گی۔اور اُس کے لئے شدید ترین عذاب تیار رکھا گیا ہے۔

خود سوچیے اور اگر کوئی مجتہد ملے تو اس سے دریافت کیجئے کہ جن قتل ہونے والوں کو خود شہید قرار دیا ہے۔اور جنہیں بے جرم وخطا قتل کردیا جانا مان لیا ہے۔ایسے ایک سو شہداء کا قاتل قرآن کی کون سی آیت اور رسولؐ کی کون سی حدیث کی رُو سے قابل بخشش اور جنتی ہے۔یہ بہت ہی مناسب مقام ہے کہ ہم اپنے اُن قارئین کو مخاطب کریں جو اپنے روادارانہ دماغ سے ہماری تلخ کلامی پر ذراسی کشیدگی محسوس کرتے رہے ہیں۔وہ بتائیں کہ کیا اُنہیں ابلیس کو قرآن کا ملعون کہنا بھی ناگوار گذرتا ہے؟ کیا فرعون نمرود وشداد کی مذمتیں پڑھتے ہوئے وہ قرآن پر بھی چیں بچیں ہوتے ہیں۔کیا قرآن میں لعنۃ اللہ علی الکذبین انہیں صدمہ پہنچاتا ہے؟اگر آج شیطان کی اولاد مشخص ہوتی اور ابلیسی کردار پر مصر رہتی تو کیا آپ اُسے پسند کرتے؟ یہ بھی مجتہدین کی چابکدستی ہے کہ اُنہوں نے قرآن کریم کی اس حقیقت کو رفتہ رفتہ غائب کردیا۔اور ساری دنیا کو فریب میں

مبتلا کر دیا کہ ابلیس کے نطفہ کی شمولیت سے بھی انسانوں میں ابلیسی نسل چلی آ رہی ہے۔ اللہ نے اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح الفاظ میں تفصیلات دی تھیں۔ لیکن آج وہ وقت لے آیا گیا ہے کہ ہمارا یہ کہنا ایک نئی اور غلط بات معلوم ہوگی۔ جس طرح ابتدائے کتاب میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ سب سے پہلا مجتہد ابلیس ہے اوراس پر حدیث معصومؑ اَوّلُ مَن قاسَ فھو ابلیس۔ یعنی جس نے سب سے پہلے قیاس یا اجتہاد کیا تھا وہ ابلیس تھا۔ اُسی طرح قرآن کریم نے بتایا ہے کہ:۔

خدانے ابلیس کو اختیار دیا تھا کہ تو جس کو چاہے | وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (17/64 سورہ بنی اسرائیل) |

انسانوں میں سے اپنا ہم خیال بنالے اور اگر ضرورت ہو تو انسانوں کے اندر حلول کر جا۔ اُن کے اموال اور اولاد میں شریک ہوجا۔ وغیرہ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ:۔

ہم نے تمام انبیاء کے اُسی طرح شیاطین کے دونوں گروہوں میں سے دشمن بنائے ہیں انسانی | وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ (6/113 سورہ انعام) |

شیاطین میں سے جناتی شیاطین میں سے جو آپس میں ایک دوسرے کو وحی کرتے ہیں۔ الخ

اُس پر جو تفصیلات احادیث میں آئی ہیں۔ وہ تمام یہاں لانا باعث طوالت ہوگا۔ اتنا عرض کر دیں کہ فزیکل انٹرکورس کا پورا نقشہ کھینچ کر بات واضح کی گئی ہے۔ کسی شیعہ نام کے مجتہد کی مجال نہیں کہ وہ اس حقیقت کا انکار کر دے۔ ہم مجتہدین کو اُن کے عمل عادات ومقاصد کے ماتحت قطعی طور پر ابلیسی گروہ کے باعلم افراد سمجھتے ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ ہمارے شریف قارئین ہمیں ہماری سخت کلامی پر معاف فرمائیں گے۔ علاوہ ازیں ہم نے یہ تشدد صرف اُن لوگوں کے ساتھ واجب اور دین کی خدمت سمجھا ہے جو شیعہ مذہب کی آڑ میں اجتہاد کے پیروکار تھے۔ ان میں سے بھی ہم نے بعض کو اس لئے اچھے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ جن کا نقصان ہمارے علم میں نہیں آیا۔ لیکن جن مجتہدین نے صوفیائے کرام اور اخباری علماء کو خارج از اسلام کہا۔ انہیں قتل کرنے کے فتاویٰ دیئے اور اپنے ہاتھوں سے قتل کرایا۔ ہم انہیں کسی طرح اور کسی مقدار میں معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اُن کے لئے ہماری لغت میں عمدہ الفاظ نہیں ہیں۔ اور قارئین اگر ہمیں پھر بھی معاف نہیں کرتے تو ہم اُن کو بھی طرفداران اجتہاد ومجتہدین میں داخل کرتے ہیں۔ اور اُن سے شرافت ودیانت کی نفی کر کے ان پر ریاکارانہ رواداری کا الزام عائد کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انہیں حریت فکر ونظر وکلام عطا کرے آمین ثم آمین۔

جب ننانویں سال علی واولادِ علی علیہم السلام پر تبرا اور لعنت کرنے والا معاف ہے، جب شیعوں کو لعنتی بدعتی زندیق اور ملحد قرار دینے والے آپ کے یہاں قابل عزت ہیں، جب لاکھوں بے جرم وخطا مسلمانوں کو قتل کرنے والے قابل ستائش ہیں تو ہمیں بھی یہ امید ہے کہ ہمارا مقام بھی آپ کے یہاں بہت بلند ہونا چاہئے۔ اور چونکہ ہم نے نہ کسی مسلمان کو کافر کہا نہ

زندیق قرار دیا۔ نہ قتل کیا نہ قتل کا فتویٰ دیا بلکہ حق بیان کیا۔ اسناد اور تاریخی صفحات کے ساتھ بیان کیا تو ہمارا مقام اُن سے بلند تر اور برحق کیوں نہ قرار دیا جائے؟ یہ ہے رواداری۔ رواداری یہ نہیں کہ ظالم کو ظالم اور قاتل نہ کہنے دیا جائے۔ یہ جانبداری اور خدا اور سولؐ سے غداری ہے۔ اسی قسم کی رواداری نے تاریخی حقائق کو کتابوں کے اوراق سے غائب کرنے کا سلسلہ جاری کیا۔ ہزاروں کتابوں میں سے ہر وہ بات نکال دی گئی جو اُس طبقہ کے خلاف تھی۔ قرآن کے ترجموں کو تبدیل کیا مگر مترجم کا وہی نام رہنے دیا۔ یعنی جناب شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا اوّلین ترجمہ ہمارے پاس موجود ہے۔ اور دس بارہ لائبریریاں ہمیں معلوم ہیں جہاں وہ ترجمہ محفوظ ہے۔ لیکن بعد کے ناشروں اور مطبعوں نے اس ترجمہ کو تبدیل کیا۔ اور یہ بھی نہ لکھا کہ ہم نے تبدیل کیا ہے تاکہ عام مسلمان یہی سمجھیں کہ شاہ صاحب نے یہی ترجمہ کیا تھا جو وہ پڑھ رہے ہیں۔ اب اگر نظام تشیع موجود نہ ہوتا تو یہ فریب کاریاں چھپ کر رہ جائیں اور ایک ایسا زمانہ آتا کہ لوگ کہہ دیتے کہ دشمنوں نے خود ہی لکھ لیا ہے۔ چنانچہ بعض خبیثوں نے یہ جرأت کی بھی ہے لیکن خدا نے اُن کا منہ کالا کیا جب اصل حقیقت پکڑ کر دکھا دی گئی۔

(31) رواداری وخوش گفتاری کا دوسرا پہلو

بعض لوگ نرم روی اور شیریں بیانی وخوش گفتاری اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے میں اُن کی لسّانیت پردہ بنی رہے۔ اور ساتھ ہی ہر مکتب کا قاری انہیں فراخ دل بے لوث و بے تعصب قرار دے۔ اس سلسلہ میں جن کتابوں کو ہم نے ماخذ بنایا ہے۔ اُن میں سے رود کوثر وغیرہ کے مصنف جناب اکرام اللہ کا نمبر اوّل ہے۔ وہ جب شیخ احمد کی بدعتوں پر اُن کی گرفتاری اور جہاں گیر کا مواخذہ لکھنے لگے تو واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ ہم جہاں گیر کے وہ الفاظ حذف کر کے باقی واقعہ لکھیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیوں؟ آپ کا ہم مذہب اور آپ کے مذہب کی تائید میں ایک زبردست شیعہ عالم نور اللہ شوستری رحمۃ اللہ علیہ کو قتل کرانے والا بادشاہ ایک آپ کے ہم مذہب بدعتی عالم سے مواخذہ کرے تو آپ اپنی رائے تو کیا دیتے؟ جہاں گیر بادشاہ محی الدین کی رائے بھی نہیں لکھتے۔ کیا یہ حق پوشی نہیں ہے؟ آپ وادین میں وہ گفتگو لکھتے تو آپ کو کوئی الزام نہ دیتا۔ لیکن خوش گفتاری بے تعصبی کا ڈھونگ آخر کھل گیا۔ اکرام اللہ نہیں چاہتے کہ آج کے اہلسنت عوام اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں۔ ہر زمانہ میں یہ کام ہوتا رہا ہے۔ اور ہم ایسے ہی لوگوں کی نشان دہی کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم دکھاتے ہیں کہ جہاں گیر نے کیا کہا تھا؟ اور کیوں کہا تھا تمام اہل قلم اکرام اللہ نہیں ہوتے۔ حقائق دُنیا سے ناپید نہیں کئے جاسکتے۔ سنئے! اور دیکھئے کہ دربار لگا ہوا ہے، تمام مفتیان دربار حاضر ہیں، علماء موجود ہیں، گواہان استغاثہ حاضر ہیں، فرد جرم سنائی جارہی ہے۔

(32) جہانگیر کے دربار میں شیخ احمد سرہندی

جہاں گیر بادشاہ نے توزک جہانگیری میں لکھ رہا ہے کہ:۔

''۔اُن ہی دنون میں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک مکّار سرہند میں مکروفریب کا جال بچھا کر کئی نادان اور بے سمجھ لوگوں کو اپنے فریب میں پھانسے ہوئے ہے۔اور ہر شہر اور ہر علاقے میں اُس نے اپنے مریدوں میں سے ایک ایک کو جو معرفت کی دوکانداری و معرفت فروشی اور لوگوں کو فریب دینے میں پوری مہارت رکھتے ہیں ۔ خلیفہ کے نام سے مقرر کیا ہے۔مزخر فات اور واہیات قسم کے خطوط اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام لکھ کر مکتوبات کے نام سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے۔اُس نے اپنے اس مجموعے میں اکثر ایسی فضول اور واھئیات باتیں لکھی ہیں ۔ جو کفر اور زندیقیت تک پہنچتی ہیں ۔ از آں جملہ اُس نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے میرا گذر مقام ذی النورین میں ہوا۔ جو نہایت عالیشان اور پاکیزہ تھا۔ وہاں سے گذر کر میں مقام فاروق میں پہنچا۔اور مقام فاروق سے مقام صدیق میں آیا۔اُس نے ہر مقام کی تعریف اس کے مناسب حال لکھی ہے۔اور اس نے لکھا ہے کہ وہ وہاں سے مقام محبوبیت میں پہنچا۔ جو نہایت منور اور رنگین تھا۔اُس مقام پر میں نے اپنے اندر مختلف انوار اور ایوان کو منعکس پایا۔استغفر اللہ بزعم خویش وہ خلفا کے مرتبے سے بھی آگے بڑھ گیا۔اور اُن سے بھی زیادہ اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گیا۔اس کے علاوہ اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں۔جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہے۔اور ادب کے خلاف ہے۔اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اُسے ہماری بارگاہِ عدالت آئین میں حاضر کیا جائے۔حسب الحکم وہ حاضر کیا گیا۔میں نے اس سے جو بھی پوچھا وہ اس کا معقول جواب نہ دے سکا۔بے وقوف اور کم عقل ہونے کے ساتھ نہایت مغرور اور خود پسند معلوم ہوا۔میں نے اس کی اصلاح کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ اُسے چند دن قید رکھا جائے۔تاکہ اس کے دماغ کی شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی دور ہو۔اور عوام میں اس کے مزخرفات کی وجہ سے جو شورش پھیل رہی ہے۔وہ رُک جائے۔چنانچہ میں نے اُسے انی رائے سنگھ دلن (اکرام اللہ نے غلط لکھا اور ہم نے اسی طرح نقل کر دیا تھا) کے حوالے کیا۔کہ وہ اسے قلعہ گوالیار میں قید کر دے (صفحہ 118 تا 119 ترجمہ توزک جہاں گیری از اعجاز الحق قدوسی)

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ جب آپ نے یہ پڑھا تھا کہ شیخ احمد صاحب نے شیعوں کیلئے زندیق ملحد اور کافر اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔اس وقت آپ کی طبع نازک پر گرانی آئی تھی یا نہیں؟ پھر اب یہ پڑھا کہ اپنے زمانہ کا پکا سُنّی بادشاہ شیخ احمد کو زندیق، کافر اور مکار، معرفت فروش کہتا تھا اور اُسے قید کر دیا تھا تو مزاج کا کیا حال رہا؟ حق یہ ہے کہ اس شخص کے منہ میں اگر جہاں گیری لگام نہ دے دی گئی ہوتی تو اُس نے نبوت سے زیادہ بڑا دعویٰ کیا ہوتا۔ وہ شیعوں کو زندیق کہہ کر نبی بن جانا چاہتا تھا۔مگر ایک سال قید کے بعد مزاج ٹھکانے آ گیا۔شوریدگی اور آشفتگی دور ہوئی روزانہ بادشاہ کے سامنے سجدہ تعظیمی

بجالانے اور اپنا نقش چمکانے کیلئے بادشاہ کے درباریوں میں شامل ہوگیا جہاں گیر نے بڑے بے باکانہ انداز میں لکھا ہے کہ:۔

(33) شیخ احمد جہاں گیر کی صحبت میں بامراد

''۔اسی تاریخ میں (1029ھ) میں نے شیخ احمد سرہندی کو جو اپنی دوکان کو خودفروشی اور بے ہودہ گوئی سے سجانے کی وجہ سے بغرضِ تادیب چندروز (1028ھ ایک سال سے) سے قید میں تھا۔ اپنے حضور میں طلب کر کے رہا کر دیا۔ اور خلعت (جیل کے کپڑوں کی جگہ) اور ہزار روپیہ بطور خرچ عنایت کر کے جانے اور رہنے کا اختیار دیا۔ شیخ نے ازرُوئے انصاف کہا کہ یہ تنبیہ وتادیب درحقیقت ایک طرح کی ہدایت اور سبق ہے۔ میرا نقش مراد آپ کی خدمت میں رہنے ہی سے جلی ہوگا۔''

(صفحہ 218۔217 ترجمہ مذکورہ بالا)

یہ ہیں وہ بزدلانہ اور خوشامدانہ الفاظ جو تحریک تشیع کی ذیل میں قید ہونے والوں اور قتل ہونے والوں کے لئے لعنت تھے۔ اور مخالفین کے یہ لوگ بلا تکلف اغراض دنیاوی کے لئے ہمیشہ کہتے چلے آئے ہیں۔ اور جس طرح بھی موقعہ ملا بادشاہوں سے ذلیل ہو کر بھی اُن کے تقرب کے متلاشی رہے ہیں۔ بعض خوشامدی عقیدتمندوں نے اس خلعت اور ایک ہزار روپیہ ملنے کو نوازشات میں شمار کیا ہے۔ حالانکہ ایک سال کی قید کے بعد وہ کپڑے کہاں سلامت رہتے جو پہنے ہوئے جیل گئے تھے۔ چونکہ یہ سیاسی قیدی تھا۔ اس لئے نیا جوڑا دیا گیا تاکہ کوئی مفرور سمجھ کر دوبارہ گرفتار نہ کرلے۔ جیل سے رہائی پر کوئی لینے نہ آیا تھا۔ لہٰذا سفرخرچ ضروری تھا جو آج تک ہر قیدی کو ملتا چلا آتا ہے۔ جہاں گیر خوش ہوتا یا نادم ہوا ہوتا تو پھر مکاری کا دوکاندار کیوں کہتا؟ اور پھر ازراہ انصاف کہہ کر اپنے حکم قید اور جیل بھگتنے کو حق بجانب کیوں قرار دیتا۔ بلکہ کہتا کہ میں نے غلط مگر مضبوط شکایات پر قید کر کے برا کیا تھا۔ شیخ احمد کی قید کا سال 1621 عیسوی تھا۔ اور رہائی 1622 عیسوی میں ہوئی تھی۔ اس کے دوسال بعد احمد صاحب مرگئے یعنی 1624 عیسوی تک درباریوں سے متعلق رہے اور مرادیں مانگتے رہے۔ مگر کوئی مراد نہ ملی بلکہ خاندان اسی طرح نظروں میں مشکوک رہا جیسا کہ پہلے تھا۔ چنانچہ 1625ء 1034ھ میں سربراہ خاندان پٹوایا گیا اور قید کیا گیا تھا سنئے!

(34) جہانگیر نے تازندگی احمدی خاندان پر عتاب کیا

اس خاندان سے شادی بیاہ اور دیگر تعلق رکھنے پر سزا دینا:۔

''۔ان ہی ایام (1624ء 1034ھ) میں حضرت شہنشاہی سے عرض کیا گیا کہ مہابت خان نے اپنی بیٹی کی نسبت نقشبندی خاندان کے ایک بزرگ زادے خواجہ برخوردار نامی سے کردی ہے۔ چونکہ یہ نسبت اور رشتہ بغیر شاہی اجازت کے کیا گیا تھا۔ حضرت شہنشاہی کو اُس کا یہ طریقہ عمل نہایت ناگوار ہوا۔ اور خواجہ برخوردار کو اپنے حضور میں طلب کر کے فرمایا کہ

تو نے کس طرح ہماری اجازت کے بغیر مہابت خان سے جو ایک بڑے عہدہ سلطنت پر فائز ہے۔ یہ رشتہ جوڑا ہے؟ جب اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو حضرت شاہنشاہی نے اُسے بید لگوا کر قید کر دیا۔'' (صفحہ 465 ترجمہ توزک جہانگیری)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان احمد صاحب کے بعد بھی اس فکر میں رہتا چلا آیا تھا کہ کسی طرح دربار یا دربار کے باہر کے اراکین سلطنت کو بغاوت پر آمادہ کرلے۔ اور جہاں گیر چونکہ اس خاندان کی اُن باغیانہ کوششوں پر مطلع بلکہ شریک رہا تھا۔ جو اکبر کے خلاف وقوع میں آئی تھیں۔ اس لئے اُس نے صرف نقشبندی خاندان کے خواجہ کو پٹوایا اور قید کیا تھا۔ اور مہابت خان سے باز پرس نہ کرنا بھی اسی کا ثبوت ہے۔ چونکہ اس سزادہی کے بعد مہابت خان نے بغاوت کر دی تھی۔ اور موقعہ پا کر جہاں گیر کو محصور کر لیا تھا۔ اس عملدر آمد سے یقین ہو جانا چاہئے کہ احمد اینڈ کمپنی بغاوت کی اسکیم چلا رہی تھی۔ مگر مہابت خان آخر ذلیل وخوار ہو کر کیفر کردار کو پہنچا اور بغاوت ناکام ہو کر رہ گئی۔

(35) <u>مخالف علماء عوام کو ہمیشہ فریب دیتے رہے ہیں</u>

معمولی درجہ کے علماء کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ یہاں تو جناب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک کا یہ حال تھا کہ اُنہوں نے تحفہ اثناعشریہ میں صحیح بات لکھی۔ اور جب اُن پر اُنکے ہم مذہبوں نے اعتراض کیا تو انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ اگر تحفہ میں واقعی وہ قابل اعتراض بات موجود ہے تو یقیناً شیعوں نے تحفہ میں لکھ دی ہوگی۔ یہ دل چسپ قصہ جناب شاہ صاحب کی اپنی زبان سے سُنئے:۔

<u>(الف) عبدالعزیز صاحب بقلم خود</u>

ظاہر آں گرامی قدر را احوال فقیر معلوم نیست۔ کہ در کدام حالت گرفتار است از مدّتے چار سال مرض صعب عارض گذشتہ کہ از ہمہ امور معطل ساخت و از یک ونیم سال شد نے است کہ از مُدّت اَصلاً حَواس باقی نہ گذاشتہ۔ خصوصاً دراں ایام کہ گفت وشنید ہم معتذر است۔ و از مدت ابتدا بکسے خط نمی نویسم۔ ہرگاہ خط کسے می اید و جواب نوشتن واجب می گردد۔ ناچار جواب نگاشتہ آید۔ و آن ہم بدست خود نمی توانم۔ اکثر خطوط کہ بآشنایاں میروند تفتیش باید کرد کہ دستخطے اینجانب نمی باشد قبل ازیں عبارت از زبان خود می گفتم و کے دیگرے نوشت حالا از چند روز املا بر غیر ہم نمی توانم بلکہ مطالعہ خطوط و دیدن

<u>(ب) ترجمہ از مولوی محمد سلیمان بدایونی</u>

''۔خط وکتابت نہ کرنے کی جو شکایت آپ نے لکھی ہے۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو میری حالت معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ میں کس حال میں گرفتار ہوں۔ چار سال سے مجھے سخت مرض ہو گیا ہے۔ اور سب کام چھوٹ گیا ہے۔ ڈیڑھ سال سے اتنی زیادتی ہے کہ حواس ہی نہ رہے۔ خصوصاً آج کل کہ بات کرنے اور سننے سے بھی مجبوری ہے۔ اس بیماری کے شروع ہی سے میں نے کسی کو خط نہیں لکھا ہے۔ جب کسی کا خط آتا ہے تو جواب ضروری ہوتا ہے۔ اور جواب لکھوا دیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے ہاتھ سے نہیں لکھ سکتا۔ میرے اکثر خطوط جو دوستوں کو جاتے ہیں۔ اُنہیں دیکھ لیجئے کہ

آنہاودریافتِ مطالب کہ موافق آنہاجواب نویسانیدیم مشکل شدہ ۔ درعجب حالات میگزردکہ تحریرآن ممکن نیست تعلق بمشاہدہ دارد ۔ کسے کہ دریں حالت دریں ایام دیدہ ۔ ازوودریافت بایدکردکہ چگونہ میگزرد۔غرضیکہ حالتے است کہ نہ حیات تواں گفت نہ موت ۔ وہرکہ درآں زمان سابق دیدہ بود والحال ملاقات نمایدہمیں داندکہ گویاآن شخص نیست ۔ دریں حالت معذوراست ۔ واطلاق پلیدوخبیث کہ بریزیدکہ درتحفہ اثناعشریہ واقع شدہ بنابرحدیث است کہ فردوس دیلمی ودیگر کتب وصاحب صواعق محرقہ ہم آن حدیث نقل کردہ بلکہ بروایت حاکم ہم ثابت شدہ کہ اوّل من یَبدل سُنّتی رجل من بنی امیہ یسمّی یزیدوبروایت اول من یثلم فی امرامتی ۔ وہرکہ تبدیل سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کندیاسوراخ یعنی خلل درامرامتِ جناب انداز د البتہ خبیث وپلید است درخباثت وپلیدیّتِ وے جائے شک نیست ۔وتعریضات درباب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیرواقع نہ شدہ اگردرنسخہ ازتحفہ اثناعشریہ یافتہ شودالحاق کسےخواہدبودکہ بنابرفتنہ انگیزی وکیدومکرکہ بنائے مذہب ایشاں یعنی گروہ رفضہ ازقدیم ہرہمیں اموراست ۔ ایں کارکردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند(اسی خط میں چودہویں سطر میں مسلسل لکھتے ہیں کہ)واماحدیث صحیح است ودرمعنی اشکال نیست ۔ ہرگاہ معاویہ رضی اللہ عنہ واتباع ایشاں ازاہل شام وغیرہ باغی شدند چنانچہ ہمیں است مذہبِ اہلسنت (سبحان اللہ ۔یعنی معاویہ کابغاوت کرناہی اہلسنت کامذہب ہے۔ انا للّٰہ وانا

میرے دستخط نہیں ہوتے ۔ اس سے پہلے میں عبارت لکھوادیاکرتاتھا۔اوردوسرے لکھ دیتے تھے ۔اب کچھ دنوں سے میں لکھوابھی نہیں سکتاہوں ۔ بلکہ خطوط کادیکھنااوریہ دیکھنا کہ خطوں کاجواب جومیں نےلکھوایاوہ ٹھیک ہے۔مشکل ہوگیا ہےاوردن رات عجیب حالت میں گذرتے ہیں ۔جس کالکھنا ممکن نہیں ہے ۔وہ تودیکھنے ہی سے تعلق رکھتاہے۔اس زمانہ میں جس نے فقیرکودیکھاہواُن سے دریافت کیجئے کہ کیسی گذرتی ہے۔الغرض ایسی حالت ہے ۔جسے نہ زندگی کہہ سکتے ہیں ۔نہ موت ۔جس نے مجھے پہلے دیکھاتھا۔وہ اب دیکھے تو یہی جانے گاکہ یہ شخص جواس مجبوری کے عالم میں ہے گویاوہ نہیں ہے۔اورلفظ پلیدکااطلاق اورخبیث لکھناجوتحفہ اثناعشریہ میں یزیدکے لئےلکھاگیاہے۔حدیث کی بناپرہے۔جس سے فردوس دیلمی اوردوسری کتابوں میں اورنیز صاحب صواعق محرقہ نے اس حدیث کونقل کیاہے۔بلکہ حاکم کی روایت سے بھی ہی ثابت ہے کہ سب سے پہلے جومیری سنت کوتبدیل کرے گا۔ وہ بنی امیہ میں سے ایک یزیدنامی شخص ہوگااورروایت اوّل کے مطابق کہ جومیری امت کے امرمیں سوراخ کرےیعنی خلل ڈالے وہ ضرورپلیداورخبیث ہے ۔ اوراُس کی پلیدی اورخباثت میں کوئی شک نہیں ہے ۔اورمیں نےکوئی بات معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں لکھی ہے۔اگر تحفہ اثناعشریہ میں ایسی کوئی بات ہےتووہ اضافہ ہے جولوگوں نےفتنہ انگیزی کے لئے کیاہے۔اورگروہ رفضہ کے مذہب کی بنیادابتداہی سےمکروفریب پرہے۔ چنانچہ میرے کانوں تک

الیـه راجعـون)وجماعت۔ ہرگز جائے اشکال نہ ماندومعنی یدعونھم الی الجنۃ ای الی الحقِ یدعونک الی النار ای الی الباطل صریح است کہ موافق اعتقاد عمارؓ ہم چنیں فی الواقع است فئۃ بطرف حق دعوت میکردندوآں فئۃ ایشاں رابطرف باطل۔''	

یہ پہنچاہے ۔ کہ الحاق کرنا شروع کردیاہے ۔ (چودہ سطر بعد لکھاہے کہ) یہ حدیث صحیح ہےاوراس کے معنی میں بھی کوئی دقت اورشبہ نہیں ہے۔جب کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اوراُن کے پیروشامی وغیرہ باغی ہوگئے۔چنانچہ اہلسنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔اب تو کوئی بھی شبہ نہ رہا۔اوریَدۡعُوۡنَھُمۡ اِلَی الۡجَنَّۃ کے یہ معنی ہیں کہ وہ انہیں حق کی طرف بلاتے ہیں۔ اوریَدۡعونكَ الی النّار کے معنی ہیں وہ تجھے باطل کی طرف بلاتے ہیں۔اور یہ ظاہر ہے کہ عمارؓ کے عقیدے کے موافق اورحقیقت بھی یہی ہے کہ وہ لوگ اس گروہ کوحق کی طرف بلاتے تھے۔اوروہ انہیں باطل کی طرف بلاتے تھے۔''

(صفحہ 308 تا 311 فضائل صحابہ اوراہلبیت مولفہ ومرتبہ محمدایوب قادری ایم اے ناشر بیگم ہمایوں ٹرسٹ 65 ریلوے روڈ لاہور)

(مکتوبات شاہ عبدالعزیزوشاہ رفیع الدین دہلوی فارسی متن صفحہ 264 تا 267 فضائل صحابہ واہلبیت مولفہ محمدایوب)

(36) __صوفیائے کرام کی نظر میں تحفہ شان مرتضویٰؑ میں گستاخی تھی__

آپ کو یہ دکھانے کے لئے کہ شاہ صاحب کے اُن تمام اعضائے عمومی وخصوصی سے اللہ نے کیوں قوت وقدرت چھین لی اورکیوں انہیں بے بس وبے کس کرکے چارپائی پرڈال دیا؟ اورکیوں ایسی حالت میں زندگی وموت وحیات دونوں الفاظ سے باہرلےگئی جس کی صحیح نقشہ کشی قرآن کریم نے کی ہے کہ لَا یَمُوۡتُ فِیۡھَا وَلَایَحۡیٰیo (20/74سورہ طٰہٰ)نہ وہ اس میں زندہ رہےگا اورنہ مرنے پائے گا۔اُس زمانہ میں شاہ عزیز۔صاحب کرامات بزرگ صوفی حضرت شاہ فخرالدین دہلوی کے خلیفہ شاہ نیاز احمد بریلوی متوفی 1834ء 1250 ھجری کاوہ جملہ یاددلائیں جوصوفیائے کرام کے عنوان میں بہت پہلے تفصیل سے لکھاجاچکاہے۔

''۔میرے خانقاہ میں نہ آنے کا یہ باعث ہے۔کہ تم خانقاہ میں ایسی کتاب لائے ہو۔جس میں مولاعلیؑ کی شان میں طریق گستاخانہ کا استعمال کیاہے۔اُس کتاب کوہماری خانقاہ سے باہرکرو۔جب خانقاہ میں آئیں گے۔یہ سن کرحاضرین میں سے ایک صاحب نے معذرت کی کہ فی الحقیقت یہ خطامجھ سے ہوئی ہے۔آج دوپہرکومیں ایک دوست سے کتاب تحفہ اثناعشریہ پڑھنے کے لئے خانقاہ میں لے آیاتھا۔اب فوراً کتاب واپس کرتاہوں۔غرض جب کتاب خانقاہ سے چلی گئی تب حضرت خانقاہ میں تشریف لائے۔''(نازونیاز حصہ اوّل حالات وملفوظات شاہ نیاز احمد بریلوی مرتبہ نصیرالزمان خان صفحہ 69 نظامی پریس بدایوں اورصفحہ 58 تا59 فضائل صحابہ)

یہ بیان جس بزرگ کا ہے ۔ یقیناً وہ صادق القول اور مستجاب الدعوات تھے ۔ یہ اُن کی نا گواری و ناخوشی کی سزا تھی ۔ جس سے اللہ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے ۔ آمین ثم آمین ۔

(37) شاہ عبدالعزیز صاحب نہ غیبت سے ڈرتے ہیں نہ کذب سے

شاہ صاحب کے پاس شیعوں کے لئے اچھے الفاظ تو کہاں سے آتے وہ تو بلا دلیل اور خلاف واقعہ نہ صرف اپنے ہم عصر شیعوں پر مکر و فریب والحاق کا افترا کرکے کذب بیانی کرتے ہیں ۔ بلکہ وہ اُن تمام سابقہ شیعوں کو بھی مکار و فریب کار و تحریف کرنے والے قرار دیتے ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر شاہ صاحب کی پیدائش تک گذرے تھے ۔ تحفہ اثناعشریہ میں نہ اس وقت تحریف کی تھی نہ بعد میں شیعوں نے اُسے کوئی اہمیت دی ۔ لیکن شاہ صاحب کسی وحی کے ماتحت پر یقین ہیں کہ تحفہ میں تحریف شروع ہوگئی اور تحریف شیعہ کر رہے تھے ۔ اس دیانت و امانت کے لوگ بھی عالم کہلاتے رہے ہیں ۔ عوام سے ڈر کر اُسی خط میں معاویہ پر اعتراض نہ کرنے کا اعلان کرتے ہیں ۔ لیکن اُسی سانس میں معاویہ اور اُن کے تمام طرفداروں کو باغی قرار دیتے ہیں ۔ اور اس بغاوت کو مذہب اہلسنت والجماعت لکھتے ہیں ۔ اور اعلان کرتے ہیں کہ وہ گروہ جو باطل پر تھا معاویہ کا گروہ تھا ۔ اور وہ گروہ جس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے وہ اہلِ حق کا گروہ تھا اور معاویہ کا گروہ جہنم کی طرف دعوت دے رہا تھا ۔ اور عمار رضی اللہ عنہ والا گروہ جنت کی طرف بلا رہا تھا ۔ لہٰذا جناب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جو مذہب اختیار کر رکھا تھا ۔ وہ جناب علی علیہ السلام سے بغاوت کرنا اور مومنین کو جہنم کی طرف بلانا تھا ۔ (انا للّٰہ و انا الیہ راجعون) اور وہ جناب اُس مذہب کا نام اہلسنت والجماعت بتاتے ہیں ۔

بہرحال تحریک تشیع کا یہ ریکارڈ ہے کہ اُس نے سوائے مسلمان کہلانے والے دشمنِ انسانیت مجتہدین کے اور کسی مذہب و ملت کے خلاف کوئی محاذ نہیں بنایا اور کوئی ایسا عقیدہ اور اقدام پسند نہیں کیا جو کسی حیثیت سے بھی بنی نوع انسان کے لئے ضرر رساں ہو ۔ اِس لئے کہ جن راہنمایانؑ اسلام کے مشن کو جاری کرنے کے لئے یہ تحریک جاری رہی ہے ۔ وہ کسی خاص طبقہ یا کسی ایک ملک و قوم کا اقتدار نہیں چاہتے تھے ۔ وہ تمام انسانوں کو انسانیت کی بنیاد پر قابل احترام اور دنیا کی نعمتوں اور وسائل میں برابر کے حقوق دلانے کا قیام چاہتے تھے ۔ وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر بھوکوں کو کھانا کھلانے کا عملی مظاہرہ کرتے رہے ۔ کسی پر کبھی تشدد و جبر نہ کیا نہ اس کی اجازت دی ۔ وہ تمام مخلوق کو عیال اللہ سمجھتے تھے ۔ اور اللہ کی مخلوق سے محبت اور ایثار سے پیش آتے اور اسی کا حکم دیتے تھے ۔ وہ ہر صاحب عزت کی عزت و اکرام کرنے کا حکم دیتے تھے ۔ کفار اور مشرکین اور اپنے مخالفین کے بٹھانے کے لئے اپنا کرتہ نکال کر بچھا دیتے تھے ۔ اپنے ثابت شدہ اور سارے مذاہب میں مسلّمہ حقوق کو حاصل کرنے کے لئے بھی جنگ کو نا پسند کیا ۔ وہ ہمیشہ امن اور صلح کو جنگ پر ترجیح دیتے تھے ۔ اُن کے حقوق چھینے گئے اُنہیں لڑنے کے لئے ابھارا گیا ۔

اُن کی نصرت اور مدد کے لئے مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادہ مجاہدین سے پاٹ دینے کا وعدہ کیا گیا۔لیکن امن کے مقابلہ میں حقوق سے دست کش ہو گئے ۔اُن کے مُردوں کو دفن ہونے سے روکا گیا وہ خاموش ہو گئے، اُن کے جنازوں پر تیر برسائے گئے لیکن صبر کیا۔رسولؐ کے غم میں رونے سے منع کیا گیا تو راتوں کو قبر رسولؐ پر گذارنا شروع کیا۔انہیں زہر دیا گیا لیکن بددُعا نہ دی۔اور آخر کار پورے خاندان کو مٹا دینے کی اسکیم بنائی گئی۔انہوں نے کوئی دفاعی اسکیم نہ بنائی۔ بچہ بچہ تک قتل کر دیا گیا صبر ہی صبر کیا۔مستوراتؑ کو اور بیمارؑ کربلا کو قیدِ ستم میں رکھنے کے لئے کربلا سے دمشق تک پابہ زنجیر تشہیر وتعزیر کے ساتھ لایا گیا۔ ہر اذیت دی گئی لیکن زبان سے خلاف حق بات نہ نکالی ۔ایسے محبانِ اسلام وانسانیت کے ساتھ اس سنگدلی کا سلوک باضمیر انسانوں کے لئے ناقابل فراموش ہو گیا۔ صاحبانِ غیرت آخر کہاں تک برداشت کرتے ۔ ملک میں بغاوت ہو گئی ۔لیکن ہمارے راہنماؤںؑ نے بغاوت کی ہمت افزائی نہیں کی اور کسی بغاوت میں حصہ نہیں لیا۔دوسو پچاس سال تک ہر قسم کا ظلم وستم برداشت کیا۔مگر انسانوں کی فلاح کے طالب رہے۔جب مخالف محاذ اپنے جبر واستبداد کے سارے حربے آزما چکا، جب نظام اجتہاد کو دنیا سے ختم کرنے کے تمام طریقے مرتب ومدون کر دیئے تو ہمارا آخری راہنماؑ غیبی راہنمائی میں مصروف ہو گیا۔

اُنؑ پر ہمارا اسلام

والسلام

(22مارچ1974ء)